نام کتاب — اسلامی عقائد

تاریخ اشاعت — ۲۱ رجب ۱۴۱۴ھ

طبع — چہارم

قیمت

تعداد — ۳۰۰

ملنے کے پتے

۱۔ ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف فیصل آباد
۲۔ نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
۳۔ فاروقی کتب خانہ اردو بازار لاہور
۴۔ فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
۵۔ پروفیسر علامہ محمد یامین محمدی کراچی
۶۔ میاں نذیر احمد جامع مسجد اہل حدیث کراچی کمپنی اسلام آباد
۷۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس اردو بازار لاہور
۸۔ ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد
۹۔ سبحانی اکیڈمی اردو بازار لاہور
۱۰۔ مکتبہ ناصریہ حاجی آباد فیصل آباد

عبدالحفیظ مدنی
ضیاء السنۃ
ادارۃ الترجمہ والتالیف
محلہ رحمت آباد فیصل آباد

فہرست مضامین

ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف کے مقاصد جلیلہ

۱۔ کتاب اللہ، احادیث صحیحہ سے عوام و خواص کو روشناس کرانا اور ان کے مطابق عمل کرنے کی رغبت دلانا۔

۲۔ اسلامی افکار کی ترویج و اشاعت کیلئے امکانی کوششوں کو بروئے کار لانا۔

۳۔ کفر، الحاد، بدعات، خرافات، عجمی تصوف کے نتائج خبیثہ سے خبردار کرنا۔

۴۔ اسلامی ثقافت کی خوبیوں سے آگاہ کرنا اور اس کے قیام کے لئے کوشاں رہنا۔

۵۔ لسانی، قبائلی، نسبی، مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانا اور ان کی راہنمائی کرنا۔

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

محمد صادق خلیل مدیر ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف

فیصل آباد

مقدّمہ

عقیدہ کا لغوی معنیٰ اس لفظ کا مادہ ع، ق، د ہے عقد الحبل سے مشتق ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے رسی کو گرہ دی۔ المنجد میں ہے: العقيدة ج العقائد ما عقد عليه القلب والضمير ما تدين به الانسان واعتقده وہ بات جس پر دل و دماغ پختگی کے ساتھ قائم ہیں جس کو انسان دین سمجھتا ہے اور اس کا اعتقاد رکھتا ہے

المعجم الوسیط[1] میں ہے العقيدة الحكم الذى لا يقبل الشك فيه لدى معتقده وفى الدين ما يقصد به الاعتقاد دون العمل كعقيدة وجود الله وبعثه الرسل ج عقائد عقیدہ وہ حکم ہے جس میں اس کا معتقد شک کو قریب آنے نہیں دیتا اور دین اسلام میں اعتقاد مراد ہے عمل مراد نہیں ہے جیسے اللہ کے وجود کا عقیدہ رکھنا نیز کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

قرآن پاک میں اگرچہ عقیدہ یا عقائد کے الفاظ تو مستعمل نہیں تاہم اس مادہ کے اشتقاقات پائے جاتے ہیں جیسے (عاقدت ايمانكم) (جن لوگوں سے تم نے پختہ عہد باندھ رکھے ہوں) عقدتم الايمان پختہ قسموں پر اطلاق ہو رہا ہے لفظ عقود بھی مستعمل ہے (اوفوا بالعقود) (اپنے اقراروں کو پورا کرو) عقدة النكاح سے مراد نکاح کو پختہ کرنا ہے واحلل عقدة من لسانى کا مطلب یہ ہے کہ میری زبان کی گرہ کھول دے بہر حال لغۃً عقیدہ سے مراد پختگی اور مضبوطی ہے (مفردات القرآن امام راغب[2])

تاج العروس، لسان العرب اور صحاح جوہری میں اس مادہ کے دیگر اشتقاقات تو ہیں البتہ عقیدہ کا ذکر نہیں ہے

عقیدہ کا اصطلاحی معنیٰ نواب صدیق حسن خان قنوجی شرح العقائد للتفتازانی کا حوالہ دیتے ہوئے "ابجد العلوم" میں رقمطراز ہیں[3] العلم المتعلق بالاحكام الفرعية

---

[1] المعجم الوسیط صـ ۶۲۰ ج ۲ ـ [2] اردو ترجمہ صـ ۶۳۱ [3] ابجد صـ ۶۸ ج ۳

یسمی علم الشرائع والاحکام وبالاحکام الاصلیۃ ای الاعتقاد
بہ یسمی علم التوحید والصفات

فروعی احکام کے علم کا نام علم الشرائع والاحکام ہے اور احکام اصلیہ یعنی احکام اعتقادیہ کا نام علم التوحید والصفات ہے

معلوم ہوا کہ علم التوحید والصفات ہی اصل علم ہے یعنی اولاً عقیدہ کی درستی ضروری ہے اگر عقیدہ درست نہیں ہے تو اعمالِ صالحہ کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ — جس شخص نے ایمان لانے سے انکار کیا
فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ [1] — تو اس کے اعمال ضائع ہو گئے۔

اعمال صالحہ کا اعتبار ایمان پر موقوف ہے اس لیے کہ ایمان اصل ہے امام بخاریؒ نے اعتقادی اصولوں کو کتاب الایمان اور کتاب التوحید کے تحت نہایت مفصل اور مدلل بیان فرمایا ہے۔ امام ابوداؤد اور بعض دیگر آئمہ کرام نے ان اصولوں کو کتاب السنۃ کے تحت ذکر کیا ہے جہاں اثباتی انداز میں اللہ کی ربوبیت، الوہیت اس کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے وہاں منفی انداز میں ان فرقوں کو گمراہ قرار دیا جنہوں نے اللہ کی صفات کا انکار کیا۔ اللہ کے مستوی علی العرش اور علو ہونے کا انکار کیا جبکہ ان مسائل پر خصوصیت کے ساتھ بعض جلیل القدر اہل علم نے عقائد کے عنوان پر کتابیں تالیف کیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے العقیدۃ الواسطیہ، العقیدۃ الحمویہ، شرح العقیدۃ الاصفہانیہ اور امام طحاوی نے العقیدۃ الطحاویہ کے نام سے رسائل تالیف فرمائے۔ ان کے علاوہ بعض دیگر محدثین نے نہایت عمدہ اور موثر انداز میں کتابیں تالیف کیں۔ بطور نمونہ چند کتابیں ذکر کی جاتی ہیں۔ جن سے خواص علماء استفادہ کر رہے ہیں جیسے علامہ ابن حزم ظاہریؒ کی الفصل فی الملل والنحل، امام ابوالحسن اشعری کی الابانۃ فی اصول الدیانۃ، علامہ بیہقی کی کتاب "الاسماء والصفات"، امام ابن خزیمہ کی کتاب "التوحید واثبات صفات الرب"، سید محمد بن ابراہیم الوزیر الیمنی کی الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم"، علامہ صابونی کی تالیف

---

[1] المائدہ ۵۵

عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث" علامہ ابن رشد کی تالیف "مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ" شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی [illegible] نہایت جامع تالیف "معارج الوصول فی بیان ان اصول الدین وفروعہ قد بینہا الرسول" قابلِ ذکر ہیں۔

عقائد کی کتابوں کے مباحث ان کتابوں میں عام طور پر اولا اللہ پاک کی ربوبیت، الوہیت اس کے اوصاف ذکر ہوتے ہیں توحید کے اقسام، شرک اور اس کی اقسام وغیرہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں اللہ کی صفات کا انکار کرنے والے فرقوں جہمیہ، معطلہ قدریہ، معتزلہ وغیرہ کا رد مدلل انداز میں ہوتا ہے علم کلام کی شناعت پر سیر حاصل بحث ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام ان کے معجزات، قرآن پاک کے غیر مخلوق ہونے کا مدلل ذکر ہوتا ہے فرشتوں پیغمبروں میں سے کون افضل ہیں ان کے دلائل اور ان میں محاکمہ ہوتا ہے مسئلہ تقدیر پر دلائل کی روشنی میں سیر حاصل بحث ہوتی ہے جنت، دوزخ، حشر، نشر رؤیت الٰہی اور شفاعت کے مسائل ہیں جن کو واضح انداز میں پیش کیا جاتا ہے چنانچہ اللہ کی صفات کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں

فالاصل فی ھذا الباب ان یوصف اللہ بما وصف بہ نفسہ وبما وصفہ بہ رسلہ نفیا واثباتا فیثبت للہ ما اثبتہ من الصفات من غیر تکییف ولا تعطیل وکذلک ینفون عنہ مانفاہ من نفسہ[1]	اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ اللہ کو ان اوصاف سے موصوف کیا جائے جن اوصاف کیساتھ خود اللہ نے اور اس کے انبیاء علیہم السلام نے موصوف قرار دیا ہے اور ان اوصاف کی نفی کیجائے جنکی نفی کی ہے پس اللہ کی صفات کو بلا کیفیت وبلا تمثیل اور بغیر تحریف اور تعطیل کے ثابت کیا جائے اسی طرح ان صفات کی نفی کیجائے جن سے اس نے اپنے آپ کی نفی کی ہے

یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین اللہ کی صفات کی تفسیر سے خاموش رہے اللہ پاک کا جلال مانع رہا کہ وہ اس مسئلہ میں لب کشائی کریں نیز انہوں نے محسوس کیا کہ صفات کی آیات کی تفسیر ممکن نہیں جب تک کہ ان کو تمثیلات سے واضح نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے لیے تمثیلات بیان کرنے

---

[1] الرسالۃ التدمریہ ص ۴

سے روکا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

فلا تضربوا للہ الامثال الآیۃ — اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔

چنانچہ سلف جہاں اللہ کی تمام صفات کا اقرار کرتے ہیں جن کا ذکر کتاب وسنت میں ہے وہاں وہ انکی کیفیت بیان کرنے سے خاموشی اختیار کرتے ہیں ان کا مشہور قول ہے۔

امروھا کما جاءت بلا کیف[1] — صفات کو اسی طرح ذکر کرو جس طرح انکا ذکر کیا گیا ہے انکی کیفیت بیان نہ کرو۔

اس مسئلہ میں سلف سے بے شمار اقوال منقول ہیں بطور مثال ایک قول پیش کیا جاتا ہے

عن یحیٰ قال کنا عند مالک بن انس فجاء رجل فقال یا ابا عبد اللہ الرحمن علی العرش استوی کیف استوی فاطرق مالک برأسہ حتی علاہ الرحضاء ثم قال الاستواء غیر مجھول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہا بدعۃ وما اراک الا مبتدعا فامر بہ ان یخرج۔

امام مالک کے شاگرد یحیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم مالک بن انس کے پاس تھے ایک شخص آیا اس نے امام مالک سے دریافت کیا اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا مطلب کیا ہے اور اس کے مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے اس پر امام مالک سر نیچا کرتے ہیں انہیں پسینہ آجاتا ہے فرماتے ہیں اللہ کا مستوی ہونا مجہول نہیں البتہ اسکی کیفیت سمجھنا ممکن نہیں اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس قسم کے مسائل کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے بعد ازاں سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تجھے بدعتی سمجھتا ہوں۔ چنانچہ امام مالک نے اس کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو یہاں سے نکال دیا جائے[2]

اہل بدعت کون ہیں دلائل کی روشنی میں وہ جماعتیں اور وہ فرقے جو اصول عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے وہ اہل سنت سے خارج ہیں انہیں اہل بدعت کے زمرہ میں شامل سمجھا جائے گا۔ تاریخ اسلام کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد

---

[1] عقیدہ حمویہ کبریٰ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ صہ ۲۵ — [2] حمویہ کبریٰ ص ۲۴

کچھ ایسے لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جن کے دلوں میں اسلام کی مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی دراصل وہ لوگ اسلام، اہل اسلام اور اسلامی حکومت سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے یونانی فلسفہ کو کتاب و سنت کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا اور برملا کہا کہ یونانی فلسفہ عقل کے عین موافق ہے۔ انسان اگر اپنی عقل کو حاکمیت عطا نہیں کرتا تو وہ اس لائق نہیں کہ اسے انسان کہا جاسکے پس عقل کو غلبہ حاصل ہونا چاہیئے خواہ اللہ کے اسماء وصفات یا حشر ونشر کے مسائل ہوں، چنانچہ ان کی مکروہ سازشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے عقل کو نقل پر غلبہ عطا کیا اور عقل کی روشنی میں احادیث وضع کیئے گئے اور ایسی کتابیں تالیف ہوئیں جن کے نام تو اسلامی تھے لیکن ان میں زہریلا مواد تھا۔ جس کی ہلاکت آفرینی سے بہت کم لوگ محفوظ رہے ان کتابوں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور اللہ کی ذات اور اسکی صفات کے بارے میں قارئین کو متشکک بنا دیا۔ معتزلہ جہمیہ، قدریہ اور معطلہ فرقے معرض وجود میں آگئے جنہوں نے صفات الٰہیہ کا انکار کیا اور قرآن پاک کو مخلوق کہا تقدیر کا انکار کیا تو ان لوگوں کے اعتقاداتِ خبیثہ کے خلاف آئمہ اہل سنت نے متعدد تصانیف مرتب کیں جن میں ان کے عقلی دلائل کو پاش پاش کر دیا اور حقائق کو لوگوں کے سامنے واضح کیا چنانچہ عقائد کے موضوع پر متکلمین اور فلاسفہ کے خودساختہ عقلی قواعد کے رد میں مرد الدارمی علی بشر المریسی للدارمی، الرد علی الجہمیۃ والزنادقۃ لاحمد بن حنبل، الرد علی الجہمیۃ للدارمی، بیان تلبیس الجہمیۃ فی تاسیس بدعہم الکلامیۃ لابن تیمیۃ، تاریخ الجہمیۃ والمعتزلہ لجمال الدین القاسمی مشہور متداول کتب ہیں خیال رہے جس طرح عقائد کی کتابوں میں عقل کو زیادہ اہمیت دینے والے فرقے گمراہ ہو گئے اور ان کو اہل سنت سے خارج قرار دیا گیا اسی طرح اہل سنت کے عقائد سے منحرف ایسے لوگوں کو جنہوں نے ایک اللہ کی عبادت چھوڑ کر خواہشات کو خدا بنایا درختوں پتھروں فرشتوں، انبیاء، اولیاء کو معبود بنایا اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اقوال پر ائمہ کرام، مشائخ عظام کی آراء کو ترجیح دی اور غالی قسم کے متصوفین اور باطنیہ لوگ جنہوں نے اولیاء اللہ کو کائنات میں تصرف کا حق عطا کیا اور تدبیر میں ان کو اللہ کا شریک سمجھا جن کو وہ اوتاد اقطاب کے نام کے ساتھ پکارتے ہیں اہل سنت سے خارج ہیں ان کا شرک تو مشرکین عرب سے بھی زیادہ ہے جب کہ مشرکین عرب تو عبادت میں شریک بناتے تھے ربوبیت میں وحدہٗ لاشریک مانتے تھے۔

عباسی دور حکومت میں یہ فرقے اوج ثریا پر تھے حکومت بھی ان گمراہ فرقوں کی ہمنوا تھی لیکن ائمہ محدثین نے ایسے نازک دور میں بھی اپنے فرائض سر انجام دیئے اور انہیں مناظروں کی دعوت دیتے ہوئے کہا کتاب وسنت سے دلائل پیش کرو تو ہم تسلیم کرلیں گے اگر ان کی پٹاری میں معقول دلائل ہوتے تو وہ یقیناً میدانِ مناظرہ میں فتح حاصل کرلیتے تاریخ اسلام ہمیں پتہ دیتی ہے کہ جب وہ دلائل پیش نہ کرسکے تو انہوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیئے اوچھے ہتھیار استعمال کیئے اور محدثین آئمہ کو قید وبند اور جیل کی آہنی دیواروں کے سپرد کر دیا انہوں نے ان تکالیف ومحن کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا لیکن باطل کے سامنے اپنا سر نہ جھکایا۔

شرح عقیدہ طحاویہ کی اہمیت

عقائد کے موضوع پر جس قدر تالیفات متداول ہیں وہ سب چھ اصولوں پر حاوی ہیں بعض مختصر ہیں تو بعض مفصل، البتہ اسلوب اور انداز بیان میں اختلاف ہے جس سے ان کا حسن نمایاں ہے انکے گلہائے رنگا رنگ سے جہاں زیبائش وآرائش دلوں کو مسحور کر رہی ہے وہاں ان کے عطر بیز جھونکوں سے دماغ معطر ہے

شرح عقیدہ طحاویہ جس کو اردو کے قالب میں ڈھال کر ہم اسے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ تقریباً تمام مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے مستزاد براں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور دیگر سعودی عرب کی جامعات اور کلیات میں بھی داخل نصاب ہے عقائد کی تمام کتابوں میں سے ترجمہ کیلئے اس کا انتخاب پتہ دے رہا ہے کہ یہ کتاب منفرد خصوصیات کی حامل ہے متعلق مسائل کو آسان الفاظ میں ایسے اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ مطالعہ کرنے والے طلبہ اور اہل علم معمولی توجہ کے ساتھ ... کی گہرائی تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں اس سے انہیں تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس فرحت محسوس کرتے ہیں۔

عقیدہ طحاویہ کی یہ شرح جسے علامہ ابن ابی العز الحنفی نے ترتیب دیا ہے جس کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی ہمیں سعادت حاصل ہوئی ہے دیگر شروح سے زیادہ واضح اور پرکشش ہے پچے تلے الفاظ ہیں جملوں میں تناسب ہے اسلوب نگارش دلکش اور نہایت خوبصورت ہے دلائل میں اچھوتا پن ہے غرابت تنافر اور تعقید سے پاک صاف عبارات ہیں۔ نہایت آسان اور سہل انداز میں سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے اکثر عبارات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ کی کتابوں سے ماخوذ ہیں راقم الحروف کو متعدد بار اس کی تدریس کے مواقع میسر آئے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی تدریس کے دوران ذہنی تکلیف ہوئی ہو۔ بلکہ دل ودماغ نے

ہمیشہ حلاوت محسوس کی۔ کتاب کے آغاز میں علامہ ناصر الدین البانی کا مقدمہ نہایت قیمتی نادر معلومات کا خزانہ ہے جس میں انہوں نے احادیث کے بارے میں نادر معلومات بہم پہنچائی ہیں اس پیمان سکے سے سب ساختہ دعائیں نکلتی ہیں اور دل دماغ انکی علمی اور فنی تحقیق پر مسرت دستِ ومانی سے جھومنے لگتے ہیں علامہ زاہد الکوثری اور ان کے شاگرد علامہ ابو غدہ کے اعتراضات کا جس علمی تحقیقی انداز میں انہوں نے پوسٹ مارٹم کیا ہے یقیناً یہ انہی کا حصہ ہے سہ

سالہا درکعبہ وبت خانہ مے نالد حیات تا زبزم ناز یک دانائے راز آید برون

جب میرے دل ودماغ پر اس کتاب کی افادیت کا نقش بیٹھ گیا تو میں نے عزم کر لیا کہ اردو دان حضرات کے استفادہ کے لیئے اس کا اردو ترجمہ کیا جائے۔ بعض اہل علم دوستوں کا بھی اصرار تھا چنانچہ راقم الحروف نے تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آج سے تقریباً چار سال قبل اس مبارک کام کا آغاز کیا تھا اس دوران بعض دفعہ کئی ماہ تک اس کام کی طرف توجہ نہ کر سکا فرصت کے لمحات میسر نہ آسکے دیگر گوناگوں علمی مصروفیات رکاوٹ بنتی رہیں جن وجہ سے تسلسل برقرار نہ رکھ سکا تاہم اس وقت میرا دل ودماغ راحت محسوس کر رہا ہے اور متعجب ہوں کہ میرے اتنے مشکل اور طویل کام سے کیسے عہدہ برآ ہو سکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ محض اللہ پاک کی توفیق سے ہی یہ مبارک کام پایہ تکمیل تک پہنچا ہے میں نے مقدور بھر کوشش کی کہ کتاب اغلاط سے پاک ہو متعدد بار کتاب پہ نظر ثانی کی گئی بعض اہل علم رفقا خصوصیت کے ساتھ عزیزی حافظ عبدالستار حسن اور عزیزی مولوی خالد سیف سلمہما اللہ شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے نظر ثانی کے سلسلہ میں مجھ سے تعاون کیا اسی طرح مولوی نذیر احمد سبحانی کا بھی تہ دل سے مشکور ہوں جو میرے طبع وتالیف کے مشاغل میں ضیاء السنہ ادارۃ الترجمہ والتالیف کے ساتھ معاونت فرماتے رہتے ہیں جزاہ اللہ احسن الجزاء واحسن اللہ مثوبتہ ان کے علاوہ دیگر احباب رفقا کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے میرے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں تعاون فرمایا اور میں اس قابل ہو سکا کہ کتاب طباعت کے مراحل طے کر کے قارئین کے ہاتھوں میں ہے

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم

محمد صادق خلیل مدیر ضیاء السنہ

ادارۃ الترجمۃ والتالیف رحمت آباد فیصل آباد۔ ۲۸ صفر المظفر ۱۴۰۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از فضیلۃ الشیخ زہیر شاویش مدیر مکتب اسلامی

چند وضاحتیں ملاحظہ فرمائیں

معزز قارئین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اما بعد۔ مجھ سے کثیر تعداد میں اہل علم فاضل دوستوں نے بالمشافہ ذکر کیا اور لکھ کر بھی بھیجا کہ ہم نے الشیخ علامہ ناصر الدین البانی کے تحریر کردہ مقدمہ شرح عقیدہ طحاویہ کا مطالعہ کیا۔ ہم ان کے شکور ہیں کہ انہوں نے اس میں نہ صرف سلف کے عقائد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث کی حجیت پر بحث کی ہے بلکہ بعض لوگوں کے پیدا کردہ شبہات کا رد کرتے ہوئے علم روایت و درایت اور فنِ رجال کے مسائل کا بھی ضمناً ذکر کیا ہے۔ جب کہ اس دور میں ان علوم کی معرفت رکھنے والے اہلِ علم عنقا ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک فاضل دوست نے مقدمہ کے مشمولات کے بارے میں ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ناروا شدت موجود ہے اور بعض لوگ تو اس کی مخالفت میں سیخ پا ہیں۔ دراصل وہ ان اسباب سے بالکل بے خبر ہیں جن پر مقدمہ کے مباحث کی بنیاد ہے۔

بنا بریں میں نے ضروری سمجھا کہ حقیقتِ حال کو واضح کر دیا جائے تاکہ کم از کم ان اہلِ علم کو تو پتہ چل جائے جو اس کے مطالعہ کے بعد اپنے اضطراب کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں نے سیر حاصل بحث کرنے سے گریز کیا ہے۔ اس لیے کہ اس میں مجھے کچھ فائدہ نظر نہیں آیا۔

پہلی وضاحت عرصہ دراز سے فضیلۃ الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ، فضیلۃ الشیخ علامہ ناصر الدین البانی پہ ناروا طعن وتشنیع کا میدان گرم کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ میں نے ان دونوں اہلِ علم کی ملاقات کا پروگرام بنایا تاکہ اس میں ان اعتراضات کا جواب حاصل کیا جائے جو ابو غدہ کی جانب سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے طرفین سے چند احباب نے میری معاونت کی۔ لیکن شیخ ابو غدہ نے ہر بار ملاقات سے پہلوتہی کی اور اگر کہیں اتفاقاً دونوں کی ملاقات ہوئی بھی تو شیخ ابو غدہ نے بحث کرنے سے گریز کی

راہ اختیار کی۔

میں نے متعدد اہلِ علم کی جانب خطوط تحریر کیئے تاکہ ۱۳۹۱ھ حج کے موسم میں ان دونوں کے درمیان ملاقات ہو جائے۔

نیز ڈاکٹر امین مصری نے بھی علامہ البانی کی خواہش پر ان دونوں کی ملاقات کرانے کی کوشش کی۔لیکن ابو غدہ ان کو بھی طرح دے گئے۔

دوسری وضاحت شیخ عبدالفتاح ابو غدہ، قواعد علوم الحدیث کے ص ۳۱۸ پر جلیل القدر ائمہ مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ پر اس لیے زبانِ طعن دراز کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ سے مروی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان مذکورہ ائمہ کرام اور ابن معین وغیرہ جنہوں نے امام ابو حنیفہ کی توثیق کی ہے کے مابین موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ابن معین امام ابو حنیفہ کے علمی مقام کو ان اہلِ علم سے زیادہ جانتے ہیں جن کی ملاقات امام صاحب سے نہیں ہے بلکہ وہ ان کی وفات کے بعد ہوئے ہیں۔لہٰذا امام ابو حنیفہ کے بارے میں ابن معین کے قول کو تسلیم کیا جائے گا۔امام بخاری اور اُن کی رائے رکھنے والے ائمہ جو امام ابو حنیفہ کی وفات کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے قول کو ہرگز تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کا انداز امام ابو حنیفہ کے بارے میں نہایت گھناؤنا ہے جس سے عصبیت آشکارا ہو رہی ہے اور ابن معین کے علمی مقام کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں تو امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی ابنِ عدی، دار قطنی اور دیگر ائمہ خاموش ہو جاتے ہیں۔"

نیز ابو غدہ ص ۳۱۹ پر رقمطراز ہیں:

"اس دور میں ناصر الدین البانی جیسے انسان کا امام الائمہ امام ابو حنیفہ جن کی جلالت شان امامت فی الاجتہاد والعلم پیا جاتا ہے) تنقید کرنا اور حافظہ کے لحاظ سے ان سے مروی حدیث کو ضعیف قرار دینا اہلِ علم کے نزدیک امانت و دیانت کے منافی ہے۔اگر انہوں نے امام بخاری اور ان کے ہمنوا ائمہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان پر تنقید کی ہے تو چونکہ یہ قول درست نہیں اس لیے اس پر اعتماد کرنا صحیح نہیں جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور ص ۳۷۹ پر اس سبب کو بیان کیا جائے گا جس کی وجہ سے امام بخاری

نے امام ابوحنیفہ پر اس قدر جارحانہ تنقید کی ہے۔ اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ امام بخاری کا قول تنقید وغیرہ سے بالاتر ہے۔ پھر بھی علمی میدان میں امانت و دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ علامہ البانی ان کا قول ذکر کر کے تعدیل اور ثقہ قرار دینے والوں کے اقوال کا بھی ذکر کرتے جو تعداد میں زیادہ ہیں اور فنِ رجال سے بھی انہیں زیادہ معرفت ہے۔ اور علم و فضل میں بھی ان کی شہرت زیادہ ہے۔ جیسا کہ شعبہ بن حجاج امام ابوحنیفہ کے بارے میں ص ۳۲۵ پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ جیّد الحفظ تھے۔ نیز امام بخاری کے دو جلیل القدر اساتذہ یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی جو فنِ رجال میں امام بخاری سے سبقت لے گئے ہیں۔ وہ بھی ان کے جیّد الحفظ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ نیز ص ۳۲۳ پر بھی امام ابوحنیفہ کی توثیق کا ذکر ہے۔"

پس علامہ البانی کا صرف جرح ذکر کرنا اور تعدیل ذکر نہ کرنا علمی امانت کے منافی ہے جب کہ فنِ رجال میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ کسی راوی پر صرف جرح کا ذکر کرنا اور اس کی تعدیل بیان نہ کرنا ظلم اور خیانت ہے۔ علامہ البانی بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں۔ لیکن ان پر تو مذموم تعصّب کا غلبہ ہے۔ اگر نصرتِ الٰہی شاملِ حال ہوئی تو امام ابوحنیفہ کے بارے میں علامہ البانی کے تعصب کا کسی دوسرے مقام پر پردہ چاک کیا جائے گا۔

اب ہم سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ حدیث نمبر ۳۹۷ کے تحت ص ۸۷ سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں علامہ البانی کا قول ذکر کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے بارے میں علامہ البانی کا قول

اگرچہ امام ابوحنیفہ جلیل القدر فقیہ انسان تھے۔ لیکن حافظہ کے لحاظ سے انہیں امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، ابنِ عدی وغیرہ ائمہ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔

نیز حدیث نمبر ۴۵۸ جزء پانچ/۷۶ پر کہا ہے کہ محدثین نے ان سے روایت کردہ احادیث کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۹۷ پر بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ بعدازاں انہوں نے ان کو ضعیف قرار دینے والوں کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ ان میں یحییٰ بن معین کا بھی ایک قول ہے (جب کہ ان کا ایک قول تعدیل کا بھی ہے) اس کے ساتھ ان کی تعدیل بیان کرنے والوں کے اقوال بھی مذکور ہیں۔ یحییٰ بن معین کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے مروی حدیث نہ لکھی جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے حدیث بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ جھوٹ نہیں کہتے تھے۔ نیز وہ کہتے

ہیں کہ امام ابو حنیفہ ہمارے نزدیک سچے تھے۔ وہ جھوٹ کی تہمت سے پاک تھے۔
علامہ البانی کے قول سے یہ حقیقت الم نشرح ہو رہی ہے کہ علامہ البانی علمی میدان میں کس قدر امانت کے ساتھ موصوف ہیں۔ جب کہ ان کو ضعیف قرار دینے والوں کے ساتھ ساتھ ان کی توثیق کرنے والوں کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کو اللہ پاک نے علمی خیانت سے پاک رکھا ہے جب کہ انھوں نے جرح اور تعدیل دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز علامہ البانی جز خامس / ۷۹ پر رقمطراز ہیں:

" ہمیں اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ امام ابو حنیفہ راستباز انسان تھے۔ لیکن ان کا صرف راستباز ہونا کافی نہیں کہ ان سے مروی حدیث کو قابلِ حجت سمجھا جائے۔ جب تک کہ ان کے حفظ اور ضبط کا جائزہ نہ لیا جائے۔ لیکن ان کا حفظ و ضبط ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس ائمہ جرح و تعدیل نے ان کے بارے میں اپنے تاثرات ذکر کئے ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا ہے۔ خیال رہے ائمہ جرح و تعدیل ایسے مقام پر فائز ہیں کہ جو ان کی گواہی پر یقین کر لیتا ہے۔ اور ان کے اقوال کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اس سے ہرگز امام ابو حنیفہ کی جلالتِ شان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس لیے کہ وہ دینداری تقویٰ، اور فقہ کے لحاظ سے بلند منصب پر فائز تھے۔ اگرچہ بعض متاخرین علماء تعصب کے پیشِ نظر اس رائے کے مخالف رائے رکھتے ہیں۔ یہ بات مسلّم ہے کہ کتنے فقیہ قاضی اور صالح لوگ گزرے ہیں جن کو ائمہ حدیث نے حافظہ اور ضبط کے لحاظ سے، ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اس سے نہ ان کی دینداری مطعون ہوئی اور نہ ان کی عدالت مجروح ہوئی۔ یہ حقیقت ان اہلِ علم پر عیاں ہے جو رواۃ حدیث کے تراجم سے شغف رکھتے ہیں۔

یہی نظریہ درست ہے، عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے اس کے ساتھ ہی آسمان زمین کا قیام ہے۔ صالح، دیندار، فقیہ ہونا ایک وصف ہے۔ احادیث کی روایت کرنا حافظہ اور ضبط کا ہونا دوسرا وصف ہے۔ ہر وصف کے الگ الگ انسان گزرے ہیں۔ پس اس سے امام ابو حنیفہ پر کچھ طعن وارد نہیں ہوتا کہ وہ حافظہ اور ضبط کے لحاظ سے ضعیف تھے۔ جب کہ ان کا شمار صادقین میں ہے۔ مزید براں وہ جلیل القدر فقیہ اور صاحبِ فہم و ادراک انسان تھے۔ ان کی عظمتِ شان کے لیے یہی کافی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور فہم کی دولت کے ساتھ نوازا تھا۔ فقہ میں ان کی دیانت اور دقیقہ سنجی مسلم ہے۔ جس میں کسی کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے ۔

ولیس یصح فی الاذھان شئی اذا احتاج النہار الی دلیل

اگر دن ثابت کرنے کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہے تو پھر ذہن کسی چیز کو صحیح قرار نہیں دے سکتا"

معلوم ہوا کہ الشیخ ابو غدہ نے علامہ البانی کے کلام کا وہ حصہ ذکر کیا ہے۔ جس میں امام ابو حنیفہ پر جرح تھی۔ پھر اس کا رد کیا ہے۔ کتنا اچھا اور مفید ہوتا اگر وہ علامہ البانی کا تمام کلام نقل کر دیتے۔ اس لیے کہ ان کے کلام میں امام ابو حنیفہ کی مدحت و منقبت کا بھی ذکر ہے۔ اور ان کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔ اور ان کے علم و فضل کو سراہا گیا ہے۔ ان کا انداز نہایت عمدہ ہے۔ جس سے ان کی امانت و دیانت کا پتہ چلتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظلم اور علمی خیانت سے کتنے دور تھے۔

جو شخص علامہ البانی کی کتابوں کی ورق گردانی کرے گا اسے معلوم ہو گا کہ علامہ البانی امام ابو حنیفہ کا تذکرہ کتنے ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ اور ان کی مدحت و منقبت کرتے ہوئے ان کی فقہی عظمت کا ذکر کیسے خوبصورت الفاظ میں کرتے ہیں۔ علامہ البانی کی تصنیف کردہ کتاب (صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) جس کے سات ایڈیشن سے زیادہ طبع ہو چکے ہیں ان تمام ایڈیشنوں میں وہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں علامہ البانی کا قول

فلا یجوز الطعن فیہ ای الامام ابی حنیفہ بل یجب الثناء علیہ لانہ امام من ائمۃ المسلمین الذین بہم حفظ ھذا الدین ووصل الینا ما وصل من فروعہ وانہ ماجور علی کل حال اصاب او اخطاء

۱؎ راقم الحروف نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا کتاب کا مقدمہ پاکستان کے مشہور الاشاعت ماہنامہ محدث ماڈل ٹاؤن لاہور میں......... نیز انڈیا کے ہفت روزہ ترجمان اہلحدیث دہلی میں بھی چھپ چکا ہے کتاب بھی زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ مترجم

امام ابو حنیفہ کے بارے میں طعن و تشنیع جائز نہیں بلکہ ان کا ادب کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام تھے۔ جن کے ذریعے دین کی حفاظت کا اہتمام ہوا۔ اور جن کی وساطت سے ہم تک دین کے فروع پہنچے۔ وہ بہرحال ثواب کے مستحق ہیں۔ خواہ وہ راہِ صواب پر تھے یا ان سے خطائیں ہوئیں۔

تیسری وضاحت کتاب کی طباعت کا اہتمام آج سے بارہ سال قبل مکتب اسلامی نے دمشق میں کیا تھا۔ کتاب کی تخریج کا کام علامہ البانی نے کیا۔ علامہ البانی کی تخریج پر شیخ ابو غدہ نے پانچ صفحات پر مشتمل تنقید شائع کی ہے۔ جس میں انھوں نے اپنا نام تحریر نہیں کیا۔ اس کتاب کی طباعت کے چار سال بعد علامہ البانی نے اس کا جدید مقدمہ علمی فوائد کے اضافہ کے ساتھ مرتب کیا جس کا ابو غدہ کو بھی علم ہے۔

اس سلسلہ میں نہایت افسوس ناک حرکت یہ ہے کہ ابو غدہ نے اس تنقید کا کوئی نسخہ نہ تو ناشر کے نام بھیجا۔ اور نہ ہی اس انسان کی طرف جس نے احادیث کی تخریج کا اہم کام سرانجام دیا تھا۔ حالانکہ خیر خواہی کا تقاضا یہی تھا یا پھر کم از کم اس قدر تو ضروری تھا۔ اور اس میں افادیت کا پہلو بھی تھا کہ ناشر کی طرف اس کا ایک نسخہ ارسال کر دیا جاتا تاکہ وہ تنقیدی مقامات کا جائزہ لیتے۔ اگر تنقید صائب ہوتی تو کتاب کے ساتھ اس کا الحاق کر دیا جاتا یا نئے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کر دیا جاتا۔

انصاف پسند ناقدین کے ہاں اس انداز کو تنقید کا کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ناقدین تو کسی کتاب پر تنقید کو کسی علمی مجلہ یا مشہور روزنامہ یا ایسے کتابچہ میں اپنے نام کے ساتھ شائع کرواتے ہیں۔ جس کا علمی دنیا میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لیکن تنقید کا یہ مخفی انداز کہ ناقد کے نام کا بھی ذکر نہ ہو اور تنقید بھی کسی علمی کتاب پر ہو تو میں اپنے علم کی روشنی میں کہتا ہوں کہ ابو غدہ سے پہلے کسی اہلِ علم سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی یہ تو ابو غدہ کی تقریر کا فنی انداز میں محاسبہ تھا۔ اور جب ہم تقریر کے موضوع کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ابو غدہ نے تقریر کے آغاز میں ہی علامہ البانی پر ایسے الفاظ کے ساتھ حملہ کیا ہے۔ جن کی شناعت قارئین سے مخفی نہیں رہے گی۔

علامہ البانی کی تخریج پر ابو غدہ کی تنقید

شرح عقیدہ طحاویہ کے قارئین کے علم میں ہے کہ اس کے شارح ثقہ اہلِ علم سے شمار ہوتے ہیں اور احادیث وغیرہ کے نقل میں نہایت محتاط ہیں۔ ان کا ضبط و اتقان مسلم ہے۔ ان کا انداز زیادہ تر یہی ہے کہ وہ حدیث ذکر کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ حدیث کس کتاب میں ہے۔ کہیں شاذ و نادر وہ اس کا ذکر نہیں بھی کر پائے۔ چنانچہ اگر حدیث صحیحین میں ہے تو اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک میں ہے تو نہایت صاف لفظوں میں دیانت، امانت ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ البانی ان کی تعلیق پر تعاقب کرتے ہیں۔ مثلاً جہاں شارح نے کسی حدیث کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری، مسلم میں ہے یا ان میں سے ایک میں ہے تو وہاں علامہ البانی اضافہ کرتے ہیں۔ اور تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ضعیف یا موضوع نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں بتاتے کہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے یا ان میں سے ایک میں ہے تاکہ شارح کے قول کی تائید ہو۔

علامہ البانی کا بخاری، مسلم کی حدیث کو صحیح کہنے سے کیا مقصد ہے؟ کیا وہ اپنے آپ کو امام بخاری، امام مسلم پر فوقیت دیتے ہوئے ان کی ذکر کردہ احادیث پر اپنا فیصلہ تو نافذ نہیں کرنا چاہتے کہ بخاری و مسلم کی جس حدیث کو وہ صحیح کہیں وہ صحیح ہے اور جس حدیث کے بارے میں صحیح کا لفظ استعمال نہ کریں۔ اس میں توقف کیا جائے مگر یہ غور و فکر کے بعد اس پر حکم لگایا جائے۔ علامہ البانی کا یہ ایسا انداز ہے جس کو متقدمین، متاخرین میں سے کسی نے نہیں اپنایا ہے۔

آئندہ اوراق میں ان مقامات کا ذکر ہوگا۔ جن میں علامہ البانی نے ایسا عجیب و غریب انداز اختیار کیا ہے۔ یقیناً اللہ کی مخلوق میں عجائبات ہیں۔

نیز آپ ملاحظہ کریں گے کہ جہاں شارح کسی وجہ سے حدیث کے مخرج کو ذکر کرنے سے غفلت کرتے ہیں۔ وہاں البانی صاحب متفق علیہ یا رواہ البخاری یا رواہ المسلم کے الفاظ لاتے ہیں۔ وہاں انہوں نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ یعنی صحیح کے لفظ استعمال نہیں کئے۔ حالانکہ ہم تو عادی ہو چکے ہیں کہ جب شارح کسی حدیث کی نسبت صحیحین یا بخاری، مسلم کی طرف کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو قبول نہ کریں۔ جب تک علامہ البانی اس پر صحیح کا اطلاق نہ کریں۔ یہ صورتِ حال سینکڑوں مقامات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ پس ہم علامہ البانی سے اس بات کے دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ جب

کسی حدیث کو مسلم یا بخاری یا دونوں کی طرف منسوب کریں۔ اور اس پر صحیح کا اطلاق نہ کریں تو ہم اس حدیث کو قبول کریں۔ اور اس کی صحت تسلیم کریں۔ اس کی نسبت کو کافی سمجھیں؟ یا ہم توقف اختیار کریں۔ جب تک ہمیں حدیث کی صحت کا علم نہ ہو جائے ہم اس کو صحیح نہ سمجھیں جیسا کہ سابقہ بیان کردہ امثلہ سے ہمیں اس کا عادی بنا دیا گیا ہے۔

نیز بعض مقامات کا جب ہم ملاحظہ کرتے ہیں جہاں شارح نے حدیث کے مخرج کا ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ ص ۶۸ اور ۲۲۰ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ وہاں علامہ البانی نے کہا ہے حدیث صحیح ہے اس کو مسلم نے نکالا ہے۔ اس سے ذہن میں تردد پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث پر صحت کا حکم لگانا امام مسلم کی جانب سے ہے یا اس پر صحت کا حکم علامہ البانی نے لگایا ہے۔ بظاہر دوسری صورت راجح معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ آئندہ اوراق میں اس کے کثرت کے ساتھ شواہد دیکھے جا سکتے ہیں جہاں ان عجائبات کا ذکر ہے۔ جن سے لوگ اس سے قبل ناواقف تھے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ص ۱۸ سے ۶۰ تک کچھ ایسے مقامات ہیں۔ جہاں شارح حدیث ذکر کرنے کے بعد بخاری، مسلم دونوں کی طرف یا ایک کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود علامہ البانی نے وہاں صحیح کا لفظ استعمال کیا ہے۔

ص ۸۹ پر شارح نے بیان کیا کہ حدیث صحیحین میں ہے۔ علامہ البانی نے تخریج میں بیان کیا کہ یہ روایت بخاری، مسلم میں ابنِ عمر سے مروی ہے جب کہ مسلم نے اس حدیث کو ابوہریرہ سے بھی روایت کیا۔ لیکن علامہ البانی نے صحیح نہیں کہا۔

ص ۱۰۶ پر علامہ البانی نے بعض ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جن کی تخریج سے شارح غافل رہا ان احادیث کی تخریج کرتے ہوئے کبھی تو علامہ البانی متفق علیہ کہتے ہیں۔ صحیح یا عدم صحیح کے الفاظ استعمال نہیں کرتے جیسا کہ ص ۱۳۳ وغیرہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

تین مقامات میں اس طرح مرقوم ہے کہ شارح نے بیان کیا کہ یہ حدیث بخاری، مسلم میں ہے اور وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا کی طرف نازل ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں شارح نے متفق علیہ کہا ہے۔ بلکہ اس کو متواتر قرار دیا ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کو بخاری نے بھی روایت کیا۔ لیکن صحیح غیر صحیح کے الفاظ نہیں لاتے جیسا کہ ص ۶۵ کا ملاحظہ کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

من عادلی لی ولیا ص ۵۰۰ پر کہتے ہیں کہ اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کے طرق ہیں۔ جن سے اس کو تقویت مل رہی ہے۔ لیکن ابھی تک مجھے اس کے تمام طرق تلاش کرنے کی فرصت نہیں مل سکی۔ اور نہ ہی تحقیق کر سکا ہوں۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کو اسی طرح مسلم نے روایت کیا۔ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ کیا حدیث صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ ص ۴۰، ۵۱ پر اس کا ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

علامہ البانی کی عبارات میں تناقض

شارح ص ۲۴ پر ایک حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں اس کو مسلم نے روایت کیا۔ علامہ البانی اس پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں۔ یہ روایت مسلم اور احمد میں ہے۔ لیکن حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا ذکر نہیں کرتے۔

نیز ص ۶۸، ۲۲۰ پر شارح ایک حدیث لائے ہیں۔ جن کے مخرج کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ اس پر علامہ البانی فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح ہے مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس حدیث پر صحت کا حکم علامہ البانی کی جانب سے ہے یا امام مسلم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اس کا جواب واضح ہے کہ اس قسم کی حدیث کی صحت کا حکم علامہ البانی کی طرف سے ہے۔ امام مسلم کی طرف سے نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شرح میں اس کے علاوہ بھی جن احادیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ان پر علامہ البانی نے صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اور کبھی حدیث کو صحیح کہنے کے ساتھ متفق علیہ کے الفاظ بھی ذکر کرتے ہیں۔ ص ۱۲۶، ۹۳، ۲۴۹[1] ملاحظہ فرمائیں۔

نیز ص ۳۹ پر جابر کی حدیث استخارہ والی جس کے مخرج کا شارح نے ذکر نہیں کیا۔ اس کے بارے میں علامہ البانی نے صرف صحیح کا لفظ استعمال کیا ہے جب کہ اس کے صحیح ہونے کے لیے یہی کافی تھا کہ اس روایت کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ علامہ البانی نے بھی اس مقام پر اس روایت کو اسی لیے صحیح کہہ دیا کہ اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔

نیز شارح نے ص ۱۹۹ پر حدیث ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ علامہ البانی نے اس پر متفق علیہ کا اضافہ کیا ہے۔ کچھ معلوم نہیں ہو رہا اس اضافہ سے علامہ البانی کا کیا مقصد ہے۔ نیز کبھی شارح ایک حدیث ذکر کر کے کہتے ہیں یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ص ۲۰۲، ۲۰۳،

---

[1] ان مقامات کی کمیت کے بارے میں عمودی خطوط کی صورت میں وضاحت موجود تھی۔ لیکن ہم نے ان کو بے فائدہ جان کر حذف کر دیا ہے۔ مترجم

۲۰۵،۲۱۴ ملاحظہ فرمائیں۔لیکن علامہ البانی تخریج میں کہتے ہیں حدیث صحیح ہے۔اس کے بعد متفق علیہ کے الفاظ بھی ذکر کرتے ہیں۔

نیز شارح کے اس قول کے ضمن میں کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا آپ کے گھروالے ایسا دل نہ رکھتے تھے۔جس سے معروف کو منکر سے ممتاز کیا جا سکے۔اس پر علامہ البانی کی تعلیق میں ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ہم دریافت کرتے ہیں کہ علامہ البانی کا اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ معروف کا منکر سے امتیاز نہیں کر سکتے۔یا یہ کہ وہ عبداللہ بن مسعود کے قول سے ناواقف ہیں۔اگر وہ معروف کا منکر سے امتیاز نہیں کر سکتے تو پھر ان کے بارے میں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔حالانکہ لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے معروف اور منکر باتوں کو رائے کی شکل میں بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔خیال رہے علامہ البانی سے کثیر احادیث میں تکرار کے ساتھ یہ جملہ منقول ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا ہوں۔لیکن اگر علامہ البانی کو اس کا علم نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔جب دیگر اہل علم جیسے شارح وغیرہ ہیں وہ تو ان کا علم رکھتے ہیں۔

نیز ص ۳۹۰ میں شارح نے کہا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے۔کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے سستی سے بلا عذر تین جمعہ کی نمازیں ترک دیں اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مہر زدہ کر دیتے ہیں۔اس پر تعلیق میں علامہ البانی فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے لیکن اس کو کسی صحیح مجموعہ والے محدث نے روایت نہیں کیا۔اس سے اس کی مراد بخاری، مسلم ہیں۔علامہ البانی کا موقف شارح کے نقطۂ نظر کے مخالف ہے جب کہ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی، احمد وغیرہ نے روایت کیا۔حاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا یہ اس کا وہم ہے۔

نیز ص ۵۲۶ پر بعض تصحیح کرنے والوں نے ایک حدیث کا ذکر کیا۔علامہ البانی نے کہا جہاں تک میری معلومات ہیں۔یہ حدیث صحاح ستہ کتابوں میں نہیں ہے۔

نیز اس نے کہا کہ ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ تو اس کا اصل حدیث کی ان کتابوں میں نہیں ہے جن پر میری نظر ہے میں اس کو مؤلف کا وہم سمجھتا ہوں۔لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ حدیث سنن ترمذی میں ہے۔

نیز اس کو ابن جریر نے بھی روایت کیا جیسا کہ مکتب اسلامی کے بعض تصحیح کرنے والوں نے اس حدیث کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں۔

نیز یہ حدیث بالکل ان الفاظ کے ساتھ ہی مشکوٰۃ المصابیح ۲۳۴ نمبر میں

مذکور ہے۔

مجھے علامہ البانی پر سخت تعجب ہے کہ وہ صحیحین کی احادیث کو صحیح ثابت کرنے کے مشغلہ میں مصروف ہیں۔ ان سے قبل اس راہ کو کسی نے اختیار نہیں کیا۔ اور نہ ہی اہل سنت کا کوئی عالم اس انداز پر خوش ہے۔ البتہ شیعہ کے ہاں یہ انداز پسندیدہ ہے۔ لیکن ان کے انداز کا راستہ دوسرا ہے۔

قارئین غور فرمائیں حضرت الاستاذ علامہ شیخ احمد شاکر نے اس کتاب پر تحقیقی کام کیا۔ بعض احادیث کی تخریج کی۔ اور نصوص کو واضح انداز میں پیش کیا۔ لیکن ان کے دل میں نہ تو خیال آیا اور نہ ان کا قلم صحیحین کو صحیح قرار دینے کے لیے حرکت میں آیا۔ نہ انہوں نے مقام اتہام پر قدم رکھا نہ انہوں نے شارح کو نقل اور علم کے لحاظ سے جاہل کہا۔ لیکن علامہ البانی نے وہ کام کیا جو متقدمین سے نہ ہوسکا تو کیا ان کا یہ کام اہل علم کی نظر میں بدعات میں شمار نہیں ہو گا۔ اور کیا ان کو محدث اور بدعتی نہیں کہا جائے گا۔

ابو غدہ کی تنقید اختتام پذیر ہوئی۔

قارئین کے سامنے یہ حقیقت الم نشرح ہو چکی ہو گی کہ علامہ البانی کی طرف سے ابتدا نہیں ہوئی وہ تو اپنے افکار سے ان کے مطاعن، دھمکیوں اور استہزاء، اور حملوں کا دفاع کرتے ہیں۔ وہ تو اس اتہام کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں ہرگز ہرگز امام ابو حنیفہ کے ساتھ کچھ دشمنی نہیں اس کے باوجود ان کو اور دیگر محدثین علماء اور مفکرین کو مسلسل ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ اور ان پر طعن و تشنیع کی زبان درازی کی گئی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ منصف مزاج لوگ علامہ البانی کی تند و تیز تنقید کو جارحیت پر محمول کریں گے۔ لیکن انہیں غور کرنا چاہیئے کہ اس کا سبب کون ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب وہ شخص ہے جس نے بلاوجہ علامہ البانی پر ناروا حملے کئے۔ اور ان پر الزام لگایا کہ وہ امام ابو حنیفہ پر تنقید کرتے ہیں۔ اس سے میری مراد ابو غدہ ہیں۔

ہم قارئین سے پُر امید ہیں کہ اگر علامہ البانی اپنی مظلومیت پر درج ذیل آیت ارشاد خداوندی لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوۡءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ کو اپنی ذات پر منطبق کرتے ہیں تو وہ حق بجانب ہیں۔

استاذ ابو غدہ نے علامہ البانی کے مقدمہ پر ناقدانہ تبصرہ مجھے ارسال کیا۔ مقدمہ شرح طحاویہ

کے ساتھ اس کو شائع کر کے میں خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

اللھم اکتب لنا الھدایۃ والتوفیق لخدمۃ دینک الذی انزلت علی رسولک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا۔

زہیر شاویش — ۵ صفر الخیر ۱۳۹۲ھ

مقدمہ

ان الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ ۔

اما بعد: امام ابو جعفر طحاوی کا تالیف کردہ رسالہ عقیدہ طحاویہ کی شرح کا ہم چوتھا ایڈیشن ایسے شائقین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جو سلف کے عقائد سے واقفیت حاصل کرنا اور خالص توحید معلوم کرنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہم اس کتاب کے بارے میں بلا پس و پیش یہ بات کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ یہ ایسی عمدہ کتاب ہے جس کی تحقیق اور دعوتی میدان میں نظیر ملنا مشکل ہے اس میں عقائد کا احاطہ، گہرائی اور راہ صواب کا انکشاف اور التزام ہے جس پر سلف گامزن رہے ۔

یہی وجہ ہے کہ عقیدہ طحاویہ کی تعریف میں کثیر اہل علم رطب اللسان ہیں[1] نیز بہت سے علماء نے اس کی شروح تحریر کی ہیں تمام شروح سے بہتر اور معروف شرح یہی ہے جس میں سلف کے عقائد کو احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شارح اکثر و بیشتر شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی کتابوں سے عبارتیں نقل کرتے ہیں۔ لیکن ان کا نام نہیں لیتے اس لئے کہ سلف کے عقائد متعصب قسم کے لوگوں اور صفات الٰہیہ کو نہ ماننے والے علماء سوء کے خلاف ہیں جب کہ بعض صاحب اقتدار لوگوں پر اس قسم کے بُرے اثرات ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے دور اقتدار میں برملا سلف کے عقائد بیان نہیں ہوئے خاص طور پر جب حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہوں کہ تعصب اور ہٹ دھرمی کے ساتھ شیخ الاسلام کی کتابوں کا نہ صرف یہ کہ پرچار نہ کیا جائے ۔

بلکہ انہیں جلا دیا جائے۔ اس بنا پر شدید خطرہ تھا کہ کہیں شیخ الاسلام کی کتابیں بالکل ہی معدوم

---

[1] شیخ عبدالوہاب سبکی نے کتاب (معید النعم ومبید النقم) میں عقیدہ طحاویہ میں ذکر کردہ عقائد کے بارے میں مختصراً لیکن جامع تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ ہم نے کتاب کے ٹائٹل پر تحریر کیا ہے کہ یہ چاروں مذاہب (بحمداللہ) عقائد میں متحد ہیں سوا ان کے جو معتزلہ اور مجسمہ فرقوں کے ساتھ مل گئے وگرنہ اکثر حق پر ہیں وہ عقیدہ طحاویہ کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں متقدمین علماء نے اس کو لوگوں کے سامنے رکھا متاخرین نے اس کو شرفِ قبولیت عطا کیا ۔

نہ ہو جائیں یا نادر الوجود نہ ہو جائیں ۔ اس بنا پر ابن عروہ حنبلی نے ان کی کتابوں کو ایک ضخیم کتاب الکواکب الدراری فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی میں معمولی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے ...... سمو دیا تاکہ وہ محفوظ رہ جائیں۔

شیخ الاسلام کی کتابوں کے خلاف محاذ آرائی متاخر دور میں بھی جاری رہی ۔ چنانچہ دمشق میں گذشتہ صدی کے اواخر میں بعض مؤثر افراد جو حلول واتحاد کے قائل تھے ، اقتدار کے بل بوتے پر وسائل ممکنہ استعمال کرتے ہوئے ان کی کتابوں کو جمع کرتے اور تلف کر دیتے ۔ اس طرح وہ اپنے مذہب کو غلبہ دینے اور اپنے عقیدہ وحدۃ الوجود کے پھیلانے میں ہر قسم کی رکاوٹ کو دور کرتے تھے[1]

میرا خیال ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتابوں کے ساتھ شدید دشمنی اور عقائد سلف کے اظہار میں ابتلاء و آزمائش کا تقاضا تھا کہ اس شرح کے شارح کا نام پردۂ خفا میں رکھا گیا اور شرح میں عبارات اگرچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی کتابوں سے اخذ کی گئی تھیں ۔ لیکن ان کا نام تک ذکر نہیں کیا گیا ، تاکہ عقائد سلف کی کتابیں دستبرد سے محفوظ رہیں ۔ اور انہیں ضائع نہ کر دیا جائے ۔

ص ۸۵ پر ایک جدول ملاحظہ فرمائیں جس سے معلوم ہوگا کہ کہاں کہاں شارح نے کس کس کتاب سے کون سی عبارات اخذ کر کے شرح میں ذکر کی ہیں ۔ یہ کتاب قبل ازیں دو بار طبع ہوئی[2] لیکن ہمارا ایڈیشن اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس کا دوسرے مخطوطہ کامل نسخہ کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے ۔ وہ نسخہ جدید ہے ۔ اس کا خط واضح ہے اور ضبط بھی ٹھیک ہے البتہ

---

[1] مقدمہ الکلم الطیب طبع مکتب اسلامی ص ۴ کا مطالعہ کریں ۔

[2] پہلا ایڈیشن مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۳۴۹ھ میں طبع ہوا ۔ طباعت کا اہتمام علماء کی ایک جماعت نے نے علامہ شیخ عبداللہ بن حسن بن حسین آل الشیخ رحمہ اللہ کی نگرانی میں کیا ۔ اس ایڈیشن کا ایسے مسودہ پر اعتماد کیا گیا ۔ جس میں اغلاط کثرت کے ساتھ تھے ۔ اور تحریف بھی تھی ۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا نسخہ میسر نہ آسکا ، تاہم انہوں نے تصحیح کی ۔ حتی المقدور کوشش کی اور جو الفاظ درست نہ تھے .... انہیں درست کیا ۔ اس کے باوجود اس ایڈیشن میں کثیر اغلاط باقی رہے ۔ دوسری بار اس کی اشاعت کا اہتمام علامہ شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ نے کیا ۔ چنانچہ

بعض مقامات میں جو اغلاط ہیں۔ ان کا درست کرنا آسان ہے۔ اس کے اختتام پر تحریر ہے
کہ اس شرح کی تحریر .... ایک حقیر فقیر انسان کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے جو جلیل القدر
علماء کا خادم ہے اور مدرسہ مرجان میں کتابوں کی تالیف کا کام کرتا ہے اس پر اللہ کی رحمت اور رضامندی
کا نزول ہو۔ نام عبدالحی بن عبدالحمید بن الحاج محمد مکی الشیخلی البغدادی ہے ۱۳۲۲ھ ہجری ماہ رجب
بروز سوموار اس کی تسوید سے فراغت حاصل ہوئی۔

اس سے ہم نے نتیجہ نکالا کہ جس اصل سے اس کو نقل کیا گیا ہے ممکن ہے وہ نسخہ بغداد میں ہو ہمیں
شوق دامن گیر ہوا کہ اس کا فوٹو حاصل کیا جائے اس سلسلہ میں ہم نے عراق کے علامہ شیخ بہجۃ اثری
کی جانب مکتوب ارسال کیا لیکن اس وقت تک ہم اس کے اصل کا مشاہدہ کرنے میں کامیاب نہیں
ہو سکے اور نہ اس کے کسی جز پر ہمیں آگاہی حاصل ہو سکی ہے[1] اسی طرح شارح کے بارے میں بھی ہمیں یقینی
معرفت حاصل نہ ہو سکی اس لئے کہ جس نسخہ سے اس کتاب کو طبع کیا گیا اس پر بھی شارح کا نام موجود نہ تھا اور
جب شیخ احمد شاکر دوبارہ اس کی اشاعت کے لئے کمربستہ ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ شارح کا نام علی بن علی

(حاشیہ بقیہ سابقہ) قاہرہ میں اس کی طباعت کا اہتمام ۱۳۷۳ھ میں ہوا۔ بہرحال اعتماد تو پہلے ایڈیشن
پر ہی تھا۔ اگرچہ شارح کے کلام کی تصحیح احادیث اور آثار کے تقابل میں پوری کوشش کی گئی۔ نتیجۃً یہ
ایڈیشن پہلے سے بہتر تھا۔ اور اقرب الی الصحۃ بھی تھا۔ البتہ دونوں ایڈیشنوں میں ایسی خرابی موجود تھی۔ جس کا
تدارک ممکن نہ تھا اس لیے کہ جس مسودہ سے اس کو طبع کرایا گیا تھا۔ اس میں صرف یہی خرابی نہ تھی کہ اس
میں بے شمار اغلاط تھے۔ بلکہ متعدد مقامات میں الفاظ مٹے ہوئے یا گرے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں تو
مکمل صفحہ کی نوعیت یہی تھی نتیجۃً سیاق و سباق کا نظام خراب ہو گیا۔ اور کتاب کے بیشتر حصہ کا سمجھنا
مشکل ہو گیا۔

[1] دس سال پہلے کی بات ہے جب ہم نے پہلا ایڈیشن شائع کیا جو اس ایڈیشن کی بنیاد تھا۔ اس سلسلہ
میں مجھے تین بار بغداد جانا پڑا۔ اور اصل مخطوطہ کی تلاش کی۔ لیکن میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اب میں غنیمت
سمجھتا ہوں اور اس مناسبت سے ان اہل علم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا
علی الاخص صدیق مکرم ڈاکٹر عبدالکریم زیدان اور حبیب مکرم الاستاذ عبداللہ جبوری کا تہ دل سے
مشکور ہوں۔

بن محمد بن ابی العز الحنفی ہے۔

انہوں نے علامہ محمد بن حسین نصیف[1] کی نشاندہی پر اعتماد کیا کہ سید مرتضیٰ زبیدی نے اس شرح سے ایک عبارت شرح الاحیاء ۲/۱۴۶ پر نقل کی ہے۔ اور اس کی نسبت ابن ابی العز مذکور کی طرف کی ہے۔

ہمارے پاس جو نسخہ تھا اس کے ٹائٹل پر مؤلف کا نام تھا لیکن ابن ابی العز نہ تھا ہم نے جس ورّاق سے وہ نسخہ خریدا اس نے مؤلف کا نام محو کر دیا اور اس جگہ وہی نام لکھ دیا جو نام شیخ احمد شاکر نے اپنے ایڈیشن میں لکھا البتہ پہلی کتابت سے جو الفاظ باقی تھے ہم نے کوشش کے بعد ان کو معلوم کیا تو وہ یہ تھے۔

"جمال الدین بن صلاح الدین ابو البرکات موسیٰ بن محمد الملطی الحنفی اس سے ہم نے معلوم کیا کہ یہ یوسف بن موسیٰ بن محمد ابو المحاسن جمال الدین الملطی ہیں جو ۸۰۳ھ میں فوت ہوئے"

اور ان کے حالات علامہ سخاوی نے الضوء اللامع (۱۰/۳۲۵-۳۲۶) میں اور ابن العماد نے شذرات الذہب (۷/۴۰) میں اور ابن ایاس نے تاریخ (۱/۳۱۵) میں ذکر کئے ہیں لیکن اس کو یقینی تسلیم کرنے سے یہ بات حائل ہوئی کہ اس شارح نے جیسا کہ اس نے خود متعدد مقامات میں اپنے آپ کو ابن کثیر کے تلامذہ میں شمار کیا ہے لیکن جن لوگوں نے بھی شیخ ملطی مذکور کے حالات ذکر کئے ہیں ان میں سے کسی نے بھی شیخ ملطی کو علامہ ابن کثیر کا شاگرد نہیں کہا۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی ذکر نہیں کیا کہ شیخ ملطی نے عقیدہ طحاویہ کی کوئی شرح بھی تحریر کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مسئلہ تشنۂ تکمیل رہا۔ اس کے حل کے لیے کسی قطعی دلیل کی ضرورت ہے تاکہ فیصلہ ہو سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنے مخطوطہ کا مکہ کے مطبوعہ نسخہ اور شیخ احمد شاکر کے مطبوعہ نسخہ سے مقابلہ کیا اور ہم نے اپنے مخطوطہ کو اصل قرار دیا ہمارے مخطوطہ میں جو زیادتی تھی اس کو بلا کسی اشارہ کے داخل کر دیا گیا اور اس کی مقدار خاصی ہے[2] اور جو زیادتی دوسرے دونوں ایڈیشنوں میں تھی اس کو ہم نے بریکٹ کا نشان دیکر درمیان میں لکھ دیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے مخطوطہ کی اشاعت میں آیات قرآنیہ کی نمبرنگ کی اور طباعت اور تصحیح کا خاص اہتمام کیا۔

---

[1] ابن ابی العز الحنفی کے حالات میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیخ نصیف ۸ جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ میں عالم جاوداں کو سدھارے۔

[2] آپ ہمارے ایڈیشن کے ص ۹۷ چھٹی سطر کا مقابلہ شیخ احمد شاکر کے مطبوعہ ص ۴۳ سے کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تقریباً ۳ سطریں غائب ہیں نہ تو وہ شیخ احمد شاکر کے نسخہ میں ہیں اور نہ ہی مکہ کے ایڈیشن میں ہیں۔

نیز نصوص کے اثبات میں اصول پر مراجعت کی اور بساط کے مطابق مشکل الفاظ کو ضبط کیا جیسا کہ ہم نے اس نسخہ کے متن کا کثیر مخطوطوں سے مقابلہ کیا چنانچہ ہمارے جلیل القدر استاذ محدث شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اس کی احادیث کی تخریج کی اس سال انہوں نے تخریج پر نظر ثانی کی جس سے ہمارا یہ ایڈیشن خوبصورتی اور افادیت کے لحاظ سے سبقت لے گیا۔

ہمارے اس ایڈیشن کے دوسرے ایڈیشنوں سے مقابلہ کرنے اور طباعت کے لئے تیار کرنے نصوص کی تحقیق کرنے الفاظ کے ضبط کرنے کا کام شیخ عبد الرحمٰن البانی، شیخ دہبی سلیمان غاوجی، شیخ سعید طنطاوی شیخ شعیب ارناؤط شیخ عبد القادر ارناؤط جیسے فاضل اساتذہ نے سرانجام دیا۔

چنانچہ علماء نے ہمارے اس ایڈیشن کو شرف قبول بخشا اس کے ساتھ ساتھ ریاض کے کالجوں اور مدارس میں اس کی تدریس کا اہتمام کیا گیا اسی طرح مفتی اعظم جلیل القدر استاذ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے اس کتاب کو مدینہ یونیورسٹی میں شامل نصاب کیا۔

بغداد کے کلیۃ الدراسات الاسلامیہ میں اس کی تدریس کا اہتمام کیا گیا پھر ہماری اجازت سے اس کا اختصار کیا گیا اسی طرح جامعہ دمشق کلیۃ الشریعہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ نے جو اس دوران کلیۃ الشریعہ کے عمید تھے، اس کو مراجع کی کتابوں میں شامل کرتے ہوئے اس کی افادیت کو ثابت کیا اور اسے قابل اعتماد سمجھا۔

یہ ایڈیشن آفسٹ طباعت والا تھا ہم نے مجبوراً ان کلمات اور سطور کو استدراک کے نام سے شامل کیا جو غلط تحریر ہو گئے تھے اور ہم ان کی تصحیح نہ کر سکے تھے قارئین سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ کتاب کے آخر میں ملحقہ استدراک سے غلط الفاظ کی تصحیح کر لیں ہم اس پر معذرت خواہ ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس عمل کو خالص لوجہ اللہ کرے اور ہمارا یہ عمل اس کی رضا کا باعث ہو اور جن لوگوں نے اس کی اشاعت میں مساعدت کی ہے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بیروت ۲۵ شعبان ۱۳۹۱ھ — زہیر شاویش

عقیدہ طحاویہ کے مؤلف امام طحاوی کے حالات

☆

نام: احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبدالملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب الازدی الطحاوی
کنیت: ابو جعفر نسبت طحاوی مصر کے میدانی علاقہ میں ایک بستی کی طرف ہے۔

امام، محدث، فقیہ، حافظ تھے۔

ولادت سن ۲۳۹ھ جب سن شعور کو پہنچے تو طلب علم کے لیے مصر روانہ ہوئے، اور ماموں اسماعیل بن یحییٰ مزنی سے (جو امام شافعی کے تلامذہ میں سربرآوردہ فقیہ تھے) تحصیلِ علم کیا۔ وہاں رہتے ہوئے جب فقہی مسائل کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا تو وہ بہت سے فقہی مسائل کے حل میں حیران و ششدر رہتے۔ ان کے ماموں ان کا تسلی بخش جواب دینے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے وہ شدید علمی تشنگی سے پریشان تھے۔ وہ برابر اس انتظار میں تھے کہ ان مسائل کا خاطر خواہ حل ان کے ماموں کیا پیش کرتے ہیں؟ ان کے سامنے جو مسائل تھے ان کے جواب کے لیے وہ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ چنانچہ اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے مذہب کو اختیار فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مختصر مزنی میں ان منتخب مسائل کو درج فرمایا۔

نتیجتہً اس کے بعد انہوں نے امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کی کتابوں کی ورق گردانی شروع کی۔ اصول و فروع میں ان کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیا۔ جب انہیں امام ابو حنیفہ کے مذہب کی صحیح طور پر معرفت حاصل ہو گئی تو اُنہوں نے حنفی مذہب اختیار کر لیا۔ اور وہ امام ابو حنیفہ کے پیروکاروں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ لیکن ان کی اقتدا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امام امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال کو صحیح سمجھنے لگے تھے۔ بلکہ بعض اوقات ان کے قول کو چھوڑ کر ان کے مخالف امام کے قول کو ترجیح دیتے۔ اس لیے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے مقلد نہ تھے۔ صرف ان کا نظریہ یہ تھا کہ فقہ میں امام ابو حنیفہ کا منہج دیگر فقہاء کے مناہج سے عمدہ ہے۔ اس لیے اس پر رواں دواں رہے اور اس کی اقتدا کرتے رہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ معانی الآثار میں ان اقوال کو بھی ترجیح دیتے ہیں جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب نہیں ہیں۔ ہماری تائید ابن زولاق کے قول سے بھی ہو رہی ہے۔ اس نے بیان کیا میں نے ابوالحسن علی بن ابی جعفر طحاوی سے سنا اس نے کہا میں نے اپنے باپ سے سنا۔ وہ ابو عبید حربویہ اور اس کی خفہ

کے فضائل بیان کرتے تھے۔ اُنہوں نے مسائل میں مجھ سے مذاکرہ کیا۔ ایک دن میں نے ایک مسئلہ کا جواب دیا۔ اس نے کہا ابو حنیفہ کا یہ قول نہیں ہے۔ میں نے جواباً کہا کیا جو کچھ امام ابو حنیفہ نے کہا میں وہی کچھ کہوں۔

اس نے کہا میرے خیال میں آپ مقلد ہیں۔ میں نے جواباً کہا تقلید تو متعصب کرتا ہے اس نے کہا یا کند ذہن کرتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد مصر میں یہ قول ضرب المثل بن گیا اور لوگوں نے اس کو محفوظ کر لیا[1]

کثیر تعداد میں شیوخ سے تحصیل علم کیا۔ اور استفادہ کیا۔ ان کی تعداد تین صد سے زیادہ ہوگی۔ ان کا معمول تھا کہ جو اہلِ علم اطراف واکناف سے مصر میں وارد ہوتے ان کی صحبت اختیار کرتے یہاں تک کہ ان کے معلومات سے بہرہ ور ہوتے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علوم کی تحصیل میں کس قدر توجہ اور انہماک رکھتے تھے۔ اور کتنے حریص تھے۔ متعدد اہلِ علم نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ثقہ، فقیہ، پختہ کار دین کے حافظ تھے۔ فقہ و حدیث میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

ابن یونس کا قول علامہ طحاوی ثقہ، قابلِ اعتماد، فقیہ اور عالم تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

ذہبی کا قول امام ذہبی تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ علامہ طحاوی، فقیہ، محدث، حافظ اونچے مقام پر فائز تھے۔ وہ علم وادب میں ثقہ قابلِ اعتماد فقیہ عاقل انسان تھے۔

ابن کثیر کا قول ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں۔ ان کا شمار قابلِ اعتماد، حفاظ اور سمجھدار لوگوں میں ہوتا ہے۔

تصانیف امام طحاوی (۱) العقیدۃ الطحاویہ: یہ وہ کتاب ہے جس کو اس کی شرح کے ساتھ عمدہ طباعت سے مزین کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس کا حجم کم ہے لیکن فوائد بہت ہیں۔ انداز سلفی ہے۔ عقیدہ کے لحاظ سے ایک مسلمان کو جتنے مسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تمام مسائل اس میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

(۲) معانی الآثار: اس میں فقہی مباحث دلائل کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ دوران مباحث

---

[1] یہ واقعہ لسان المیزان میں مؤلف کے حالات میں موجود ہے۔

اختلافی مسائل بھی آگئے ہیں۔ دلائل ان پر تعاقب مناقشہ بعدازاں جس کو صحیح سمجھا گیا۔ اس کو ترجیح دی گئی۔ یہ کتاب طالب علم کو فقہ کے مسائل میں پختہ کار بنا دیتی ہے اور اختلاف کی صورتوں سے آگاہی بخشتی ہے۔ اس لیے استنباط کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور شخصیت میں نکھار آتا ہے۔

(۳) مشکل الآثار[1] اس کتاب میں تعضاد کی نفی ہے اور اس سے احکام کا استنباط ہوتا ہے۔ (۴) احکام القرآن (۵) المختصر (۶) شرح الجامع الکبیر (۷) شرح الجامع الصغیر (۸) کتاب الشروط (۹) النوادر الفقہیہ (۱۰) الرد علی ابی عبید (۱۱) الرد علی عیسٰی بن ابان کے علاوہ بھی عظیم الشان قابل اعتماد تصانیف ہیں۔

وفات:۔ چار ذوالقعدہ جمعرات کی رات ۳۲۱ھ میں مصر میں فوت ہوئے۔ اور قرافہ میں دفن ہوئے۔

---

[1] کتاب سات ضخیم مجلدات میں ہے ترکی میں مکتبہ فیض اللہ شیخ الاسلام میں محفوظ ہے۔ اس کے چار اجزاء حیدر آباد میں طبع ہو چکے ہیں جس کو نصف کتاب نہیں کہا جا سکتا۔ کتاب عظیم الشان کثیر منفعت والی ہے۔ ان کا انداز یہ ہے کہ جو احادیث بادی النظر میں متضاد دکھائی دیتی ہیں۔ ان کو ذکر کرتے ہیں بعدازاں ان میں تعارض کو نہایت انوکھے انداز میں دور فرماتے ہیں جس سے ایک انصاف پسند مومن خوشی سے جھومنے لگتا ہے۔

مقدمہ

از علامہ محمد ناصر الدین البانی (حفظہ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین ولا عدوان الا علی الظالمین والعاقبۃ للمتقین وصلوٰۃ اللہ وسلامہ علی نبینا محمد سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الطیبین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

اما بعد: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فاضل دوست استاذ زھیر شاویش کو توفیق عطا کی کہ انہوں نے شرح عقیدہ طحاویہ جیسی عظیم کتاب کا چوتھا ایڈیشن طبع کرانے کا عزم بالجزم کیا تو میں نے محسوس کیا کہ احادیث کی تخریج پر نظر ثانی ہو جائے اور جہاں کہیں تشنگی محسوس ہو رہی ہے یا سہو ہوا ہے وہاں تحقیق کے زاویوں کو بروئے کار لا کر مناسب اضافہ کیا جائے اور اب کی بار پہلے سے بھی زیادہ کوشش اور عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اس لئے کہ پہلی بار تخریج کا عمل جلدی کا تقاضا کرتا ہے نتیجہً مراجع مصادر کی کتابوں کی طرف مراجعت کے بغیر ہی یہ عمل تکمیل پذیر ہو گیا تھا کہیں کہیں مراجعت کا عمل کیا گیا تھا اور پھر نظر ثانی بھی نہ کر سکا تھا اس لئے کہ ان دنوں راقم الحروف سفر میں تھا اور مکتب اس کی جلد اشاعت چاہتا تھا۔

اس کے بعد تیسرے ایڈیشن میں بھی چند مفید معلومات کا اضافہ کیا چنانچہ فاضل دوست زھیر شاویش شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تیسرے ایڈیشن کے ساتھ اس کو شامل اشاعت کیا اس سے وہ اہل علم بخوبی واقف ہیں جن کے پاس اس ایڈیشن کا کوئی نسخہ موجود ہے یا میں نے جن کی خدمت میں الگ مقدمہ ارسال کیا۔

تخریج کا نیا انداز

ان دونوں شرح عقیدہ طحاویہ میں ذکر کردہ ان احادیث کی جو بخاری، مسلم میں ہیں یا ان میں سے ایک میں ہیں، تخریج کا نیا انداز اختیار کیا تھا درا صل اکثر تالیفات اور تخریجات میں میرا یہی طریق رہا ہے کہ اولاً حدیث کا مرتبہ تحقیقی انداز میں بیان کیا جائے خواہ وہ حدیث بخاری، مسلم کی روایات سے ہو یا ان میں سے ایک کی روایات سے ہو مثلاً اولاً یہ کہتا ہوں حدیث صحیح ہے اسکے بعد بیان کرتا ہوں کہ وہ بخاری، مسلم میں ہے یا صرف بخاری کی روایت کہتا ہوں کہ حدیث صحیح ہے بخاری میں مروی ہے یا صحیح ہے مسلم میں مروی ہے لیکن تخریج کا یہ انداز تمام احادیث میں اس طرح نہیں ہے۔

اعتراض میرے اس جدید انداز پر بعض حلقوں کی جانب سے اعتراض کیا گیا خاص طور پر صراحت کو محل نظر قرار دیا گیا۔ اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس اشکال کا جواب دیا جائے چنانچہ اشارۃً تو اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اب تفصیل ملاحظہ کریں۔

تفصیلی جواب معزز قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ احادیث جو بخاری و مسلم یا ایک کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اکثر کے بارے میں کبھی ہم نے لفظ صحیح کا استعمال کیا اور کبھی صحیح متفق علیہ اور کبھی صحیح رواہ البخاری اور کبھی صحیح رواہ مسلم کہا اور یہ ہم نے وہاں کہا ہے جہاں شرح عقیدہ طحاویہ میں ذکر کردہ حدیث کی تخریج شارح نے نہیں کی ہے پس ہم معترض کے اعتراض کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے نزدیک ہمارا صحیح متفق علیہ وغیرہ کو جمع کر کے کہنا غیر معروف اصطلاح ہے نیز اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ صحیحین میں مروی احادیث سنن کی کتابوں وغیرہ کی روایات جیسی ہیں جن میں صحیح ضعیف احادیث ملی جلی ہیں صرف صحیح کو الگ ذکر نہیں کیا گیا ہے اس وہم کو دور کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اس جدید اصطلاح کا سبب ہمارے نزدیک صرف یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ نہایت مختصر انداز سے قارئین کو حدیث کے مرتبہ سے آگاہ کریں مثلاً ہمارے نزدیک جو حدیث صحیح ہے ہم اس کو بیان کر کے صحیح کہتے ہیں خواہ وہ حدیث بخاری و مسلم کی ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ہم نے اس کا ذکر کیا ورنہ حاشا وکلا ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم صحیحین کی احادیث کو سنن کی احادیث کے برابر سمجھتے ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے ہمارے بارے میں اس غلط موقف کا ذکر کیا ہے۔

صحیحین کا مقام صحیحین کو کیسے سنن کے مقام پر رکھا جا سکتا ہے جب کہ تمام علماء امت اسلامیہ محدثین وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح مقام صحیحین کا ہے ان دونوں کو دیگر حدیث کی کتابوں پر امتیاز حاصل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے مؤلفین نے مضبوط قواعد و شرائط کی روشنی میں صرف اصح احادیث کا ذکر کیا ہے احادیث ضعیفہ منکرہ کو لائق التفات نہیں سمجھا اس کام کے لئے انہیں غیر معمولی توفیق ایزدی حاصل تھی جب کہ ان کے بعد جس شخص نے بھی صحیح احادیث جمع کرنے کی کوشش کی اسے ان جیسی توفیق حاصل نہ ہو سکی۔ مثلاً ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم جیسے محدثین کی کدوکاوش ہمارے سامنے ہے۔

لیکن صحیحین کے بارے میں عرف عام میں یہ قول کتنا مشہور ہے کہ جس حدیث کو بخاری و مسلم نے یا ان میں سے ایک نے صحیحین میں ذکر کیا اس کے بارے میں تحقیق کی ضرورت نہیں اس کی صحت میں کچھ شک و شبہ نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحیحین میں ذکر کردہ ہر حرف، لفظ، کلمہ ان کلمات کے درجہ میں ہے جو قرآن پاک میں ہیں کہ اس میں کسی راوی کی طرف سے وہم اور خطا نہیں ہے ہم اللہ کی کتاب کے بعد ہرگز کسی کتاب کی معصومیت

کا اعتقاد نہیں رکھتے چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ انکار کرتے ہیں کہ اس کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب کامل ہو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اہل علم جنہوں نے بخاری مسلم کا تعصب سے بالاتر ہو کر ...... فہم و تدبر کے ساتھ جدید علمی تواعد کی روشنی میں شخصی خواہشات غیر اسلامی ثقافت سے متاثر ہوئے بغیر مطالعہ کیا ہے) اس کا دعویٰ کریں۔

وضاحت کے لئے ایک مثال بخاری مسلم میں الگ الگ اسانید کے ساتھ ابن عباس سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو اس وقت آپ محرم تھے حالانکہ یقینی بات یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضی سے نکاح کیا تو اس وقت آپ محرم نہ تھے میمونہ سے بھی اسی طرح منقول ہے اسی لئے تو علامہ محمد بن عبدالهادی تنقیح التحقیق ۲/۴/۱۰۴/۱ پر ابن عباس کی مروی حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں یہ دیگر اغلاط کی طرح ایک غلط بات ہے جو صحیح بخاری میں ہیں جب کہ میمونہ خود اپنے بارے میں کہتی ہیں کہ میرا نکاح بحالت احرام نہیں ہوا اور ہر انسان اپنے بارے میں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل حدیث (۱۰۲۱) کا مطالعہ کریں۔ اس وضاحت کے بعد تمام اشکالات کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے تھا لیکن اس کے باوجود ان دنوں میرے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد سے منحرف متعصب احناف میں سے ایک ایسے شخص نے (جو سعودی حکومت کے بعض علمی اداروں میں بطور مدرس متعین ہیں) حکومت کے سرکاری عہدوں پر فائز ذمہ دار لوگوں کی جانب تفصیل کے ساتھ میری مخالفت کرتے ہوئے تخریج کے کام کی قدر و قیمت کو گھٹا دیا ہے اور میری جانب ایسی ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آئیں، میں چاہتا ہوں کہ مختصراً ان کا تذکرہ کروں پھر انکا رد کروں ان کی جانب سے میری مخالفت میں پانچ اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض جس حدیث کے بارے میں شارح نے کہا ہے کہ وہ حدیث بخاری مسلم میں ہے یا ان میں سے ایک میں ہے، اس حدیث کے بارے میں کبھی تو میرا صحیح کہنا اور کبھی یہ کہنا کہ حدیث صحیح ہے، مسلم نے روایت کیا یا حدیث صحیح ہے اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ اور کبھی ان تمام کے بارے میں صحیح نہ کہنا میرے اس انداز سے میرے مخالف نے جو شدید متعصب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بخاری مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم کی جن روایات کے بارے میں صحیح نہیں کہا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے بارے میں توقف اختیار کیا جائے غور و فکر کے ساتھ مراجعت کے بعد اس پر حکم لگایا جائے تو یہ ایک ایسی صورت ہے جس کا ذکر متقدمین متاخرین سے نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض بعض احادیث اور آثار میں میرا کہنا کہ میں اس کی معرفت نہیں رکھتا اس پر میرا مخالف اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر علامہ البانی کو اس حدیث کی معرفت نہیں ہے جب کہ شارح اور دیگر اہل علم کو اس کی معرفت حاصل ہے، نیز میرے مخالف نے ابن مسعود کے اثر میں وہ شخص ہلاک ہوگیا جو ایسا دل نہیں رکھتا جس کے ساتھ معروف اور منکر کو معلوم کرسکے۔ میں نے کہا ہے کہ مجھے اس کی معرفت نہیں تو اس پر میرا مخالف کہتا ہے نہیں معلوم اس کا مقصد یہ ہے کہ معروف کو منکر سے الگ نہیں کرسکتا یا ابن مسعود کے کلام کی معرفت نہیں رکھتا۔

تیسرا اعتراض شارح نے ایک حدیث صحیح کو صحیح کہا اس پر میں نے کہا کہ اس حدیث کو کسی صحیح احادیث روایت کرنے والوں نے ذکر نہیں کیا اس سے مراد بخاری اور مسلم ہیں۔

چوتھا اعتراض ایک حدیث کے بارے میں علامہ البانی نے کہا کہ جہاں تک میری معلومات ہیں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ کتب سنت میں موجود نہیں ہے اور میں اس حدیث کو مؤلف کا وہم سمجھتا ہوں اس پر بعض تصحیح بیان کرنے والوں نے کہا کہ یہ حدیث تو سنن ترمذی میں موجود ہے نیز ابن حجر نے بھی اس کو ذکر کیا ہے جیسا کہ مکتب اسلامی کے بعض تصحیح کرنے والوں نے بھی اس پر متنبہ کیا ہے، نیز جس حدیث کی علامہ البانی نے نفی کی ہے وہ مشکوٰۃ المصابیح رقم ۴۲۳ میں مذکور ہے۔

پانچواں اعتراض من عادیٰ لی ولیا الحدیث کے بارے میں میرے قول پر اعتراض کیا ہے جب کہ میں نے اس کے بارے میں کہا کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا، اس کی سند میں ضعف ہے البتہ اس کے طرق ہیں جن کی بناء پر حدیث کو قوت حاصل ہوگئی ہے اور اس وقت تک نہ تو میں اس کا تتبع کرسکا ہوں اور نہ اس کی تخلیق کرسکا ہوں۔

درج بالا چند اہم اعتراضات ہیں جو کہ علامہ ابو غدہ کی جانب سے میرے خلاف پیش کئے گئے ہیں ان کے علاوہ اور بھی اشکالات پیش کئے جاتے ہیں لیکن وہ اس لائق نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے بنا بریں انہیں حذف کردیا گیا ہے۔ جن اہل علم کے سامنے شرح عقیدہ طحاویہ کے تیسرے ایڈیشن کا مقدمہ نہیں ہے ممکن ہے وہ لوگ علامہ ابو غدہ کے اعتراضات کو کسی حد تک حق بجانب سمجھیں، اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ علامہ ابو غدہ کی کذب بیانی اور ملمع سازی کا پردہ چاک کروں اور اہل علم کو مطلع کروں کہ وہ کس قدر حق وانصاف کے راہ سے دور نکل گیا ہے اور اس نے دیدہ دلیری سے کس طرح ان لوگوں سے حقائق پر پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی ہے جن کے سامنے اس نے اپنا وضاحتی بیان پیش کیا ہے اور تخریج کے مسئلہ میں تار واطعن وتشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے وہ جہالت کی انتہاء گہرائیوں میں گرچکا ہے جہاں روشنی کی کوئی کرن موجود نہیں اب

میں ذیل میں ان کی جانب سے اٹھائے گئے پانچوں اعتراضات کا ترتیب کے ساتھ جواب پیش کرتا ہوں ۔

پہلے اعتراض کا جواب

بخاری اسلم کی حدیث یا ان میں سے کسی ایک کی حدیث کے بارے میں میرا کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے اس کا جواب ملحقہ مقدمہ میں دیا جا چکا ہے کہ
ہمارا مقصد یہ ہے کہ قارئین کو مختصر صریح الفاظ میں مختصر طریق سے حدیث کے مرتبہ کے بارے میں آگاہ کیا جائے
احادیث کی تخریج کے سلسلہ میں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے جیسا کہ مقدمہ کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ اس کا
ذکر ہو چکا ہے مختصر یوں ہے کہ بعض احادیث کے بارے میں اس کے سبب کے پیش نظر جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے
صحیح کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے اس پر ابو غدہ نے کینہ پروری کا ثبوت مہیا کرتے ہوئے اور تعصب اختیار کرتے ہوئے
اپنی جانب سے علت ذکر کی ہے کہ جہاں البانی نے صحیح کا لفظ ذکر نہیں کیا وہ اس حدیث میں توقف اختیار کئے
ہوئے ہے گویا کہ خود ہی سوال پیدا کیا اور خود ہی میری وکالت کرتے ہوئے جواب دینا شروع کر دیا کہ کیا اس
حدیث کو اس وقت صحیح کہا جائے جب کہ البانی صاحب اس پر صحت کا حکم لگائیں گے یا جب کہ مثلاً امام مسلم
نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں ذکر کیا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے نہیں !! اس حدیث پر صحت کا حکم البانی کے
قائم کرنے سے ہوگا امام مسلم کے صحیح قرار دینے سے اس پر صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا یہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس
کے علاوہ بعض احادیث پر جو مسلم میں ہیں یا بخاری مسلم دونوں میں ہیں ان پر البانی صاحب صحیح کا حکم لگاتے ہیں
مثلاً یوں ذکر کرتے ہیں صحیح اور کبھی صحیح متفق علیہ . . . .

توفیق خداوندی کے شامل حال ہونے کی صورت میں اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ ابو غدہ
نے جو جواب ذکر کیا ہے وہ محض ان کی اپنی اختراع ہے اور غیر تحقیقی ہے اس لئے کہ جو شخص بھی حدیث شریف
کے علم سے معمولی سا شغف رکھتا ہے وہ بداہتاً جانتا ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں محدث کا کہنا کہ اس کو
بخاری مسلم نے ذکر کیا یا ان میں سے ایک نے ذکر کیا اس ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور
جب کہیں کوئی محدث کسی حدیث کے بارے میں صحیح اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا یا صحیح اس کو بخاری نے
روایت کیا یا صحیح اس کو مسلم نے روایت کیا کہتا ہے تو اس کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اس کی صحت کو مزید پختہ
بنائے اور وضاحت کرے لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کو بخاری مسلم
نے روایت کیا اور صحیح نہیں کہتا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ بیان
اور تعبیر میں تو اختلاف ہے لیکن معنیٰ میں اتحاد ہے پس تعبیر کے اس اختلاف سے کونسا اعتراض پیدا ہو رہا
ہے ؟ لیکن ابو غدہ کم علمی اور کوتاہ فہمی سے اگر ان کی نسبت درست ہے نیت میں فساد نہیں تو خواہ مخواہ پھر وہ
اعتراض کی شکل پیدا کر رہے ہیں میرے اس ادعا پر ان کے اپنے اقوال دال ہیں جن کے بارے میں ہم پورے

سوبنچ بچار کے ساتھ جواب دیں گے ان کے بارے میں میرا یہ کہنا کہ ان کے پیدا کردہ اعتراضات ان کی جہالت پر مبنی ہیں) اس لئے ہے کہ اس قسم کے انسان پر ایسی باتوں کا مخفی ہونا کچھ بعید نہیں اس لئے کہ تقلید جامد جس نے ان کے دل کو زنگ آلود کر دیا ہے وہ اس لائق نہیں رہا نہ اس میں اتنی روشنی ہے کہ وہ ان حقائق سے بہرہ ور ہو سکے جو صاحب عقل و بصیرت لوگوں کے ہاں بالکل ظاہر باہر ہیں مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس کو اس جیسے شیخ مقلد نے اس قسم کے اعتراضات کی تلقین کی ہے یہ لوگ بصیرت سے کتنے دور ہیں بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ اس سے بالکل ناواقف ہے کہ میرے علاوہ بھی اہل علم نے اس انداز کو اپنایا ہے جب میں کسی حدیث کے بارے میں ذکر کرتا ہوں حدیث صحیح ہے، اس کو بخاری، مسلم نے روایت کیا کہ یہ خاص میرا انداز ہے مجھ سے پہلے کسی نے یہ انداز اختیار نہیں کیا ورنہ وہ نہ تو انکار کرتے اور نہ مجھ پر افترا باندھتے کہ جب میں بخاری، مسلم کی کسی حدیث کے بارے میں کہتا ہوں کہ اس کو بخاری، مسلم نے روایت کیا تو مجھے اس کی صحت کے بارے میں توقف ہے یہ اس کا خیال ہے کہ مجھ سے قبل اہل علم نے یہ انداز نہیں اپنایا اور یہ بھی اس کا باطل خیال ہے کہ میں نے ایسی چیز پیش کر دی ہے جس کو میرے علاوہ متقدمین متاخرین میں سے کسی نے نہیں اپنایا۔

مجھ سے قبل یہ انداز شیخ الاسلام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی نے بھی اختیار کیا جن کا شمار مشہور ائمہ حدیث میں ہوتا ہے جو شرح السنۃ کے مؤلف ہیں جن کی طباعت کا پہلی بار مکتب اسلامی طہ بیڑہ الطبا[1] چنانچہ علامہ بغوی نے اس کتاب میں وہی انداز اختیار کیا ہے جو میں نے شرح عقیدہ طحاویہ کی تخریج میں اختیار کیا ہے علامہ بغوی کبھی تو حدیث کی نسبت شیخین کی طرف اور کبھی ان میں سے ایک کی طرف کرتے ہیں اور کبھی اس تخریج کے ساتھ ساتھ صراحتاً صحیح کا لفظ بھی لاتے ہیں اور کبھی صحیح کا لفظ نہیں لاتے ابو غدہ جو ہمارے خلاف ناجائز طور پر بر سر پیکار ہیں انہیں بھی اس کے بارے میں کچھ شبہ نہیں بنا بریں ان سے اس کی امثلہ بیان کر کے اوراق سیاہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں جب کہ ان کے ہاں تو دوسرا انداز بالکل درست نہیں کہ حدیث کو بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک کی طرف منسوب کرتا اور پھر اس پر صحت کا صراحتاً حکم لگاتا چنانچہ ہم شرح السنۃ سے اس کی چند امثلہ پیش کرتے ہیں تاکہ ابو غدہ جیسے متعصب لوگ شاید اپنی کجروی اور گمراہی سے باہر نکل آئیں۔

شرح السنۃ کی پہلی جلد سے چند امثلہ احادیث کی نوعیت بیان کرتے ہوئے ان کے نمبر شمار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

پہلی مثال۔ علامہ بغوی نے حدیث ۲، ۶۸، ۱۳۲ کے بیان کرنے کے بعد کہا ہے حدیث کی صحت پر بخاری، مسلم کا اتفاق ہے اور حدیث صحیح ہے اور حدیث ۱۵۴، کے بارے میں صحیح کہا۔ نیز بخاری، مسلم نے

---

[1] اب تک اس کتاب کے پانچ اجزا استاذ شعیب ارناؤط اور زہیر شاویش کی تحقیق سے طبع ہو چکے ہیں ۱۲

اس کو روایت کیا

دوسری مثال: حدیث ، ۴ ، ۱۱۳ ، ۱۷۱) کے بعد کہتے ہیں حدیث صحیح ہے اس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا۔

تیسری مثال ان احادیث کے بارے میں جن کو سند کے ساتھ امام بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا یہ حدیث صحیح ہے، ذیل کی احادیث نمبروں کے مطابق ملاحظہ فرمائیں۔

۱۲، ۲۳، ۳۴، ۴۴، ۵۷، ۸۶، ۹۴، ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۴۱، ۱۵۸، ۲۰۳، ۲۳۰)

چوتھی مثال وہ حدیث جس کو مسلم نے ذکر کیا اس کے بارے میں کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ اس قسم کی احادیث کثرت کے ساتھ ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

۲، ۴، ۸، ۱۶، ۱۷، ۲۴، ۳۶، ۴۷، ۵۰، ۵۳، ۵۶، ۵۹، ۶۲، ۶۴، ۶۷، ۷۴، ۷۸، ۸۰، ۸۱
۸۵، ۹۱، ۹۳، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۹، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۹۱، ۲۰۱
۲۰۵، ۲۱۱، ۲۱۹، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۳۸)۔

پانچویں مثال: مسلم کی حدیث ذکر کرکے امام بغوی نے اس کو حسن کہا ہے۔ صحیح نہیں کہا حدیث نمبر ۱۰۷ ملاحظہ فرمائیں۔

میرا خیال ہے کہ شرح السنۃ میں پانچوں اقسام میں سے ہر قسم کی امثلہ موجود ہیں خاص طور پر چوتھی قسم کی امثلہ کثرت کے ساتھ ہیں شرح السنۃ کے باقی حصوں سے امثلہ ذکر کرکے طول دینا مناسب نہیں سمجھتا اور جو کچھ ذکر ہو چکا ہے ہدایت حاصل کرنے والے کے لئے اس قدر ہی کافی ہے۔

اس وضاحت سے قارئین کے سامنے ابوغدہ کی زیادتی اور بے جا تعصب کھل کر سامنے آگیا ہوگا نیز ان کی جانب سے مجھ پر کئے جانے والے اعتراضات کا پردہ چاک ہوگیا ہوگا خصوصاً یہ اعتراض کہ میں نے علمی دنیا میں ایسا انوکھا کام سرانجام دیا ہے کہ اس کو متقدمین متاخرین میں سے کسی نے نہیں کیا۔ نیز ابوغدہ میرے خلاف جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ جس حدیث کو بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک نے روایت کیا ہے لیکن میں نے تخریج میں اس حدیث کے بعد لفظ صحیح نہیں کہا تو میں اس حدیث کے بارے میں متردد ہوں کوئی فیصلہ نہیں کر رہا ہوں فکر و مراجعت کے بعد فیصلہ کروں گا یہ الزام بالکل جھوٹ اور بہتان ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے ابوغدہ میرے خلاف اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے جو دلیل پیش کرتے ہیں اگر اس کو درست مان لیا جائے تو پھر اس الزام کی لپیٹ میں امام بغوی بھی آتے ہیں بلکہ جن ائمہ نے بھی میرا انداز اختیار کیا ہے اس لئے کہ میں نے ان کی تالیف شرح السنۃ سے چند امثلہ ذکر کی ہیں جن میں انہوں نے بعض اوقات بخاری، مسلم کی احادیث پر صحیح کا لفظ ذکر کیا

اور کہیں نہیں بھی کیا تو کیا ابو غدہ جیسے متعصب انسان کے نزدیک امام بغوی بھی اس حدیث کے بارے میں توقف اختیار کئے ہوئے ہیں جس کے بعد وہ لفظ صحیح ذکر نہیں کرتے۔

ابو غدہ نے اپنے تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو الزامات مجھ پر عائد کئے ہیں قارئین کو ان الزامات کے بطلان پر مزید معلومات پیش کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ ابو غدہ کا یہ کہنا کہ جن احادیث کو شارح نے یا بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک کی طرف منسوب کیا ہے اور ان احادیث کے بعد میں نے صحیح کا لفظ ذکر نہیں کیا وہ احادیث ان سے زیادہ ہیں جہاں میں نے صحیح کا لفظ استعمال کیا اگر ان کی یہ بات درست تسلیم کرلی جائے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب میں جو احادیث بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک کی جانب منسوب ہیں ان میں اکثر احادیث کے بارے میں البانی نے توقف اختیار کیا ہے مزید غور و فکر اور مراجعت کے بعد ان کے بارے میں فیصلہ ہوگا اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو وہ تمام قارئین علماء جو میری کتابوں اور تخریج سے واقف ہیں فوراً میری اس بات کی تکذیب کرتے۔

اب میں قارئین سے استفسار کرتا ہوں کہ ابو غدہ نے میرے خلاف جو الزام لگایا ہے کیا میں نے اس کی ترجمانی غلط تو نہیں کر دی ہے اس کی بات کا صحیح مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے بس اس الزام کا اس کو خمیازہ بھگتنا ہوگا بلکہ میرے خلاف عائد کردہ الزام کو باطل کرنے کے لئے وہ وضاحت کافی ہے جو کہ میں نے تیسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں کی ہے کہ جس حدیث کو بخاری، مسلم یا ان میں سے ایک نے ذکر کیا ہے وہ حدیث جرح قدح کے دائرہ سے باہر ہے اس کے صحیح ہونے میں کچھ کلام نہیں میرے مخالف ابو غدہ مجھ پر ناروا حملہ کرنے والے بھی یقیناً اس کا علم رکھتے ہیں البتہ اگر وہ بات جو کبھی میرے خیال میں نہیں آئی اس کو اپنے اجتہاد کے ساتھ (اگر وہ اجتہاد کا استحقاق رکھتے ہیں) اس صراحت پر مطلع ہونے سے قبل میری طرف منسوب کرتے ہیں تو کسی حد تک ان کے لئے جائز ہے لیکن اس صراحت کے معلوم ہونے کے بعد تو ہرگز جائز نہیں۔ (فاللہ یتولی جزاءہ)

دوسرے اعتراض کا جواب

بعض احادیث اور آثار میں میرا یہ کہنا کہ مجھے اس کی معرفت نہیں اس کا مطلب اس علم شریف کے طلبہ بھی جانتے ہیں چہ جائیکہ اہل علم کو معلوم نہ ہو اس کا معنی یہ ہے کہ میں اس کی اسناد کی واقفیت نہیں رکھتا کہ میں اس پر صحت یا ضعف کا حکم لگاؤں بعض علماء اس کی ایک دوسری تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو نہیں پایا[1] یا میں نے اس کے اصل کو

[1] ائمہ حدیث حافظ زیلعی، عراقی، عسقلانی وغیرہ نے تخریج کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ اس تعبیر کا ذکر کیا ہے۔ علامہ عراقی تخریج الاحیاء الجزء الاول میں دس احادیث سے زیادہ میں (لم اجدہ) میں نے اس کو نہیں پایا کا جملہ استعمال کرتے ہیں طبع تجاریہ کے ذیل کے صفحات ملاحظہ فرمائیں۔ (۹۲، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۹۲، ۲۹۹، ۳۰۷)

نہیں پایا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کا اصل نہیں ہے یہ تمام معانی علماء کے ہاں معروف ہیں۔ لیکن آخری معنی بعض محققین کے نزدیک قابلِ تنقید ہے۔ اس لیے کہ یہ معنی مطلق طور پر یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ تمام علماء کے نزدیک اس کا اصل نہیں ہے۔ اور اس قسم کا حکم لگانا خاصا دشوار ہے۔ اس سے قبل جو معانی بیان ہوئے ہیں وہ مناسب ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ بے لاہر و متعصب انسان واقعتاً جاہل ہے یا کسی مقصد کے پیشِ نظر تجاہل عارفانہ کر رہا ہے ؎

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم۔

اگر آپ جہالت کا شکار ہیں تو مصیبت ہے اور اگر جہالت نہیں ہے تو مصیبت عظیم ہے، اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا یہ قول جہالت پر ہی مبنی ہے اور تجاہل عارفانہ بھی ہے جہالت پر اس کا پہلے ذکر کردہ قول دلالت کر رہا ہے کہ کیا ہوا اگر وہ اس سے ناواقف ہے جب کہ شارح یا دوسرے لوگ اس سے واقف ہیں۔ وضاحت یہ ہے کہ اس نے (لم اعرف) سے متن مراد لیا ہے کہ شارح نے متن معلوم کر لیا ہے، میں نہیں کر سکا اور میں نے اس سے سند مراد لی ہے جیسا کہ مجھ سے قبل محدثین نے بھی اس سے سند مراد لی ہے پس اگر شارح نے متن معلوم کر لیا ہے تو اس سے کیا فائدہ ہے جب کہ اس کو تو ہر شخص جانتا ہے اور اگر غیر منصف متعصب کا مقصد یہ ہے کہ شارح نے اس کی اسناد کو معلوم کر لیا ہے جب کہ یہ معنیٰ اس کے ظاہر کلام سے بہت بعید ہے تو یہ معنیٰ لینا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ شارح نے اس کی سند ذکر نہیں کی ہے اگر وہ اس کی سند ذکر کرتے تو ہم سند پر غور کر لیتے۔

تجاہل عارفانہ تو ان کے کلام سے واضح ہے جب وہ کہتے ہیں کہ (لا اعرفہ) کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ معروف کا منکر سے امتیاز کی معرفت نہیں رکھتے جب کہ احادیث کی تخریج کی بحث میں میرے قول کے ساتھ اس بات کا معمولی سا بھی تعلق نہیں ہے تو اس قسم کی سوال آفرینی یقیناً تجاہل عارفانہ اور غلط مبحث مقصود ہے تاکہ

اور انہی ہی احادیث کے بارے میں (لم اجد لہ اصلاً) (کہ میں نے اس کا اصل نہیں پایا) کہتے ہیں (
۷۶، ۸۱، ۱۰۲، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۷۷، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۳۲، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۱۷) اور کبھی کہتے ہیں کہ میں نے اس کی سند کو نہیں پایا (۲۹۶) اور کبھی کہتے ہیں کہ ابن الصلاح نے کہا میں نے اس کا اصل نہیں پایا۔ نووی نے کہا غیر معروف ہے (ص ۱۳۷) یہ قول میرے قول کے مثل ہے جب میں کہتا ہوں کہ میں اس کو نہیں جانتا بھلا اس تعبیر سے اس متعصب کے علاوہ بھی کوئی ایسا شخص ہے جو وہ معنیٰ مراد لے رہا ہے کہ علاوہ عراقی کے اس کے متن کو نہیں پایا حالانکہ متن تو ان کے سامنے ہے بس (لم اجدہ) اور (غیر معروف) اور (لم اعرفہ) میں کچھ فرق نہیں۔

اپنے غصہ کو فرو کرسکے اور لوگوں کے سامنے اپنے دل میں چھپے ہوئے حسد اور غیظ و غضب کو غلط انداز میں آشکارا کرسکے فرط جہالت سے خود کو کچھ علم نہیں کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے؟ نسأل اللہ العافیۃ۔

ما قبل ذکر کردہ بحث تحریر کرنے کے بعد مجھے ملا علی قاری کی تالیف المصنوع فی احادیث الموضوع دیکھنے کا موقعہ ملا جو حال ہی میں میرے حریف کی تحقیق اور تعلیق کے ساتھ طبع ہوئی ہے مجھے اس کتاب میں متعدد حدیثیں ایسی دستیاب ہوئیں جن کے بارے میں حافظ سخاوی نے (لا اعرفہ) کا جملہ استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں: (۱، ۲، ۱۲، ۱۶، ۴۳، ۸۳، ۹۸، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۸۶، ۲۰۵، ۲۸۲، ۲۹۴، ۳۰۹، ۳۲۶، ۳۴۸)۔ نیز حافظ ابن حجر سے حدیث (۲۷۳) میں اس کی مثل الفاظ منقول ہیں۔ نیز اس نے حدیث (۲۹۷، ۲۰۲) کے بارے میں غیر معروف الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد کیا ان کے قول (لا اعرفہ، غیر معروف) کا مطلب یہ ہے کہ وہ متن حدیث کی معرفت نہیں رکھتے ہیں ہرگز نہیں اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے جب کہ میرے حریف متعصب الموضوع کے مقدمہ ص ۸ پر (شذرات فی بیان بعض عبارات المحدثین حول الاحادیث الموضوع) کے عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ (۱) کسی حدیث کے بارے میں ان کا کہنا: لا اصل لہ لا اصل لہ بھذ اللفظ، لیس لہ اصل، لا یعرف لہ اصل، لم یوجد لہ اصل یا اس قسم کے الفاظ سے مقصود یہ ہے کہ حدیث مذکور کی سند منقول نہیں بعد ازاں ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ (لیس لہ اصل، لا اصل لہ) سے مقصود یہ ہے کہ اس کی سند نہیں ہے۔

غور کیجئے ان تمام اقوال میں نفی اسناد کی ہے متن کی نہیں ہے جیسا کہ ہمارے حریف نے اس مقام پر اس کا اعتراف کیا ہے معلوم ہوا وہ علم رکھنے کے باوجود تجاہل عارفانہ اختیار کرتے ہوئے مجھ پر تنقید کر رہا ہے جب میں بعض احادیث کے بارے میں (لا اعرفہ) کے الفاظ ذکر کرتا ہوں، لیکن حریف کا یہ کہنا کیا ہوا جب کہ شارح یا ادیگر اہل علم اس کی معرفت رکھتے ہیں یعنی سند کا علم شارح اور دیگر اہل علم رکھتے ہیں اس کے بارے میں ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ صرف دعاوی ہیں اور شاخ عدا وندی ہے۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ جس شاعر نے ذیل کا شعر کہا ہے اس پر اللہ کی رحمتیں ہوں ؂

والدعاوی مالم تقیموا علیھا بینات ابناؤھا ادعیاء۔

جن دعووں پر تم دلائل نہ پیش کر سکو ان کے نتائج واضح نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قارئین کے افادہ کے لئے مجھے کہنے دیجئے کہ جب ہمارے حریف نے مجھے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تو اس وقت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول ان کے ذہن سے محو ہو گیا ہوگا اس لئے وہ علماء کی کتابوں سے کثرت کے ساتھ نقل کرکے حوالے پیش کرتے ہیں ان کا حال اس شخص کا ہے جو رات کی تاریکی میں ایندھن اکٹھا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اوقات ایسی عبارتیں نقل کرتے ہیں جو ان کے مقاصد کے مطابق نہیں ہوتیں نتیجۃً ضرورت کے وقت اس کا حوالہ ان کے ذہن

میں مستحضر نہیں ہوتا جب اس علم کے میدان میں انہیں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ ان کے ذہن سے بالکل محو ہو چکا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیقات میں شدید تناقض موجود ہے بعض مقامات میں جن باتوں کو ثابت کرتے ہیں دیگر مقامات میں ان پر تنقید کرتے ہیں لیکن مقدمہ میں مجھے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے میرے سامنے (المصنوع) کی تعلیق سے دو مثالیں ہیں میں انہیں ذکر کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے حریف کا غلط نقطۂ نظر کھل کر سامنے آجائے۔

دو مثالیں | اس تعلیق میں ہمارے حریف ابوغدہ نے پہلے مذکورہ فقرہ کے بعد کہا ہے کہ (لا اعرفہ)، لم اعرفہ لم اقف علیہ) وغیرہ جیسے جملے جب کسی مشہور اہل قلم کے قلم سے نکلیں اور ان پر کسی اہل علم نے تعاقب بھی نہ کیا ہو تو ان کی روشنی میں اس حدیث پر موضوع کا حکم لگائیں گے۔

ابوغدہ کا یہ قول صراحتًا غلط ہے نیز اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس علم سے ناآشنا ہے حالانکہ ان جملوں میں جو الفاظ ہیں ان سے وہی معانی مراد لئے جائیں گے جو معانی سابقہ جملوں کے الفاظ سے لئے گئے تھے اس لئے کہ الفاظ میں کچھ فرق نہیں پس جب ان کا ماحصل یہ تھا کہ ان احادیث کی اسانید نہیں ہیں اسی طرح ان سے بھی وہ احادیث مراد ہیں جن کی اسانید نہیں ہیں معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی اسناد کے مخرج کا معلوم نہ ہونا اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ وہ حدیث موضوع ہے اس لئے کہ موضوع حدیث پر وضع کا حکم یا تو اسناد کے لحاظ سے لگایا جائے گا کہ اس میں کوئی راوی کذاب یا وضاع ہو اور یہاں تو ہمیں اس حدیث کی سند ہی معلوم نہیں یا اس پر وضع کا حکم متن کے لحاظ سے لگایا جائے گا یعنی اس کے متن کا مفہوم قرآن پاک سنت صحیحہ کے خلاف ہے جیساکہ علم مصطلح الحدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے حالانکہ بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ہر وہ حدیث موضوع جس کی سند معلوم نہیں اس کے متن میں کوئی ایسا معنیٰ نہیں ہوتا جو وضع حدیث پر دلالت کرتا ہو جیساکہ اس مفہوم کی طرف علامہ قاری نے مذکورہ کتاب کے ص ۱۳۷ پر اشارہ کیا ہے اگرچہ متعصب لوگ اس کا تعاقب کرنے سے نہیں رکتے جب کہ اس میں محل استشہاد بالاتفاق مسلم ہے یعنی کثیر احادیث ایسی ہیں جن پر وضع کی علامات نہیں ہیں چنانچہ اس کتاب پر علامہ ابوغدہ کی تعلیق بھی اس پر دلالت کناں ہے اس وضاحت کی روشنی میں ابوغدہ کا یہ کہنا کہ کسی حدیث پر کسی حافظ حدیث کا یہ حکم لگانا کہ (میں اس حدیث کی معرفت نہیں رکھتا ہوں) سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث پر وضع کا حکم لگایا جائے گا اگرچہ اس شرط کو بھی ملحوظ رکھ لیا جائے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ محدثین کا کسی حدیث کے بارے میں لا اعرفہ یا لا اصل لہ کہنا اس بات کا ہرگز متقاضی نہیں کہ وہ حدیث موضوع ہے جب تک کہ وضع پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو پس قرینہ کی موجودگی میں اس حدیث کے بعد باطل کا اضافہ کرتے ہیں جیساکہ حافظ عراقی

نے تخریج الاحیاء (المطبعۃ التجاریہ ۲۰۰) میں جمعہ کی رات مغرب عشاء کی نمازوں کے درمیان بارہ رکعت والی حدیث اور جمعہ کی رات عشاء کے فرض اور سنت کے بعد دس رکعات والی حدیث کو باطل لا اصل لہ کہا ہے یہی الفاظ اس حدیث کے بارے میں لکھے ہیں جس کو حضرت نبی صلی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے) (۱/۲۵۲) پر ذکر کیا ہے اس طرح (۱/۲۵۲) میں چوتھی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں جب کہ بیسیوں ایسی حدیثوں کے بارے میں کچھ ذکر نہیں کیا حالانکہ ان کا اصل نہیں ہے چنانچہ درج ذیل صفحات ملاحظہ فرمائیں:

۹۲، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۸۷، ۱۹۲، ۲۹۹، ۳۰۷، ان تمام میں (لم اجدہ) کے الفاظ ہیں نیز ۶۰، ۱۵۸ میں (لم اجدہ بہذا اللفظ) ہیں اور ۶۲، ۷۴، ۱۲۵، ۲۳۷ میں (لم اجدہ ہکذا) کے الفاظ ہیں اور ۷۲، ۱۵۲، ۱۶۹، ۲۷۳، ۲۶۰، ۳۱۲، ۳۲۰، ۳۴۷ میں کبھی لم اقف لہ اور کبھی لیس لہ اصل کے الفاظ ہیں اور ۷۶، ۸۱، ۱۰۲، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۷۷، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۳۲، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۹۶، ۳۱۷ پر کبھی (لم اجدلہ اصلاً) اور کبھی (لم اجد لہ اسناداً) کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح المنوع میں پانچ مثالیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کہا ہے کہ وہ باطل ہیں ان کا اصل نہیں ہے ذیل کے صفحات کا ملاحظہ فرمائیں ۷۵، ۸۴، ۲۶۱، ۲۷۹، ۳۸۳، نیز تمام وہ احادیث جن کا اصل نہیں لیکن مؤلف نے ان کے بارے میں باطل کا لفظ استعمال نہیں کیا یہ تمام اشارات ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے باطل اور بے اصل ہونے میں کچھ شبہ نہیں لیکن علامہ ابو غدہ ان کے موضوع ہونے کا ذکر نہیں کرتے ہیں اس سے بھی یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ علامہ ابو غدہ علمی تحقیق کے میدان سے کوسوں دور ہیں۔

دوسری مثال المصنوع میں حضرت علی پر سورج واپس لوٹانے کی حدیث جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا تاکہ وہ عصر کی نماز ادا کر سکیں اس حدیث پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے ابو غدہ رقم طراز ہیں کہ علماء کی ایک جماعت اس حدیث کو موضوع قرار دیتی ہے جب کہ کچھ دیگر علماء اس کو صحیح قرار دیتے ہیں ان میں ابو غدہ کے استاذ علامہ کوثری بھی ہیں۔ ابو غدہ اس مقام پر دو متضاد حکم کا ذکر تو کرتے ہیں لیکن کسی ایک کو ترجیح نہیں دیتے ہیں" اس سے بڑھ کر ان کی اور بے اعتدالی کیا ہو سکتی ہے ان کے لیے مناسب تھا کہ وہ ترجیحی امور ذکر کر کے ایک رائے کو ترجیح دیتے لیکن وہ بلا کسی مرجح کے اپنے استاذ کوثری کی تقلید کرتے ہوئے صحت کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ ص ۲۱۵ پر رقم طراز ہیں۔

استاذ علامہ کوثری نے اس حدیث پر اختصار ملحوظ رکھتے ہوئے بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ فنی لحاظ سے حدیث کی صحت میں کچھ کلام نہیں البتہ علمی مطالب میں اس کا حکم وہی ہوگا جو احاد صحیح حدیثوں کا ہوتا ہے ان کے کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن مطالب علمیہ میں صحت کے معیار سے ساقط ہے جب کہ

مطالب علیہ میں یقینیات کی ضرورت ہے اس لحاظ سے ہم حدیث کی تاویل کریں گے واللہ اعلم۔ اس
کج بحثی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو غدہ فن حدیث سے نابلد ہے بظاہر ابو غدہ نے فلسفیانہ انداز اختیار کیا ہے
دراصل وہ اپنے استاذ کوثری کی تقلید میں یہ سب کچھ کہہ رہا ہے، مثل مشہور ہے ہم بارش سے بچاؤ کے لئے
پرنالہ کے نیچے چلے گئے گویا کہ ابو غدہ نے (ان نوجوانوں کے لئے جنہیں سنت کا علم نہیں) یہ دروازہ کھول کر کہ وہ
ہر اس حدیث صحیح کو رد کر دیں جو احکام میں وارد نہیں ہے بلکہ معجزات یا آفرینش مخلوقات یا جنت دوزخ کے
بارے میں وارد ہے نیز جو غیبی امور میں ہیں ابو غدہ کے خیال میں ان کے اثبات کے لئے احادیث متواترہ کی
ضرورت ہے یا کم از کم وہ حدیثیں ہوں جن کو دو سے زائد رواۃ بیان کرتے ہیں جنہیں احادیث مشہورہ کے نام
سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن وہ حدیث صحیح جس میں ثقہ راوی منفرد ہے اس کے نزدیک اس کو غیبی امور میں
حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا پس اس کے خیال کے مطابق اس کی تاویل ضروری ہے مجھے نہیں معلوم کہ وہ کسی حسین واقعہ
کے بارے میں حدیث کی تاویل کیا کرے گا سوائے اس کے کہ وہ اس کے مفہوم کا انکار کرے اور اذہان تجبیۃ کے
ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اسی طرح تاویلات کا دروازہ وا کرے جیسا کہ صفات کی آیات اور احادیث صفات
کی تاویلات کی گئی ہیں۔

علامہ ابو غدہ نے اپنے شیخ سے کلام نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قول کا ذکر کیا ہے کہ جو شخص
شیخ ابن تیمیہ کے کلام کا مطالعہ کرے گا وہ اس مبحوث عنہ حدیث کے بارے میں یقین کے ساتھ موضوع ہونے
کا حکم لگائے گا۔

غور کیجئے ابو غدہ نے بحث کے آغاز میں حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے اور خاتمہ پر ایسے الفاظ ذکر کئے ہیں جن
سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالآخر اس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس فن میں ماہر نہیں ہیں
اسی لئے وہ کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرتے ہیں ابو غدہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے ہم یہ رائے رکھتے ہیں
دگرنہ یہ کتنی غیر معقول حرکت ہے کہ وہ اپنے استاذ کوثری کی مخالفت کرتے ہوئے ابن تیمیہ کی رائے کا ذکر کریں جب
کہ ان کے استاذ کوثری نے ابن تیمیہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ ان کا وجود تو مسلمانوں کے لئے بہت بڑی
مصیبت ہے معلوم ہوتا ہے شیخ ابو غدہ نے دو متناقض اقوال کا اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس کے لئے دفاع کا میدان
وسیع رہے جب دونوں فریقوں کے اعوان و انصار میں سے ایک فریق اس کو مناظرہ کی دعوت دے وللہ عاقبۃ
الامور (۱) ص ۴۲ ابو غدہ جو بربنائے تعصب غلط انداز اختیار کئے ہوئے ہے وہ مجھ پر مذکورہ جرح و قدح کے

ہم اس بحث میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے موقف کو صحیح سمجھتے ہیں جیسا کہ السلسلۃ (۹۷۵) میں اس کی وضاحت موجود ہے ۱۲

دو صفحوں پر تعاقب کرتے ہوئے در اصل احادیث کتاب کی تخریج پر زبان طعن دراز کئے ہوئے ہے اور تخریج کی قدر و قیمت کو نیچا دکھا رہا ہے گویا کہ وہ وہم کی بنا پر اس تخریج کا انکار کر رہا ہے جس کو امام ترمذی نے بیان کیا ہے اس لحاظ سے ممکن ہے کہ وہ ایک دوسری صحیح حدیث کا بھی وہم کی وجہ سے انکار کر دے اس طرح تو ثقہ راوی کے کلام پر رد کا دروازہ بلا دلیل کھل جائے گا صرف اس امکان کے پیش نظر کہ خطا کا بہر حال امکان ہے یا بعض احوال میں فعلاً خطا موجود ہے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب کسی ثقہ راوی کی خبر یا کسی عالم کے علم پر اعتماد نہ کیا جائے اور اسے قبول نہ کیا جائے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو معصوم تسلیم نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ یہ چیز دین اسلام میں بالضرورہ معلوم ہے ہم قارئین کو بتانا چاہتے ہیں کہ ابو غدہ تعصب میں کس قدر سر برآوردہ ہے اور جب مجھے ہدف تنقید بناتا ہے تو کس طرح وہ اپنے عقیدہ کے خلاف طعن و تشنیع پر اتر آتا ہے جب کہ وہ الترنیع والتنکیل طبع ثانی کے ص ۱۲۲ پر رقمطراز ہیں: کہ کبھی کسی ثقہ راوی کو وہم یا اوہام ہو جاتے ہیں لیکن اس سے وہ ثقاہت سے خارج نہیں ہو جاتا تاہم اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کیا ابو غدہ جو تعصب میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں وہ اس اصول کو فراموش کر گئے ہیں یا تکلف سے فراموش کر گئے ہیں صدق اللہ العظیم. ارشاد خداوندی ہے یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون ، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب :

جب ابو غدہ تعصب کی بناء پر شرح عقیدہ طحاویہ کی تخریج کے سلسلہ میں وہم کی بنا پر ثقہ رواۃ کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں تو عقیدہ طحاویہ کے شارح کے بارے میں کس رائے کا اظہار کریں گے جب کہ اس سے قبل اپنی تقریر کے آغاز میں ان کی عظمت کا اعتراف اور انہیں ثقہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قارئین معلوم کر لیں گے کہ اس کے شارح ثقہ صاحب ضبط ہیں احادیث کے نقل کرنے میں پختہ کار ہیں، اگرچہ شارح کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ ثقہ صاحب ضبط ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں چاہتا ہوں کہ ان اوھام کا ذکر کروں جن کا مجھے علم ہوا ہے جب کہ مقصد ان پر طعن کرنا نہیں ہے نہ ان کی ثقاہت کی نفی کرنا ہے جیسا کہ ابھی ابھی جو ہم نے ابو غدہ کے تعصب کو آشکارا کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے اس سے بخوبی اس کا اندازہ ہو سکے گا اس کی دو صورتیں ہیں

پہلی صورت میں نے شارح کی طرف جن اوھام کو منسوب کیا ہے کیا ابو غدہ کے ہاں وہ درست ہیں؟ اگر درست ہیں تو کیا ابو غدہ کے نزدیک شارح باوجود ان اوھام کے ثقاہت اتقان اور ضبط کے اوصاف کے ساتھ موصوف ہیں جیسا کہ وہ ہمارے نزدیک اوھام سے قبل اور بعد اسی طرح صاحب اتقان ہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی یہ بات ذکر کر آئے ہیں کہ معصوم صرف ایک اللہ پاک کی ذات ہے اگر ابو غدہ اثبات میں جواب دیتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ بات ابو غدہ کے ہاں کیسے درست ہے جب کہ وہ اس کوشش میں نیز روی کا مظاہرہ کر

رہے ہیں کہ شرح طحاویہ کی احادیث کی تخریج کی نقاہت کو ختم کر دیا جائے صرف اس بنا پر کہ انہیں صرف ایک حدیث کی تخریج کے بارے میں وہم ہوا ہے کیا ان کا یہ انداز پتہ نہیں دے رہا ہے کہ وہ ناپ تول کے دو مختلف ترازو اور پیمانے رکھتے ہیں یا گرمی، سردی کو ایک ہی خطہ میں جمع کر رہے ہیں اور اگر وہ ہلکی میں جواب دیتے ہیں تو پھر عوام کے سامنے وہ تمام چیزیں عیاں ہو جائیں گی جن کو وہ مخفی رکھے ہوتے ہیں اور معلوم ہو جائے گا کہ ان کا ظاہر ان کے باطن کے خلاف ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اوعام کے بارے میں جب وہ میرے نقطہ نظر کو غلط قرار دیتے ہیں تو ہم ان سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری غلطیوں کو آشکارا کریں تاکہ ہم ان سے رجوع کر لیں جیسا کہ ہم نے اس وہم سے رجوع کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کا نتیجہ ان کے حق میں بہتر ہو گا لوگ سمجھیں گے کہ البانی صاحب کی بہت غلطیاں ہیں اور کثیر اوعام ہیں یہی تو ابوغدہ کا اہم مقصد ہے جس کے لئے وہ ہمہ وقت کوشاں ہے اس لئے کہ اس کے خیال میں اس طرح البانی صاحب پر سے لوگوں کا کلیۃً اعتماد ختم ہو جائے گا اس وضاحت کے بعد ہم ان اوعام کو خطوط عریضہ کی علامات لگا کر ذکر کرتے ہیں جیسا کہ موجودہ دور میں یہی صورت معروف ہے ہم تفصیل سے گریزپا ہیں گذشتہ طبع کے صفحات کے حوالہ جات پر اکتفا کریں گے ۔

۱۔ شارح نے صحیحین یا ایک کی طرف اور سنن اربعہ کے مؤلفین کی طرف جن احادیث کی نسبت کی ہے لیکن ان میں نہیں ہیں درج ذیل صفحات ملاحظہ فرمائیں ۔

۶-۱۰۱، ۲۹، ۳۴۴، ۴۶۰، ۴۴۸، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۸۶، ۴۸۷، ۵۱۵۔[1]

۲۔ حدیث کا راوی وہ صحابی نہیں جس کا انہوں نے ذکر کیا ذیل کے صفحات ملاحظہ فرمائیں ۔

۲۵۵ تا ۳۶۷، ۳۸۲، ۲۲۳ ل[2]

۳۔ ایک حدیث کی نسبت مسلم کی طرف بصیغہ مجہول روی کے ساتھ کی ہے یہ صیغہ علمار کی اصطلاح میں ضعیف حدیث کے لئے معروف ہے حالانکہ حدیث صحیح ہے بلکہ حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے مسلم میں نہیں ہے، ص ۲۹۰ ملاحظہ فرمائیں[3]

۴۔ ایک حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جو بخاری مسلم میں ہے لیکن ضعف کا سبب ذکر نہیں کیا حالانکہ میرے نزدیک اس میں کوئی علت نہیں ہے جب کہ اس کا شاہد بھی ہے ۔ جو اس کی تقویت کر رہا ہے

---

[1] اس طبع کے صفحات یہ ہیں: ۱۶۸، ۲۵۲، ۵۰۶، ۵۳۰، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۴۹، ۵۷۷۔

[2] اس طبع میں ذیل کے صفحات ہیں، ۲۱۷، ۲۹۳، ۴۴۴، ۵۸۵۔

[3] اس طبع کا ص ۳۵۳ ہے۔

ص ۱۰۹ پر ہی میں نے اس کا ذکر کیا ہے[1]۔

۵۔ صحیح کی طرف ایک حدیث کی نسبت کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا ذکر کیا ہے حالانکہ وہ ایک صحابی کا فعل ہے البتہ آپ نے صحابی کے فعل کو برقرار رکھا ہے ص ۷۰۳ دیکھیں[2]۔

۶۔ ایک موقوف حدیث کو مرفوع قرار دیا ہے ص ۔ ۴۵ دیکھیں[3]

۷۔ دو ایسی حدیثیں ذکر کی ہیں جن کا کچھ اصل نہیں ہے ۔ ص ۶۱ - ۳۸۳ [4]

ان کے علاوہ بھی کثیر اوھام ہیں ان کے مقامات پر ہی ہم نے ان کا ذکر کر دیا ہے اس کا سبب خصوصی یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارح کو علم حدیث کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں ہے ۔

پس ہم ابوغدہ سے جو تعصب میں شدت اختیار کئے ہوئے ہیں استفسار کرتے ہیں کہ ان اوھام کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے اور کیا ان کے نزدیک ان اوھام کی وجہ سے شارح طحاویہ کی ثقاہت ختم ہو گئی ہے جب کہ ابوغدہ ان کی اوھام کی وجہ سے البانی پر زبان طعن دراز کئے ہوئے ہے اور ان کی ثقاہت کو مجروح کر رہے ہیں حالانکہ البانی سے صرف ایک وہم صادر ہوا ہے یا وہ منافقانہ چال چلتے ہوئے دونوں میدانوں میں جولانی کر رہے ہیں جیساکہ عام طور پر کہا جاتا ہے اگر کوئی شخص ابوغدہ کے ہاں پسندیدہ ہے تو وہ ثقہ ہے جیساکہ شارح حنفی ہیں ان کے نزدیک شارح کا حنفی ہونا ہی کافی ہے یا کوئی مصلحت کارفرما ہو کہ لوگ اس پر خوش ہوں اور اس کا احترام کرتے ہوں ۔ خواہ اس میں بے شمار غلطیاں کیوں نہ ہوں اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ابوغدہ کے نزدیک ثقہ نہیں ہے جب کہ وہ اس سے دشمنی کرتا ہے اور اس کی ثقاہت کو گراتا ہے اگرچہ اس کی غلطیاں کم کیوں نہ ہوں ، معلوم ہوا ابوغدہ کے ہاں شارح کا اور کچھ جرم نہیں البتہ یہ جرم ہے کہ انہوں نے حنفیت کو طلاق دے دی ہے اور سلفیت ان کا مشرب ہے

اس سے قبل کہ بحث کا اختتام کیا جائے میں چاہتا ہوں کہ قارئین کی توجہ ابوغدہ جیسے متعصب مزاج کی تدلیسانہ باتوں کی طرف کروں انہوں نے ص ۳۶ پر قارئین کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس مقام میں استدراک کی نسبت تصحیح کرنے والوں کی طرف کی ہے حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے استدراک میری جانب

---

[1] نئے طبع کا ص ۱۷۱ ہے ۔

[2] نئے طبع کا ص ۴۱۴ ہے ۔

[3] نئے طبع کا ص ۵۱۲ ہے ۔

[4] نئے طبع کا ص ۱۲۳ ، ۵۴۴ ہے ۔

سے ہے بلکہ اس کے نیچے میرے دستخط موجود ہیں اور میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس کو کتاب کے آخر میں ملحق کیا جائے اس لئے کہ میں نے واشگاف الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور سچائی کے سامنے سپر ڈال دی اس کے ساتھ ساتھ میں اس انسان کے علم و فضل کا اعتراف کرتا ہوں کہ جس نے مجھے اس وہم پر متنبہ کیا اور ان کا یہ احسان میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ چنانچہ مذکورہ استدراک میں میں نے ذکر کیا ہے کہ میں نے جو مؤلف کو وہم کی طرف منسوب کیا ہے در اصل میرا وہم ہے۔ مذکورہ الفاظ نقوا الحدیث ترمذی کی حدیث میں مذکور ہیں نیز ابن جریر نے بھی ان کا ذکر کیا ہے چنانچہ مشکوٰۃ کی تحقیق میں ۴۲۳۱ حدیث۔ کے ضمن میں اس کی تخریج کی ہے لیکن استدراک کا سرا مکتب اسلامی کے بعض تصحیح کرنے والوں کے سر بندھتا ہے اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محمد ناصر الدین البانی

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ وہم پر استدراک کا اضافہ راقم الحروف نے کیا ہے اور تصحیح کنندہ کے احسان کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس نے مجھے وہم پر متنبہ کیا کہ یہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے جب میں نے مصادر کی کتابوں کی طرف مراجعت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں نے مشکوٰۃ کی تعلیق کے سلسلہ میں بھی اس حدیث کی تخریج شرح طحاویہ کی تخریج سے کئی سال قبل کی ہے۔

اب قارئین کرام غور فرمائیں کیا میں نے استدراک میں اپنے وہم کا اعتراف نہیں کیا؟ اور کسی قسم کی ضد بازی نہیں کی جیسا کہ عام طور پر دوسرے لوگوں کا حال دیکھنے میں آیا ہے خواہ قابل مذمت عمل ہو یا لائق مدحت بہر حال اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے ہیں لیکن ابو غدہ حقائق کے بدلنے میں ماہر دکھائی دیتے ہیں جب کہ انہوں نے میرے اس کلام سے جو تخریج کے سلسلہ میں (مشکوٰۃ میں ہے نیز اس کو ابن جریر نے بھی ذکر کیا ہے) کی نسبت تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے میری طرف نہیں کی بلکہ وہ میری خطا اور وہم کو (جب کہ میں نے اس کا اعتراف بھی کر لیا ہے شائع کر رہا ہے اور میرے علم و فضل کو لوگوں سے چھپا رہا ہے کیا یہ ایسے مسلمان کا حال ہے جس نے الرفع والتکمیل کے ص ۵ پر تعلیق میں محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی کا قول ذکر کیا ہے کہ تو اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کر رہا ہے جب تو اس کی برائیوں کا تذکرہ تو کرتا ہے اور اس کی اچھائیوں کا تذکرہ نہیں کرتا اللہ عظیم کا فرمان حق ہے کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔

نیز ارشاد نبوی ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔ جب تجھ میں شرم نہیں ہے تو تو جو چاہے کر۔ ظاہر ہے کہ ابو غدہ در پردہ ذہن اس فقرہ پر میرے خلاف اشارہ کر رہا ہے اور مجھ پر طعن کر

رہا ہے کہ میں نے اس حدیث کی اسناد کو ضعیف کہا ہے حالانکہ وہ بخاری کی روایت ہے اس طعن کا جواب دو طریق سے پیش کرتا ہوں۔

پہلا جواب اس حدیث کو ضعیف قرار دینے والا میں نیا نہیں ہوں بلکہ مجھ سے قبل کبار ائمہ حدیث اور حافظ مثلاً ذہبی نے میزان میں ابن رجب حنبلی نے شرح الاربعین النوویہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کتاب الرقاق میں حافظ ذہبی سے حدیث کے راوی خالد بن مخلد کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث سخت غریب ہے اگر صحیح کا ڈر نہ ہوتا تو ائمہ جرح وتعدیل اس کو خالد بن مخلد کی منکرات میں شمار کرتے اس لئے کہ متن کے یہ الفاظ صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہیں نیز بخاری کے علاوہ اس کو کسی نے ذکر نہیں کیا میرا ظن یہ ہے کہ یہ مسند احمد میں بھی نہیں ہے حافظ ابن حجر یقین کے ساتھ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ متن صرف اسی سند کے ساتھ ذکر ہوا ہے درست نہیں مزید براں خالد کے استاذ شریک پر بھی جرح ہے وہ معراج کی حدیث کا راوی ہے جس نے حدیث میں کمی زیادتی تقدیم تاخیر کی ہے نیز بعض جملوں میں منفرد ہے کوئی اس کا متابع نہیں ہے لیکن چونکہ حدیث کے طرق کثیر ہیں اس لحاظ سے کہنا پڑتا ہے کہ حدیث کا اصل منفرد ہے، پھر حافظ نے ان طرق کی تخریج کی ہے بعض طرق حسن کے درجہ کے ہیں لیکن ان کے بارے میں ابن رجب کا قول ہے کہ وہ تمام طرق جرح سے محفوظ نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ میں نے اس حدیث کو صحیح کہنے میں توقف اختیار کیا جب تک کہ میں نے اس کے تمام طرق کا بغور جائزہ نہ لے لیا چندسال ہوئے توفیق ایزدی شامل حال ہوئی تو مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ مجموعی لحاظ سے حدیث صحیح ہے تحقیقی تفصیلی دلائل اور اعتراضات وغیرہ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۱۶۴۰ میں مذکور ہیں اس وجہ سے میں نے اس حدیث کی صحت کا اس طبع کے ص ۶۲ ۵ پر ذکر کیا ہے۔

دوسرا جواب ابو غدہ نے مجھ پر نقد کیا کہ میں نے حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا اور اس کے بارے میں توقف اختیار کیا یہاں تک کہ مجھے اس کے طرق پر آگاہی حاصل ہوئی تو وہ اپنے استاذ زاہد کوثری کے بارے میں کیا کہیں گے جنہوں نے الاسماء والصفات للبیہقی کے ص ۹۱ پر تعلیق میں اس حدیث پر جو بحث کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جزماً ان کے نزدیک منکر ہے جب کہ انہوں نے ذہبی کا وہ کلام ذکر کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس میں وضاحت ہے کہ یہ متن صرف اسی سند کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ کوثری نے اس نقد کو برقرار رکھا ہے حافظ ابن حجر کی طرح اس کا تعاقب نہیں کیا ہے اور نہ ہی تحفظ کا وہ انداز اختیار کیا ہے جو میں نے کیا ہے بہرحال ان کے کلام سے جو چیز معلوم ہو رہی ہے

وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک حدیث منکر ہے طرق کثیرہ کے ساتھ اس کی تقویٰ نہیں ہو سکتی لیکن میرا انداز ان کے انداز سے بالکل مختلف ہے۔

پس میں قارئین سے استفسار کرتا ہوں کیا ابو غدہ کے لئے ضروری نہ تھا کہ تحفظ کا جو میں نے انداز اختیار کیا اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے نہ یہ کہ مجھے ہدف تنقید بناتے اس کے برعکس ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے استاذ پر تنقید کرتے، یقیناً ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایسا کرتے، اگر ان کا باطن فاسد اغراض سے خالی ہوتا۔ کس قدر درست بات ہے جو کسی نے کہی ہے

وعين الرضا عن كل عيب كليلة ولكن عين السخط تبدي المساويا

جس پر انسان خوش ہو اس کے تمام عیوب نظر سے اوجھل رہتے ہیں اور اگر ناراضگی ہو تو تمام عیوب آشکارا ہوتے ہیں۔

غور کیجئے راقم الحروف نے شرح طحاویہ میں مذکورہ سینکڑوں احادیث کی تخریج کی ہے لیکن ابو غدہ بسیار کوشش کے باوجود میری صرف ایک حدیث پر تنقید کر سکے ہیں تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور پھر میں نے ہی اس حدیث پر نقد نہیں کیا بلکہ مجھ سے پہلے بھی لوگوں نے نقد کیا ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں لیکن ہم ابو غدہ سے اس سوال کرنے پر حق بجانب ہیں کہ ان کے استاذ کوثری نے بخاری، مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم کی احادیث صحیحہ پر (جن کی تعداد دس سے زیادہ ہے) نقد کیا ہے بلکہ ان کے علاوہ، وہ احادیث جو محدثین کے ہاں صحیح میں ثابت ہیں ان پر بھی نقد کیا ہے، کوثری کے رسائل اور کتب سنت پر ان کی تعلیقات ملاحظہ فرمائیں جب کہ ان احادیث میں اکثر احادیث ایسی ہیں جن پر ان سے پہلے کسی نے نقد نہیں کیا اور نہ انہیں ضعیف قرار دیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ کچھ حرج نہیں اگر اس مختصر مقدمہ میں بطور مثال کے چند احادیث ذکر کر دوں جن کے بارے میں مجھے معلومات حاصل ہو سکے ہیں، ہر حدیث کے ساتھ کتاب اور اس کے صفحات اور کس نے اس کی تخریج کی ہے ذکر کر دوں گا۔

(۱) اللہ نے مٹی کو پیدا فرمایا اس حدیث کو کوثری نے التعليق على الاسماء والصفات میں روایت کیا۔

(۲) وہ حدیث جس میں موسیٰ علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس جانے کا مشورہ دیا جب آپ پر اسراء کی رات اولاً پچاس نمازیں فرض ہوئیں (بخاری، مسلم ص ۱۸۹ منہ) مقالات کوثری

(۳) قیامت کے روز خدائے عزوجل کی رؤیت والی حدیث جس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالےٰ منافقین کے پاس اپنی اصل شکل میں جلوہ افروز نہ ہوگا (بخاری، مسلم ص ۲۹۲ منہ) مقالات کوثری

(۴) زمین قیامت کے روز روٹی کی مانند ہوگی (بخاری، مسلم ص ۳۲۰ منہ) مقالات کوثری

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسنا بخاری، مسلم ص ۲ ۳ ۳

(۶) حشراد ریپنڈلی والی حدیث۔ (بخاری، مسلم ص ۴۴۳)

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لونڈی سے استفسار کرنا کہ اللہ کہاں ہے ؟ (مسلم ص ۲۱ ۴)

(۸) حدیث کہ تین طلاق عہد نبوی، عہد ابی بکر اور عمر کی خلافت کے دو سال میں ایک شمار ہوتی تھیں (مسلم، الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۵۲، ۵۶ طبع حمص)

(۹) حضرت علی کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شرعی مقدار سے اونچی قبروں کے انہدام کا حکم دیا (مسلم۔ ص ۱۵۹۔ مقالات کوثری)

(۱۰) جابر سے مروی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا گچ کرنے سے روکا۔ (مسلم، ص ۱۵۹۔ مقالات کوثری)

(۱۱) مالک بن حویرث سے مروی حدیث جس میں رکوع جانے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، بخاری، مسلم) ص ۸۳۔ تانیب الخطیب

(۱۲) نیز رفع الیدین کے بارے میں وائل بن حجر سے مروی حدیث۔ مسلم۔ ص ۸۳ منہ)

(۱۳) حضرت انس سے مروی حدیث کہ یہودی کے سر کو کچل دیا گیا اس لئے کہ اس نے ایک لڑکی کے سر کو کچلا تھا۔ بخاری، مسلم ص ۲۳۔ منہ)

(۱۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اور گواہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا، مسلم۔ (۸۵ امنہ)

مذکورہ بالا احادیث صحیحین یا بخاری یا مسلم کی ہیں تعجب ہے کہ نرمذی نے ان سب کو بلکہ اتنی تعداد کی دیگر احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے اگر اہل علم کوثری کی کتابوں اور تعلیقات میں سے ان کو جمع کریں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے گی اور وہ احادیث جو بخاری، مسلم میں نہیں ہیں ان میں سے جن احادیث کو اس نے ضعیف قرار دیا ہے ان کے بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ان ہی سے بعض احادیث قارئین بہ رد شیخ عبدالرحمٰن المعلمی الیمانی کی نفیس کتاب التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل میں ملاحظہ فرمائیں کافی عرصہ گزر چکا ہے کہ میں اس کی تحقیق اور طباعت سے فارغ ہو چکا ہوں۔

اس وضاحت کے بعد ابوغدہ و فا شعار شاگرد سے دریافت کرتا ہوں کہ اب ان کی اپنے شیخ کوثری (جس کو وہ محقق، امام، حجت کے القاب سے نوازتے ہیں) کے بارے میں کیا رائے ہے جب کہ اس نے بخاری، مسلم کی مروی ان تمام احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے بلکہ وہ خود اپنے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں

جب انہوں نے صحیح مسلم کی مروی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ علامہ لکھنوی نے الرفع کے ص ۱۳۴، ۱۳۵ میں لکھا ہے کہ حدیث چونکہ شاذ اور معلل ہے اس لئے صحیح نہیں ہے اس پر تعلیق میں ابوغدہ اپنے تعصب کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ معلل شاذ کی مثال وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم صحیح مسلم (۴/ ۱۱۱) پر قتادہ انس بن مالک سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کی اقتدا میں نماز ادا کی ہے وہ الحمد للہ رب العالمین سے قرات کا آغاز فرماتے۔ شروع آخر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے، بعدازاں ابن الصلاح سے معلل ہونے کی توجیہ نقل کی ہے۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ جب میں نے بخاری کی ایک حدیث پر صحیح کے اطلاق سے توقف کیا اس لئے کہ اس کی سند محققین کے نزدیک ضعیف ہے تو اس پر تو ابوغدہ بہت جزبز ہوئے اور داب بیان کھلے لفظوں میں صحیح مسلم کی روایت کو معلل اور شاذ کہہ دیا ہے اس سے زیادہ تعصب اور کیا ہوگا اگر ابوغدہ صحیح مسلم کی روایت کو ضعیف کہنے میں ابن الصلاح کا سہارا لیتے ہیں۔۔۔۔ تو میں کہوں گا اگر آپ عذر پیش کرتے ہیں تو میرا عذر بھی واضح ہے جب کہ مبحوث عنہ حدیث کو ضعیف قرار دینے والے کثیر تعداد میں ہیں اور شہرت یافتہ اہل علم ہیں گذشتہ اوراق کے مطالعہ سے یہ بات منقح ہو چکی ہے مزید برآں ہم دونوں کے نقد میں تفاوت ہے جب کہ میں نے نقد کے ساتھ ساتھ حدیث کے اثبات کے لئے اس کے طرق بھی ذکر کئے ہیں لیکن ابوغدہ نے جس حدیث کو معلول کہا ہے اس نے اس کے اثبات کے لئے ہرگز سعی نہیں فرمائی۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی علت کی مدافعت کی ہے کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

؎ فحسبکمو ھذا التفاوت بیننا وکل اناء بالذی فیہ یترشح

تم میں اور مجھ میں یہی تفاوت کافی ہے برتن میں جو کچھ ہوتا ہے وہی باہر آتا ہے، نیز ابوغدہ شدید تعصب رکھنے والا بے راہ رو انسان اعلاء السنن کے مقدمہ میں (ذکر بعض المغاثر فی الصحیحین و تکلف الجواب عنہا) کے عنوان کے تحت جو کچھ ذکر ہوا ہے اس کا کیا جواب دے گا اعلاء السنن کے ص ۶۳ پر اس کے بعد اس کے مؤلف شیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی رقمطراز ہیں کہ لوگوں کا کہنا کہ بخاری، مسلم کی احادیث کو جو شخص بیان کرتا ہے وہ جرح قدح کے دلدل سے نکل چکا ہے یہ تکلف ہے اس میں پختگی نہیں ہے بعدازاں اس پر طویل خامہ فرسائی کی ہے۔

ان طویل گذارشات سے مقصود معزز قارئین کو معلوم کرانا ہے کہ مقدمہ کی طباعت اور تعلیق کا کام ابوغدہ جیسے متعصب نے سرانجام دیا تعلیق میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں مؤلف کا تعاقب کیا

ہے لیکن اس مقام پر خاموش رہا اور تعاقب نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو غدہ صحیحین پر طعن لگانے میں اور مذکور لوگوں کے قول کے رد میں مؤلف کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں راقم الحروف نے اسی انداز کے ساتھ تیسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اس مقدمہ میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے ہمارے قارئین اس پر تعجب کے اظہار سے خاموش نہ رہیں گے کہ لوگوں سے مراد حافظ ذہبی اور ان جیسے کیا محدثین ہیں جو صحیحین کی فضیلت کے معترف ہیں اور یہ کہ ان کے مؤلفین نے گہرے غور و فکر کے بعد احادیث صحیحہ کا مجموعہ تیار کیا ہے جیسا کہ یہ بات اصول حدیث کی کتابوں اور مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے دراصل ابو غدہ صحیحین پر تنقید کے سلسلہ میں مؤلف کا اتباع کرتا ہے تاکہ اس طرح حنفی مذہب کی حمایت ہو جس میں عام طور پر صحیحین کی احادیث کو رد کیا گیا ہے۔ بخاری و مسلم کی جن احادیث کو ابو غدہ کے استاذ کوثری نے رد کیا ہے چند حدیثیں بطور مثال کے ہم نے ذکر کی ہیں۔

صحیحین کی احادیث کے بارے میں ابو غدہ متعصب کا موقف نہایت گھناؤنا ہے لیکن سخت تعجب ہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ بظاہر صحیحین کی احادیث کے بارے میں اپنی غیرت کا اظہار کرتا ہے اور مدافعت کرتا ہے صرف اس لئے کہ ہم نے ایک حدیث کی سند پر تنقید کی ہے جب کہ ہم سے قبل بھی فن رجال کے ناقدین نے اس پر تنقید کی ہے جب کہ ہم نے اس کے متن کو ضعیف قرار نہیں دیا جب تک کہ اس کے طرق پر ہمیں آگاہی ہوئی لیکن اللہ پاک کے فضل و کرم سے جب ہمیں اس کے طرق کا علم ہوا تو ہمارے سامنے اس کی صحت واضح ہو گئی والحمد للہ تعالیٰ راقم الحروف نے حافظ ذہبی، ابن رجب اور دیگر محدثین کے صحیح بخاری پر ذکر کردہ مناقب کا جائزہ لیا تو اللہ کے فضل و کرم سے ہیں.... صحیح بخاری کی خدمت کے لئے میدان میں آیا میرا حال تو شاعر کے اس شعر کا مصداق ہے شاعر کہتا ہے۔ ؎

واذا اراد اللہ نشر فضیلۃ طویت اتاح لنا لسان حسود

جب اللہ تعالیٰ کسی چھپی ہوئی فضیلت کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا اظہار حاسدوں کی زبان سے کراتے ہیں، ابو غدہ کے تعصب کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اس نے چاہا کہ وہ لوگوں کے سامنے مجھے ان لوگوں کی فہرست میں دکھائے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم پر زبان طعن دراز کرنے والے ہیں لیکن حقائق نے ثابت کر دیا کہ زبان طعن دراز کرنے والا تو خود ابو غدہ ہے ایک ضرب المثل مشہور ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے[۱] نیز ایک اور مشہور ضرب المثل ہے کہ شیشے کے محل میں بیٹھنے والا کسی

---

[۱] اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ۱۲

پر پتھر نہ مارے، ابوغدہ اپنے احناف شیوخ کی اتباع کرتے ہوئے محدثین پر عموماً اور امام بخاری اور امام مسلم پر خصوصاً متعصبانہ حملے کرتا ہے ان سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ان کی تالیفات اور دیگر کتابوں پر ان کی تعلیقات کا مطالعہ کریں اور بطور مثال چند حوالہ جات سابقہ اوراق میں گزر چکے ہیں اب مجھے مزید جدید حوالہ جات سے آگاہی حاصل ہوئی جب میں نے ان کے مقدمہ اور اس پر تعلیقات کا جائزہ لیا مقدمہ کے ص ۲۰ کے آغاز میں رقمطراز ہیں کہ یہ مقدمہ دراصل اس علمی کام کی اساس ہے جس کو اعلاء السنن میں شامل اشاعت کیا ہے کہ احادیث کی تصحیح اور تحسین کی بنیاد ایسے قواعد پر استوار کی گئی ہے جس میں محدثین احناف علماء کی مخالفت کرتے ہیں جب کہ احادیث کی تصحیح تحسین اور تضعیف میں ہر مجتہد کا ایک انداز ہے جس کو وہ اختیار کئے ہوئے ہے چنانچہ بے شمار ایسی احادیث بھی ہیں جو محدثین کے ہاں ضعیف ہیں لیکن فقہاء کے نزدیک صحیح ہیں۔

بطور مثال کے ملاحظہ کریں کہ کس طرح ابن حبان مجہول حدیث کے قبول کرنے اور اس کو قابل حجت سمجھنے میں جمہور محدثین کی مخالفت کرتے ہیں جب کہ ابن حجر اور دیگر محدثین اس کا رد کرتے ہیں وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر مصطلحات المحدثین کتابوں میں ہے۔

غور کیجئے ابوغدہ نے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ وہ اس طرح حنفیہ کو محدثین کے قواعد کی مخالفت میں حق بجانب ثابت کرے چنانچہ ص ۱۲ پر وہ استفسار کرتا ہے احناف کا کچھ جرم نہیں اگر وہ بعض اصولوں کی مخالفت کرتے ہیں اس کے بعد بحث کرتا ہوا ص ۲۰ پر تحریر کرتا ہے اس میں کچھ خفا نہیں کہ ایک مجتہد کا خیال دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہو سکتا مقصد یہ ہے کہ اگر احناف ائمہ حدیث کے اصولوں کی مخالفت کرتے ہیں وہ ان کے جس قاعدہ کی بھی مخالفت کریں ان پر ہرگز کچھ ملامت نہیں اور ص ۱۶ ہم پر وضاحت کی ہے کہ فن حدیث کے بارے میں جس طرح محدثین نے اصول وضع کئے ہیں ائمہ احناف نے بھی اصول وضع کئے ہیں ان تمام اقوال کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ اس طرح گزر گیا ہے جیسا کہ وہ ان کو تسلیم کرتا ہے اور کچھ تعاقب نہیں کیا اور تعلیق میں ص ۲۱ پر مقدمہ کا نام تبدیل کرکے قواعد فی علوم الحدیث رکھ دیا ہے لیکن کس قدر اچھا ہوتا اگر وہ اس جدید نام کے ساتھ (علی مذہب الحنفیہ) کا اضافہ کر دیتے یعنی حنفی مذہب کے مطابق علوم حدیث کے قواعد ہیں تاکہ اسم اور مسمی میں ہم آہنگی ہو جاتی اس لئے کہ درحقیقت یہ ایسے قواعد پر مشتمل ہے جو جمہور محدثین متقدمین متاخرین کے بیان کردہ قواعد کے مخالف ہیں ان لوگوں نے محض اس لئے قواعد وضع کئے تاکہ ان کی روشنی میں ان احادیث کو صحیح قرار دیا جائے جن کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے یا جن کو انہوں نے صحیح کہا ہے ان کو ضعیف ثابت کیا جائے جیسا کہ اشارۃً پہلے بیان ہو چکا ہے

کہ متعدد حدیثیں جو محدثین کے ہاں ضعیف ہیں احناف کے ہاں صحیح ہیں لیکن تعجب ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ص ۔ ۸۴ پر رقمطراز ہیں کہ ہر علم میں اس کے ماہرین کی طرف رجوع ہوگا بعدازاں منہاج السنۃ تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے عمدہ حوالہ نقل کیا ہے عقل و شعور رکھنے والے اہل علم خود ہی فیصلہ کریں گے کہ ان کے کلام میں کس قدر تضاد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مقدمہ میں کچھ زیادہ جدید معلومات مذکور نہیں ہیں یہ لوگ اپنے علمائے کے اقوال کے مقلدین متاخرین احناف میں بھی مذہبی تعصب موجود ہے وہ برملا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ متقدمین کے مقلد ہیں مجتہد نہیں ہیں ان کے اقوال کے مطابق نصوص کی تاویل کرتے ہیں اگر تاویل ممکن نہ ہو تو اگر ممکن ہو تو اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتے جو ان کے مخالف ہو اور ان احادیث کو قوی بنا کر پیش کرتے ہیں جن کا ضعف محدثین کے ہاں مشہور ہے مقدمہ میں نئی بات جو دیکھنے میں آئی ہے، وہ صراحتًا اس بات کا اعلان ہے جس کا علم اکثر لوگوں کو نہیں ہے بلکہ اکثر احناف بھی اس سے ناواقف ہیں کہ جس طرح محدثین نے حدیث کے لئے اصول وضع کئے ہیں اسی طرح حنفیہ نے بھی کچھ اصول وضع کئے ہیں تاکہ مسائل فقہیہ وغیرہ میں اختلاف کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جاسکے اور فنی حدیث میں ماہرین نے جو اصول وضع کئے ہیں اور جو اہل علم کے نزدیک مسلم ہیں ان کی طرف ہرگز رجوع نہ کیا جائے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ فرقے جو گمراہ ہیں اہل سنت کے مخالف ہیں وہ ہرگز قابل مذمت نہیں جب وہ اختلافی مسائل میں اپنے اصول و قواعد کی طرف رجوع کریں جن کو انہوں نے وضع کیا مثلاً شیعہ حضرات ہر اس روایت کو قابل حجت سمجھتے ہیں جو ائمہ اہل بیت سے مروی ہے اس وجہ سے کہ ائمہ اہل بیت معصوم ہیں۔

انصاف پسند با شعور لوگوں کو غور و فکر کرنا چاہیئے کہ اگر مذاہب اربعہ میں سے ہر فریق احادیث کی روایت کرنے میں اپنی دانست کے مطابق اصول وضع کرلیں اور اس میدان میں محدثین کی مساعی کا کچھ خیال نہ کریں اور ان کی خصوصیتوں کا کچھ لحاظ نہ رکھیں تو مذاہب اربعہ میں ہی کتنی وسیع خلیج رونما ہو جائے گی۔

اب ہم کچھ ایسے قواعد کی نشاندہی کرتے ہیں جن کو مقدمہ کے مؤلف نے ذکر کیا ہے اور ابوغدہ جیسے متعصب انسان نے ان کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ ۱۔ قاعدہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو مجتہد نے گویا کہ اس حدیث کو صحیح قرار دیا (ص ۵۷/۵۹ ۔ ص ۵ ۷ ۔ تعلیق) اس قاعدہ کے وضع کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ محدثین نے جن احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن کو یہ لوگ اپنی کتابوں

میں بطور استدلال لاتے ہیں ان کے ضعف کا رد کیا جائے اور اس من گھڑت قاعدہ کی بنیاد پر ایسی ایسی حدیثوں کو صحیح قرار دیا جائے حالانکہ وہ حدیثیں محدثین کے بیان کردہ قواعد کے لحاظ سے معلول ہیں ہمارے اس قول کی تائید مؤلف کے اس قول سے ہو رہی ہے جس کو انہوں نے ص ۔ ۵۹ پر ذکر کیا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ ہر وہ حدیث جس کو امام محمد بن حسن یا محدث طحاوی نے قابل حجت سمجھا ہے اس قاعدہ کی روشنی میں وہ حدیث صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں مجتہد محدث تھے ۔
اس کا غلط ہونا واضح ہے اس لئے کہ یہ بات تو تب درست ہو کہ محمد بن حسن کو ثقہ راوی قرار دیا گیا ہو ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن حسن کا فقہ میں تو اونچا مقام ہے لیکن محدثین کے ہاں اسے ضعیف سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں سوء حفظ ہے آپ حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال کا مطالعہ کریں گے تو اس میں پوری وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر موجود ہے تعجب ہے کہ احناف محدثین کے خلاف کس قدر متعصب ہیں اور ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے اس کی مثال ملاحظہ کیجئے کہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۴۴ پر تعلیقات میں علامہ انور شاہ کشمیری حنفی نے کہا ہے کہ محدثین نے امام محمد بن حسن کو اس لئے ضعیف قرار دیا کہ محمد بن حسن پہلا وہ انسان ہے جس نے فقہ کو حدیث سے الگ کیا ان کے الگ کرنے سے پہلے تصانیف میں آثار اور فقہی باتیں ملا جلا تھیں جب امام محمدؒ نے محدثین کی مخالفت کی تو محدثین نے اس کے خلاف زبان طعن دراز کی ہم حیران ہیں کہ وہ کس طرح ایک غلط بات کو ذکر کر رہے ہیں جب کہ ہم نے تو یہ ذکر کیا ہے کہ محمد بن حسن میں سوء حفظ موجود ہے ' علامہ ذہبی میزان میں ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام نسائیؒ اور دیگر محدثین نے حافظہ کی وجہ سے انہیں کمزور قرار دیا خود مؤلف بھی صفحہ ۳۴۴ پر امام نسائیؒ کے قول کو نقل کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی امام نسائیؒ پر حملہ آور ہو کر کہتے ہیں کہ امام نسائیؒ متشدد انسان تھا۔
قاعدہ (۲) دوسری صدی تیسری صدی کے کسی راوی غیر صحابی کی مرسل روایت قبول ہو گی (ص ۱۳۸) بلکہ چوتھی صدی کے راوی کی بھی قبول ہو گی ص ۱۵۴ ۔
اس کا مطلب یہ نکلا کہ تابعی تبع تابعی اس کا شاگرد آگے اس کا شاگرد جب کہہ دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کا یہ قول ان کے نزدیک حجت ہو گا اور اس قسم کی معضل حدیث کے ساتھ حکم شرعی ثابت ہو گا بلکہ معلق حدیث کے ساتھ بھی اگرچہ اس کا راوی چوتھی صدی کا کیوں نہ ہو یہ قاعدہ تمام محدثین کے اتفاق کے ساتھ ضعیف ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد اس سے یہ ہے کہ جب ان کا کوئی امام کسی حدیث کو بلا سند روایت کرتا ہے اور امام کا تعلق تیسری صدی سے ہے تو اس

کو قبول کیا جائے جب کہ محدثین نے اس کا رد کیا ہے کہ اس کا کچھ اصل نہیں اور نہ اس کی سند ہے تو کیا اس قاعدہ کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ علماء حدیث کے نزدیک اسناد کا مقام اہم ہے وہ دین اسلام میں مطلوب اور اس کا شان بلند ہے بلکہ اسناد تو امت اسلامیہ کے خصائص سے ہے اسی پر ہی احادیث کی عمارت قائم ہے اس کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں اسناد دین اسلام کا حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا کہتا، امام شافعی فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو بلا سند احادیث جمع کرتا ہے اس انسان کی طرح ہے جو رات کے وقت لکڑیاں جمع کرتا ہے۔ اس مضمون کے اقوال آثار کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں، چنانچہ علامہ ابوالحسنات لکھنوی نے الاجوبۃ الفاضلۃ میں نہایت عمدہ انداز کے ساتھ کثیر تعداد میں ان کا ذکر کیا ہے بعد ازاں وہ فرماتے ہیں۔

یہ تمام اقوال صراحتاً یا اشارۃً ہمیں پتہ دے رہے ہیں کہ دین کے تمام معاملات میں اسناد کا بیان ضروری ہے خواہ ان کا تعلق واقعات سے ہو یا احکام شرعیہ سے ہو یا مناقب و فضائل سے ہو حاصل یہ کہ دین اسلام کے کسی جز پر بلا اسناد اعتماد درست نہیں خصوصاً اس دور کی احادیث جو خیر القرون کے بعد ذکر کی گئیں ہیں بعد ازاں انہوں نے وضاعین اور ان کی اقسام کا ذکر کیا ہے پھر ص ۲۹ پر لکھتے ہیں اسی لئے تو علماء حدیث نے وضاحت کی ہے کہ مبسوط کتابوں میں جو احادیث مروی ہیں ان کا اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ ان کی اسانید معلوم نہ ہوں یا ان کے بارے میں علماء حدیث کا اعتماد نہ ہو اگرچہ ان کے مصنفین جلیل القدر فقیہ انسان کیوں نہ ہوں علامہ لکھنوی کی یہ بحث نہایت نفیس اور لائق مطالعہ ہے خیال رہے کہ پہلی تین صدیوں میں بھی اسناد ضروری ہے اگرچہ ان کے بہتر ہونے کی شہادت موجود ہے تو چوتھی صدی اور اس کے بعد کی صدیوں میں اسناد کا ہونا تو اور زیادہ ضروری ہے اور اکثر قابل اعتماد حدیث کی کتابیں چوتھی صدی اور اس کے بعد تالیف ہوئیں جیسے مسند طیالسی مسند احمد مسند ابو یعلی نیز صحاح ستہ اور طبرانی کی تینوں معجم کتابیں وغیرہ۔

پس اس قاعدہ باطلہ کی رو سے جب ان میں سے کوئی شخص کہہ دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کی اسناد ذکر نہیں کرتا تو حدیث صحیح سمجھی جائے گی ہم سوال کرتے ہیں تو پھر اسناد کی کیا حیثیت ہے؟ اور محدثین نے اسانید کے جمع کرنے میں جو کوششیں کیں تو ان کی کوششیں تو ضائع ہو گئیں۔

تعجب ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری کا جب کوئی امام قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دے تو ہم اس کی بیان کردہ حدیث کو تسلیم کرینگے اس کی سند کے بارے میں استفسار نہیں کریں گے اور دوسری طرف ان سے یہ بھی منقول ہے اور مشہور ہے کہ وہ اکثر مرسل اور معضل احادیث کو تسلیم نہیں کرتے جب وہ ان کے مذہب کے خلاف ہوں اس لحاظ سے تو واقعی انہیں ان حدیثوں کا انکار کرنا چاہیئے بلکہ وہ تو موصول حدیثوں کا بھی انکار کرتے ہیں جب ان کے مذہب کے خلاف ہوں اس کی بعض مثالیں میری تالیف احکام الجنائز و بدعہام میں ملاحظہ فرمائیں دراصل ان قواعد کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے تاکہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے سکیں اور من گھڑت قواعد کا سہارا لے سکیں اور ہر گز اس حدیث کی طرف التفات نہیں کرتے جو ان کے مذہب کے مخالف ہو، اس قاعدہ کے خلاف ان کا ایک دوسرا قاعدہ ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(قاعدہ ۳) ائمہ حدیث کا قول کہ یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس میں طعن کا ذکر نہ ہو۔

تعجب ہے! ان دونوں میں کس قدر تناقض ہے فن حدیث کے ماہرین جب کسی حدیث کو ضعیف کہیں تو ان کا قول تسلیم نہ کیا جائے اور کسی مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال اس کو صحیح ثابت کر دے اور اس کو قبول کر لیا جائے اگرچہ وہ حدیث کی صحت کے بارے میں وضاحت بھی نہ کرے اسی طرح تابعی کے شاگرد کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیا جائے اگرچہ اس کا شمار محدثین میں نہ ہوتا ہو۔

ہم دریافت کرتے ہیں کیا ان قواعد کے لحاظ سے حدیث اور محدثین کے اقوال کے محل کو منہدم کرنا نہیں ہے یہاں تو ہزاروں کی تعداد میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کی ضعف اور نکارت کا علم ہمیں محدثین کے اقوال سے ہوتا ہے مثلاً جب حافظ زیلعی علامہ ذہبی، علامہ عراقی کسی حدیث کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو ہم کیسے ان کے قول کو تسلیم نہ کریں جب کہ وہ اس فن کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں البتہ شائد یہ لوگ حافظ زیلعی کو ان سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اس لئے کہ وہ حنفی المذہب تھے ہم ان کے قواعد کو تسلیم کر لیتے اگر وہ اپنے قاعدے کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر لیتے کہ جب علماء حدیث میں سے کوئی عالم اس قاعدہ کی مخالفت کرے گا اور حدیث کو صحیح قرار دے گا تو ہم اس کی صحت کو تسلیم کریں گے تاہم صحیح صورت حال یہ ہے کہ ہم علم حدیث کے مشہور قاعدہ کی طرف رجوع کریں گے کہ جب جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو کس کو ترجیح ہوگی؟

صحیح بات تو یہ ہے کہ جرح کو ترجیح ہوگی جب اس کا سبب واضح ہوگا لیکن تعجب ہے کہ کس طرح

صاحب مقدمہ نے مقدمہ کے ص ۵۷ پر اسی بات کو صحیح کہا ہے جس کو ہم نے صحیح قرار دیا ہے اور پھر کس طرح اس نے اس قاعدہ کو اثباتی انداز میں پیش کیا ہے جو اس ترجیح کے منافی ہے اور کس لیے تمام طوامل پر ائمہ حدیث کا ذکر کیا ہے ائمہ حنفیہ کا ذکر نہیں کیا جو اپنے وضع کردہ قواعد کی رو سے احادیث کو صحیح اور ضعیف قرار دیتے ہیں شاید ان کے دلوں میں ائمہ حدیث کے خلاف جو شدید عداوت پوشیدہ ہے اس کو کم کر کے راحت حاصل کرنا چاہتے ہیں یا کچھ اور مقصد ہے۔

(قاعدہ ۴) ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کے اساتذہ ثقہ ہیں (ص ۲۱۹ - ۲۲۰) اس قاعدہ کے بارے میں سنئے کس طرح وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں جب کہ وہ جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے شیوخ میں جابر جعفی بھی ہیں اس کے بارے میں خود انہوں نے ص ۸۴۲ پر ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے زیادہ کذاب کسی کو نہیں پایا یہی وجہ ہے کہ مقدمہ پر تعلیق لکھنے والے کے لئے باوجود شدید تعصب ہونے کے ممکن نہیں ہوا کہ وہ اس بات کا اضافہ کرتا کہ یہ قاعدہ اکثر و بیشتر ہے کلی نہیں ہے حالانکہ محدثین کے ہاں ثابت ہے کہ عادل کی روایت صرف اس بنا پر کہ اس کا راوی عادل ہے اس کی توثیق نہیں کر سکتا ۔ اس کے باوجود مجھے یہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ کس طرح مؤلف اس قسم کے قاعدہ کے وضع کی جرأت کرتا ہے حالانکہ مسانید ابو حنیفہ (جن کو ابوالمؤید خوارزمی حنفی نے جمع کیا ہے) میں ایسی شہادتیں موجود ہیں جو اس قاعدہ کے تار پود بکھیر رہی ہیں۔

ہم قارئین کی ظرافت طبع کے لئے امام ابو حنیفہ کے شیوخ کا بیان کرتے ہیں جن کو علامہ خوارزمی نے ضعیف قرار دیا ہے بلکہ ان میں کثیر تعداد ان کی ہے جو متہم ہیں بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) محمد بن زبیر حنظلی : امام بخاری فرماتے ہیں اس میں نظر ہے (۲/ ۵۰ ۳)

(۲) محمد بن سائب کلبی : امام بخاری فرماتے ہیں یحییٰ بن سعید اور ابن مہدی نے اس کو متروک کہا . (۲/ ۳۵۰)

(۳) ابراہیم بن مسلم ہجری : امام بخاری فرماتے ہیں ابن عیینہ اس کو ضعیف کہتے ہیں (۲/ ۳۸۲)

(۴) اسمٰعیل بن مسلم مکی : ابن المبارک و ابن مہدی نے اس کو متروک کہا (۲/۳۸۲ ۳۸۳)

(۵) ایوب بن عتبہ : امام بخاری فرماتے ہیں محدثین کے ہاں ضعیف ہے (۲/ ۳۸۳/ ۳۸۴)

(۶) حکیم بن جبیر : امام بخاری فرماتے ہیں شعبہ اس پر کلام کرتے ہیں (۲/ ۴۲۶)

(۷) مسلم بن کیسان ابو عبداللہ بن القربر : امام بخاری فرماتے ہیں محدثین اس میں کلام کرتے ہیں (۲/ ۵۵۱)

(۸) مجالد بن سعید : یحییٰ قطان نے اس کو ضعیف کہا (۲/ ۴۵۵)

(۹) نصر بن طریف : امام بخاری فرماتے ہیں محدثین نے اس پر سکوت کیا (۲/۶۲ ۵)

(۱۰) یزید بن ربیعہ ابو کامل رحبی : امام بخاری فرماتے ہیں اس کی احادیث منکر ہیں (۲/۴۷ ۵)

اور امام ابو حنیفہ کے وہ اساتذہ کہ علامہ خوارزمی نے جن کا ذکر کیا ہے اور ان کے حالات بیان کئے ہیں وہ ایسے اساتذہ ہیں جن کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے اس کے باوجود آپ ان سے بیان کریں کچھ حرج نہیں ہے لیکن جن اساتذہ کا ذکر علامہ خوارزمی نے نہیں کیا مثلاً عطیہ عوفی ۱/۱۰۳ اور عبدالکریم بن ابی امیہ ۲/۵۱، ۵۲ اور ابو سفیان طریف بن شہاب سعدی ۱/۳۱۲ وغیرہ سے نہ بیان کریں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنے کے بعد نیز متعصب بے راہ رو انسان کی تقریر کا رد کرنے کے بعد میرے ذہن میں یہ شعور مضبوط ہوا کہ جہاں میں نے اس انسان کی کذب بیانیوں کا ذکر کیا ہے وہاں قارئین مجھ سے استفسار کریں گے کہ وہ کون شخص ہے جو تعصب کے بام عروج پر چڑھا ہوا ہے اور ضد ہٹ دھرمی اس کا شیوہ ہے تو اگرچہ میں نے پہلے ہی ارادہ کیا تھا کہ میں اس کا نام نہیں لوں گا، لیکن بالآخر مجھے یہ خیال دامن گیر ہوا کہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اس کی رذیل عصبیت کو آشکارا کردوں تاکہ قارئین فیصلہ کر پائیں کہ کون محب سنت ہے اور کس کے دل و دماغ پر سنت سے دشمنی کا بھوت سوار ہے تو وہ ان سے محبت کریں جو سنت سے محبت رکھتا ہے اور ان سے دشمنی کریں جو سنت سے دشمنی کرتا ہے پھر مجھے محدثین کے اچھے انداز نے بھی دلیر کر دیا جنہوں نے صراحتہً نہ صرف حدیث کے راویوں اور ان کے اسماء اور عیوب کے ذکر کو جائز گردانا ہے بلکہ واجب قرار دیا ہے تاکہ ان کی جرح تعدیل کا پتہ چل سکے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ محدثین کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ یہ الفاظ موجود ہیں کہ فلاں احادیث وضع کرنے والا ہے فلاں کذاب ہے فلاں سیّئ الحفظ ہے وغیرہ۔ یہاں تک کہ انہوں نے بعض ایسے ائمہ پر بھی تنقید کرنے سے گریز نہیں کیا جن کا بعض علاقوں میں اتباع کیا جاتا ہے اور لوگ ان کا مذہب اختیار کئے ہوئے ہیں، مثلاً گذشتہ اوراق میں قریب ہی محدثین کا قول ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے محمد بن حسن شیبانی کو سیّئ الحفظ قرار دیا محدثین نے جرح و تعدیل کا یہ انداز محض مسلمانوں کی خیرخواہی اور دین اسلام کی غیرت کے پیش نظر کیا ہے انہوں نے صراحتہً تحریر کیا ہے کہ کسی شرعی مقصد کے لئے کسی زندہ یا فوت شدہ انسان کی غیبت کرنا شرعی مقصد کے لیے جائز ہے جب کہ غیبت کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ چنانچہ بعض محدثین نے چھ چیزوں کو اس شعر میں جمع فرمایا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

القدح لیس بغیبة فی ستة متظلم و معرف ومحذر

ومجاهر فسقًا ومستفت ومن طلب الاعانة فی ازالة منکر

چھ قسم کے انسان ایسے ہیں کہ ان کے عیوب نکالنا غیبت نہیں ہے۔ اوّل وہ انسان جو فریاد رسی کرنے والا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی کی تعریف کر رہا ہے تیسرا وہ جو شخص جس سے ڈرایا جا رہا ہے۔ چوتھا وہ شخص جو کھلم کھلا فسق و فجور کرتا ہے۔ پانچواں وہ شخص جو فتویٰ طلب کرنے والا ہے چھٹا وہ شخص جو برائی کے ازالہ میں مدد کا مطالبہ کرتا ہے۔

معزز قارئین سے یہ بات مخفی نہیں کہ یہ چھ باتیں ایسی ہیں جن کا عام طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے پس اس دلیل کی روشنی میں میں اس متعصب انسان کا تذکرہ کرتا ہوں۔

اس کا نام شیخ عبدالفتاح ابو غدہ حنفی حلبی ہے جو اپنی شدید اہل حدیث دشمنی کی وجہ سے متعارف ہے خصوصاً اپنے شہر حلب میں جب وہ جمعہ کے دن ممبر پر ...... خطبہ دیتا ہے اور اپنے شہر کے موحدین سلفیین کے خلاف پورے زور سے زبان طعن دراز کرتا ہے ان کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ سعودی موحدین کو بھی وہابیت کے لقب کے ساتھ مطعون کرتا ہے اور بھلے بُرے الفاظ کہتا ہے ان کے ساتھ اپنی شدید دشمنی کا اظہار کرتا ہے اور صریح الفاظ میں انہیں گمراہ کہتا ہے چنانچہ وہ اپنے خطبوں میں عام طور پر ثابت کرتا ہے کہ اللہ کے علاوہ مرے ہوؤں سے مدد مانگنا اور ان سے فریاد رسی کرنا جائز ہے شرک نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ان سے مدد لینا شرک یا کفر ہے وہ خود کافر ہے اور مختلف قسم کی اتہام بازیوں کے ساتھ انہیں بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ اس کی بیہودگیاں ختم ہو چکی ہیں اور وہ بھی دفن ہو چکا ہے جب کہ لوگوں کے سامنے سعودیوں کی حقیقت آشکارا ہو چکی ہے اور ان کی دعوت صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہے اور اخلاص کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے میں ہے لیکن میں حیران رہ گیا جب میں نے دیکھا کہ ابو غدہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے اور ان کے خلاف فضا کو مسموم کر رہا ہے بلکہ ایسی تہمتیں تراشتا ہے جو اس سے پہلے سنی نہیں گئی تھیں وہ منبر سے اعلان کرتا ہے کہ ان وہابیوں کا یہ حال ہے کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے تو یہ لوگ ناراضگی سے ناک منہ چڑھاتے ہیں منہ بسور لیتے ہیں اور ان کی خوشیاں غارت ہو جاتی ہیں سبحانک ہذا بہتان عظیم علاوہ ازیں ناروا اتہامات تراش کر ان کے ذمہ لگاتے ہیں حلب کے باشندے جو ان کے خطبوں میں شریک ہوتے ہیں ان سے کما حقہ باخبر ہیں نیز الاستاذ الفاضل فہر الشقفہ کی تالیف التصرف بین الحق والخلق طبع ثانی کے ص۲۰ تعلیق پر ان اتہامات کا ذکر ہے قریب قریب بعینہ اسی قسم کی باتیں ایک اور متعصب جو ڈاکٹریٹ کا سرٹیفکیٹ اٹھائے پھرتا ہے، اپنی کتاب میں کہتا ہے۔

وہ لوگ گمراہ ہیں جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پکڑنے سے منکر ہیں کیا ان دونوں منعصب انسانوں کا یہ توافق بلا ارادہ ہے اور صرف اس لئے توافق ہو گیا ہے کہ ان دونوں میں اہل سنت کے ساتھ دشمنی اور عداوت وجہ اشتراک ہے گویا کہ پہلے سے انہوں نے منصوبہ بندی کے ساتھ ان باطل اور غلط اتہامات کو نہیں تراشا درحقیقت جن کے زیادہ مستحق یہ خود آپ ہیں یا پھر یہ معاملہ اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔ اتواصوا بہ ام ہم قوم طاغون۔

ابو غدہ کا مملکت سعودیہ میں تدریسی منصب

بدقسمتی سے جب ابو غدہ مملکت سعودیہ کے ایک علمی ادارہ میں بطور مدرس مقرر کئے گئے تو مملکت سعودیہ اور ان کی دعوت کے ساتھ جو دشمنی وہ رکھتا تھا اس کو اس نے چھپا لیا اور ظاہر کیا کہ وہ تو ان کا دوست ہے لیکن زبان حال پتہ دے رہی تھی کہ جب تک سرزمین سعودیہ میں قیام ہے اس وقت تک ان کی دوستی کا دم بھرتا رہے گا چنانچہ وہاں قیام کے دوران اس نے بعض حدیث کی کتابوں پر تعلیق اور طباعت میں بظاہر دلچسپی دکھائی چنانچہ ان میں ایک کتاب امام ابن قیم کی مؤلفات سے تھی اور بعض کتابوں کی تعلیقات میں امام ابن قیم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں سے بھی حوالہ جات نقل کئے لیکن اس وقت بھی زاہد کوثری سے نقل کرنے میں رہ نہ سکے کثرت کے ساتھ اس سے حوالجات نقل کئے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ امام ابن قیم اور تمام محدثین کا دشمن ہے سچی بات کہنی پڑتی ہے کہ زاہد الکوثری علم حدیث اور رجال حدیث کے علم میں بہرۂ وافر رکھتے تھے لیکن تاسف کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ان کا علم ان کے خلاف حجت اور وبال ہے علم حدیث میں مشغولیت کے باوجود اصول اور فروع میں روشنی اور ہدایت ان کا مقدر نہ بن سکی عقیدۃً جہمی صفات الٰہیہ کا منکر غالی حنفی تمام محدثین متقدمین متاخرین کا سخت دشمن ان کے خلاف بدزبانی اور طعن و تشنیع کرنے والا ہے اہل حدیث پر تہمت تراشتا ہے کہ یہ لوگ خدا کا جسم ماننے والے اور اس کی تشبیہ کے قائل ہیں نیز (السیف الصقیل) کے مقدمہ کے ص ۵ پر اہل حدیث کو حشویہ بے وقوف کہا ہے اور امام ابن خزیمہؒ کی کتاب التوحید کو کتاب الشرک کہا ہے اور امام ابن خزیمہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ وہ تو تجسیم کے قائل اور دین اسلام کے اصولوں سے بالکل ناواقف تھے اور علم فقہ کے بارے میں اہل حدیث کو جامد کم فہم بے وقوف کہا ہے کہ یہ لوگ تو یونہی کتابیں اٹھائے پھرتے ہیں حدیث کے تین صد رواۃ کو مطعون قرار دیا ہے جن میں اکثر ثقہ ہیں اور تقریباً نوے راوی حافظ ہیں نیز ان میں

ائمہ فقہا مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل ہیں اور صراحتاً کہا ہے کہ اسے شیخ ابن حبان خطیب بغدادی اور ان جیسے لوگوں پر اعتماد نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل کے بیٹے امام عبداللہ جو مسند احمد کے اکیلے راوی ہیں کو کذاب کہا ہے شاید اسی لئے وہ مسند احمد کو ان مسانید میں شمار نہیں کرتا جن کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان پر اعتماد کرنا چاہیئے چنانچہ اپنی تالیف (الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۲۳ طبع حمص) میں رقمطراز ہے کہ مسند احمد منفرد متعدد روایات کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث کا مجموعہ بھی نہیں ہے پھر ص ۲۴ پر لکھتا ہے مثلاً مسند احمد میں راوی کے (عن) کے ساتھ ادا کرنے کی جگہ پر (سمعت) اور (حدثنا) کے ادا کے صیغوں سے محفوظ نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضخیم کتاب کی روایت میں منفرد راوی نے ضبط کا اہتمام نہیں کیا ہے وہ اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ حافظ عقیلی کو متعصب ناکام کے لقب سے یاد کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مشہور حافظ اور ان کی کتب سے شاذو نادر ہی کوئی ہوگا جو اس بدزبان متعصب کے طعن اور زبان درازی سے محفوظ رہا ہو مثلاً ابن عدی کی کامل اور آجری کی الشریعۃ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مزید برآں یہ شخص ایسی حدیثوں کو بھی ضعیف قرار دیتا ہے جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے بلکہ بخاری، مسلم کی بعض مرویات کو بھی ضعیف کہتا ہے جبکہ ان میں کوئی ایسی علت موجود نہیں جو انہیں ضعیف بنائے گذشتہ اوراق میں ہم نے چند احادیث ذکر کی ہیں جنہیں یہ شخص کمزور کہتا ہے بخلاف اس کے ایسی حدیثوں کو مذہبی عصبیت کے پیش نظر صحیح قرار دیتا ہے جن کے بارے میں ماہرینِ فن گواہی دیتے ہیں کہ وہ ضعیف بلکہ موضوع ہیں مثلاً "ابوحنیفہ سراج امتی" (ابوحنیفہ میری امت کے چراغ ہیں) حدیث اور اس جیسی اور حدیثیں جن کے ذکر کرنے کی اس وقت گنجائش نہیں ہے اس کی ان باتوں کا رد تفصیل کے ساتھ نہایت عمدہ اور منطقی صاف ستھرے انداز میں علامہ عبدالرحمٰن المعلمی الیمانی نے اپنی تالیف "طلیعۃ التنکیل" میں بعد ازاں اپنی نادر عظیم تالیف "التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل" میں دیا ہے پس حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرنے والے لوگ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں یقیناً ہم نے جس قدر بیان کیا ہے اس سے کہیں زیادہ علمی فوائد سے اپنے دامن کو بھر لیں گے "واللہ المستعان"

ہم نے کوثری کے علمی مرتبت کو بیان کیا ہے اور اس کی علمی دیانت کو بھی آشکارا کیا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ ابوغدہ بھی کوثری کی ان باتوں سے یقیناً واقف ہے اس لئے کہ ابوغدہ پورے شغف وانہماک کے ساتھ کوثری کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے اگر ابوغدہ دورانِ مطالعہ کوثری کی ان باتوں

کو معلوم نہیں کر پایا ہے (جبکہ یہ احتمال بعید از فہم ہے) تو ابو غدہ یقیناً علامہ یمانی کے رد کرنے سے مطلع ہو چکا ہے، علامہ یمانی نے نہایت پاکیزہ علمی انداز میں اس کا رد کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

جب ہم ان کی تالیفات کا مطالعہ کرتے ہیں جن پر ابو غدہ کے حواشی ہیں اور جن کی طباعت کا اہتمام بھی ابو غدہ نے کیا ہے اور ان حوالہ جات کا ہم ملاحظہ کرتے ہیں جو انہوں نے کوثری کے کلام سے نقل کئے ہیں تو ان تمام باتوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابو غدہ کوثری سے بہت زیادہ متاثر ہے اور اس کی تالیفات کو بنظر تحسین دیکھتا ہے بلکہ مسلک اور مشرب کے لحاظ سے کوثری نسبت رکھتا ہے ہم یہ تمام باتیں کیوں نہ کہیں جبکہ وہ کوثری کے نام کے ساتھ بڑے بڑے القاب کا اضافہ کرتا ہے ابو غدہ کے علاوہ ہم نے کسی دوسرے عالم کو نہیں دیکھا کہ وہ کوثری کو ایسے بڑے بڑے القاب کے ساتھ نوازتا ہو، چنانچہ "الرفع والتکمیل" کے حاشیہ صفحہ ۶۸ پر ابو غدہ کوثری کو علامہ، محقق، امام کے الفاظ کے ساتھ خراج تحسین پیش کرتا ہے اور اسی کتاب پر مقدمہ سے پہلے یہ جملہ تحریر ہے "الاهداء الی روح استاذ المحققین الحجۃ المحدث الفقیہ الاصولی المتکلم النظار المؤرخ النقاد الامام" گویا کہ اپنے علمی کام کا انتساب اور ہدیۂ عقیدت علامہ کوثری کی روح کو پہنچا رہا ہے جن کو عظیم علمی القاب کے ساتھ متعارف کرایا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کوثری کے ساتھ اپنے تعلق کا ذکر ایسے بلیغ انداز میں کیا ہے کہ اس کی طرف اپنی نسبت کرتے ہوئے اپنا نام یوں تحریر کیا ہے

الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ الحنفی الکوثریؒ نے اپنے بڑے بیٹے کا نام کوثری سے برکت حاصل کرتے ہوئے اور اس کی یاد کو تازہ رکھتے ہوئے زاہد رکھا ہے اس لحاظ سے اس بات کے کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ ابو غدہ کوثری سے علمی تعلق رکھنے میں مسرت محسوس کرتا ہے اور سو فیصد اس کی آراء اور افکار سے متفق ہے اور اس کی مسئولیت کے بوجھ میں اس کے ساتھ شریک ہے ہمارے اس موقف کی مزید تائید اس بات سے بھی ہو رہی ہے کہ ابو غدہ نے ... کثیر تعداد میں جو تعلیقات لکھی ہیں ان میں کہیں بھی کوثری پر تنقید یا اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ مبالغہ کی حد تک کوثری سے متاثر ہے ہم دیکھتے ہیں کہ کوثری کا ذکر کرتے وقت انہیں عظیم علمی القاب کے ساتھ خراج تحسین پیش کرتا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ذکر کرتے وقت اس قدر بخل سے کام لیتا ہے اور اپنے بغض کا اظہار کرتا ہے کہ صرف الشیخ

لہ صفحہ ۲، مقالات کوثری ۱۲

ابن تیمیہ کہنا ہے ملاحظہ کریں۔ الرفع والتکمیل صفحہ ۵۵، ۹۰ ہمیں اس بات کے ماننے میں کچھ حرج نہیں ہم یقین کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ جب ابوغدہ ابن تیمیہ کے ساتھ الشیخ کا لفظ ذکر کرتا ہے تو ہم اس بات پر یقین نہیں کر سکتے کہ وہ علم و فضل کے لحاظ سے ان پر شیخ کا اطلاق کر رہا ہے یا عمر کے لحاظ سے یا اس لئے کہ وہ سیدھے راہ سے بھٹک گیا ہے ہم نے تو یہی سمجھا تھا کہ ہمیں ہرگز توقف نہیں کرنا چاہیئے کہ الشیخ سے مراد پہلا معنی لیں لیکن مجھے اس سے اس بات نے روک دیا کہ ابوغدہ تو کوثری المشرب ہے جیساکہ آپ معلوم کر چکے ہیں اور کوثری اپنی اکثر تعلیقات میں ابن تیمیہ کو سیدھے راہ سے بھٹکا ہوا اور گمراہ قرار دیتا ہے بلکہ اس نے اپنی کتاب "الاشفاق" کے صفحہ ۸۹ پر لکھا ہے ان کان ابن تیمیۃ لا یزال یعد شیخ الاسلام فعلی الاسلام السلام اگر ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام شمار کیا جاتا ہے تو ایسے اسلام پر ہم سلام بھیجتے ہیں۔

غالب ظن یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں اس قسم کا اھانت آمیز کلمہ چونکہ ابوغدہ کے استاذ کی زبان سے نکلا ہے جسے ابوغدہ استاذ المحققین الحجۃ کا لقب دیتے ہیں اور ان سے یقیناً متاثر ہیں اس بنا پر ابوغدہ صرف الشیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھنے سے گریزاں ہیں ظاہر ہے کہ ان کو شیخ الاسلام لکھنے سے استاذ کی نافرمانی ہوتی ہے اور وہ اپنے استاذ کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتا ہاں اگر اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دینا چاہے تو نافرمانی کر سکتا ہے جب میں یہ بات تحریر کر رہا ہوں، اس دوران میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ ابوغدہ نے ایک بار الاجوبۃ الفاضلۃ کے حواشی ص ۹۲ پر انہیں شیخ الاسلام لکھا ہے ہم دریافت کرتے ہیں اگر انہوں نے شیخ الاسلام کا لقب عقیدت کے ساتھ ان کے نام کے ساتھ لکھا ہے غیر شعوری طور پر نہیں ہے اور نہ اس وجہ سے ہے کہ چونکہ ابوغدہ ان دنوں ریاض میں مقیم تھے اور وہاں کے اہل علم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے ان کا تقرب مقصود تھا اور نہ کوئی اور سبب ہے تو پھر ابوغدہ نے اپنے استاذ کوثری سے برأت کا اظہار کر دیا ہے شاید دبی شجاعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس قدر جرأت مندانہ اقدام کیا ہے کہ کھلے لفظوں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ساتھ اپنی عقیدت اور وابستگی کا اعلان کر دیا ہے اور واقعتاً وہ اس بات کا معتقد ہے کہ ابن تیمیہ شیخ الاسلام ہیں اور اپنے استاذ کوثری کے خیالات کا انکار کر رہا ہے اور ان سے برأت کا اظہار کر رہا ہے جو انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے رد میں لکھے ہیں اگر یہ معاملہ بلا شبہ اس طرح ہے تو میں اللہ پاک سے اپنے لئے اور ابوغدہ کے لئے استقامت کی دعا کرتا ہوں۔

ابو غدہ کا (الشیخ ابن تیمیہ) لکھنے سے جو بھی مقصد ہو اس میں تو بہر حال کچھ شبہ نہیں کہ ابو غدہ کوثری کا عقیدت مند و فا شعار شاگرد ہے اس لحاظ سے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ توحید اور صفات کے مسائل میں سلفی ہے یعنی اس کا عقیدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور محمد بن عبد الوہاب رحمہم اللہ جیسا نہیں ہے جب کہ اس کا استاذ کوثری ان ائمہ حق سے عقائد سلف میں شدید دشمنی رکھتا ہے ہم بیان کر چکے ہیں کہ کوثری نے ان ائمہ حق پر کس قدر بے بنیاد الزامات لگائے ہیں اور خاص طور پر ابن تیمیہ کو کذاب اور خائن کہا ہے ان الزامات کا بدیہی نتیجہ ہے کہ وہ اس دور میں اہل سنت کا شدید دشمن ہے جب کوثری کا یہ حال ہے تو ابو غدہ بھی ان ائمہ دین کا شدید دشمن ہے وہ ہرگز ان کا دوست نہیں ہے جب کہ وہ اپنے استاذ کوثری کو ایسے بلند و بالا القاب دے کر اسے خراج تحسین پیش کرتا ہے[1]، بس جب تک اپنے استاذ

---

[1] اس سے مراد، استاذ المحققین الحجۃ، القاب ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ ابو غدہ اپنے استاذ کوثری کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہے حالانکہ کوثری مشہور ہے کہ وہ اہل سنت کا شدید دشمن ہے ابو غدہ کے تعریفی کلمات پر تمام قارئین ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن شاید قارئین کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ابو غدہ نے اپنے استاذ کی تعریف میں جو مبالغہ آمیزی کی ہے دراصل اس کے استاذ خود کوثری نے اپنی تعریف اور تزکیہ کرتے ہوئے "تانیب الخطیب" کے ٹائیٹل پر اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے" تالیف الامام الفقیہ المحدث الحجۃ الثقۃ المحقق العلامۃ الکبیر" اور یہ کتاب ان کی نگرانی میں چھپی ہے اور اس کی تصحیح کا بھی انہوں نے اہتمام کیا ہے "التنکیل (۱/۵)" اپنی مدح و ستائش کی یہ بیماری صرف استاذ تک ہی محدود نہیں بلکہ ابو غدہ نے بھی جب اپنی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے یا اس کے بعض رفقاء نے جب اس کی نگرانی میں اور اس سے حاصل کردہ اس کی زندگی کے حالات کسی تالیف میں ذکر کیے ہیں دراصل وہ حالات خاص نوعیت کے ہیں جو مترجم کے خود بتانے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے، چنانچہ اس میں یہ عنوان ہے کہ ابو غدہ اپنے دور کی اسلامی تحریک کا عظیم لیڈر ہے، خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام کی عظمت کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ اللہ علیم خبیر نے نادر روزگار عظیم انسان پیدا فرمائے جو دین کی حفاظت کر رہے ہیں ان انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیوں نہ کیا جبکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے مقدم ہیں حضرت عمر کے ذکر کے بعد خالد بن ولید، سلمان فارسی کا ذکر کیا ہے بعد ازاں دور حاضر کے چند مشہور عظیم اہل علم لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کا ذکر ہے اور اس کے تفصیلی حالات پانچ بڑے صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں چنانچہ ان کے بارے میں تحریر ہے کہ ابو غدہ منفرد عالم، عامل، مجاہد، مربی، خیر خواہ، صاحب رشد (باقی بر صفحہ آئندہ)

سے برأت کا اظہار نہیں کرتا اور اہل سنت سے دشمنی نہیں چھوڑتا، ہم ابو غدہ کو بھی کوثری کی صف میں رکھیں گے اور وہ بھی اسی طرح کے مجرم ہیں ہمارا ان کو مجرم کہنا ارشاد خداوندی۔ (لا تزر وازرۃ وزر اخری) کے مفہوم کے ہرگز منافی نہیں ہے اس لئے کہ ہم ابو غدہ کا مواخذہ اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ خود اعتراف کرتے ہیں

(بقیہ صفحہ سابقہ) علامہ، جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا جس کا دین، علم اور سیرت پختہ ہیں۔ علامۃ الشام کثرت علم کے ساتھ ساتھ متقی خشیت الٰہی کا مجسمہ اللہ کے حدود کا خیال رکھنے والا، شبہات اور مکروہات سے دور رہنے والا جس نیک کام کا حکم دیا خود بھی اس پر عمل کیا اور اپنے اہل وعیال کو بھی دور کے رکھا اس نے میراث اسلامی کے علم میں ایک نادر عمدہ نقشہ تیار کیا ہے نیز جب بھی اس کے سامنے کسی غیر مطبوع یا مطبوع کا ذکر ہوتا ہے تو فوراً اس کتاب کی خصوصیات اور مجملاً اس کے محتویات سے پردہ کشائی کرتا ہے نیز وہ یہ معلومات بھی رکھتا ہے اگر وہ کتاب مطبوع ہے تو پہلے وہ کہاں طبع ہوئی اور اس کے کتنے ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اور اگر وہ غیر مطبوع ہے تو وہ کس لائبریری میں ہے اور اس کی نقل کی تاریخ کیا ہے اس پر ایک لطیفہ سنئے کہ ایک شخص جو ظرافت میں مشہور اور حاضر جواب تھا اس نے جب اس کا یہ آخری وصف سنا تو فوراً بول اٹھا یہ تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، مقصد یہ ہے کہ ابو غدہ کے حفظ ضبط کے وصف میں اس قدر غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے کہ کہنا پڑتا ہے کہ اس مقام تک کسی انسان کا پہنچنا ممکن نہیں ہے اگر ہو تو پھر خدا تعالیٰ ہے۔

ابو غدہ کے تعارف میں ناقابل فہم مبالغہ آرائی پر مبنی دعاوی ہیں اور ترحم وحیاء سے عاری مغالطات ہیں ہر شخص کے لئے ان کا سمجھنا آسان نہیں بطور نمونہ ہم کچھ باتیں نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ وہ اپنی مدح وستائش میں کس قدر حریص ہے کہ خود ہی اپنی تعریف کرتے ہوئے حدود اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے اور اس بات پر مسرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کی مدح وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے جائیں چنانچہ وہ خود کہتا ہے

کہ وہ قاہرہ میں بے مثال مجاہد کی حیثیت میں جانا جاتا تھا وہ قاہرہ میں صرف ان لیکچروں پر ہی اکتفا نہیں کرتا تھا جن میں وہ شریک ہوتا تھا بلکہ محقق ثقہ اہل علم مثلاً امام محدث فقیہ اصولی ناقد، پاکدامن شیخ محمد زاہد کوثری سے علم کی باتیں اخذ کرتا تھا نیز وہ کہتا ہے: وہ دنیا بھر میں علامہ کے لقب سے مشہور ہے کسی میں اس کے ساتھ مقابلہ کی جرأت نہیں دین، علم، سیرت کے لحاظ سے قابل اعتماد ہے اور تمام مسلمانوں کی امیدوں کا سہارا، ہند، پاکستان، حجاز، شام ممالک کے تمام مسلمان سکالروں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ ان سب کا قابل اعتماد علمی نشان ہے اور ان کے مسائل کے حل کا ملجا وماویٰ ہے اور اس کا وجود علمی شعاعوں کا آفتاب ہے جس سے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں اور انہیں تحفظ حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کا وجود تو (باقی برصفحہ آئندہ)

کہ وہ کوثری المشرب ہیں نیز اسے علم ہے کہ اس کا شیخ جادۂ سنت سے منحرف ہے اہل سنت ائمہ حدیث اور فقہ پر زبان طعن دراز کرتا ہے اس کی ذلت آمیز مرکتازیوں میں سے خاص طور پر یہ ہیں کہ اس نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر متعدد الزامات لگائے ہیں اور ان کو ہدف مطاعن بنایا ہے یہاں تک کہ کوثری نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں قابل نفریں کلمات کے ساتھ تبصرہ کیا ہے جو اس کی باطنی خباثت کو آشکار کر رہے ہیں (اللہ پاک کوثری کے ساتھ وہی برتاؤ کرے جس کا وہ مستحق ہے)

اپنی تالیف الاشفاق کے ص ۸۶ پر رقمطراز ہے ولو قلنا ان لم یصل الاسلام فی الادوار الاخیرۃ بمن هو اضر من ابن تیمیہ فی تفریق کلمۃ المسلمین لما کنا مبالغین فی ذالک وهو سهل متسامح ازاء الیهود والنصاری۔

اگر ہم کہیں کہ اسلام کے آخری ادوار میں اسلام کو اتنا نقصان کسی شخصیت سے نہیں پہنچا جتنا کہ ابن تیمیہ سے پہنچا تو اس میں کچھ مبالغہ نہیں جب کہ اس نے مسلمانوں میں افتراق کی خلیج کو وسیع کیا وہ انسان سہل انگار بلا جواز سہولتوں کا دلدادہ یہود و نصاریٰ کا ساتھی ہے۔

ہم نے ابو غدہ کے استاذ کوثری کے بارے میں جو باتیں ذکر کی ہیں ابو غدہ ان کو خوب جانتا ہے بلکہ جن باتوں کا ہم ذکر نہیں کر پائے ہیں ان سے بھی ابو غدہ کو مکمل آگاہی حاصل ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان پر ہرگز کسی مسئلہ میں تعاقب نہیں کرتا ہے اسی بنا پر ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ ابو غدہ بھی اپنے استاد کی طرح اہل سنت والحدیث کا دشمن ہے اور اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو جمالاً یا تفصیلاً اس سے اپنی برأت کا اظہار کرے اگر وہ اعلان کر دے (لیکن ہمارا خیال یہ ہے ہرگز اعلان نہیں کرے گا) تو ہم اس کے ظاہر کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے دلی احساسات کو اللہ سبحانہ کی طرف سپرد کر دیں گے۔

بعد ازاں ہم ابو غدہ سے اسی بات کے دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر وہ اہل سنت اور موحدین سے اپنے استاد کوثری کی تقلید کرتے ہوئے اس قدر دور ہے کہ وہ حلب شہر میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا کفر ہے وہ خود کافر ہیں (جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے) تو اسے یہ بات کیسے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ مسلسل کئی سال سے اب تک مملکت سعودیہ میں مقیم ہے اور وہ یقین کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے کفر

(بقیہ صفحہ سابقہ) نعمت کبریٰ ہے وہ دقیق القلب، ذکی الحس شفاف مزاج بلند ذوق لطیف مزاج شیریں بیان شگفتہ مزاج نکتہ سنج، صائب الرای، فہیم ذہین، قوی الحجۃ معتدل رجحانات مومنانہ جوش و خروش، سریع الفہم پرکشش تواضع اور نرم مزاجی کے اوصاف حمیدہ کا حامل ہے خیال رہے کہ ہم نے اس تعارف کا کچھ حصہ جو ہمارے موضوع کے ساتھ متعلق تھا ذکر کیا ہے اور خام خیال بلند بانگ دعووں اور حقائق کو ملمع سازی کی شکل میں پیش کردہ (باقی برصفحہ آئندہ)

کے فتویٰ کے مصداق یہ لوگ ہیں تو کیا اب وہ ان کو کافر کہنے سے باز آگیا ہے اور کیا غیر اللہ سے مدد مانگنے کو جائز قرار دینے سے رک گیا ہے اور وہ اس بات کا قائل ہو چکا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا کفر ہے؟ تب تو اس کا وہاں رہنا مبارک ہے اور یہ موافقت قابل رشک ہے۔

مجھے وہ جواب معلوم ہے جو ابو غدہ کے دل میں ہے اس لئے کہ فقہاء حنفیہ وغیرہ کے ہاں قاعدہ استصحاب الحال مشہور اور مسلّم ہے جب کہ اس کے خلاف نص موجود نہ ہو اور اس مسئلہ میں بھی ہمارے پاس نص نہیں ہے جس سے ہمیں یہ معلوم ہو کہ ابو غدہ ایسے عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو کافر کہنے سے رجوع کر چکا ہے پس ہم تو اسی مقام پر کھڑے ہیں جس کا ہمیں ابو غدہ کے بارے میں علم ہے لہذا ہم برملا کہتے ہیں کہ ابو غدہ کی سعودیوں کے ساتھ ہرگز موافقت نہیں ہے اس لئے کہ سعودی لوگ خصوصاً ان میں اہل علم ہمیشہ سے بحمد للہ توحید کے عقیدہ کا تحفظ کرتے ہیں اور مشرکانہ، بت پرستانہ عقائد سے محاربہ کرتے ہیں اور غیر اللہ سے فوت شدہ لوگوں سے مدد لینا مشرکانہ عقیدہ ہے تو اس نظریہ کے ہوتے ہوئے ابو غدہ کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ سعودی مملکت میں قیام کرے۔

میرا احساس یہ ہے کہ وہ ان کے درمیان اس طرح نہیں رہ رہا ہے جیسا کہ وہ پسند رکھتا ہے کہ وہ اپنے غلط نظریات کا پرچار کرے اور خیرخواہانہ انداز میں لوگوں کی تربیت بہت کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے ان کے سامنے وضاحت کرے کہ تمہارا عقیدہ تو بدعت اور گمراہی ہے نیز وہ ان کے اس قول کا سختی سے انکار کرے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا کفر ہے اگر وہ کھل کر اس عقیدہ کا اظہار کرتا ہے تو تین صورتوں میں سے ایک صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔ اولاً سعودیوں کو گمراہ قرار دے اور ایسا زوردار آگ لگا دینے والا خطبہ دے جس سے ان کے اعتقادات کے محل میں زلزلہ آجائے جیسا کہ وہ حلب شہر میں کھل کر شرک کی آبیاری کرتا ہے اور غیر اللہ سے مدد نہ مانگنے والوں کو کافر قرار دیتا ہے لیکن اس کا ایسا کرنا ناممکن ہے یا سعودی باشندے ابو غدہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں گمراہ قرار دیں اور اس سے اقرار کروائیں یہ بھی مشکل ہے اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں کہ دل میں کفر چھپائے رکھے اور محض ان کے ملک میں رہائش پذیر ہونے کے لحاظ سے ان کی مخالفت نہ کرے جیسا کہ عام لوگ اس ملک میں رہتے ہیں جن کا کچھ مقصد نہیں ہوتا ابو غدہ کا حال ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

(بقیہ صفحہ سابقہ) باتوں کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ گھر کا مالک خوب جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے ہم نے ضرورت سمجھا کہ اپنا فرض ادا کیا جائے کہ جو شخص کسی بات کے اعضاء میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے اس کو رد کیا جائے ۱۲

ودارھم مادمت فی دارھم وارضھم مادمت فی ارضھم ۔
ترجمہ: جب تک میں ان کے ملک میں رہوں ملک ان کا ہے اور جب تک میں ان کی زمین میں رہوں زمین ان کی ہے ۔
جو لوگ ابوغدہ کے بارے میں حسن ظن بھی رکھتے ہیں اور ابھی تک اس کے عقیدہ کے بارے میں بھی انہیں معرفت حاصل نہیں انہیں بھی اس سے تعجب نہ ہوگا اس لئے کہ جو باتیں میں نے اس کی طرف منسوب کی ہے صاحب دانش و بینش سمجھتا ہے کہ میں نے مدارات سے کام لیا ہے احتیاطاً میں نے مداہنت جیسا جارح لفظ استعمال نہیں کیا ۔
ابوغدہ نے سخت تندو نیز تفریر کے آغاز میں کہا ہے: شرح طحاویہ کے قارئین کو بخوبی علم ہے کہ شارح ثقہ ضبط و حفظ اہل علم سے شمار ہوتے ہیں احادیث شریفہ اور دیگر حوالہ جات کے نقل میں بہت محتاط ہیں واضح الفاظ میں ذکر کرتے ہیں کسی قسم کا خفا اور غموض باقی نہیں رہتا شارح کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے مشہور ائمہ سے شمار کرتا ہے جن کا علم و فضل مسلم ہے ۔
ان کے اس نقطۂ نظر پر ہمیں اعتراض ہے کہ اگر شارح کی امامت پر ابوغدہ ایمان رکھتا ہے تو میں شارح کے کلام سے سات مسائل پیش کرتا ہوں اگر ابوغدہ خلوص کے ساتھ ان مسائل میں شارح کی موافقت کرے گا تو یہی میرا مقصود ہے اس وقت میں ابوغدہ سے معذرت کروں گا کہ کیوں میں نے اس کے بارے میں غلط ذہن بنایا اور اگر موافقت نہیں کرے گا میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں اس کو مدارات کے ساتھ مطعون کرنے میں حق بجانب ہوں ۔
پہلا مسئلہ: شارح ص ۷۶ پر اہل کلام کی مذمت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ متکلمین قابل مذمت ہیں جب وہ مطلق طور پر حوادث کے حلول کی نفی کرتے ہیں، بالکل یہی بات ابوغدہ کا استاذ کوثری بعض حواشی پر تحریر کرتا ہے تاکہ اس قاعدہ سے کلام الٰہی (جو مسموع ہے) کی حقیقت کی نفی کرے دیکھئے (شرح طحاویہ ۱۷۷ - ۱۸۱) اور التنکیل ۱/۲/۳۶۰/۳۶۲ ۔
دوسرا مسئلہ: شارح طحاویہ ابوجعفر طحاوی کی پیروی کرتے ہوئے ص ۱۱۷ پر رقمطراز ہیں قرآن اللہ کا کلام ہے اس سے اس کا ظہور ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اللہ نے اس کو اپنے رسول پر وحی فرما کر نازل فرمایا ایمان والوں نے اس کی کما حقہٗ تصدیق کی اور یقین کے ساتھ اس عقیدے کا اظہار کیا کہ اللہ کا کلام در حقیقت مخلوق نہیں اس لئے کہ انسانوں کا کلام مخلوق ہے بعد ازاں شارح نے کلام الٰہی کے مسئلہ پر نو مذاہب کے اقوال ذکر کئے ہیں اور سلف کا موقف بیان

کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ازل سے متکلم ہے جب اس نے چاہا اور جس وقت چاہا اور جیسے چاہا اور اس کا کلام آواز کے ساتھ ہے لیکن ابو غدہ کا استاد صوت مسموع کی نفی کرتا ہے دیکھئے مقالات کوثری صفحہ ۲۶ - نیز الاسماء والصفات للبیہقی کے حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹ پر رقمطراز ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آواز نہیں سنائی البتہ اپنا کلام ایسی آواز کے ساتھ سمجھایا جو آواز مخلوق تھی البتہ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کسی کے کسب کا کچھ فعل نہیں تھا۔

تیسرا مسئلہ: شارح طحاویہ امام طحاوی کا اتباع کرتے ہوئے صفحہ ۲۵۱ پر لکھتے ہیں کہ اللہ پاک عرش اور اس کے علاوہ ہر چیز سے مستغنی ہے وہ ہر چیز کو محیط ہے اور ہر چیز سے اوپر ہے لیکن کوثری مخلوق پر حقیقۃً اللہ کی فوقیت کو تسلیم نہیں کرتا جیساکہ اللہ کی ذات کے ساتھ لائق ہے بلکہ جو ائمہ فوقیت کے قائل ہیں ان کو وہ مجسمہ قرار دیتا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کا جسم مانتے ہیں اور اس کی جہت مانتے ہیں

چوتھا مسئلہ: شارح طحاویہ اللہ کی فوقیت کو کثیر دلائل کے ساتھ ثابت کرتا ہے بعض دلائل میں این کا لفظ صراحتہً موجود ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی کے ایمان کا پتہ چلانے کے لئے اس سے سوال کیا تھا کہ خدا کہاں ہے لیکن ابوغدہ کوثری اپنے استاد کی اتباع میں اس سوال کا انکار کرتا ہے اور حدیث کی صحت میں تشکیک پیدا کرتا ہے جیساکہ یہ بات صفحہ ۲۲ پر بھی گذر چکی ہے ہم ابوغدہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ اس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں اور جو سوال اس لونڈی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

پانچواں مسئلہ: شارح طحاویہ ائمہ اہل سنت مثلاً امام مالک، شافعی، احمد، اوزاعی، اسحٰق بن راہویہ تمام محدثین اور تمام اہل مدینہ کا اتباع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایمان دل کے ساتھ تصدیق کرتے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے اور اعضاء کے ساتھ عمل کرلے کا نام ہے نیز یہ تمام ائمہ ایمان کی کمی زیادتی کے قائل ہیں لیکن آپ کے استاد کوثری جو امام ابوحنیفہ کے شدید ترین مقلد ہیں وہ ان ائمہ کی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت اور آثار سلف میں صراحتہً ایسے دلائل موجود ہیں جو ان ائمہ کے مسلک کی تائید کرتے ہیں جبکہ کوثری ان تمام ائمہ کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں چنانچہ "التانیب ۴۴، ۵۰ پر لکھتے ہیں کہ ان ائمہ کے پاس علم و فقہ کا فقدان تھا جبکہ امام ابوحنیفہ علم و فقہ کے بینار تھے مزید وہ لکھتے ہیں کہ ایمان تو صرف کلمہ کا نام ہے اور یہی مذہب درست ہے اور اسی سلف میں لیکن یہ ائمہ جو نیک تو ہیں لیکن

اس کے نزدیک باطل پر ہیں جبکہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے ابوغدہ نے اپنے استاد کی مکمل بحث کو الرفع والتکمیل کے حواشی صفحہ ۶۷، ۶۹ پر حرف بحرف نقل کیا ہے جبکہ ہم نے اس بحث سے صرف اسی قدر نقل کیا ہے جس قدر ہمیں ضرورت لاحق تھی پھر ایک دوسرے مقام صفحہ ۲۱۸ پر امام ابوحنیفہ کی عظمت و بزرگی بیان کرتے ہوئے اور پہلی ہی بات کا اعادہ کرتے ہوئے فخریہ انداز میں لکھا ہے کہ ایسی عجیب بحث آپ کو کسی دوسری کتاب میں نہ مل سکے گی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایمان کی وہ تعریف کرنا جو کوثری نے کی ہے اور اسے صریح حق قرار دینا اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے جبکہ وہ تعریف سلف صالحین کے نقطہ نظر کے خلاف ہے جیساکہ آپ معلوم کر چکے ہیں نیز یہ تعریف محققین علمائے حنفیہ کے بھی خلاف ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اس کے ساتھ اقرار شرط نہیں ہے دیکھئے البحر الرائق لابن نجیم الحنفی "۵/۱۲۹" اور کوثری ایمان کی بحث میں ثابت کرنا چاہتا ہے اور قارئین کو تسلیم کرانا چاہتا ہے کہ ایمان کے بارے میں سلف صالحین اور احناف کے درمیان اختلاف لفظی ہے نیز وہ اس بات کا اشارہ بھی کرتا ہے کہ اعمال ایمان کے اصل رکن نہیں ہیں پھر وہ تکلف کے ساتھ اس بات کو فراموش کر جاتا ہے کہ سلف صالحین تو اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جبکہ احناف ہرگز اس کے قائل نہیں ہیں بلکہ احناف جب یہ بحث کرتے ہیں کہ کون سے الفاظ ان کے ہاں کافر بنا دینے والے ہیں تو وہ صاف کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے وہ بھی کافر ہے" البحر الرائق باب احکام المرتدین" دیکھیں۔ ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک تو تمام سلف کافر ہوئے حوالہ کے لئے شرح الطحاویہ صفحہ ۳۱۱، ۳۲۶ اور التنکیل ۲/۳۶۲ - ۳۷۳ ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح علامہ یمانی نے اس مسئلہ میں کوثری کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

قارئین معلوم کرلیں کہ اس اختلافی مسئلہ میں کم از کم احناف کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ فاسق فاجر بھی پختہ ایمان والا ہے جب وہ اپنے ایمان کا اعتراف کرتا ہے ان کا یہ نظریہ قرآن پاک کے الفاظ کے بھی مخالف ہے اس سے قرآن پاک کا ادب مجروح ہوتا ہے خواہ اس سے رستگاری حاصل کرنے کے لئے دور از کار تاویلات کا سہارا کیوں نہ لیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے: إنما المؤمنون الذين إذا ذكر الله وجلت قلوبهم وإذا تليت عليهم آياته زادتهم إيمانا وعلى ربهم يتوكلون الذين يقيمون الصلوٰة ومما رزقناهم ينفقون أولئك هم المؤمنون حقا۔

ان کا نظریہ قرآن پاک کی آیت کے ساتھ متصادم ہے پس وہ ایماندار لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ان بیماریوں سے محفوظ رکھا ہے جن میں یہ عصبیت زدہ مبتلا ہیں انہیں غور کرنا چاہیئے کہ عنداللہ کون سچا

مومن ہے اور ان کے ہاں کون سچا مومن ہے؟

چھٹا مسئلہ: شارح طحاویہ ص ۳۳۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ ایما ندار انسان، انا مؤمن ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے اس مسئلہ میں طویل بحث ہے احناف مطلقاً ناجائز کہتے ہیں بلکہ احناف میں ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے وہ کافر ہے وہ یہ قید بھی نہیں لگاتے کہ اس کے ایمان میں شک ہے بلکہ متیقن ہے چنانچہ اتقانی غایۃ البیان اور روضۃ العلماء میں صراحت کرتے ہیں کہ انا مؤمن ان شاء اللہ کہنے والے کا ایمان نہیں رہتا اور اس کی امامت میں نماز ادا کرنا جائز نہیں خیال رہے کہ یہ کتابیں فقہ حنفی میں شمار ہوتی ہیں. نیز علاء صاحب بزازیہ کتاب النکاح میں ابوبکر محمد بن فضل سے منقول ہے کہ انا مؤمن ان شاء اللہ کہنے والا کافر ہے اس کے ساتھ رشتہ مناکحت ناجائز ہے نیز شیخ ابوحفص فوائد میں کہتے ہیں کہ کسی حنفی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی شافعی المذہب کو اپنی بیٹی کا نکاح دے اسی طرح ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ احناف آپس میں رشتہ مناکحت قائم کریں بزازیہ میں یہ اضافہ ہے کہ ہمارے نزدیک شوافع اہل کتاب کے مرتبہ میں ہیں حوالہ کے لئے دیکھیں البحر الرائق[1] (۲/۵۱) -

ساتواں مسئلہ: شارح طحاویہ صفحہ ۱۹۹/۲۰۲ پر امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کی پیروی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ بحق الانبیاء اور بجاہ الانبیاء کا توسل حرام ہے لیکن کوثری نے اس مسئلہ میں عوام الناس کی خواہشات کا خیال رکھتے ہوئے اور اہل سنت کا استحصال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے

---

[1] بحر الرائق (۸/۲۰۷) میں ایک عجیب وغریب حدیث مروی ہے عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص سنت اور جماعت کے مطابق رہتا ہے اللہ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں اور ہر قدم کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس درجات بلند ہوتے ہیں. آپ سے دریافت کیا گیا اے اللہ کے رسول یہ کیسے معلوم ہو گا وہ سنت اور جماعت کے مطابق ہے آپ نے فرمایا جب اس میں دس چیزیں موجود ہوں تو وہ اہل سنت والجماعت سے ہے ان دس چیزوں میں سے ایک چیز یہ ہے کہ اسے اپنے ایمان میں شک نہ ہو اور انا مؤمن ان شاء اللہ کہنے والے انسان کو اپنے ایمان میں شک ہے میں کہتا ہوں کتب حدیث میں اس حدیث کا اصل نہیں پایا جاتا یہ حدیث باطل ہے اس کے موضوع ہونے پر ظاہراً علامات موجود ہیں اسی حدیث کی وجہ سے علامہ قرطبی نے اہل الرای فقہاء کو متہم کیا ہے کہ وہ ہر ایسے حکم کو جو ان کے نزدیک قیاس جلی کے مطابق ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قولی طور پر منسوب کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں ایسی حدیثوں سے بھری پڑی ہیں جو موضوع ہیں در اصل وہ حدیثیں فقہاء کے فتاوے کے مطابق ہیں اور ان کی سند بھی موجود نہیں اس بات کو علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الفیہ عراقی ص ۱۱۱ پر نقل کیا ہے ۱۲ -

یہ بات ان لوگوں کو بھی معلوم ہے جنہوں نے "محق التوسل" کتاب کا مطالعہ کیا ہے چنانچہ میں نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ جزاول رقم ۲۴ پر وضاحت کے ساتھ کوثری کے تعصب کو بیان کیا ہے نیز کہ وہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کس طرح توسل کی حدیث کی سند کو قوی بنانے کے لئے تگ ودو کرتا ہے حالانکہ اس حدیث کی سند میں ایسا راوی موجود ہے جو کوثری کے نزدیک بھی ضعیف ہے پس یہ سات عظیم الشان مسائل ہیں جن سب کا علاوہ آخری مسئلہ کے عقیدہ کے ساتھ تعلق ہے میں نے ان سات مسائل کو ابوغدہ کی طرف لکھ کر بھیجا جو شارح طحاویہ کی مدح وستائش میں سبک رفتار ہے اور تعریف کرتا ہوا اس کی امامت کو تسلیم کرتا ہے اور ان کی شہرت عام کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے اگر تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں شارح طحاویہ کا ان مسائل میں بھی پیروکار ہوں جب کہ اس کے کوثری المشرب ہونے کی بنا پر میں اس بات کو بعید از فہم سمجھتا ہوں تو میں اللہ کی تعریف کروں گا کہ اس نے ابوغدہ جیسے انسان کو ہدایت فرمائی لیکن اگر وہ شارح طحاویہ کی مخالفت کرے گا اور اپنے کوثری ہونے پر قائم رہے گا تو پھر تمام لوگوں کے سامنے انشاءاللہ یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اس نے شارح طحاویہ کی تعریف دل سے نہیں کی ہے نہ اس کی امامت پر ایسے اعتماد ہے جیسا کہ وہ دعوی کرتا ہے دراصل وہ تعریف کرنے کو ذریعہ بناتا ہے کہ اس میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج پر طعن کر سکے دگرنہ وہ شارح طحاویہ کی غلطیوں پر کب خاموش رہ سکتا تھا خصوصاً یہ سات غلطیاں جو ابوغدہ کے خیال میں اس کے شیخ کوثری کی پیروی کرتے ہوئے اس کے نظریہ کے خلاف ہیں نیز اس کے علاوہ اور بھی کئی غلطیاں موجود ہیں جن کا اشارۃً پہلے ذکر ہو چکا ہے) اور مجھ پر تنقید کرنے سے کب الگ رہ سکتا تھا یقیناً وہ بعض افراد کے پاس میری شکایت کرتا یا بعض ذمہ دار لوگوں کے سامنے میرے خلاف اتنی زبان درازی کرتا کہ میں نے اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کسی لحاظ سے بھی برابر نہ ہوتا لیکن یہ تو تب ہے جب اس کی تنقید کو صحیح باور کیا جائے۔

کاش مجھے کوئی بتائے کہ جب میری اس کتاب اور دیگر تالیفات پر اس کی جانب سے انتقادات موجود ہیں تو کیوں ابوغدہ آمنے سامنے بیٹھ کر مجھ سے ان مسائل کے بارے میں بحث نہیں کرتا جبکہ ہم موسم گرما کی تعطیلات میں کئی بار مکتب اسلامی میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں لیکن مجھے تغافل کر جارحانہ انداز پر میرے خلاف ناقدانہ نظر پر چوری چھپے لوگوں کے سامنے کرنا رہتا ہے نہ ان باتوں کو میرے نوٹس میں لاتا ہے اور نہ ہی میرے دوست مکتب اسلامی کے مدیر کے نوٹس میں لاتا ہے دراصل وہ جائزہ لینا چاہتا ہے کہ خواص سے ہٹ کر عامۃ الناس کیا کہتے ہیں تو ایک مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں یہ انداز درست نہیں ہے پس اگر عوام الناس ان باتوں کے سننے کے

بعد اسے برا بھلا کہیں کہ تم ان سے بالمشافہ گفتگو کیوں نہیں کرتے تو اس جواب کے ملنے پر ابو غدہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

اللہ عظیم کا قول کس قدر صحیح ہے۔ واللہ مخرج ما کنتم تکتمون۔

"خاتمہ"

میں اس بات کا متمنی تھا کہ جس ادارے کی طرف ابو غدہ متعصب انسان نے میرے خلاف نا روا تنقید پیش کی کہ وہ اس سے پہلے کہ تنقید زبان زد عوام وخواص بن جائے مجھے اس کے بارے میں آگاہ کرتا یا پھر نا قد اور اس کی تنقید اہل علم کی ایک مجلس میں پیش کی جاتی بحمداللہ اس شہر میں کثرت کے ساتھ اہل علم موجود ہیں وہ مجلس تنقید کا جائزہ لیتی اور جس کتاب پر تنقید کی گئی تھی وہ تو عرصہ دس سال سے مدارس میں داخل نصاب ہے اور تمام علماء اس کتاب کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں ان علماء میں سے پہلی صف میں شمار ہونے والے فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم، فضیلۃ الشیخ عبداللطیف رحمہما اللہ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق عفیفی اور دیگر شیوخ ہیں بارک اللہ فیہم اسی طرح یہ معاملہ ان کے علاوہ دیگر شہروں کے علماء کی خدمت میں بھی پیش کیا جاتا۔

اصل حقیقت جس کو بعض افاضل درست قرار دے رہے ہیں یہ ہے کہ ابو غدہ کے دل میں صرف" شرح عقیدہ طحاویہ میں مذکورہ احادیث کی تخریج پر طعن مقصود نہیں بلکہ اس کتاب میں جس سلفی عقیدہ کو نہایت عمدہ انداز میں پیش کیا گیا ہے اسے قبیح قرار دینا مقصود ہے اور جو علماء دور حاضر میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں ان کے خلاف طعن وتشنیع مقصود ہے خصوصاً اس لئے کہ اس کتاب میں بیان کردہ عقیدہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم اور شیخ الاسلام مجدد دعوۃ التوحید محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ کے عقیدہ کا مؤید ہے اور ابو غدہ چونکہ کوثری المشرب ہے بلکہ علقمی ہے اس لئے وہ ان عظیم نابغہ روزگار شخصیتوں پر نا قابل تسلیم اتہامات لگا رہا ہے اور انہیں اور ان کے عقائد کو نہایت تشنیع الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے ورنہ قارئین کو اس سے کیا دلچسپی ہے اگر البانی کسی حدیث کی تخریج میں خاموشی اختیار کرتا ہے جبکہ اس حدیث کے بارے میں شارح طحاویہ نے متفق علیہ عند البخاری والمسلم کے الفاظ ذکر کئے ہیں یا البانی نے تائید کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ یہ بات اسی طرح ہے یا شارح نے کہا صحیح متفق علیہ عندہما او احدہما یا اس جیسے الفاظ ہم نے اس کے بارے میں دلائل پہلے بیان کئے ہیں جن سے قارئین نے معلوم کر لیا ہے کہ اس انداز سے قارئین کو کچھ تکلیف نہیں اسی طرح شارح طحاویہ کے اس انداز سے البانی کو بھی کچھ تکلیف نہیں بحمداللہ جس کی تالیفات

فن حدیث اور فقہ الحدیث میں پچاس سے متجاوز ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام تالیفات کو خالص اللہ کریم کی رضا کا ذریعہ بنائے اور اپنے احسان اور فضل کے ساتھ انہیں شرف قبولیت عطا فرمائے اسی طرح اس کتاب کے ناشر کو بھی ہرگز کچھ تکلیف نہیں اس لئے کہ ناشر استاذ زہیر الشاویش سلفی کو جو مکتب اسلامی کے مدیر ہیں اب تک عقیدہ، تفسیر، حدیث اور فقہ میں چار سو سے زیادہ کتابوں کی نشر و اشاعت کی توفیق حاصل ہو چکی ہے کہ وہ اس کتاب کی طباعت سے رک جانے جب کہ کتاب کے مقدمہ پر ابو غدہ کی طرف سے زہر آلود تنقید بھیجی گئی تھی علامہ زہیر شاویش اس قسم کی تنقید سے ہرگز بر تاثر قبول نہیں کریں گے کہ وہ سلف صالحین کی کتابوں کی اشاعت سے رک جائیں جن میں عقائد سلفیہ کو نہایت مضبوط علمی انداز میں سمو دیا گیا ہے اس لئے کہ زہیر شاویش عقیدہ کے لحاظ سے نہ صرف یہ کہ سلفی ہیں بلکہ سلفی عقیدہ کے ان دعاۃ میں شمار ہوتے ہیں جو بچپن سے ہی سلفی العقیدہ ہیں جو صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اس میدان میں کوشاں رہتے ہیں نہ انہیں کچھ لالچ ہے اور نہ وہ کسی خطرے سے گھبراتے ہیں اس راہ میں انہیں اپنے وطن میں اور ان شہروں میں جہاں وہ ہجرت کر کے گئے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور سب سے زیادہ ان کی پریشانیوں اور تکلیفوں کا سبب اس قسم کی غلط شر انگیز تقریریں ہیں جنہیں فتنہ باز بدعتی لوگ ہر ملک اور ہر شہر میں پھیلا رہے ہیں گویا کہ تمام ملکوں میں ان کا جال بچھا ہوا ہے اسی قماش سے ابو غدہ ہیں جن کی نادر خطابت اور تقریر کا ہم نے جائزہ لیا اور اس کی حقیقت کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔

"دعائیہ کلمات" میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو بغض کینہ اور حسد سے پاک فرمائے اور ایمان اور توحید خالص کے ساتھ تازگی بخشے ہر قسم کے شرک اور وثنیت کی آلودگیوں سے شفاف رکھے اور ہمیں نیک عمل اور اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی جیسے اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف الرحیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبہ نستعین

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضلل فلا ھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان سیدنا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم تسلیماً کثیرا۔

اما بعد:۔ یہ بات محقق ہے کہ اصولِ دین کا علم تمام علوم سے اشرف ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی علم کے معلومات جس قدر اشرف ہوں گے اسی قدر وہ علم بھی اونچا ہوگا۔ اس کا دوسرا نام فقہ اکبر ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے مختصراً اصول دین کو منضبط فرماکر ان کا نام فقہ اکبر رکھا ہے۔

اور ثابت کیا ہے کہ لوگ جس قدر اس علم کے محتاج ہیں کسی دوسرے علم کے نہیں۔

اور اس کے مقابلہ میں دیگر علوم غیر ضروری ہیں۔ اس لئے کہ اسی علم کی بدولت دلوں کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اور اطمینان نصیب ہوتا ہے کیوں نہ ہو جب کہ یہی علم خالق کائنات کی معرفت بخشتا ہے اور اس سے اس کے اسماء و صفات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے اس ذات کے معبود ہونے کا تصور نکھرتا ہے۔ اور تمام کائنات سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں موجزن ہوتی ہے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا داعیہ تیز ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سے لاتعلقی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

اُصولِ دین کی معرفت

تو کیا انسانی عقل سے ان کی معرفت ممکن ہے؟

جواب نفی میں ہے یعنی اصولِ دین کی تفصیلات کا ادراک کرنے سے انسانی عقل قاصر ہے

پس خدائے غالب ومہربان کی رحمت میں جوش آیا تو اس نے ان کی معرفت کیلئے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اصولِ دین کو واضح انداز میں پیش کیا اور لوگوں کو اس کے تسلیم کرنے کا درس دیا۔ ماننے والوں کو بشارتوں سے نوازا اور مخالفت کرنے والوں کو ڈرایا دھمکایا اور اپنی بعثت کا محور ومرکز معبودِ حقیقی کی معرفت قرار دیا اور باور کرایا کہ اللہ پاک کی معرفت پر ہی دیگر مقاصد شرعیہ کی عمارت کا قیام ہے۔

دو بنیادی اصول

اوّل : صراطِ مستقیم کی معرفت یعنی اسلامی شریعت اور اس کے اوامر ونواہی سے مکمل آگاہی حاصل کرنا۔

دوم : صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو یہ معلوم کرانا کہ ان کی منزل کتنی عظیم ہے اور وہاں وہ کیسی کیسی نعمتوں سے ہمکنار رہیں گے۔

لوگوں میں سے اللہ عزوجل کی سب سے زیادہ معرفت اس شخص کو حاصل ہے جو معرفتِ الٰہی کے راستہ پر زیادہ چلتا ہے۔ یہی شخص بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے وقت اس راہ پر چلنے والوں کو زیادہ جانتا ہوگا۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کے پیشِ نظر ہم کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شریعت نازل فرمائی ہے اس کو روح قرار دیا کہ اس پر عمل پیرا ہونے سے حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ نیز اس کو نور قرار دیا کہ صرف اسی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ملاحظہ فرمائیں :-

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۔ (المومن ۱۵-۱۵)	اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے۔

نیز ملاحظہ فرمائیں :-

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۔	اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے (قرآن) بھیجا تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک تم (اے محمدؐ) سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔ (یعنی) خدا کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی

(الشوریٰ ۵۲-۵۳) سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام خدا کی طرف رجوع ہوں گے۔ اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔

معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہی سے زندگی ملتی ہے اور وہی روشنی کا مینار ہے۔ جس کی ضیا پاشیوں سے ہم روشنی حاصل کر رہے ہیں۔ اور وہی نسخۂ شفا اور منبع ہدایت ہے اگرچہ وہ مطلقاً سب کو ہدایت بخشتا اور شفا سے ہمکنار کرتا ہے۔ لیکن جب اس سے استفادہ اور شفا حاصل کرنے والے صرف مومن ہیں تو خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (حم سجدہ ۴۴) کہہ دو کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کیلئے یہ ہدایت اور شفا ہے۔

پس جب اللہ پاک نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحیح راہ نمائی کرنے والا دین دے کر مبعوث فرمایا تو ہم اس کے علاوہ کسی دین کو کیسے صحیح تسلیم کریں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر مجمل طور پر ایمان لانا سب پر فرض ہے البتہ دین اسلام کی تفصیلات کی معرفت سب پر فرض نہیں۔ بلکہ فرض علی الکفایہ ہے یعنی کتاب وسنت میں تدبر کرنا سمجھنا اس کی حفاظت کرنا لوگوں تک پہنچانا حکمت اور دانائی کے ساتھ اللہ کے دین کی طرف بلانا۔ حسن انداز سے لوگوں کے اعتراضات کا جواب دینا امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا یہ فریضہ تمام کا نہیں ہے بلکہ اگر کچھ لوگ اس میدان میں کود پڑتے ہیں اور اسلامی شریعت کے ابلاغ میں تمام ممکنہ ذرائع کو بروئے کار لاتے ہیں تو اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور عام ایمانداروں کی جانب سے بھی ان کی نمائندگی صحیح منسور ہوتی ہے۔

تکلیف مالایطاق درست نہیں

اسلام میں استطاعت کے مطابق تکلیف دی گئی ہے۔ جو شخص دین کی باریکیوں کے سمجھنے سے قاصر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی مسئولیت اس شخص کی نسبت کہیں کم ہے جو نصوص کا تفصیلی علم رکھتا ہے اور فقہی باریکیوں کے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے یعنی ایک شخص درجۂ افتاء پر فائز ہے اور اس پر محدث کی تعریف صادق آتی ہے اور وہ کتاب وسنت سے استنباط کی صلاحیت رکھتا ہے تو ایک عام مسلمان کو اس کے ساتھ ایک صف میں کیسے کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کی ذمہ داریوں میں نمایاں فرق موجود ہے۔ اس لئے کہ اللہ پاک کسی کو تکلیف مالایطاق نہیں دیتا۔

کون لوگ گمراہ ہیں؟ جو لوگ رسولِ اکرمؐ کے لائے ہوئے دین اسلام کی پیروی کرنے میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور غور و فکر کی نعمت سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے سے دور جا گتے ہیں۔ کتاب وسنت سے اعراض کرتے ہیں ان کے گمراہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○

پس اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔

نیز فرمایا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○ (طٰہٰ ۱۲۳ - ۱۲۶)

اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائیگی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کرکے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کرکے کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا بھالتا تھا۔ خدا تعالیٰ فرمائیگا ایسا ہی (چاہیئے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج [illegible]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:۔

تكفل الله لمن قرء القرآن وعمل بما فيه ان لا يضل فى الدنيا ولا يشقى فى الآخرة۔

اللہ پاک اس انسان کا کفیل ہے کہ وہ نہ تو دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا جو قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور اسکے مطابق عمل کرتا ہے۔

* * * *

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ آیت تلاوت فرمائی۔ نیز ترمذی اور دیگر حدیث کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انها ستكون فتن قلت فما المخرج منها يا رسول الله قال

مستقبل میں فتنے رونما ہوں گے میں نے استفسار کیا یارسول اللہ ان سے بچاؤ کیسے ہوگا

كتاب الله فيه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله ومن ابتغى الهدى من غيره اضله الله وهو حبل الله المتين وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم وهو الذى لا تزيغ به الاهواء ولا تلتبس به الالسنة ولا تنقضى عجائبه ولا تشبع منه العلماء من قال به صدق ومن عمل به اجر ومن حكم به عدل ومن دعا اليه هدى الى صراط مستقيم۔

آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب کے ساتھ تمسک اختیار کرنے سے ہوگا۔ جس میں ماضی اور مستقبل کی خبریں موجود ہیں اور زمانہ حال کے جھگڑوں کے فیصلے موجود ہیں۔ یہ کتاب فیصلہ کن ہے اس میں مزاح کی باتیں نہیں ہیں۔ جو شخص کبر و نخوت کی وجہ سے اس کتاب کو طاق نسیاں کے حوالے کرے گا۔ اللہ پاک اس کو نیست و نابود فرمائے گا اور جو شخص اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب سے راہ نمائی طلب کرے گا اللہ پاک اس کو ہدایت سے محروم فرمائے گا۔ قرآن پاک اللہ کی مضبوط رسی ہے نصیحتوں اور حکمتوں سے لبریز ہے صراط مستقیم ہے جس سے احساسات میں ٹیڑھا پن نہیں آتا اور نہ ہی زبانوں میں کچھ تغیر آتا ہے نہ اس کے عجائبات ختم ہوں گے اور نہ اس سے علماء سیر ہو سکیں گے جو شخص اس کتاب کی باتوں کو پیش کرے گا۔ اس کی باتیں سچی ہوں گی اور جو شخص اس پر عمل کرے گا اسے ثواب ملیگا اور جو شخص اس کے مطابق فیصلے کرے گا اس کے فیصلے عادلانہ ہوں گے اور جو شخص اس کی طرف دعوت دے گا اسے صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی ہو گی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث اس معنیٰ کی موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صرف اس دین کو شرفِ قبولیت عطا کرے گا جو اس دین کے عین مطابق ہو جو اللہ پاک نے تمام پیغمبروں کو عطا فرمایا ہے تمام پیغمبروں کے دین میں مقام خداوندی کو متعین فرمایا گیا ہے اور نہ صرف پیغمبروں نے بلکہ خود خداوند تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان عیوب اور نقائص سے منزہ فرمایا جن کو بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ لیے لازم کر کے اس کی شان میں گستاخی کی تو جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں پر سلام بھیجا اس لیے کہ انہوں نے اللہ پاک کو ہر قسم کے نقائص اور عیوب سے پاک ثابت کیا

پھر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی تعریف فرماتے ہوئے ایسے اوصاف کا ذکر کیا جن کا تقاضا یہ تھا کہ ہر قسم کی حمد و ثنا کا استحقاق صرف ذاتِ خداوندی کو ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (الصافات ۱۸۰-۱۸۲)

(یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحبِ عزت ہے (اس سے) پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے۔

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ آپ کی اتباع فرماتے رہے

رسولِ اکرمؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ چلتے رہے۔ اور متقدمین و متاخرین اتباعِ رسول اور اتباعِ الٰہی کی وصیت فرماتے رہے۔ وہ تمام عمر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے رہے اور آپ کے نقشِ قدم پر رواں دواں رہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف ...)

کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے۔ میں خدا کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں خود بھی اور اپنی پیروی کرنے والوں کو بھی خدا کی طرف بلاتا ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ زندگی بھر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے آپ کے پیروکار بھی اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے۔ اور اس جملہ کا اسلوب پتہ دے رہا ہے کہ آپ کے پیروکار بصیرت کے ساتھ آپ کی اتباع کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح آپ صاحبِ بصیرت ہیں اسی طرح آپ کی پیروی کرنے والے لوگ بھی صاحبِ بصیرت ہیں۔ پس اس میں کچھ شبہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کے پہنچانے میں پورا زور صرف فرمایا اور غور کرنے والوں کے لئے دلائل کو واضح کر دیا۔ چنانچہ خیر القرون کے لوگ آپ کے بتائے ہوئے راہ پر چلتے رہے پھر ان کے بعد کچھ ایسے نالائق قسم کے لوگ آئے جو اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگے اور جنہوں نے فرقہ واریت کو جنم دیا تو اللہ پاک نے اس امت کے فائدے کے لئے ایسے انسانوں کو پیدا فرمایا جنہوں نے دین کے اصولوں کی حفاظت کرنا اپنا منصب سمجھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تعریف

کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری امت میں کچھ لوگ ہمیشہ حق و صداقت پر قائم رہیں گے۔ ان کا مخالف انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ

جن ائمہ کرام نے دین اسلام کی صداقتوں سے لوگوں کو روشناس کرایا ان میں امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاوی بھی ہیں ۲۳۹ھ میں ان کا تولد ہوا ۳۲۱ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین امام ابویوسفؒ امام محمدؒ اور متقدمین آئمہ کرام کن اصول دین اور عقائد کے حامل تھے زمانہ جیسے جیسے عہد نبوی سے دور ہوتا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ بدعات پھیلتی چلی گئیں۔ اور دین اسلام میں تحریف کا بازار گرم ہوتا گیا جس کو تاویل کا نام دیا گیا۔ حالانکہ تحریف اور تاویل میں نمایاں فرق موجود ہے اس لئے کہ تاویل میں جو معنی بیان ہوتا ہے۔ الفاظ اس کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن تحریف کے لئے الفاظ میں کچھ گنجائش نہیں ہوتی۔ جب تحریف کا دروازہ کھل گیا تو فساد رونما ہو گیا عوام الناس چونکہ جاہل تھے اور ان میں فرق نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے تحریف کو بھی تاویل سمجھا اور تاویل کرنے والوں نے بھی ان کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر تحریفات کا بازار گرم رکھا اس طرح انہوں نے دین اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ اب ضرورت تھی کہ اہل حق علماء اٹھیں اور شبہات کے دبیز پردوں کو تار تار کریں دلائل کے ساتھ حقائق کو منظر عام پر لائیں خاص طور پر علم کلام کی وساطت سے رونما ہونے والے فتنوں کا قلع قمع کریں اور باطل پرستوں کے شبہات کو کافور کریں اور سلف صالحین پر ہونے والے اعتراضات کی مدافعت کریں جیسا کہ درج ذیل آیت میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ۔ (الانعام ۶۸)	اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہیں۔ تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں۔

تحریف کا نتیجہ آخر کہیں فسق کہیں معصیت اور کبھی خطا ہوتا ہے اس سے بچاؤ کا واحد راستہ یہ ہے کہ پیغمبروں پر جو کچھ من جانب اللہ نازل ہوا ہے۔ اس کے مطابق عمل کیا جائے بلکہ صرف آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی جائے اس لئے کہ آپ پر نازل کردہ کتاب پہلی منزل من اللہ کتابوں کی محافظت کرتی ہے۔ اور ان میں تحریف کی نشاندہی کرتی ہے۔ نیز آپ پر نازل کردہ کتاب کے احکام پر عمل کرنے کا حکم تمام جن و انس کے لئے تا قیامت باقی ہے

نیز اس کی وجہ سے بندوں کے لئے کوئی عذر باقی نہیں اس میں ہر مسئلہ کی وضاحت ہے اور آپ کی وساطت سے امت محمدیہ کے لئے دین کے خیر اور شر کے پہلوؤں کو مکمل بیان کر دیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور آپ کی نافرمانی کو اللہ کی نافرمانی قرار دیا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھا کر اعلان کیا کہ یہ لوگ جب تک اپنے اختلافی امور میں آپ کو حکم نہیں مانتے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے۔ نیز بتایا کہ منافقین چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے غیر کو اپنا حکم بنائیں اور ان کا انداز یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ جبکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ احسان اور توفیق کا ارادہ رکھتے ہیں جیسا کہ اکثر متکلمین و فلاسفہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم اشیاء کے حقائق کا ادراک اور اس کی معرفت چاہتے ہیں اور ہم عقلیات (جو کہ درحقیقت مرکب جہل ہیں) اور ان دلائل نقلیہ کے درمیان توافق پیدا کرنا چاہتے ہیں جو آپ سے منقول ہیں یا ہم تصوف کی اصطلاحات اور شریعت کے اصولوں کے درمیان مطابقت پیدا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہماری مساعی نہایت عمدہ ہیں حالانکہ ان کی تمام باتیں باطل اور جہالت پر مبنی ہیں۔ اقتدار پر فائض لوگ بھی جب کہ وہ سیاسی بصیرت سے بالکل کورے ہیں وہ بھی اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ سیاسیات کے بارے میں ہماری سوچ صحیح ہے اور اسلامی شریعت سے متصادم نہیں حالانکہ ان کی سوچ کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جو شخص امور دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں کرتا اور نہ صرف آپ کی مخالفت کرتا ہے بلکہ اس کو مستحسن گردانتا ہے تو وہ دراصل آپ کی تعلیمات سے واقف نہیں ہے نہ صرف مسائل کلامیہ اور اعتقادات میں اسے کچھ درک حاصل نہیں بلکہ امور تعبدیہ اور سیاسیہ میں بھی وہ بالکل نابلد ہے۔ اس کی کوتاہ علمی کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اپنے غلط ظن سے شریعت محمدیہ میں نہ صرف ایسے امور داخل کر رہا ہے جو فی الحقیقت داخل نہیں بلکہ وہ ان حتمی چیزوں کو دین اسلام سے نکال رہا ہے جن کے داخل ہونے میں کسی کو کچھ انکار نہیں اور کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین ہم تک پہنچایا ہے وہ دین سچا اور کامل ہے اس میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ لیکن صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے معاندانہ طرز عمل اور ان کے منافقانہ رویہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ منافقت کا بازار گرم ہو گیا افراط و تفریط کے رجحانات نے شریعت اسلامیہ کے روشن چہرے کو بدنما بنا دیا گمراہی اور جہالت کے سیل رواں نے علوم اسلامیہ کے شجرۂ طیبہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔

تابعین ائمہ کرام کی مساعی ان کے علی الرغم صحابہ کرام تابعین عظام آئمہ دین نے رسول اللہ

کی لائی ہوئی شریعت کو سمجھا اس پر اپنی توجہات کو مرکوز کیا، فکر و نظر کے دریچوں کو وا کیا اور اپنی مساعی کو اس کی اشاعت کے لیے وقف کیا اور برملا اعلان کیا کہ اسلامی شریعت واجب العمل ہے۔ اس کے ظاہری باطنی امور کو زیر بحث لایا جائے اور عقائد ہوں یا اعمال سبھی کو سمجھنا چاہیے اور اگر کچھ لوگ بعض امور کی معرفت سے عاجز ہوں تو ہم انھیں معذور سمجھیں گے۔ لیکن اگر ان سے اعلم لوگ انھیں حقائق سے روشناس کرا دیں تو وہ بخوشی اسے قبول کریں اور اس عقیدہ کو پختہ کریں کہ تمام شریعت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بعض کو قابلِ عمل سمجھنا اور بعض کو قابلِ عمل نہ سمجھنا استہزاء کے مترادف ہے۔ اسی طرح کسی خارجی رائے کو داخل کرنا یا اعتقاداً، عملاً غیر اللہ کی اتباع کرنا اسلام کی روح کے منافی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ : ۴۲)

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔

علمِ کلام کی مذمّت میں امام ابو یوسفؒ کا قول!

امام ابو یوسفؒ نے بِشر مریسی[1] سے کہا علمِ کلام جہالت کا کرشمہ ہے۔ اور علم کلام سے ناواقف ہونا عین علم ہے۔ اور جو شخص اس علم کی باریکیوں سے واقف ہوتا ہے وہ زندیق ہے۔ خیال رہے علمِ کلام سے ناواقف رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ ظاہر ہے کہ یہ علم بھی بہر حال منفعت بخش ہے۔ اس لیے کہ اس علم سے انسان کی عقل کا

---

[1] بشر بن غیاث مریسی۔ کنیت ابو عبدالرحمٰن۔ مشہور معتزلی تھا اسے زندیق کہا جاتا ہے، وہ اپنے گروہ کا لیڈر تھا۔ علم فقہ کا حصول ابو یوسف سے کیا۔ "لسان المیزان" میں ہے کہ بشر مریسی بدعتی گمراہ کن انسان ہے اس سے روایت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی تکریم کی جائے۔

تحفظ ہوتا ہے اور اسے جلا حاصل ہوتی ہے۔ نیز کہتے ہیں جس نے علمِ کلام پڑھا وہ زندیق بن گیا۔ اور جس نے مال کے حصول کے لیے کیمیا گری کا پیشہ اختیار کیا تو وہ مفلس بن گیا۔ اور جس شخص نے غریب حدیثوں کو تلاش کیا وہ کاذب ٹھہرا۔

امام شافعیؒ کا قول اہل کلام کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ انھیں جوتے مارے جائیں اور ان پر ڈنڈے برسائے جائیں انھیں بازاروں میں گھمایا جائے اور کہا جائے یہ اس شخص کو سزا دی جا رہی ہے جس نے کتاب و سنت کو چھوڑا اور علمِ کلام کی جانب متوجہ ہوا۔ نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

کل العلوم سوی القرآن مشغلۃ الا الحدیث و الا الفقہ فی الدین

العلم ما کان فیہ قال حدثنا وما سوی ذاک وسواس الشیٰطین

قرآن حدیث اور فقہ السنۃ کے علاوہ تمام علوم کھیل ہیں۔ علم تو وہ ہے جس میں حدّثنا ہے اس کے علاوہ جو ہے شیطانوں کے توہمات کا مجموعہ ہے۔

علماء کا فتویٰ فتاویٰ ظہیریہ میں علماء کا فتویٰ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے شہر کے علماء کے بارے میں وصیت کرے تو اس میں متکلمین داخل نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی انسان وصیّت کرتا ہے کہ اس کی وہ کتابیں وقف ہیں جن میں علم موجود ہے۔ تو علماء کا فتویٰ یہ ہے ۔ اُن کتابوں میں سے جو کتابیں علم کلام پر مشتمل ہیں وہ وقف نہیں ہوں گی۔ ان کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔

علماء کے ان فتووں سے معلوم ہوا کہ علم کلام دینی علم نہیں ہے۔ پس اصولِ دین معلوم کرنے اور اس کی طرف رسائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان علوم کی اتباع کی جائے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیش فرمایا ہے، ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ایھا المغتدی لیطلب علما کل علم عبد لعلم الرسول

تطلب الفرع کی تصحح اصلاً کیف اغفلت علم اصل الاصول

اے وہ شخص جو علم کی تلاش میں علی الصباح نکلنے والا ہے (تجھے معلوم ہونا چاہیے) تمام علوم رسولؐ اللہ کے دیے ہوئے علم کے ماتحت ہیں۔ تیرا حال یہ

ہے کہ تو اصل علم کی تصحیح کے لئے فرعی علم کو طلب کرتا ہے۔ کیسے اصل سے تو غافل ہے؟

رسول اکرم ؐ جامع علوم دیئے گئے تھے

:۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام علوم دے کر بھیجا گیا تھا۔ یعنی جس طرح پہلے انبیاء کے علوم سے آپ کو بہرہ وافر عطا کیا گیا اسی طرح حشر نشر اور معاد کی کیفیات سے بھی آپ کو مطلع کیا گیا۔ آپ کے بعد جب بدعات رونما ہوئیں تو اس دور کے علماء جب بدعات کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے تو ان کا دائرہ محدود نہ رہا۔ اسی لئے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ متقدین علماء کا علم قلیل تھا لیکن اس میں برکت زیادہ تھی اور متاخرین علمی بحثوں میں اُلجھ گئے اور ان کا دائرہ وسیع ہوگیا تو بظاہر اگرچہ ان کا علم کثیر نظر آرہا ہے لیکن اس میں برکت کم ہے۔ متکلمین جنہوں نے اسلام کے خلاف محاذ آرائی کرنے والوں سے بظاہر مقابلہ کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور ہمارا انداز استدلال نہایت پختہ اور دور رس ہے ان کا یہ نظریہ صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں اور اپنی جہالت سے سمجھتے ہیں کہ ہمارے مقابلہ میں دیگر علماء کی خدمات کچھ وقیع نہیں ہیں ان کے مطابق ہی بعض متاخرین علماء نے جو کسی مکتب فکر کی جانب اپنی نسبت رکھتے ہیں وہ بھی فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہم نے مسائل کا استنباط کیا ہے اور اس کے لئے قواعد منضبط کئے ہیں۔ لیکن دیگر علماء فقہی استنباطات سے گریز کرتے رہے۔ لہٰذا وہ علم سے محروم رہ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام لوگ سلف صالحین کے علمی مقام سے ناواقف ہیں۔ ان میں تکلف نہ تھا جب کہ وہ علم کی گہرائیوں میں منفرد حیثیت کے حامل تھے ان کی بصیرت میں جِلا تھی لیکن متاخرین ان سے کہیں کم درجہ پر فائز تھے ان میں تکلف تھا نیز وہ فروع سے اشتغال رکھتے تھے جب کہ سلف صالحین اصول کا خیال رکھتے ہیں ان کی روشنی میں قواعد کا انضباط کرتے ہیں اور ان کے انضباط میں کسی قسم کی لچک گوارا نہیں کرتے ہیں وہ ہر میدان میں بلند مقاصد کے حصول کے لئے ہمہ تن تیار رہتے ہیں پس متاخرین اس مقام تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے ہیں جہاں سلف صالحین کو رسائی حاصل ہے بہرحال دونوں میں تفاوت واضح ہے تاہم ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے

عقیدۂ طحاویہ کی شروح

متعدد علماء نے عقیدہ طحاویہ کی شروح لکھی ہیں جیں

نے ان کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ بعض شارحین کا میلان علم کلام کے حق میں ہے۔ وہ متکلمین سے خوشہ چینی کرتے ہیں بلکہ انہوں نے ان کی عبارتوں کو بھی درج کر لیا ہے۔ سلف صالح نے متکلمین کی وضع کردہ اصطلاحات جوہر، جسم، عرض وغیرہ کے استعمال کو مکروہ نہیں گردانا جب کہ ان سے صحیح معانی مراد لئے جائیں۔ جیسا کہ دیگر علوم صحیحہ کی اصطلاحات ہیں اسی طرح اگر انہوں نے اہل حق کی راہ نمائی کی ہے اور اہل باطل سے مخاصمہ کیا ہے تو وہ بھی درست ہے لیکن جب ان کی اصطلاحات ایسے معانی پر مشتمل ہوں جو حق سے متصادم ہوں بلکہ کتاب و سنت کے مخالف ہوں تو اس کو انہوں نے بنظر کراہت دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متکلمین علم و یقین کے اس درجہ پر فائز نہیں ہیں۔ جس پر عوام فائز ہیں۔

تو اہل سنت کے علماء جس مقام پہ فائز ہیں وہاں تک ان کی رسائی ہرگز ممکن نہیں۔ چونکہ متکلمین کے مقدمات حق و باطل پر مشتمل ہیں اس لئے ان میں جنگ و جدال کثرت سے ہے۔ اور بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہتا ہے۔ اس سے ایسے خیالات جنم پاتے ہیں جو صحیح نقل اور صریح عقل کے خلاف ہوتے ہیں مزید وضاحت کتاب میں آئے گی۔

میں نے اس بات کو پسند کیا کہ عقیدہ طحاویہ کی شرح سلف صالح کے طریق پر چلتے ہوئے کی جائے ان کی عبارات نقل کی جائیں ان کا اسلوب اختیار کیا جائے ان سے استفادہ کیا جائے تاکہ شاید میں بھی ان کے زمرہ میں شمار ہوسکوں اور ان کی معیت میں اٹھایا جاؤں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (نساء ۶۹)	اور جو لوگ خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر خدا نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء کرام اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔

جب میں نے محسوس کیا کہ قارئین اختصار کے طالب ہیں تو میں نے اختصار کو ترجیح دی

ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

(ھود ۸۸)

قولہ (ط:) نقول فی توحید اللہ معتقدین بتوفیق اللہ ان اللہ واحد لا شریک لہ توفیق ایزدی کے ساتھ توحید باری سے متعلق ہم اس اعتقاد کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ذاتِ خداوندی ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

ش: سمجھ لیجئے کہ پیغمبروں کی اولین دعوت توحید ہے اور اس راہ کی پہلی منزل اور پہلا مقام بھی یہی ہے جس پر سالک چل کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لقد ارسلنا نوحًا الی قومہ	ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا
فقال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم	کر بھیجا اس نے اعلان کیا کہ اے میری قوم اللہ کی
من الٰہ غیرہ (الاعراف ۵۹)	عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

نیز حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔

اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ	اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی
(الاعراف ۶۵)	معبود نہیں۔

نیز حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔

اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ	اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی
(الاعراف ۷۳)	معبود نہیں۔

نیز حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ	اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی
(الاعراف ۸۵)	معبود نہیں۔

اللہ پاک نے جہاں دعوت توحید کے سلسلہ میں الگ الگ پیغمبروں کی دعوت کا ذکر کیا ہے وہاں اجتماعی طور پر بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا	اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ	خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش)
(النحل ۳۶)	سے اجتناب کرو)

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (الانبیاء ۲۵)

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید پر زور دیتے ہوئے فرمایا۔

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (بخاری۔ مسلم الحدیث)

مجھے تمام لوگوں سے لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اوّلاً کیا واجب ہے؟ مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ بات صحیح ہے کہ جب کوئی بچہ سن بلوغت کو پہنچتا ہے تو اولاً جو چیز اس پر واجب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے ایک معبود ہونے کی گواہی دے اور شکوک وشبہات سے دور رہے۔ اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ دلائل پر نظر رکھے جیسا کہ متکلمین کا نظریہ ہے اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مکلف پر لازم ہے کہ وہ ایک اللہ کے معبود ہونے کا اقرار کرے اور اس بات کی بھی گواہی دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اگر کوئی بچہ بلوغت سے پہلے ان دونوں بنیادی باتوں کا اقرار کر لیتا ہے تو بلوغت کے بعد اس کی تجدید کی ضرورت نہیں ہاں بلوغت کے بعد اسے طہارت اور نماز کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا۔ اور بعض ائمہ کا مسلک ہے کہ جب وہ سن تمیز کو پہنچ جائے تو اسے ان چیزوں کا حکم دیا جائے۔ چونکہ نماز اور دیگر ارکانِ اسلام جب اسلام ہی کے خاص احکام ہیں اس لئے اگر کوئی بچہ بلوغت کے بعد ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے اور شہادتین کا اقرار نہیں کرتا تو اس کو مسلمان سمجھا جائے گا اس لئے کہ جب تک کسی آدمی کا دل ودماغ توحید سے سرشار نہیں ہوتا اس وقت تک وہ ان خاص احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ توحید کا وجوب نماز کے وجوب سے بہر حال پہلے ہے اگرچہ اس صورت میں اس نے نماز کو توحید کے اقرار سے پہلے ادا کر دیا لیکن نماز کی ادائیگی میں ضمناً توحید کا اقرار موجود ہے۔

اسلام میں داخل ہونے کے لئے توحید کا اقرار ضروری ہے اور جب کوئی بندہ اس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ اس وقت بھی توحید کا اقرار ضروری ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے۔

مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔	جس شخص نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا وہ جنتی ہے۔

(مستدرک حاکم حدیث حسن یا صحیح ہے)

معلوم ہوا جس طرح سن بلوغت کو پہنچتے ہی توحید کا اقرار ضروری ہے اسی طرح دنیا سے رخصت ہونے وقت بھی توحید کا اقرار ضروری ہے۔

توحید کی اقسام توحید کی تین قسمیں ہیں توحید فی الصفات، توحید فی الربوبیت توحید فی الالوہیت

توحید فی الصفات: جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا کوئی مثیل ہے اس طرح وہ اپنے صفات میں بھی تنہا ہے بے مثال ہے ان میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں مثلاً اللہ کی صفت ہے کہ وہ سنتا ہے اور انسان بھی سنتا ہے لیکن اللہ کا سننا انسان کے سننے کے مثل نہیں۔

صفات کا انکار اہل سنت اللہ کی صفات کے قائل ہیں لیکن جہم بن صفوان اور اس کے ہم عقیدہ لوگوں نے سرے سے ہی خدا کی صفات کا انکار کر دیا اور کہا کہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کی جائے صفات کے اثبات کی صورت میں توحید ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور متعدد خداؤں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جہم کا یہ قول باطل ہے اس لئے کہ کسی ذات کا صفات سے خالی ہونا اس کا خارج میں پایا جانا ممکن نہیں۔ ذہن میں اگرچہ ممکن ہے لیکن ذہن کا کیا ہے وہ تو محال چیزوں کو بھی فرض کر لیتا ہے پھر اس صورت میں جب کہ اللہ کی ذات کو صفات سے بالکل عاری کر دیا جائے تو اس سے اللہ کا معطل ہونا یعنی بے کار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جہم بن صفوان کے نظریات جہم بن صفوان کے ہاں جب اللہ کی ذات صرف وجود کا نام ہے صفات اس میں نہیں ہیں تو پھر وہ وجود مطلق کو خدا کہتا ہے یعنی وہ تمام کائنات میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور خدا اور کائنات میں اتحاد ہے دوئی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ

نظریہ تو عیسائیوں کے نظریہ سے بھی زیادہ برا ہے۔ انہوں نے صرف مسیح علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اس میں خدا نے حلول کیا یا وہ خدا کا بیٹا ہے۔ اس نے تمام مخلوقات کو خدا کہہ دیا پس اس نظریہ کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ جو لوگ بتوں کی پرستش کر رہے ہیں وہ خدا کی پرستش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بت بھی خدا ہیں۔ اور وہ خدا ہی کی عبادت کر رہے ہیں۔ اور جب وجود مطلق کا نام خدا ہے تو پھر ماں بہن اور اجنبی عورت میں کچھ فرق نہیں اور نہ حرمت و حلت کے مسائل کی کچھ حیثیت ہے؟ نہ زنا، نکاح میں کچھ فرق ہے اور نہ پانی شراب میں کچھ فرق ہے سب کا وجود ایک ہے۔ گویا کہ خواہ مخواہ انبیاء علیہم السلام نے اس قسم کی حد بندیوں میں لوگوں کو جکڑ دیا ہے۔ جہم بن صفوان اس نظریہ کا قائل ہے کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔ تصدیق اقرار وغیرہ ضروری نہیں ہے اس لحاظ سے اس کے نزدیک فرعون اور اس کی تمام قوم مومن ہے اس لئے کہ ان میں بھی معرفت موجود تھی اگرچہ انہوں نے زبان سے اقرار نہیں کیا تھا۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔

توحید فی الربوبیت سے مقصود یہ ہے کہ اقرار کیا جائے کہ اللہ پاک ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات کے صانع دو نہیں ہیں جو صفات اور افعال میں متماثل ہیں بلکہ صانع صرف ایک ہے اس توحید میں کسی کو کچھ شک نہیں یہاں تک کہ فلاسفہ، متکلمین اور صوفیاء بھی اس توحید کے قائل ہیں اور فطرتاً سب لوگوں کے دلوں میں یہ اقرار موجود رہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا قول اللہ پاک نے ذکر فرمایا کہ۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابراھیم ۱۰)	بھلا اللہ میں کچھ شک ہے! جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

فرعون اور اس کی قوم اگرچہ فرعون نے تجاہل عارفانہ کے طور پر صانع کے انکار کا مظاہرہ کیا لیکن درحقیقت بباطن وہ اس کا اقرار کرتا تھا۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَائِرَ	تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا اس کو کسی نے نازل نہیں کیا

(الاسراء ۱۰۲) (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل ۱۴) اور بے انصافی اور غرور سے انہوں نے انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے

اور یہی وجہ ہے کہ جب فرعون نے تجاہل عارفانہ کے طور پر رب العالمین کا انکار کرتے ہوئے کہا (وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ہ) یعنی رب العالمین کیا ہے ؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے ذیل کے کلمات کہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ہ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗ أَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ہ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ہ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ہ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ہ (الشعراء ۲۴ — ۲۸)

کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو فرعون نے اپنے اہالی موالی سے کہا کہ کیا تم سنتے نہیں ؟ (موسیٰؑ نے) فرمایا کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مالک۔ (فرعون نے) کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے باؤلا ہے۔ (موسیٰؑ نے) کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔

اعتراض اور اس کا جواب

ایک گروہ کا خیال ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کی ماہیت کے بارے میں سوال کیا اور چونکہ اللہ کی ماہیت نہیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام کچھ جواب نہ دے سکے اور عاجز آ گئے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ دراصل فرعون نے اللہ کا انکار کرتے ہوئے استفسار کیا جب کہ دیگر آیات سے بھی یہی معنیٰ مترشح ہوتا ہے۔ کہ فرعون اللہ کا منکر تھا۔ اور اس کی ذات کی نفی کرتا تھا تو جب وہ اللہ کو مانتا ہی نہیں ہے تو اللہ کی ماہیت کے بارے میں سوال کرنے کا کیا معنیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو واضح کرنا پڑا کہ تم اللہ کی ذات کو مانتے نہیں ہو حالانکہ اللہ کی ذات تو معروف و مشہور ہے۔ اس کی ربوبیت اور خالقیت کے دلائل اور آثار اس قدر واضح ہیں (جو اس کی ذات پر دلالت

کرتے ہیں) کہ اب اس کی ذات کے سوال کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ اللہ سبحانہٗ کی معرفت سے کوئی بھی پردہ خفا میں نہیں ہے اور یہ کہنا درست ہے کہ فطرتی طور پہ اللہ کی معرفت سے تمام لوگ آشنا ہیں اور کوئی چیز اتنی معروف نہیں جس قدر ذات خداوندی معروف ہے۔ اور کوئی فرقہ اس بات کا قائل نہیں کہ اس جہان کے دو صانع ہیں۔ اور وہ دونوں صفات اور افعال میں مماثل ہیں۔

ثنویہ اور مانویہ کا نظریہ یہ دونوں فرقے اس کائنات کے دو خالق قرار دیتے ہیں ایک خیر کا خالق ہے اور دوسرا شر کا خالق ہے۔ یا ایک نور کا خالق ہے دوسرا اندھیرے کا خالق ہے۔ اور ان دونوں سے عالم کی ہر چیز کا صدور ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی ان دونوں کو مساوی نہیں سمجھتے بلکہ خیر کے خالق کو اندھیرے کے خالق سے بہتر سمجھتے ہیں اس کی تعریف کرتے ہیں اور اندھیرے کے خالق کو بُرا جانتے ہیں۔ اور اس کو مذموم جانتے ہیں اور پھر وہ اندھیرے کے بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں بعض اندھیرے کو قدیم اور بعض اس کو حادث کہتے ہیں خلاصہ یہ کہ دونوں خالق مساوی اور مماثل نہیں ہیں۔

عیسائیوں کا نظریہ عیسائی اگرچہ تثلیث کے قائل ہیں اس کے باوجود وہ اس عالم کے تین خالق نہیں مانتے وہ بالاتفاق اس بات کے قائل ہیں کہ اسی عالم کا صانع ایک ذات ہے اور وہ باپ بیٹا روح القدس کے قائل ہیں کہ اس عالم کا صانع ایک ذات ہے اور وہ باپ بیٹا روح ایک خدا سمجھتے ہیں البتہ تثلیث کے بارے میں ان کی آرا مختلف ہیں اور ان کی یہ رائے کہ اللہ پاک عیسیٰؑ میں حلول کر چکا ہے نہایت فاسد ہے اس مسئلہ میں تمام عیسائی دنیا سخت پریشان ہے اور اسکی صحیح تعبیر کرنے کی اپنے میں اہلیت نہیں پاتے اور کسی ایک بات پر دو عیسائی بھی متفق نہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں اللہ بالذات ایک ہے اس کی تین اقانیم ہیں اور اقانیم کی تشریح کبھی خواص کبھی صفات کبھی اشخاص کے الفاظ سے کرتے ہیں اور ہر باشعور انسان پورے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان کی تمام باتیں ناقابلِ فہم ہیں معلوم ہوا اگرچہ یہ بھی دو خالق تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے ہاں وہ دونوں متماثل نہیں ہیں ان کے علاوہ بھی اس عالم میں کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جو دو متماثل خالقوں کا قائل ہو اس کے ساتھ ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفہ و متکلمین نے اس مدعا کے اثبات میں پورا زور صرف کیا لیکن عجز اور درماندگی نے ان کے دامن کو تھام لیا اور انہوں نے برملا اپنی ناکامی

کا اعتراف کیا اور اس کو خلاف عقل قرار دیا ناکامی کے بعد انہوں نے سمع کا سہارا لیا اور کہا کہ عالم کے دو صانع کا نظریہ عقل کے ضرور خلاف ہے البتہ ہم اسی طرح اس کو سنتے چلے آئے ہیں۔

دلیل تمانع اس عالم کا صانع صرف ایک ہے دو نہیں اس کو متکلمین اور ارباب نظر دلیل تمانع کے ساتھ ثابت کرتے ہیں وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر عالم کے دو صانع ہوتے اور اگر ان میں سے ایک کسی جسم کو حرکت کا حکم دیتا اور دوسرا اس کو سکون کا حکم دیتا یا ایک جسم کو زندگی عطا کرتا دوسرا اس پر موت وارد کرتا اس صورت میں یا تو دونوں کا حکم نافذ ہو جاتا یا ایک کا حکم نافذ ہوتا یا کسی کا حکم نافذ نہ ہوتا ظاہر ہے کہ دونوں کا حکم نافذ ہونا تو ممتنع ہے اس لئے کہ اس صورت میں اجتماع الضدین لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے اور تیسری صورت کہ کسی کا حکم نافذ نہ ہوتا یہ بھی ممتنع ہے اس لئے کہ اس صورت میں جسم کا حرکت اور سکون دونوں سے خالی ہونا لازم آتا ہے یہ ارتفاع النقیضین ہے یہ بھی باطل ہے نیز ہر ایک کا عاجز ہونا لازم آتا ہے اور جو عاجز ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا دوسری صورت کہ جب ایک کا حکم نافذ ہوتا ہے تو جس کا حکم نافذ ہوتا ہے وہی خدا ہے اور قدرت والا ہے دوسرا عاجز ہے اس میں خدا ہونے کی اہلیت موجود نہیں ہے۔ یہاں ہم نے اس دلیل کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے آگے چل کر ہم اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے

ایک وضاحت البتہ ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن پاک کی اس آیت :۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴿ (الانبیاء ۲۲) ﴾ اگر ان دونوں یعنی زمین اور آسمانوں میں اللہ کے علاوہ زیادہ معبود ہوتے تو وہ دونوں فساد زدہ ہو جاتے)

سے دلیل تمانع کا اثبات کیا ہے ان کا قول قرین قیاس نہیں اگرچہ وہ اپنے مقصود کے اثبات میں یہاں تک مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں کہ توحید فی الربوبیت تو توحید فی الالوہیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ وہ دونوں آپس میں مترادف ہیں اور یہی وہ توحید ہے جس کو قرآن پاک نے واضح کیا اور اسی کی طرف پیغمبروں نے دعوت دی۔ اس لئے کہ جس توحید کی طرف پیغمبروں نے دعوت دی اور جس کو واضح کیا گیا وہ توحید فی الالوہیت ہے توحید فی الربوبیت نہیں ہے ہاں توحید فی الربوبیت کو متضمن ضرور ہے۔ توحید فی الالوہیت کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کی جائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ مشرکین عرب اس کے قائل نہ تھے البتہ توحید فی الربوبیت

کے قائل تھے آسمانوں اور زمین کا خالق ایک اللہ کو قرار دیتے تھے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (لقمان ۲۵)	اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ (المومنون ۸۴-۸۵)	کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو (بتاؤ کہ) زمین اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) کس کا مال ہے جھٹ بول اٹھیں گے کہ خدا کا۔ کہو کہ پھر تم سوچتے کیوں نہیں۔

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جس طرح مشرکین مکہ اپنے بتوں کو عالم کی تخلیق میں خدا کا شریک نہیں سمجھتے تھے اسی طرح دیگر مشرک قومیں جو ہندوستان ترکی اور حبشہ وغیرہ میں آباد ہیں وہ بھی اللہ کے علاوہ جن خداؤں کی پرستش کرتے ہیں وہ ان کو عالم کا خالق صانع نہیں مانتے ہیں بعض مشرکین انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی تماثیل تیار کرتے۔ اور انہیں اپنا سفارشی قرار دیتے اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں ان کو وسیلہ قرار دیتے، چنانچہ قوم نوح کی حکایت بیان کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ (نوح ۲۳)	اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔

صحیح بخاری اور کتب تفسیر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات کے بیان میں اس روایت کی تشریح میں عبداللہ بن عباس کا قول مذکور ہے کہ قوم نوح میں ان لوگوں کی نیکی اور پاکبازی مشہور تھی تو جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر آنا جانا شروع کیا کچھ عرصہ بعد ان کی تصویریں بنائی گئیں مزید کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کی عبادت شروع کر دی گئی رفتہ رفتہ ان بتوں کو قبائل عرب میں پہنچایا گیا اس طرح وہاں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت پرستی کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا صحیح مسلم میں ابوالھیاج اسدی سے روایت ہے کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا۔

الا ابعثك على ما بعثني	کیا میں آپ کو ایسے کام پر روانہ نہ کروں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ان لا ادع قبرا مشرفا الا سویتہ ولا تمثالا الا سویتہ طمستہ

جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا (بھیجتے وقت) آپ نے مجھے حکم دیا میں ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دوں اور ہر مورتی بت وغیرہ کو توڑ دوں

صحیحین میں ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال فی مرض موتہ لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد یحذر ما فعلوا قالت عائشۃ رضی اللہ عنہا ولولا ذالک لابرز قبرہ ولکن کرہ ان یتخذ مسجدا (تحذیر الساجد[1] واحکام الجنائز صفحہ ۲۱۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا اللہ کی یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنایا آپ امت کو ان کے اس برے کام سے ڈرا رہے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کو کھلے میدان میں بنایا جاتا لیکن آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ کہیں آپ کی قبر کو مسجد نہ بنا لیا جائے۔

صحیحین میں ہے۔

انہ ذکر فی مرض موتہ کنیسۃ بارض الحبشۃ وذکر من حسنھا وتصاویر فیھا فقال ان اولئک اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک التصاویر اولئک شرار الخلق عند اللہ یوم القیامۃ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حبشہ میں واقع ایک گرجے کا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کی وفات ہو جاتی تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں اس قسم کی مورتیوں کو سجا لیتے تھے یہ لوگ قیامت کے روز اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔

---

[1] تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد تالیف علامہ البانی حفظہ اللہ کا اردو ترجمہ راقم کے قلم سے تکمیل پذیر ہو چکا ہے اور اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں والحمد للہ علیٰ ذالک۔ مترجم

صحیح مسلم میں ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قبل ان یموت بخمس ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاءھم و صالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انھاکم عن ذالک۔ (صحیح ابوعوانہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ روز قبل فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے خبردار تم نے قبروں کو مسجد نہ بنانا ہوگا۔ پس میں تم کو اس سے شدت کے ساتھ منع کرتا ہوں۔

پس جس طرح نیک انسانوں کی تعظیم میں غلو اختیار کرنے سے مشرک جہنم پاتا ہے اسی طرح ستاروں کی پرستش اور ان کے ناموں پر تعمیر شدہ مندروں کی تعظیم میں غلو سے بھی شرک کے سوتے پھوٹتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں جو شرک موجود تھا وہ اسی قسم کا تھا۔ اسی طرح بعض لوگوں میں فرشتوں اور جنوں کے ساتھ اندھی عقیدت پائی جاتی ہے جس سے شرک پھیلتا ہے۔ لیکن یہ تمام مشرک اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ عالم کا صانع صرف ایک خدا ہے دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔ البتہ جن کی ہم پوجا کرتے ہیں وہ ہمارے سفارشی ہیں۔ اللہ پاک نے ان کے اس نظریہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر ۳)

اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنالئے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم انکو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں

نیز فرمایا

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ

اور یہ (لوگ) خدا کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا کر سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس ہماری سفارش کرنیوالے ہیں کہہ دو کیا تم خدا کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اُسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور

(یونس ۱۸) نہ زمین میں وہ پاک ہے اور (اس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے

گذشتہ اقوام جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی ان کی حکایتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں کہ وہ شرک بھی کرتے تھے لیکن اللہ کا بھی اقرار کرتے تھے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کے واقعہ میں ان نو آدمیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ ہم حضرت صالح علیہ السلام اور اس کے اہل کو رات کی تاریکی میں قتل کر دیں گے معلوم ہوا کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے اسی لئے تو انہوں نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی ہے۔

توحید فی الالوہیت کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اسی سے استعانت کی جائے اسی کو ملجا و ماوی سمجھا جائے چنانچہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی توحید کو پھیلایا۔ اور یہی اللہ کا مقصود تھا ورنہ توحید فی الربوبیت پہلے ہی موجود تھی اور توحید فی الالوہیت بھی توحید فی الربوبیت کو شامل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (الروم ۳۰)

تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نیز فرمایا۔

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ

مومنو اسی (خدا) کی طرف رجوع کئے رہو اور اسی سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا۔ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور (خود) فرقے فرقے ہو گئے۔ سب فرقے اسی پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے اور جب

بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ أَمْ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝

(الروم ۳۲-۳۶)

لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر جب وہ ان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے۔ تو ایک فرقہ ان میں سے اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتا ہے تاکہ جو ہم نے ان کو بخشا ہے اس کی ناشکری کرتا ہے سو (چند) فائدے اٹھا لو عنقریب تم کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ ان کو خدا کے ساتھ شریک کرنا سکھاتی ہے اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور جب ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ مایوس ہوتے ہیں)

نیز فرمایا۔

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

(ابراھیم ۱۰)

کیا (تم کو) خدا (کے بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه (بخاری، مسلم، ارواء الغليل ۱۲۸۰)

ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی مجوسی بنا لیتے ہیں۔

ایک روایت میں علی الفطرۃ کی بجائے علی الملۃ اور دوسری روایت میں علی ہٰذہٖ الملۃ کے الفاظ مروی ہیں جس کا معنی دین اسلام ہے حدیث اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اگر دین اسلام دین فطرت نہ ہوتا تو جس طرح حدیث میں یہودیت عیسائیت مجوسیت کا ذکر ہے اس کا بھی ذکر ہوتا لہٰذا اس حدیث کا یہ مفہوم پیش

کرنا بالکل غلط ہے کہ بچہ بالکل سادہ ہوتا ہے کہ وہ توحید، شرک دونوں سے ناواقف ہوتا ہے ہمارے معنی کی تائید ایک دوسری قدسی حدیث سے بھی ہو رہی ہے حدیث ملاحظہ فرمائیں ۔

يَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ فَاجْتَالَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ (مسلم احمد)	اللہ پاک فرماتے ہیں میں نے بندوں کو دین اسلام پر پیدا فرمایا لیکن شیطانوں نے ان کو بہکایا ۔

اسلام کے دین فطرت ہونے کے عقلی دلائل

مذکورہ حدیث میں اسلام کو ہی دین فطرت کہا گیا ہے اب ہم اس کی تائید میں چند عقلی دلائل پیش کرتے ہیں ۔

۱۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہر انسان طبعی طور پر حساس اور متحرک بالارادۃ ہے اور اس کو زندگی میں مختلف قسم کے اعتقادات ۔ تصورات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے ان میں سے بعض کا حق ہونا اور بعض کا باطل ہونا عین قرین قیاس ہے ۔ انسان اپنی خداداد عقل سے بعض کو صحیح اور بعض کو غلط قرار دیتا ہے ۔ اسی طرح جب کسی انسان کو اختیار دیا جائے کہ وہ سچ بولے اور اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچائے یا وہ جھوٹ بولے اور اپنے بھائیوں کو نقصان پہنچائے تو انسان فطرتاً پہلی صورت اختیار کرے گا اور وہ سچ بولنے اور اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچانے کو ترجیح دے گا ۔ اس کے عین مطابق صانع کے وجود کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا حق ہے انکار کرنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا باطل ہے اور اس کے فاسد ہونے میں کچھ شک نہیں پس پہلی صورت کا تعین ضروری ہے اور انسانی فطرت میں یہ استحقاق موجود ہے جس سے صانع کی معرفت حاصل ہو ۔ اور اس پر ایمان لانے کا داعیہ تیز ہو اسی طرح ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے بھائی سے محبت کرتا ہے اور اسے فائدہ دیتا ہے ۔ اس سے دشمنی کرنا اور اسے نقصان دینا فطرت کے خلاف ہے ۔

۲۔ ہر انسان کے احساسات اس بات کے متقاضی ہیں کہ وہ اپنے لئے فائدہ والی چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور انہیں حاصل کرتا ہے اور مضر چیزوں سے بچاؤ اختیار کرتا ہے اور ان سے دور رہتا ہے ۔ لیکن بعض اوقات فطرت انسانی مفید

اور مضر چیزوں میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اسے مزید کسی راہ نمائی کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اسے علم حاصل کرنا پڑتا ہے جس کی روشنی میں وہ مفید چیزوں کو حاصل کر لیتا ہے، اور مضر چیزوں سے اجتناب کرتا ہے۔

۳۔ جس طرح اس بات کا علم ہر شخص کو ہے (کہ ہر انسان علم کو قبول کرنے اور حق بات کی طرف مائل ہونے کی قوت اپنے اندر رکھتا ہے اگر انسان میں یہ قوت نہ ہوتی تو فقط کسی معلم کے تعلیم اور ترغیب دینے سے کبھی علم حاصل نہ ہوتا) اسی طرح کائنات کے صانع کا اقرار بلا کسی خارجی سبب کے ہر شخص کو ہے ہر شخص کے نفس میں اس کی شہادت موجود ہے اور بظاہر اس کا کوئی معارض نہیں ہے اس لحاظ سے ہر انسان کی فطرت سلیمہ نہ صرف صانع کا اقرار کرتی ہے بلکہ اس کی عبادت کے لئے اپنے آپ کو آمادہ پاتی ہے۔

۴۔ جب فطرت سلیمہ اصلاح کی متقاضی ہے اور خارجی طور پر نہ کوئی مصلح موجود ہے نہ کوئی مفسد موجود ہے یعنی جب موانعات منتفی ہیں اور علم کے متقاضی موجود ہیں تو اس کو تفوق حاصل ہوگا۔ اور عالم کے صانع کا اقرار کرنا ضروری ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ سے مروی ایک حکایت

متکلمین کے ایک گروہ نے امام ابو حنیفہؒ سے توحید فی الربوبیت کے اثبات پر دلیل کا مطالبہ کیا۔ امام صاحب نے فرمایا اس سے قبل کہ ہم اس مسئلہ کو زیر بحث لائیں آپ مجھے بتائیں کہ دریائے دجلہ میں ایک کشتی دیکھی گئی جو بغیر ملاح کے چل رہی ہے۔ اپنے آپ اس پر سامان پہنچ گیا از خود ہی وہ لنگر انداز ہوئی اور اپنے آپ ہی اس سے سامان اتر گیا۔ اور بلا کسی معاون کے کشتی واپس چلی گئی۔ یہ سب کچھ اپنے آپ ہو گیا اس پر سب بول اٹھے یہ تو محال ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا جواب میں امامؒ صاحب نے فرمایا اگر یہ ناممکن ہے کہ کشتی ملاح کے بغیر نہیں چل سکتی اور بلا کسی معاون کے اس پر سامان نہیں لادا جا سکتا تو یہ تمام عالم کیسے معرض وجود میں آسکتا ہے؟ یہ حکایت ان کے علاوہ دیگر ائمہ سے بھی منقول ہے۔

لیکن کیا توحید فی الربوبیت کا اقرار کافی ہے ہرگز نہیں جب تک اس اقرار کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت نہ کی جائے اور اس کے ماسوا سے برات کا اظہار نہ کیا جائے

انسان مومن نہیں ہو سکتا۔ توحید فی الربوبیت جس کو اکثر صوفیا منزل قرار دیتے ہیں اور اس کو ایسی غایت سمجھتے ہیں جس سے آگے کوئی مقام نہیں جس طرح اس کا ذکر صاحبِ "منازل السائرین" نے کیا ہے بالکل غلط خیال ہے۔ اگرچہ توحید فی الربوبیت کا مضمون کثرت کے ساتھ قرآن مجید میں بار بار دہرایا گیا ہے اور امثلہ دے کر اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے کہ عالم کا خالق صرف اللہ ہے تاہم یہ اقرار اس بات کو مستلزم ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی ہو گویا کہ توحید فی الربوبیت کو توحید فی الالوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جب کہ مشرکین مکہ توحید فی الربوبیت کے تو قائل تھے لیکن توحید فی الالوہیت کے قائل نہ تھے تو اللہ سبحانہٗ نے ان کے سامنے بیان کیا کہ جب تم یقین رکھتے ہو کہ عالم کا خالق اس کے سوا کوئی نہیں اور وہی ہے جو نفع نقصان پہنچاتا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں تو تم اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور کیوں اس کا شریک بناتے ہو ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۞ (النمل ۵۹)

کہہ دو کہ سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے اور اس کے بندوں پر سلام ہے جن کو اس نے منتخب کیا۔ بھلا خدا بہتر ہے یا وہ جن کو یہ (اس کا شریک بناتے ہیں بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (کس نے) تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا (ہم نے) پھر ہم نے اس سے سرسبز باغ اگائے۔ تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔

اس سورۃ میں متعدد آیات کے آخر میں ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کا جملہ دہرایا گیا ہے۔ یہ جملہ استفہام انکاری کی شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ کیا تم اس کا انکار نہیں کرتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا ہے؟ یعنی تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں جس سے یہ کام سرزد ہوتے ہوں تو پھر تم کیوں اللہ کے غیر کو معبود سمجھتے ہو۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے ساتھ دیگر خداؤں کو بھی مانتے تھے اللہ پاک انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ آلِهَةً أُخْرٰى ۚ قُلْ لَّا أَشْهَدُ (الانعام ۱۹)

کیا تم لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور بھی معبود ہیں (اے محمدؐ کہدو کہ میں (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔

قرآن پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ یہ تو کہا کرتے تھے کہ خدا ایک نہیں بلکہ کئی خدا ہیں جو عبادت کے لائق ہیں۔ البتہ جس نے زمین کو قرار عطا کیا اور اس میں نہریں چلا دیں پہاڑ بنائے وہ ایک ہے اس کے ساتھ اس کا کوئی شریک نہیں۔

ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص ۵)

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَا أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا (النمل ۶۱)

بھلا کس نے زمین کو قرار دہ بنایا اور اس کے بیچ نہریں بنائیں اور اس نے پہاڑ بنائے اور کس نے دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنائی (یہ سب کچھ خدا نے بنایا)

✣ ✣ ✣

نیز فرمایا۔

يٰأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ ۲۱)

اے لوگو تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو جو تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا خالق ہے تاکہ تم بچو۔

✣ ✣ ✣

نیز فرمایا۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِهٖ (الانعام ۴۶)

کہو کہ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تمہارے کانوں اور آنکھوں کو ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں یہ چیزیں عطا کرے؟

توحید فی الربوبیت جس کو فلاسفر اکثر صوفیا غایت قرار دیتے ہیں وہ توحید فی الالوہیت

میں داخل ہے جس کو لیکر انبیاء علیہم السلام آئے اور جس کا ذکر سماوی کتب میں ہے اس کے دلائل کثرت کے ساتھ قرآن پاک میں مذکور ہیں اسی طرح صانع کے اثبات کے دلائل، صداقت رسول کے دلائل بھی کثرت کے ساتھ مذکور ہیں اس لئے کہ جس قدر کسی علم کی اشاعت زیادہ اہم ہوتی ہے اسی قدر اس کے دلائل بھی نہایت ظاہر باہر ہوتے ہیں اللہ پاک اپنے بندوں پر رحیم و کریم ہے اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بنیادی عقائد کے دلائل کو بار بار اور واضح انداز میں پیش کرے۔

توحید فی الربوبیت کا اثبات امثال کے ساتھ

قرآن پاک میں توحید فی الربوبیت کو مختلف قسم کی امثلہ کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دانشوروں کو عقلی اور قیاسی پیمانوں کے ساتھ سمجھانا زیادہ مؤثر ہوتا ہے گویا کہ قرآن پاک احکام اور ان کے دلائل کی حقانیت کو مختلف اسالیب سے واضح کرتا ہے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔

خیال رہے کہ احکام کے اثبات میں بیان کردہ مقدمات اگر بدیہی اور فطرتی ہیں نیز ان پر اتفاق ہے تو ان سے استدلال کافی ہے لیکن اگر وہ نظری ہیں تو پھر ان پر دلائل فراہم کرنے کی ضرورت ہے وگرنہ قرآن پاک کا اندازِ بیان نہایت مختصر ہے اگر متعلقات فعل کے حذف سے مفہوم واضح ہو جائے تو ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کہیں غموض و خفا موجود ہے اور شک وارتیاب راہ پاتا ہے تو اس پر براہین پیش کی گئی ہیں اور امثال و قیاسات کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ زیر بحث مسئلہ تمام گروہوں کے ہاں مسلم ہے کوئی بھی اس عالم کے دو صانع نہیں مانتا البتہ ثنویہ دو خالق کا تصور رکھتے ہیں اور قدریہ کا نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اور فلاسفہ ملاحدہ افلاک یا اجسام طبیعہ کی حرکت کو خالق سمجھتے ہیں ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو امور معرض وجود میں آرہے ہیں وہ اللہ کے احداث کے ساتھ نہیں ہیں یہ لوگ شرک فی الربوبیت کے گناہ میں ملوث ہیں۔ اسی طرح عرب کے اکثر مشرکین بھی اپنے بتوں اور خداؤں کو چونکہ نفع رساں اور نقصان دہندہ سمجھتے تھے اور اس میں اللہ کے دخل کے قائل نہ تھے اس لئے توحید فی الربوبیت کو امثلہ اور دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تو جب شرک فی الربوبیت لوگوں میں موجود تھا تو قرآن پاک نے اس کو باطل قرار دینے

ہوئے فرمایا۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ	خدا نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور
مِنْ اِلٰہٍ اِذًا لَّذَھَبَ کُلُّ اِلٰہٍۭ بِمَا	نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ایسا ہوتا
خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ	تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر چل دیتا
(المومنون ۹۲)	اور ایک دوسرے پر غالب آجاتا۔

مذکورۃ الصدر آیت میں توحید فی الربوبیت کی دلیل پیش کی گئی ہے۔ اور مقدمات کو ترتیب دے کر اس سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ غور فرمائیں کس قدر مختصر الفاظ میں اولاً یہ مقدمہ پیش کیا گیا ہے کہ معبود حق کیلئے خالق اور فاعل کی صفت کے ساتھ موصوف ہونا ضروری ہے جو اپنے عبادت گزار بندوں کو فائدہ پہنچائے اور نقصانات سے محفوظ رکھے اگر معبود حق سبحانہ کے ساتھ اس کی بادشاہت میں کوئی دوسرا معبود شریک ہوتا تو اس کو بھی خلق اور فعل کا تصرف حاصل ہوتا اس لحاظ سے وہ شرکت کو کبھی پسند نہ کرتا بلکہ اگر اسے اپنے شریک پر غلبہ حاصل ہو جائے اور بادشاہت اور معبود ہونے میں اسے تفرد حاصل ہو جائے تو وہ ضرور یہ کام کرے اور اگر اس کو اس پر قدرت حاصل نہ ہو تو وہ اپنی مخلوق کے ساتھ الگ ہو جائے گا جب کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے اپنی مملکت کو الگ کر لیتا ہے جب وہ دوسرے بادشاہ پر تفوق حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو تین امور میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ اولاً ہر خدا اپنی مخلوق اور بادشاہت کو الگ کرلے ثانیاً ایک خدا دوسرے پر غالب آجائے۔ ثالثاً تمام لوگ صرف ایک بادشاہ کے ماتحت ہوں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے لوگوں میں سے کسی کو تصرف کا حق نہ ہو وہ اکیلا معبود ہو۔ اس کے ماسوا تمام اس کے غلام اور پیدا کردہ ہوں اور ہر لحاظ سے اس کے ماتحت ہوں۔ ان مقدمات کی روشنی میں غور کیجئے کہ اس عالم کا نظام کس قدر مضبوط اور مربوط ہے ہر چیز ایک بندھے نظام کے مطابق گردش کر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کا ایک مدبر ہے وہی بادشاہ ہے وہی اکیلا رب ہے۔ اس کے ماسوا مخلوق کا نہ کوئی رب ہے نہ معبود ہے جیسا کہ سابقہ اوراق میں دلیل تمانع سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ عالم کا خالق ایک ہے اس کے سوا نہ اس کا کوئی رب ہے نہ معبود ہے۔ پس جس طرح اس عالم کے دو متماثل خالق، رب نہیں ہو سکتے اسی طرح اس کے دو خدا دو معبود بھی نہیں ہو سکتے۔ یعنی عالم کا وجود دو صانع سے ممتنع ہے۔ فطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے۔ عقل صریح اس کو باطل قرار دیتی ہے۔ اس کے

ساتھ ساتھ دو خداؤں کا ہونا بھی باطل ہے اور پھر اس کی مزید تائید مذکورہ آیت سے بھی ہو رہی ہے۔ جس میں صراحتاً توحید فی الربوبیت کا ذکر ہے۔ لیکن اس کی التزامی دلالت توحید فی الالوہیت پر بھی ہے۔ اس آیت کے مترادف دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے۔

لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ	اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا معبود
لفسدتا (الانبیاء ۲۲)	ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے

اس آیت سے دلیل تمانع ثابت ہو رہی ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ لیکن ہم یہاں مزید غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "آلِھَۃٌ" موجود ہے۔ ارباب کا نہیں ہے نیز فساد کا رونما ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ ایک خدا کے علاوہ الٰھۃ موجود ہوں نیز یہ کہا ہے کہ اگر ایک خدا کے ماسوا خدا ہوں گے تو زمین و آسمان میں فساد رونما ہو جائے گا یہ نہیں کہا ہے کہ زمین و آسمان کا وجود نہ رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں و زمین میں متعدد خداؤں کا ہونا جائز نہیں صرف ایک خدا ہے اور وہ خدا اللہ کی ذات ہے اور متعدد خداؤں کے ہونے سے آسمان و زمین میں فساد رونما ہو جاتا اگر ایک خدا ہوتا اور وہ اللہ نہ ہوتا تو پھر بھی فساد رونما ہو جاتا۔ اگر دو معبود ہوتے تو تمام نظام درہم برہم ہو جاتا ظاہر ہے کہ عالم کا قیام تو عدل کے ساتھ ہے۔ اسی کے ساتھ آسمان و زمین قائم ہیں سب سے اونچا عدل توحید ہے اور سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔

اگرچہ اس آیت میں توحید فی الالوہیت کا ذکر ہے لیکن چونکہ توحید فی الالوہیت توحید فی الربوبیت کو مستلزم ہے اس لئے اس میں اِلتزاماً توحید فی الربوبیت بھی موجود ہے ہاں توحید فی الربوبیت توحید فی الالوہیت کو مستلزم نہیں اگرچہ اس کو توحید فی الالوہیت کی دلیل کہا جا سکتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو ذات خلق پر قادر نہیں وہ عاجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝	کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے جاتے
(الاعراف ۱۹۱)	ہیں۔

نیز فرمایا۔

نیز فرمایا

اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۔ (النحل ۱۷)

تو جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ ایسا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے

نیز فرمایا۔

قُلۡ لَّوۡ کَانَ مَعَہٗۤ اٰلِـہَۃٌ کَمَا یَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰی ذِی الۡعَرۡشِ سَبِیۡلًا ۔ (الاسراء ۴۲)

کہہ دو کہ اگر خدا کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ ضرور (خدائے) مالک عرش کی طرف لڑنے بھڑنے کے لئے رستہ نکالتے ۔

اِذًا لَّابۡتَغَوۡا کی تشریح

میں اختلاف اس میں متاخرین کے دو قول ہیں قول اول یہ ہے کہ اگر اللہ کی ذات کے ساتھ اور خدا ہوتے تو وہ اس کو مغلوب کرنے کی کوئی راہ نکالتے دوسرا قول صحیح ہے سلف صالحین قتادہ وغیرہ سے "ابن جریر" میں مذکور ہے کہ اگر اللہ کی ذات کے ساتھ اور خدا ہوتے تو وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی راہ نکالتے جیسا کہ اس آیت میں یہی معنیٰ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ۔ (الدھر ۲۹)

یہ تو نصیحت ہے جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا رستہ اختیار کرے

۞ ۞ ۞

یہ بات واضح ہے کہ اگر اللہ کی ذات کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں لیکن وہ اس کے تو قائل نہ تھے کہ عالم کے دو صانع ہیں بلکہ اللہ کی ذات کے ساتھ کچھ خداؤں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور کہتے تھے ۔

مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ (الزمر ۳)

ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں ۔

توحید کی عمومی قسمیں اول! توحید فی الاثبات والمعرفۃ ۔

ثانی: توحید فی الطلب والقصد۔

پہلی قسم:۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات کی حقیقت اس کے صفات افعال، اسمٰ کو ثابت کرنا اوران کا اقرار کرنا اور اللہ کی ذات کو صفات وغیرہ میں بے مثل سمجھنا جیسا کہ اللہ پاک نے خود اپنا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بے مثل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو واضح فرمایا ہے قرآن میں پہلی قسم کی وضاحت سورت حدید، طٰہ کے ابتداء میں سورت حشر کے آخر الم تنزیل السجدہ کے اول آل عمران کے شروع میں اور سورت اخلاص تو مکمل طور پر اس مضمون پر حاوی ہے۔

دوسری قسم:۔ توحید فی الطلب والقصد ہے سورت یاایھا الکافرون، قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم (آل عمران ۶۴) اور سورت تنزیل الکتاب کا شروع اور آخر سورت یونس کا اول اوسط آخر سورت اعراف کا اول آخر اور مکمل سورت انعام اس مضمون پر مشتمل ہے۔

قرآن پاک کی اکثر سورتوں میں مذکورہ بالا توحید کی دونوں قسموں کا ذکر ہے۔ بلکہ ہر سورت میں توحید کا ذکر ہے مختصر یہ ہے کہ قرآن پاک میں چار قسم کی توحید کا ذکر ہے اول توحید علمی خبری، ثانی توحید ارادی طلبی۔ ثالث حقوق التوحید، رابع جزاء التوحید والشرک اللہ کی ذات اس کے اسماء صفات کا ذکر کرنا توحید علمی خبری کہلاتا ہے اور ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا اور اس کے ماسوا کی عبادت سے روکنا توحید ارادی طلبی ہے۔ اللہ کی اطاعت کا حکم دینا اور اس کو لازم گرداننا حقوق التوحید کہلاتا ہے۔ اور اللہ پاک کا دنیا آخرت میں موحدین کی عزت کرنا جزاء التوحید کہلاتا ہے اور مشرکین کو دنیوی اخروی سزاؤں اور عذاب میں گرفتار رکھنا جزاء الشرک کہلاتا ہے۔

مکمل قرآن پاک توحید کے حقوق اس کی جزاء شرک کے بیان اور مشرکین کی سزا جزاء پر مشتمل نظر آتا ہے۔ غور کیجئے الحمد للہ رب العالمین توحید ہے الرحمن الرحیم توحید ہے مالک یوم الدین توحید ہے ایاک نعبد وایاک نستعین توحید ہے اھدنا الصراط المستقیم توحید ہے اس میں موحدین کے راہ پر چلنے کی ہدایت کا سوال موجود ہے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو توحید سے دور رہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کی تشریح اس آیت میں اللہ پاک خود توحید کی گواہی دیتے ہیں اس کے فرشتے اور انبیاء بھی گواہی دیتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو و الملائکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم	خدا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں کہ) اس غالب حکمت والے کے سوا
(آل عمران ۱۸۔۱۹)	کوئی لائق عبادت نہیں۔

گویا کہ اس آیت میں نہ صرف یہ کہ توحید کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے بلکہ تمام گمراہ فرقوں کا رد ہے اور اجل شاہد کی طرف سے عظیم شہادت جلیل القدر الفاظ میں پیش کی گئی ہے

شہد کے معنیٰ کی تحقیق:۔ سلف صالحین کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ شہد میں حکم، قضا، اعلام، بیان، اخبار سبھی معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ اور ان معانی میں منافات نہیں ہے اس لئے کہ شہادت میں شاہد کا کلام اس کا معلوم کرانا بیان کرنا سبھی داخل ہوتا ہے۔

مراتب شہادت چار ہیں۔ پہلا مرتبہ علم، معرفت، مشہود بہ کی صحت کا اعتقاد اور اس کا ثبوت دوسرا مرتبہ شہادت کی بات کرنا اس کا اپنے دل میں تذکرہ کرنا زبان سے کہنا یا قلم سے لکھنا اگرچہ اس نے کسی کو معلوم نہیں کرایا۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ جس چیز کی گواہی دیتا ہے اس کو آگے بیان کرے اور اس کے بارے میں دوسروں کو بتائے چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ وہ شہادت کے مضمون کو لازم گردانے اور اس کا حکم دے۔

مذکورہ آیت میں اللہ پاک کا اپنی ذات کے لئے وحدانیت کی گواہی دینا اور انصاف فرمانا مذکورہ بالا مراتب کو متضمن ہے۔

شہادت علم پہلی قسم شہادت علم ہے۔ شہادت کا لفظ بدیہی طور پر علم کو متضمن ہے۔

اس لئے کہ شہادت علم کے بغیر ممکن نہیں ارشادِ خداوندی ہے :۔

الامن شہد بالحق وھم یعلمون (الزخرف ۸۶)	ہاں جو علم ویقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں (وہ سفارش کر سکتے ہیں)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔ علی مثلھا فاشھد[۱] اس کے مثل پر گواہ؛ دو سورج کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

شہادت بکلم والخبر کے بارے میں ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں :۔

وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا اشھدوا خلقھم ستکتب شھادتھم ویسألون۔ (الزخرف ۱۹)	اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں (خدا کی) بیٹیاں مقرر کیا۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے بازپرس کی جائے گی۔

* * *

اس آیت میں اگرچہ انہوں نے لفظ شہادت استعمال نہیں کیا تاہم ان کے کلام کو ہی شہادت کہا ہے۔

شہادت الاعلام والفعل ایک اعلام بالقول دوسری اعلام بالفعل ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے غیر کو کسی بات کی خبر دیتا ہے تو وہ کبھی اپنے قول اور کبھی اپنے فعل کے ساتھ اس کو خبردار کرتا ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے گھر کو مسجد کی حیثیت بخشتا ہے اس کا دروازہ کھلا رکھتا ہے اس کا راستہ الگ کرتا ہے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے اور نماز ادا کرنے کی اجازت دیتا ہے اگرچہ وہ بظاہر لفظ وقف استعمال نہیں کرتا پھر بھی اس کے اجازت عطا کرنے سے اس جگہ کو وقف سمجھا جائے گا۔

اسی طرح جو شخص اپنے غیر کا قرب حاصل کرنے کے لئے مختلف قسموں کی خوشبوں کا اظہار کرتا ہے تو گویا کہ وہ اپنے غیر کو خبر دے رہا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اگرچہ وہ محبت کا لفظ استعمال نہیں کرتا ہے اسی طرح اگر وہ اپنے غیر سے بعد حاصل کرنے کیلئے

---

[۱] بلوغ المرام، ابن عدی، حاکم حدیث ضعیف ہے۔

مختلف قسم کی شکاتوں کا اظہار کرتا ہے تو وہ اسے خبر دے رہا ہے کہ اس کو اس سے دشمنی ہے اگرچہ وہ عداوت کا لفظ استعمال نہیں کرتا ہے بالکل اسی طرح اللہ پاک کا گواہی دینا اور اس کی خبر دینا کبھی قول اور کبھی فعل کے ساتھ ہوگا قول سے مراد وہ باتیں ہیں جن کو دے کہ اللہ پاک نے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتابوں کو نازل فرمایا لیکن اپنے فعل کے ساتھ اس کی خبر دینا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن کیسان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عجیب تدبیر اور اپنے محکم امور کے ساتھ اپنی مخلوق کے ہاں اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ایک شاعر کہتا ہے ؎

وفی کل شئی لہ اٰیۃ   تدل علی انہ واحد

یعنی ہر چیز میں اللہ کی آیات موجود ہیں جو اللہ کی وحدانیت پر دلالت کر رہی ہیں۔

شہادت بالفعل پر ذیل کی آیت سے استشہاد کیا جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے

ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد	مشرکوں کو زیبا نہیں کہ خدا کی مسجدوں کو آباد
اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر	کریں جب کہ وہ اپنے آپ پہ کفر کی گواہی
(التوبۃ ۱۷)	دے رہے ہوں۔

اس آیت میں ان کا فعل ان پر شہادت دے رہا ہے

مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک کی مخلوق میں جو آیات ودیعت کردہ ہیں وہ اس پر دلایت کرتی ہیں پس ان کی دلالت اس کے پیدا کرنے سے ہے جو اس کا فعل ہے

شہادۃ الامر کو اگرچہ مجرد لفظ شہادت مستلزم نہیں ہے لیکن اس پر دال اور متضمن ہے اللہ پاک نے امر کی شہادت دی ہے یعنی اس نے اس کا حکم دیا ہے اور اپنے بندوں کو اس پر کاربند رہنے کا پابند بنایا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ	اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے
(الاسراء ۲۳)	کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

نیز فرمایا۔

(لا تتخذوا الٰھین اثنین (النحل ۵۱)	کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔

نیز فرمایا۔

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین (البینۃ ۵)	اور ان کو تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ عبادت کرو۔

نیز فرمایا۔

وما امروا الا لیعبدوا الٰھاً واحداً (التوبۃ ۳۱)	حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

نیز فرمایا۔

لا تجعل مع اللہ الٰھاً اٰخر (الاسراء ۲۲)	اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا۔

نیز فرمایا۔

ولا تدع مع اللہ الٰھاً اٰخر (القصص ۸۸)	اور خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود سمجھ کر نہ پکارنا۔

تمام قرآن پاک میں اس مضمون کی آیات موجود ہیں۔

اللہ سبحانہ کی یہ شہادت کہ اس کے ماسوٰی کوئی معبود نہیں اس بات کو مستلزم ہے کہ اس نے معلوم کرادیا کہ اس کے ماسوٰی کوئی معبود نہیں یا اس کے ماسوٰی تمام معبودوں کا الٰہ ہونا باطل ہے پس جس طرح اس کا غیر الٰہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اسی طرح اس کا غیر عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا اس کو مستلزم ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ صرف اسی ایک کو الٰہ مانو اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو الٰہ نہ سمجھو۔

چنانچہ اللہ پاک کے اس خطاب کو (جس میں ایک خدا کا اثبات ہے اس کے ماسوٰی کی نفی ہے) تمام مخاطبین سمجھتے ہیں اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔ مثلاً آپ ایک آدمی سے فتویٰ طلب کرتے ہیں یا اس سے شہادت کا مطالبہ کرتے ہیں یا اس سے علاج معالجہ کی درخواست کرتے ہیں جب کہ وہ ان کاموں کا اہل نہیں اور جن میں کاموں کے کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں ان سے راہ و رسم نہیں تو جب آپ سے کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ انسان مفتی، شاہد، طبیب نہیں ہے بلکہ مفتی، طبیب، شاہد تو فلاں آدمی ہے تو اس طرح اس نے آپ کو حکم دیا کہ فلاں مثلاً مفتی ہے اور فلاں نہیں ہے۔

پس ایت کی دلالت واضح ہے کہ اللہ کی ذات اکیلی ہی عبادت کی حقدار ہے تو جب اللہ پاک نے خبر دی کہ وہ اکیلا ہی عبادت کا حق دار ہے تو اس کو یہ بات متضمن ہوئی کہ اللہ تم بندوں کو حکم دیتا ہے اور ان کے لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ ان کاموں کو سر انجام دیں جن کے ادا کرنے کی ذمہ داری اللہ کی جانب سے انہیں سونپ دی گئی ہے اور اس ذمہ داری کو ادا کرنا اللہ پاک کی جانب سے ان پر فرض ہے۔

شہادت حکم اور قضا کا استعمال حکم اور قضا کا استعمال جملہ خبریہ میں ہوتا ہے اسی طرح جملہ خبریہ کو قضیہ اور حکم کہا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

الا انھم من افکھم لیقولون ولد اللہ وانھم لکاذبون اصطفی البنات علی البنین مالکم کیف تحکمون	دیکھو یہ اپنی جھوٹ بنائی ہوئی (بات) کہتے ہیں کہ خدا کے اولاد ہے کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو۔
(الصافات ۱۵۱-۱۵۴)	

٭ ٭ ٭

اس میں ان کی خبر کو حکم کہا گیا ہے نیز ارشاد خداوندی ہے:۔

افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون	کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کی طرح (نعمتوں سے محروم) کردیں گے تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسی تجویزیں کرتے ہو
(القلم ۳۵-۳۶)	

اس میں حکم تو ہے لیکن اس میں الزام نہیں ہے

اور اس بات کا حکم دینا اور فیصلہ کرنا کہ اللہ کی ذات ہی الہ ہے الزام کو متضمن ہے اگر مقصود صرف شہادت ہوتی تو وہ شہادت کے ساتھ علم حاصل نہ کرسکتے اور نہ ہی وہ فائدہ اٹھا سکتے اور نہ ہی شہادت کی وجہ سے ان پر حجت قائم ہوتی لیکن شہادت تو اس بات کو متضمن ہے کہ بندوں کو بتایا جائے انہیں معلوم کرایا جائے کہ اللہ کی ذات فلاں چیز کی شہادت دیتی ہے جس طرح کسی انسان کو شہادت دینی ہو لیکن وہ شہادت چھپائے اور اس کو پیش نہ کرے تو اس سے کسی کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دلیل قائم ہو سکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ شہادت سے فائدہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اس سے خبردار کیا جائے اسی لئے اللہ پاک نے شہادت کو تین انداز سے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔
بندوں کی قوت سامعہ، قوت باصرہ اور قوت عقلیہ کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے بار بار قرآن کی ایات میں اللہ پاک کی وحدانیت اور صفات کاملہ کو واضح کیا گیا ہے اور بندوں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لائیں اور قوت سامعہ، باصرہ کو استعمال میں لائیں اور ایات سے فائدے حاصل کریں ایات صفات کا انکار کرنے والے یا ان کو غلط لباس پہنانے والے جہمیہ، معتزلہ، معطلہ کے خیالات سے دوری اختیار کی جائے اس لئے کہ تحریر نے ان کے دامن کو تھام لیا ہے حالانکہ اللہ پاک کی جانب سے نازل کردہ کتاب میں صفات الٰہیہ کا بیان نہایت واضح ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

حٰمٓ ہ والکتاب المبین (الزخرف ۱-۲) — حٰم کتاب روشن کی قسم

نیز فرمایا۔

الٓرٰ تلک ایات الکتاب المبین (یوسف ۱-۲) — الرٰ یہ کتاب روشن کی ایتیں ہیں۔

نیز فرمایا۔

الٓرٰ تلک ایات الکتاب وقران مبین (الحجر ۱-۲) — الرٰ یہ کتاب روشن کی ایتیں ہیں۔

نیز فرمایا

ھذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین (آل عمران ۱۳۸) — یہ (قرآن) لوگوں کیلئے بیان صریح اور اہل تقویٰ کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے

نیز فرمایا۔

فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین (المائدہ ۹۲ - والتغابن ۱۲) — جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔

نیز فرمایا

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (النحل ۴۴) — اور ہم نے تم پر بھی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان

پر ظاہر کردو اور تاکہ وہ غور کریں۔

کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت رسول میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے ان وضاحتوں کی روشنی میں ہمیں کسی انسان کی رائے، وجدان اور ذوق معلوم کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اصولِ دین میں کسی کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدہ ۳)	آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا

پس شریعت کی تکمیل ہو چکی ہے ہمیں کتاب وسنت کی موجودگی میں کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے اور اسی حقیقت کی جانب شیخ ابو جعفر طحاوی آئندہ اوراق میں اشارہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں ہم دین اسلام میں نہ اپنی رائے کو دخیل سمجھتے ہیں اور نہ ہی اپنی خواہشات کے مطابق اس کی تشریع کو جائز سمجھتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ دین اسلام میں وہی شخص سلیم الاعتقاد اور صائب الرائے ہے جس نے اپنے اعتقاد اور رائے کو اللہ اور اس کے رسول کے تابع کردیا اور جو لوگ کتاب وسنت کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتے ہیں وہ ہمیشہ اختلاف میں رہتے ہیں انکا اضطراب کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔

قرآن پاک کی وہ آیات جن میں کائنات کی تخلیق کا ذکر ہے ان میں غور وفکر کرنا اور ان سے اللہ پاک کی وحدانیت پر استدلال کرنا اگرچہ بظاہر وہ آیات بصری یعنی مشاہداتی ہیں لیکن ان پر قولی سمعی آیات بھی دلالت کررہی ہیں اور فطرت عقل نے بھی دونوں کو باہم ملا دیا ہے ان کی موافقت سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جس دین اسلام کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمایا ہے وہ دین صحیح ہے

شہادت دلائل نبوت اللہ پاک کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان اور اس کی رحمت حکمت، عدل، محبت جو بندوں کے ساتھ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا کوئی عذر باقی نہ رہے ان پر حجت قائم ہو جائے اس نے ان کی راہ نمائی کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو آیات معجزات دے کر بھیجا جن سے ان کی صداقت معلوم ہوتی ہے

ارشاد خداوندی ہے :۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت و انزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (الحدید ۲۵)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینٰت والزبر (النحل ۴۳-۴۴)

اور ہم نے تم سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو (اور ان پیغمبروں کو دلیلیں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا)

نیز فرمایا۔

قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینٰت وبالذی قلتم (آل عمران ۱۸۳)

(اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہو۔

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک جاءوا بالبینٰت والزبر والکتاب المنیر۔ (آل عمران ۱۸۴)

اگر یہ لوگ تم کو سچا نہ سمجھیں تو تم سے پہلے بہت سے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آچکے ہیں۔

نیز فرمایا۔

(اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان (الشوریٰ ۱۷)

خدا ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی اور (عدل وانصاف کی) ترازو

اگر تمام پیغمبروں کے معجزات پر غور کیا جائے تو حضرت ہود علیہ السلام نے جو آیات پیش فرمائیں وہ سب سے زیادہ مخفی معلوم ہوتی ہیں کہ اس کی قوم نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

یا ھود ما جئتنا ببینۃ

اے ہود تو ہمارے پاس کوئی واضح معجزہ لے کر نہیں آیا۔

لیکن اللہ پاک نے حضرت ہود علیہ السلام کے خطاب کو جس اسلوب سے پیش فرمایا ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش کردہ دلائل و بینات نہایت واضح اور مضبوط ہیں ملاحظہ فرمائیں ارشادِ خداوندی ہے۔

انی اشھد اللہ واشھدوا انی بریٔ مما تشرکون من دونہ فکیدونی جمیعًا ثم لا تنظرون انی توکلت علی اللہ ربی وربکم ما من دابۃ الا ھو اٰخذ بناصیتھا ان ربی علی صراط مستقیم (ھود ۵۴-۵۵)

میں خدا کو گواہ کر رہا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں اس سے بیزار ہوں (یعنی جن کی خدا کے سوا عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی ہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں خدا پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے بھروسہ رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔

شہادت بینات حضرت ہود علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام کی جانب سے پیش کردہ بینہ کس قدر زوردار ہے کہ اولاً حضرت ہود علیہ السلام قوم کو جو عظیم امت تھی اور وہ تن تنہا تھے زوردار الفاظ میں مخاطب ہوتے ہیں نہ ان پر گھبراہٹ طاری ہوتی ہے نہ وہ خوفزدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی بزدلی کا شکار ہوتے ہیں وہ بلا خوف و جھجک اپنا مدعا پورے وثوق کے ساتھ پیش کرتے ہیں ثانیاً ان کے دین سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کو گواہ بناتے ہیں ان کا اعتماد اور بھروسہ فقط خدا کی ذات پر ہے کھلے لفظوں میں اس کا اظہار کرتے ہوئے قوم کو خبردار کرتے ہیں کہ اللہ پاک اس کا معاون و مددگار ہے وہی اس کا حامی و ناصر ہے وہ کبھی میرے مخالفین کو مجھ پر مسلط نہیں فرمائے گا پھر انہیں اپنی مخالفت پہ گواہ بناتے ہیں اور انہیں خبردار کرتے ہیں کہ وہ ان کے دین اور ان کے خداؤں سے برادت کا اظہار کرتا ہے جن کو خوش رکھنے کے لئے وہ مالی جانی قربانیاں پیش کرتے ہیں اور جو ان کی محبت دشمنی کی بنیاد ہیں مزید برآں انہیں ذلیل و حقیر گردانتے ہوئے اور سخت معیوب قرار دیتے ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اگرچہ تمام میری مخالفت پہ جمع ہو جائیں اور اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہیں تو وہ جلدی کریں دیر نہ کریں لیکن یاد رکھیں وہ صرف اسی قدر مجھے ایذا پہنچا سکیں گے جس قدر کہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے پھر بار بار انہیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس کا اور ان کا رب ایک ہے ہم سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہی میرا مددگار اور محافظ ہے وہی مجھے قوت عطا کرنے والا ہے جو شخص اس پہ توکل کر لیتا ہے۔ اس کی وابستگی اختیار کر لیتا ہے

وہ اس کی مدد نہیں چھوڑتا ہے اور نہ اس کے مخالفین کو خوش کرتا ہے

غور کیجئے پیغمبروں کی جانب سے پیش کردہ براہین، بینات، آیات دلائل سے زیادہ احسن اور زوردار کیا دیگر دلائل ہو سکتے ہیں؟ دراصل وہ دلائل اللہ کی جانب سے شہادت ہے جس کو اللہ نے واضح طور پر بیان فرمایا

شہادت آفاق والنفس اللہ پاک اپنے بندوں کو افقی النفسی آیات کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے جن سے وہ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ پیغمبروں نے جن کتابوں کو اللہ کی جانب سے پیش کیا ہے وہ حق ہیں جیسا کہ قرآن پاک کی حقانیت کو ذیل کی آیت میں ثابت کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق (فصلت ۵۳)	ہم عنقریب ان لوگوں کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ (قرآن) حق ہے۔

ان کی ضمیر سے مراد قرآن پاک ہے اس لئے کہ اس سے قبل ذکر کردہ آیت میں بھی قرآن پاک ہی مراد ہے ملاحظہ فرمائیں۔

قل ارءیتم ان کان من عند اللہ (فصلت ۵۲)	آپ فرما دیجئے تم مجھے بتاؤ اگر یہ اللہ کی جانب سے ہے۔

پھر آخر میں فرمایا۔

اولم یکف بربک انہ علی کل شیء شھیدا (فصلت ۵۳)	کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔

پس اللہ پاک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے پر گواہی دیتے ہیں کہ جس کتاب کو اس نے پیش کیا ہے وہ کتاب سچی ہے نیز وعدہ فرمایا کہ وہ بندوں کے سامنے ایسے آفاقی اور انفسی دلائل پیش کرے گا جو اس بات پر شہادت دیں گے پھر اپنی شہادت کو نہایت عمدہ اور واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے خود کو شہید کہا کہ اس سے کوئی چیز پردہ میں نہیں ہو سکتی وہ ہر چیز پر اطلاع پانے والا ہے مشاہدہ کرنے والا ہے تفاصیل کو جانتا ہے چونکہ وہ نیک لوگوں کی صداقت پر بھی شواہد پیش کرتا ہے اور ان کی تصدیق کرتا ہے اس لئے وہ شاہد کے ساتھ

ساتھ مومن بھی ہے جس کا ایک تفسیر کے لحاظ سے معنی یہ ہے کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے۔
بہر حال اللہ پاک کی وحدانیت پر اسماء، صفات، کلمات، آیات افقیہ انفسیہ، مخلوقات اور افعال وغیرہ سے استدلال کرنا شہادت کہلاتا ہے۔

سوال اسماء الٰہیہ اور صفات الٰہیہ سے استدلال اصطلاح میں معروف نہیں تو تم کیوں استدلال کرتے ہو؟

جواب وہ لوگ جو فطرت سلیمہ کے ساتھ متصف ہیں وہ اللہ پاک کو اس کے اسماء اور صفات میں کامل، مکمل گردانتے ہیں اور اللہ کو ان اوصاف کے ساتھ موصوف مانتے ہیں جن کے ساتھ خود اللہ پاک نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے یا اس کے رسولوں نے اس کو موصوف کیا ہے نہ تو وہ صفات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ کی ذات کو بیکار بنا دیں اور نہ ہی اس کی صفات کو کسی دوسری صفات کے مشابہ قرار دیتے ہیں بلکہ وہ اللہ کو بے مثل مانتے ہیں نیز وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جو صفات ہمیں معلوم ہیں وہ ان صفات کے مقابلہ میں کم ہیں جن کی ہمیں معرفت حاصل نہیں اور اللہ کا یہ وصف نہایت پاکیزہ اور کامل ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے اور اس کو اطلاع ہے آسمانوں اور زمین میں ظاہراً باطناً ایک ذرہ بھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے اور جس ذات کی یہ شان ہے بندوں کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس کے ساتھ شرک کریں اور اس کے غیر کی عبادت شروع کر دیں اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بنا لیں اور اس کی کامل ذات کے لائق نہیں ہے کہ جو شخص اللہ پر افتراء عظیم باندھتا ہے اور غیر حقیقت پسندانہ خبریں دیتا ہے وہ اس کو قرار عطا کرے اور اس کو غلبہ عطا کرے اس کی مدد کرے اس کی شان اونچی کرے اس کی دعا قبول کرے اس کے دشمن کو تباہ و برباد کرے اور اس کو اس قدر قوت عطا کرے کہ اس کے ہاتھوں ایسے معجزات رونما ہوں جن کے ظاہر کرنے سے انسانی قوت عاجز ہو اس کے ساتھ ساتھ اس کو مفتری بھی نہ کہا جائے ظاہر ہے کہ اللہ کی شہادت جو ہر چیز پر ہے نیز اس کی قدرت، حکمت، عزت اور اس کا کمال تقدس اس کا انکار کرتا ہے اور جو شخص ان باتوں کو ممکن گردانتا ہے وہ اللہ کی معرفت سے کوسوں دور ہے۔
قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کے ساتھ اس کے عام افعال پر اور ان افعال پر جو اس کی ذات کے ساتھ لائق ہیں یا نہیں استدلال کیا جاتا ہے یہ خواص لوگوں کا

طریق ہے

ارشادِ خداوندی ہے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل	اگر یہ پیمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ
لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ	بنا لیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان
الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین	کی رگ گردن کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے
(الحاقۃ ۴۴۔۴۷)	کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آرہی ہے اسی طرح اسماء الٰہیہ اور صفات الٰہیہ کے ساتھ اس کی وحدانیت پر استدلال کیا جاتا ہے اور شرک کو کھلا جاتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس	وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں
السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار	بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے) سلامتی
المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون	امن دینے والا نگہبان غالب زبردست
(الحشر ۲۳)	بڑھائی والا خدا ان لوگوں کے شریک مقرر
	کرنے سے پاک ہے۔

☆ ☆ ☆

اس قسم کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ ہیں لیکن یہ راہ خواص کا ہے اس راہ پر چلنے والوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن جمہور علماء کا طریق یہ ہے کہ وہ آیات کونیہ کے ساتھ اللہ کی ذات پر استدلال کرتے ہیں یہ طریق نہایت آسان اور عام فہم ہے بعض انسانوں کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔

قرآن پاک کا انداز دیگر تمام کتابوں سے مختلف ہے اس میں دلیل، مدلول علیہ شاہد اور مشہود لہ کو یکجا اکٹھا کر دیا گیا ہے، چنانچہ جن لوگوں نے آپ کی صداقت کی دلیل طلب کی ان کو جواب دیتے ہوئے خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب	کیا ان لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر
یتلیٰ علیھم ان فی ذالک لرحمۃ وذکریٰ	کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے
لقوم یؤمنون (العنکبوت ۵۱ الآیۃ)	کچھ شک نہیں کہ مومن لوگوں کے لئے اس
	میں رحمت اور نصیحت ہے۔

☆ ☆ ☆

توحید الخاصہ کا ذکر توحید فی الالوہیت عام توحید ہے جس کو پیغمبروں نے عوام کے سامنے پیش کیا اور جس کا ذکر تمام سماوی کتابوں میں ہے لیکن توحید الخاصہ وہ ہے جس میں حقائق کو پیش کر کے اللہ کی وحدانیت کو ثابت کیا جاتا ہے توحید کا اس سے بھی ایک بلند مرتبہ ہے جس کو توحید خاصۃ الخاصہ کہا جاتا ہے چنانچہ انبیاء کرام، اکمل توحید کے ساتھ موصوف تھے اس لئے وہ اس مرتبہ پر فائز تھے لیکن چونکہ رسولوں کا پیغام انبیاء سے اعلیٰ وارفع ہے اس لئے وہ ان سے زیادہ اکمل توحید والے تھے اور اولوالعزم رسل حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ان سے زیادہ اکمل توحید کے ساتھ موصوف تھے پھر ان اولوالعزم رسولوں میں سے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کے جس مقام پر فائز تھے وہاں کسی دوسرے نبی اور رسول کی رسائی نہیں ہو سکی یہ دونوں علم، معرفت، دعوت اور جہاد کے لحاظ سے بے مثال تھے، چنانچہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم اور اس کی قوم کے درمیان مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد میں سے انبیاء صحیح توحید پر قائم تھے آپ کو ان کی اقتداء کرنی چاہئے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

اولٰئک الذین ھدٰاھم اللہ فبھدٰھم اقتدہ (الانعام ۹۱)	یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

معلوم ہوا جن برگزیدہ پیغمبروں کی اقتدا کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو رہا ہے ان سے اکمل توحید پر اور کون ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دیتے ہیں کہ وہ صبح کے وقت ذیل کے کلمات ادا کیا کریں۔

اصبحنا علی فطرۃ الاسلام وکلمۃ الاخلاص ودین نبینا محمد وملۃ ابینا ابراھیم حنیفاً مسلما وما کان من المشرکین [۱]	ہم نے فطرت اسلام کلمۂ اخلاص، دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ملت ابراہیم علیہ السلام پر (جو حنیف مسلم تھے مشرکین سے نہ تھے) صبح کی ہے۔

[۱] زوائد المسند (۵/۱۲۳) حدیث صحیح ہے ایک روایت میں ہے کہ ہم شام کرتے تب بھی یہ کلمات کہتے (باقی اگلے صفحے پر)

پس ملت ابراہیم سے مقصود توحید ہے اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مقصود وہ اقوال، اعمال، اعتقادات ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی جانب سے پیش فرمایا اور کلمۂ اخلاص سے مقصود اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور فطرت اسلام سے مراد اللہ وحدہ کے ساتھ اس محبت اور عبادت کا اظہار ہے جس پر بندوں کو پیدا فرمایا نیز استسلام، عبودیت انقیاد، انابت اور اس کے سامنے ذلت اور خضوع کا نام ہے۔

پس اس توحید کا نام توحید خاصۃ الخاصہ ہے جس نے اس سے روگردانی کی وہ بہت بڑا احمق ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من	اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کرسکتا ہے
سفہ نفسہ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا	بجز اس کے جو نہایت نادان ہو ہم نے ان کو دنیا
وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین اذ قال	میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی زمرۂ
لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین	صلحاء میں ہوں گے جب ان سے ان کے پروردگار
(البقرۃ ۱۳۰-۱۳۱)	نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کر
	میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں

* * *

جو شخص ذوق سلیم اور صحیح شعور رکھتا ہے وہ عام توحید کے استدلال میں نہ تو متکلمین کی اصطلاحات کا محتاج ہے اور نہ اسے جدلیات کے انداز کو اپنانے کی ضرورت ہے بلکہ خطرہ ہے اگر کوئی شخص ان غلط راستوں پر چلتا ہے تو بجائے ایقان و اطمینان کے شکوک وشبہات کے عمیق گڑھے میں نہ گر پڑے اور سیدھی راہ سے بھٹک کر پیچ در پیچ وادیوں میں حیران وسرگرداں نہ پھرتا رہے البتہ توحید الخاصہ اور خاصۃ الخاصہ کا میدان خاصا وسیع ہے جس میں احتیاط کی شدید ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ حدِ اعتدال سے متجاوز ہونے والے لوگ مقام فنا فی اللہ پر رسائی کے مدعی دکھا دیتے ہیں صوفیاء کا یہ گروہ خطرناک حد تک آگے نکل جاتا ہے اور وحدۃ الوجود کا نعرہ لگا دیتا ہے۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

ماوحد الواحد من واحد | اذ کل من وحدہ جاحد

(پچھلے صفحے کا بقیہ) اس کی سند میں ضعف ہے مسند احمد (۳ /۳۰۶ - ۳۰۷) دارمی (۲ /۲۹۲) ابن السنی فی الیوم واللیلۃ میں دیگر دو طریق سے مروی ہے جن کی سند صحیح ہے۔

توحید من ینطق عن نعتہ　　عاریۃ ابطلہا الواحد

توحیدہ ایاہ توحیدہ　　ونعت من ینعتہ لاحد

کسی نے بھی واحد ذات کی توحید بیان نہیں کی اس لئے کہ جس نے بھی اس کی توحید بیان کی اس نے انکار کیا جو شخص اس کی صفات بیان کرتے ہوئے توحید بیان کرتا ہے اس کی توحید درست نہیں ایک ذات اس کو باطل قرار دے رہی ہے اس کو ایک گردانا اس کی توحید ہے اور اس کی صفات بیان کرنے والا غلط کار ہے۔

اگرچہ شاعر کا مقصد وحدت الوجود ثابت کرنا نہیں ہے لیکن وحدۃ الوجود کا اعتقاد رکھنے والے مجمل محتمل الفاظ سے استدلال کرتے ہیں اور وحدۃ الوجود کا لباس پہنانے میں چوکتے نہیں ہیں اور شاعر کو اپنے گروہ میں شامل کرتے ہیں۔

اگر شیخ الاسلام ایسے الفاظ ذکر کرتے جن میں ان کے لئے تاویل کی گنجائش نہ ہوتی تو بہت بہتر تھا پس اگر وحدۃ الوجود کا نظریہ اسلامی ہوتا تو ہمیں اس کے اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہم تک پہنچاتے جب کہ ان پر پہنچانا لازم تھا لہٰذا ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اسلامی لٹریچر میں توحید العامۃ توحید الخاصہ، توحید خاصۃ الخاصہ کی تفریق و تقسیم کا کہاں ذکر ہے۔

اللہ کا کلام ہمارے سامنے ہے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے ہے آپ کے بعد خیر القرون سے منقول باتیں بھی ہمارے سامنے ہیں ائمہ محدثین کے اقوال سے بھی ہم متعارف ہیں مذکورہ بالا تقسیم اور مقام فنا اور وحدۃ الوجود کا ذکر ہمیں تو کسی جگہ نہیں ملا ہے۔

جن لوگوں کی طرف سے اس قسم کی باتیں ہم تک پہنچی ہیں وہ دین میں غلو کے مرتکب ہو رہے ہیں ان کا غلو خوارج اور عیسائیوں کے غلو سے کم نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

(یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم　　اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے
ولا تقولوا علی اللہ الا الحق (النساء ۱۷۱)　　نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا
　　کچھ نہ کہو۔

نیز فرمایا

یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر　　کہو کہ اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں ناحق
الحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا　　مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں

من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل (المائدہ ۷۷)	کے پیچھے نہ چلو جو خود بھی پہلے گمراہ ہوئے اور بھی اکثروں کو گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے ۔

نیز ارشاد خداوندی ہے ۔

لا تشددوا فیشدد اللہ علیکم فان من کان قبلکم شددوا فشدد اللہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیارات رھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنا علیھم (ابوداؤد[1])	تم تشدد اختیار نہ کرو ورنہ اللہ بھی تم پر تشدد کرے گا تم سے پہلے لوگوں نے تشدد اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی ان کے بقایا آج بھی گرجوں مندروں میں موجود ہیں انہوں نے رہبانیت کو ایجاد کیا ہم نے ان پر اس کو لازم نہیں کیا تھا ۔

ط :۔ (کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے)

صفات الٰہیہ میں اہل سنت کا مسلک ش :۔ تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ اللہ کی ذات، صفات اور افعال میں اس کا مثل کوئی نہیں البتہ لفظ تشبیہ مجمل ہے جس کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح قرآن پاک تشبیہ کی نفی کرتا ہے اسی طرح عقل بھی اس کی نفی کرتی ہے اس لئے کہ اللہ کی خصوصیات کے ساتھ کسی مخلوق کو موصوف نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کوئی مخلوق اس کی صفات میں اس کے مماثل ہے ۔ ارشادِ خداوندی ہے ۔

لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر (الشوریٰ ۱۱)	اس کا مثل کوئی نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے ۔

اس آیت میں ممثلہ مشبہہ فرقہ کا رد ہے جو خالق کی صفات کو مخلوق کی صفات کی مثل قرار دیتے ہیں نیز خالق کی صفات کا انکار کرنے والوں کا بھی رد ہے جو خالق کو معطل قرار دیتے ہیں وہ لوگ کفر میں عیسائیوں کے مشابہ ہیں وہ بھی صفات کا انکار کرتے ہیں مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں ۔

---

[1] حدیث میں سعد بن عبدالرحمٰن کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اس سے صرف دو راوی ذکر کرتے ہیں (الاحادیث الضعیفہ ۳۴۶۸)

کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ کا وصف قدرت، علم اور حیات ہے، چونکہ ان صفات کے ساتھ بندے موصوف ہیں اس لئے ان کے ساتھ اللہ کو موصوف ماننا درست نہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ پاک کو حي، علیم اور قدیر کہنا درست نہیں بندوں کو کہنا درست ہے اسی طرح اس کا کلام، سمع، بصر اور ارادہ وغیرہ بھی بندوں کے اوصاف ہیں۔

اہل سنت اگرچہ تشبیہ کی نفی کرتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا موجود، علیم، قدیر اور حي ہونا اس کی اپنی ذات کے لحاظ سے ہے جیسے اس کو لائق ہے اور مخلوق کا موجود حي، علیم اور قدیر ہونا اس کے اپنے لحاظ سے ہے دونوں میں تشابہ اور مماثلت نہیں ہے یہ مسلک کتاب، سنت اور صریح عقل کے عین مطابق ہے کوئی عقل مند اس کی مخالفت نہیں کرتا۔

ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے اپنی ذات کے کچھ نام رکھے ہیں اور اپنے بعض بندوں کے نام رکھے ہیں اسی طرح اس نے اپنی ذات کے کچھ صفات مقرر فرمائے ہیں اور اپنی مخلوق کے کچھ اوصاف مقرر فرمائے ہیں لیکن اللہ پاک کے مسمیٰ کی مانند مخلوق کا مسمیٰ نہیں ہے۔

غور کیجئے اللہ پاک نے اپنی پاک ذات کا وصف حي، علیم، قدیر، رؤف، رحیم، عزیز، حکیم، سمیع، بصیر، ملک، مومن، جبار اور متکبر بیان کیا ہے اور بعض انسانوں کو بھی ان اوصاف کے ساتھ موصوف کیا ہے ارشادات خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

یخرج الحی من المیت	وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے
(الانعام ۹۵ والروم ۱۹)	✣ ✣ ✣
وبشروہ بغلام علیم	اور ان کو ایک دانش مند لڑکے کی بشارت
(الذاریات ۲۸)	بھی سنائی۔
فبشرناہ بغلام حلیم	ہم نے اس کو ایک علم والے لڑکے کی
(الصافات ۱۰۱)	بشارت سنائی۔
بالمؤمنین رؤف رحیم	وہ ایمانداروں کے ساتھ شفقت کرنے والا
(التوبۃ ۱۲۸)	مہربان ہے۔
فجعلناہ سمیعا بصیرا	ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنایا۔
(الدھر ۲)	✣ ✣ ✣
قالت امرأۃ العزیز (یوسف ۵۱)	عزیز مصر کی بیوی نے کہا۔

وکان وراءھم ملک (الکھف ۷۹)	اوران کے سامنے کی طرف ایک بادشاہ تھا
افمن کان مومنا (السجدۃ ۱۸)	بھلا وہ شخص جو ایماندار ہے۔ نیز فرمایا
کذالک یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار (المؤمن ۳۵)	اسی طرح خدا ہر متکبر اور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

مذکورہ ایات میں بعض بندوں کے وہی وصفی نام ہیں جو اللہ کی ذات کے ہیں لیکن اللہ کا حی، علیم، عزیز ہونا انسان کے حی، علیم، عزیز ہونے کے مماثل نہیں ہے ارشاد ربانی ہے۔

ولا یحیطون بشیٔ من علمہ (البقرۃ ۲۵۵)	اور وہ اس کے علم کا کچھ احاطہ نہیں کر سکتے
انزلہ بعلمہ (النساء ۱۶۶)	اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے۔
وما تحمل من انثیٰ ولا تضع الا بعلمہ (فاطر ۱۱)	اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے
ان اللہ ھو الرزاق ذوالقوۃ المتین (الذاریات ۵۸)	خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔
اولم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھو اشد منھم قوۃ (حٰمٓ السجدۃ ۱۵)	کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے

نیز ارشاد نبوی ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلھا کما یعلمنا السورۃ من القرآن یقول اذا ھم احدکم بالامر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضۃ ثم لیقل اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم	حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام امور میں استخارہ کی دعا اسی اہتمام کے ساتھ سکھلاتے جس اہتمام کے ساتھ ہمیں قرآن پاک کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے آپ فرماتے ہیں جب تم میں کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز نفل ادا کرے پھر کہے

فانك تقدر ولا اقدر و تعلم ولا اعلم
وانت علام الغيوب اللهم ان كنت
تعلم ان هٰذا الامر خير لي في ديني و
معاشي وعاقبة امري او قال عاجل
امري واٰجله فاقدره لي ويسره لي ثم
بارك لي فيه وان كنت تعلم ان هٰذا الامر
شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري
او قال عاجل امري واٰجله فاصرفه
عني واصرفني عنه واقدر لي الخير حيث
كان ثم رضني به قال ويسمي حاجته
(بخاری)

اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ تجھ سے
خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے
ساتھ تجھ سے قدرت کا سوال کرتا ہوں
اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا
ہوں یقیناً تو قدرت والا ہے مجھ میں قدرت
نہیں تو علم والا ہے مجھ میں علم نہیں اور تو
غیب دان ہے اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ
یہ کام میرے لئے دین، معاش، انجام کار،
یا جلد یا بدیر بہتر ہے تو میرے مقدر میں
کر اور میرے لئے آسان فرما پھر مجھے اس میں
برکت عطا فرما اور اگر تو جانتا ہے کہ میرے
لئے یہ کام دین، معاش، انجام کار یا جلد یا بدیر برا ہے تو اس کو مجھ سے دور رکھ اور مجھے
اس سے دور فرما اور جہاں کہیں بھی ہو میرے لئے خیر مقدر فرما پھر اس کے ساتھ مجھے راضی
فرما اور اپنی ضرورت متعین فرمائے) (بخاری) حدیث صحیح ہے۔

نیز ارشاد نبوی ہے۔

عمار بن ياسر عن النبي صلى الله عليه
وسلم انه كان يدعو بهٰذا الدعاء
اللهم بعلمك الغيب وقدرتك
على الخلق احيني ما كانت الحيٰوة
خيراً لي وتوفني اذا كانت الوفاة
خيراً لي اللهم اني اسئلك القصد
في الغنٰى والفقر واسئلك نعيما
لا ينفد وقرة عين لا تنقطع واسئلك
الرضٰى بعد القضاء واسئلك
برد العيش بعد الموت واسئلك لذة

حضرت عمار بن یاسر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ان کلمات
کے ساتھ دعا فرماتے اے اللہ تیرے علم غیب
اور جو تجھے مخلوق پر قدرت ہے کے ساتھ
مجھے زندگی اس قدر عطا فرما کہ جب تک
کہ میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہے اور جب
میرے لئے فوت ہو جانا بہتر ہے تو مجھے
فوت کر لینا اے اللہ میں تجھ سے مالداری
اور فقیری میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں
اور تجھ سے ناراضگی اور رضامندی میں حق

النظر الی وجھک الکریم والشوق	بات کہنے کا سوال کرتا ہوں اور غنا اور فقر میں
الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا	تجھ سے میانہ روی طلب کرتا ہوں اور میں تجھ
فتنۃ مضلۃ اللھم زینا بزینۃ الایمان	سے ایسی نعمت طلب کرتا ہوں جو ختم نہ ہو
واجعلنا ھداۃ مھتدین	اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو کبھی منقطع نہ
(نسائی)	ہو اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میں تیرے

فیصلوں پر خوش رہوں اور موت کے بعد آرام والی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے کریم چہرہ دیدار کی لذت مانگتا ہوں اور تیری ملاقات کے اشتیاق کا طالب ہوں لیکن مجھے کچھ تکلیف نہ ہو اور نہ کوئی فتنہ پیش آئے جو گمراہ کرنے والا ہے اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما اور ہمیں ہدایت والے ہدایت یافتہ بنا (نسائی)

مذکورہ بالا آیات اور احادیث میں صفات الٰہیہ علم، قدرت، قوت مذکور ہیں اور یہی صفات انسانوں میں بھی ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

ثم جعل من بعد ضعف قوۃ	پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی۔
(الروم ۵۴)	☆ ☆ ☆
وانہ لذو علم لما علمناہ	اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ
(یوسف ۶۸)	ہم نے ان کو علم سکھایا تھا۔

نہایت واضح ہے کہ انسانوں میں بھی علم ہے لیکن وہ اللہ کے علم کی مثل نہیں ہے اسی طرح انسانوں میں قوت کی وصف اللہ کی قوت کے مثل نہیں ہے۔

پس جو شخص صفات الٰہیہ کا انکار کرتا ہے (حالانکہ خود اللہ پاک نے ان صفات کا ذکر فرمایا ہے) اس لئے کہ صفات تسلیم کرنے کی شکل میں تشبیہ اور تجسیم لازم آتی ہے تو ہم اس سے کہیں گے کہ جب آپ اللہ کی ذات کے لئے ارادہ، کلام، سمع، بصر اوصاف ثابت کرتے ہیں اور یہ اوصاف مخلوق کی اوصاف کے مثل نہیں ہیں تو ان اوصاف کو تسلیم کرنا دیگر اوصاف کو تسلیم نہ کرنا کس وجہ سے ہے اور آپ ان میں فرق کیوں کرتے ہیں۔

سوال - صفات خداوندی کا انکار کرنے والے صاف طور پہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی ذات کے

ساتھ کسی صفت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

جواب ہم ان سے کہیں گے اگر آپ صفات کا انکار کرتے ہیں تو اللہ کے اسماء حسنیٰ کا توانکا نہیں کرسکتے ہو مثلاً اللہ کے ناموں میں سے علیم حی، قادر ہے اور بندوں کے بھی یہ نام رکھے جاتے ہیں لیکن ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ جو اسماء اللہ کے لئے ثابت ہیں وہ ان اسماء کے مماثل ہیں جو بندوں کے لئے ثابت ہیں اسی طرح صفات الٰہیہ بھی بندوں کی صفات کے مماثل نہیں تو آپ کو ہمارا موقف تسلیم کرلینا چاہئے۔

سوال صفات خداوندی کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم اسماء حسنیٰ کا بھی انکار کرتے ہیں ہمارے نزدیک وہ مجاز ہیں بعض مبتدعین ان کو اسماء کے نام کے ساتھ پکارتے ہیں مثلاً غالی قسم کے باطنی اور فلاسفران کو اسماء کہتے ہیں۔

جواب ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کیا آپ کا یہ اعتقاد نہیں ہے ؟ کہ اللہ موجود ہے اور وہ حق ہے قائم بنفسہ ہے اور بندوں کا بھی وجود ہے جسم ہے لیکن وہ اللہ کے وجود کے مماثل نہیں ہے بہر حال آپ اس بات سے فرار اختیار نہیں کرسکتے کہ اللہ کا وجود واجب ہے۔ اور واجب ہونا بھی ایک صفت ہے۔

موجود قدیم ازلی یا حادث صریح عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ موجود یا واجب بنفسہ ہے یا غیر واجب بنفسہ ہے یا قدیم ازلی ہے یا حادث ہے پہلے اس کا وجود نہ تھا بعد میں اس کا وجود ہوا اسی طرح یا وہ مخلوق ہے جو خالق کا محتاج ہے یا غیر مخلوق ہے اور خالق کا محتاج نہیں ہے اسی طرح یا اپنے غیر کا محتاج ہے یا اپنے غیر سے غنی ہے اور غیر واجب بنفسہ کا قیام واجب بنفسہ کے ساتھ ہے اور حادث کا قیام قدیم کے ساتھ ہے اور مخلوق کے لئے خالق ہونا ضروری ہے اور محتاج کے لئے کسی غیر محتاج کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ اس کا قیام ہو اس لحاظ سے دو متناقض موجود کا وجود لازم آیا ایک موجود واجب بنفسہ قدیم ازلی خالق اپنے ماسوا سے مستغنی ہے اور اس کا ماسوا اسکے خلاف ہے اور بالضرورۃ یہ بات معلوم ہے کہ موجود حادث کا وجود نہ ہونے کے بعد ہوتا ہے اور حادث واجب بنفسہ نہیں ہوتا اسی طرح نہ وہ قدیم ازلی ہوتا ہے اور نہ اپنے غیر کا خالق ہوتا ہے اور نہ اپنے غیر سے مستغنی

ہوتا ہے تو پھر بدیہی طور پر دو موجود چیزوں کا وجود ثابت ہو گیا ایک کا نام واجب دوسرے کا نام ممکن ایک کا نام قدیم دوسرے کا نام حادث ایک کا نام غنی دوسرے کا نام فقیر ایک کا نام خالق دوسرے کا نام مخلوق لیکن وہ دونوں موجود اور ثابت ہونے میں متفق ہیں البتہ حقیقت میں ایک دوسرے کا مماثل نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ دونوں حقیقت میں متماثل ہوں گے تو وہ دونوں وجوب، جواز، امتناع میں بھی متماثل ہوں گے حالانکہ ان میں سے ایک واجب قدیم موجود بنفسہ ہے اور دوسرا نہ تو قدیم ہے نہ موجود بنفسہ ہے اور ان میں سے ایک خالق ہے دوسرا خالق نہیں ہے اور ایک مستغنی ہے دوسرا فقیر ہے۔

ان دلائل سے ان دونوں میں من وجہ اتفاق ہے اور من وجہ اختلاف ہے پس جس نے وجوہ اتفاق کی نفی کی وہ خدا کو معطل سمجھتا ہے اور اس کا قول باطل ہے اور جس نے دونوں کو متماثل بنا دیا وہ خدا کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے وہ بھی باطل بات کہتا ہے واللہ اعلم خیال رہے کہ اللہ پاک اور مخلوق اگرچہ مسمیٰ وجود میں متفق ہیں لیکن اللہ پاک اپنے وجود، علم قدرت اور دیگر صفات کے لحاظ سے خاص ہے بندہ ان میں اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہے اسی طرح بندہ بھی اپنے وجود، علم، قدرت کے ساتھ ہے اور ان خصائص میں بندے کی مشارکت سے اللہ پاک منزہ ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ دونوں مسمیٰ وجود، علم، قدرت میں متفق ہیں تو اس مشترک کلی کا اذہان میں وجود ہے اعیان میں نہیں ہے اس لئے کہ جو چیز اعیان میں ہوتی ہے وہ مختلف ہوتی ہے اس میں اشتراک نہیں ہوتا۔

بحث کا یہ مقام نہایت نازک ہے جب کہ بڑے بڑے دانشور اس میں پھسل جاتے ہیں اور متوہم دکھائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی مسمیٰ میں ان اشیاء کا اتفاق اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ کا وجود بندے کے وجود کے مماثل ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ لفظ وجود مشترک لفظی ہے جس طرح دیگر مشترک لفظی عام ہوتے ہیں اور تقسیم کو قبول کرتے ہیں اسی طرح وجود بھی واجب اور ممکن کی جانب تقسیم ہوتا ہے نیز قدیم اور حادث کی جانب بھی تقسیم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ تقسیم کا مورد مشترک ہوتا ہے جیسے لفظ مشتری خریدار اور ستارے پر بولا جاتا ہے اس کے معنی میں انقسام نہیں ہے البتہ لفظ مشتری کا اطلاق یا خریدار پر یا ستارے پر ہوتا ہے اس قسم کے مقالات

کی بحث کا مقام یہ نہیں ہے اس لئے ہم طوالت سے گریز کرتے ہیں ۔ البتہ لفظ وجود کو کلی کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کا مسمیٰ خارج میں ہے اور کلی کا مسمیٰ خارج میں نہیں ہوتا پس لفظ وجود اس معین میں ثابت ہے جب لفظ کا وجود کا اطلاق اللہ پر ہوگا تو مسمیٰ معین اور مختص ہوگا اور جب اس کا اطلاق بندے پر ہوگا تو بھی اس کا مسمیٰ معین اور مختص ہوگا پس اللہ کے وجود اور حیات میں اس کے ساتھ شریک نہیں بلکہ ذات معین موجود کے وجود میں بھی اس کا غیر اس کے ساتھ شریک نہیں ہے تو خالق کے وجود میں اس کا غیر کیسے شریک ہو سکتا ہے جب آپ کہتے ہیں کہ یہ وہ ہے تو یہاں مشار الیہ واحد ہے اگرچہ وجوہ کے لحاظ سے اختلاف ہے ۔

ان مثالوں کی روشنی میں اصل حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ مشبہ نے کچھ زیادتی کی وہ گمراہ ہو گئے اور معطلہ نے مماثلت کی نفی میں غلو اختیار کر گئے اور حق بات سے منحرف ہو گئے تو وہ بھی گمراہ ہو گئے جب کہ کتاب اللہ راہ حق کو واضح کر رہی ہے اور عقول سلیمہ صحیحہ بھی اس کو سمجھتے ہیں وہ ایسا صحیح راہ اعتدال ہے جس میں کجی نہیں ہے ۔

پس معطلہ نے یہ کام تو اچھا کیا کہ اللہ پاک کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ سے منزہ قرار دیا لیکن وہ صفات جو نفس الامر میں اللہ کی ذات کے لئے ثابت ہیں ان کی بھی نفی کر دی ۔

اور مشبہ نے اللہ پاک کی صفات کو ثابت کیا یہ تو ان کا اچھا کام ہے لیکن مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے کا کام اچھا نہیں اس لئے انہوں نے اللہ کے مقام کو گرا دیا ۔

الفاظ کی معانی پر دلالت آپ کا مخاطب ان معانی کے سمجھنے سے قاصر ہے جن کو آپ نے الفاظ کا لباس پہنا کر اس کے سامنے پیش کیا ہے ہاں اگر وہ ان کو پہلے سے جانتا ہے یا ان معانی کے مناسب معانی کو جانتا ہے اور ان دونوں میں قدر مشترک اور مناسبت موجود ہے تو سمجھنا آسان ہے ورنہ مخاطب کو اس کے بغیر نہیں سمجھایا جا سکتا ۔

ایک مثال دیکھئے جب ایک بچے کو بعض معانی کی تعلیم کے لئے الفاظ کا لباس پہنا کر اسے بتایا جاتا ہے اور اسے زبان کی تعلیم دی جاتی ہے تو اولاً مفرد الفاظ بولے جاتے ہیں اور اس کے مسمیٰ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کبھی مسمیٰ محسوس ظاہر ہوتا ہے اور کبھی محسوس باطن ہوتا ہے مثلاً بچے کے سامنے دودھ ، روٹی ، ماں ، باپ ، آسمان ، زمین ، سورج ، چاند ، پانی کے الفاظ

بولے جاتے ہیں تو جب تک ان میں سے ہر ایک کے مسمٰی کی طرف اشارہ نہ کیا جائے بچہ سمجھ نہیں سکتا اس لئے کہ ہر انسان سمعی تعلیم کا محتاج ہے دیکھئے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پہلے وہ انسان ہیں جن کو اللہ پاک نے ادلہ سمعیہ کے اصول کی تعلیم دی یعنی تمام چیزوں کے نام سکھلائے تھے اور روح کے ساتھ انہیں خطاب کیا ورنہ عقل کے ساتھ وہ ان چیزوں کو کیسے سمجھ سکتے تھے۔

پس کسی لفظ کا معنیٰ پر دلالت کرنا متکلم کے ارادہ پر موقوف ہے جو معنیٰ متکلم کے دل میں ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی مراد ہوگا اور اسی پر اس کی دلالت ہوگی کسی لفظ کے معنیٰ کو ابتداءً سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ الفاظ کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں جس کی وساطت سے معنیٰ سمجھ میں آسکے۔

پس اولاً یہ معلوم کرنا ہوگا کہ فلاں معنیٰ فلاں لفظ سے مراد لیا جاتا ہے جب اس کا علم ہو جائے گا۔ تو پھر دوسری بار جب اس لفظ کو سنا جائے گا تو بلا اشارہ وہ معنیٰ معلوم ہو جائے گا۔

لیکن اگر مشار الیہ محسوس باطن ہے مثلاً بھوک، سیرابی، پیاس، غم، خوشی ان اسماء کے معانی کا پتہ نہیں چل سکتا جب تک کہ نفس میں ان کا احساس جلوہ گر نہ ہو جب احساس بیدار ہوگا تو اس کی طرف اشارہ ہوگا اور معلوم ہو جائے کہ اس کا نام فلاں ہے۔

اور کبھی اشارہ اپنی بھوک اپنی پیاس کی طرف ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص آپ کو بھوکا محسوس کرتا ہے تو آپ اس سے کہتے ہیں کہ میں بھوکا ہوں تو یہ لفظ سن کر اشارات یا قرائن کے ساتھ اصل مراد کو معلوم کر لیتا ہے مثلاً بھوکے بچے کا اپنی والدہ کی جانب دیکھنا اور اسے اپنی بھوک کا احساس کرانا اور کہنا کہ وہ بھوکا ہے محسوس باطن کی مثال ہے۔

اس تمہید کے بعد اب دیکھئے جب متکلم اپنے مخاطب کو معانی بتانا چاہتا ہے تو یا تو مخاطب ان معانی کو احساس، مشاہدہ، عقل کے ساتھ ادراک کرتا ہے یا ادراک نہیں کر سکتا ہے۔

احساس اور مشاہدہ کی صورت میں زبان کی معرفت کی ضرورت نہیں کہ وہ اولاً الفاظ مفردہ کے معانی کی معرفت حاصل کرے پھر ترکیب کا معنیٰ معلوم کرے اس کے بعد جب اس کو ارشاد خداوندی:۔

الم نجعل له عينين ولسانا و شفتين (البلد ۸-۹)	بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور زبان اور ہونٹ (نہیں دیئے)

اور ارشاد خداوندی:۔

(واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم	اور خدا ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکم سے
لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع و	پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تم
الابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون	کو کان اور آنکھیں اور دل (اور ان کے علاوہ
(النحل ۷۸)	اور اعضا) بخشے تاکہ تم شکر کرو۔

اور اسے جن آیات کے ساتھ مخاطب کیا جائے گا تو مخاطب اپنے حواس کے ساتھ اس کا ادراک کرے گا اگرچہ جن معانی سے اسے متعارف کرانا مقصود ہے وہ ایسے ہیں جن کا نہ کبھی اس نے پہلے اپنے حواس سے ادراک کیا ہے اور نہ ان کے اعیان کا مشاہدہ کیا ہے اور نہ ہی وہ کوئی ایسی کلی ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس کا معنیٰ سمجھ میں آسکے بلکہ وہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کا اس نے اپنے حواس ظاہرہ اور باطنہ سے کچھ بھی ادراک نہیں کیا ہے پس اس کے معلوم کرنے کیلئے قیاس تمثیل اور اس کے اور دیگر معقولات (جن کا وہ مشاہدہ کر پایا ہے) (کے درمیان مشابہت اور مناسبت موجود ہے) کا اعتبار ضروری ہے اور جس قدر تمثیل قوی ہوگی اسی قدر بیان اچھا ہوگا اور فہم صحیح ہوگا۔

اسلام اور عربی زبان کی اصطلاحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ایسی باتیں بیان فرمائی ہیں جو آپ کے بیان سے قبل معروف نہ تھیں اور عربی لغت میں بھی ان پر دلالت کرنے والے الفاظ موجود نہ تھے تو آپ نے معانی کی مناسبت دیکھ کر ان کے لئے الفاظ وضع فرمائے ان کو اسماء قرار دیا اور بظاہر اسماء اور مسمیات میں قدر مشترک بھی موجود ہے مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، ایمان اور کفر وغیرہ۔

اسی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے امور کی خبر دی جن کا تعلق ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ساتھ تھا آپ کے خبر دینے سے قبل ہمیں وہ چیزیں معلوم نہ تھیں اور نہ ان کے لئے الفاظ وضع تھے تو آپ نے لغت عرب سے ایسے مناسب الفاظ کا انتخاب فرمایا جو معانی غیبیہ اور شہودیہ کے درمیان قدر مشترک پر دلالت کرتے تھے جب کہ اہل عرب معانی شہودیہ سے متعارف تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اشارات کا الحاق کر دیا جن سے اصل حقیقت کا بخوبی علم ہو سکے جیسے بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ چنانچہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کا قول ہے۔

الناس فی حجور علماء ھم کالصبیان	لوگ علماء کی گود میں یوں ہیں جیسے بچے اپنے
فی حجور آباء ھم	ماں باپ کی گود میں ہوتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امورِ غیبیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیبی امور کی خبر دی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن ...... کا ادراک وہ حواس اور عقل کے ساتھ کر سکتے تھے مثلاً آپ نے انہیں بتایا کہ تیز آندھی نے قوم عاد کو تباہ و برباد کر دیا تو وہ قوم عاد سے متعارف تھے وہ ان کی جنس سے تھے اور آندھی کو بھی جانتے تھے اگرچہ قوم عاد کو جس آندھی نے تباہ و برباد کیا وہ بہت سخت تھی اس طرح آپ نے ان کو بتایا کہ فرعون پانی میں غرق ہوا اس کے علاوہ بھی آپ نے گذشتہ اقوام کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں ان کے واقعات ہمارے لئے عبرت ہیں ارشاد خداوندی ہے:۔

لقد کان فی قصصھم عبرۃ	ان کے قصے میں عقل مندوں کے لئے عبرت
لاولی الالباب (یوسف ۱۱۱)	ہے۔

اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی خبر دی ہے کہ ان کا اور ان کے مثل من کل الوجوہ کا حقیقت میں توافق کا ادراک انہیں نہیں ہے البتہ مفردات کی دیگر مفردات کے بعض وجوہ کے لحاظ سے مشابہت معلوم ہوتی ہے جس طرح کہ جب آپ نے ان کو ایسے غیبی امور سے مطلع کیا جن کا تعلق اللہ اور آخرت کے ساتھ تھا تو اس صورت میں لازماً وہ ان الفاظ کے معزوات اور ان مفردات کے درمیان (جن کو وہ محسوسات اور عقل کے ساتھ جانتے ہیں) معنوی اشتراک اور مشابہت سے واقف ہیں۔

پس جب وہ کسی ایسے معنیٰ کا مشاہدہ کریں گے جس کو انہوں نے ابھی تک دنیاوی امور میں نہیں دیکھا لیکن آپ چاہتے ہیں کہ وہ اس کا مکمل مشاہدہ کر پائیں تاکہ ظاہر اور غائب معنیٰ کے درمیان قدر مشترک کو سمجھ سکیں تو آپ نے انہیں مشاہدہ کرا دیا اور اس کی جانب متوجہ کیا اور اسے اس طریق سے بیان فرمایا کہ سامعین کو علم حاصل ہو گیا کہ حقائق مشہودہ کی معرفت ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے غیبی امور کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔

تین درجات مزید وضاحت کے لئے ہم تین درجات پیش کرتے ہیں پہلا درجہ یہ ہے

کہ ہر انسان معانی محسوسہ، مشاہدہ کا ادراک کرتا ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ ہر انسان عقل کے ساتھ معانی کلیہ کا ادراک کرتا ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کو معلوم کیا جائے جو معانی حسیہ اور عقلیہ پر دلالت کرتے ہیں۔

پس ہر خطاب میں ان تین درجات کا معلوم کرنا ضروری ہے تو جب اسمیں ایسی باتوں کی خبر دی جاتی ہے جو مشاہداتی نہیں ہیں تو ہم ان کو اس وقت معلوم کر سکتے ہیں جب ہم ان غیر مشاہداتی اور مشاہداتی امور کے حقائق میں ما بہ الاشتراک اور مشابہت معلوم کریں یعنی اولاً ہمیں مشاہداتی امور معلوم کرنے ہوں گے اگر امور غیر مشاہداتی اور مشاہداتی میں کوئی فارق موجود نہیں تو ہمارے لئے حقیقت کو معلوم کر لینا آسان ہوگا جیسا کہ اقوام گذشتہ کے واقعات ہیں اور اگر مناسبت اور مشابہت موجود نہیں تو فارق کے ساتھ وضاحت کی جائے گی کہ یہ چیز فلاں کی مثل نہیں ہے اس طریق سے ہمارے لئے غیبی امور کو سمجھنا آسان ہو جائے گا اگر اشتراک نہ ہو تو پھر سمجھنا ممکن نہیں۔

ط :۔ اللہ پاک کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

ش :۔ اس لئے کہ اللہ کی قدرت کامل ہے ارشادات خداوندی ہیں :۔

ان اللہ علی کل شئ قدیر۔ (البقرۃ ۲۰) — بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

✤ ✤ ✤

وکان اللہ علی کل شئ مقتدرا (الکہف ۴۵) — اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

✤ ✤ ✤

وما کان اللہ لیعجزہ من شئ فی السموٰت ولا فی الارض انہ کان علیما قدیرا (فاطر ۴۴) — اور خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز اس کو عاجز کر سکے وہ علم والا (اور) قدرت والا ہے۔

وسع کرسیہ السموٰت والارض ولا یؤدہ حفظہما وھو العلی العظیم (البقرۃ ۲۵۵) — اس کی کرسی آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔

لفظ لا یؤدہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ آسمان و زمین کی حفاظت سے اس پر کچھ بوجھ واقع نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو عجز لاحق ہوتا ہے اور عجز کی نفی کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مکمل

قدرت والا ہے اسی طرح صفات خداوندی میں جس قدر منفی صفات ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی متضاد صفات اللہ پاک میں ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

ولا یظلم ربک احداً ‏ تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

(الکھف ۴۹)

اس صفت کی نفی کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں کمال عدل موجود ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض (سبا ۳) ‏ اس سے آسمانوں اور زمین ذرہ برابر بھی اوجھل نہیں۔

اس منفی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا علم کامل ہے

ارشاد خداوندی ہے۔

وما مسنا من لغوب (ق ۳۸) ‏ ہمیں کچھ تھکاوٹ نہ ہوئی۔

اس منفی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قدرت کاملہ کا مالک ہے

ارشادِ خداوندی ہے۔

لا تأخذہ سنۃ ولا نوم ‏ اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔

(البقرۃ ۲۵۵)

منفی صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی صفت حیات اور قیومیت کامل مکمل ہے

ارشادِ خداوندی ہے۔

لا تدرکہ الابصار (الانعام ۱۰۳) ‏ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کامل جلال والا ہے اور اس کی عظمت اور کبریائی کو کمال حاصل ہے ورگرنہ محض کسی صفت کی نفی سے کچھ مدح کا پہلو نہیں نکلتا ایک شاعر کہتا ہے ؎

قبیلۃ لا یغدرون بذمۃ ‏ ولا یظلمون الناس حبۃ خردل

وہ ایسا حقیر قبیلہ ہے جو عہد شکنی نہیں کرتا اور وہ لوگ کسی پر رائی کے دانے کے برابر ظلم بھی نہیں کرتے۔

اس شعر سے پہلے شعر میں چونکہ اس قبیلہ کا ذکر اس انداز سے ہے کہ ان میں سطوت

اور قوت نہیں ہے اسی لئے اس قبیلہ کا ذکر تصغیر کے صیغہ کے ساتھ کیا ہے مقصود یہ تھا کہ وہ کمزور ہیں مخالف سے بدلہ لینے کی سکت نہیں رکھتے جیسا کہ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

لکن قومی وان کانوا ذوی عدد   لیسوا من الشر فی شئ وان ھانا

لیکن میری قوم اگرچہ وہ تعداد میں تو زیادہ ہیں لیکن ان میں معمولی لڑائی کی بھی سکت نہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ مذموم ہیں اور ان میں عجز اور ضعف موجود ہے۔

کتاب اللہ میں اثباتی صفات یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ کتاب اللہ میں صفات خداوندی کا ذکر اثباتی انداز میں تفصیل کے ساتھ ہے اور منفی انداز میں مجمل ہے لیکن متکلمین کا اسلوب اس کے برعکس ہے انہوں نے منفی صفات کو تفصیلاً ذکر کیا ہے اور اثباتی صفات کو مجملاً بیان کیا ہے مثلاً متکلمین صفات خداوندی کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

متکلمین کا صفات کے بارے میں بیان اللہ پاک، جسم، جثہ، صورت، گوشت، خون شخص، جوہر، عرض، رنگ دار، خوشبو والا، کھانے کی چیز، قابل مس، حرارت والا، ٹھنڈک والا، رطوبت والا، یبوست والا، لمبا، چوڑا، گہرا، اجتماع، افتراق والا نہیں ہے اسی طرح نہ وہ متحرک ہے نہ ساکن ہے نہ اس کے حصے ہیں اور نہ ہی وہ اجزا والا ہے اور نہ ہی اس کے جوارح اور اعضاء ہیں وہ جہات والا نہیں وہ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر نیچے والا نہیں ہے اس کا کسی مکان نے احاطہ نہیں کیا ہوا ہے اور نہ ہی اس پر زمان کا اطلاق ہوتا ہے اس کو ہاتھ لگانا ممکن نہیں اس کا نہ تو الگ ہونا ممکن ہے اور نہ ہی کسی مکان میں حلول صحیح ہے۔

وہ مخلوق کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں جن سے مخلوق کا حادث ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی وہ متناہی کی صفت کے ساتھ موصوف ہے اس کی پیمائش نہیں ہو سکتی اور نہ ہی جہات میں اس کا ہونا ثابت ہے نہ وہ محدود ہے نہ وہ کسی کو جننے والا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے قدریں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور پردے اس کو محجوب نہیں کر سکتے ان تمام منفی صفات کا ذکر ابو الحسن اشعری نے معتزلہ سے نقل کیا ہے۔

اس تفصیل پر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی بعض باتیں صحیح ہیں جب کہ

بعض غلط بھی ہیں کتاب وسنت کی معرفت رکھنے والا اس فرق کو معلوم کر سکتا ہے پھر محض منفی صفات کا ذکر مدح کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس میں بے ادبی پائی جاتی ہے مثلاً آپ کسی بادشاہ سے کہیں کہ تو بھنگی نہیں ہے نہ جاروب کش ہے نہ تو حجام ہے اور نہ بافندہ ہے اگرچہ آپ جن منفی صفات کا ذکر کر رہے ہیں وہ بالکل درست ہیں لیکن بادشاہ بجائے خوش ہونے کے آپ پر ناراض ہوگا۔ مدح کی صحیح صورت تو یہ ہے کہ آپ منفی صفات کا ذکر اجمالاً کریں مثلاً آپ کہیں کہ آپ اپنی رعیت میں سے کسی کی مانند نہیں ہے آپ سب سے اعلیٰ اشرف اور بزرگ ہیں معلوم ہوا منفی صفات کا اجمالاً ذکر کرنا ادب کے عین مطابق ہے پس اللہ پاک کو الفاظ شرعیہ نبویہ سے پکارنا اہل سنت والجماعت کا طریق ہے اور معطلہ شارع کے بیان کردہ اسماء اور صفات سے اعراض کرتے ہیں۔ معانی پر غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور اپنی جانب سے ایجاد کردہ معانی اور ان کے الفاظ کو محکم سمجھتے ہیں ان کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان پر ہی ان کو اعتماد ہے۔

لیکن اہل حق اہل سنت اہل ایمان اللہ اور اس کے رسول کے فرمودات کو حق گردانتے ہیں جن پر ان کا اعتقاد ہوتا ہے اور اسی پر ان کا اعتماد ہوتا ہے لیکن معطلہ اور دیگر گمراہ فرقے یا تو اصلاً ان سے روگردانی کرتے ہیں یا منفی انداز سے جو کچھ بیان کرتے ہیں اس سے کتاب و سنت پر حکم لگاتے ہیں حالانکہ اصل یہ ہے کہ کتاب و سنت سے حکم لگایا جائے ان کے اکثر ذکر کردہ اوصاف، عقائد منفی ہیں مثبت بہت کم ہیں جیسے وہ حی ہے عالم، قادر ہے اور پھر منفی اوصاف کا اصل کتاب و سنت نہیں ہے اور نہ ہی وہ عقلی طریق ہے جس کو ان اہل علم نے اختیار کیا ہے جو مثبت اوصاف کا ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر (الشوریٰ ۱۱)

مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک صفات کمال میں منفرد ہیں اللہ پاک نے اپنے اوصاف خود بیان کیے ہیں اس کے رسولوں نے بھی اس کے اوصاف بیان کیے ہیں کہ اللہ کی ذات اسماء، صفات افعال میں بے مثل ہے نیز اللہ پاک کی ایسی صفات بھی ہیں جن پر مخلوق کا کوئی فرد مطلع نہیں ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالت کرب و غم میں ذیل کے کلمات کا ورد فرماتے:۔

اللّٰھم انی اسئلک بکل اسم ھو لک	اے اللہ! میں تیرے اس نام کے ساتھ
سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک	(جس کے ساتھ تو نے اپنا نام رکھا ہے
او علمتہ احداً من خلقک	یا جس کو تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا
او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک	ہے یا جس کو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی
ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی	کو سکھلایا ہے یا جس کو تو نے علم غیب
ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب	میں اپنے ہاں پسند فرمایا ہے) تجھ سے
ھمی وغمی[۱]	درخواست کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے

دل کا سرور میرے سینہ کا نور بنا اور میرے حزن و غم کو دور فرما)

متکلمین نے صفات کے بارے میں جو غلط طریق اختیار کیا ہے اس پر آئندہ اوراق میں تبصرہ کیا جائے گا ان شاء اللہ۔

اگرچہ شیخ امام طحاوی کا قول کہ کوئی چیز اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی اگرچہ منفی انداز کا ہے جس کی ہم مذمت کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وما کان اللہ لیعجزہ من شیئ	اور خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں
فی السمٰوٰت ولا فی الارض انہ	کوئی چیز اس کو عاجز کر سکے وہ علم والا
کان علیما قدیراً۔	(اور) قدرت والا ہے)

(فاطر ۴۴)

☆ ☆ ☆ ☆

اس آیت کے آخر میں عجز کی نفی کی دلیل پیش کی ہے یعنی وہ کمال قدرت اور علم والا ہے اس لئے کہ عجز تو ضعف سے پیدا ہوتا ہے یعنی جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اسے نہیں کر پاتا یا اس کو علم نہیں ہوتا کہ وہ کس طرح کرے لیکن اللہ سے تو کوئی ذرہ بھی پوشیدہ نہیں وہ سب کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہم عقل اور فطرت کے ساتھ بھی جانتے ہیں کہ اللہ کمال قدرت اور علم والا ہے مزید برآں یہ کہ ذات عاجز خدا نہیں ہو سکتی تعالیٰ اللہ عن ذکرذالک علواً کبیراً۔

---

[۱] (حدیث صحیح ہے الاحادیث الصحیحۃ ۱۹۹) للعلامہ البانی

ط :۔ (اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں)

ش :۔ یہ وہ کلمۂ توحید ہے جس کی جانب تمام رسولوں نے دعوت دی اس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔ خیال رہے کہ اس کلمہ میں توحید کا اثبات دونوں طریق نفی اثبات سے حصر کی صورت میں ہے جب کہ صرف اثبات میں احتمال کی گنجائش بھی ہوتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

والٰهكم اله واحد (البقرة ۱۶۳) اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔

اس کے بعد نفی اثبات کا جملہ بصورت حصر ذکر کیا فرمایا :۔

لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحمان رحیم ہے

لا الٰہ الا اللہ کی ترکیب نحوی (المنتخب) کے مؤلف نے نحویوں پر اعتراض کیا ہے جب کہ نحوی لا الٰہ الا اللہ میں لفظ وجود کو خبر مقدر تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا اصل لا اله فی الوجود الا اللہ تھا تو انہوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس ترکیب سے خدا کے وجود کی نفی تسلیم کرنا پڑتی ہے حالانکہ مقام توحید کا تقاضا یہ ہے کہ ماہیت کی نفی کی جائے اس لئے کہ وجود کی نفی سے ماہیت کی نفی میں زیادہ قوت ہے لہٰذا کلام میں مقدر نہ ماننا اس کو ظاہر پر محمول کرنا انسب ہے۔

لیکن ابو عبداللہ محمد بن ابی الفضل المرسی : "ری الظمآن" میں تحریر کرتے ہیں[1] :۔

[1] استاذ احمد شاکر فرماتے ہیں ان کا نام شرف الدین محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی الفضل المرسی الاندلسی ہیں جو نہ صرف ادیب اور نحوی تھے بلکہ محدث مفسر اور فقیہ بھی تھے یاقوت نے ان کا تذکرہ کیا ہے ۶۲۴ھ میں یاقوت کی ان سے مصر میں ملاقات ہوئی انہوں نے ان کا سن پیدائش ۵۷۰ھ بتایا ہے اور ان کی تالیفات میں ری الظمآن فی تفسیر القرآن کا بھی ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ تفسیر میں ان کی یہ کتاب عظیم ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آیات کے ربط کا ذکر کیا ہے ان کے مزید حالات معلوم کرنے کے لئے معجم الادباء : ۷ - ۱۶ - ۷۱ کا مطالعہ کریں ۶۵۵ھ میں عریش کی جانب جاتے ہوئے راستہ ہی دم توڑ دیا ابن کثیر نے تاریخ : ۱۳ - ۱۹۷ میں اور ابن العماد نے شذرات ۔ ۵ - ۲۶۹ میں ان کے حالات بیان کئے ہیں ہم نے صحیح ابن حبان کے مقدمہ میں ثابت کیا ہے کہ علامہ رضی الدین طبری نے صحیح ابن حبان کا ان سے سماع کیا ہے ان کے بارے میں نہایت دلچسپ اور عجیب بات یہ ہے کہ مختلف شہروں میں ان کے ذاتی کتب خانے تھے انہیں سفر میں کتابوں کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی (البانی)

سیبویہ کے قول کے مطابق لفظ الہٰ محل ابتدا میں ہے اور دوسرے نحویوں کے نزدیک وہ لا کا اسم ہے دونوں صورتوں میں مبتدا کی خبر مقدر ہے اور اضمار سے استغنا کی بات لغو ہے اور کلام عرب سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور یہ کہنا کہ مقدر نہ ماننے کی صورت میں ماہیت کی نفی ہے فضول بات ہے اس لئے کہ ماہیت کی نفی وجود کی نفی کو مستلزم ہے جب کہ ماہیت کا تصور وجود کے تصور کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا لا ماہیۃ اور لا وجود میں کچھ فرق نہیں اہل سنت کا یہی مسلک ہے البتہ معتزلہ اس کے مخالف ہیں ان کے ہاں ماہیت کا تصور وجود سے الگ موجود ہے اور (الا اللّٰہ) لا الہٰ سے بدل ہے اور مرفوع ہے نہ یہ لا کی خبر ہے اور نہ ہی مبتدا کی خبر ہے علامہ مرسی اس پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارا مقصود اس کے بیان سے اعراب بتانا نہیں ہے بلکہ نحویوں پہ معتزلہ کی جانب سے جو اعتراض ہوتا ہے اس کو رفع کرنا ہے ان کا اعتراض بالکل فاسد ہے جب کہ معتزلہ کہتے ہیں وجود کی نفی قید نہیں اس لئے کہ عدم لاشیٔ کا نام ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وقد خلقتك من قبل ولم تك شيئاً (مریم ۹) — اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ بھی نہ تھے۔

اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ لا الہٰ غیرہ جملہ لا الہٰ الا اللّٰہ کی مثل ہے اس لئے کہ غیر کے لفظ پر وہی اعراب آئے گا جو اس اسم پر آتا ہے جو الا کے بعد واقع ہوتا ہے لہٰذا خبر دونوں میں یکساں مقدر ہوگی۔

ط: وہ قدیم ہے جس کی ابتدا نہیں ہے وہ دائم ہے جس کی انتہا نہیں ہے۔

ش:۔ ارشاد خداوندی ہے:

هو الاول والآخر (الحدید ۳) — وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے ہے۔

اس کی تائید میں رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

اللهم انت الاول فليس قبلك شيئ وانت الآخر فليس بعدك شيئ. (مسلم ۸-۷۸-۷۹) — اے اللّٰہ! تو اول ہے تجھ سے اول کچھ نہ تھا اور تو آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں۔

پس شیخ طحاوی کا قول اللّٰہ کریم ہے اس کی ابتدا نہیں ہمیشہ ہے اس کی انتہا نہیں۔

قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر کی ایک شکل ہے مزید برآں ان دونوں کا ثبوت فطرتی ہے اس لئے کہ موجودات لازماً واجب الوجود بالذات کی طرف منتہی ہیں تاکہ تسلسل ختم ہو۔

دلیل حیوانات، نباتات، جمادات دیگر فضا میں نمودار ہونے والے حوادثات مثلاً بادل، بارش وغیرہ کا ہم رات دن مشاہدہ کر رہے ہیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ ان کے وجود کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں پس نہ تو یہ چیزیں ممتنع الوجود ہیں اور نہ ہی واجب الوجود ہیں۔ ممتنع الوجود اس لئے نہیں کہ ان کا وجود پایا جاتا ہے واجب الوجود اس لئے نہیں کہ واجب الوجود تو عدم کو قبول نہیں کرتا جب کہ یہ عدم کو قبول کرتے ہیں اس لئے کہ پہلے ان کا وجود نہ تھا پھر یہ چیزیں وجود میں آئیں اور جو چیز وجود، عدم دونوں کو قبول کرے اس کو واجب الوجود بالذات نہیں کہا جا سکتا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

ام خلقوا من غیر شئ ام هم الخالقون   کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں
(الطور ۳۵)   یا یہ خود اپنے (تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں کیا یہ سب موجودات بلا کسی محدث کے از خود وجود میں آگئے یا انہوں نے اپنے آپ کو وجود عطا کیا اس بات کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ جو چیز خود محدث ہے وہ اپنے آپ کو کیسے وجود میں لا سکتی ہے پس جس کا اپنے لحاظ سے وجود نہیں ہے وہ اپنے آپ کو بنفسہٖ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اگر کوئی سبب اس کو وجود میں لے آئے تو وہ وجود میں آجاتا ہے وگرنہ وہ معدوم رہتا ہے اور ہر وہ چیز جس کا وجود عدم کا بدل ہے یا جس کا عدم وجود کا بدل ہے اس کا نہ تو بالذات وجود ہے اور نہ ہی اس کو عدم لازم ہے۔

وجود باری پر متکلمین کے دلائل اور اسلوب قرآن متکلمین، فلاسفہ وجود باری پر عقلی دلائل پیش کرتے ہیں جب ہم ان پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ان کی افادیت سے انکار نہیں ہوتا البتہ اتنی بات ہم ضرور کہتے ہیں کہ ان کی جانب سے بیان کردہ نظری دلائل اور عقلی مقدمات بعض جلی ہیں اور بعض میں خفا ہے بلکہ بعض اوقات کبھی ایک دلیل ایک شخص سے مخفی ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک اس کے جلی ہونے میں کچھ شک نہیں ہوتا۔

مزید برآں کبھی ایک حالت میں ایک ہی چیز واضح اور دوسری حالت میں وہی چیز خفی دکھائی دیتی ہے اسی طرح بعض اوقات عقلی مقدمات خفی سمجھتے ہیں لیکن بعض لوگ ان کو تسلیم کرتے ہیں اور ان سے واضح عقلی مقدمات کو نہیں مانتے ہیں بالکل اسی طرح کبھی لوگ بحث ونظر کے بعد حاصل ہونے والے معلومات سے خوش ہوتے ہیں جب کہ امور ظاہرہ سے اتنی خوشی نہیں ہوتی پس جب ہم متکلین اور فلاسفر کے بیان کردہ عقلی دلائل اور قرآن پاک کے بیان کردہ دلائل کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآن پاک کا بیان نہایت فصیح مختصر اور واضح ہے اور جس قدر تحقیق وہاں ہے متکلین کے دلائل میں نہیں ہے بلکہ کہنا پڑتا ہے۔ اگر علمی تشنگی دور ہوتی ہے تو وہ صرف قرآن پاک کے دلائل سے ہوتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ولا یاتونك بمثل الا جئناك بالحق	اور یہ لوگ تمہارے پاس جو (اعتراض کی)
واحسن تفسیراً (الفرقان ۳۳)	بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس اس کا معقول
☆ ☆ ☆	اور خوب شرح۔ جواب بھیجتے ہیں۔

پس اگرچہ خدا کے وجود کا ثبوت ضروری اور فطری ہے کسی دلیل کی احتیاج نہیں تاہم بعض لوگوں کو کچھ شبہات پیش آجاتے ہیں جن کے ازالہ کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

کیا قدیم اللہ کا نام ہے؟ متکلمین نے اسماء الہیہ میں لفظ قدیم کا اضافہ کیا ہے حالانکہ اللہ کے اسماء حسنیٰ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے کہ لغت عرب (جس میں قرآن پاک نازل ہوا) میں بھی قدیم کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو اپنے غیر سے پہلے ہو اس کا اطلاق ایسی ذات پر نہیں جس پر کبھی عدم طاری نہیں ہوا۔

ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

حتیٰ عاد کالعرجون القدیم	یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے کھجور کی پرانی شاخ
(یٰس ۳۹)	کی طرح ہو جاتا ہے۔

پرانی شاخ کو اس وقت پرانی شاخ کہا جائے گا جب نئی شاخ نکل آئے اور اس کے نکلنے کے وقت اس کا وجود ہو تو نئی شاخ کو جدید اور پرانی کو قدیم کہا جائے گا ارشاد خداوندی ہے

واذ لم یھتدوا بہ فسیقولون ھذا	اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے

افک قدیم (الاحقاف ۱۱) تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔

یعنی پرانے زمانے کا جھوٹ ہے نیز ارشاد خداوندی ہے۔

افرءیتم ما کنتم تعبدون انتم (ابراہیم نے) کہا کیا تم نے دیکھا جن کو تم پوجتے

واٰباؤکم الاقدمون (الشعراء) رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا

(الشعراء ۷۵-۷۶) بھی۔

اس آیت میں اقدم مبالغہ کا صیغہ ہے چنانچہ فقہ کی کتابوں میں عام طور پہ ذکر آتا ہے کہ یہ قول امام شافعی کا قدیم ہے اور یہ جدید ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

یقدم قومہ یوم القیٰمۃ فاوردھم وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے

النار (ھود ۹۸) چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اتارے گا۔

خیال رہے کہ (قدیم) لازم استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے

اخذت ما قدم وما حدث۔ یعنی میں نے قدیم، جدید دونوں کو حاصل

کیا۔

اور متعدی بھی استعمال ہوتا ہے کہا جاتا (ھٰذا اقدم ھٰذا وھو یقدمہ) یہ اس سے پہلے تھا) اسی سے قدا کو قدم کہتے ہیں اس لئے کہ وہ انسان کے دوسرے بدن سے آگے ہوتا ہے۔

لیکن قدیم کا اطلاق اللہ پاک کی ذات پر کرنا درست نہیں اکثر سلف صالحین اس کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم بھی ان میں داخل ہیں ہاں اکثر متکلمین کے ہاں اس کا اطلاق اللہ پر ہوتا ہے اس لئے کہ تمام کائنات کے لحاظ سے اللہ کا وجود قدیم ہے لیکن اسماء الٰہیہ میں خاص طور پر مدح و توصیف کو ملحوظ رکھا گیا ہے جب کہ اس قدیم میں مدح کی صورت نہیں ہے اور پھر قدیم کے تقدم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کو تمام حوادثات پر تقدم حاصل ہے لہٰذا اس نام کو اسماء حسنیٰ میں داخل نہیں کیا جا سکتا شریعت میں اس کی جگہ پہ اللہ کا نام اول ہے اور اول بہرحال قدیم سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا مابعد اس کی طرف لوٹنے والا اور اس کا تابع ہے لیکن قدیم میں یہ معنیٰ موجود نہیں ہے اور پھر اللہ کے ناموں میں حسن مبالغہ کی حد تک ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اللہ کا نام اول

ہو ندیم نہ ہو۔

ط :۔ وہ ذات نہ فنا ہو گی اور نہ اس پر ہلاکت طاری ہو گی۔

ش :۔ اس میں اللہ پاک کے ہمیشہ باقی رہنے کا اقرار ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ	جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا
ربک ذو الجلال والاکرام	ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (با
(الرحمٰن ۲۶-۲۷)	برکت) جو صاحب جلال و عظمت ہے
	باقی رہے گی۔

فنا ہو جانا اور ہلاک ہو جانا دونوں مترادف المعنیٰ ہیں اور دونوں کو اکٹھا ذکر کرنے سے تاکید مقصود ہے اور قبل ازیں جو وصف بیان ہوئی ہے کہ اللہ کی ذات دائم ہے اس کی انتہا نہیں اس کی تائید میں یہ وصف ذکر کی گئی ہے۔

ط :۔ اور وہی کچھ ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے۔

ش :۔ اس میں قدریہ اور معتزلہ کا رد ہے جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے تو تمام لوگوں سے ارادہ کیا تھا کہ وہ ایمان لائیں لیکن اللہ کے ارادہ کے خلاف کفار نے کفر کا ارادہ کیا ان کا یہ قول کتاب و سنت اور عقل صحیح کے خلاف ہے دراصل یہ تقدیر کا مشہور مسئلہ ہے آئندہ اوراق میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

قدریہ کی وجہ تسمیہ ان کا نام قدریہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں اسی طرح جبریہ جو تقدیر کے ساتھ تبث. پکڑتے ہیں ان کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے لیکن قدریہ کا اطلاق پہلے فریق پر اکثر ہوتا ہے۔

اھل سنت کا تقدیر کے بارے میں موقف اہل سنت اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ تقدیر میں تو یہ بات مثبت ہے کہ اللہ معاصی کا ارادہ کرتا ہے لیکن نہ تو وہ معاصی کو اچھا جانتا ہے نہ معاصی کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی ان کا حکم دیتا ہے بلکہ ان کو مکروہ جانتا ہے ان کا ارتکاب کرنے والوں سے ناراض ہوتا ہے ان کو برا جانتا ہے اور ان سے روکتا ہے۔ چنانچہ تمام اسلاف اس نظریہ پر متفق ہیں وہ برملا اعلان کرتے ہیں اللہ پاک جو چاہتا

ہے وہی کچھ ہوتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ قسم کھانے والا اگر کہتا ہے اللہ کی قسم اگر اللہ نے چاہا تو میں فلاں کام کروں گا تو اگر اس نے وہ کام نہ کیا تو حانث نہ ہوگا اگرچہ وہ کام واجب یا مستحب ہی کیوں نہ ہو اور اگر اس نے کہا اللہ کی قسم میں یہ کام کروں گا اگر اللہ نے اس کو پسند کیا تو اگر وہ فعل واجب یا مستحب ہے تو حانث ہو جائے گا۔

ارادہ کی قسمیں

محققین اہل سنت کہتے ہیں کتاب اللہ میں ارادہ کی دو قسمیں ہیں قسم اول ارادہ قدریہ تکوینیہ خلقیہ قسم ثانی ارادہ دینیہ تکلفیہ شرعیہ چنانچہ ارادہ شرعیہ اس کی محبت اور رضا کو متضمن ہے اور ارادہ کونیہ اس مشیئت کا نام ہے جو موجودات کو شامل ہے جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں۔

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ
للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ
ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء
(الانعام ۱۲۶)

توجس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

نیز فرماتے ہیں حضرت نوحؑ نے کہا:۔

ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح
لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم
(ھود ۳۴)

اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔

نیز فرمایا:۔

ولکن اللہ یفعل ما یرید۔
(البقرۃ ۲۵۳)

لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

لیکن ارادہ شرعیہ تکلیفیہ ہے جیسا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر
(البقرۃ ۱۸۵)

اللہ تمہیں آسانی میں رکھنا چاہتا ہے تمہیں تنگی میں نہیں رکھنا چاہتا۔

نیز فرماتے ہیں:۔

یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم

خدا چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول

سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللہ علیم حکیم (النساء ۲۶)	کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

نیز فرمایا:۔

واللہ یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشھوات ان تمیلوا میلاً عظیما یرید اللہ ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفا (النساء ۲۷-۲۸)	اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے رستے سے بھٹک کر دور جا پڑو خدا چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

نیز فرمایا۔

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم و لیتم نعمتہ علیکم (المائدۃ ۶)	خدا تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے۔

نیز فرمایا:۔

(انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (الاحزاب ۳۳)	اے (پیغمبر کے) اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل صاف کر دے۔

ان آیات میں جس ارادہ کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ ارادہ ہے جو کہ ان لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے جو قبیح کام کرتے ہیں کہ یہ ایسے کام کر رہے ہیں جن کا اللہ ارادہ نہیں کرتا یعنی اللہ اس کو نہ پسند کرتا ہے اور نہ اس کا حکم دیتا ہے۔

اور ارادہ کونیہ وہ ارادہ ہے جس کا ذکر مسلمانوں کے اس قول میں ہے کہ جو کچھ اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

دونوں ارادوں میں فرق اس صورت میں کہ کسی کام کا ارادہ کرنے والا خود اس

کے کرنے کا ارادہ کرے اور اس صورت میں کہ وہ اپنے غیر سے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے بہت فرق ہے جب وہ خود کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ ارادہ اس کے فعل کے ساتھ متعلق ہے اور جب وہ اپنے غیر سے کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادہ کا تعلق غیر کے فعل کے ساتھ ہے دونوں صورتوں سے لوگ آشنا ہیں لیکن دوسری صورت میں ارادہ ثانیہ ضروری ہے جب کہ پہلی صورت میں ارادہ ثانیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

پس اللہ پاک جب بندوں کو کسی کام کا حکم دیتا ہے تو اللہ پاک کبھی مامور انسان کی اعانت کرتا ہے اور کبھی ارادہ نہیں کرتا اگرچہ اس کام کے کرنے کا ارادہ ضرور کرتا ہے اس تحقیق سے اللہ کے امر میں جو نزاع پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔

کیا اللہ کا امر اس کے ارادہ کو مستلزم ہے؟ اس امر میں نزاع یہ ہے کہ کیا اللہ کا امر اس کے ارادہ کو مستلزم ہے دیکھئے اللہ پاک نے اپنے پیغمبروں کی زبان پر مخلوق کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جو ان کے لئے مفید ہیں اور ان باتوں سے روک دیا جو ان کے لئے ضرر رساں ہیں البتہ لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جنہوں نے ان کے کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ پاک نے بھی ان میں ان کاموں کے فعل کو پیدا فرما دیا اور انسان کو فاعل بنا دیا اور بعض انسانوں میں ان کے فعل کو پیدا نہ کیا پس بندوں کے افعال کا خلق اللہ کی جانب سے ہے افعال کے خلق اور ان کے حکم دینے یا نہ دینے میں نمایاں فرق ہے ظاہر ہے کہ اس کام کا حکم دیا ہے جس میں بندوں کی مصلحت ہے اور اس کام سے روک دیا ہے جس میں بندوں کا نقصان ہے مثلاً اللہ پاک نے جب فرعون اور ابو لہب وغیرہ کفار کو ایمان لانے کا حکم دیا تو ان کے سامنے مصالح کو کھول کر بیان کیا اور فوائد سے روشناس کرایا لیکن اللہ کے حکم دینے کو یہ بات مستلزم نہیں کہ اللہ پاک ان کی اطاعت بھی فرمائے بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ پاک ان میں فعل کا خلق تو کرتا ہے لیکن چونکہ اس فعل میں مفسدہ ہوتا ہے اس لئے اللہ پاک اعانت نہیں فرماتا پس خلق اور امر میں واضح فرق ہے جس طرح اللہ پاک حکم تو دیتا ہے لیکن بعض اوقات اعانت نہیں فرماتا اسی طرح انسانوں میں بھی یہی صورت پائی جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں ایک آدمی اپنے غیر کو مصلحتاً کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا مقصد اس کی خیر خواہی ہوتا ہے لیکن باوجود اس بات کے وہ اس کی اعانت نہیں کرتا پس ضروری نہیں کہ جب کوئی شخص مصلحتاً اپنے غیر کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ

مصلحتاً اس کی اعانت بھی کرے بلکہ کبھی مصلحت اس کے مخالف ہوتی ہے لہٰذا امر اور فعل میں بھی فرق واضح ہو گیا۔

قدریہ کا استدلال قدریہ کہتے ہیں کہ جب ایک شخص دوسرے کو کوئی حکم دیتا ہے تو اس صورت میں کہ جس امر کا حکم دیا گیا ہے وہ مامور بہ کو مرغوب ہے اس کے کرنے سے اسے راحت ہوتی ہے اور وہ خوشی محسوس کرتا ہے بلکہ بعض اوقات حکم دینے والے کا استقبال کرتا ہے اور اس کی آسائش وغیرہ کا اہتمام کرتا ہے۔

جواب ایک شخص کا دوسرے کو حکم دینا دو قسم پر ہے قسم اول میں کام کے کرنے کی مصلحت کا تعلق حکم دینے والے کے ساتھ ہے جیسے بادشاہ جب اپنے لشکر کو ایسے احکامات دیتا ہے جس میں اس کی بادشاہت کو تقویت حاصل ہوتی ہے اسی طرح آقا اپنے غلام کو ایسے کاموں کا حکم دیتا ہے جن کے سرانجام پانے سے آقا کو مفاد حاصل ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک کاروبار میں دو شریک انسانوں کا حال ہے کہ جب ایک انسان دوسرے کو حکم دیتا ہے تو اس میں حکم دینے والے انسان کی مصلحت کارفرما ہوتی ہے۔

قسم ثانی میں حکم دینے والا مامور انسان کی اعانت چاہتا ہے اس میں مامور کی مصلحت کا خیال رکھا جاتا ہے جیسے امر بالمعروف کا مسئلہ واضح ہے کہ اس میں مامور کی مصلحت کا خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ اس سے کوئی نیک کام بن آئے ظاہر ہے کہ جب وہ اسے ایک نیک کام پر ابھارتا ہے تو ابھارنے والے کا مقصد یہ ہوتا کہ اس سے اس کو بھی ثواب حاصل ہو گا اور اس کے ذہن میں یہ تصور جاگزیں ہوتا ہے کہ اللہ اس بندے کی مدد کرتا ہے جب وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

پس اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حکم دینے والے نے مامور کو اس کی مصلحت کے لئے حکم دیا ہے اور حکم دینے والے کا اس میں ذاتی فائدہ کچھ نہیں جیسے وہ مشیر جو خیر خواہ ہے وہ جب مشورہ دیتا ہے تو بعض اوقات مشورہ دینے والے کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے جیسے وہ شخص جو شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے یوں گویا ہوا:۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

ان الملأ یأتمرون بك لیقتلوك (شہر کے) رئیس تمہارے بارے میں صلاحیں
فاخرج انی لك من الناصحین کرتے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں سو تم یہاں سے نکل جاؤ
(القصص ۲۰) میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔

اس ایت میں آنے والے انسان کا مقصود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے کہ وہ شہر چھوڑ کر چلا جائے اس کی اعانت کرنے سے قاصر ہے ظاہر ہے اگر وہ اعانت کرتا ہے تو اسے قوم کی جانب سے تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا اس قسم کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں پس جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ پاک بندوں کو اصلح کاموں کا حکم دیتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کو جن کاموں کا حکم دیتا ہے ان پر ان کی مدد بھی کرتا ہے خاص طور پر قدریہ کے ہاں ہرگز یہ بات قابلِ تسلیم نہیں کہ اللہ کسی کی اعانت کرتا ہے تاکہ کہیں یہ لازم نہ آجائے کہ اللہ فاعل ہے۔

پس جب اللہ پاک اصلح کا حکم دیتا ہے تو ثابت ہوا کہ اس کے افعال معلل بالحکمۃ ہیں اور نفس الامر میں حکم وغیرہ موجود ہیں اگرچہ کبھی وہ ہماری نظروں سے اوجھل رہیں اور جب حکم دینے والا حکم کا خیال رکھتا ہے تو اس کو مستلزم نہیں کہ مامور بہ فعل کی اعانت میں بھی حکمت کو دخل ہے بلکہ بعض اوقات مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی اعانت نہ کی جائے۔

پس جب مخلوق میں حکمت و مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مامور کی مصلحت دیکھ کر حکم دے لیکن اسی مصلحت کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کام میں اس کی اعانت نہ کرے تو اللہ پاک کے حق میں بھی مصلحت کا تقاضا تسلیم کیا جائے گا کہ اس کا حکم مصلحت کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اعانت میں بعض اوقات مصلحت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ایک انسان دوسرے کو کسی کام کا حکم دیتا ہے لیکن اس کی اعانت نہیں کرتا تو اسی طرح خالق بھی اعانت نہیں کرتا۔

پس اللہ پاک جس شخص کو حکم دیتا ہے پھر اس کی اعانت بھی کرتا ہے تو اس صورت میں فعل کے ساتھ اللہ کا تعلق بلحاظ خلق اور امر کے ہے لیکن اگر اس کی اعانت نہیں کرتا تو اس صورت میں بلحاظ امر کے تو تعلق ہے بلحاظ خلق کے نہیں ہے اس لئے کہ ایسی حکمت موجود نہیں ہے جو خلق کے تعلق کی متقاضی ہو بلکہ ایسی حکمت موجود ہے جو اس کی ضد کے خلق کی متقاضی ہے اور ایک ضد کا خلق دوسری ضد کے خلق کے منافی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔

مثال: جب انسان بیمار ہوتا ہے تو اس سے تواضع، انکساری پیدا ہوتی ہے۔ بیمار انسان

توبہ کرتا ہے گڑگڑاتا ہے خدا سے دعائیں مانگتا ہے اس سے اس کے گناہ دور ہوتے ہیں اس کا دل صیقل ہوتا ہے کبر و نخوت کا خاتمہ ہوتا ہے اور کسی پر زیادتی کرنے کا داعیہ سرد پڑ جاتا ہے تو بیماری کے یہ فوائد ہیں لیکن صحت میں یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

اسی طرح ظالم کے ظلم سے مظلوم کی طبیعت میں رقت طاری ہوتی ہے بالکل جس طرح رضا میں رقت پیدا ہوتی ہے پس اس ظلم سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں وہ عدل سے حاصل نہیں ہوتے اگرچہ مصالح عدل کا تقاضا کرتے ہیں۔

اللہ کے خلق اور امر میں جو حکمتیں کارفرما ہیں ان کی تفصیل سے معرفت حاصل کرنا ممکن نہیں انسانی عقل عجز کا اعتراف کرتی ہے لیکن فرقہ قدریہ علتوں کے بیان میں فاسد طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ مشابہ قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حکمتوں کو ثابت نہیں کرتے ہیں۔

(ط) نہ تو وہاں وہم کی رسائی ہے اور نہ ہی انسانی فہم اس کا ادراک کر سکتا ہے۔

(شرح) ارشاد خداوندی ہے:۔

ولا یحیطون بہ علما (طٰہٰ: ۱۱۰)	اور وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

صحاح میں وہم کا معنی ظن اور فہم کا معنی علم کیا گیا ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ کی ذات تک وہم کی رسائی نہیں اور نہ ہی علم اس کا احاطہ کر سکتا ہے بعض کہتے ہیں وہم کا معنی ظن ہے کہ وہ فلاں صفت کا مالک ہے اور فہم کا حصول عقل سے ہوتا ہے اور وہ اس کا احاطہ کرتی ہے اور اللہ سبحانہ کی کیفیت کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہیں وہ خود ہی اس کا علم رکھتا ہے ہاں ہم اللہ سبحانہ کو اس کی صفات کے ساتھ پہچانتے ہیں وہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ اس نے جنا اور نہ وہ جنا گیا ہے اور کوئی بھی اس کی برابری کرنے والا نہیں ارشاد ربانی ہے۔

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (البقرۃ ۲۵۵)	خدا (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں زندہ ہمیشہ رہنے والا اسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

☆ ☆ ☆

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر	وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے)

سبحان اللہ عما یشرکون ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم) (الحشر ۲۳-۲۴)	سلامتی امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑائی والا خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے وہی خدا (تمام مخلوقات کا) خالق ایجاد واختراع کرنے والا صورتیں بنانے والا ہے اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

(ط) مخلوق اس کے مشابہ نہیں ہے۔

(ی) اس میں مشبہہ کا رد ہے جو خالق کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں حالانکہ ارشاد خداوندی ہے

لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر (الشوریٰ ۱۱)	اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

لیکن عدم مماثلت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اہل بدعت کی طرح اللہ سبحانہ، سے اس کی صفات کی بھی نفی کی جائے۔

امام ابوحنیفہ کا قول چنانچہ امام ابوحنیفہ "الفقہ الاکبر" میں لکھتے ہیں کہ اللہ اپنی مخلوق میں کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی مخلوق اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اور اللہ سبحانہ، کی تمام صفات مخلوق کی صفات کے منافی ہیں اس کا علم ہمارے علم کے مشابہ نہیں اس کی قدرت ہماری قدرت جیسی نہیں اور نہ ہی اس کی رؤیت ہماری رؤیت کی طرح ہے۔

نعیم بن حماد کا قول جو شخص اللہ پاک کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ پاک کی ان صفات کا انکار کرتا ہے جن کا اثبات خود اللہ پاک نے کیا ہے وہ بھی کافر ہے اور اللہ پاک کے جن اوصاف کا ذکر خود اس نے کیا یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہ نہیں ہیں۔

اسحاق بن راہویہ کا قول جو شخص اللہ کے اوصاف کو کسی مخلوق کے اوصاف کے مشابہ

قرار دیتا ہے وہ اللہ عظیم کے ساتھ کفر کرتا ہے نیز اس میں جہم بن صفوان اور اس کے رفقائے کے علامات پائے جاتے ہیں لیکن وہ نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ اہل سنت پر الزام تراشی کرتے ہیں اور انہیں مشبہ بلکہ معطلہ کا لقب دیتے ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ کے علاوہ بھی کثیر ائمہ کرام سے یہ قول منقول ہے کہ جہمیہ کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کو مشبہ قرار دیتے ہیں اس لئے کہ جو لوگ اللہ پاک کے اسماء اور صفات کا انکار کرتے ہیں وہ ان لوگوں کو مشبہ کہتے ہیں جو اللہ پاک کے اسماء اور صفات کا اثبات کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ قرامطہ، فلاسفہ دیگر زندیق فرقے جو کلیۃً اللہ کے اسماء کا انکار کرتے ہیں اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اس بات کے مدعی ہیں کہ اللہ پاک کو عالم، قادر کہنا درست نہیں اس لئے کہ اللہ پاک کو ان اسماء کے ساتھ پکارنے والا مشبہ کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے ظاہر ہے کہ اشتراک فی الاسم، اشتباہ فی المعنیٰ کو مستلزم ہے اور جو شخص اللہ پاک کے لئے ان اسماء کو مجازاً ثابت کرتا ہے جیسا کہ غالی قسم کے جہمیہ کا خیال ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ پاک کو حقیقۃً عالم، قادر قرار دینا تشبیہ کے دروازہ کو کھولنا ہے پس جہمیہ صفات خداوندی کا انکار کرتے ہیں وہ نہ تو اللہ کے علم و قدرت کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی کلام، محبت، ارادہ کو مانتے ہیں ان صفات کے ماننے والوں کو مشبہ اور مجسمہ کہتے ہیں جیسا کہ جہمیہ، معتزلہ، رافضیہ گمراہ فرقوں کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت الم نشرح ہو رہی ہے چنانچہ وہ بلا جھجک کہتے ہیں کہ فرقہ مجسمہ سے ہی مالکیہ ہیں جو اپنی نسبت امام مالک کی جانب کرتے ہیں اور شوافع جو اپنی نسبت امام محمد بن ادریس شافعی کی جانب کرتے ہیں بلکہ ان میں جو قرآن پاک کے مفسر ہیں جیسے زمخشری، عبدالجبار وغیرہ وہ بھی اپنی تفاسیر میں صفات ثابت کرنے والوں کو مشبہ کا لقب دیتے ہیں متاخرین میں یہ اصطلاح کثرت کے ساتھ متداول ہے۔

اہل سنت علماء کی تصریحات

اہل سنت علماء کے نظریات مشہور ہیں وہ اگرچہ تشبیہ کا تو انکار کرتے ہیں لیکن صفات کا انکار نہیں کرتے ان کے ہاں اللہ پاک اسماء صفات، افعال میں کسی مخلوق کے ساتھ مشابہ نہیں جیسا کہ سابقہ اوراق میں امام ابو حنیفہ کا قول گزر چکا ہے کہ اللہ کا علم اس کی قدرت اور رؤیت ہمارے علم، قدرت اور رؤیت جیسی نہیں ہے اور فرمان خداوندی

لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر

کا یہی معنیٰ ہے اس آیت میں مثلیت کی نفی ہے اور صفات کا اثبات ہے۔

آئندہ اوراق میں خود شیخ کے کلام میں مزید وضاحت ذکر کی جائے گی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تشبیہ کی نفی صفات کی نفی کو مستلزم نہیں۔

مقدمات کی ترتیب

مزید وضاحت کے لئے ہم چند مقدمات کی ترتیب پیش کرتے ہیں اولاً علم الٰہی کے اثبات میں قیاس تمثیلی سے استدلال جائز نہیں جس میں اصل، فرع مساوی ہوتے ہیں ثانیاً قیاس شمولی کے ساتھ بھی استدلال ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے افراد مساوی ہوتے ہیں حالانکہ اللہ کا کوئی مثیل نہیں اس کو کسی کے برابر نہیں کہا جا سکتا ثالثاً؛ اللہ پاک اور اس کے غیر کو کسی کلیہ کے تحت داخل نہیں مانا جا سکتا ہے جس کے افراد مساوی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب فلاسفہ اور متکلمین نے مطالب الٰہیہ کے اثبات میں اس قسم کے قیاسات کو پیش کیا تو وہ یقین و اذعان کی منزل پر رسائی حاصل نہ کر سکے بلکہ ہم دیکھتے ہیں ان کے دلائل میں تناقض رونما ہو گیا اور بالآخر حیرت اور اضطراب نے ان کے حواس کو ناکارہ بنا دیا اور ان کے دلائل کا ضعف واضح ہو گیا کہ کسی دلیل کو فی الحقیقت دلیل کہنا درست نہ رہا البتہ قیاس اولیٰ کا استعمال صحیح ہے خواہ اس کی بظاہر صورت تمثیلی ہو یا شمولی ہو ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں (وللہ المثل الاعلیٰ (النحل ۶۰) ہم کہتے ہیں کہ ہر کمال جو ممکن، محدث کے لئے ہو سکتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی نقص، عیب نہ ہو اور پھر اس کے وجود کو کسی وقت بھی عدم مستلزم نہ ہو تو اللہ پاک واجب قدیم اس کا حقدار ہے اور ہر وہ کمال جو کسی مخلوق میں پایا جاتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے اس کو اس مخلوق نے اپنے خالق، رب، مدبر سے حاصل کیا ہے اور وہی اس کا زیادہ حقدار ہے اور ہر نقص اور عیب جو کمال کے سلب کو متضمن ہے جب اس کی نفی مخلوقات، ممکنات، محدثات سے ضروری ہے تو اللہ پاک سے اس کی نفی بطریق اولیٰ ضروری ہو گی۔

مزید تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو صفات خداوندی کی نفی میں غلو کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں وہ مذکورہ آیت و للہ المثل الاعلیٰ سے صفات اور اسماء کی نفی کرتے ہیں چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ اللہ پاک واجب الوجود ہے اس میں فلاں فلاں وصف نہیں ہے اس کے باوجود وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اصل فلسفہ یہ ہے کہ حسب استطاعت خدا کو تشبیہ کے ساتھ ثابت کیا جائے اور یہی انسانی کمالات کی انتہا ہے کہ وہ اخلاق میں خدا کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو چنانچہ وہ لوگ اس کے اثبات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث پیش کرتے ہیں (تخلقوا باخلاق

اللہ[1] (یعنی تم اپنے آپ کو اللہ کے اخلاق کے ساتھ متصف کرو) ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ جب آپ اللہ کی صفات کی نفی کرتے ہیں تو پھر آپ کے خیال میں وہ کونسے اوصاف ہیں جن کے ساتھ کوئی انسان موصوف ہوگا۔

ہمارا مسلک بالکل واضح ہے کہ اللہ کی صفات کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن اللہ پاک نہ تو کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی مخلوق اللہ کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے عیسائی، حلولیہ، اتحادیہ لعنہم اللہ ہماری رائے کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔

متن میں شیخ نے صرف ایک پہلو کا ذکر کیا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتے اس لئے کہ جب لوگوں کی مشابہت کی نفی ہوگئی تو یہ نفی اس بات کو مستلزم ہے کہ اللہ پاک بھی کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔

شیخ نے متن میں لفظ انام کا استعمال کیا ہے جس کا معنی ہم نے (الناس) یعنی لوگ کیا ہے اگرچہ بعض لوگوں نے اس کا معنی ذی روح بعض نے جن وانس کیا ہے لیکن ارشاد خداوندی ہے۔
(والارض وضعہا للانام) (الرحمٰن ۱۰) سے پہلا معنی ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی انام کا معنی لوگ ہیں۔

(ط) وہ زندہ ہے اس پر موت طاری نہیں ہوگی وہ قیوم ہے اس کو نیند نہیں آتی۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے

اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم (البقرۃ ۲۵۵)

اللہ (معبود حقیقی ہے) کوئی معبود نہیں سوائے اس کے وہ زندہ قائم ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

❊ ❊ ❊

پس اونگھ نیند کی نفی اس کی کمال حیات اور اس کی قیومیت پر دال ہے ارشاد خداوندی ہے

الم اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم نزل علیک الکتاب بالحق (آل عمران ۱-۳)

الم اللہ (معبود حقیقی ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ قائم ہے اس نے حق کے ساتھ تجھ پر کتاب نازل کی

❊ ❊ ❊

نیز فرمایا:۔

---

[1] کتب حدیث میں اس کا اصل موجود نہیں ہے بلکہ سیوطی کی جامع الکبیر میں بھی یہ حدیث نہیں ہے۔

وعنت الوجوہ للحی القیوم (طٰہٰ ۱۱۱)	اور اس زندہ قائم کے روبرو منہ نیچے ہو جائیں گے۔

نیز فرمایا:۔

وتوکل علی الحی الذی لا یموت وسبح بحمدہ (الفرقان ۵۸)	اور اس (خدائے) زندہ پر بھروسہ رکھو جو (کبھی) نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

ھوالحی لا الٰہ الا ھو (غافر ۶۵)	وہ (معبود) زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

٭ ٭ ٭

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام الحدیث [۱]	بے شک اللہ پر نیند طاری نہیں ہوتی اور اس کے لئے نیند کرنا لائق بھی نہیں ہے۔

فاضل مصنف نے جب تشبیہ کی نفی کی تو ان صفات کا اشارۃً ذکر فرمایا جن کی وجہ سے مخلوق اور خالق کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے اس لئے کہ وہ صفات صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً یہ صفت کہ اللہ زندہ ہے اس پر موت طاری نہیں ہوتی لیکن مخلوق پر موت طاری ہوتی ہے۔ اور یہ صفت کہ اللہ قیوم ہے وہ نیند اونگھ سے منزہ ہے لیکن اس کی مخلوق اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہے لیکن مقصود اللہ اور مخلوق کے درمیان تشبیہ کی نفی کرنا ہے صفات کی نفی کرنا نہیں ہے ظاہر ہے کہ مخلوق بھی حیات کی صفت کے ساتھ موصوف ہے اگرچہ ان کی یہ صفت زائل ہونے والی ہے لیکن اللہ کی یہ صفت زائل ہونے والی نہیں ہے اسی لئے دنیا کی زندگی کو متاع لہو ولعب قرار دیا گیا ہے اور آخرت کی زندگی کو اصل زندگی کہا گیا ہے گویا کہ دنیا کی زندگی زائل ہونے کے لحاظ سے نیند کی مانند ہے اور آخرت کی زندگی بیداری کی مثل ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آخرت کی زندگی کامل اکمل ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ آخرت کی زندگی جو کہ کامل اور دائمی ہے اللہ پاک نے ہی مخلوق کو یہ دائمی زندگی عطا کی ہے

---

[۱] مسلم، ابن ماجہ۔

جس طرح اللہ کی حیات کو بالذات دوام حاصل ہے مخلوق کو بالذات دوام نہیں ہے بالکل اسی طرح دیگر صفات کا حال ہے پس اللہ پاک کی صفات اس کے ساتھ ہیں جس طرح کہ وہ اس کے ساتھ لائق ہیں اور مخلوق کی صفات اس کے ساتھ ہیں جس طرح کہ وہ اس کے ساتھ لائق ہیں۔

الحی القیوم کی تشریح اللہ پاک کے یہ دونوں نام قرآن پاک میں تین سورتوں میں ذکر ہوئے ہیں اور یہ دونوں اللہ پاک کے اسم اعظم ہیں اور اکمل اصدق صفات ہیں اور قیوم ازلیت ابدیت پر لفظ قدیم سے زیادہ دلالت کرتا ہے نیز یہ لفظ اللہ پاک کو واجب الوجود ثابت کرتا ہے اور قیام سے ابلغ ہے اس لئے کہ بنسبت الف کے واو میں قوت زیادہ ہوتی ہے تمام مفسرین اور اہل لغت متفق ہیں کہ اس کا مفہوم قائم بالذات ہے اور بداہتہً یہی معنیٰ معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن کیا وہ اپنے غیر کو قائم کرتا ہے اور اس کا قیام اس کے ساتھ ہے اس میں دو قول ہیں صحیح قول یہی ہے کہ وہ اسی کا فائدہ بخشتا ہے یعنی اس میں قیام کا دوام اور کمال موجود ہے صیغہ مبالغہ کا بھی یہی تقاضا ہے پس اللہ سبحانہٗ نہ زائل ہوگا نہ غائب ہوگا نہ اس میں نقص پیدا ہونے کا امکان ہے نہ اس پر فنا طاری ہوگا اور نہ ہی وہ معدوم ہوگا بلکہ وہ ذات دائم ہے باقی ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی کمال کے تمام اوصاف کے ساتھ موصوف رہے گی اور قیوم کے ساتھ لفظ حی کا اقتران تمام صفات کاملہ کو مستلزم ہے اور اللہ کی ذات کے دوام اور بقاء پر دال ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے نقص اور عدم منتفی ہے یہی وجہ ہے کہ (اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم) قرآن پاک میں اعظم آیت ہے جیسا کہ صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے اور ان دونوں پر تمام اسماء حسنیٰ کا دارومدار ہے اور تمام اسماء کے معانی کا مرجع یہ دونوں ہیں ظاہر ہے کہ صفت حیات تمام صفات کمال کو مستلزم ہے اگر کوئی صفت مختلف ہوتی ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حیات میں ضعف ہے لیکن اگر اللہ کی حیات کی صفات اکمل اور اتم ہیں تو حیات کا اثبات ہر کمال کے اثبات کو مستلزم ہے۔

اور صفت قیومیت اس کے کمال استغناء اور کمال قدرت کو مستلزم ہے وہ بذاتہ قائم ہے وہ کسی لحاظ سے بھی اپنے غیر کا محتاج نہیں ہے بلکہ اپنے غیر کو قیام عطا کرنے والا ہے بلکہ غیر کے قیام کا اسکے قیام پر انحصار ثابت ہوا کہ یہ دونوں اسم صفات کمال پر مکمل طور پر مشتمل ہیں۔

(ط) وہ خالق ہے لیکن خلق کی اسے ضرورت نہیں وہ رازق ہے لیکن وہ مشقت سے عاری ہے۔

(ش) ارشادِ خداوندی ہے:۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین (الذاریات ۵۶-۵۸)	اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

یاایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید (فاطر ۱۵)	اے لوگو! تم محتاج ہو اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو بے پرواہ اور تعریف والی ہے۔

نیز فرمایا۔

واللہ الغنی وانتم الفقراء (محمد ۳۸)	اور اللہ بے پرواہ اور تم محتاج ہو۔

نیز فرمایا۔

قل اغیر اللہ اتخذ ولیا فاطر السموٰت والارض وھو یطعم ولا یطعم (الانعام ۱۴)	کہو کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں کہ وہی) تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا۔

❖ ❖ ❖

حضرت ابوذر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

یاعبادی لوان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم مازاد فی ملکی شیئًا یاعبادی لوان اولکم واٰخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد منکم مانقص ذالک فی ملکی شیئًا یاعبادی لوان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی	اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد والے تمہارے انسان اور جن تم میں سے زیادہ متقی انسان کے دل والے ہو جائیں تو وہ میری بادشاہت میں کچھ اضافہ نہیں کریں گے اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد والے اور تمہارے انسان اور جن تم میں سے زیادہ بدمعاش انسان کے دل والے ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کمی نہیں ہوگی اے میرے بندو! اگر تمہارے پہلے اور بعد والے اور تمہارے انسان اور جن

فاعطیت کل انسان مسئلتہ	کسی چٹیل زمین میں اکٹھے ہو جائیں اور مجھ سے
ما نقص ذالک مما عندی	سوال کریں اور میں ہر شخص کے سوال کو پورا
الا کما ینقص المخیط اذا ادخل	کردوں تو اس سے میری بادشاہت میں صرف
البحر الحدیث مسلم وقولہ بلا	اتنی ہی کمی واقع ہوگی جس قدر کہ سوئی کو جب
مؤنتہ بلا ثقل ولا کلفۃ ۔	سمندر میں داخل کیا جائے پھر نکال لیا جائے سمندر

کے پانی میں کمی آتی ہے (مسلم)

بلا مؤنتہ کا معنی بلا مشقت ہے ۔

(ط) وہ مارنے والا ہے اسے کسی کا ڈر نہیں ہے وہ اٹھانے والا ہے اس میں اسے کچھ مشقت نہیں

(ش) موت وجودی صفت ہے فلاسفہ اس کے مخالف ہیں ارشاد خداوندی ہے ۔

الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم	اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ آزمائش کرے
ایکم احسن عملاً (ملک ۲)	کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے ۔

جب اس آیت میں موت پر خلق وارد ہے تو معلوم ہوا کہ موت وجودی صفت ہے اگر عدمی ہوتی تو اس پر خلق وارد نہ ہوتا ۔

حدیث میں ہے کہ موت کو قیامت کے دن مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا جنت اور دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کر دیا جائے گا (بخاری، مسلم)

موت اگرچہ عرض ہے لیکن اللہ پاک اس کو عین کی شکل میں تبدیل فرمائیں گے جیسا کہ نیک عمل کے بارے میں آیا ہے کہ نیک عمل خوبصورت نوجوان کی شکل میں آئے گا اور برا عمل بدصورت انسان کی شکل میں آئے گا اسی طرح قرآن پاک کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ بھی خوبصورت نوجوان کی شکل میں آئے گا۔

(دارمی)

نیز اعمال کے بارے میں وارد ہے کہ ان کو ترازو میں رکھا جائے گا حالانکہ اعراض کا وزن نہیں ہو سکتا ۔

معلوم ہوا کہ انہیں اعیان میں تبدیل کر دیا جائے گا اور سورتہ البقرہ اور آل عمران کے بارے میں وارد ہے کہ قیامت کے دن وہ دونوں سورتیں دو بادلوں یا دو سایوں یا پر پھیلانے والے پرندوں کی دو جماعتوں کی مانند ہوں گی اور جو شخص ان کو پڑھا کرتا تھا

ان پر سایہ کریں گی (مسلم)

نیز صحیح حدیث میں ہے کہ بندوں کے اعمال آسمان کی جانب بلند ہوتے ہیں (بخاری)

مزید بحث البعث والنشور کے باب میں ذکر ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ

(ط) مخلوق پیدا کرنے سے پہلے وہ ہمیشہ قدیم صفات کے ساتھ رہا مخلوق پیدا کرنے سے اس کی صفات میں کچھ اضافہ نہیں ہوا جو پہلے نہ تھا اور جس طرح اس کی صفات ازلی ہیں اسی طرح وہ ابدی رہیں گی۔

(شرح) بے شک اللہ پاک اور بلند ہمیشہ کمال کی صفات کے ساتھ موصوف رہا عام ہے کہ وہ صفات ذاتی ہیں یا فعلی اور ہرگز یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہوا جو اس میں پہلے نہ تھی اس لئے کہ اللہ پاک کی صفات کامل ہیں اور ان کا فقدان نقص کو مستلزم ہے بھلا اللہ پاک کے بارے میں یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ پہلے وہ کمال کے ساتھ موصوف نہ تھا اسے بعد میں کمال حاصل ہوا اسی طرح صفات فعلی اور اختیاری وغیرہ مثلاً پیدا کرنا، شکل بنانا، مارنا، زندہ کرنا، بند کرنا، فراخ کرنا، لپیٹنا، مستوی ہونا، آنا، اترنا، ناراض ہونا، راضی ہونا وغیرہ صفات جن کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف فرمایا ہے اور جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک کو موصوف فرمایا ہے اگرچہ ہم ان کی کنہ اور حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم اپنی رائے سے ان کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی خواہشات کے ساتھ ہم ان کی کوئی وہمی صورت پیش کر سکتے ہیں اگرچہ صفات کا اصل معنیٰ ہمیں معلوم ہے جیسا کہ امام مالکؒ سے (ثم استوی علی العرش الاعراف ۵۴) وغیرہ آیات صفات کے بارے میں سوال ہوا کہ اس کے مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے۔

امام مالک کا قول

امام مالک نے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیف مجہول[۱] اللہ کا مستوی ہونا معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے

---

[۱] صاحب کتاب نے امام مالک کا مکمل جواب ذکر نہیں کیا بقیہ الفاظ یہ ہیں: الایمان بہ واجب والسؤال عنہ بدعۃ) اس پر ایمان ضروری ہے اور سوال کرنا بدعت ہے

اگرچہ بعض صفات ایسی ہیں جن کا بظاہر کبھی ظہور ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا جیسا کہ شفاعت والی حدیث میں ہے: میرا رب آج اس قدر غصہ میں ہے کہ اس سے پہلے اس طرح غصہ میں نہ تھا اور نہ پھر کبھی اس طرح غصہ میں ہو گا (بخاری، مسلم)

ظہور کے لحاظ سے کسی صفت کا حدوث ممتنع نہیں ہے اس لئے کہ یہاں بھی ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ صفت پہلے نہ تھی اب اس کا حدوث ہوا ہے۔

مثال ایک شخص آج کلام کر رہا ہے اس سے قبل وہ کل بھی کلام سے موصوف ہوا تھا تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس کا کلام کرنا حادث ہے جب کہ وہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے بھی کلام نہیں کرتا ہے مثلاً بچپن یا جب کوئی گونگا ہے تو اس میں کلام کرنے کی قوت موجود ہے وہ جب چاہے کلام کر سکتا ہے اسی طرح بلا کسی رکاوٹ کے کلام نہ کرنے والا بھی متکلم بالقوۃ ہے اور جب وہ کلام کرے گا تو وہ متکلم بالفعل ہو گا بالکل اسی طرح وہ کاتب جو بالفعل کتابت کر رہا ہے وہ کتابت نہ کرنے کی صورت میں کاتب ہونے کے دائرہ سے خارج نہیں۔

کیا اللہ تعالیٰ محل حوادث ہے؟ اللہ پاک کی ذات میں نہ تو حوادث کا حلول ہوتا ہے اور نہ ہی کسی جدید وصف کے ساتھ وہ موصوف ہوتا ہے جو وصف پہلے نہ تھا لیکن اس سے صفات اختیاری کا سلب درست نہیں مثلاً یہ کہ وہ جو چاہتا ہے نہیں کر سکتا ہے اور وہ جب چاہتا ہے جو بات کرنا چاہتا ہے نہیں کر سکتا ہے اور جس طرح مخلوق میں ناراضگی اور رضامندی کے اوصاف پائے جاتے ہیں اس میں نہیں پائے جاتے اور جس طرح اس نے اپنے آپ کو اترنے، مستوی ہونے اور آنے کے ساتھ اپنی شان اور عظمت کے مطابق موصوف کیا ہے ہم اس کو موصوف نہیں کر سکتے ہیں تو یہ نفی درست نہیں ہے۔

متکلمین مطلقاً حوادث کے حلول کی نفی کرتے ہیں لیکن اہل سنت اللہ پاک سے ان چیزوں کی نفی تو کرتے ہیں جو اللہ کے جلال کے مناسب نہیں لیکن صفات اختیاری اور فعلی کی نفی نہیں کرتے

کیا صفات اللہ کا غیر ہیں یا نہیں ائمہ اہل سنت اللہ کی صفات کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ نہ تو وہ اللہ کا غیر ہیں اور نہ ہی لاغیر ہیں ان کا مطلقاً نفی کرنا عینیت کو ثابت

کرتا ہے اور مطلقاً ثابت کرنا تباین کو ثابت کرتا ہے اور صفات اللہ کا غیر ہیں اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ وہ اللہ کا عین نہیں ہیں دوسرا معنی یہ ہے کہ انکا ذات سے جدا ہونا جائز ہے۔

اس اجمال کی وضاحت یوں ہے کہ اگر اللہ کی ذات سے مراد ایسی ذات مجردہ ہے جو قائم بالذات ہے اور ان صفات سے الگ ہے جو ذات سے زائد ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے اور اگر صفات زائدہ سے مراد یہ ہے کہ جو معنیٰ ذات سے سمجھا جاتا ہے وہ صفات سے نہیں سمجھا جاتا تو یہ صحیح ہے لیکن خارج میں کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو صفات سے مجرد ہو بلکہ وہ ذات جو کمال کی صفات کے ساتھ موصوف ہے وہ صفات اس کے ساتھ ثابت ہیں اس سے منفصل نہیں ہوتے البتہ ذہن ذات اور صفات میں سے ہر ایک کو الگ الگ فرض کر لیتا ہے لیکن خارج میں کوئی ذات صفت کے بغیر نہیں ایسا ہونا محال ہے اسی طرح صرف صفت کا وجود بھی موصوف کے بغیر محال ہے اگرچہ ذہن ہر ایک کا الگ الگ تصور کرتا ہے لیکن خارج میں کوئی دوسرے سے الگ نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صفات نہ موصوف کا عین ہوتی ہیں نہ ہی غیر ہوتی ہیں یہ قول درست ہے اس لئے کہ صفت ذات موصوف کا عین نہیں جس کو ذہن مجرد ثابت کرتا ہے بلکہ موصوف کا غیر ہے اور غیر بھی نہیں بلکہ موصوف اور صفات مل کر دونوں ایک ذات ہوتی ہیں جن میں تعدد نہیں ہوتا مثلاً جب آپ کہتے ہیں میں اللہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تو آپنے ایک ذات مقدس جلشل کی جو صفات کمال کیساتھ موصوف ہے وہ ایسی مقدس صفات ہیں جو کسی بھی صورت میں انفصال قبول نہیں کرتی ہیں۔

لیکن جب آپ اعوذ بعزۃ اللہ کہتے ہیں تو اللہ کی صفات میں سے ایک صفت کے ساتھ پناہ حاصل کرتے ہیں اور یہی معنی لفظ ذات سے بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ ذات بھی معناف ہو کر استعمال ہوتی ہے مثلاً ذات وجود، ذات قدرت، ذات عز، ذات علم، ذات کرم ان سب میں ذات کا معنیٰ صاحب کا ہے یعنی وہ ذات جو وجود والی ہے قدرت والی ہے وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ ذات سے صفات کا انفصال کسی صورت میں ممکن نہیں ہاں ذہن میں صفات سے منفصل کسی ذات کا فرض کرنا ممکن ہے جیسا کہ محالات کو فرض کر لیا جاتا ہے۔

ارشاد نبوی ملاحظہ فرمائیں:۔

اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما	میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کے ساتھ
اجد و احاذر	ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو موجود
٭ ٭ ٭	ہیں اور جن سے میں ڈر محسوس کرتا ہوں۔

نیز آپ نے فرمایا:۔

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ماخلق (مسلم-ابوداؤد)

میں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کو اس نے پیدا فرمایا

آپ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ اللہ کے غیر کے ساتھ پناہ مانگیں۔

نیز آپ دعا فرماتے ہیں:۔

اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک (مسلم)

اے اللہ میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے اور تیرے معاف کرنے کے ساتھ تیری سزا سے اور تیرے ساتھ تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

نیز آپ دعا فرماتے۔

ونعوذ بعظمتک ان نغتال من تحتنا (ابوداؤد، احمد)

ہم تیری عظمت کے ساتھ اس سے پناہ ڈھونڈتے ہیں کہ ہم اپنے نیچے سے ہلاک کئے جائیں۔

نیز آپ دعا فرماتے ہیں۔

اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات لہ (ابن اسحاق)

میں تیری ذات کے نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام اندھیرے (چھٹ کر) منور ہو گئے۔

کیا اسم مسمیٰ کا عین ہے یا غیر کبھی اسم سے مراد مسمیٰ ہوتا ہے اور کبھی وہ لفظ ہوتا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے مثلاً جب آپ کہتے ہیں اللہ نے فرمایا:۔ یا اللہ نے حمد کرنے والے کی حمد کو سنا تو اس سے مراد ذات مسمیٰ ہے اور جب آپ کہتے ہیں اللہ عربی اسم ہے الرحمان عربی اسم ہے الرحیم اللہ کے اسماء میں سے ہے اس میں اسم سے مراد لفظ اللہ ہے مسمیٰ نہیں ہے لیکن اس کا غیر بھی نہیں ہاں اگر مغایرت سے مراد یہ ہے کہ لفظ معنیٰ میں مغایرت ہے تو درست ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ پاک تھا اس کا کوئی نام نہ تھا پھر اس نے اپنے اسماء کا خلق کیا یا مخلوق نے اللہ کے وہ نام رکھے اس لئے کہ اللہ نے ان کو بنایا تو یہ بہت بڑی گمراہی اور الحاد ہے وہ راہ صواب سے بھٹک چکے ہیں۔

معتزلہ، جہمیہ، شیعہ کا رد شیخ رحمہ اللہ نے متن میں صفات خداوندی کے بارے

لہ حدیث ضعیف ہے۔

میں وضاحت فرما کر معتزلہ، جہمیہ اور شیعہ کا رد کرنا چاہا ہے ان کا خیال ہے کہ اللہ پہلے تو فعل اور کلام پر قادر نہ تھا اس کے بعد قادر ہوا پہلے تو اس سے فعل اور کلام ممتنع تھا پھر ممکن ہوا علی بن کلاب اور اشعری اور ان کے ہم خیال لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے فعل ممتنع تھا پھر ممکن ہوا البتہ کلام، مشیت اور قدرت کے تحت مندرج نہیں وہ تو اس کی ذات کیساتھ لازم ہے اور ایک ہی چیز ہے

جہمیہ کا قول وہ کہتے ہیں حوادث کا دوام ممتنع ہے تو پھر ضروری ہوا کہ حوادث کا آغاز ہو اس لئے کہ حوادث میں یہ بات ممتنع ہے کہ اس کی ابتدا نہ ہو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے فاعل متکلم ہونا ممتنع ہوا بلکہ اس پر قادر ہونا بھی ممتنع ہوا اس لئے کہ ممتنع پر قدرت ہونا بھی ممتنع ہے ان کی یہ سب باتیں فاسد ہیں اس لئے کہ ان سے تو عالم کے حدوث کا امتناع لازم آتا ہے حالانکہ عالم حادث ہے اور حادث جب عدم کے بعد معرض وجود میں آتا ہے تو وہ ممکن ہوتا ہے اور امکان کے لئے کوئی وقت متعین نہیں کیا جا سکتا جو وقت بھی متعین کیا جائے گا امکان اس میں ثابت ہوگا۔ اس کے لئے کوئی مبدأ قرار نہیں دیا جا سکتا تو ثابت ہوا کہ اس کا فعل بھی حد امکان میں ہے اور اللہ اس پر ہمیشہ سے قادر ہے اس نے ایسے حوادث کا جواز اور امکان ثابت ہوا جن کے مبدأ کی انتہا نہیں۔

جہمیہ کا اعتراض جہمیہ اور ان کے ہمخیال فرقے کہتے ہیں ہم نہیں مانتے کہ حوادث کے امکان کا مبدأ ہی نہیں ہے ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ حوادث کا امکان اس شرط کے ساتھ کہ وہ مسبوق بالعدم ہیں انکا مبدأ نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے نزدیک حوادث کا قدیمۃ النوع ہونا ممتنع ہے بلکہ انواع کا حدوث واجب ہے اور ان کا قدم ممتنع ہے لیکن کسی متعین وقت میں حدوث نہیں پس حوادث کا امکان اس شرط کے ساتھ کہ حوادث مسبوق بالعدم ہوں ان کا مبدأ نہیں ہے ہاں جنس حوادث اس کے خلاف ہیں۔

جواب جو بات تم کہتے ہو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں لیکن تم یہ بتاؤ کیا تمہارے نزدیک جنس حوادث کے امکان کے لئے مبدأ ہے اس لئے کہ تمہارے نزدیک پہلے جنس کا حدوث ممکن نہ تھا پھر ممکن ہوا اور اس امکان کے لئے کچھ معین وقت نہیں ہے بلکہ جو وقت بھی فرض کیا جائے گا اس سے

پہلے امکان ثابت ہوگا تو اس سے امکان کا دوام لازم آتا ہے وگرنہ لازم آئے گا جنس امتناع سے امکان کی جانب پلٹ جائے اور یہ بات معلوم ہے کہ جنس حدوث یا جنس حوادث کسی چیز کے حدوث کے بغیر یا جنس فعل یا جنس احداث وغیرہ کی حقیقت میں تبدیلی امتناع سے امکان کی جانب ہے یعنی وہ بلا سبب تجدد ممتنع ہونے کے بعد ممکن اور جائز بننے والا ہے یہ بات صراحت عقل کے ساتھ ممتنع ہے اس لئے کہ یہ تو جنس کا انقلاب امتناع ذاتی سے امکان ذاتی کی طرف ہو رہا ہے اس لئے کہ جنس حوادث کی ذات ان کے ہاں ممتنع ہونے کے بعد ممکن ہو جاتی ہے اور یہ تبدیلی کسی خاص وقت کے ساتھ مختص نہیں ہے اس لئے کہ جو وقت بھی تسلیم کیا جائے گا اس سے پہلے امکان ثابت ہوگا اس سے لازم آیا کہ تبدیلی ہمیشہ ممکن ہے اس سے یہ بھی لازم آیا کہ ممتنع ہمیشہ ممکن ہے ہمارا یہ انداز امتناع کے بارے میں اس انداز سے زیادہ موثر ہے کہ حادث ہمیشہ ممکن ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے جس طرف فرار اختیار کیا اس سے انہیں جو چیز لازم آئی وہ زیادہ بلیغ ہے بنسبت اس کے کہ جس سے انہوں نے فرار اختیار کیا اس پر ان کو لازم آئی ظاہر ہے کہ حادث کا ممکن ہونا معقول ہے اور امکان کا دوام بھی معقول ہے البتہ ممتنع کا ممکن ہونا یہ فی نفسہ ممتنع ہے تو کس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے کہ امتناع کا ہمیشہ امکان رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نوع حوادث کا دوام مستقبل اور ماضی میں ممکن ہے یا نہیں یا صرف مستقبل میں ممکن ہے یا صرف ماضی میں ممکن ہے اس میں تین اقوال ہیں۔

اضعف قول اس شخص کا ہے جو کہتا ہے حوادث کا دوام ماضی، مستقبل میں ممکن نہیں یہ قول جہم بن صفوان اور ابو الھذیل علاف کا ہے۔

دوسرا قول اس شخص کا ہے جو کہتا ہے مستقبل میں تو دوام ممکن ہے لیکن ماضی میں ممکن نہیں یہی قول اکثر متکلمین اور ان کے ہم مشرب فقہاء وغیرہ کا ہے۔

تیسرا قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں حوادث کا دوام ماضی، مستقبل دونوں میں ممکن ہے یہی بات ائمہ حدیث بھی کہتے ہیں البتہ کسی نے یہ نہیں کہا کہ حوادث کا دوام ماضی میں ممکن ہے مستقبل میں ممکن نہیں ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام مکتب فکر کے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جو چیز اللہ کے سوا ہے وہ مخلوق ہے وہ پہلے نہ تھی بعد میں وجود میں آئی یہی قول تمام پیغمبروں اور ان کے پیروکار

مسلمانوں یہودیوں عیسائیوں کا ہے۔

اس بات کے بدیہی ہونے میں کچھ شک نہیں کہ کسی مفعول کا فاعل کے ساتھ زمانہ ماضی اور مستقبل میں ہمیشہ کے لئے مقارن ہونا محال ہے اور جب مستقبل میں حوادث کا تسلسل اس سے مانع نہیں کہ اللہ سبحانہ آخر ہو جس کے بعد کوئی چیز نہ ہو اسی طرح ماضی میں حوادث کا تسلسل اس سے مانع نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ اول ہو جس سے پہلے کوئی چیز نہیں اس لئے کہ اللہ سبحانہ ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

قال کذالک اللہ یفعل ما یشاء (آل عمران ۴۰) — اس نے کہا اس طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

نیز فرمایا

ولکن اللہ یفعل ما یرید (البقرۃ ۲۵۳) — لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

نیز فرمایا

ذو العرش المجید فعال لما یرید (البروج ۱۵،۱۶) — عرش کا مالک بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

نیز فرمایا

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ (لقمان ۲۷) — اور اگر یوں ہو کر زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی ہو جائیں) تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں

نیز فرمایا۔

قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا (الکہف ۱۰۹) — کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لئے سیاہی ہوں تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں۔

تسلسل اور اس کی اقسام

یہ لفظ مجمل ہے کتاب وسنت میں نہ اس کی نفی ہے اور نہ اس کا اثبات ہے کہ اس کے لفظ کا خیال رکھنا ضروری ہو اس کی تین قسمیں ہیں واجب، ممتنع، ممکن مؤثرین میں تسلسل محال ممتنع بالذات ہے مؤثرین میں تسلسل کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے پہلے سے اثر لیا ہے اور یہ لا الیٰ نہایہ ہو۔

تسلسل واجب پر عقل اور شرع دونوں دلالت کرتی ہیں مثلاً اللہ کی نعمتیں اہل جنت کے لئے ہمیشہ ہیں جب بھی اہل جنت کی نعمتیں اختتام پذیر ہوں گی تو ان کے لئے متبادل نعمتیں پیدا کر دی جائیں گی جو ختم نہ ہوں گی اسی طرح اللہ کے افعال میں تسلسل ازلی ابدی ہے یعنی اللہ کا ہر فعل دوسرے کے بعد ہے یہی تسلسل اللہ کے کلام میں بھی ہے وہ ہمیشہ سے متکلم رہا ہے جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے لیکن اس کی صفت کلام کے لئے حدوث نہیں ہے اسی طرح اللہ سبحانہٗ کے افعال جو اس کی صفت حی کو لازم ہیں اس لئے کہ ہر حی کی صفت والا فعال ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حی اور میت میں فرق صرف فعل کا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر سلف صالحین الحی الفعال کہتے ہیں عثمان بن سعید نے کہا کل حی فعال یعنی حی وہ ہے جو کام کرنے والا ہے۔

پس ہمارا رب کسی وقت میں بھی کمال کی صفت سے خالی نہیں ہے اسی طرح نہ وہ کلام ارادہ فعل کے وصف سے خالی ہے۔

تسلسل ممکن اس کے معقولات کے لحاظ سے ہے ازلیت ابدیت دونوں طرفوں کا خیال رکھا جاتا ہے اس لئے کہ جب اللہ سبحانہٗ ہمیشہ سے حی قادر مدبر متکلم ہے تو ان صفات کے لحاظ سے اللہ سبحانہٗ کے لئے افعال ممکن ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے افعال اکمل ہوں لیکن ان صفات سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیدا کرنا ہمیشہ اس کے ساتھ رہا ہے ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہٗ تو تمام مخلوق پر مقدم ہیں جس کا اول ہی نہیں ہے جب کہ ہر مخلوق کا اول ہے وہ اکیلا خالق ہے اور اس کے ماسویٰ تمام مخلوق ہے عدم کے بعد انہیں وجود ملا ہے پس اس قول کے علاوہ باقی تمام اقوال باطل ہیں صریح عقل بھی ان کا رد کرتی ہے ہر وہ شخص جو اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فعل پر ہمیشہ قادر ہے اس کو دو باتوں میں سے ایک بات لازم آئے گی یا اس کو اس بات کا قائل ہونا ہوگا کہ فعل ہمیشہ ممکن ہے یا اس بات کا کہ وہ ہمیشہ سے وقوع پذیر ہے وگرنہ ظاہراً تناقض لازم آئے گا جب اس کا خیال ہے کہ اللہ ہمیشہ فعل پر قادر ہے اور فعل محال ممتنع لذاتہٗ کا اگر وہ ارادہ کرے تو اس کا وجود ممکن نہیں بلکہ اس کے نزدیک تو اس کے ارادہ کو

فرض کرنا محال ہے جب کہ وہ اس پہ قادر ہے اس قول کا بعض دوسرے بعض کا مخالف ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جس چیز پہ شریعت اور عقل دلالت کر رہی ہے کہ اللہ کے ماسوٰی ہر چیز محدث ہے پہلے اس پر عدم طاری تھا اب وجود میں آگیا لیکن اللہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ہمیشہ فعل سے معطل رہا پھر اس نے فعل کیا شرع اور عقل میں اس کا اثبات نہیں ہے بلکہ دونوں اس کا رد کرتے ہیں۔

تسلسل فی الماضی پہ ابو المعالی اور دیگر اہل فکر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر آپ کہیں میں تجھے ایک درہم نہیں دوں گا مگر اس کے بعد تجھے ایک درہم دوں گا یہ تو ممکن ہے اور اگر آپ کہیں کہ میں تجھے ایک درہم نہیں دوں گا یہاں تک کہ تجھے اس سے پہلے ایک درہم دوں گا تو یہ ناممکن ہے۔

مذکورہ تمثیل اور موازنہ صحیح نہیں ہے صحیح موازنہ یہ ہے کہ آپ کہیں میں نے تجھے ایک درہم نہیں دیا مگر اس سے پہلے ایک درہم دیا ہے اس میں ماضی سے پہلے ایک اور ماضی کا ذکر کیا ہے جیساکہ تو نے پہلے مستقبل کے بعد مستقبل کا ذکر کیا ہے لیکن قائل کا یہ قول کہ میں تجھے نہیں دوں گا یہاں تک کہ اس سے پہلے تجھے دوں اس میں مستقبل کی نفی ہے اس کا حصول مستقبل میں ہوگا تو اس مستقبل سے پہلے مستقبل کی نفی کر دی ہے یہ ممتنع ہے البتہ ماضی کی نفی کہ اس سے پہلے ماضی ہو یہ ممکن ہے وہ عطاء جو زمانہ مستقبل میں ہے اس کا آغاز بھی مستقبل میں ہے اور وہ عطا جس کی ابتدا اور انتہا ہے اس سے قبل وہ چیز نہیں ہے جس کی انتہا نہیں ہے اس لئے کہ غیر متناہی کا متناہی میں ہونا ممتنع ہے۔

(ط) کائنات کی تخلیق کے بعد اللہ کا خالق ہونا ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی کائنات کو معرض وجود میں لانے کے بعد اس کا باری ہونا ثابت ہوا (بلکہ وہ پہلے سے ہی خالق اور باری ہے)۔

(ش) شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاں زمانۂ ماضی میں حوادث کا تسلسل ممنوع ہے لیکن مستقبل میں ممنوع نہیں ہے چنانچہ شیخ کا قول (جنت، دوزخ مخلوق ہیں نہ ان پہ فنا طاری ہوگا اور نہ ہی وہ کبھی اختتام پذیر ہوں گی) بھی اس پہ دلالت کر رہا ہے جمہور محدثین کا یہی مذہب ہے جیساکہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ جو لوگ حوادث کے تسلسل کو ماضی، مستقبل دونوں میں ممنوع قرار دیتے ہیں ان کا قول فاسد ہے جیساکہ جہم بن صفوان اور اس کے ہم خیال لوگ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گی۔

لیکن ان لوگوں کا قول (جو حوادث کے جواز کے قائل ہیں کہ نہ ان کا اول ہے اور نہ ان کا آخر

ہے ان لوگوں کے قول سے زیادہ درست معلوم ہوتا ہے جو فرق پیدا کرتے ہیں اللہ سبحانہٗ ہمیشہ سے حی ہے اور حی کے لوازم سے فعل ہے پس وہ ہمیشہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ارشاد ربانی ہے

ذوالعرش المجید فعال لما یرید
(البروج ۱۵-۱۶)

عرش کا مالک بزرگی والا جو چاہتا ہے کرتا ہے

اس آیت سے چند مطالب اخذ کئے جاتے ہیں :۔

اولاً :۔ اللہ پاک اپنے ارادہ اور مشیت کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ثانیاً :۔ وہ ہمیشہ سے اس طرح ہے اس نے اس وصف کا ذکر مدح وثنا کے مقام میں کیا ہے اور یہ اللہ کا کمال ہے یہ کمال اس سے کسی وقت میں بھی معدوم نہیں ہو سکتا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون
(النحل ۱۷)

تو جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ ویسا ہے جو کچھ پیدا نہ کر سکے تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔

جب یہ اللہ پاک کا کامل وصف ہے تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پہلے معدوم تھا پھر وجود میں آیا۔

ثالثاً :۔ وہ جب کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کرتا ہے (خیال رہے کہ اس ارادہ کا تعلق اس کے فعل کے ساتھ ہے) اور جب اس کے ارادہ کا تعلق بندہ کے فعل کے ساتھ ہے تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ بندہ کے فعل کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کو مدد دینے کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس کو فاعل بنانا چاہتا ہے تو فعل وجود میں نہیں آتا لیکن اگر اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ فعل کرے تو فعل معرض وجود میں آتا ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جو قدریہ اور جبریہ کی نظروں سے اوجھل رہا اور وہ مسئلہ تقدیر میں راہ صواب سے بھٹک گئے پس فرق واضح ہو گیا اس میں کہ اللہ ارادہ کرتا ہے کہ بندہ فعل کرے اور اس میں کہ وہ اس کو فاعل بنانے کا ارادہ کرتا ہے مزید وضاحت مسئلہ تقدیر میں آئے گی۔

رابعاً :۔ اللہ کا ارادہ اور اس کا فعل دونوں متلازم ہیں جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے اسے کر لیتا ہے اور جس کام کو کیا اس کا اس نے ارادہ کیا لیکن مخلوق کا معاملہ خالق کے برعکس ہے اس لئے کہ مخلوق کبھی ایسے کام کا ارادہ کرتی ہے جس کو نہیں کر پاتی اور کبھی جس کام کا ارادہ نہیں کرتی اس کو کر

لیتی ہے پس یہاں اللہ سبحانہٗ کی ذات کے علاوہ کوئی ہستی ایسی نہیں جس کا وصف یہ ہو کہ وہ جو ارادہ کرے اسے کرے۔

خامساً:۔ افعال کے لحاظ سے متعدد ارادے ثابت ہیں اور ہر فعل کا خاص ارادہ ہے یہ نظریہ فطرت انسانی میں راسخ ہے لیکن اللہ سبحانہٗ کی شان یہ ہے کہ وہ دائماً ارادہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

سادساً:۔ ہر وہ فعل جس کے ساتھ اس کے ارادہ کا تعلق صحیح ہے اس کا کرنا درست ہے تو جب وہ ارادہ کرتا ہے کہ ہر رات آسمان دنیا کی جانب نزول کرے اور قیامت کے دن فیصلہ کے لئے آئے اور اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرائے اور اپنی مشیت کے مطابق ان کے سامنے تجلی فرمائے ان سے ہمکلام ہو ان سے ہنسی کرے ان کے علاوہ جو کچھ بھی اللہ پاک کرنا چاہے تو اس کا فعل اس پر ممتنع نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ پاک جو چاہتا ہے کرتا ہے البتہ ان سب افعال کی صحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے پر ہے تو جب کسی فعل کی خبر دیتے ہیں تو اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح وہ جس کو مٹانا چاہتا ہے اس کو مٹاتا ہے اور جس کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس کو ثابت کرتا ہے ہر دن وہ کسی کام میں ہوتا ہے

کیا حوادث کا اول ہے؟

یہ قول کہ حوادث کا اول ہے درست نہیں اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ اس سے پہلے بیکار تھا اور اللہ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ فاعل نہ تھا پھر فاعل بنا اللہ کے بارے میں یہ نظریہ غلط ہے۔

ہاں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حوادث کا اول نہیں تو اس سے عالم کا قدیم ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ اللہ کے ماسوٰی ہر چیز حادث ممکن الوجود ہے اس کا وجود اللہ کے پیدا کرنے کے ساتھ ہے وگرنہ فی نفسہ اس پر عدم طاری تھا اور اللہ کے ماسوٰی ہر چیز میں فقر اور احتیاج ذاتی طور پر موجود ہے ہاں اللہ واجب الوجود لذاتہٖ ہے ذاتی طور پر اس میں غنا موجود ہے۔

اولاً کس چیز کو پیدا کیا گیا

عالم کے بارے میں یہ اختلاف تو موجود ہے کہ کیا وہ مادہ سے مخلوق ہے یا نہیں پھر اس عالم میں اولاً کس کو پیدا کیا گیا ارشادِ خداوندی ہے۔

وهو الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستة ایام وکان عرشه علی الماء (هود)

بخاریؒ اور دیگر کتب میں عمران بن حصین سے مروی ہے کہ یمن کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے ہم آپ کے پاس دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں اور ہم آپ سے اس عالم کے آغاز کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تھا اس سے پہلے کچھ نہ تھا (ایک روایت میں) اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی (ایک روایت میں) اس کے ساتھ اس کا غیر نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا ہوا ہے اس نے آسمانوں زمین کو پیدا کیا حدیث میں الذکر سے مراد لوح محفوظ ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر (الانبیاء ۱۰۵) اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا۔

لوح محفوظ کو ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس چیز میں ذکر لکھا جاتا ہے اس کو بھی ذکر کہا جاتا ہے جیسا کہ جس چیز کو کتاب میں لکھا جاتا ہے اس کو بھی کتاب کہا جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں لوگوں کا اختلاف ہے مشہور دو قول ہیں۔

پہلا قول حدیث میں مقصود اللہ کا خبر دینا ہے کہ اللہ اکیلا ہی موجود تھا وہ ہمیشہ اسی طرح رہا پھر اس نے تمام حوادث کو پیدا فرمانا شروع کیا پس حوادث جنس اور اعیان تمام پر عدم طاری ہوا اور جنس زمان بھی حادث ہے اور اللہ پاک فعل کرنے والا ہے جب کہ وہ ازل سے ابتداء فعل تک کچھ نہیں کرتا تھا اور نہ فعل ممکن تھا۔

دوسرا قول اللہ پاک خبر دے رہے ہیں کہ اس نے اس جہان کو اولاً پیدا کیا اور ان کو چھ دن میں خلق کیا پھر عرش پر مستوی ہوا اسی قسم کا مفہوم قرآن پاک میں متعدد مقامات میں موجود ہے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ پاک نے مخلوق کی تقدیر کو آسمانوں زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال

ؒ بخاری میں ایک مقام پر مکمل روایت نہیں ہے کچھ حصہ بدء الخلق اور کچھ حصہ التوحید میں ہے۔

قبل مقدر فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

اس حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل اللہ نے مخلوق کی تقدیر کو مقدر فرمایا اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا یہ قول صحیح ہے

دوسرے قول کی صحت کے وجوہ یمن کے لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ ہم آپ سے اس کائنات کے آغاز کے بارے میں دریافت کریں آپ نے ان کو کائنات کے آغاز کے بارے میں جواب دیا ہے آپ نے مخلوقات کی جنس کے بارے میں نہ جواب دیا نہ ان کا یہ سوال تھا آپ نے انہیں مطلع کیا کہ جب اس نے آسمانوں زمین کو پیدا فرمایا تو اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اس حدیث میں عرش کی تخلیق کا ذکر نہیں ہے ظاہر ہے کہ عرش اس سے پہلے پیدا کیا جا چکا تھا

نیز اس قول سے کہ اللہ تھا اس سے پہلے اور کچھ نہ تھا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرش بعد میں مخلوق ہوا اس روایت میں قبل (یعنی پہلے) کے علاوہ (معہ) (اس کے ساتھ) (غیرہ) (اس کے علاوہ) کے الفاظ بھی آئے ہیں معلوم ہوتا ہے رواۃ نے روایت بالمعنیٰ کی ہے جب کہ ایک ہی مجلس میں یہ بات کی گئی ہے البتہ (قبل) کے لفظ کو ترجیح ہے ایک دوسری روایت میں ہے۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ کلمات کہا کرتے تھے۔

(اللهم انت الاول فليس قبلك شئی) اے اللہ تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔

پس اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اولاً کس کو پیدا فرمایا ہاں آسمان زمین کے پیدا فرمانے کا ذکر ہے کہ انہیں چھ دن میں پیدا فرمایا یہ ذکر نہیں ہے کہ کس مخلوق کو اولاً پیدا فرمایا اور آسمان زمین سے پہلے کیا پیدا فرمایا۔

اور یہ حدیث کہ اللہ تھا اس کے ساتھ کچھ نہ تھا سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ پاک آسمانوں زمین کے پیدا کرنے سے قبل بے کار تھا اس لئے کہ حدیث کا یہ جملہ کہ اس کا عرش پانی پر تھا سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اللہ صرف اکیلا تھا اس کے ساتھ قطعاً کوئی مخلوق نہ تھی یہ جملہ حالیہ ہو یا معطوفہ بہر حال اس وقت عرش موجود تھا البتہ اس عالم سے جو ہمیں نظر آ رہا ہے کچھ

موجود نہ تھا۔

(ط) اللہ سبحانہ' میں ربوبیت کا وصف موجود تھا جب کہ وہاں مربوب نہ تھا اس میں خالق کا وصف موجود تھا جب کہ وہاں مخلوق نہ تھی۔

(ش) خلاصہ یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ مخلوق کو وجود میں لایا جائے وہ خالق تھا بعض مشائخ شارحین کہتے ہیں کہ شیخ نے لفظ ربوبیت کے ساتھ خالق کا ذکر کیا ہے خالقیت کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ خالق وہ ہوتا ہے جو ایک چیز کو عدم سے وجود کی طرف لے جاتا ہے اور لفظ رب کثیر معانی کا تقاضا کرتا ہے اس میں ملک، حفاظت، تدبیر، تربیت کے معانی بھی موجود ہیں یعنی کسی چیز کو بالتدریج کمال تک لے جانا اس بنا پر ایسا لفظ استعمال کیا جو ان تمام معانی پر مشتمل ہے اور وہ ربوبیت ہے لیکن یہ قول محل نظر میں ہے اس لئے کہ خلق کا معنیٰ بھی تقدیر کا ہوتا ہے۔

(ط) جیسا کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے لیکن وہ ان کو زندہ کرنے سے پہلے اس وصف کے ساتھ موصوف تھا زندہ کرنے کے بعد موصوف نہیں ہوا اسی طرح مخلوق کو پیدا فرمانے سے پہلے وہ وصف خالق کے ساتھ موصوف تھا۔

(ش) اللہ سبحانہ' ان کو زندہ کرنے سے قبل اس وصف کے ساتھ موصوف تھا اسی طرح وہ ان کو پیدا کرنے سے پہلے خالق کی صفت کے ساتھ موصوف تھا معتزلہ اس کے مخالف ہیں وضاحت پہلے گذر چکی ہے۔

(ط) یہ اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر معاملہ اس پر آسان ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(ش) مقصود یہ ہے کہ کائنات کے خلق سے پہلے ازل سے وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہے واللہ علیٰ کل شئ قدیر سے جو معنیٰ مفہوم ہوتا ہے معتزلہ نے اس میں تحریف پیدا کی اور کہا کہ اللہ ان افعال پر قادر ہے جو اس کے مقدور میں ہیں لیکن بندوں کے افعال پر وہ قادر نہیں ہے اس طرح انہوں نے اللہ کی قدرت کاملہ کا انکار کیا اور کہا کہ وہ صرف ان چیزوں کا علم رکھتا ہے جن کا اس کو علم ہے اور جن کو اس نے پیدا کیا بس ان کا وہ خالق ہے گویا کہ انہوں نے اللہ کی صفات کاملہ کو اللہ سے سلب کر لیا۔

اہل سنت کا مسلک

وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

تمام ممکن چیزیں اس میں داخل ہیں البتہ محال لذاتہٗ مثلاً ایک چیز کا ایک ہی حالت میں موجود اور معدوم ہونا نہ تو اس کی کچھ حقیقت ہے اور نہ ہی اس کے وجود کا تصور ہو سکتا ہے تمام عقلمندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے محالات کے قبیل سے یہ بھی ہے اللہ کا اپنا مثل پیدا کرنا اللہ کا اپنے آپ کو معدوم کر دینا۔

اللہ کی ربوبیت عامہ تامہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ وہی شخص اللہ کو ہر چیز کا رب قرار دیتا ہے جس کا ایمان ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے البتہ معدوم ممکن میں اختلاف ہے کیا وہ کوئی چیز ہے یا نہیں ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ معدوم خارج میں کوئی چیز نہیں ہے البتہ اللہ پاک ہونے والی چیز کو ہونے سے پہلے جانتا ہے اور اس کو لکھ لیتا ہے اور اس کی خبر دیتا ہے جیسے ارشاد باری ہے:۔

ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم (الحج ۱) — کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے

❖ ❖ ❖

اس آیت میں قیامت ایسی چیز ہے جو اللہ کے علم میں ہے لوح محفوظ میں ہے خارج میں نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون (یٰس ۸۲) — اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

❖ ❖ ❖

نیز فرمایا۔

وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئًا (مریم ۹) — اور میں پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔

یعنی تو خارج میں نہ تھا اگرچہ اللہ کے علم میں تھا۔

نیز فرمایا۔

ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئًا مذکورًا (الدھر ۱) — بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔

ارشاد ربانی لیس کمثلہ شئ۔ اس کی مثل کوئی چیز نہیں میں مشبہہ کا رد ہے اور ھو السمیع

البصیر۔ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے میں معطلہ کا رد ہے پس اللہ پاک صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے ان میں اس کا کوئی مشابہ نہیں ہے اگرچہ مخلوق بھی سمیع، بصیر کے ساتھ موصوف ہے لیکن مخلوق کا سمع، بصر اللہ کے سمع، بصر کی مانند نہیں ہے محض اثبات منقبت سے تشبیہ لازم نہیں آتی مخلوق کی صفات مخلوق کے ساتھ اپنی شان کے ساتھ ہیں اور خالق کی صفات اس کے ساتھ اس کی اپنی شان سے ہیں۔

اس بات کا خیال رہنے کہ آپ اللہ سبحانہ سے ان صفات کی نفی نہ کریں جن کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اور جن کے ساتھ اللہ پاک کو اعرف الخلق بربہ جوامت کے بہت بڑے خیر خواہ اور فصیح بلیغ قادر الکلام ہیں نے موصوف کیا ہے اسی طرح جن صفات کو واجب قرار دیا اور جن کو ممتنع کہا ان کو واجب، ممتنع قرار دینا ہوگا اگر آپ ان صفات میں سے کسی صفت کا انکار کریں گے تو جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اس کے ساتھ کفر کریں گے لیکن جب آپ اللہ سبحانہ کی صفات اس کے لئے ثابت کریں تو آپ ان کو کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے اس لئے کہ اللہ کا کوئی مثیل نہیں تو جب آپ، مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیں گے تو آپ کافر ہو جائیں گے۔

نعیم بن حماد کا قول نعیم بن حمادؒ امام بخاریؒ کے استاذ ہیں وہ کہتے ہیں جس شخص نے اللہ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی وہ کافر ہو گیا اسی طرح جس شخص نے ان صفات کا انکار کیا جن کو اللہ نے اپنی ذات کیلئے ثابت کیا ہے وہ بھی کافر ہو گیا اللہ کی وہ صفات جن کو اس نے خود بیان فرمایا یا ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ان کی کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔

آئندہ اوراق میں امام طحاوی کے کلام میں بھی وضاحت موجود ہے کہ جس شخص نے نفی، تشبیہ میں احتیاط نہ کی وہ جادۂ حق سے پھسل گیا اور اس نے اللہ کو منزہ قرار دینے میں کچھ صحیح قدم نہ اٹھایا۔

اللہ سبحانہ نے اپنا وصف بیان کرتے ہوئے کہا ہے:۔

للذین لا یؤمنون بالآخرۃ مثل السوء وللہ المثل الاعلیٰ (النحل ۲)	جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہیں کے لئے بری باتیں (شایاں) ہیں اور خدا کو صفت

اعلیٰ (زیب دیتی ہے)

نیز فرمایا۔

وللہ المثل الاعلیٰ فی السمٰوٰت والارض	اور اس کو آسمانوں اور زمین میں صفت اعلیٰ
وھو العزیز الحکیم	(زیب دیتی ہے) اور وہ غالب (اور) حکمت
(الروم ۲۷)	والا ہے۔

تو اللہ سبحانہ نے بری مثال (جو عیوب نقائص اور سلب کمال کو متضمن ہے) اپنے دشمن مشرکین اور ان کے معبود بتوں کے بارے میں دی ہے اور بلند مثال (جو تمام قسم کے کمالات کو متضمن ہے) صرف اللہ وحدہ کیلئے ثابت کی ہے تو اب جس شخص نے اللہ سے صفت کمال کا سلب کیا اس نے اللہ کے لئے بری مثال دی اور اس سے بلند وصف کی نفی کر دی یعنی اس کمال مطلق کو ختم کر دیا جو امور وجود یہ معانی ثبوتیہ کو متضمن ہے وہ جس قدر بھی کسی موصوف میں زیادہ ہوں گے اسی قدر وہ موصوف اکمل اور اعلیٰ ہوگا۔

اور جب اللہ کی صفات اکمل اور اعلیٰ ہیں تو اس کی مثال بھی اعلیٰ ہے اور وہ ماسوی اللہ سے اس کا زیادہ حقدار ہے بلکہ مطلق مثل اعلیٰ میں دو کا شریک ہونا محال ہے اس لئے کہ اگر وہ دونوں ہر لحاظ سے مساوی ہیں تو ان میں سے کوئی دوسرے سے اعلیٰ نہ ہوا اگر مساوی نہیں ہے تو پھر صرف ایک موصوف ہوگا اس صورت میں جس کو مثل اعلیٰ ثابت ہے اس کا مثیل ، نظیر محال ہوگا۔

المثل الاعلیٰ کی تشریح میں توجیہات

مفسرین اس کی تشریح میں مختلف توجیہات ذکر فرماتے ہیں۔

پہلی توجیہ :۔ اعلیٰ صفات اللہ کے لئے ثابت ہیں خواہ مخلوق ان کا علم رکھتی ہے یا نہیں

دوسری توجیہ :۔ ان کا وجود علم اور شعور میں ہے متقدمین متاخرین وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد معرفت ذکر محبت، تعظیم، خوف ، امید، توکل ، انابت ہے ۔ جو عبادت گزار اور ذکر کرنے والوں کے دل میں موجود ہوتی ہیں یہ روحانی نعمتیں ان کے دلوں میں اللہ کو اعلیٰ ثابت کرتی ہیں کہ اس کے ساتھ اس کا غیر اس میں بالکل شریک نہیں ہوتا یا یوں سمجھیں کہ جس طرح آسمانوں کی مخلوق اس سے محبت کا اظہار کرتی ہے اس کی تعظیم بجا لاتی ہے اس کی عبادت میں مصروف رہتی ہے اسی طرح زمین پر بسنے والی مخلوق بھی اس کی عبادت وغیرہ میں مصروف رہتی ہے انکا جذبۂ محبت اس سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

وہ دیکھتے ہیں کہ لوگ اس کے ساتھ شرک کر رہے ہیں اس کی نافرمانی کر رہے ہیں اس کی صفات کا انکار کر رہے ہیں ارشاد خداوندی ہے:۔

ولہ من فی السموٰت والارض کل لہ قانتون (الروم ۲۶) — آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اس کے ملک میں ہیں تمام اس کے مطیع ہیں ۔

تیسری توجیہ :۔ اللہ سبحانہٗ کی صفات کا ذکر کرنا اور ان سے خبر دینا اور ان کو عیوب نقائص تمثیل سے منزہ رکھنا۔

چوتھی توجیہ :۔ اللہ پاک جو اعلیٰ صفات والا ہے اس سے محبت کا اظہار کرنا اس کو ایک جاننا اس کے ساتھ اخلاص کرنا اس پر توکل رکھنا اور اس کی جانب جھکنا ظاہر ہے کہ جس قدر صفات پر ایمان اکمل ہوگا اسی قدر محبت اور اخلاص میں قوت زیادہ ہوگی ۔

ہم دیکھتے ہیں سلف صالحین کی عبارات ان چار توجیہات پر دائر ہیں پس اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہے جو ارشاد خداوندی ولہ المثل الاعلیٰ اور لیس کمثلہ شئی میں معارضہ ثابت کرتا ہے اور لیس کمثلہ شئی سے صفات کی نفی پر استدلال کرتا ہے اور محکم آیت سے آنکھیں بند کر لیتا ہے (جس میں اللہ کا سمیع اور بصیر ہونا ثابت کیا گیا ہے) یہاں تک کہ گمراہی لے احمد بن ابی دؤاد قاضی کو برانگیختہ کیا تو اس نے خلیفہ مامون کو مشورہ دیا کہ وہ غلاف کعبہ پر لیس کمثلہ شئی کے بعد وھو العزیز الحکیم کندہ کرائے یعنی اللہ کے کلام میں تحریف کرے جب کہ کلام اللہ میں وھو السمیع البصیر ہے مقصود یہ تھا کہ وہ اللہ کے سمیع اور بصیر ہونے کی نفی کرے جیسا کہ ایک دوسرے گمراہ جہم بن صفوان نے کہا میں چاہتا ہوں کہ قرآن پاک سے ثم استویٰ علی العرش کے الفاظ کھرچ دوں ۔

ہم اللہ عظیم سمیع بصیر سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے دنیا اور آخرت میں ثابت قدمی عطا فرمائے ۔

کمثلہ کا محل اعراب (وجہ اوّل) کاف تاکید کیلئے زائد ہے جیسے اوس بن حجر کہتا ہے۔

لیس کمثل الفتیٰ زھیر خلق یوازنہ فی الفضائل — نوجوان زہیر نامی کا ہمسر فضائل میں کوئی نہیں ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

ما ان کمثلھم فی الناس من البشر — ان جیسا لوگوں میں کوئی انسان نہیں ہے۔

ایک دوسرا کہتا ہے۔

وَمثلی کمثل جذع النخیل — میری مثال کھجور کے تنہ کی مانند ہے۔

اس صورت میں لفظ مثلہ لیس کی خبر ہے لفظ شئ اس کا اسم ہے یہ توجیہ قوی اور اچھی ہے عربی زبان میں یہ توجیہ متعارف ہے اس میں کچھ خفا نہیں ہے کلام عرب میں عام طور پر کاف تاکید کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے شاعر کہتا ہے۔

وصالیات ککما یؤثفین — جلے ہوئے پتھر چولھے کے پتھر ہیں جن پر ہانڈی رکھی جاتی ہے۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

فاصبحت مثل کعصف ماکول — پس تو کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند ہو گیا۔

وجہ ثانی مثل کا لفظ زائد ہے یعنی لیس کھو شئ لیکن یہ توجیہ بعید از استعمال ہے اس لئے کہ مثل اسم ہے اس کو زائد کہنے کی بجائے حرف کو زائد کہنا اولی ہے۔

وجہ ثالث کوئی لفظ زائد نہیں ہے یہ جملہ مثلک لا یفعل کذا کے قبیل سے ہے مثلک لا یفعل کا معنی ہے کہ تو اس کام کو نہیں کر رہا ہے لفظ مثل مبالغہ کے لئے ہے اور لیس کمثلہ میں بھی مبالغہ ہے یعنی اگر اس کا مثل فرض بھی کیا جائے تب بھی اس کا مثل نہیں تو اس کا مثل کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کا مثل نہیں ہے اس کے علاوہ بھی کچھ اور توجیہات کا احتمال ہے لیکن پہلی توجیہ واضح اور ظاہر ہے۔

(ط) اس نے مخلوق کو اپنے علم سے پیدا فرمایا۔

(ش) لفظ (خَلَقَ) (اوجد) اس نے ایجاد کیا (اَنْشَاَ) اس نے بنایا (ابدع) اس نے بلا نمونہ بنایا) کے معانی میں استعمال ہوتا ہے نیز (خَلَقَ) (قدر) اس نے مقدر کیا) کے معنی میں بھی آتا ہے لفظ خلق مصدر مخلوق کے معنی میں ہے اور لفظ بعلم محلاً حال کی بنا پر منصوب، ہے معنی یوں ہوا کہ اس نے ان کو پیدا فرمایا اور وہ ان کے بارے میں علم رکھتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر (الملک ۱۴) — بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔

نیز فرمایا۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا	اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو
الا ھو ویعلم ما فی البر والبحر و	اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں
ما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ	اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی
فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس	پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور زمین
الا فی کتاب مبین وھو الذی یتوفاکم	کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی
باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار	چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے
(الانعام ۵۹-۶۰)	اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں)

تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے۔

اس میں معتزلہ کا رد ہے۔

امام عبد العزیز مکی کا بشر مریسی کے ساتھ مناظرہ

امام عبد العزیز مکی جو امام شافعی کے تلامذہ سے ہیں انہوں نے اپنی تالیف الحیدہ نامی میں بشر مریسی معتزلی کے ساتھ اپنے مناظرہ کا ذکر کیا ہے۔

مامون عباسی کی مجلس میں بشر مریسی اور امام عبد العزیز مکی دونوں موجود ہیں مامون نے بشر سے اللہ کی صفت علم کے بارے میں سوال کیا بشر نے جواب دیا اللہ میں جہل نہیں ہے مامون پھر اسی سوال کو دہراتا ہے لیکن بشر یہی جواب دیتا ہے کہ اللہ جہل کے ساتھ موصوف نہیں لیکن اللہ کو علم کی صفت کے ساتھ موصوف کرنے کے لئے تیار نہیں امام عبد العزیز بول اٹھے اور کہا کہ کسی سے جہل کی نفی کرنا تو اس کی مدح نہیں ہے حالانکہ اللہ پاک نے انبیاء، ملائکہ اور ایمانداروں کی جب تعریف کی ہے تو ان کے وصف علم کا ذکر کیا ہے ان سے جہل کی نفی نہیں کی اس لئے کہ علم کے اثبات سے جہل کی نفی ہوتی ہے لیکن جہل کی نفی سے علم کا اثبات نہیں ہوتا پس تمام مخلوق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ پاک کے لئے ان اوصاف کو ثابت کریں جن کو اللہ پاک نے خود بیان کیا ہے اور ان صفات کی نفی کریں جن کی خود اللہ پاک نے نفی کی ہے اور جن اوصاف کے ذکر سے اللہ پاک خاموش رہے ہیں ان سے خاموشی اختیار کی جائے۔

اللہ کے علم پر عقلی دلیل جہل میں اللہ کا اشیاء کو ایجاد کرنا محال ہے اس لئے کہ اللہ کا اشیاء کو ایجاد کرنا اس کے ارادہ کے ساتھ ہے اور ارادہ مراد کے تصور کو مستلزم ہے اور تصور مراد اور علم بالمراد مترادف ہیں پس ایجاد ارادہ کو مستلزم ہوا اور ارادہ علم کو مستلزم ہوا نتیجۃً ایجادُ علم کو مستلزم ہوا۔

نیز مخلوقات میں جو احکام اور مضبوطی موجود ہے وہ فاعل کے علم کو مستلزم ہے اس لئے کسی محکم فعل کا صدور علم کے بغیر نہیں ہے۔

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مخلوقات میں بھی عالم ہیں اور علم صفت کمال ہے تو لازم آیا کہ خالق کا عالم نہ ہونا ممتنع ہے اس کو وضاحت سے سمجھیں اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ہم بالفرورہ اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ خالق مخلوق سے اکمل ہے اور واجب ممکن سے اکمل ہے نیز ہم بالفرورہ اس بات کا بھی علم رکھتے ہیں کہ اگر ہم دو انسان فرض کریں ایک عالم ہو دوسرا غیر عالم ہو تو عالم اکمل ہوگا پس اگر خالق عالم نہیں تو لازم آیا کہ ممکن اس سے اکمل ہو اور یہ ممتنع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مخلوقات میں جو علم ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور یہ بات ممتنع ہے کہ کمال کا فاعل اور موجد کمال سے عاری ہو بلکہ وہ کمال کا زیادہ مستحق ہے اللہ کے لئے اعلیٰ مثال ہے پس نہ قیاس تمثیلی نہ شمولی میں اللہ اور مخلوق مساوی نہیں ہیں بلکہ ہر وہ کمال جو مخلوق کے لئے ثابت ہے خالق اس کا زیادہ حقدار ہے اور ہر وہ نقص جس سے مخلوق منزہ ہے خالق کا اس سے منزہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔

(ط) اللہ نے مخلوق کیلئے تقدیر بنائی۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے۔

انا کل شئ خلقناہ بقدر ✽ ✽ (القمر ۴۹) ✽ بے شک ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

نیز فرمایا۔

وکان امر اللہ قدرًا مقدورًا اور خدا کا حکم ٹھہر چکا تھا۔

(الاحزاب ۳۸) ✽ ✽ ✽

نیز فرمایا۔

الذی خلق فسوّیٰ والذی قدر فھدیٰ	جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضا کو)
(الاعلیٰ ۲-۳)	درست کیا اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا (پھر
	اس کو) رستہ بتایا

❖ ❖ ❖

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ نے آسمانوں زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوق کی تقدیر بنائی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(ط) اللہ نے مخلوق کی اجل مقرر فرما دی ہے۔

(ش) اللہ پاک نے مخلوق کی اجل مقرر فرما دی ہے کہ جب ان کی اجل آجائے گی تو نہ ایک ساعت تاخیر ہو گی اور نہ ایک ساعت تقدیم ہو گی ارشاد خداوندی ہے:۔

اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ	جب ان کا وقت آجائے گا تو نہ ایک ساعت
ولا یستقدمون ۔ (یونس ۴۹)	تاخیر والے ہوں گے نہ تقدیم والے ہوں گے

نیز فرمایا۔

وما کان لنفس ان تموت الا باذن	اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ خدا کے حکم کے بغیر
اللہ کتابا موجلا (آل عمران ۱۴۵)	مر جائے (اس نے موت کا) وقت مقرر کر کے
	لکھ رکھا ہے۔

❖ ❖ ❖

صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام حبیبہ نے دعا کی اے اللہ! مجھے میرے خاوند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو سفیان اور میرے بھائی معاویہ کا مجھے فائدہ عطا فرما یعنی عمر میں اضافہ کر راوی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اللہ سے سوال کیا ہے کہ متعین اجل میں تاخیر ہو جائے اور جس قدر زندگی کے دن لکھے جا چکے ہیں ان میں اضافہ ہو اور جو رزق قسمت میں لکھا جا چکا ہے اس میں اضافہ ہو (یاد رکھ) وقت مقرر میں تقدیم تاخیر نہیں ہو سکتی بجائے اس کے اگر تو اللہ سے سوال کرتی کہ وہ تجھے جہنم کے عذاب یا عذاب قبر سے بچائے تو تیرے حق میں بہتر ہوتا۔

پس جو شخص قتل ہوتا ہے اپنی اجل کے مطابق قتل ہوتا ہے یہ اللہ کا علم اور اس کی تقدیر ہے کہ یہ انسان فلاں بیماری کے ساتھ فوت ہو گا اور فلاں قتل ہو گا اور فلاں پر عمارت گرے گی اور فلاں آگ میں جل کر مرے گا اور فلاں پانی میں ڈوب کر مرے گا۔

پس اللہ پاک نے موت، زندگی کو پیدا کیا اور ان کے اسباب کو پیدا کیا۔

معتزلہ کا نظریہ معتزلہ کہتے ہیں جو شخص قتل ہوا وہ اپنی اجل سے نہیں مرا اگر قتل نہ ہوتا تو اپنی اجل تک زندہ رہتا گویا کہ معتزلہ کے ہاں اس کی دو اجل ہیں ان کا یہ خیال باطل ہے اس لئے کہ اللہ کی جانب یہ نسبت نہیں ہو سکتی کہ اس نے کسی مخلوق کی اجل مقرر کی ہے اور وہ اس اجل تک زندہ نہیں رہتا بلکہ پہلے ہی قتل ہو جاتا ہے یا کسی حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے یا دو اجل ہیں گویا کہ اللہ پاک کو عواقب کا علم نہیں ہے ہاں قاتل پر قصاص کا واجب ہونا یا اس پر دیت کا واجب ہونا اس لئے ہے کہ اس نے منھی عنہ کا ارتکاب کیا ہے اور اس ناجائز کام کو کیا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنی عمر میں اضافہ چاہتا ہے وہ صلہ رحمی کرے اس سے عمر بڑھتی ہے اور یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں صلہ رحمی کرے گا تو اس سبب سے عمر میں اضافہ ہوگا اگر نہیں کرے گا تو اضافہ نہیں ہوگا۔

سوال کیا عمر میں اضافہ یا کمی صلہ رحمی کی بنا پر اسی طرح ہے جس طرح کہ دعا سے بھی اضافہ یا کمی ہوتی ہے۔

جواب یہ ضروری نہیں جیسا کہ ام حبیبہ کی حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔ ابھی ابھی اس کا ذکر گزر چکا ہے معلوم ہوا انسانوں کی عمریں متعین ہیں ان میں اضافہ کے لئے دعا مشروع نہیں ہے ہاں آخرت کے عذاب سے رستگاری کے لئے دعا مشروع ہے اور نافع بھی ہے دیکھئے اخروی نفع کے لئے عمر میں اضافہ کی دعا کرنا مشروع ہے نسائی میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے دعا کی کلمات یہ تھے۔

اللهم بعلمك الغيب وقدرتك	اے اللہ تیرے غیب کا علم رکھنے اور مخلوق
على الخلق احيني ما كانت الحيوة	پر قدرت رکھنے کے ساتھ مجھے اس وقت
خيرا لي وتوفني اذا كانت الوفاة	تک زندگی عطا کر جب تک کہ میرے لئے زندہ
خيرا لي (الى آخر الدعاء)	رہنا بہتر ہے اور مجھے فوت کر جب فوت ہونا
	میرے لئے بہتر ہو۔

٭ ٭ ٭

اس کی تاکید ایک دوسری حدیث سے ہو رہی ہے جو صحیح حاکم میں ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تقدیر کو دعا رد کر سکتی ہے اور نیک کام ہی عمر میں اضافہ کر سکتے ہیں اور آدمی گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے [1] اس حدیث میں انکار رد ہے جو کہتے ہیں کہ نذر دفع بلاء اور حصول نعمت کا سبب بنتی ہے جب کہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے نذر سے منع فرمایا اور فرمایا کہ نذر سے کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوتی البتہ بخیل سے مال اگلوانے کا ایک ذریعہ ہے۔

خیال رہے کہ دعا بعض کاموں میں مشروع اور مفید ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک دعا میں مبالغہ آرائی کرنے والوں کو پسند نہیں جانتا چنانچہ امام احمد کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص ان کے لئے درازی عمر کی دعا کرے وہ فرمایا کرتے تھے یہ ایسا کام ہے جس سے فارغ ہوا جا چکا ہے۔

ارشادِ خداوندی :۔

وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب (فاطر ۱۱)	اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا)

آیت مذکورہ میں من عمرہ کی ضمیر ان کے اس قول عندی درہم ونصفہ کے موافق ہے درہم اور دوسرا نصف درہم مراد ہے اسی طرح آیت میں عمرہ کی ضمیر کا مرجع دوسرا معمر ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ زیادتی اور کمی ہے جو صحیفوں میں ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں اسی طرح یہ آیت

لکل اجل کتاب یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (الرعد ۳۹)	خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

بھی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ محو اور اثبات صحیفوں سے ہے جو فرشتوں کے

[1] حدیث حسن ہے

ہاتھوں میں ہیں اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے بعض کہتے ہیں اللہ پاک جن شرائع کو منسوخ کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جن شرائع کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اس میں دیگر اقوال بھی ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

(ط) مخلوق پیدا کرنے سے پہلے بھی اس پر کچھ مخفی نہ تھا اور مخلوق پیدا کرنے سے پہلے بھی اس کو علم تھا کہ وہ کیا عمل کریں گے۔

(ش) اللہ پاک جانتا ہے جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا اور جو نہیں ہوا اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا ارشاد خداوندی ہے:۔

ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنه (الانعام ۲۸)	اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں گے

اگرچہ اللہ پاک جانتا ہے کہ انہیں رد نہیں کیا جائے گا لیکن مطلع کیا ہے کہ اگر انہیں رد کیا گیا تو وہ انہی کاموں کا اعادہ کریں گے ارشاد ربانی ہے:۔

ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون (الانفال ۲۳)	اور اگر خدا ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے

اس میں روافض اور قدریہ اور ان لوگوں کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ اللہ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے پہلے کچھ علم نہیں رکھتا مزید وضاحت آرہی ہے۔

(ط) اللہ نے انسانوں کو اپنی فرمانبرداری کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی سے منع کیا۔

(ش) خلق، قدر کے بعد شیخ نے امر، نہی کا ذکر کیا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ارشاد خداوندی ہے:۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات ۵۶)	اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں

نیز فرمایا۔

الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (الملک ۲)	اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون تم میں اچھے کام کرتا ہے

(ط) ہر چیز اللہ کی مشیت اور تقدیر کے ساتھ جاری ہے اس کی مشیت نافذ ہوتی ہے۔

لیکن بندوں کی کچھ مشیت نہیں مگر اللہ کی مشیت ہے اللہ پاک نے ان کے لئے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہے گا نہیں ہوگا۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے۔

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علیما حکیما (الدھر ۳)	تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے

نیز فرمایا۔

وما تشاءون الا یشاء اللہ رب العالمین (التکویر ۲۹)	اور تم وہی چاہتے ہو جو اللہ رب العالمین چاہتا ہے۔

نیز فرمایا۔

ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ وکلمھم الموتی وحشرنا علیھم کل شیء قبلا ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ (الانعام ۱۱۲)	اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے الا ماشاء اللہ۔

✤ ✤ ✤

نیز فرمایا۔

ولو شاء ربك ما فعلوه (الانعام)	اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے۔

نیز فرمایا۔

ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلھم جمیعا (یونس ۹۹)	اگر تیرا پروردگار چاہتا تو زمین پر رہنے والے تمام لوگ ایماندار ہو جاتے۔

نیز فرمایا۔

فمن یرد اللہ ان یھدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء (الانعام ۱۲۶)	تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

✤ ✤ ✤

اللہ پاک نے نوح علیہ السلام کی جانب سے حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا جب اس نے اپنی قوم سے کہا

ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم (ھود ۳۴)	اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔

نیز فرمایا۔

من یشا اللہ یضللہ ومن یشا یجعلہ علیٰ صراط مستقیم (الانعام ۳۹)	جس کو خدا چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلا دے۔

ان کے علاوہ بھی کثیر آیات اس مضمون کی ہیں کہ وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اگر نہیں چاہتا نہیں ہوتا بھلا اس کی بادشاہت میں ایسا کام کیسے ہو سکتا ہے جس کو وہ نہیں چاہتا ہے اور اس شخص سے زیادہ گمراہ اور کافر کوئی نہیں ہو سکتا جس کا خیال ہے کہ اللہ نے چاہا کہ کافر ایمان لائے لیکن کافر نے کفر اختیار کیا اس طرح کافر کی مشیت اللہ کی مشیت پر غالب آگئی۔

تعالی اللہ عما یقولون علوًا کبیراً۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

ارشاد ربانی :-

سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا (الانعام ۱۴۹)	جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے)

٭ ٭ ٭

ارشاد ربانی

وقال الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما عبدنا من دونہ من شئ (النحل ۳۵)	اور مشرکین نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے۔

نیز ارشاد ربانی ہے۔

وقالوا لو شاء الرحمٰن ما عبدناھم ما لھم بذالک من علم ان ھم الا یخرصون (الزخرف ۲۰)	انھوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ان کو اس کی کیا خبر وہ تو اٹکل سے (ایسی بات کہتے ہیں)۔

ان آیات میں اللہ پاک نے شرک کرنے والوں کی مذمت ذکر کی ہے۔ جب انہوں نے کہا کہ ہمارا شرک کرنا اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے اسی طرح ابلیس کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہا جب اس نے اپنے گمراہ ہونے کی نسبت اللہ کی جانب کی جب کہ اس نے کہا:۔

رب بما اغویتنی لازینن لھم فی الارض — اے میرے پروردگار اس سبب سے کہ
ولاغوینھم اجمعین (الحجر ۳۹) — تو نے مجھے گمراہ کیا میں زمین میں ان کیلئے (چیزوں)
کو مزین کروں گا اور ان سب کو بہکا دوں گا

اگرچہ ان کے اعتراض کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں لیکن سب سے احسن جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی مشیت کے ساتھ ساتھ ثابت کیا کہ وہ ہمارے اس فعل پر راضی ہے اور ہمیں محبوب سمجھتا ہے ان کا یہ ادعا غلط ہے اللہ کی مشیت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ اللہ نے ان کو ایسے کاموں کا حکم بھی دیا ہے اور پھر انہوں نے مشیت ایزدی کو بطور توحید کے ذکر نہیں کیا ہے بلکہ بطور معارضہ کے ذکر کیا ہے وہ مشیت ایزدی کا بہانہ بنا کر اوامر و نواہی سے اعراض کرنا چاہتے ہیں شریعت اسلامیہ کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں جیسا کہ عام طور پر زندیق جاہل لوگوں کو جب کسی کام کا حکم دیا جاتا ہے یا انہیں کسی کام سے روکا جاتا ہے تو وہ تقدیر کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ ایک چور نے حضرت عمر کے دور خلافت میں جب تقدیر کا سہارا لیا تو حضرت عمر نے فرمایا میں تیرا ہاتھ اللہ کی قضا اور تقدیر کے ساتھ ہی تو قطع کر رہا ہوں۔
اس کا شاہد اللہ کا قول ہے۔

کذالک کذب الذین من قبلھم — اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے تکذیب کی۔
(الانعام ۱۴۸)

معلوم ہوا ان کا مقصد شریعت کی تکذیب ہے۔

سوال آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ مجھے ایسے کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو میرے پیدا کرنے سے چالیس سال قبل لکھا ہوا تھا اس قول سے حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ آدم موسیٰ پر غالب آ گئے معلوم ہوا گناہ میں تقدیر کا سہارا لینا درست ہے۔

جواب مذکورہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے لہٰذا ہم اس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں نہ تو قدریہ کی طرح ہم حدیث کی تکذیب کرتے ہیں نہ ہی کسی کمزور تاویل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

صحیح صورت حال یہ ہے کہ حضرت آدم اپنے گناہ پر تقدیر کا سہارا لے کر غالب نہیں آئے وہ اپنے گناہ کو سمجھتے تھے اور اللہ کے بارے میں بھی انہیں علم تھا اسی طرح ایمانداروں کے بارے میں بھی ہماری رائے یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر تقدیر کا سہارا نہیں لیتے ہیں ان پر اس قسم کا الزام درست نہیں اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے باپ آدم اس کے گناہ کے بارے میں خوب علم رکھتے تھے وہ حضرت آدم کو ایسے گناہ پر کیسے ملامت کر سکتے تھے جس سے حضرت آدم علیہ السلام تائب ہو چکے تھے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی ان کو منتخب فرمایا اور نور ہدایت سے نوازا۔

اصل ملامت تو اس مصیبت پر کی جا رہی ہے جس نے حضرت آدم کی اولاد کو جنت سے نکال دیا پس حضرت آدم مصیبت پر تقدیر سے استدلال کرتے ہیں گناہ پر تقدیر سے استدلال نہیں کرتے ہیں اسی لئے کہ مصیبت پر تقدیر کا سہارا لینا درست ہے گناہ پر سہارا لینا درست نہیں حدیث کی جو تشریح ہم نے کی ہے وہ نہایت مناسب ہے پس جو مصیبت تقدیر میں لکھی جا چکی ہے اسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں اللہ پر راضی ہونے کی یہ بہترین صورت ہے البتہ گناہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ گناہ نہ کیا جائے اگر گناہ ہو جائے تو استغفار کی جائے اور توبہ کی جائے یعنی گناہوں سے توبہ کی جائے اور مصیبتوں پر صبر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاصبر ان وعد اللہ حق واستغفر لذنبك الآیۃ (المؤمن ۵۵)	تو صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

نیز فرمایا۔

وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا (آل عمران ۱۲۰)	اور اگر تم تکلیفوں کی برداشت اور (ان سے) کنارہ کشی کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

❊ ❊ ❊

اور ابلیس کا قول

رب بما اغویتنی	اے رب بسبب اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا

سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ تقدیر کا معترف تھا البتہ اس نے تقدیر کے ساتھ استدلال کو مذموم کہا ہے دیکھئے حضرت نوح علیہ السلام کہتے ہیں

ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح	اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور
لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم ھو	خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی
ربکم والیہ ترجعون	تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی وہی تمہارا پروردگار
(ھود ۳۴)	ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

فما شئت کان وان لم اشأ	وما شئت ان لم تشأ لم یکن
جو تو نے چاہا ہو گیا اگرچہ میں نہ بھی چاہوں	اور جو میں نے چاہا نہ ہوا اگر تو نے نہ چاہا

وہب بن منبہ کا قول میں نے تقدیر میں غور کیا حیران ہو گیا پھر غور کیا مزید حیران ہوا بالآخر میں نے دیکھا کہ مسئلہ تقدیر کو وہ انسان زیادہ جانتا ہے جو اس میں بحث کرنے سے رکتا ہے اور وہ زیادہ جاہل ہے جو تقدیر میں بحث کرتا ہے ۔

(ط) وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے محفوظ کرتا تندرستی عطا کرتا ہے یہ اس کا فضل ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے مدد چھوڑتا ہے مصائب میں گرفتار کرتا ہے یہ اس کا عدل ہے

(ش) اس میں معتزلہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب ہے کہ وہ بندہ کے لئے اصلح کا انتخاب کرے چنانچہ وہ ہدایت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی جانب سے ہدایت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ راہ صواب کو واضح کرتا ہے اور اضلال کا معنیٰ ہے کسی بندے کو گمراہ کہنا کسی بندہ پر گمراہ ہونے کا حکم من جانب اللہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ خود گمراہی کو پیدا کرتا ہے اس کی بنیاد ان کے فاسد اصل پر ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں ۔

ہدایت کا وہ معنیٰ جو معتزلہ کرتے ہیں غلط ہے ان کے بیان کردہ معنیٰ کی روشنی میں انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء (القصص ۵۶)

کا معنیٰ صحیح نہیں رہتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ ہدایت کے بیان کی نفی صحیح نہیں جب کہ آپ ہر شخص کو صحیح راہ دکھاتے ہیں خواہ وہ پسند کرے یا نہ پسند کرے ۔ نیز فرمایا :۔

ولو شئنا لاتینا کل نفس ھدٰھا   اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو ہدایت دے دیتے
(السجدۃ ۱۳)

نیز فرمایا۔

یضل اللہ من یشاء ویھدی من یشاء (المدثر ۳۱)	اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

یہ آیات بھی ان کے بیان کردہ معنی کا رد کرتی ہیں نیز اگر ہدایت کا معنیٰ راہ حق کو بیان کرنا ہی ہوتا تو اسے مشیت کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہ تھا جب کہ راہ حق کے بیان میں تمام مساوی ہیں اور عام ہیں اسی طرح وہ

ولولا نعمۃ ربی لکنت من المحضرین (الصافات ۵۷)	اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو (عذاب) میں حاضر کئے گئے

اور

من یشأ اللہ یضللہ ومن یشأ یجعلہ علی صراط مستقیم (الانعام ۳۹)	جس شخص کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر رکھتا ہے
☆ ☆ ☆	بھی ان کے بیان کردہ معنیٰ کو غلط قرار دیتی ہیں

(ط) تمام کے تمام اس کی مشیت میں پھر رہے ہیں تمام اللہ کے فضل اور عدل کے درمیان ہیں

(ش) ارشاد ربانی ہے :۔

ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن (التغابن ۲)	وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو کچھ تم میں سے کافر اور کچھ مومن ہیں ۔

پس جس کو اس نے ایمان کی ہدایت عطا کی اس پر اس کا فضل ہے اور اسے اللہ کی حمد کرنی چاہیے اور جس کو اس نے گمراہ کیا اس کے ساتھ عدل ہوا اسے بھی اللہ کی حمد کرنی چاہیئے مزید وضاحت آئندہ اوراق میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ دراصل شیخ امام طحاوی مسئلہ تقدیر پر کسی ایک مقام پر مکمل بحث نہیں کرتے ہیں مختلف مقامات پر بحث کرتے ہیں پس میں نے بھی ان کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے ۔

(ط) اللہ پاک مخالفین اور برابری کرنے والوں سے بلند ہیں۔

(ش) ضد مخالفت کو اور ند مثل کو کہتے ہیں پس اللہ پاک کا کوئی معارض نہیں بلکہ اس نے جو چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا اور اس کی برابری کرنے والا بھی کوئی نہیں ارشاد ربانی ہے۔

ولم یکن لہ کفوا احد (الاخلاص ۴)	اور اس کی کوئی برابری کرنے والا نہیں۔

شیخ امام طحاوی معتزلہ کا رد کرتے ہوئے اللہ کے مخالف اور مماثل کی نفی کرتے ہیں جب کہ معتزلہ بندے کو اپنے فعل کا خالق قرار دیتے ہیں۔

(ط) اس کے فیصلوں کو کوئی رد نہیں کر سکتا اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کے امر پر کوئی غالب نہیں۔

(ش) اللہ کے فیصلوں کو کوئی رد کرنے والا نہیں اور نہ اس کے حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ اس کے امر پر کوئی غالب آسکتا ہے بلکہ وہ اللہ ایک ہے غالب ہے۔

(ط) ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہر ہونے والی چیز اللہ کی جانب سے ہے۔

(ش) ایمان پر بحث آئندہ اوراق میں ذکر ہوگی اور ایقان استقرار کا نام ہے کہا جاتا ہے۔

قر الماء فی الحوض اذا ستنقس۔ پانی کا حوض میں قرار پکڑنا۔

جب وہ اس میں قرار پکڑ جائے اور کلاً کی تنوین بدل اضافت کی ہے یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی جانب سے ہونے والی ہے یعنی اس کے قضا، تقدیر، ارادہ، مشیت اور تکوین کے ساتھ ہے مزید وضاحت آئندہ اوراق میں ذکر کی جائے گی۔

(ط) بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اس کے چنے گئے پیغمبر اور اس کے پسندیدہ رسول ہیں۔

(ش) الاصطفاء الاجتباء، الارتضاء ہم معنی الفاظ ہیں۔

خیال رہے کہ مخلوق کا کمال یہ ہے کہ اس میں اللہ کی عبودیت کا تحقق ہو پس جس قدر بندے میں عبودیت کا تحقق زیادہ ہوتا چلا جائے گا اس کے کمال میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔

اور جو شخص اس وہم میں مبتلا ہے کہ مخلوق کو عبودیت سے کسی نہ کسی طرح نکلنا چاہیئے۔

اور جب وہ عبودیت سے نکل جائے گی تو وہ اکمل ہوگی۔

اس قسم کے وہم میں مبتلا لوگ بہت بڑے گمراہ اور جاہل ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:۔ وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً سبحانہ بل عباد مکرمون (الانبیاء ۲۶)

اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو اشرف مقام میں عبد کے ساتھ ذکر کیا فرمایا۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ (الاسراء) وہ ذات پاک جس نے اپنے بندے کی سیر کرائی

نیز فرمایا۔

وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ (الجن ۱۹)	اور جب خدا کے بندے (محمد) اس کی عبادت کو کھڑے ہوتے

نیز فرمایا۔

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ (النجم ۱۰)	پھر اس نے اپنے بندے کی طرف بھیجا سو بھیجا

نیز فرمایا

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا (البقرہ ۲۳)	اگر تم اس کتاب کے بارے میں شک میں ہو جس کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا

انسان عبدیت کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تقدیم کا حق دار ہوا چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام (قیامت کے روز جب لوگ اس کے پاس شفاعت کیلئے جائیں گے) کہیں گے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ بندہ ہے جس کے پہلے، پچھلے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں (بخاری، مسلم) پس آپ کو یہ مرتبہ تکمیل عبودیت کی وجہ سے حاصل ہوا۔

سچی نبوت اور جھوٹی نبوت میں امتیاز متکلمین کے ہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی صداقت پر معجزات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اکثر متکلمین معجزات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ماسوا دوسرے لوگوں سے کرامات اور سحر کا انکار کرتے ہیں۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ معجزات کے ظہور سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا پتہ چلتا ہے لیکن صرف معجزات کو صحت اور صداقت کا معیار قرار دینا درست نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں میں جہاں نہایت راستباز موجود ہیں وہاں کذاب بھی موجود ہیں قرائن سے دونوں میں امتیاز کیا جا سکتا ہے اور صادق، کاذب کو الگ کیا جا سکتا ہے بلکہ عام لوگوں کے احوال دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ان میں کہاں تک راستبازی موجود ہے یا یہ لوگ دھوکہ باز ہیں۔

حضرت حسان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لو لم یکن فیہ آیات مبینۃ کانت
بدیھتہ تانیک بالاخبار

اگر آپ میں واضح آیات نہ بھی ہوں پھر بھی آپ کے پاس ان کی فی البدیہہ خبریں اصل حقیقت کو واضح کر رہی ہیں۔

اسی طرح جھوٹے نبیوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ صرف جہالت، کذب فسق و فجور موجود ہے بلکہ ان پر شیطانوں کا تسلط ہوتا ہے اس کی گفتار، کردار اور اس کا چال چلن شریف لوگوں جیسا نہیں ہوتا جبکہ سچے انبیاء کی زندگی قابل رشک ہوتی ہے اور ان کے عادات و اخلاق باعث کشش ہوتے ہیں۔

انبیاء کی سطح سے نیچے اتر کر ہم دیکھتے ہیں کہ دو انسانوں نے ایک بات کا دعویٰ کیا ان میں ایک سچا اور ایک جھوٹا ہے اگرچہ ابتدا میں بظاہر ہم دونوں میں تمیز نہیں کر پاتے ہیں لیکن بالآخر کچھ مدت کے بعد ہم ان میں فرق کر سکتے ہیں اور معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے ظاہر ہے کہ سچا انسان نیکوکار ہوگا اور جھوٹا انسان بدکردار ہوگا۔

صحیحین[1] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا سچائی اختیار کرو اس لئے کہ سچائی نیکی کا راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کا راہ دکھاتی ہے ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کا دلدادہ رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں راستباز لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچاؤ اختیار کرو اس لئے کہ جھوٹ بولنا بدکاری کا راہ دکھاتا ہے اور بدکاری جہنم کا راہ دکھاتی ہے ایک آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس کو پیشہ بنا لیتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

هل انبئكم على من تنزل الشياطين	(اچھا) میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں
تنزل على كل افاك اثيم يلقون	ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سنی ہوئی
السمع واكثرهم كاذبون والشعراء	بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں اور وہ
يتبعهم الغاوون الم تر انهم	اکثر جھوٹے ہیں اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ
في كل واد يهيمون وانهم يقولون	کیا کرتے ہیں کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی
مالا يفعلون (الشعراء ۲۲۱)	میں سر مارتے پھرتے ہیں اور کہتے وہ ہیں جو کرتے

---

[1] (مسلم) صحیحین کی طرف نسبت درست نہیں مؤلف کو تسامح ہو گیا ہے

نہیں ہیں۔

کاہن، نجومی اور مستقبل کی خبریں دینے والوں کی باتیں کبھی سچی بھی ہوتی ہیں لیکن ان کا عام جھوٹ بولنا اور بدکردار ہونا پتہ دیتا ہے کہ وہ جو غیب کی خبریں بتاتے ہیں ان کی خبروں کا اصل کوئی فرشتہ نہیں اور نہ ہی ان کو انبیاء تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

خیال کریں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے کہا میں نے دل میں کچھ چھپا رکھا ہے بتاؤ وہ کیا ہے؟ اس نے لفظ دخ کہا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ذلت تیرا مقدر ہے کبھی تجھے بلندی حاصل نہ ہوگی یعنی تو محض کاہن ہے یہ لقب آپ نے اس کو تب دیا جب اس نے کہا میرے پاس سچا اور جھوٹا دونوں آتے ہیں اور میں پانی کی سطح پر تخت دیکھتا ہوں دراصل اسے شیطان کا تخت نظر آتا تھا۔

جس طرح کاہنوں کی زندگی فسق و فجور سے اٹی ہوتی ہے اسی طرح شاعروں کی زندگی بھی نہایت تاریک ہوتی ہے اسی لئے کاہنوں کے بعد ان کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا کہ ان کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں اگرچہ انجام کار انہیں نقصان سے دوچار ہونا ہوتا ہے۔

پس جو شخص رسول خدا کی زندگی کا جائزہ لے گا اسے معلوم ہوگا کہ اس کے قول فعل میں مطابقت ہے اور یہ تو اخلاق حمیدہ کا مرقع ہے اس کو شاعر یا کاہن نہیں کہا جا سکتا۔

صدق و کذب کے قرائن راستباز اور دروغ گو میں امتیاز کچھ مشکل نہیں جیسا کہ وہ لوگ جو کاشتکاری کرتے ہیں یا کپڑا بنتے ہیں یا فن کتابت سے مزاولت رکھتے ہیں ہم ان میں مراتب کے لحاظ سے فرق کر سکتے ہیں اسی طرح جو لوگ علم نحو، علم طب اور علم فقہ میں دلچسپی رکھتے ہیں ان میں بھی مدارج ہیں اور ان کا تعین کرنا کچھ مشکل نہیں اسی طرح ایک پیغمبر میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں وہ علم و عمل میں اونچے مقام پر فائز ہوتا ہے لیکن کاھن کے حالات اس سے مختلف ہوتے ہیں ان دونوں میں اشتباہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بعض اوقات قرائن سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ خبر دینے والا ایک فرد یا دو یا تین افراد ہوتے ہیں۔

بالکل اسی طرح بعض اوقات ایک انسان کے خدوخال اس کا حسن سلوک پتہ دیتا ہے

کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ اسی طرح بظاہر غم کے آثار یا خوشی کی چمک دمک ناراضگی کے علامات یا رضا ورغبت کے جذبات اصل حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں اگرچہ فی الواقع زبان سے اظہار نہیں ہوتا اور بعض دفعہ اظہار ممکن بھی نہیں ہوتا۔

ارشاد خداوندی ہے :۔

(ولو نشاء لاریناکھم فلعرفتھم بسیماھم (محمد ۳۰)	اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ تم کو دیکھا بھی دیتے اور تم ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے

نیز فرمایا۔

ولتعرفنھم فی لحن القول (محمد ۳۰)	اور تم (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لوگے

بعض لوگوں کا قول ہے۔

ما اسر احد سریرۃ الا اظھرھا اللہ علی صفحات وجھہ وفلتات لسانہ	جو شخص دل میں جو چھپاتا ہے اللہ پاک اس کے خدوخال اور اس کی زبان پر کبھی نہ کبھی اس کے اثرات نمایاں کردیتا ہے۔

٭ ٭ ٭

معلوم ہوا کہ مخبر کے صدق وکذب کا قرائن سے پتہ چلتا ہے تو مدعی نبوت کا صدق وکذب کیسے مخفی رہ سکتا ہے اور کیوں کر سچے اور جھوٹے میں امتیاز نہیں ہوسکتا ہے۔

حضرت خدیجہ کا بیان دیکھئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یقین رکھتی تھیں کہ آپ راستباز نیکوکار ہیں تو وحی کے نزول کے بعد جب آپ نے حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے جان کا خطرہ ہے تو حضرت خدیجہ نے جواب میں کہا بالکل نہیں بخدا اللہ تیری معاونت ترک نہیں کرے گا جب کہ تو صلہ رحمی کرتا ہے، سچ بولتا ہے لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے مہمان نوازی کرتا ہے فقیروں کو مال دیتا ہے راہ حق میں اعانت کرتا ہے حضرت خدیجہ نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیغمبر ہونے میں کچھ شک تھا بلکہ آپ خوفزدہ ہوگئے کہیں آپ حادثہ کا شکار نہ ہوجائیں اور نصرت الٰہی سے محروم نہ ہو جائیں تو حضرت خدیجہ نے اس کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ آپ میں فطرتاً اچھے اوصاف پائے جاتے ہیں اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ جس میں مکارم اخلاق موجود ہوں اور وہ برے اخلاق سے کنارہ کش رہتا ہو تو اللہ پاک اس کو ذلیل نہیں کرتا نہ

اس کی مدد چھوڑتا ہے۔

نجاشی کا بیان جب نجاشی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجرت کرنے والوں سے دریافت کیا اور انہیں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے لئے کہا تو قرآن سن کر بول اٹھا کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا رہا اس کا اور اس کلام کا ایک مخرج ہے اور ایک مضمون ہے دونوں میں ہم آہنگی موجود ہے۔

ورقہ بن نوفل کا بیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ بن نوفل کے پاس گئے آپ نے اس کو وحی اور جبریل کے دیکھنے کے بارے میں کہا تو ورقہ بن نوفل (جو عیسائی عالم تھا اور انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ کر رہا تھا) نے کہا یہ وہی جبریل فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا کرتا تھا اور حضرت خدیجہ نے بھی جب اپنے چچا ورقہ بن نوفل سے کہا اپنے بھتیجے پر نازل شدہ کلام سنیں تو اس کا بھی انہوں نے وہی جواب دیا۔

ہرقل کا بیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کی جانب خط بھیجا جس میں اس کو اسلام کی طرف دعوت دی تھی تو ہرقل نے وہاں موجود عرب کے باشندوں کو جمع کیا ان دنوں ابوسفیان قریش قبیلہ کے چند لوگوں کی رفاقت میں تجارتی قافلہ لے کر شام گیا ہوا تھا تو ان سے عموماً اور ابوسفیان سے خصوصاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بارے میں دریافت کیا لیکن جب وہ ابوسفیان سے دریافت کر رہا تھا تو اس نے دیگر عرب باشندوں کو کہہ رکھا تھا کہ اگر ابوسفیان کہیں کذب بیانی سے کام لے تو تم نے اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنا ہو گا وہ مجلس میں خاموش رہے ابوسفیان کے بیان میں انہوں نے .... کچھ نہ کہا اس نے دریافت کیا :- کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا۔

اس نے دریافت کیا :- کیا اس کے قبیلہ سے اس سے پہلے بھی کسی نے یہ بات کہی ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا - اس نے دریافت کیا ! بھلا کیا وہ تم میں اونچے نسب کا مالک ہے انہوں نے اثبات میں جواب دیا اس نے دریافت کیا ! کیا اس بات کے کہنے سے پہلے بھی تم نے اس کو جھوٹ کے ساتھ متہم کیا ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا اور کہا ہم نے اس سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔

پھر اس نے دریافت کیا! اس کی پیروی کرنے والے کمزور لوگ ہیں یا اونچے لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ اس کی پیروی کرنے والے تو کمزور لوگ ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا! کیا ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے یا ان میں کمی آ رہی ہے انہوں نے جواب دیا کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پھر اس نے دریافت کیا! کیا کوئی شخص دین میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہو کر دین سے برگشتہ بھی ہوا انہوں نے نفی میں جواب دیا پھر اس نے دریافت کیا! کیا تم نے اس کے ساتھ لڑائی کی ہے جواب اثبات میں تھا پھر سوال کیا! لڑائی میں کون غالب رہا انہوں نے جواب دیا کبھی وہ ہم پر غالب آیا اور کبھی ہم اس پہ غالب آئے۔

پھر اس نے دریافت کیا! کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اس نے دریافت کیا! وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے انہوں نے جواب دیا وہ ہمیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور وہ ہمیں ان بتوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور وہ ہمیں نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے دس سے زیادہ مسائل کا ذکر کیا اور ان کے دلائل بیان کئے۔

پھر اس نے کہا میں نے تم سے دریافت کیا! کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ تھا تم نے نفی میں جواب دیا میں نے محسوس کیا اگر اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ اپنے باپ کی بادشاہت کا طالب ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا! کیا تم میں سے پہلے بھی کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے تم نے نفی میں جواب دیا میں نے محسوس کیا کہ اگر اس سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ اپنے سے پہلے کی اقتداء کر رہا ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا اس کے اس دعویٰ سے پہلے بھی تم اسے جھوٹ کے ساتھ متہم کرتے ہو تم نے نفی میں جواب دیا میں نے محسوس کیا جب یہ لوگوں پہ جھوٹ سے گریز کرتا ہے تو اللہ پہ کیسے جھوٹ بول سکتا ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا اس کے پیروکار کمزور لوگ ہیں یا اونچے طبقہ کے لوگ ہیں تم نے جواب دیا کمزور ہیں اور شروع شروع میں پیغمبروں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں پھر میں نے تم سے دریافت کیا! کیا وہ زیادہ ہو رہے ہیں یا ان کی تعداد کم ہو رہی ہے تم نے جواب دیا تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے ایمان کا حال ایسے ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ ایمان اکمل مکمل ہو جاتا ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا! کیا دین میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہو کر کوئی شخص مرتد بھی ہوا ہے تم نے نفی میں جواب دیا ایمان کا یہی حال ہوتا ہے جب ایمان کی بشاشت دل میں پیوست ہو جاتی ہے تو پھر دین سے کوئی برگشتہ نہیں ہوتا اور یہ کسی سچائی کی بہت بڑی علامت ہے ظاہر ہے کہ جھوٹ بالآخر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ماننے

والوں میں کمی آجاتی ہے مزید اس میں کسی کے داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یعنی جھوٹ چند روز ظہور پذیر رہتا ہے اس کے بعد جلد ہی اس کی پذیرائی ختم ہو جاتی ہے۔

پھر میں نے تم سے دریافت کیا! تمہارے ساتھ اس کی لڑائی کا حال کیا ہے تم نے جواب دیا کبھی ہم غالب کبھی وہ غالب۔ اسی طرح پیغمبروں کا ابتلاء ہوتا ہے آخر کار انہیں کامیابی حاصل ہوتی ہے پھر میں نے تم سے دریافت کیا! کیا وہ عہد شکن ہے تم نے نفی میں جواب دیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پیغمبر عہد شکنی نہیں کرتے ہاں رسولوں کے بارے میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ کبھی اللہ پاک انہیں کامیاب کرتا ہے اور کبھی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو ابتلاء کے ایام میں بھی وہ عہد شکنی نہیں کرتے اور یہی حال ایمانداروں کا ہے اللہ پاک خوشحالی اور مصائب کے ساتھ انہیں آزماتا ہے تاکہ وہ شکر اور صبر کے درجہ پر فائز ہوں

صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ پاک مومن کے لئے جو فیصلہ صادر فرماتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے لیکن اس میں صرف مومن مراد ہیں اگر مومن خوشحالی سے ہمکنار ہوتا ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے شکر ادا کرنا اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اگر کسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے اور صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

جنگ احد میں دشمن نے مسلمانوں پر اچانک ایسا وار کیا جس سے مومنوں کی صفوں میں بھگدڑ مچ گئی اس میں بھی حکمت تھی اس کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون	اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم
ان کنتم مؤمنین (آل عمران ۱۳۹)	کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے

نیز فرمایا۔

الٓمّٓ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا	الٓمّٓ کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے
امنا وھم لا یفتنون (العنکبوت ۲)	سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور
⁂ ⁂ ⁂	اور ان کی آزمائش نہیں کی جائیگی۔

ان کے علاوہ اور آیات احادیث اس مضمون کی وارد ہیں جو بندوں کے بارے میں اللہ کی سنت اور حکمت کو بیان کرتی ہیں جس سے عقلیں حیران ہو جاتی ہیں۔

پھر میں نے دریافت کیا وہ پیغمبر کن باتوں کا حکم دیتا ہے تم نے بیان کیا کہ وہ تم کو حکم دیتا ہے

کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نیز وہ تم کو نماز ادا کرنے سچ بولنے پاکدامنی اختیار کرنے اور صلۂ رحمی کا حکم دیتا ہے اور تم کو ان بتوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔

پس یہی تو ایک پیغمبر کی صفت ہے اور مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ نبی مبعوث ہونے والا ہے لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا البتہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اس کی خدمت میں پہنچوں اگر میرے پاس بادشاہت نہ ہوتی تو میں ضرور وہاں جاتا اور اگر تیری باتیں درست ہیں تو یقیناً اس کو اس جگہ کی بادشاہت مل کر رہے گی ہرقل کی باتوں کا اصل مخاطب ابوسفیان تھا وہ ان دنوں کافر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا دشمن تھا۔

ابوسفیان بیان کرتا ہے میں نے اپنے رفقار سے کہا جب ہم اس کی مجلس سے نکل رہے تھے کہ ابن ابی کبشہ کا معاملہ بہت عظیم ہو گیا ہے کہ روم کا بادشاہ بھی اس کی تعظیم کرتا ہے پھر ہمیشہ میں اس یقین میں رہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عام ہو جائے گا یہاں تک کہ بادل نخواستہ میں بھی دین اسلام میں داخل ہو گیا۔

صدق، کذب کے دلائل میں تفاوت جس طرح بعض خبریں مفید للظن ہوتی ہیں اور بعض مفید للیقین ہوتی ہیں اسی طرح صدق، کذب کے دلائل میں بھی ضعف اور قوت کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں اس عالم میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جو حضرات انبیار علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ایماندار لوگوں کی عظمتوں کا تابندہ نشان ہیں نیز پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں پر وقتاً فوقتاً جو عذاب نازل ہوتے رہے (جیسے قوم نوح کو پانی کے طوفان سے ملیامیٹ کر دیا فرعون اور اس کے لشکر کو بحر قلزم میں غرق کر دیا) ان کے آثار اللہ کے غیظ و غضب کا پتہ دیتے ہیں ان واقعات کا ذکر کرنے کے بعد تقریباً ہر واقعہ کے بعد یہ جملہ موجود ہے۔

ان فی ذالک لاٰیۃ دما کان اکثرھم	بے شک اس میں عبرت ہے اور ان کی اکثریت
مومنین وان ربک لھو العزیز الرحیم	ایمان لانے والی نہیں اور تیرا رب غالب اور رحم
﴿ الشعراء ﴾	کرنے والا ہے

مختصر یہ کہ زمین میں ایک انسان نے اپنے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا کچھ لوگوں نے اس کی پیروی کی اور کچھ نے مخالفت کی لیکن اللہ پاک نے پیغمبروں، ایمانداروں کو غلبہ عطا فرمایا اور ان کا انجام اچھا کیا

اور پیغمبروں کے دشمنوں کو مختلف تکلیفوں میں مبتلا کیا اور وہ عذاب خداوندی میں گرفتار ہوئے اس قسم کے واقعات تواتر کے ساتھ ثابت ہیں شاید فارس کے بادشاہ اور یونان کے اطباء لقراط، جالینوس بطلیموس، سقراط، افلاطون، ارسطو اور اس کے پیروکار تاریخ میں اتنی شہرت کے مالک نہیں جس قدر وہ قومیں مشہور ہیں جو عذاب خداوندی میں گرفتار ہوئیں۔ یا جو قومیں پیغمبروں کی اطاعت کر کے دنیوی اخروی سعادتوں سے ہمکنار ہوئیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات متواتر ہیں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پیروکاروں کے حالات نیز ان کے مخالفوں کے حالات تواتر کے ساتھ ثابت ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام راہ حق پر تھے اور سچائی کے ساتھ موصوف تھے

انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ ہماری اطاعت کریں گے وہ کامیاب ہونگے اور نہ اطاعت کرنے والے ذلیل وخوار ہوں گے چنانچہ ایسے ہی ہوا اللہ پاک نے ان کے ماننے والوں کو غلبہ عطا کیا اور دشمنوں کو تباہ وبرباد کر ڈالا جیسے فرعون بحر قلزم میں غرق ہوا قوم نوح پانی میں ڈوب کر مر گئی۔

اور جب انبیاء کی جانب سے پیش کردہ شریعت اور اس کے احکام پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کا علم دیگر تمام لوگوں سے زیادہ ہے اور کیا جو زیادہ علم والے ہوں ان کو کذاب، جاہل کہا جا سکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انبیاء رحمت، ہدایت، خیر دیگر مصلحتوں مفید مشوروں سے لوگوں کو نوازتے رہے ظاہر ہے کہ جن سے اس قسم کے عظیم کام سرزد ہوئے اور جنہوں نے مخلوق خدا پر رحمت خداوندی کی بارش برسادی وہ کبھی سخت دل نہیں ہو سکتے ان کے شفیق اور مہربان ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تفصیلی تذکرہ یہاں نہیں ہو سکتا آپ کے معجزات پر مستقل تصانیف موجود ہیں مثلاً امام بیہقی کی کتاب "دلائل النبوۃ" گراں قدر معلومات کی حامل ہے

بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنا درحقیقت اللہ پاک کی ذات میں طعن کے مترادف ہے اور اللہ کو ظلم اور سفاہت کی طرف منسوب کرنا ہے بلکہ بالکلیہ اللہ کے انکار کے مترادف ہے تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت صادقہ کی دلیل ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی مانتے ہیں جن لوگوں کے ہاں آپ سچے نبی نہیں تھے بلکہ نعوذ باللہ آپ ظالم حکمران تھے ان کے متعلق ہم یہی کہیں گے کہ وہ اللہ پر افترا باندھ رہے ہیں اور آپ پر ایک انھونی بات کا الزام دے رہے ہیں۔

ہم دریافت کرتے ہیں اگر آپ سچے نبی نہ تھے تو ہم حیران ہیں کہ کیوں آپ کو اتنی مہلت ملتی ہے آپ دور نبوت میں چند چیزوں کو حلال گردانتے ہیں بعض کو حرام کہتے ہیں فرائض کا تعین فرماتے ہیں احکام کا نفاذ کرتے ہیں پہلی ملتوں کو منسوخ ٹھہراتے ہیں گردنوں پر تلواریں چلاتے ہیں یہودیوں، عیسائیوں (جو پیغمبروں کے پیروکار ہیں) کو قتل کرتے ہیں ان کی عورتوں کو لونڈیاں بناتے ہیں ان کے بچوں کو غلام بناتے ہیں ان کے مال لوٹتے ہیں ان کی آبادیوں کو تہس نہس کرتے ہیں فتوحات کا سلسلہ شروع رہتا ہے اور پھر آپ ان تمام کی نسبت اللہ پاک کی جانب کرتے ہیں اور اللہ سے اپنی محبت کا اظہار فرماتے ہیں اللہ پاک ان سب کاموں کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور پیغمبر کے خلاف کچھ غم و غصہ کا اظہار نہیں کرتے اور مسلسل تئیس سال آپ اللہ پر افترا باندھ رہے ہیں اس کے باوجود اللہ آپکی تائید و نصرت فرماتا ہے آپ کے امر کو غلبہ عطا کرتا ہے اور آپ کو اتنی بڑی کامیابی سے ہمکنار فرماتا ہے جس سے انسانی طاقت عاجز ہے مزید براں آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں آپ کے دشمن ہلاک کر دیئے جاتے ہیں آپ کی شہرت میں اضافہ ہوتا ہے افسوس ان تمام انعامات خداوندی کے باوجود ان لوگوں کے نزدیک معاذ اللہ کذاب افترا پرداز ظالم ہیں حالانکہ وہ انسان بہت بڑا ظالم ہے جس نے اللہ پر افترا باندھا انبیاء کی شریعتوں کو باطل سمجھا ان کو تبدیل کیا اللہ کے اولیاء کا قتل کیا پھر بھی اللہ کی نصرت اس پر ہمیشہ نازل ہوتی رہی اور اللہ اس کو اسی حالت پر برقرار رکھتا رہا پھر اللہ نے اس کا مؤاخذہ نہ کیا اللہ نے اس کی شہ رگ کو قطع نہ کیا اس سے ان پر لازم آئے گا کہ وہ کہیں اس عالم کا نہ کوئی صانع ہے نہ کوئی مدبر ہے اگر اس عالم کا کوئی صانع مدبر حکیم ہوتا تو اس کے ہاتھوں کو روکتا اور اس کے مقابلہ میں اترتا اور صالحین کے لئے اسے عبرتناک سزا دیتا اس لئے کہ بادشاہ تو یوں ہی کرتے ہیں تو بادشاہوں کا بادشاہ احکم الحاکمین کیوں ایسا نہیں کرتا اس میں شک نہیں کہ اللہ نے آپ کے ذکر کو عام کیا آپ کی دعوت کو غلبہ عطا کیا اور تمام ملکوں میں سب کے سامنے آپ کی نبوت کی شہادت دی نیز ہم اس بات کا بھی انکار نہیں کر سکتے کہ کثیر تعداد میں

کذاب اس کے مقابلہ میں آئے اپنی شان وشوکت کا انہوں نے اظہار بھی کیا لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی اور نہ ہی ان کا اقتدار زیادہ عرصہ رہا بلکہ اللہ نے ایسے ظالم کے استیصال کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجا جنہوں نے ان ظالموں کو تہ تیغ کیا اور ان کی نسل کو ختم کیا اللہ کی یہ سنت قدیم زمانہ سے جاری ہے یہاں تک کہ کفار بھی اس سے ناواقف نہیں ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔

ام یقولون شاعر نتربص بہ ریب	کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے
المنون قل تربصوا فانی معکم من	حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں
المتربصین (الطور ۳۰۔۳۱)	کہہ دو کہ انتظار کئے جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

دیکھئے اللہ پاک خبر دے رہے ہیں کہ اللہ کی کمال حکمت اور قدرت کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ پر افترا باندھنے والوں کو قرار عطا نہیں کرتا بلکہ اس کو اپنے بندوں کے لئے عبرت بناتا ہے یہی اس کی سنت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔

ام یقولون افتریٰ علی اللہ کذبا فان	کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے خدا پر جھوٹ باندھ
یشاء اللہ یختم علیٰ قلبک	لیا ہے اگر خدا چاہے تو (اے محمد) تمہارے دل
(الشوریٰ ۲۴)	پر مہر لگا دے

جواب شرط کے بعد خبر جازم غیر معلق ہے کہ وہ باطل کو محو کرتا ہے اور حق کو ثابت رکھتا ہے نیز ارشاد خداوندی ہے۔

وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالو	اور ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسے جاننی چاہئے
ما انزل اللہ علیٰ بشر من شئی۔	تھی نہ جانی جب انہوں نے کہا کہ خدا نے انسان
(الانعام ۹۲)	پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا

اس میں اللہ پاک نے اطلاع دی ہے کہ جس شخص نے اللہ سے رسول ارسال کرنے اور کلام کی نفی کی ہے اس نے اللہ کو صحیح معنیٰ میں سمجھا نہیں ہے اور نہ اس کی شان کو سمجھا ہے۔

رسول اور نبی میں فرق متعدد وجوہ بیان کئے جاتے ہیں لیکن سب سے بہتر وجہ

یہ ہے جس پر آسمانوں سے وحی نازل ہوتی ہے اور اس کو حکم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں تک آسمانوں کی خبریں پہنچائیں وہ نبی رسول ہے اور اگر اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچائے وہ نبی ہے رسول نہیں ہے پس رسول نبی سے خاص ہے ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے یعنی رسالت عام ہے نبوت اس کی جزء ہے لیکن لفظ رُسُل انبیاء اور ان کے غیر کو متناول نہیں البتہ لفظ انبیاء رسل کو بھی شامل ہے۔

رسولوں کی بعثت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ رسولوں کا مبعوث کرنا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے خصوصًا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا بہت بڑا احسان ہے ارشاد ربانی ہے۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم	خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں
رسولاً من انفسھم یتلو علیھم اٰیاتہ	میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ
ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ	پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں
وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین	اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور
(اٰل عمران ۱۶۴)	پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

نیز فرمایا۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین	اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہان والوں کے
(الانبیاء ۱۰۷)	لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(ط) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

(ش) ارشادِ ربانی ہے۔

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین	لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین
(الاحزاب ۴۰)	ہیں۔

ارشاد نبوی ہے۔ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک محل کی ہے جو بہت خوبصورت بنا ہوا ہے لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے محل کی زیارت کرنے والے اس کی خوبصورتی پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں لیکن ایک اینٹ کی کمی پر عیب لگاتے ہیں تو وہ اینٹ میں ہوں میں نے محل کے عیب کو ختم کر دیا میرے ساتھ عمارت مکمل ہو گئی اور میرے ساتھ ہی رسولوں کا آخر

ختم ہو گیا (بخاری، مسلم)

نیز آپ فرماتے ہیں میرے کئی نام ہیں میرا نام محمد اور احمد ہے اور میں مٹانے والا ہوں میرے ساتھ اللہ کفر کو مٹائے گا۔ اور میں حاشر ہوں میرے بعد لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اور میں سب کے بعد آنے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا (بخاری، مسلم)

صحیح مسلم میں حضرت ثوبان سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں تیس کذاب ہوں گے سب کہیں گے کہ وہ نبی ہیں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا (الحدیث)

صحیح مسلم میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے انبیاء پر چھ باتوں کے ساتھ فضیلت ہے مجھے جامع کلمات دیئے گئے ہیں اور میرا رعب چھایا رہے گا اور میرے لئے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور میرے لئے تمام زمین مسجد اور پاک بنا دی گئی ہے اور مجھے تمام مخلوق کی جانب بھیجا گیا ہے اور میرے ساتھ انبیاء کو ختم کیا گیا ہے۔

(ط) آپ پرہیزگاروں کے پیشوا ہیں۔

(ش) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیشوا ہیں آپ کی پیروی کی جاتی ہے ارشاد ربانی ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ۳۱)

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو تم سے اللہ محبت کریگا پس جو شخص آپکی اتباع کریگا وہ

(ط) آپ رسولوں کے سردار ہیں۔

(ش) ارشاد نبوی ہے قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی اور میں اٹھوں گا سب سے اول سفارش کرنے والا میں ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول ہو گی (مسلم)

نیز مسلم کی شفاعت والی حدیث کے شروع میں ہے میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔

مسلم، ترمذی میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کا انتخاب کیا اور کنانہ سے قریش کا اور قریش سے بنو ہاشم کا اور بنو ہاشم سے میرا انتخاب کیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا اور میں سید البشر ہوں

حدیث کے مضمون کے خلاف دوسری حدیث آتی ہے ارشاد نبوی ہے: تم مجھے حضرت موسیٰ پر فضیلت عطا نہ کرو اس لئے کہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا لیکن اس وقت حضرت موسیٰ نے عرش کے پائے کو پکڑا ہو گا پس مجھے علم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ ان سے ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ رکھا بخاری، مسلم ان دونوں میں موافقت کی صورت کیا ہو گی۔

دراصل آپ نے جو یہ کہا کہ تم مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو تو اس کا ایک سبب تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک یہودی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ کو تمام انسانوں سے چن لیا یہ سن کر ایک مسلمان نے اس کو طمانچہ لگا دیا اور کہا تو کیسی بات کہتا ہے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں چنانچہ یہودی مسلمان کی شکایت لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ تمہارا یوں فضیلت دینا عصبیت اور حمیت کی بنا پر ہے شرعاً یہ مذموم ہے جب کہ جہاد بھی اگر حمیت اور عصبیت کی بنا پر کیا جائے تو وہ بھی مذموم ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ نے فخر و مباہات کو حرام قرار دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض (الاسراء: ۵۵)	ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔

نیز فرمایا:۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجٰت (البقرہ ۲۵۳)	یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض ایسے ہیں جن سے خدا نے گفتگو کی بعض کے (دوسرے امور میں) رتبے بلند کئے

معلوم ہوا فخر کے ساتھ ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کرنا مذموم ہے یا اگر دوسرے کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو اس محل پر حدیث (تم انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو) کو محمول کیا جائے گا اگر حدیث ثابت ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ حضرت موسیٰ کی حدیث کا ایک حصہ ہے اور وہ بخاری

کی حدیث ہے اس کے باوجود بعض لوگ اس میں علت ثابت کرتے ہیں[1] اگرچہ اس ٹکڑے کے علاوہ بقیہ حدیث بالکل صحیح ہے بعض لوگ موافقت کی ایک دوسری صورت نکالتے ہیں کہ کسی خاص پیغمبر پر کسی دوسرے کو فضیلت دینا درست نہیں ہاں عمومیت کے ساتھ فضیلت دینے میں کچھ حرج نہیں مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اس پر مجھے فخر نہیں عام طرح کی فضیلت ہے لہٰذا اس سے نہیں روکا جائے گا اس کی مثال یوں سمجھیں فلاں تمام شہر والوں سے افضل ہے یہ کلام درست ہے لیکن یوں کہنا فلاں تجھ سے افضل ہے نادرست ہے یہی جواب شیخ طحاوی نے بھی شرح معانی الآثار میں دیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہ تم مجھے حضرت یونس بن متیٰ پر فضیلت نہ دو) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں اور یہ واقعہ (کہ بعض شیوخ نے تلامذہ سے کہا میں اس حدیث کی تفسیر نہیں بتاؤں گا جب تک کہ مجھے کثیر مال نہیں دیا جائے گا جب تلامذۂ شیخ کو کثیر مال دے دیا تو اس نے تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت یونس جب مچھلی کے پیٹ میں تھے تو وہ اللہ کے اسی قدر قریب تھے جس قدر کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اللہ کے قریب تھے) بھی بالکل غلط ہے اللہ اور اس کے رسول کے کلام سے ناواقفیت پر مبنی ہے اس تفسیر کو کسی صورت میں صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔

ہاں صحیح روایت کے الفاظ یوں ہے کہ کسی انسان کے لئے لائق نہیں کہ وہ کہے میں یونس بن متی سے بہتر ہوں (مسلم، احمد) ایک روایت میں ہے جس نے کہا میں یونس بن متی سے بہتر ہوں اس نے جھوٹ کہا ان دونوں میں عام الفاظ ہیں کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو یونس بن متیٰ پر فضیلت عطا کرے لیکن اس میں یہ بھی نہیں کہ مسلمانوں کو روکا گیا ہو کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت یونس بن متیٰ پر فضیلت نہیں دے سکتے ہو جب کہ اللہ نے حضرت یونس کے بارے میں فرمایا کہ اس کو مچھلی نے نگل لیا اس نے قابل ملامت کام کیا۔

ارشاد ربانی ہے۔

وذا النون اذ ذهب مغاضبا فظن ... اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پس وہ

---

[1] حدیث صحیح ہے بخاری ۲/۳۶۰ - ۳۶۱ اگرچہ شارح نے حدیث میں علت کا ذکر کیا ہے لیکن صحیح نہیں حافظ ابن حجر نے بھی اس پر کچھ نقد نہیں کیا پھر اس حدیث کے شاہد بھی موجود ہیں۔

ان لن نقدر علیہ فنادیٰ فی الظلمات	سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے پھر اس نے اندھیروں
ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت	میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے عیب
من الظالمین (الانبیاء ۸۷)	ہے بے شک میں گناہ گاروں سے تھا ۔

اس واقعہ سے بعض لوگوں کو وہم ہوا اور انہوں نے اپنے آپ کو حضرت یونس سے بہتر سمجھا تو حدیث میں اس کی نفی موجود ہے ۔

پس جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس سے قابل ملامت کام نہیں ہوتا وہ جھوٹا ہے بلکہ تقریباً اللہ کے تمام بندوں نے وہی کلمات دہرائے جو حضرت یونس نے کہے یعنی ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ	تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں میں سے ہوں ۔

حضرت آدم نے کہا!

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا	اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم
وترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔	کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں
(الاعراف ۲۳)	کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے ۔

تمام پیغمبروں کے سردار خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ہے ۔

اللھم انت الملک لا الہ الا انت	اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں
انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی	تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے
واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی	اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اپنے گناہ کا اعتراف
جمیعا لا یغفر الذنوب الا انت)	کیا پس تو میرے تمام گناہ معاف فرما تیرے سوا

کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ظلم کا اعتراف کیا فرماتے ہیں ۔

رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی	اے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے
فغفرلہ انہ ھو الغفور الرحیم	بخش دے تو خدا نے ان کو بخش دیا بے شک وہ
(القصص ۱۶)	بخشنے والا مہربان ہے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت یونس کے ساتھ موافقت کرنے سے روکا اور کہا

ولا تکن کصاحب الحوت ۔	آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہوں ۔

لیکن اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مشابہت کا حکم دیا فرمایا :۔

فاصبر کما صبروا ولوالعزم من الرسل (الاحقاف ۴۲) پس (اے محمد) جس طرح عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی صبر کرو۔

پس جو شخص حضرت یونس سے افضل ہے اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یونس پر فضیلت عطا کرے لیکن اگر وہ افضل نہیں ہے تو اللہ تکبر اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں جانتا۔

صحیح مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا میری جانب وحی کی گئی ہے کہ تواضع اختیار کرو نہ کوئی کسی پر فخر کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے تو اللہ پاک نے عام ایمانداروں پر فخر سے روکا تو کیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کرنا جائز ہوگا اسی لئے آپ نے فرمایا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں پس یہ نہی عام ہے کسی کو حضرت یونس پر فخر کی اجازت نہیں اگرچہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ افضل ہے تب بھی فخر کی اجازت نہیں جیسا کہ فرمایا

لئن اشرکت لیحبطن عملک (الزمر ۶۵) اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک سے معصوم تھے پھر بھی کہا اگر آپ سے بالفرض شرک صادر ہوا اسی طرح اگرچہ آپ افضل ہیں تب بھی آپ فخر نہیں کرسکتے اصل اعمال ہیں جن پر جزا سزا ملے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ آپ اولاد آدم کے سردار ہیں آپ کے اس اعزاز کا علم ہمیں آپ کے بتانے پر ہوا ہے اس لئے کہ آپ کے بعد تو کوئی نبی آنے والا نہ تھا جو ہمیں آپ کے بارے میں اس قسم کے اعزازات سے مطلع کرتا جیسا کہ آپ نے پہلے انبیاء کے فضائل کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح آپ نے اپنی فضیلت کا ذکر کرنے کے فخر کا لفظ استعمال فرمایا کہ مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں یوں ہے کیا وہ شخص جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اکرم کا مقام جنہیں معراج کرایا گیا اور جنہیں اللہ کریم کا عظیم قرب حاصل ہوا۔ اس پیغمبر کے مقام کے برابر ہے جو مچھلی کے پیٹ میں گرایا گیا اور اس سے قابل ملامت فعل سرزد ہوا وہ امتحان میں مبتلا کیا گیا اور اسے ادب سکھلایا گیا دونوں میں نمایاں فرق ہے ایک پیغمبر اللہ کا بہت بڑا مقرب ہے اور دوسرا پیغمبر ابھی تادیب کی منازل طے کر رہا ہے۔ استدلال کے الفاظ محرف

ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ سے ثابت نہیں ہے۔
پھر اس سے اللہ کے علو کی نفی ہوتی ہے جب کہ دلائل صریحہ قاطعہ موجود ہیں جن سے مخلوق پر اللہ کا علو ثابت ہوتا ہے غالباً ایک ہزار سے بھی زائد دلائل اس مضمون کے موجود ہیں شیخ کے قول محیط بکل شئی وفوقہ کے ضمن میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(ط) آپ رب العالمین کے حبیب ہیں۔

(ش) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عند اللہ محبت کا سب سے اونچا مقام حاصل ہے اسی کا نام خلۃ ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے خلیل بنایا جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا (مسلم، ابوعوانہ)
نیز آپ نے فرمایا اگر میں نے زمین والوں سے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو حضرت ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن میں تو اللہ کا خلیل ہوں (مسلم ترمذی)
مذکورہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں ان کی روشنی میں اس شخص کا قول باطل ہو جاتا ہے جو کہتا ہے خلت حضرت ابراہیم کو عطا کی گئی اور محبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اس لحاظ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں نیز صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ میں اللہ کے علاوہ تمام کی خلت سے برارت کا اظہار کرتا ہوں (مسلم)
جب کہ محبت آپ کے غیر کے لئے بھی ثابت ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

واللہ یحب المحسنین (آل عمران ۱۳۴) اور اللہ نیکو کاروں کو محبوب جانتا ہے۔

نیز فرمایا۔

فان اللہ یحب المتقین (آل عمران ۷۶) بے شک اللہ پرہیزگاروں کو محبوب جانتا ہے

نیز فرمایا۔

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین (البقرہ ۲۲۲) بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو محبوب جانتا ہے۔

تو ان دلائل کی روشنی میں اس شخص کا قول باطل ہو جاتا ہے جو خلت کو حضرت ابراہیم کے ساتھ خاص کرتا ہے اور محبت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرتا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خلت دونوں کا خاصہ ہے اور محبت عام ہے۔

عبداللہ بن عباس سے مروی حدیث، حضرت ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں اس پر مجھے فخر نہیں (یہ حدیث ثابت نہیں ہے اس حدیث میں زمعہ بن صالح اور سلمہ بن وہرام ضعیف ہیں)۔

محبت کے مراتب

پہلا مرتبہ علاقۃ دل کا محبوب کے ساتھ معلق ہونا دوسرا مرتبہ ارادہ! دل کا محبوب کی جانب میلان کرنا اور اس کی طلب کرنا تیسرا مرتبہ الصبابہ :۔ دل کا محبوب کی محبت میں اس قدر جھک جانا کردہ آپ کے کنٹرول میں نہ رہے جیسے پانی نچلی سطح کی زمین میں گرتا ہے۔
چوتھا مرتبہ الغرام ! ایسی محبت جو دل میں پیوست ہو جائے اسی سے غریم ہے اس لئے کہ آپ اس کے ساتھ چپکے رہتے ہیں اسی سے ہے اللہ کا قول :۔

ان عذابها كان غراما (الفرقان ۶۵) بے شک کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے

پانچواں مرتبہ مودت اور ود ہے! اس کا معنیٰ محبت کا صاف اور خالص ہونا ہے۔
ارشاد ربانی ہے :۔

سیجعل لهم الرحمان ودا (مریم ۹۶) خدا ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا

چھٹا مرتبہ شغف ! محبت کا دل کے شغاف میں سرایت کر جانا ساتواں مرتبہ عشق ! انتہائی درجہ کی محبت جس سے جان کا خطرہ محسوس کیا جائے لیکن اللہ پاک نہ کسی بندے کی محبت جو خدا کے ساتھ ہے دونوں کو عشق کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا اگرچہ بعض نے ان پر بھی اس لفظ کا اطلاق کیا ہے۔

اس لفظ کے عدم استعمال کی وجہ یا تو یہ لفظ کتاب وسنت میں موجود نہیں یا اس لئے کہ عشق میں محبت کے ساتھ شہوت بھی ہوتی ہے یا کوئی اور سبب بھی ہو سکتا ہے۔
آٹھواں مرتبہ تیم ! ایسی محبت کہ آپ محبوب کے غلام بن جائیں ۔ نواں مرتبہ تعبد ہے۔
دسواں مرتبہ خلت ! ایسی محبت جو محب کے دل و دماغ میں سرایت کر جائے۔
بعض لوگ دوسرے انداز کی ترتیب ذکر کرتے ہیں لیکن ہم نے جس ترتیب کو اختیار کیا ہے یہ ترتیب بہت اچھی ہے غور و فکر سے اس کا حسن آشکارا ہو گا اللہ کے وصف محبت اور خلت کی کیفیت خدا ہی جانتا ہے بس اس کی شان و عظمت کے لحاظ سے جو لائق ہے ہم وضاحت نہیں کر سکتے

دیگر صفات، جن کے بارے میں نص وارد ہے ان کے بارے میں بھی ہم یہی نظریہ رکھتے ہیں۔
محبت کے حدود میں تقریباً تین اقوال ذکر کئے جاتے ہیں لیکن اس کی جو بھی تعریف کی جاتی ہے اس سے اس کے خفا میں اضافہ ہوتا ہے۔ معاملہ واضح نہیں ہوتا اصل بات یہ ہے کہ محبت واضح ہے اس کی تعریف کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی جیسے پانی، ہوا، مٹی، بھوک وغیرہ کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔

(ط) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا گمراہی ہے اور نفسانی خواہش کی تسکین کے لئے ہے)

(ش) جب آپ کا خاتم النبیین ہونا ثابت ہو گیا تو جو شخص آپ کے بعد نبوت کا مدعی ہو گا وہ جھوٹا ہے اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والا معجزات اور سچے دلائل پیش کرے تو ہم اس کی کیسے تکذیب کریں اس لئے کہ یہ تصور ہی محال ہے کہ اب نبوت کا دعویٰ کرنے والا سچے دلائل پیش کر سکتا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے پر اس کے جھوٹے ہونے کے علامات کا ظاہر نہ ہونا محال ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا دعویٰ نفسانی خواہش پر مبنی ہے اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور وہ گمراہ ہے۔

(ط) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں اور جنوں کی جانب حق، ہدایت اور نور کے ساتھ مبعوث ہوئے)

(ش) آپ جنوں کی جانب بھی مبعوث کیے گئے اللہ پاک جنوں کے قول کی حکایت بیان فرماتے ہیں

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ	اے قوم خدا کی طرف بلانے والے کی بات
(الاحقاف ۳۱)	کو قبول کرو۔

نیز سورۂ جن بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ ان کی جانب بھی بھیجے گئے تھے۔
لیکن مقاتل کا یہ کہنا کہ آپ سے پہلے انسانوں، جنوں کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ ناقابل فہم ہے جب کہ ارشاد خداوندی

یامعشر الجن والانس الم یأتکم	اے جنوں اور انسانوں کی جماعت کیا تمہارے پاس
رسل منکم (الانعام ۱۳۰)	تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے۔

موجود ہے پھر رسولوں کا سلسلہ انسانوں سے رہا ہے کوئی جن رسول بن کر نہیں آیا مجاہد اور دیگر ائمہ کا یہی قول ہے۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں رسولوں کا سلسلہ تو بنو آدم سے ہے اور جنوں سے ڈرانے والے آتے رہے اور جنوں کا یہ قول :-

انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ (الاحقاف ۳۰) — ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی جانب بھی بھیجے گئے تھے واللہ اعلم

ضحاک بن مزاحم کا قول (جو طبری میں ہے) کہ جنوں میں بھی رسول آتے رہے اور استدلال سابقہ ایت سے ہے (محل نظر میں ہے یہ ایت صریح نہیں ہے محتمل ضرور ہے اور احتمال سے استدلال نہیں ہو سکتا جیسا کہ

یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان (الرحمٰن ۲۲) — دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

سے مراد دونوں نہیں ہیں بلکہ ایک سمندر مراد ہے

آپ کی بعثت عام تھی

ارشاد ربانی ہے۔

وما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا (سبا ۲۸) — اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے

نیز فرمایا۔

قل يايها الناس انی رسول الله اليكم جميعا (الاعراف ۱۵۸) — (اے محمد) کہہ دو کہ ! لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں)

نیز فرمایا۔

واوحی الی هذا القرآن لانذركم به ومن بلغ (الانعام ۱۹) — اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں ۔

✣ ✣ ✣

من بلغ کا لفظ عام ہے نیز فرمایا۔

وارسلناك للناس رسولا وكفى بالله شهيدا (النساء ۸۰) — اور (اے محمد) ہم نے تم کو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اس بات کا خدا ہی

گواہ کافی ہے۔

نیز فرمایا۔

اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر الناس و بشر الذین اٰمنوا ان لھم قدم صدق عند ربھم (یونس ۲)

کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے۔

نیز فرمایا۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً (الفرقان ۱)

وہ (خدائے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ہدایت کرے۔

نیز فرمایا۔

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ (اٰل عمران ۲۰)

اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا تم بھی (خدا کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بیشک ہدایت پالیں اور اگر (تمہارا کہا) نہ مانیں تو تمہارا کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے۔

ارشاد نبوی! مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب عطا کیا گیا ہے اور تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کر دی گئی ہے پس میری امت کے کسی فرد پر جب نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز ادا کرے اور میرے لئے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں اور مجھے شفاعت کا عطیہ دیا گیا ہے ہر نبی اپنی قوم کی جانب مبعوث ہوا اور مجھے سب لوگوں کی جانب مبعوث کیا گیا ہے (بخاری، مسلم)

نیز آپ نے فرمایا! اس امت کا کوئی یہودی، عیسائی میرے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اگر ایمان نہیں لائے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

آپ کا تمام لوگوں کی جانب مبعوث ہونا بالضرورۃ دین اسلام کا تقاضا ہے لیکن بعض

عیسائیوں کا یہ قول کہ آپ خاص طور پہ عرب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے بالکل باطل ہے اس لئے کہ جب وہ آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں تو آپ جو باتیں کہتے ہیں ان کو وہ سب باتیں تسلیم کرنی چاہئیں۔

آپ نے جب فرمایا کہ میں تمام لوگوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر ظاہر ہے کہ رسول جھوٹ نہیں بولتا ہے تو آپ کی تصدیق ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے روئے زمین کے تمام اطراف میں قاصد ارسال کئے اور کسریٰ قیصر، نجاشی، مقوقس، دیگر بادشاہوں کی جانب خطوط ارسال کئے اور انہیں اسلام کی جانب دعوت دی۔

لفظ کافۃ کی صرفی نحوی تحقیق چونکہ لفظ کافۃ کلام عرب میں بطور حال استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کو زیر دے کر پڑھنا درست نہیں چنانچہ اللہ کا قول:-

وما ارسلناک الا کافۃ للناس (سبأ ۲۸)	اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

لفظ کافۃ کے اعراب میں تین قول ہیں پہلا قول وہ کاف سے حال ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے تا مبالغہ کی ہے یعنی آپ لوگوں کو باطل سے پھیرنے والے ہیں۔ یا یہ کف کا مصدر ہے معنی یوں ہوگا کہ آپ لوگوں کو باطل سے روکیں اور مصدر حال آتا رہتا ہے دوسرا قول الناس سے حال ہے لیکن اعتراض واقع ہوتا ہے کہ مجرور کا حال مجرور سے پہلے نہیں آسکتا جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں اس لئے کہ کلام عرب میں یہ ترکیب کثرت کے ساتھ موجود ہے لہذا اس کو تسلیم کیا جائے چنانچہ ابن مالک نحوی نے اسی کو ترجیح دی ہے اصل یوں گا وما ارسلناک الا للناس کافۃ۔

تیسرا قول مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ایسی رسالت جو لوگوں کو باطل سے روکنے والی ہے عربی عبارت متن میں حق، ہدایت، نور، ضیا، دراصل اس دین کے اوصاف ہیں جس کو آپ لائے اور لفظ ضیاء میں لفظ نور سے مبالغہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

ھو الذی جعل الشمس ضیاءً و القمر نوراً (یونس ۵)	وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔

(ط) بلاشبہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے قرآن پاک ایسا قول ہے جس کا اللہ سے ظہور ہوا ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے ہیں اس کو اللہ پاک نے اپنے رسول پر بطور وحی کے نازل فرمایا ایمانداروں نے اس کے حق ہونے کی تصدیق کی اور اس یقین کا اظہار کیا کہ وہ حقیقتًا اللہ کا کلام ہے انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں جس شخص نے قرآن سنا اور اس کو انسانی کلام کہا وہ کافر ہے اللہ نے اس کی مذمت کی ہے اس کو عیب والا کہا اور اس پر جہنم کی دھمکی فرمائی چنانچہ فرمایا:۔

ساصلیہ سقر (المدثر ۲۶) ہم اس کو لازمًا دوزخ رسید کریں گے۔

حبیب اللہ نے اس انسان کو جہنم کی دھمکی جس نے کہا

ان ھذا الا قول البشر (المدثر ۲۵) یہ (قرآن) تو انسانوں کا کلام ہے (

تو ہم اس یقین پر ہیں کہ یہ انسانوں کے خالق کا قول ہے انسانوں کے قول کے مشابہ نہیں ہے

(ش) امام طحاوی نے ایک بہترین اصول اور قاعدہ ذکر فرمایا ہے جس میں اکثر لوگ گمراہ ہوگئے امام طحاوی نے جو وضاحت ذکر کی ہے اس کے سچے ہونے میں کچھ کلام نہیں کتاب و سنت کے دلائل میں غور و فکر کرنے والوں کی نظروں سے اس کی حقانیت اوجھل نہیں ہو سکتی پھر فطرت سلیمہ بھی اس کا اقرار کرتی ہے بشرطیکہ شکوک و شبہات اور باطل آراء کا وہاں گزر نہ ہو

مسئلہ قرآن پاک کے بارہ میں نو اقوال ہیں۔

پہلا قول:۔ فلاسفہ اور صابیوں کا قول ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس کے معانی کا عقل فعال کی طرف سے نفوس پر فیضان ہوتا ہے۔

دوسرا قول:۔ قرآن پاک مخلوق ہے اللہ سے منفصل ہے یہ قول معتزلہ کا ہے۔

تیسرا قول:۔ قرآن پاک معنیٰ ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس میں امر نہی خبر، استفہام سبھی اسلوب ہیں جب ان معانی کو عربی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ قرآن ہے اور اگر عبرانی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو تورات ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال اشعری وغیرہ کا ہے۔

چوتھا قول قرآن پاک حروف اور ازلی آوازوں کا نام ہے جو ازل میں مجتمع تھیں یہ قول بعض متکلمین اور بعض محدثین کا ہے۔

پانچواں قول:۔ قرآن پاک حروف اور اصوات کا نام ہے اللہ پاک ان کے ساتھ

متکلم ہوا اس سے پہلے کہ ان کے ساتھ اللہ متکلم نہ تھا یہ قول کرامیہ وغیرہ کا ہے۔

چھٹا قول:۔ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جس کو اپنے علم اور ارادہ سے (جو اس کی ذات کے ساتھ ہیں) بناتا ہے صاحب المعتبر کا یہی قول ہے اور امام رازی المطالب العالیہ میں اس کی طرف مائل ہیں۔

ساتواں قول اللہ کا کلام ایسے معنی کو متضمن ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو اس نے اپنے غیر میں مخلوق کیا یہ قول ابو منصور ماتریدی کا ہے۔

آٹھواں قول قرآن پاک معنی قدیم قائم بالذات اور ان آوازوں کے درمیان جن کو اللہ اپنے غیر میں پیدا فرماتا ہے میں مشترک ہے یہ قول ابو المعالی اور اس کے پیروکاروں کا ہے۔

نواں قول:۔ اللہ پاک ہمیشہ سے کلام کے ساتھ متکلم رہا اس نے جب چاہا اور جیسے چاہا وہ ایسی آواز کے ساتھ متکلم رہا جو سنی جاتی ہے اور کلام قدیم ہے اگرچہ معین آواز قدیم نہیں ہے۔ یہ قول آئمہ حدیث وسنت کا ہے۔

(قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور اسی سے اس کا ظہور ہے) شیخ کے اس قول سے معتزلہ کی تردید ہو رہی ہے وہ کہتے ہیں قرآن کی اضافت اللہ کی جانب تشریفی ہے جیسے ہم بیت اللہ یا ناقۃ اللہ کہتے ہیں ورنہ اس سے اس کا نکلنا نہیں ہے لیکن معتزلہ کا قول باطل ہے وہ دین اسلام میں تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اعیان کی اضافت اللہ کی جانب ہوتی ہے تو وہ تشریفی ہوتی ہے اور اعیان اس کے مخلوق ہیں لیکن جب اضافت معانی کی طرف ہوتی ہے جیسے علم، قدرت۔ عزت، جلال، کبریاء، کلام، حیاۃ، علو، قہر تو یہ سب اللہ کے صفات ہیں اور کوئی صفت مخلوق نہیں ہے۔ پھر اللہ پاک کا کلام کے ساتھ موصوف ہونا اوصاف کمال میں سے ہے اور کلام کا نہ ہونا نقص کے اوصاف سے ہے ارشادِ ربانی ہے

واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حلیھم عجلاً جسداً لہ خوار الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلاً (الاعراف ۱۴۸)	اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا دیا (وہ) ایک جسم تھا جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے۔

معلوم ہوا بچھڑے کی عبادت کرنے والے کافر ہونے کے باوجود معتزلہ سے زیادہ خدا کی معرفت رکھتے تھے انہوں نے یہ تو نہیں کہا کہ تیرا رب بھی کلام نہیں کرتا ہے نیز بچھڑے کے بارے میں فرمایا۔

افلا یرون ان لا یرجع الیہم قولاً	کیا وہ ملاحظہ نہیں کرتے ہیں کہ وہ ان کی بات
ولا یملک لہم ضراً ولا نفعا	کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نفع نقصان
(طٰہٰ ۸۹)	کا مالک ہے۔

معلوم ہوا بات کا جواب نہ دینا اور کلام نہ کرنا ایسا عیب ہے جس سے بچھڑے کے نہ خدا ہونے پر استدلال کیا جا رہا ہے۔

معتزلہ کے شبہ کا ازالہ معتزلہ کہتے ہیں اگر خدا میں کلام کی صفت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اس کا مجسم ہونا اور مشابہ ہونا لازم آتا ہے ہم جواب میں کہیں گے اللہ کا کلام کرنا اس کی شان کے مطابق ہے ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے۔

اللہ پاک فرماتا ہے۔

الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلمنا	آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ
ایدیھم وتشھد ارجلھم	یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر
(یٰس ۶۵)	دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے

ہمارا ایمان ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کلام کریں گے۔ لیکن ہم ان کے کلام کی کیفیت کا علم نہیں رکھتے ہیں اسی طرح اللہ پاک کا قول :۔

وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا	اور وہ اپنے چمڑوں (یعنی اعضاء) سے کہیں
قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ	گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت
(حٰم السجدۃ ۲۱)	دی وہ کہیں گے کہ جس خدا نے سب چیزوں کو
	نطق بخشا ہے اسی نے ہم کو بھی گویائی دی

اسی طرح کنکروں اور کھانے کا سبحان اللہ کہنا اور پتھر کا سلام کہنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کا منہ نہیں ہے لیکن ان سے آواز نکل رہی ہو گی جس میں حروف سنائی دے رہے ہوں گے پھر اللہ کے اس قول میں مصدر تاکید کے لئے لایا گیا۔

وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔	اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا۔

فماذا بعد الحق الا الضلال ۔

ایک معتزلی نے ابوعمرو بن العلاء قاری سے کہا آپ وکلم اللہ موسیٰ میں لفظ اللہ کو مفعول بنا کر کیوں نہیں پڑھتے تاکہ متکلم حضرت موسیٰ قرار پائیں اللہ پاک متکلم نہ بنیں انہوں نے کہا چلو میں یونہی تلاوت کر لیتا ہوں لیکن اللہ کے اس قول کا تیرے پاس کیا جواب ہے ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ یہ سن کر معتزلی حیران ہو گیا اس سے کوئی جواب نہ بن آیا ۔

اللہ کے متکلم ہونے پر کتاب وسنت سے دلائل اللہ پاک جنتیوں سے ہم کلام ہوں گے ارشاد ربانی ہے ۔

سلام قولاً من رب رحیم — سلامتی والا قول اللہ رحم کرنے والے کی طرف سے ہے ۔ (یٰس ۵۸)

حضرت جابر راوی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار اہل جنت نعمتوں میں ہوں گے تو وہ روشنی سے ہمکنار ہوں گے نگاہیں اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ اللہ جل جلالہ اوپر سے ان کی جانب جھانک رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں السلام علیکم اے جنت والو ۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے ۔

سلام قولاً من رب رحیم ۔ — سلامتی والا قول اللہ رحم کرنے والے کی طرف سے (یٰس ۵۸)

کی یہی تشریح ہے تو وہ جب تک اللہ کا مشاہدہ کرتے رہیں گے انہیں جنت کی نعمتوں کی جانب کچھ دھیان نہ ہو گا ۔ یہاں تک کہ اللہ پاک پردے میں ہو جائیں گے لیکن اس کی برکت اور اس کا نور باقی رہے گا ۔ (ابن ماجہ حدیث ضعیف ہے)

اس حدیث میں اللہ کا کلام کرنا اور اس کی صفت رؤیت دونوں ثابت ہو رہی ہیں نیز اللہ کا علو بھی ثابت ہو رہا ہے لیکن کلام کا صرف ایک معنیٰ نہیں ہے ۔ دیکھئے ارشاد خداوندی ہے

ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم	جو لوگ خدا کے اقراروں اور اپنی قسموں کو
ثمنا قلیلا اولٰئک لا خلاق لھم فی	بیچ ڈالتے ہیں اور ان کے عوض تھوڑی سی
الاخرۃ ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر	قیمت حاصل کرتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ
الیھم (آل عمران ۷۷)	حصہ نہیں ان سے خدا نہ تو کلام کرے گا اور نہ

ہی قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا۔

اللہ نے ان کو ذلیل گردانتے ہوئے کہا کہ وہ ان سے عزت والی کلام نہیں فرمائے گا وگرنہ دوسری آیت میں جہنمیوں سے کلام کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اخسأوا فیہا ولا تکلمون (المؤمنون ۱۰۸) اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

تو اگر اللہ پاک ایماندار بندوں سے بھی کلام نہ فرمائیں تو وہ اور اللہ کے دشمن برابر ہونے اور دشمنوں سے نہ کلام کرنے کے ذکر میں کچھ فائدہ نہ ہوا چنانچہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب کا عنوان یوں منعقد کیا ہے کہ (اللہ کا جنت والوں کے ساتھ کلام کرنا) اس باب کے تحت متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں۔

پس جنت والوں کے ہاں سب سے بڑی نعمت اللہ پاک کا دیدار ہے اور اس کا کلام کرنا ہے تو پھر ان نعمتوں کا انکار جنت کی روح کا انکار ہے۔

قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر معتزلہ کے دلائل

معتزلہ قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر درج ذیل آیت پیش کرتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔

اللہ خالق کل شئ (الرعد ۱۸) اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

پس قرآن بھی شئ ہے لہذا وہ بھی مخلوق ہوا ان کا قول عجیب ہے جب کہ معتزلہ قائل ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق خدا نہیں ہے بلکہ خود بندے اپنے افعال کے خالق ہیں تو کیا انھوں نے افعال کو عمومیت سے خارج نہیں کر دیا ہے اگر شئ کا لفظ عموم کے لحاظ سے قرآن پاک کو شامل ہے تو بندوں کے افعال کو شامل کیوں نہیں ہے ان کو کیوں خارج کیا جاتا ہے تعجب ہے کہ بندوں کے افعال کو تو خارج کیا جاتا ہے اور کلام جو اللہ کا وصف ہے اس کو خارج کیوں نہیں کیا جاتا حالانکہ اس کے سا تھ مخلوقات معرض وجود میں آتی ہیں

ارشاد ربانی ہے۔

والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الا لہ الخلق والامر (الاعراف ۵۴) اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے

اور حکم بھی ۔

پس امر اور خلق میں نمایاں فرق ہے اگر امر کو بھی مخلوق تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ کسی دوسرے امر کے ساتھ مخلوق ہو اور وہ پھر کسی دوسرے کے ساتھ ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا تو تسلسل لازم آئے گا وہ باطل ہے ۔

کل کی عمومیت کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ کا وصف علم، قدرت وغیرہ بھی مخلوق ہوں حالانکہ اللہ کی صفات کو مخلوق کہنا صریح کفر ہے تعالیٰ اللہ عما یقولون علوا کبیرا اللہ پاک کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ وہ متکلم بالکلام ہے لیکن کلام کا قیام اللہ کے غیر کے ساتھ ہے درست نہیں اگر یہ درست ہوتا تو اللہ نے جمادات اور حیوانات میں جو کلام پیدا کیا ہے وہ اس کا کلام ہو اس لحاظ سے نُطِقَ اور اَنْطَقَ میں کچھ فرق نہیں ہوگا حالانکہ قرآن پاک میں ہے کہ چمڑے کہیں گے ہم کو اللہ نے نطق دیا ہے یہ نہیں کہا کہ اللہ نے کلام کیا ہے ۔

اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو کلام اللہ کے غیر میں ہے خواہ وہ جھوٹ ہے یا کفر یا بکواس ہے اس کا متکلم اللہ ہو (اللہ پاک اس سے بلند ہے)

یہ نظریہ تو ان لوگوں کا ہے جو وحدت الوجود کے قائل ہیں چنانچہ ابن عربی کہتا ہے

وکل کلام فی الوجود کلامہ	جو کلام موجود ہے وہ اس کا ہے خواہ وہ
سواء علینا نثرہ ونظامہ	نثر ہے یا نظم ہے)

اگر یہ درست ہوتا کہ ہم موصوف کو اس صفت کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جو اس کے غیر کے ساتھ قائم ہے تو ہم بصیر کو اعمیٰ کہتے یا اعمیٰ کو بصیر کہتے اس لئے کہ بصیر میں وصف عمیٰ اس کے غیر کے ساتھ قائم ہے اسی طرح اعمیٰ میں بھی وصف بصر اس کے غیر کے ساتھ قائم ہے اسی طرح پھر یہ بھی درست ہوتا کہ اللہ کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جائے جن کو اللہ نے اپنے غیر میں پیدا فرمایا جیسے مختلف قسم کے رنگ، خوشبوئیں، ذائقے، طول عرض وغیرہ

امام عبد العزیز مکی اور بشر مریسی کا مناظرہ[1]

یہ مناظرہ مامون عباسی کے سامنے ہوا امام عبد العزیز

[1] امام عبد العزیز بن ملی شافعی المسلک فقیہ تھے مامون کے دور میں بغداد آئے اور مامون کی موجودگی میں یہ مناظرہ ہوا چنانچہ امام عبد العزیز نے اس مناظرہ پر الحیدۃ کتاب تالیف کی لیکن یہ مناظرہ ثابت نہیں مناظرہ بیان کرنے والا راوی محمد بن حسن بن ازھر منفرد ہے خطیب نے اسکے بارے میں تحریر کیا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا ذہبی نے کہا کہ اس مناظرہ کو بھی اسنے وضع کیا المیزان ۴/۲۰

کل کا اصرار تھا کہ مناظرہ میں نص قرآن کے علاوہ کسی دیگر دلیل کو پیش نہ کیا جائے لیکن بشر مریسی نے امیر المؤمنین سے مطالبہ کیا کہ مناظرہ میں اس شرط کو ختم کیا جائے کہ دلیل صرف نص قرآن سے ہو پھر دیکھنا کہ وہ کس طرح اپنے قول سے رجوع کرتا ہے اور قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے اگر اس طرح نہ ہوا تو میں اپنے خون کے حلال ہونے کی اجازت دیتا ہوں چنانچہ مناظرہ شروع ہوتا ہے امام عبدالعزیز نے دریافت کیا تو پہل کرتا ہے یا میں تجھ سے سوال کروں بشر نے کہا تم پہلے سوال کرو اور وہ میرے بارے میں پر امید تھا میں نے اسے تین باتوں میں سے ایک ضروری ہے اولاً یہ اقرار کرو کہ اللہ نے قرآن پاک کو اپنے نفس میں پیدا کیا (جب کہ میں تو قرآن پاک کو اللہ کا کلام سمجھتا ہوں) یا یوں کہو کہ اللہ نے قرآن پاک کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ اس کی ذات یا اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے یا پھر تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو اپنے غیر میں پیدا کیا۔

اس نے جواباً کہا اللہ نے قرآن پاک کو اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح اس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور جواب سے گریز کیا مامون نے بشر کا جواب سنا تو امام عبدالعزیز سے کہا کہ تم اس کی تشریح کرو بشر تو ناکام ہو چکا ہے وہ اب کیا بات کرے گا، چنانچہ مامون کے کہنے پر امام عبدالعزیز نے تشریح کرتے ہوئے کہا اگر بشر کہے کہ اللہ نے اپنے کلام کو اپنے نفس میں پیدا کیا تو یہ محال ہے اس لئے کہ اللہ کی ذات حوادث مخلوقہ کا محل نہیں ہے اس کی ذات میں کوئی چیز مخلوق نہیں اگر یہ کہے کہ اللہ نے اس کو اپنے غیر میں پیدا کیا وہ کلام ہے یہ بھی محال ہے اور قائل کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر وہ کلام جس کو اللہ نے اپنے غیر میں پیدا کیا ہے وہ اللہ کا کلام ہو اس کو قائل نہیں مانتا اگر یہ کہے کہ اللہ نے کلام کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ اس کے نفس اور ذات کے ساتھ قائم ہے تو یہ بھی محال ہے اس لئے کہ کلام تو متکلم سے ہوتا ہے جیسا کہ ارادہ اس سے ہوتا ہے جو ارادہ کرنے والا ہے اور علم عالم سے ہوتا ہے اور کسی ایسے کلام کا متعقل ہونا ممکن نہیں جو بنفسہ قائم ہو تو جب ان وجوہ سے اس کا مخلوق ہونا محال ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا وصف ہے۔

قرآن پاک میں کل کا استعمال

کل استعمال کے لحاظ سے مختلف ہے قرائن کے ساتھ اس کا تعین کیا جا سکتا ہے ارشاد ربانی ہے:-

تدمر کل شئی بامر ربھا فاصبحوا لا یری الا مساکنھم (الاحقاف ۲۵)	ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے تو ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ

نظر ہی نہیں آتا تھا ۔ ۔ ۔

مساکن کا استثناء ہے حالانکہ مساکن بھی تو شئی میں داخل ہونے چاہئیں لیکن داخل نہیں اس لئے کہ آندھی نے ان چیزوں کو تباہ و برباد کیا جو عادۃً آندھی کے ساتھ تباہ و برباد ہوتی ہیں

نیز ارشاد ربانی ۔ (بلقیس کی حکایت بیان کرتے ہوئے) ہے ۔

واوتیت من کل شئی (النمل ۲۳) اور ہر چیز اسے میسر ہے ۔

اس کل سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے بادشاہ محتاج ہوتے ہیں قرآن سے یہی معنی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ ہُدہُد کا مقصد یہ تھا کہ وہ کامل با اختیار بادشاہ زادی ہے اسے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ان امثلہ کی روشنی میں ارشاد ربانی

خالق کل شئی (الرعد ۱۶) وہ ہر چیز کا خالق ہے ۔

سے مراد ماسوی اللہ ہر چیز مراد ہے تو اس عموم میں لازماً بندوں کے افعال بھی داخل ہیں لیکن اس میں خالق داخل نہیں ہے چونکہ اس کے صفات اس کی ذات کا غیر نہیں ہیں ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہٗ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور اس کے صفات اس کی ذات مقدس کے ساتھ لازم ہیں صفات کا انفصال ذات سے متصور نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس معنیٰ کا ذکر اشارۃً پہلے آچکا ہے ان کے خیال میں (حیب اللہ کا قول "اللہ خالق کل شئی" مخلوق ہے تو اس کا دلیل بننا کیسے صحیح ہو سکتا ہے !

قرآن پاک کے مخلوق ہونے پر دوسری دلیل

معتزلہ قرآن پاک کو مخلوق مانتے ہیں اس کے اثبات کے سلسلہ میں وہ درج ذیل آیت بھی پیش کرتے ہیں ۔

اناجعلناہ قرآنا عربیا (الزخرف ۳) بے شک ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں بنایا ۔

یعنی اس آیت میں جعل بمعنیٰ خلق ہے ۔ لیکن ان کا یہ استدلال بالکل فاسد ہے اس لئے کہ جعل جب خلق کے معنیٰ میں آتا ہے تو اس وقت ایک مفعول کی جانب متعدی ہوتا ہے اور درج ذیل آیت میں جعل دو مفعولوں کی جانب متعدی ہے جعل جب ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور اس کا معنیٰ خلق ہے اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں ۔

ارشاد ربانی ہے ۔

وجعل الظلمت والنور (الانعام ۱) اور اس نے اندھیرے اور روشنی کو پیدا کیا ۔

نیز فرمایا

وجعلنا من الماء کل شیٔ حی افلا یؤمنون (الانبیاء ۳۰)	ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی عطا کی یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے

نیز فرمایا۔

وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم وجعلنا فیھا فجاجا سبلا لعلھم یھتدون (الانبیاء ۳۱)	اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں (کے بوجھ) سے ہلنے (اور جھکنے) نہ لگیں اور اس میں کشادہ رستے بنائے تاکہ لوگ ان پر چلیں۔

نیز فرمایا۔

وجعلنا السماء سقفاً محفوظا (الانبیاء ۳۲)	اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔

اور جب دو مفعولوں کی جانب متعدی ہوتا ہے تو پھر خلق کے معنیٰ میں نہیں ہوتا ارشاد ربانی

ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا (النحل ۹۱)	اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑ دو کر تم خدا کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو۔

نیز فرمایا۔

ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم (البقرۃ ۲۲۴)	اور خدا (کے نام) کو اس بات کا حیلہ نہ بنانا کہ (اس کی) قسمیں کھا کھا کر۔

نیز فرمایا۔

الذین جعلوا القرآن عضین (الحجر ۹۱)	وہ لوگ جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے کر ڈالے۔

نیز فرمایا۔

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک (الاسراء ۲۹)	اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کر لو۔

نیز فرمایا۔

ولا تجعل مع اللہ الٰھاً اٰخر (الاسراء ۳۹)	اور خدا کے ساتھ کوئی معبود نہ بنانا۔

نیز فرمایا۔

وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا (الزخرف ۱۹) — اور انہوں نے فرشتوں کو وہ بھی خدا کے بندے ہیں (خدا کی) بیٹیاں مقرر کیا۔

دیگر کثیر آیات موجود ہیں۔

معتزلہ کا ایک اور استدلال

قرآن پاک میں ہے۔

نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ (القصص ۳۰) — تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی۔

اس آیت میں اللہ پاک نے کلام کو درخت میں پیدا فرمایا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے کلام کو سنا۔

ان کا استدلال باطل ہے یہ لوگ آیت کے ماقبل مابعد پر غور کرتے تو حقیقت واضح ہو جاتی ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں:۔

فلما اتاھا نودی من شاطئ الواد الایمن۔ (القصص۔۳۰) — جب وہاں پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے آواز آئی۔

غور فرمائیے کہ ندا، کا معنی تو دور سے آواز دینا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی کے کنارے سے آواز سنی جب کہ آواز درخت کے قریب مبارک جگہ سے آ رہی تھی جیسا کہ آپ کہتے ہیں میں نے گھر سے زید کے کلام کو سنا تو اس مثال میں گھر متکلم نہیں ہے آواز کا آغاز گھر سے ہو رہا ہے ان کے خیال کے مطابق اگر کلام کو درخت مخلوق مانا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ درخت کہہ رہا ہے اے موسیٰ بے شک میں اللہ رب العالمین ہوں کیا یہ کلمہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی دوسرا کہہ سکتا ہے اگر اس قسم کا کلمہ اللہ کے علاوہ کسی کی جانب سے سنا گیا ہے تو وہ فرعون ہے جس نے کہا۔

انا ربکم الاعلیٰ (النازعات ۲۴) — میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں۔

دونوں کلام معتزلہ کے ہاں مخلوق ہیں جن کو اللہ کے غیر نے کہا لیکن ایک کلام کو اللہ نے درخت میں پیدا فرمایا اور دوسرے کلام کو فرعون نے پیدا کیا اس طرح دین میں تحریف کے مرتکب ہوئے اور یہ اعتقاد قائم کر لیا کہ خالق غیر اللہ ہے۔

معتزلہ کا ایک اور استدلال ارشاد ربانی ہے۔

انہ لقول رسول کریم (الحاقۃ ۴۰) وہ عزت والے رسول کا قول ہے۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن پاک کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا جبریل نے بنایا ہے۔

جواب :- آیت میں رسول کا ذکر بطور مبلغ کے ہے یعنی وہ اللہ کی جانب سے پہنچانے والا ہے اور اس کو عام کرنے والا ہے اس کا یہ معنیٰ لینا بالکل غلط ہے کہ یہ رسول یا فرشتے کا قول ہے یا اپنی طرف سے اس کو بنایا ہے خیال رہے کہ رسول کا لفظ دو آیتوں میں ہے ایک سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے سے مراد حضرت جبریل امین ہیں اور اضافت تبلیغی ہے اس لئے کہ اگر ہم تسلیم کریں کہ ایک نے اس کا احداث کیا ہے تو پھر دوسرے سے احداث ممنوع ہے نیز رسول امین کا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ اس میں کمی بیشی نہیں کر رہا ہے وہ امانت دار ہے وہ اس کو مرسل کی جانب سے پہنچا رہا ہے مزید برآں جس نے قرآن پاک کو بشر کا کلام کہا اللہ نے اس کو کافر کہا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بشر ہیں پس جس نے یہ کہا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے وہ کافر ہے۔ اس میں کچھ فرق نہیں کہ آپ اس کو انسان، جن یا فرشتے کا کلام کہیں ظاہر ہے کہ کلام کی نسبت تو اس طرف ہوتی ہے جس نے ابتداءً کلام کیا جس نے کلام کو آگے پہنچایا یا کسی کہنے والے سے سنا اس کی جانب کلام کی نسبت نہیں کی جا سکتی مثلاً آپ کسی انسان سے امرؤ القیس کا شعر سے

قفا نبک من ذکریٰ حبیب ومنزل

ٹھہرو ہمیں محبوب اور اس کی منزل کا ذکر کر کے رو نے دو

سنتے ہیں تو جس سے آپ نے شعر سنا یہ اس کا کلام نہیں ہے کلام بہرحال امرؤ القیس کا ہے اسی طرح۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی۔ اعمال نیات کے ساتھ ہیں اور ہر آدمی کیلئے وہ ہے جو اس نے نیت کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے جیسا کہ

الحمد للہ رب العالمین اللہ کا کلام ہے اس کا کلام نہیں جس سے آپ یہ جملہ سن رہے

ہیں کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ جب آپ کسی انسان سے کوئی عمدہ شعر یا نثریہ کلام سنتے ہیں تو آپ اس سے دریافت کرتے ہیں یہ کس کا شعر ہے یہ کس کا کلام ہے ۔ آپ کا ہے یا کسی اور کا ہے؟

قرآن پاک اہل سنت کے نزدیک غیر مخلوق ہے

اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ کے حاملین متقدین اور متاخرین اس نظریہ پر متفق ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے بعد میں متاخرین مختلف ہو گئے کہ اللہ کا کلام ایک معنیٰ ہے جو قائم بالذات ہے یا حروف اصوات کا نام ہے اللہ ان کے ساتھ متکلم ہوا جبکہ وہ پہلے متکلم نہ تھا یا وہ ہمیشہ متکلم رہا جب اس نے چاہا اور جس وقت چاہا اور جیسے چاہا اور کلام قدیم ہے بعض معتزلہ قرآن پاک کو غیر مخلوق اس معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ کلام جھوٹا نہیں اس کا افترا نہیں کیا گیا بلکہ وہ سچا کلام ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ معنیٰ تو اس لفظ سے کوئی شخص نہیں لیتا اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک جھوٹا کلام نہیں ہے ۔

اختلاف تو اس مسئلہ میں ہے کیا قرآن مخلوق ہے یا اللہ کا کلام ہے اس کے ساتھ قائم ہے معتزلہ کے توحید اور صفات میں جو عقائد ہیں ان کی عقل کی پیداوار ہیں کتاب و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں اگرچہ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ ہم تمام مسائل ائمہ سے اخذ کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں کو فطرت سلیمہ پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنی عقلوں سے صحیح راہ جانچنا چاہیں تو تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں لیکن شیطان نے بعض لوگوں کو مغالطوں میں ڈال دیا ہے جس سے ان میں افتراق پیدا ہو گیا ہے ارشاد ربانی ہے ۔

وان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی	اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا
شقاق بعید (البقرہ ۱۷۶)	وہ ضد میں (راہ نیکی سے) دور (ہو گئے ہیں)۔

امام طحاوی کا کلام واضح ہے کہ اللہ پاک ہمیشہ متکلم رہا جب چاہا اور جس طرح چاہا وہ متکلم ہوا اور اس کا کلام قدیم ہے ۔

امام ابو حنیفہؒ کا قول

فقہ اکبر میں ہے ۔

القرآن فی المصاحف مکتوب و	قرآن پاک مصاحف میں لکھا ہوا ہے دلوں
فی القلوب محفوظ وعلی الالسن	میں محفوظ ہے اور زبانوں پر پڑھا جاتا ہے
مقرء و علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہمارے

منزل ولفظنا بالقران مخلوق	الفاظ قرآن مخلوق ہیں جب کہ قرآن غیر مخلوق
والقران غیر مخلوق وما ذکر اللہ	ہے اور قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام
فی القرآن عن موسیٰ علیہ السلام	اور دیگر انبیاء کے واقعات نیز فرعون اور
وغیرہ وعن فرعون وابلیس فان	ابلیس کے واقعات یہ سب اللہ کا کلام ہے
ذالک کلام اللہ اخباراً منہم وکلام	اللہ نے ان کے واقعات سے ہمیں خبر دی
موسیٰ وغیرہ من المخلوقین مخلوق	ہے جب کہ حضرت موسیٰ اور دیگر پیغمبروں
والقرآن کلام اللہ لا کلامہم وسمع	کا اپنا کلام مخلوق ہے اور قرآن پاک تو اللہ
موسیٰ علیہ السلام کلام اللہ فلما	کا کلام ہے ان کا کلام نہیں اور موسیٰ علیہ السلام
کلم موسیٰ کلمہ بکلامہ الذی	نے اللہ کا کلام سنا جب اللہ حضرت موسیٰ
ہو من صفاتہ لم یزل وصفاتہ	کے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ تو اللہ نے
کلہا خلاف صفات المخلوقین	اس سے جو کلام کیا وہ اللہ کی صفات سے ہے
یعلم لا کعلمنا ویقدر لا کقدرتنا	جو ہمیشہ ہیں اور اللہ کی تمام صفات مخلوق
ویری لا کرؤیتنا ویتکلم لا ککلامنا	کی صفات کے خلاف ہیں اللہ کا علم ہمارے
انتہی۔	علم جیسا نہیں اللہ کی قدرت ہماری قدرت

جیسی نہیں ہے اللہ کی رؤیت ہماری رویت جیسی نہیں ہے اور اللہ کا کلام ہمارے کلام جیسا نہیں ہے

خیال رہے جب اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو وہ اللہ کا وصف تھا یعنی جب حضرت موسیٰ آئے تو اللہ اس کے ساتھ ہمکلام ہوئے یوں نہ کہا جائے کہ اللہ کا وہ کلام بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اللہ کہتا رہے گا اے موسیٰ اے موسیٰ

ارشاد ربانی ملاحظ فرمائیں۔

فلما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ	اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے
(الاعراف ۱۴۳)	وقت پر (کوہ طور) پر پہنچے اور ان کے پروردگار
	نے ان سے کلام کیا۔

٭ ٭ ٭

اس آیت میں ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا وصف کلام اگرچہ اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے اس کا سننا متصور نہیں لیکن اللہ فضا میں آواز پیدا فرما لیتا ہے جیسا کہ ابو منصور ماتریدی کا قول ہے۔

معتزلہ کا کہنا (کہ اللہ کا کلام اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ متعلق ہے وہ جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور وہ شیئاً بعد شیئٍ کلام کرتا ہے بالکل صحیح اور درست ہے نیز ان کا کہنا کہ اللہ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اس کا وصف ہے ظاہر ہے کہ صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے یہ بھی صحیح ہے اس کو ماننا اور اس کے مطابق کہنا درست ہے ہاں ان کا وہ قول تسلیم نہ ہوگا جو عقل اور شرح کے خلاف ہوگا۔

لیکن معتزلہ کا یہ کہنا (کہ حوادث کا قیام اللہ کے ساتھ ہے) مجمل ہے ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون ائمہ ہیں جو اللہ کے ساتھ حوادث کے قیام کو تسلیم نہیں کرتے ہیں جب کہ قرآن و سنت کے نصوص اس پر دال ہیں نیز ائمہ کے نصوص اور صریح عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ پیغمبر جو لوگوں سے مخاطب ہوئے اور انہیں بتایا کہ اللہ نے فلاں بات کہی فلاں کی منادی دی اور فلاں سرگوشی کی یا وہ فلاں بات کہتا ہے ان تمام صورتوں میں ان کا نظریہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ان کو مخلوق مانتے ہیں اور اس کی ذات سے منفصل مانتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے خود اللہ متکلم ہوا جیسا کہ حضرت عائشہ کے واقعہ افک میں وہ خود کہتی ہیں کہ میری شان ایسی کہاں تھی کہ میرے بارے میں اللہ کلام فرماتا اور وحی نازل فرماتا کہ اس کی تلاوت ہوتی۔

نیز لغت عرب میں اور میدان عقل میں اس وقت تک کسی کو متکلم نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلام کا قیام نہ ہو معتزلہ کا یہ کہنا کہ اگر ہم نے کلام کو اللہ کے ساتھ متعلق کر دیا تو پھر تشبیہ لازم آئے گی اس سے بچنے کے لئے انہیں تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے حالانکہ تشبیہ تو اس سے بھی ختم ہو جاتی ہے جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ متکلم ہے لیکن اس کا تکلم ہمارے جیسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں اسی طرح تمام صفات سمجھ لیجئے ہم سوال کرتے ہیں کیا قادر کا تصور قدرت کے بغیر اور کیا حی کا تصور حیات کے بغیر ممکن ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذیل کے دعائیہ کلمات مروی ہیں کیا آپ جب کلمات اللہ کے ساتھ پناہ طلب کر رہے ہیں تو آپ مخلوق کے ساتھ پناہ مانگ رہے ہیں ہرگز نہیں کلمات اللہ مخلوق نہیں ہیں اللہ کے کلمات غیر مخلوق ہیں۔

الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔

اعوذ بکلمات اللہ التامات التی	میں اللہ کے کلمات کے ساتھ (جو پورے ہیں)
لا یجاوزھن برولا فاجر	پناہ طلب کرتا ہوں جن سے کوئی نیک اور برا
حدیث صحیح ہے (مسند احمد)	انسان متجاوز نہیں ہو سکتا۔

نیز آپ دعا فرماتے ہیں۔

اعوذ برضاك من سخطك واعوذ	میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی اور تیرے
بمعافاتك من عقوبتك	عفو کے ساتھ تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں
(مسلم)	

نیز آپ دعا فرماتے

اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شرما	میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کے
اجد واحاذر (حدیث صحیح ہے)	ساتھ اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں
	جو موجود ہے۔ اور جس کا مجھے خطرہ ہے)

نیز آپ دعا فرماتے ۔

اعوذ بعظمتك ان نغتال من تحتنا	میں تیری عزت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں
	کہ زمین کے نیچے سے ہلاکت میں ڈالے جائیں۔

ان تمام کلمات میں جن صفات کے ساتھ پناہ طلب کی گئی ہے ان کو مخلوق کہنا درست نہیں وہ سب غیر مخلوق ہیں اس لئے کہ مخلوق کے ساتھ پناہ طلب کرنا درست نہیں ۔

متاخرین حنفیہ کا قرآن پاک کے بارے میں نظریہ اور ان کا رد

اکثر متاخرین حنفیہ کہتے ہیں کلام بس ایک معنیٰ ہے تعدد ، تکثر بلحاظ دلالت کے ہے بلحاظ مدلول کے نہیں ہے اور کلام کی عبارتیں مخلوق ہیں اور عبارتوں کو کلام اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے ساتھ اس کی ادائیگی ہوتی ہے ان کو عربی میں پیش کرو تو قرآن ہے عبرانی میں ذکر کرو تو تورات ہے بس اختلاف عبارات میں ہے کلام میں نہیں مجازاً عبارات کو ہی کلام اللہ کہا گیا ہے

جواب ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ لا تقربوا الزنیٰ کا وہی معنیٰ ہے جو اقیموا الصلوٰۃ

کا ہے اور آیۃ الکرسی کا وہی معنٰی ہے جو الیت مدا بنیہ کا ہے اور سورۃ اخلاص کا وہی معنٰی ہے جو تبت یدا ابی لھب کا ہے معمولی غور و فکر رکھنے والا انسان بھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتا ہے۔ نیز یہ نظریہ سلف صالح کے نظریہ کے بھی خلاف ہے پس حقیقت یہ ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن فی الحقیقت اللہ کا کلام ہیں اور اللہ کے کلام کا انتہا ماننا بھی درست نہیں وہ ہمیشہ سے کلام کرتا رہا اور ہمیشہ کلام کرتا رہے گا۔ جس طرح اس نے چاہا اور جب چاہا ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں۔

قل لو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا (الکہف ۱۰۹)	کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں۔

☆ ☆ ☆

نیز فرمایا۔

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم (لقمان ۲۷)	اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب کے سب قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں بے شک خدا غالب حکمت والا ہے۔

☆ ☆ ☆

پس اگر جو مصحف میں ہے اس کو عبارت مانا جائے کلام اللہ نہ کہا جائے تو جنبی اور بے وضو انسان کا اس کو ہاتھ لگانا کیسے ممنوع ہوتا
اور اگر قاری کا پڑھنا قرآن نہ ہوتا تو جنبی اور بے وضو انسان کے لئے اس کا پڑھنا کیسے ناجائز ہوتا پس اللہ کا کلام دلوں میں محفوظ ہے زبانوں سے پڑھا جاتا ہے مصاحف میں لکھا ہوا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔
ہاں قرآن پاک کی کتابت کے بارے میں کہنا کہ فلاں کی ہے درست ہے کتابت سیاہی سے ہوئی ہے درست ہے نیز کسی قائل کا یہ کہنا کہ مصحف میں آسمان زمین ہیں اس میں حضرت محمد و عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں درست ہے لیکن یہ کہنا کہ اس میں اللہ کا کلام ہے درست نہیں

اس لئے کہ سیاہی اور حرفوں کی بناوٹ کو اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا ان میں فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور جو شخص یہ فرق نہیں سمجھتا وہ گمراہ ہے جیسا کہ قاری کا فعل قرارت ہے اور جو پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس فرق کو نہیں سمجھتا وہ گمراہ ہے اس کی مزید وضاحت ایک مثال سے ہو رہی ہے مثلاً ایک کاغذ پر ذیل کا شعر لکھا ہوا ہے الا کل شئ ما خلا اللہ باطل اور یہ شعر کسی معروف کاتب کا لکھا ہوا ہے تو جس شخص کو معلوم ہے کہ یہ شعر لبید کا ہے وہ یہ نہیں کہے گا کہ یہ فلاں کاتب کا ہے وہ اس کی نسبت لبید کی طرف کرے گا بالکل اسی طرح اگرچہ ہم قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں لیکن قرآن پاک اللہ کا کلام ہے ہمارا کلام نہیں اگرچہ متکلم ہم ہیں۔

قرآن کن معانی میں استعمال ہوتا ہے؟ قرآن اصل میں مصدر ہے کبھی اس سے قرارت اور کبھی جس کو پڑھا جاتا ہے وہ مراد ہوتا ہے درج ذیل آیت

وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہوداً (الاسراء ۷۸)	اور فجر کے وقت) قرآن (کی تلاوت کرتا) بے شک صبح (کے وقت) قرآن پڑھنے کو حاضر ہوا جاتا ہے

اور درج ذیل حدیث۔

زینوا القرآن باصواتکم[1]	اپنی آوازوں کے ساتھ قرارت کو زینت عطا کرو۔

میں قرآن قرارت کے معنیٰ میں ہے۔

اور درج ذیل روایات اور ایک حدیث میں قرآن سے مراد ہے جس کو پڑھا جا رہا ہے

ارشاد ربانی:۔

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم (النحل ۹۸)	اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو۔

ارشاد ربانی۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف ۲۰۴)	اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

[1] ابو داؤد۔

ارشاد نبوی۔

ان ھذا القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف [1] — یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

ان کے علاوہ بھی متعدد آیات اور احادیث ان مذکورہ معانی پر دلالت کرتی ہیں پس حقائق کا وجود علمی، ذہنی، لفظی اور رسمی ہوتا ہے پہلے ان کے وجود کو معلوم کیا جاتا ہے پھر ان کا ذکر کیا جاتا ہے پھر انہیں ورطۂ تحریر میں لایا جاتا ہے تو معانی کو مصحف میں لکھنا چوتھا درجہ ہے لیکن کلام اور اس کے مصحف میں لکھنے میں کچھ واسطہ نہیں وہ بلا واسطہ ہی لکھا جاتا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ لوح محفوظ میں یا کتاب مکنون (پوشیدہ کتاب) یا رق منشور (کشادہ اوراق میں ہے ان تینوں کا مفہوم ایک ہے یعنی قرآن پاک لوح محفوظ میں ہے یا وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے لیکن قرآن پاک کے بارے میں اللہ کا یہ قول:۔

وانہ لفی زبر الاولین (الشعراء ۱۹۶) — اور بے شک وہ (قرآن) ضرور پہلی کتابوں میں ہے

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کا بیان پہلی سماوی کتابوں میں موجود تھا۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اوصاف کا ذکر بھی پہلی کتابوں میں موجود تھا۔ لیکن یہ معنیٰ درست نہیں کہ قرآن پہلے صحیفوں میں ہے جب کہ قرآن پاک کو اللہ پاک نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا آپ کے علاوہ کسی پر نازل نہیں فرمایا ہمارے اس موقف کی وضاحت ایک دوسری آیت سے بھی ہو رہی ہے ارشاد ربانی ہے

الذی یجدونہ مکتوبا عندھم (الاعراف ۱۷) — وہ شخص جس کا (وصف) اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

خیال رہے کہ زبر کا معنیٰ لکھنا اور جمع کا آتا ہے یعنی اس کا ذکر پہلی سماوی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

اور لفظ کتاب سے کبھی محل کتابت اور کبھی کلام مکتوب مراد لیا جاتا ہے اور کتاب میں کلام لکھنا اور ان چیزوں کو لکھنا جو خارج میں موجود ہیں ان دونوں میں فرق واضح ہے اس لئے کہ جو چیزیں خارج میں موجود ہیں ان کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کتاب میں ذکر ہو۔

[1] بخاری، مسلم

اللہ کا کلام جو خارج میں حقیقتاً موجود ہے اولاً بواسطہ جبریل اللہ سے سنا گیا پھر پہنچانے والے سے اسے سنا جاتا ہے جب سامع لوگ سنتا ہے تو اس کو اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کو حافظے میں محفوظ رکھتا ہے پس اس لحاظ سے اللہ کا کلام مسموع، محفوظ، معلوم ہے جب سامع اس کی قرارت کرتا ہے تو وہ مقروء ہوا۔

اور جب تحریر میں آگیا تو وہ مکتوب ہوگیا ان تمام صورتوں میں اللہ کا کلام حقیقی ہے اس کی نفی کرنا درست نہیں جب کہ مجاز کی نفی کرنا درست ہے تو یہ کہنا بالکل جائز نہیں کہ مصحف میں اللہ کا کلام نہیں ہے اس طرح جب قاری اس کی تلاوت کر رہا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس کو اس نے پڑھا ہے وہ کلام نہیں ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں

وان احد من المشرکین استجارک ، اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو

فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ (التوبہ ٦) اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام خدا سننے لگے

کیا اس صورت میں مشرک اللہ سے اللہ کا کلام سنے گا ؟ وہ تو اللہ کی جانب سے جو مبلغ ہے اس سے سنے گا پس اس آیت کی روشنی میں اس شخص کا قول قابل اعتبار نہیں جو کہتا ہے کہ مشرک اللہ کا کلام نہیں سن رہا ہے وہ تو اللہ کے کلام کی عبارت سن رہا ہے حالانکہ مذکورہ آیت میں کلام اللہ ہے عبارت کلام اللہ نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ ہر لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے اسی طرح جو شخص کہتا ہے کہ مصاحف میں لکھا ہوا عبارۃ کلام اللہ یا حکایۃ کلام اللہ ہے کلام اللہ نہیں ہے اس نے کتاب و سنت اور سلف امت کے مسلک کی مخالفت کی ہے اور یہی گمراہی کافی ہے۔

امام طحاوی کا قول (قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس سے اس کی ابتدا ہے دیگر ائمہ اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کی طرف ہی اسی کی انتہا ہے) ان لوگوں کے قول کے مخالف ہے جو کہتے ہیں اللہ کا کلام ایک معنیٰ ہے جس کا سننا ممکن نہیں اور مسموع، منزل، مقروء، مکتوب اللہ کا کلام نہیں وہ تو عبارۃ کلام اللہ ہے۔

نیز امام طحاوی کی اس تشریح سے جہمیہ، معتزلہ کا رد ہو رہا ہے جو قائل ہیں کہ اللہ نے کلام کا معنی میں خلق کیا تو وہاں سے کلام کا آغاز ہے اللہ سے نہیں جب کہ سلف امت کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ متکلم ہے اس سے کلام کا آغاز ہے مخلوقات سے آغاز نہیں ہے ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب

الحکیم (الزمر ۱)	اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب
نیز ولکن حق القول منی (السجدۃ ۱۳)	کو نازل کرنا ہے نیز میرا قول حق ہے۔
نیز قل نزلہ روح القدس من ربک	کہہ دو کہ اس (قرآن) کو تیرے رب کی طرف
بالحق (النحل ۱۰۲)	سے حق کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے۔

امام طحاوی کا قول کہ اللہ کی طرف کلام کا انتہا ہو گا اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا کلام سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا تو سینوں اور مصاحف میں اللہ کے کلام کا کچھ اثر باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ متعدد آثار میں اس کا ذکر موجود ہے۔

امام طحاوی کا قول اللہ کے تکلم کی کیفیت معلوم نہیں اللہ نے اپنے کلام کی فرشتے کے ذریعہ اپنے رسول کی جانب ۔۔۔۔ وحی کی حضرت جبریل نے کلام کو اللہ سے سنا اور حضرت جبریل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ نے لوگوں پر اس کو پڑھا۔

ارشاد ربانی ہے۔

وقرآنا فرقناہ لتقرءہ علی الناس	اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کر کے نازل کیا
علی مکث ونزلناہ تنزیلا	تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ
(الاسراء ۱۰۶)	اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے

نیز فرمایا۔

نزل بہ الروح الامین	اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے
علی قلبک لتکون من	(یعنی اس نے) تو تمہارے دل پر (القاء)
المنذرین بلسان عربی	کیا ہے) تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو
مبین	(اور الفاظ بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا
(الشعراء ۱۹۳)	ہے)

اس میں اللہ کے لئے علو کی صفت کو ثابت کیا گیا ہے۔

اعتراض معتزلہ کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے قرآن پاک بالکل اسی طرح اتارا ہے جیسا کہ اس نے بارش نازل کی ہے یا لوہا نازل کیا ہے یا چار پایوں کے آٹھ جوڑوں کے نازل کرنے کا ذکر ہے۔

جواب ہرگز نہیں قرآن پاک کے نازل کرنے کے ذکر میں صراحت ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے نازل ہوا جب کہ باقی چیزوں کے نازل کرنے میں صرف یہ ذکر ہے کہ ان کو ہم نے علو سے نازل کیا۔

ارشاد ربانی ہے:۔

حٰمٓ تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز العلیم (غافر ۲)	کتاب قرآن کو اللہ غالب علم والے کی طرف سے نازل کرنا ہے۔

نیز فرمایا:۔

تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم (الزمر ۱)	کتاب قرآن کو اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل کرنا ہے

نیز فرمایا:۔

تنزیل من الرحمٰن الرحیم (فصلت ۲)	رحم کرنے والے مہربان کی طرف سے نازل کرنا ہے۔

نیز فرمایا:۔

تنزیل من حکیم حمید (حم السجدۃ ۴۲)	حکمت والے بزرگی والے کی طرف سے نازل کرنا ہے

نیز فرمایا:۔

انا انزلنٰہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم امراً من عندنا انا کنا مرسلین (الدخان ۳-۵)	کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہے ہم تو رستہ دکھانے والے ہیں اسی رات میں تمام حکمت کے کام کے فیصلے کئے جاتے ہیں (یعنی) ہمارے ہاں سے حکم ہو کر بے شک ہم ہی پیغمبر کو بھیجتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔

فأتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدیٰ منھما اتبعہ ان کنتم صادقین۔ (القصص ۴۹)	تم اللہ کی جانب سے ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو اگر تم سچے ہو۔

نیز فرمایا:۔

والذین اٰتینا ھم الکتاب یعلمون انه	اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے
منزل من ربك بالحق (الانعام ۱۱۴)	وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے
	برحق نازل ہوئی ہے ۔

نیز فرمایا :۔

قل نزله روح القدس من ربك بالحق	کہہ دو کہ اس کو تیرے رب کی طرف سے روح القدس
(النحل ۱۰۲)	نے برحق اتارا ہے ۔

معلوم ہوا قرآن پاک کا نزول اللہ کی جانب سے ہوا جب کہ بارش کا نزول آسمان سے ہوا۔

ارشاد ربانی ہے :۔

انزلنا من السماء ماءً طهوراً (الفرقان ۴۸) ہم نے بادلوں سے پاک پانی اتارا ۔

ایت میں لفظ سماء کا معنیٰ علو ہے ایک دوسرے مقام میں ہے کہ اس نے بارش کو بادلوں سے نازل کیا پھر ایک اور مقام میں فرمایا کہ ہواؤں سے بارش کو نازل کیا البتہ لوہے اور چار پایوں کے بارے میں ایات مطلق ہیں تو قرآن پاک کے انزال کو ان کے انزال کے مشابہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے ۔

پس لوہا کانوں سے نکلتا ہے جو پہاڑوں میں ہوتی ہیں اور پہاڑ سطح زمین سے بلندی پر ہوتے ہیں عام طور پر مشہور کہ لوہے کی کان جس قدر زیادہ بلند ہوگی اسی قدر لوہا اعلیٰ اور عمدہ ہوگا ۔

اور چار پایوں کا توالد و تناسل ظاہر ہے کہ نر کا مادہ منویہ اس کی کمر سے خارج ہو کر مادہ کے رحم میں جاتا ہے پھر وہ بچہ بن کر مادہ کے پیٹ سے باہر آتا ہے ۔

اس میں بھی ایک طرح کا علو کار فرما ہے جب کہ وطی کے وقت نر مادہ پر بلند ہوتا ہے اور نر کا پانی بلندی سے پستی کی جانب یعنی مادہ کے رحم میں پہنچتا ہے مادہ کا جب حمل پورا ہو جاتا ہے تو وہ بچے کو بلندی سے پستی کی جانب پھینکتی ہے ۔

ارشادِ خداوندی ہے ۔

وانزل لکم من الانعام (الزمر ۶)	اور اس نے تمہارے لئے چار پایوں سے بنایا

جعل لکم من انفسکم ازواجا ومن	اسی نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے
الانعام ازواجا ۔	جوڑے بنائے ہیں اور چار پایوں کے بھی
(الشوریٰ ۱۱)	جوڑے

امام طحاوی کا قول اللہ کا کلام مخلوق کے کلام کی طرح مخلوق نہیں اس میں بھی معتزلہ کا رد مقصود ہے اور اس قول میں بھی کہ اللہ کا کلام حقیقی معنیٰ میں ہے ان کا رد ہے جب کہ وہ کلام کو ایک معنی کہتے ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اللہ سے سنا نہیں جاتا یعنی ان کے ہاں نفسانی کلام ہے اس لئے کہ جس کے ساتھ نفسانی کلام کا قیام ہو اور وہ اس کے ساتھ متکلم نہ ہو تو اس کلام کو حقیقی کلام نہیں کہا جا سکتا ورنہ ماننا پڑے گا کہ گونگا انسان بھی متکلم ہے اور ماننا پڑے گا کہ جو کچھ مصاحف میں ہے وہ قرآن نہ ہو اور نہ اللہ کا کلام ہو بلکہ عبارۃ کلام اللہ ہو۔

جیسا کہ جب ایک گونگا انسان کسی دوسرے شخص کی جانب اشارہ کرے جس سے مقصود سمجھ میں آئے تو وہ شخص معنیٰ کی عبارت کو تحریر کرے پس اس صورت میں مکتوب معنیٰ کی عبارت ہے یہ ایسی مثال ہے جس کے بارے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظریہ کو واضح انداز میں پیش کرتی ہے اگرچہ مثال کی مطابقت کے لحاظ سے اللہ کو کوئی شخص گونگا کہنے کے لئے تیار نہیں۔ البتہ ان کے ہاں اس کی وضاحت یوں ہے کہ فرشتے نے اللہ سے وہ معنیٰ سمجھا جو اس کے ساتھ قائم تھا۔ اگرچہ فرشتے نے اللہ سے کسی آواز کو نہیں سنا اور نہ کسی حرف کو سنا ہے بس ایک معنی کو سمجھا اس کو تعبیر کیا پھر قرآن پاک کی ترتیب و تالیف کو پیدا فرمایا بلکہ اللہ نے بعض اجسام میں جو فرشتے سے بہت پست درجہ والے ہیں اس قسم کی عبارت کا خلق کیا۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:۔ جو شخص اللہ کے کلام کو ایک معنیٰ سمجھتا ہے ہم اس سے دریافت کریں گے کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام معنیٰ کو سنا یا بعض کو سنا اگر وہ کہے تمام کو سنا تو یہ قول فاسد ہے اگر بعض کا کہے تو دعویٰ ٹوٹ گیا کہ وہ ایک معنیٰ ہے۔

نیز جب اللہ نے فرشتوں سے کہا:۔

انی جاعل فی الارض خلیفة (البقرۃ) بے شک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

نیز جب اللہ نے کہا آدم کو سجدہ کرو ان میں یہ اللہ کا تمام کلام ہے یا بعض کلام ہے اگر کہے تمام ہے تو یہ مکابرہ ہے اگر بعض کہے تو معنیٰ ایک نہ رہا اس میں تعدد آگیا۔

کلام اور قول سے کیا مراد ہے؟ اس میں چار قول ہیں۔

پہلا قول:۔ کلام لفظ معنی دونوں کو متناول ہے جیسا کہ لفظ انسان جسم اور روح دونوں کو متناول ہوتا ہے یہ سلف امت کا قول ہے۔

دوسرا قول:۔ کلام سے مراد صرف لفظ ہے اور معنیٰ مسمیٰ کا جز نہیں بلکہ مسمیٰ کا مدلول ہے

یہ معتزلہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔

تیسرا قول:۔ کلام صرف معنیٰ کا نام ہے لفظ پر اس کا اطلاق مجازاً ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال لوگوں کا ہے

چوتھا قول:۔ کلام لفظ اور معنیٰ میں مشترک ہے یہ قول بعض متأخرین کلابیہ کا ہے۔

پانچواں قول:۔ کلام کا لفظ کلام اللہ میں مجاز اور انسانوں کے کلام میں حقیقت ہے اس لئے کہ انسانوں کے حروف ان کے ساتھ قائم ہیں پس کلام کا قیام غیر متکلم کے ساتھ نہ ہوا لیکن اللہؐ کا کلام اس کے ہاں اس کا قیام اللہ کے ساتھ نہیں ہے تو اس کو اللہ کا کلام کہنا ممتنع ہوا۔

کلام ایک معنیٰ ہے اس پر ایک شعر سے استدلال کیا جاتا ہے جو فاسد ہے شعر ملاحظہ فرمائیں:۔

ان الکلام لفی الفؤاد وانما — کلام کا تعلق تو دل کے ساتھ ہے۔

جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا — زبان تو دل پر صرف راہ نمائی کا کام دیتی ہے۔

لیکن یہ شعر موضوع ہے اگرچہ اخطل کی جانب منسوب ہے جب کہ اس کے دیوان میں نہیں ہے بعض لوگوں نے ان البیان نقل کیا یہ اقرب الی الصحۃ ہے اس کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود بھی اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ شعر موضوع سے استدلال بالکل ناقص ہے جب کہ اگر صحیحین سے استدلال کیا جائے تو اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ حدیث[1] خبر واحد ہے جو یقین کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ علماء نے صحیحین کو شرف قبول سے نوازا ہے نیز جب کہ ہم دیکھتے ہیں عیسائی کلام کا معنیٰ بیان کرنے میں گمراہ ہوگئے انہوں نے حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ کہا اور لاہوت کا ناسوت کے ساتھ اتحاد ہوگیا یعنی اللہ اور لوگ ایک ہوگئے تو کیا ہم کلام کے معنیٰ کے سلسلہ میں عیسائیوں کے قول سے استدلال کریں جو کلام کا معنیٰ بیان کرنے میں سیدھے راہ سے بھٹک گئے یعنی انہوں نے کلام کا وہ معنیٰ بیان نہ کیا جو لغت عرب میں ہے پھر معنیٰ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ لازم آتا ہے کہ ہم اخرس یعنی گونگے کو متکلم کہیں جب کہ کلام کا قیام اس کے دل کے ساتھ ہے زبان سے نہ وہ بات کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی بات سنی جاتی ہے۔

پس یہ معنیٰ عیسائیوں کے قول کے کس قدر مشابہ ہے جو لاہوت ناسوت کے قائل ہیں

---

[1] صحیحین سے استدلال اور اس کی حدیث کو خبر واحد کہہ کر رد کر دینا ائمہ کے اتفاق اور اجماع کے منافی ہے بلکہ انکار حدیث کے مترادف ہے

یعنی اللہ اور مخلوق میں وحدت ہے اور اللہ کا کلام ایک معنیٰ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کا سننا ممکن نہیں اور جس ترتیب کو ہم سن رہے ہیں وہ مخلوق ہے پس قدیم معنی کو مخلوق ترتیب کے انداز سے بتانا بالکل اسی طرح ہے جس طرح لاہوت کو ناسوت کی شکل میں ظاہر کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یعنی اللہ حضرت عیسیٰ کے وجود میں ظہور پذیر ہے۔

امام طحاویؒ ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہوئے (جو کلام کو معنیٰ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنیٰ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے) ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری نمازوں میں لوگوں کا کلام درست نہیں (مسلم) نیز اللہ پاک احکام میں تجدید فرماتا رہتا ہے اب جو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو (نسائی) علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جب نمازی عمداً بلا مصلحت نماز میں کلام کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن کیا دل میں جو تصدیق کا معنیٰ موجود ہے یا امور دنیویہ کی طلب ہے تو اس سے بھی نماز باطل ہوگی ہرگز نہیں نماز کلام کرنے سے باطل ہوگی معلوم ہوا معنیٰ کو کلام کہنا درست نہیں۔

نیز صحیحین میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے میری امت کے نفسانی خیالات کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ وہ کلام نہ کریں یا عمل نہ کریں معلوم ہوا دل کے خیالات کلام نہیں خیالات آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی نماز کلام کرنے سے باطل ہوتی ہے لغتِ عرب میں کلام کا معنی زبان سے بات کرنا ہے ہمیں شریعت کے احکام عربی زبان میں ہی بتائے گئے ہیں نیز سنن میں ہے معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم جو زبان سے کہتے ہیں اس پر ہمارا مؤاخذہ ہوگا آپ نے فرمایا لوگوں کو ناک کے بل جہنم میں گرانے والیاں ان کی تیز زبانیں تو ہیں معلوم ہوا کلام کا تعلق زبان کے ساتھ ہے اور قول، کلام نیز ان سے جو صیغ مشتق ہوتے ہیں کتاب وسنت اور کلام عرب میں ان کا تعین موجود ہے لفظ کلام اور قول میں صحابہ، تابعین کرام کے دور میں کچھ نزاع نہ تھا یہ نزاع متاخرین اہل بدعت علماء میں رونما ہوا پھر وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام اور قول کا مفہوم واضح ہے اس کے بیان کے لئے کسی شاعر کے شعر کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمام اہل زبان متقدمین اور متاخرین کلام کے معنیٰ سے اسی طرح متعارف ہیں جس طرح وہ سر، ہاتھ، پاؤں کے مسمّی سے متعارف ہیں۔

نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ کا کلام معنیٰ نہیں جو اللہ کے ساتھ قائم ہے اور

نہ ہی مقروء محفوظ، مکتوب، مسموع کلام اللہ کی حکایت ہے بلکہ کلام اللہ ہے اور نہ ہی وہ مخلوق ہے جو شخص قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے اس میں کچھ شعور نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی	کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ
ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ	اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے

(الاسراء ۸۸)

کیا اس آیت میں اشارہ اس معنیٰ کی جانب ہے جو اس کے نفس میں ہے یا اس سے مراد متلو مسموع ہے ظاہر ہے کہ اشارہ متلو، مسموع کی طرف ہے اس لئے کہ جو چیز اللہ کی ذات میں ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے نہ وہ اتارا گیا ہے نہ وہ مقروء ہے اور نہ ہی مسموع ہے اگر اشارہ اس چیز کی طرف ہوتا جو اس کے نفس میں ہے تو یوں کہا جاتا؟

لا یاتون بمثل ما فی نفسی	اور جو چیز اللہ کے نفس میں ہے نہ وہ مسموع ہے

نہ اس کی طرف پہنچنا ممکن ہے۔ اور نہ ہی اس کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ آیت میں اشارہ اس چیز کی حکایت کی طرف ہے جو اللہ کے نفس میں ہے اور وہ متلو، مکتوب، مسموع ہے پس اشارہ یا تو اللہ کی ذات کی طرف ہوگا۔

یہ درست نہیں اس لئے کہ یہ تو صریح قول ہے کہ قرآن مخلوق ہے بلکہ یہ لوگ تو معتزلہ سے بھی زیادہ کاذب ہیں اس لئے کہ کسی چیز کی حکایت اس کے مثل اور مشابہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ وضاحت ہے کہ اللہ کے صفات کی حکایت بیان کی جاتی ہے اگر تلاوت حکایت کا نام ہوتا تو سب لوگ اللہ کے کلام کا مثل پیش کر سکتے تھے اور انہیں عجز حاصل نہ ہوتا اور ان کے خیال میں تلاوت کرنے والا آواز اور حروف کی حکایت کرنے والا ہے آواز اور حروف نہیں ہے حالانکہ قرآن پاک تو سورتوں اور آیات کے مجموعہ کا نام ہے جو پاکیزہ صحائف میں ہے ارشاد ربانی ہے۔

فأتوا بعشر سور مثلہ مفتریات	تو اس جیسی دس سورتیں لاؤ جو جھوٹ موٹھ
(ھود ۱۳)	ہوں۔

نیز فرمایا:۔

بل ھو آیات بینات فی صدور	بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے
الذین اوتوا العلم وما یجحد بآیاتنا	ان کے سینوں میں (محفوظ) ہیں اور ہماری آیتوں
الا الظالمون (العنکبوت ۴۹)	سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں

نیز فرمایا۔

فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ — قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔ (عبس ۱۳-۱۴)

پس جو شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اس کو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں ارشاد نبوی ہے۔

میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے لیکن الف ایک حرف لام دوسرا حرف اور میم تیسرا حرف ہے[1] قرآن پاک حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے تلاوت کرنے والوں کی زبانوں سے اسے سنا جاتا ہے

شیخ حافظ الدین النسفی کا قول

شیخ حافظ الدین المنار میں رقمطراز ہیں۔

قرآن پاک الفاظ معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے دیگر ماہرین اصول بھی اسی کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ کی جانب اس قول کی نسبت درست نہیں کہ جو شخص نماز میں فارسی زبان میں قرآن پاک پڑھتا ہے اس کی نماز درست ہے اس لئے کہ امام صاحب کا اس قول سے رجوع ثابت ہے وہ فرماتے ہیں عربی میں پڑھنے میں قدرت ہو تو دوسری زبان میں پڑھنا درست نہیں بلکہ ائمہ کا قول ہے نماز میں عربی میں قرآن پاک کی تلاوت نہ کرنے والا اگر دیوانہ ہے تو اس کا علاج کیا جائے اگر زندیق ہے تو واجب القتل ہے اس لئے کہ اللہ نے اپنا کلام عربی میں بھیجا ہے اور اس کا اعجاز بھی عربی میں ہے اس لئے کہ اعجاز کا تعلق نظم، معنیٰ دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔

امام طحاوی کا قول جو شخص قرآن پاک کو انسان کا کلام سمجھتا ہے وہ کافر ہے بلکہ اگر وہ اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی فرشتے یا کسی بھی مخلوق کا کلام کہتا ہے وہ بھی کافر ہے اسی طرح جو شخص اس کو اللہ کا کلام تو سمجھتا ہے لیکن تحریف اور تاویل کا دروازہ کھولتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہے جو قرآن کو انسان کا کلام سمجھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو شیطان نے راہ حق سے پھسلا دیا ہے

امام طحاوی کا قول: قرآن پاک انسانی کلام کے مشابہ نہیں ہے یعنی یہ کلام اشرف اور افصح ہی نہیں بلکہ نہایت سچا کلام ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ سند صحیح ہے۔

ومن اصدق من اللہ حدیثا	اور اللہ سے زیادہ کون سچی بات والا ہے
(النساء ۸۷)	

نیز فرمایا۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یاتون بمثلہ (الاسراء ۸۸)	کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے۔

نیز فرمایا۔

قل فاتوا بسورۃ مثلہ (یونس ۳۸)	کہہ دو کہ اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔

تو حالانکہ وہ فصیح بلیغ تھے اور اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے اس کے باوجود قرآن پاک کا مقابلہ نہ کر سکے بلکہ اس کی مثل ایک سورت بھی نہ لا سکے جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نمایاں ہوئی اور قرآن پاک کا معجز ہونا ثابت ہوا نہ صرف نظم یا معنیٰ کی بنیاد پر بلکہ دونوں کے لحاظ سے اعجاز ثابت ہوا اس کے ساتھ ہم کہتے ہیں قرآن پاک واضح عربی زبان میں ہے اس میں کسی قسم کا اعوجاج نہیں ہے پس کوئی کلام نہ صرف لفظاً، معنیٰ کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ کلمات، حروف اور تکلم کے لحاظ سے بھی مقابلہ نہیں ہے چنانچہ سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات لا کر اشارہ کیا کہ قرآن پاک کا اسلوب ان کی زبان کے اسلوب جیسا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حروف مقطعات کے بعد قرآن پاک کا ذکر ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

الٓمٓ ذالک الکتاب لا ریب فیہ (البقرۃ ۱-۲)	یہ کتاب اس میں شک نہیں ہے۔

نیز فرمایا۔

الٓمٓ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم نزل علیک الکتاب بالحق (آل عمران ۱-۳)	الم خدا (جو معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی

نیز فرمایا۔

الٓمٓصٓ کتاب انزل الیک (الاعراف ۱-۲)	(المص) کتاب آپ پر نازل کی گئی۔

نیز فرمایا۔

الٓر تلک ایات الکتاب الحکیم   الٓر یہ حکمت والی کتاب کی ایات ہیں۔

(یونس ۱-۲)

اس قسم کی دیگر ایات پتہ دیتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ایسی کتاب نہیں لائے جس کو وہ پہچانتے نہ ہوں اور نہ ایسی زبان میں ہے جس سے انہیں شناسائی نہ ہو بلکہ ان کی روزمرہ گفتگو کی زبان ہے۔

لیکن فاسدانہ نظریات کے حامل اس قسم کی باتیں کر کے انکار کرتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہو یا حضرت جبریل نے اللہ سے سنا ہو جیسا کہ وہ صفات کا انکار کرتے ہیں مثلاً لیس کمثلہ شئی سے صفات کی نفی کرتے ہیں حالانکہ اس کا مفہوم واضح ہے کہ کوئی شخص صفات میں اس کا مثیل نہیں دیکھئے اللہ پاک کی صفات کا اثبات وھو السمیع البصیر میں موجود ہے اور جو حروف کی نفی کرتے ہیں ان کا رد فاتوا بسورۃ مثلہ میں موجود ہے سب سورتوں سے مختصر سورت تین ایات پر مشتمل ہے اسی لئے امام ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ نماز میں کم از کم تین ایات چھوٹی یا ایک ایت لمبی سے اکتفا ہو گا اس سے کم میں اعجاز کا چیلنج ممکن نہیں۔

(ط) اور جس شخص نے اللہ کو کسی انسانی وصف کے ساتھ موصوف کیا وہ کافر ہو گیا جس شخص نے اللہ کی ثابت کردہ صفات کو بصیرت کی آنکھ کے ساتھ دیکھا وہ قابل اعتبار ہے اور کافروں کے قول سے رک گیا اس نے معلوم کر لیا کہ اللہ اپنے اوصاف کے ساتھ انسان کی مانند نہیں ہے۔

(ش) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن پاک اللہ کا حقیقی کلام ہے اسی کے ساتھ اس کا قیام ہے اس کے بعد خبردار کیا کہ اللہ اپنی صفات کے ساتھ انسانوں کی مانند نہیں ہے گویا کہ مشابہت کی نفی ہے جب کہ صفات کا اثبات ہے یعنی اللہ تعالی کلام کے وصف کے ساتھ موصوف بمعنی متکلم تو ہے لیکن یہ وصف انسان کی وصف کلام کے مانند نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کی مانند کوئی چیز نہیں وہ ذات سننے والی دیکھنے والی ہے۔

عمدہ مثال جو لوگ اللہ کی صفات بلا تشبیہ اور بلا تعطیل اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ اس کی ایک نہایت عمدہ مثال بیان کرتے ہیں۔

خالص دودھ ایسا مشروب ہے جس کا خوشگوار ہونا مسلم ہے لیکن وہ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے اس میں گوبر اور خون کی آمیزش نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعطیل اور تشبیہ سے پاک ہے

گویا کہ وہ لوگ جو اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں وہ معدوم کی عبادت کرتے ہیں اور جو اللہ کی صفات کو انسانوں کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں وہ کسی بت کی عبادت کرتے ہیں۔

آئندہ اوراق میں اس کا ذکر آرہا ہے کہ جو شخص نفی اور تشبیہ سے کنارہ کش نہ رہا وہ راہ حق سے بھٹک گیا اور اللہ کو منزہ قرار دیئے بغیر اس نے راہ صواب کو اختیار نہیں کیا شیخ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ دین اسلام میں اللہ پاک تعطیل اور تشبیہ کے درمیان ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اللہ کی صفات کا انکار کرنا تو اللہ کو تشبیہ دینے سے بھی بدتر ہے اس کا ذکر آئندہ اوراق میں بھی ہو رہا ہے خیال رہے کہ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی صفات کا ذکر کیا ہے تو اس سے تشبیہ کا پہلو نہیں نکلتا اس لئے کہ خالق کی صفات اس طرح ہیں جس طرح اس کے شایانِ شان ہیں اور مخلوق کی صفات اس کے ساتھ اس طرح ہیں جس طرح اس کے ساتھ لائق ہیں۔ شیخ کا قول :۔

فَمَنْ اَبْصَرَ هٰذَا اعْتَبَرَ جس شخص نے اللہ کی صفات کے اثبات میں بصیرت سے کام لیا تشبیہ کی نفی کی اور اس کی وعید سے عبرت حاصل کی اور کفار جیسی باتوں کے کہنے سے رک گیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کسی کے ساتھ مشابہ نہیں ہے۔

(ط) جنت والوں کو اللہ کا دیدار حاصل ہو گا لیکن اس کا احاطہ یا اس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ (القیامۃ ۲۲-۲۳) اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔

اللہ کا دیدار ایسے کے ارادہ اور علم کے ساتھ ہو گا اس بارے میں جس قدر صحیح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ہم انہیں درست مانتے ہیں ان کا وہی معنی صحیح ہے جس کا آپ نے ارادہ کیا ہے ہم اپنی جانب سے دخل اندازی کو جائز نہیں سمجھتے نہ تو اپنی آراء کے ساتھ کسی تاویل کا ارتکاب کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی خواہشات کے مطابق کسی وہم میں مبتلا ہوتے ہیں اس لئے کہ دین میں وہی شخص سلامتی کے ساتھ ہمکنار ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی تشریحات کو مانتا ہے اور مشتبہ چیزوں کے علم کو ان کے جاننے والوں کی جانب رد کرتا ہے۔

(ش) صحابہ کرامؓ، تابعین، آئمہ اسلام، محدثین، متکلمین اہل سنت اللہ کی رؤیت کے قائل ہیں جب کہ جہمیہ، معتزلہ، خوارج، امامیہ انکار کرتے ہیں لیکن کتاب و سنت کے دلائل ان

کے قول کا رد کر رہے ہیں۔

اللہ کی رؤیت کا مسئلہ اصول دین کے اشرف اور جلیل القدر مسائل سے ہے معروف اہل علم نے اس مسئلہ میں عرق ریزی سے کام لیا ہے اور خدا داد صلاحیتوں کو صرف کیا ہے لیکن جن لوگوں کے مقدر میں خدا کی رؤیت سے محرومی ثبت تھی اور بارگاہ خداوندی میں باریابی سے ہمکنار ہونا جن کے نصیب میں نہیں تھا انہوں نے سرے سے ہی انکار کر دیا۔

امام طحاوی نے رؤیت کے سلسلہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں درج ذیل فرمان باری بھی ہے

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ — بہت سے منہ رونق دار ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔ (القیامۃ ۲۲-۲۳)

جو تمام دلائل سے زیادہ روشن اور واضح ہے لیکن انکار کرنے والے نہ صرف یہ کہ نصوص کی تاویل کرتے ہیں بلکہ تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں جہاں تک حشر نشر، جنت، جہنم، حساب وغیرہ مسائل میں تاویلات ہو رہی ہیں وہ ان تاویلات کی بنسبت آسان ہیں جن کا ارتکاب مسئلہ رؤیت میں ہو رہا ہے باطل پرست حقائق کا انکار کرنے والوں کے لئے نصوص کی تاویل بلکہ تحریف کچھ مشکل نہیں وہ بہر صورت نہایت ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ راستہ نکال لیتے ہیں یہی وہ چیز ہے جس نے ان کی دنیا و آخرت کو برباد کر ڈالا یہود و نصاری کی گمراہی کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے تورات، انجیل کے نصوص میں تحریفات کیں۔ اللہ پاک ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے سے محفوظ رکھے۔ لیکن اس امت کے گمراہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور فاسد تاویلات کرتے رہے جن کے اثرات سے نہ دین اسلام محفوظ رہ سکا اور نہ اہل اسلام ان کے نقصانات سے بچ سکے کیا حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سانحہ فاسدانہ تاویلات کا نتیجہ نہ تھا اور کیا جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ حرہ اور حضرت حسینؓ کی شہادت جیسے سنگین واقعات کا ظہور بھی تاویلات فاسدہ کا رہین منت نہیں اور خوارج معتزلہ اور روافض گمراہ فرقوں کا وجود نیز امت مسلمہ کا تہتر فرقوں میں بٹ جانا ان کا ہی کرشمہ نہیں ہے؟

محولہ بالا آیت میں لفظ نظر کی نسبت چہرہ کی جانب ہے جو نظر کا محل ہوتا ہے پھر وہ لفظ الی کے ساتھ متعدی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اہل جنت کی نگاہیں اللہ پاک پر پڑیں گی۔ نیز یہاں کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں ہے جو خلاف حقیقت معنی کو ترجیح دے۔

لفظ نظر کے استعمالات لفظ نظر کے صلوں وغیرہ کے لحاظ سے مختلف استعمالات

ہیں اگر یہ لفظ بنفسہ متعدی ہو تو اس کے معنی توقف اور انتظار کے ہوتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے۔

انظرونا نقتبس من نورکم (الحدید ۱۳) ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔

اگر فی کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنیٰ تفکر اور اعتبار کا ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموٰت و الارض (الاعراف ۱۸۵) کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور و فکر نہیں کیا۔

اگر الیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو آنکھوں کے ساتھ معائنہ کا معنیٰ ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

انظروا الی ثمرہ اذا اثمر (الانعام ۱۰۰) جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر نظر کرو

جب لفظ نظر چہرہ کی جانب (جو نظر کا محل ہے) مضاف ہو تو پھر بالا ولیٰ اس کا معنیٰ معائنہ کا ہوگا، چنانچہ ابن مردویہ میں سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناضرۃ کا معنیٰ ہے کہ چہرے تروتازہ، بارونق اور خوبصورت ہوں گے۔ ناظرۃ کا معنی ان کی نظریں اللہ کے چہرہ پر ہوں گی[1]

حضرت حسن رضؓ سے مروی ہے میرے چہرے نے اپنے رب کا مشاہدہ کیا تو چہرہ تروتازہ ہو گیا ابو صالح حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ناظرہ کا معنیٰ اللہ کے چہرہ کی جانب دیکھنا ہے حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں لفظ ناضرہ کا معنیٰ ہے کہ چہرے نعمتوں کی وجہ سے بارونق ہوں گے اور ناظرہ کا معنیٰ اپنے رب کی جانب دیکھنے والے ہوں گے اہل حدیث اہل سنت مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:۔

لھم ما یشاءون فیھا ولدینا مزید (ق ۳۵) وہاں وہ جو چاہیں گے ان کے لئے حاضر ہے اور ہمارے ہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔

---

[1] یہ روایت بہت ضعیف ہے اس کی سند میں ثویر بن ابی فاختہ کذاب ہے۔

میں لفظ مزید کا معنیٰ حضرت علی اور حضرت انس نے اللہ کے چہرے کی جانب دیکھنا کیا ہے نیز ارشاد ربانی

للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ — ان لوگوں کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے

(یونس ۲۶) — جنت اور (خدا کا) دیدار ہے۔

میں حسنیٰ کا معنیٰ جنت ہے اور زیادۃ کا معنیٰ اللہ کے چہرے کی جانب دیکھنا ہے یہ تفسیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے مروی ہے صحیح مسلم میں حضرت صہیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ — ان لوگوں کیلئے جنہوں نے نیک عمل کئے جنت

اور (خدا کا) دیدار ہے

کی تلاوت کی اور فرمایا جب جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو آواز دینے والا آواز دے گا اے جنت والو! اللہ کے ہاں تمہارے ساتھ وعدہ ہے اللہ اس کو پورا کرنا چاہتا ہے وہ دریافت کریں گے وہ کونسا وعدہ ہے کیا اس نے ہمارے اعمال کو شرفِ پذیرائی نہیں بخشا کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں دیا؟ کیا اس نے ہمیں جہنم سے نہیں بچایا؟ اس پر پردہ درمیان سے اٹھ جائے گا تو وہ اللہ پاک کا دیدار کریں گے تو جو کچھ اللہ نے ان کو دے رکھا ہوگا ان سب سے زیادہ محبوب نعمت ان کے ہاں اللہ کا دیدار ہوگا یہی لفظ زیادۃ کی تشریح ہے [1]

نیز یہ حدیث متعدد اسانید اور مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے جس میں الزیادۃ کا معنیٰ اللہ کے چہرہ کی جانب دیکھنا ہے۔

ابن جریر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حذیفہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور ابن عباسؓ سے یہی تفسیر مروی ہے۔

اللہ کی رؤیت پر امام شافعیؒ کا استدلال

ارشاد ربانی ہے۔

کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون — ہرگز نہیں بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگا

المطففین ۱۵

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ حدیث صحیح ہے۔

(کہ دیدار) سے اوٹ میں ہوں گے۔

اس آیت سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں کہ جب وہ لوگ جن پر خدا تعالیٰ ناراض ہوں گے وہ دیدار الٰہی سے محروم کیے جائیں گے تو اہل جنت جن پر خدا تعالیٰ راضی ہوں گے انہیں اللہ کا دیدار حاصل ہوگا امام شافعی سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے اہل جنت کے لیئے دیدار الٰہی ثابت کیا امام طبری نے امام شافعی کے شاگرد مزنی سے نقل کیا نیز حاکم میں سند کے ساتھ مروی ہے۔

معتزلہ کا استدلال عدم رویت پر ارشادِ ربانی۔ لَن تَرانی سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اسی آیت ہی سے رویت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

اولاً:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے رسول اور کلیم اللہ کے لقب کے ساتھ معروف ہیں ان کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے خدا سے ایسا سوال کریں جس کا کچھ جواز نہ ہو بلکہ وہ محال ہو۔

ثانیاً:۔ پھر اللہ پاک نے ان کے سوال پر انکار نہیں کیا ہے حالانکہ حضرت نوحؑ نے جب اپنے بیٹے کے بارے میں اس کی نجات کا سوال کیا تو اللہ پاک نے ان کے سوال کا رد فرمایا

ثالثاً:۔ جواب میں اللہ پاک نے یوں نہیں فرمایا کہ مجھے دیکھا نہیں جا سکتا میں مرئی نہیں ہوں بلکہ لن ترانی کہا میں دیکھا تو جا سکتا ہوں لیکن آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے ان دونوں میں فرق واضح ہے ایک مثال سے فرق سمجھیں ایک شخص کی بغل میں پتھر ہے دوسرا آدمی یہ سمجھ کر کہ اس کی بغل میں کھانا ہے اس سے سوال کرتا ہے مجھے کھانا دیجئے اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جو کچھ میں نے بغل میں دبایا ہوا ہے وہ کھایا نہیں جا سکتا لیکن اگر بغل میں کھانا ہو تو صحیح جواب یہ ہے کہ آپ اسے نہیں کھا سکتے معلوم ہوا اللہ پاک مرئی ہے لیکن اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قویٰ میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اللہ پاک کو دیکھ سکتے!

رابعاً:۔ اس کی وضاحت اللہ کے اس قول

ولکن انظر الی الجبل فان استقر	ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ
مکانہ فسوف ترانی	قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے۔

(الاعراف ۱۴۳)

سے ہو رہی ہے یعنی حضرت موسیٰ کو باور کرایا کہ اللہ کی تجلی کے سامنے پہاڑ جس میں اس قدر قوت اور صلابت موجود ہے اس دنیا میں برقرار نہیں رہ سکتا تو انسان خدا کی تجلی سے کیسے ہمکنار ہو سکتا ہے جو فطرتاً کمزور ہے۔

خامساً :- اللہ پاک قادر ہے کہ وہ پہاڑ کو استقرار عطا کرے یہ ممکن بھی ہے جب کہ رویت کے جواز کو اس پر معلق کیا اگر رویت محال ہوتی تو پھر یوں کہا جاتا اگر پہاڑ برقرار رہا (جو کہ محال ہے) تو میں کھاؤں گا پیئوں گا سوؤں گا (یعنی یہ محال ثابت ہوتا)۔

سادساً :- ارشاد ربانی۔

فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا (الاعراف ۱۴۲) جب ان کا پروردگار پہاڑ پر نمودار ہوا تو (تجلی انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا

معلوم ہوا پہاڑ جو جمادات میں سے ہے جسے جزا سزا کے ساتھ کچھ تعلق نہیں جب اس کو تجلی ہو سکتی ہے تو پیغمبروں اور اولیاء اللہ کو جنت میں دیدار کیوں نہیں ہو سکتا لیکن اللہ پاک نے حضرت موسیٰ کو معلوم کرایا کہ جب اس دنیا میں پہاڑ جیسی قوی چیز تجلی کو برداشت نہیں کر سکی تو انسان جو کمزور واقع ہوا ہے وہ کیسے تجلی کو برداشت کر سکتا ہے۔

سابعاً :- اللہ پاک کا حضرت موسیٰ سے کلام کرنا آواز دینا سرگوشی کرنا ثابت ہے اور جس سے کلام ثابت ہے بلا واسطہ اس سے تخاطب ثابت ہے تو رویت کے جواز سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور رویت کا انکار تب صحیح ہے جب پہلے کلام کا انکار کیا جائے اس لئے دونوں درست ہیں۔

معتزلہ کا اپنے دعویٰ کے اثبات میں نفی کی تاکید کا ذکر کرنا (یعنی لن ترانی کا مفہوم یہ ہے کہ رویت ہرگز ہرگز حاصل نہ ہوگی یعنی آخرت میں بھی نہ ہوگی) بالکل باطل ہے اس لئے کہ اگر اس جملہ میں لفظ ابداً بھی ہوتا تب بھی نفی کا دوام ثابت نہ ہوتا لیکن جملہ مطلق ہے اسے ایک مثال سے سمجھیں ارشاد ربانی ہے۔

و لن یتمنوہ ابدا (البقرہ ۹۵) اور وہ اس کی ہرگز آرزو نہ کریں گے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہرگز ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کا یہ قول بھی مذکور ہے۔

ونادوا یا مالک لیقض علینا اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار

ربک (الزخرف ۷۷) ہمیں موت دے دے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ موت طلب کریں گے پھر نفی کی تاکید میں اگر ابدیت مطلق طور پر ہو تو اس کے بعد فعل کی تحدید کا جواز نہیں حالانکہ تحدید موجود ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔

فلن ابرح الارض حتیٰ یاذن لی ابی — جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں میں تو اس (یوسف ۸۰) جگہ سے ہلنے کا نہیں۔

ثابت ہوا لفظ لن نفی مؤبد کا مقتضی نہیں شیخ ابن مالک نحوی بھی اسی کے قائل ہیں ان کا شعر ملاحظہ ہو۔

ومن رای النفی بلن مؤبدا

فقوله اردد وسواه فاعضدا

جو شخص نفی بلن میں ابدیت کا قائل ہے اس کا قول مردود ہے اور اس کے غیر کا قول قوی تر ہے

معتزلہ کا استدلال

عدم رویت کے مسئلہ پر لاتدرکہ الابصار (الانعام ۱۰۳) سے استدلال کرتے ہیں لیکن اہل سنت اسی آیت سے رؤیت پر استدلال کرتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس کا ذکر مدح کے سیاق میں کیا ہے ظاہر ہے کہ مدح میں مثبت صفات کا ذکر ہوتا ہے لیکن عدم محض میں کچھ کمال نہیں نہ اس سے مدح کو ثابت کیا جاتا ہے اس مقام میں اللہ تعالیٰ نفی کی شکل میں مدح کر رہے ہیں اس لئے کہ نفی میں مثبت امر موجود ہے جیسا کہ اونگھ، نیند کی نفی میں اللہ پاک کی کمال قیومیت موجود ہے اور موت کی نفی میں کمال حیات موجود ہے تھکاوٹ کی نفی میں کمال قدرت موجود ہے شریک، بیوی، اولاد مددگار وغیرہ کی نفی میں کمال ربوبیت الوہیت اور تغلب موجود ہے کھانے پینے کی نفی میں کمال بے نیازی اور استغنا موجود ہے شفاعت کی نفی میں کمال وحدانیت اور غنا موجود ہے ظلم کی نفی میں کمال عدل، علم، وسعت موجود ہے نسیان کی نفی میں کمال علم، احاطہ موجود ہے تثلیت کی نفی میں اس کی ذات اور صفات کا کمال موجود ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک کی مدح کبھی محض عدم سے ثابت نہیں جس کے ضمن میں مثبت صفت موجود نہ ہو پس آیت کا معنی یوں ہوا کہ وہ دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کا ادراک

اور احاطہ نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ وہ کمال عظمت والا ہے ہر چیز سے بڑا ہے اس لیئے اس کا ادراک یعنی احاطہ نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ احاطہ کا معنی رؤیت سے زائد ہے ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں ۔

فلما ترآءی الجمعان قال اصحاب موسیٰ	جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ
انا لمدرکون قال کلا (الشعراء ۶۲)	کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے لئے گئے موسیٰ
	نے کہا کہ ہرگز نہیں ۔

دیکھئے درج بالا آیت میں حضرت موسیٰ نے رؤیت کی نفی نہیں کی ادراک کی نفی کی ہے معلوم ہوا ادراک اور رؤیت دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نیز بدون دوسرے کے بھی پائے جا سکتے ہیں پس اللہ پاک کو دیکھا جا سکتا ہے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا اس کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن احاطہ نہیں ہو سکتا صحابہ کرامؓ ، آئمہ اس آیت سے یہی معنی مراد لیتے ہیں ۔

اللہ پاک تو خالق ہیں سورج جو مخلوق ہے دیکھنے والا اس کے ادراک پر قادر نہیں ہے تو اللہ پاک کے ادراک پر کیسے قادر ہو سکتا ہے ۔

رؤیت کے اثبات میں احادیث

اس مسئلہ میں احادیث متواتر ہیں اور صحاح، سنن مسانید تمام کتب میں موجود ہیں حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں چند لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے آپ نے فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں تمہیں کچھ تکلیف ہوتی ہے ؟ صحابہؓ نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول ! آپ نے فرمایا کیا سورج کے دیکھنے میں تمہیں کچھ تکلیف ہوتی ہے جب کہ بادل نہ ہوں صحابہؓ نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول ! آپ نے فرمایا تم اسی طرح اللہ کو دیکھو گے بخاری ، مسلم نیز حضرت ابو سعید خدریؓ سے اسی مضمون کی حدیث مروی ہے ۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ بیان کرتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کی جانب دیکھ کر فرمایا تم اپنے رب کو صاف دیکھو گے جیسا کہ تم چاند کو دیکھ رہے ہو اس کے دیکھنے میں تمہیں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی (بخاری ، مسلم) اسی مضمون کی حدیث حضرت صہیب سے مروی صحیح مسلم میں ہے ۔

حضرت ابو موسیٰؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا :۔ دو جنتیں چاندی کی

ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سونے کا ہے جنت عدن میں جنتیوں اور ان کے پروردگار کو دیکھنے میں تکبر کی چادر حائل ہو گی جو اس کے چہرے پر ہو گی بخاری، مسلم)

حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں قیامت کے روز تم اللہ سے ملاقات کرو گے درمیان میں نہ پردہ حائل ہو گا نہ ہی ترجمان ہو گا۔ اللہ پاک دریافت کریں گے کیا میں نے تمہاری جانب رسول نہیں بھیجے جنہوں نے تمہارے پاس میرے احکامات پہنچائے، وہ اثبات میں جواب دیں گے۔ اس کے بعد اللہ پاک دریافت کریں گے کیا میں نے تمہیں مال و دولت سے نہیں نوازا وہ جواب میں کہیں گے ضرور نوازا تھا (بخاری) رؤیت کی احادیث تقریباً تیس صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں ان کی معرفت کے بعد یقین حاصل ہو جاتا ہے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اگر میں نے اختصار کا التزام نہ کیا ہوتا تو میں تمام احادیث کو ذکر کرتا۔

رؤیت کی احادیث میں ہے کہ اللہ پاک جس سے چاہتا ہے جو چاہتا ہے کلام کرتا ہے وہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے آئے گا وہ عالم کے اوپر ہے اور وہ ان کو ایسی آواز دے گا جو دور سے بھی اسی طرح سنائی دے گی جس طرح نزدیک سے سنائی دیتی ہے وہ اپنے بندوں پر تجلی فرمائے گا وہ ان کے سامنے ہنسے گا۔

اللہ پاک کی ان صفات کا جہمیہ انکار کرتے ہیں وہ صفات کی آیات سننے سے یوں گھبراتے ہیں جیسے بجلی کی آواز سے کانپتے ہیں۔

حالانکہ اصول دین کا علم کتاب و سنت سے ہی ہو سکتا ہے اور کتاب اللہ کی تفسیر وہی درست ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے جن کی زبان میں قرآن پاک کا نزول ہوا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے قرآن پاک میں اپنی رائے کو داخل کیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے (ترمذی، حدیث ضعیف ہے)

ایک روایت میں ہے جس شخص نے قرآن پاک کی تفسیر بغیر علم کے کی وہ اپنا مقام جہنم میں بنا لے (ابو داؤد، ترمذی حدیث ضعیف ہے)

حضرت ابو بکرؓ سے اللہ کے قول :- ﴿وفاکھۃ واباً﴾ (عبس ۳۱) سے دریافت کیا گیا آپ سے کیا مراد ہے جواب دیا مجھے بھلا آسمان اپنے تلے جگہ دے گا یا مجھے زمین اپنے اوپر جگہ دے گی جب میں اللہ کی کتاب میں ایسی بات کا اضافہ کروں جس کا مجھے علم نہیں۔

مذکورہ حدیث میں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ کو سورج چاند کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے بلکہ رؤیت کی رؤیت کے ساتھ تشبیہ ہے یعنی اللہ کو دیکھنے کی تشبیہ سورج چاند دیکھنے کے ساتھ ہے مرئی کی تشبیہ مرئی کے ساتھ نہیں ہے البتہ اللہ کے مخلوق پر علو ہونے کی دلیل موجود ہے وگرنہ رؤیت کا تعقل بلا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا دیکھا جا سکتا ہے لیکن وہ کسی جہت میں نہیں ہے ان کی بات عقل کے منافی ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص کہتا ہے میں ایک چیز کو دیکھ رہا ہوں۔ لیکن نہ وہ سامنے ہے نہ پیچھے ہے نہ دائیں نہ بائیں ہے اور نہ ہی اوپر ہے نہ نیچے ہے تو فطرت سلیم رکھنے والا اس کی بات تسلیم نہ کرے گا۔ معتزلہ کہتے ہیں رؤیت کا تعقل بلا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی بغیر جہت کے ہو سکتا ہے اس لئے وہ خدا کی نہ جہت مانتے ہیں نہ اس کی رؤیت تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن اہل سنت قائل ہیں کہ اس دنیا میں تو ہم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے اس لئے نہیں کہ اس کی رؤیت کا امتناع ہے بلکہ اس لئے کہ ہماری نظریں عاجز ہیں غور فرمائیں سورج (جو اللہ کی مخلوق) ہے اس کی جانب دیکھنے والا انسان جب اپنی نظر کو پھیلاتا ہے تو اس کی شعاعوں کا تقابل کرنے سے نظر چندھیا جاتی ہے اور سورج کو دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے نہیں کہ مرئی کا دیکھنا ممتنع ہے بلکہ دیکھنے والا عاجز آجاتا ہے لیکن آخرت میں اللہ پاک انسانوں کی قوتوں میں اضافہ فرمائیں گے تو ان میں دیکھنے کی قوت پیدا ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ جب اللہ پاک نے پہاڑ پر تجلی کی ارشاد خداوندی ہے۔

وخر موسٰی صعقا فلما افاق قال	اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش
سبحٰنک تبت الیک وانا اول	میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے
المؤمنین (الاعراف ۱۴۳)	اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان
	لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراف کیا کوئی جاندار تجھے نہیں دیکھ سکتا وہ دیکھتے ہی مر جائے گا اور بے جان پر جب تجلی ہوگی تو وہ اپنا مقام چھوڑ دے گا یہی وجہ ہے کہ انسان تو فرشتوں کو ان کی شکل میں دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے ہاں جن کو تائید ایزدی حاصل ہو جائے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جانب سے قوت حاصل تھی آپ نے حضرت جبرئیل کو اصل شکل میں دیکھا ارشاد ربانی ہے۔

وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر (الانعام ۸)

اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا (جو ان کی تصدیق کرتا) اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا ۔

اکثر علماء اس خیال کے ہیں کہ انسان فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتے اگر ہم ان پر کسی فرشتہ کو نازل کرتے تو اسے کبھی ہم انسانی شکل میں بھیجتے تو پھر وہ اشتباہ میں پڑ جاتے کیا یہ انسان ہے یا فرشتہ ہے چنانچہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہم میں ہم سے ہی رسول بھیجا پس معتزلہ جو کہتے ہیں (اللہ موجود ہے دیکھا جا سکتا ہے لیکن وہ کسی جہت میں نہیں ہے) ان کا قول ان سے اقرب الی العقل ہے جو کہتے ہیں اللہ نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج ہے وہ موجود قائم بنفسہ ہے نہ اسے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی جہت میں ہے ۔

پس جو شخص رؤیت کی نفی بنیاد جہت کی نفی پر استوار کرتا ہے ہم اس سے دریافت کریں گے جہت امر وجودی ہے یا عدمی ہے اگر وہ کہے وجودی ہے تو ثابت ہوا جو چیز موجود نہیں اسے دیکھا نہیں جا سکتا لیکن یہ مقدمہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا اس کے اثبات پر دلیل نہیں ہے لہذا باطل ہے، دیکھئے اس عالم کی سطح کو دیکھنا ممکن ہے اور یہ عالم دوسرے عالم میں نہیں ہے اگر جہت سے مراد امر عدمی ہے تو دوسرا مقدمہ ممنوع ہے ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ وہ اس اعتبار کے ساتھ کسی جہت میں نہیں ہے ۔

کتاب وسنت کی اہمیت

اصول دین سمجھنے میں عقل کے گھوڑوں کو نہیں دوڑانا چاہیے بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے لوگوں کے اقوال اور آراء پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ وہ کتاب اللہ سے احادیث صحیحہ کے بدون علم اخذ کر سکتا ہے اسے قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ صحابہ اور تابعین کے اقوال کی ضرورت نہیں بلکہ وہ احادیث رسول سے بھی مستغنی ہے تو وہ کیسے استفادہ کر سکتا ہے حالانکہ احادیث رسول، اقوال صحابہ و تابعین ہم تک ایسے راویوں کے ذریعے پہنچے ہیں جو ثقہ تھے ناقدین ان پر تنقید نہ کر سکے پھر ان رواۃ نے صرف قرآن پاک کے الفاظ ہی کو نقل نہیں کیا بلکہ اس کے معانی کو بھی نقل کیا ہے صحابہ کرام بچوں کی طرح قرآن پاک کے صرف الفاظ ہی کی تلاوت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اس کے معانی کا بھی علم حاصل کرتے رہے اب جو شخص ان کا راستہ اختیار نہیں کرتا وہ اپنی رائے

کو دین میں داخل کر رہا ہے اور جو شخص اپنی رائے کو دین سمجھتا ہے وہ گنا ہگار ہے اگرچہ اس کی رائے صحیح بھی ہو اور جو شخص کتاب و سنت سے اخذ کرتا ہے اگرچہ وہ خطا پر بھی ہو تب بھی اس کو ثواب ملتا ہے اگر رائے درست ہو تو ثواب دوگنا حاصل ہوتا ہے۔

امام طحاوی کا قول (جنتیوں کو اللہ پاک کا دیدار ہوگا) معلوم ہوا غیر جنتیوں کو دیدار نہیں ہوگا جنتیوں کو جنت میں دیدار ہوگا اس سے پہلے میدان محشر میں بھی انہیں دیدار ہوگا صحیحین کی ایک حدیث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے نیز ارشاد ربانی :-

تحیتھم یوم یلقونہ سلام — جس روز وہ ان سے ملیں گے ان کا تحفہ (خدا کی طرف سے) سلام ہوگا۔ (الاحزاب ۴۴)

سے بھی رویت کا اثبات ہو رہا ہے البتہ محشر کے میدان میں اہل محشر کو اللہ پاک کا دیدار حاصل ہوگا اس میں علماء کے تین قول ہیں۔

پہلا قول :- صرف ایمانداروں کو دیدار ہوگا۔

دوسرا قول :- تمام محشر والے دیدار کریں گے۔ مومن، کافر سب برابر ہیں پھر کافروں کو پردے میں کر دیا جائے گا۔ وہ نہ دیکھ سکیں گے۔

تیسرا قول :- ایمانداروں کے ساتھ منافقین کو بھی دیدار ہوگا۔ البتہ کفار کو دیدار نہیں ہوگا خیال رہے جس طرح کا اختلاف دیدار الٰہی میں ہے اسی طرح کا اختلاف محشر کے میدان میں اہل محشر سے کلام کرنے کے بارے میں بھی ہے۔

کیا اس دنیا میں اللہ کو دیکھنا ممکن ہے؟ تمام امت کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس دنیا میں اللہ پاک کو دیکھنا ممکن نہیں البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر مستثنیٰ ہیں یعنی انہیں دنیا میں اللہ کی رویت حاصل ہوئی لیکن بعض علماء نے کہا کہ آپ نے بھی ان آنکھوں کے ساتھ اللہ کو نہیں دیکھا قاضی عیاض نے الشفاء میں اس مسئلہ کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کا اختلاف نقل کیا ہے حضرت عائشہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے انکار کیا ہے کہ آپ نے اللہ پاک کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھا اور جب مسروق نے حضرت عائشہ سے سوال کیا :- کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے تو عائشہ نے فرمایا تیرے اس سوال سے میرے بدن کے رونگٹے

کھڑے ہوگئے (یعنی میں کانپ اُٹھی) پھر اس نے کہا جو شخص تجھے بتائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے اہل علم کی ایک جماعت کا قول بھی حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق ہے عبداللہ بن مسعود اور ابوہریرہ سے بھی یہی قول مروی ہے محدثین، فقہا متکلین کی ایک جماعت دنیا میں اللہ کی رؤیت کا مطلقاً انکار کرتی ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے[1] عطا نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے آپ نے اللہ کو دل کے ساتھ دیکھا ہے بعدازاں چند اقوال اور فوائد ذکر کرنے کے بعد قاضی عیاض فرماتے ہیں یہ کہنا کہ آپ نے اللہ کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے اس پر کوئی قطعی نص موجود نہیں ہے اس مسئلہ میں سورۂ نجم کی روایتوں پر اعتماد کیا جاتا ہے ان کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ثابت ہے اور دونوں کا احتمال ممکن ہے قاضی عیاض کا قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے دنیا میں بھی رؤیت ممکن ہے اگر ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے تاہم بہرحال کوئی ایسی نص قاطع نظر نہیں آتی جس سے معلوم ہو کہ آپ نے اپنی ان سر والی آنکھوں سے اللہ کو دیکھا ہو اس کے خلاف رؤیت کی نفی والی حدیثیں موجود ہیں صحیح مسلم میں حضرت ابوذر سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تو سراپا نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا نیز صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہمیں پانچ باتیں بتائیں آپ نے فرمایا اللہ سوتا نہیں اور اس کے لئے سونا لائق نہیں ہے وہ ترازو کو نیچا اونچا کرتا ہے اس کی جانب دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اس پر نور کا حجاب ہے ایک روایت میں نار یعنی آگ کا لفظ ہے اگر وہ حجاب کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار جہاں تک اس کی مخلوق پر نظر جاتی ہے ان کو بھسم کر دے۔

پس آپ کا ابوذر سے کہنا کہ میں نے نور دیکھا ہے اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ذات الٰہی پر حجاب دیکھا اور یہ کہنا کہ وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں اس سے مراد حجاب کا نور ہے جو اللہ کی رؤیت سے مانع ہے یہ حدیث رؤیت کی نفی میں واضح ہے واللہ اعلم۔

---

[1] ابن خزیمہ کتاب التوحید حدیث ضعیف ہے۔

عثمان بن سعید دارمی نے اس قول پر صحابہ کا اتفاق نقل کیا ہے اور ہم حضرت جبریل کی رویت ثابت کرسکیں تو یہ غنیمت ہے چہ جائیکہ ہم اللہ کی رویت ثابت کرتے پھریں اس لئے کہ اللہ کی رویت تو بہت عظیم بات ہے پھر نبوت کا اثبات اللہ کی رویت پر موقوف نہیں ہے۔

امام طحاوی کا قول (عقل اللہ کا احاطہ نہیں ہو سکتا نہ اس کی کیفیت بیان ہو سکتی ہے) اس سے اللہ کی کمال عظمت اور بلندی معلوم ہوتی ہے نہ اس کی ذات کا احاطہ ہو سکتا ہے نہ اس کے علم کا احاطہ ہو سکتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

لا تدرکہ الابصار (الانعام ۱۰۳) آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

نیز ارشاد ربانی ہے۔

ولا یحیطون بہ علما (طٰہٰ ۱۱۰) اور وہ اپنے علم سے خدا (کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے

امام طحاوی کا قول :۔ اللہ کی ذات کے بارے میں ہم اپنی رائے کو دخل دے کر تاویلات نہیں کریں گے اور نہ ہی وہم وگمان کا عمل دخل کریں گے) مقصود یہ ہے کہ ہم معتزلہ کی طرح مسئلہ رویت اور دیگر مسائل میں کتاب وسنت کے نصوص کی تاویل نہیں کریں گے۔

اس لئے کہ اللہ کے کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ہم تحریف سے احتراز کرتے ہیں صحیح تاویل وہ ہوتی ہے جو سنت کے موافق ہو اور جو مخالف ہو وہ فاسد ہوتی ہے پس وہ تاویل جس پر سیاق وسباق سے کوئی دلیل نہ ملتی ہو نہ ہی قرینہ اس کا متقاضی ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ متکلم کا وہ مقصود نہیں ہے جو آپ مراد لے رہے ہیں اگر اس سے وہ مقصود ہوتا جو آپ سمجھ رہے ہیں تو وہاں اس کے مطابق قرائن موجود ہوتے اور ظاہری معنی کے خلاف کے منع پر اشارات موجود ہوتے تاکہ سننے والا التباس میں نہ واقع ہوتا اور نہ ہی اسے غلطی لگتی ظاہر ہے کہ اللہ نے اپنا کلام ہدایت کے لئے نازل فرمایا اس میں وضاحت وبیان موجود ہے لیکن واضح معنیٰ کے خلاف معنی مراد لینا جب کہ اس کی موافقت میں قرائن بھی موجود نہیں ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا کلام واضح نہیں، لیکن اس کے غلط ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔

• خیال رہے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے جب کہ مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ متکلم نے جس معنیٰ کا قصد کیا ہے اسے سمجھا جائے مثلاً جب کہا جاتا ہے اس لفظ کا یہ معنیٰ ہے یعنی متکلم نے اس معنیٰ کا ارادہ لیا ہے یہ جملہ خبر ہے اگر خبر واقع کے مطابق

نہ ہو تو وہ جھوٹی ہوتی ہے متکلم نے جس معنیٰ کا ارادہ کیا ہے اس کو ذیل کے طریقوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اولاً:۔ اس معنیٰ کے ارادہ کی وضاحت کرے۔

ثانیاً:۔ وہ لفظ استعمال کرے جس کا وضعی معنیٰ ظاہر ہو نیز ایسا قرینہ نہ لائے جس سے وضعی معنیٰ کا ابطال ہوتا ہو بلکہ ایسے قرائن موجود ہوں جو حقیقی، وضعی معنیٰ کو ترجیح دیں۔

ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں۔

وکلم اللہ موسیٰ تکلیما — اور اللہ موسیٰ سے ہمکلام ہوا۔

(النساء ۱۶۴)

نیز ارشاد نبوی ملاحظہ فرمائیں۔

تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے جیسا کہ تم دوپہر کے وقت بادل نہ ہوں سورج کو دیکھتے ہو

یہ کلام اپنے وضعی معنیٰ پر دلالت کرنے میں واضح ہے۔

پس اگر کسی خبر میں متکلم کے الفاظ معنیٰ مراد پر حقیقتاً دلالت کر رہے ہیں، قرائن مؤکدہ بھی موجود ہیں تو خبر سچی ہے اور اگر متکلم کا معنیٰ مراد نہیں لیا جا رہا ہے، بلکہ تاویل سے کام لیا جا رہا ہے اور تاویل کے لئے قرائن بھی موجود نہیں ہیں تو خبر جھوٹی ہے ہاں اگر لفظ کا حقیقی، ظاہری وضعی معنیٰ مراد لینا محال ہو تو اس کا مجازی معنیٰ مراد ہوگا کیونکہ کسی کلام کو لایعنی قرار دینا بھی تو درست نہیں جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ متکلم خود ظاہری معنیٰ کے خلاف معنیٰ مراد لے رہا ہے تو اس صورت میں متکلم کے خیال کے لحاظ سے مجازی معنیٰ مراد لینا صدق ہے اور حقیقی معنیٰ مراد لینا کذب ہے

امام طحاوی کا قول:۔ اس شخص کا دین صحیح ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے یعنی کتاب وسنت کے نصوص کو تسلیم کرتا ہے شکوک وشبہات اور تاویلات فاسدہ کا دروازہ نہیں کھولتا اور مشتبہ چیزوں کے علم کو اس کے جاننے والے کی طرف رد کرتا ہے۔

خیال رہے کہ عقل صریح اور نقل صحیح میں تو کبھی تعارض نہیں ہوتا تعارض کی صورت میں نقل کو مقدم رکھا جائے گا لیکن امام طحاوی کا عقل کو مقدم کرنا درست نہیں ہے ہاں اگر نقل صحیح نہ ہو تو پھر اس کا معارضہ عقل کے ساتھ نہ ہوگا عقل نقل کے تعارض میں نقل کو مقدم کرنا ضروری ہے دونوں کو تسلیم کرنے میں جمع بین النقیضین ہے اور عدم تسلیم میں رفع بین النقیضین ہے عقل کو مقدم کرنا ممتنع ہے اس لئے کہ عقل ہی تو ہے، جو نقل کے صحیح ہونے پر دال ہے۔

اور فرمودات رسول کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے پس اگر ہم نقل کو باطل قرار دیں تو ہم نے عقل کی دلالت کو بھی باطل کر دیا اور عقل کی دلالت کو باطل کرنے کی صورت میں اس کا معارضہ نقل کے ساتھ درست نہیں اس لئے کہ جس میں دلیل بننے کی صلاحیت نہیں وہ کسی کا معارضہ بھی نہیں کر سکتی پس عقل کی تقدیم تو عدم تقدیم کی موجب ٹھہری لہٰذا اس کی تقدیم جائز نہیں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ عقل ہی تو ہے جو نقل کے صدق اور صحت پر دال ہے اور اسی سے پتہ چلتا ہے۔ کہ خبر واقع کے مطابق ہے پس اگر جائز ہوتا کہ نقل کے بطلان کی وجہ سے عقل کی دلالت، باطل ہوتی تو لازم آتا کہ عقل صحیح دلیل نہیں ہے اور جب وہ صحیح دلیل نہیں ہے تو پھر جائز نہیں کہ کسی صورت میں اس کے پیچھے چلا جائے چہ جائیکہ اس کو مقدم رکھا جائے۔ پس عقل کو نقل سے مقدم رکھنا عقل کو عیب والا بنانا ہے۔

پس ہمارے لئے از بس ضروری ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو مکمل طور تسلیم کریں آپ کے حکم کے سامنے سر جھکائیں آپ کی احادیث کی تصدیق کریں کسی باطل خیال، عقل، شک، شبہ کے ساتھ معارضہ نہ کریں نہ لوگوں کی آراء اور ان کے ذہنی تخیلات کو آپ کے حکم سے مقدم کریں جس طرح ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس کے سامنے عجز، انکساری، تواضع اختیار کرتے ہیں اسی پر توکل کرتے ہیں اسی طرح ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو تسلیم کریں اس اکیلے کی تحکیم تسلیم کریں اس کی باتوں پر یقین کریں اور اس کی اطاعت کریں۔

توحید فی الرسالت ہم اس وقت تک نجات حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اللہ کو ایک معبود نہ سمجھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مطاع نہ سمجھیں نہ آپ کے غیر کی جانب فیصلہ لے جائیں نہ اس کے فیصلہ کو تسلیم کریں اور نہ ہی آپ کے حکم کے نفاذ میں توقف اختیار کریں یا آپ کے حکم کو کسی امام، شیخ کے قول پر پیش کریں اگر ان کے قول کے مطابق ہو تو نافذ کریں وگرنہ ائمہ، مشائخ کی طرف تفویض کریں اور تحریف کے مرتکب ہو کر اس کا نام تاویل رکھیں یہ سب کچھ توحید فی الرسالۃ کے منافی ہے اور اس قسم کے نظریات والا انسان نجات حاصل نہیں کر سکتا بلکہ شرک کے علاوہ دیگر تمام گناہوں کے ساتھ اگر کوئی شخص بارگاہ الٰہی میں جاتا ہے تو اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے دستکش ہو کر کسی امام شیخ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہو یا ان کے اقوال کو آپ کے اقوال پر تفوق عطا کرتا ہو پس ایک مسلمان کا یہ حال ہو کہ جب اسے صحیح حدیث کا علم ہو جائے تو وہ یوں سمجھے کہ وہ اس حدیث کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہے کیا کسی انسان کے لئے یہ بات زیب دیتی ہے اور کیا اس کا کچھ جواز ہے کہ وہ

حدیث رسول کو قبول کرنے اور اس پر عمل سے پہلے اس کو کسی امام کے قول، مذہب پر پیش کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدیث رسول کو بلا پس وپیش تسلیم کرے اس کے غیر کی طرف التفات بھی نہ کرے اور نہ ہی یہ اشکال پیش کرے کہ یہ حدیث تو فلاں امام کی رائے کے خلاف ہے آئمہ کی آرا کو حدیث رسول کے سامنے ترک کرے نص کے مقابلہ میں قیاس کا معارضہ نہ کرے تمام قیاسات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نصوص سنت کے ساتھ وابستگی اختیار کرنے کسی قسم کی تحریف کا ارتکاب نہ کرے نہ ہی الفاظ کو اس کے حقیقی معانی سے تبدیل کر کے عقل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے سنت کے مقابلہ میں عقل مجہول ہے بلکہ راہ صواب سے بعید ہے حدیث رسول کو بہر حال قبول کیا جائے خواہ کسی کی موافقت ہوتی ہو یا نہ ہو کسی کا خیال نہ کیا جائے۔

مسند احمد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ روایت ہے کہ میں اور میرا ایک بھائی ہم دونوں ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے مجھے پسند نہیں کہ اس مجلس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دستیاب ہوں (یعنی وہ مجلس دستیاب نہ ہوا) ہم کیا دیکھتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو زیادہ عمر والے تھے وہ آپ کے دروازہ پر بیٹھے تھے ہم نے پسند نہ کیا کہ ان کے درمیان ہماری وجہ سے تفریق ہو اس لئے ہم ایک کنارے میں ہو کر بیٹھ گئے صحابہ کرام نے ایک ایت کی تلاوت کی پھر اس میں بحث کرنے لگے ان کی آوازیں بلند ہو گئیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے آپ ناراض دکھائی دیتے تھے آپ کا چہرہ سرخ نظر آتا تھا آپ ان پر مٹی پھینک رہے تھے اور فرما رہے تھے لوگو! رک جاؤ تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے انبیاء کی تعلیمات میں اختلاف کیا اور کتب الٰہیہ کے احکام کا انکار کیا بے شک قرآن پاک کا نزول اس لئے نہیں ہوا کہ اس کا کچھ حصہ باقی حصہ کی تکذیب کرے اس کی ایات ایک دوسرے کی تصدیق کر رہی ہیں قرآن پاک کے جن مسائل کی تمہیں معرفت حاصل ہو جائے ان پر عمل کرو اور جن کی معرفت حاصل نہ ہو سکے ان کو کسی عالم کی طرف لوٹا دو[1]

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قرآن پاک کی تفسیر بلا علم حرام ہے ارشاد ربانی ہے۔

قل انما حرم ربی الفوا حش ما	کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی
ظہر منہا وما بطن والاثم و	کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور
البغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ	ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو
مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا	بھی کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ جس کی اس نے

[1] بغوی شرح السنۃ حدیث صحیح ہے۔

علی اللہ ما لا تعلمون (الاعراف ۳۳) کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں)

نیز فرمایا۔

ولا تقف ما لیس لک بہ علم (الاسراء ۳۶) اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ

پس ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حق راہ کی اتباع کرے جس کو اس کے پیغمبر اور اس کی کتابوں نے بیان فرمایا دیگر تمام لوگوں کے کلام کو اللہ کی کتاب پر پیش کرے اگر کتاب اللہ سے موافقت ہو جائے تو درست ہے ورنہ باطل ہے اگر موافقت مخالفت کا علم نہ ہو سکے تو کلام کو مجمل سمجھا جائے گا یعنی اس کا معنی معلوم نہیں ہے یا معنی تو معلوم ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصدیق یا تکذیب کا علم نہیں تو اس سے باز رہا جائے گا اس لئے کہ علم کے بغیر کلام کرنا درست نہیں کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر سے بھی علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم امور دنیویہ کے بارے میں ہے مثلاً علم طب، حساب، زراعت وغیرہ کا علم دنیوی امور کا علم ہے لیکن امور الٰہیہ معارف دینیہ کے علم کا ماخذ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

(ط) کسی شخص کے قدم اسلام کی منزل پر ثابت نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اسلام کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر دے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے سپرد نہ کر دے۔

(ش) امام طحاوی کا کلام استعارہ کے انداز کا ہے ظاہر ہے کہ حسی طور پر کسی کے قدموں کا واقع ہونا کسی چیز کی پشت پر ہوگا (حالانکہ اسلام معنوی چیز ہے حسی نہیں ہے) مقصود یہ ہے کہ اس شخص کا اسلام درست نہیں جو کتاب و سنت کے نصوص تسلیم نہیں کرتا ان کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اعتراض کرتا ہے یا اپنی رائے کے ساتھ معارضہ کرتا ہے عقل اور قیاس کو ترجیح دیتا ہے امام بخاری، امام زہری سے ذکر کرتے ہیں اللہ پاک نے دین اسلام کو نازل فرمایا اس کے رسول نے لوگوں تک پہنچایا ہمارے لئے اس کو ماننا ضروری ہے امام زہری کا کلام بظاہر نہایت جامع اور مفید ہے۔

عقل و نقل کی مثال عقل و نقل کے مابین تفاوت کو ایک مثال سے سمجھیں عقل و نقل کے

مابین نسبت اور تعلق کو یوں سمجھو جیسے عامی مقلد اور عالم مجتہد کے درمیان نسبت ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ عامی مقلد کا عالم بننا ممکن ہے لیکن کسی عالم کا رسول بننا ممکن نہیں تو اس صورت میں جب ایک عامی مقلد کسی عالم کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اس کے بارے میں کسی دوسرے عامی مقلد کو خبر دیتا ہے پھر کسی مسئلہ میں (مفتی عالم اور عامی مقلد جس نے دوسرے عامی کو مفتی عالم کے بارے میں راہ نمائی کی) دونوں کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس صورت میں مستفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مفتی کے فتویٰ کو تسلیم کرے جس نے مستفتی کی راہ نمائی کی اس کے قول کو اگر وہ مفتی کے قول کے خلاف ہو تو تسلیم نہ کرے اگر راہ نمائی کرنے والا کہتا ہے میرا قول درست ہے مفتی کا قول درست نہیں اس لئے کہ اصل علم سے مستفتی کو میں نے آگاہ کیا اور بتایا کہ فلاں مفتی ہے تو اگر مستفتی، مفتی کے قول کو میرے قول پر مقدم کرتا ہے تو وہ اس پہ قدح کر رہا ہے۔

حالانکہ اصل سے ہی اسے مفتی کا علم حاصل ہوا تھا تو اصل پر قدح سے فرع پر قدح ہوا لیکن مستفتی عامی مقلد راہ نمائی کرنے والے سے کہتا ہے درست ہے کہ تو نے مجھے مفتی کی راہ نمائی کی تیری راہ نمائی کا مطلب یہ تھا کہ تو اس کی تقلید کے وجوب کی گواہی دیتا ہے اپنی تقلید کی دعوت نہیں دیتا ہے راہ نمائی کی حد تک تو میں تیری موافقت کروں گا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر مسئلہ میں تیری موافقت کی جائے اگر آپ کی رائے مفتی کی رائے کے خلاف ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو آپ کی رائے درست نہیں لیکن مفتی کا بھی کبھی خطا کرنا ممکن ہے لیکن ہر عقل مند انسان جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو باتیں اللہ کی طرف سے بتاتے ہیں آپ ان میں معصوم ہیں ان میں غلطی کا جواز نہیں ان کا تسلیم کرنا ضروری ہے اگر کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا ہے جس قرآن کو آپ پیش کر رہے ہیں اور جس سنت کا آپ پرچار کر رہے ہیں ان میں ایسے مسائل موجود ہیں جو ہماری عقل کے خلاف ہیں حالانکہ آپ کی صداقت کا علم ہمیں عقل سے ہی ہوا ہے اگر ہم آپ کی تمام باتیں تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ہماری عقل ان کی مخالفت کرتی ہے تو عقل کے ساتھ ہی تو ہم نے آپ کو سچا مانا تھا اس صورت میں عقل پر الزام عائد ہوگا پس اس قسم کے نظریات رکھنے والا انسان مؤمن نہیں کہلا سکتا جو آپ کے علم و ہدایت سے روگردانی کرتا ہے اور عقل کا اتباع کرتا ہے اگر یہ راہ کھل جائے گا تو چونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہیں اور شبہات بھی کثرت سے موجود ہیں اور شیاطین لوگوں کے نفوس میں وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں تو ہر شخص اپنی عقل پر انحصار کرتا ہوا شریعت کے بہت سے

مسائل سے انکار کرے گا۔

ارشاد ربانی ہے۔

وما على الرسول الا البلاغ المبين (النور ۵۴)

اور رسول کے ذمہ تو صاف صاف (احکام خدا) کا پہنچا دینا ہے:

نیز فرمایا۔

فهل على الرسل الا البلاغ المبين (النحل ۳۵)

پس پیغمبروں پر تو (احکام خداوندی) کا صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

نیز فرمایا۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم فيضل الله من يشاء ويهدى من يشاء (ابراهيم ۴)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام خدا) کھول کھول کر بتا دے پھر خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين (المائدہ ۱۵)

بے شک تمہارے پاس نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔

نیز فرمایا۔

حٰمٓ و الكتاب المبين۔ (الدخان ۱-۲) - (الزخرف ۱-۲)

حٰمٓ۔ کھول کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی قسم۔

نیز فرمایا۔

تلك آيات الكتاب المبين (یوسف ۲)

یہ بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں،

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذى بين يديه وتفصيل كل شئ وهدى ورحمة لقوم يؤمنون

ایسی بات نہیں ہے جو اپنے دل سے بنائی گئی ہو بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے اور ہر چیز

(یوسف ۱۱۱) | کی تفصیل (کرنے والا) ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

نیز فرمایا۔

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین (النحل ۸۹)

اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جن میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا ذکر ہے آپ نے دین اسلام کو واضح شکل میں پہنچایا اجمال باقی نہ رہا اس کی شہادت تمام امت دے رہی ہے اور قیامت کے روز اللہ پاک بھی گواہی دیں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو کما حقہ پہنچایا جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھ رہا ہے۔

(ط) پس جس شخص نے ایسے علم حاصل کرنے کا قصد کیا جس سے روکا گیا تھا اور قناعت اختیار نہ کی اسے خالص توحید (جو اصل مقصود ہے) کی صحیح معرفت اور ایمان کی نعمت سے محرومی ہوگی

(ش) اگرچہ اس عبارت سے سابقہ عبارت کی تاکید ہو رہی ہے مزید تنبیہ کیا گیا ہے کہ اصول دین میں عدم علم کی صورت میں کلام سے گریز کیا جائے۔

ارشاد ربانی ہے۔

ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ (الاسراء ۳۶)

اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

نیز فرمایا

ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ویتبع کل شیطان مرید کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ ویھدیہ الی عذاب السعیر (الحج ۳-۴)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا (کی شان) میں علم (و دانش) کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں جس کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست رکھے گا

تو وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور دوزخ کے عذاب کا رستہ دکھائے گا)

نیز فرمایا۔

ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ لہ فی الدنیا خزی ونذیقہ یوم القیمۃ عذاب الحریق (الحج ۸۔۹)	اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خدا (کی شان) میں بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے جھگڑتا ہے (اور تکبر سے) گردن موڑ لیتا (ہے) تاکہ (لوگوں کو) خدا کے رستے سے گمراہ کر دے اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور قیامت کے دن ہم اسے (آتش) سوزاں کا مزہ چکھائیں گے)

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین (القصص ۵۰)	اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدی (النجم ۲۳)	یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور خواہشات نفس کے پیچھے چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے

٭ ٭ ٭

ان کے علاوہ بھی آیات قرآنیہ اس مضمون پر دلالت کر رہی ہیں۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہدایت کے بعد جو لوگ گمراہ ہوئے ان میں جھگڑا گھس آیا اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ ترمذی حدیث حسن ہے

ما ضربوہ لک الا جدلا (الزخرف ۵۸)	انہوں نے جو اس (عیسٰی) کی مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھگڑے کو۔

٭

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ہاں

تمام لوگوں سے زیادہ مبغوض جھگڑالو لوگ ہیں (بخاری، مسلم)

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص فرمان رسول کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا اپنی رائے اور خواہش کی اتباع کرتا ہے اس کی توحید ناقص ہے اس لئے کہ اس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

افرءیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے (الفرقان ۴۳) خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔

یعنی اس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم میں فساد پھیلانے والے تین فرقے ہیں۔

چنانچہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں ؎

رایت الذنوب تمیت القلوب وقد یورث الذل ادمانھا

وترک الذنوب حیاۃ القلوب وخیر لنفسک عصیانھا

وھل افسد الدین الا الملوک واحبار سوء ورھبانھا

میری رائے یہ ہے کہ گناہ دلوں کو موت کے حوالہ کر دیتے ہیں اور گناہوں پر اصرار ذلت کو جنم دیتا ہے۔ گناہوں کے ترک سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور گناہوں کی نافرمانی نفس کے لئے بہتر ہے دین اسلام میں فساد رونما کرنے والے بس بادشاہ، برے عالم اور صوفی ہی تو ہیں۔

پس بادشاہ شریعت اسلامیہ پر سیاسیات کو مقدم گردانتے ہیں اور علماء سوء شریعت پر اپنی آراء مقدم کرتے ہیں محرمات کو حلال گردانتے ہیں مباحات کو حرام ٹھہراتے ہیں شریعت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے ہیں لایعنی چیزوں کو اسلام میں داخل کرتے ہیں حدود الٰہیہ کے نفاذ میں مداہنت برتتے ہیں بے جا بدعتوں کو اسلام میں داخل کر کے اس کا حلیہ بگاڑتے ہیں اور جاہل صوفیاء شریعت کے حقائق کا تمسخر اڑاتے ہیں وجد، حال، کشف دیگر صوفیاء کی اختراع کردہ اصطلاحات کو دین کا جزء قرار دیتے ہیں الغرض شریعت کو ایسا لباس پہناتے ہیں جس سے اس کی شکل و صورت بدل جاتی ہے اس کو اسلامی شریعت نہیں کہا جا سکتا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا نتیجتاً وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو چکے ہیں شیطان اور ان کے نفس کا ان پر غلبہ نظر آتا ہے شریعت اور کشف وغیرہ کے معارضہ میں وہ کشف کو ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ سیاستدان صاحب

اقتدار شریعت کو سیاسیات کے تابع کرتے ہیں اور علماء سوء عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں۔

امام غزالی کا قول احیاء علوم الدین جو امام غزالی کی جلیل القدر تالیف ہے آپ اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ علم جدل اور علم کلام دونوں کا علم نجوم کی طرح حاصل کرنا مذموم ہے یا مباح بلکہ مندوب ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس میں اہل علم مختلف رائے رکھتے ہیں بعض اس کو بدعت بلکہ حرام ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کوئی شخص اگر شرک کے علاوہ دیگر تمام گناہوں کا مرتکب ہے اور اسی حالت میں اللہ کے ہاں جاتا ہے تو اس حالت میں اسکا جانا بدرجہا بہتر ہے اس سے کہ وہ علم کلام میں مشغولیت اختیار کرتا ہو جب کہ بعض لوگ اس کو فرض کفایہ بلکہ فرض عین قرار دیتے ہیں اور اس کو تمام اعمال سے افضل اور تقرب الٰہی کے تمام ذرائع سے اس کو اعلیٰ سمجھتے ہیں اس لئے کہ علم کلام سے مزاولت رکھنے والا توحید کی حقیقت سے باخبر ہوتا ہے اور دین اسلام پر اعتراضات کرنے والوں کی مدافعت کرنے کی اس میں بدرجۂ اتم صلاحیت ہوتی ہے چنانچہ امام شافعی، مالک احمد بن حنبل، سفیان تمام ائمہ حدیث اس علم کی تحصیل کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس مذمت میں وہ خاصے تیز نظر آتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں صحابہ کرامؓ جو شریعت کے حقائق سے بخوبی واقف تھے اور جن کا کلام اسلوب اور معانی کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت کے میدان میں فائق نظر آتا ہے وہ صرف اس لئے علم کلام سے اجتناب برتتے رہے کہ اس علم میں مشغولیت کے نتائج اچھے ثابت نہیں ہو سکتے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسائل میں تعمق اور تکلف کے ساتھ بحث کرنے والے تباہی کے کنارے پہنچ جاتے ہیں نیز علم کلام میں بحث کرنا اگر دین اسلام کی خدمت ہوتا تو اس کی اہمیت کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حصول کا حکم دیتے اور اس میں مزاولت اختیار کرنے والوں کی تعریف فرماتے نیز اس علم کے مقدمات اور نتائج سے پردہ کشائی فرماتے اس کے بعد امام غزالی متکلمین کے دلائل کا ذکر فرماتے ہیں اس کے ساتھ ہی مخالفین کے دلائل سے ان کا رد کرتے ہیں پھر اپنی رائے کا ذکر کرتے ہیں کہ اس علم میں فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی فوائد کو دیکھا جائے تو اس علم کی تحصیل نہ صرف یہ کہ مندوب ہے بلکہ واجب ہے نقصانات کی طرف دیکھا جائے تو پھر اس کا طلب کرنا حرام دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ اس علم میں مزاولت رکھنا شبہات کو جنم دیتا ہے عقائد میں تزلزل پیدا کرتا ہے اور جزم و یقین کی کیفیت کو ختم کرتا ہے اور بعض لوگ اس قدر شکوک و

شبہات کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ مضبوط دلائل کے ساتھ بھی ان کو وہاں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے وہ لوگ جادۂ مستقیم سے سرک جاتے ہیں ان کے عقائد میں فساد رونما ہو جاتا ہے بدعات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور عقیدتمندی رواداری کا جذبہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ دلوں پر بدعات کی حکومت ہوتی ہے نتیجۃً سنت کی شمع فروزاں بجھ جاتی ہے اور اس کے تقاضے سرد پڑ جاتے ہیں اور بدعات کے دواعی امڈ آتے ہیں ان کے ساتھ تعصب میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جنگ وجدل اور بحث مباحثہ کا بازار گرم ہو جاتا ہے جس سے اسلام کی ساکھ کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے متکلمین اس علم کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس علم سے حقائق سے پردہ کشائی ہوتی ہے ان کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن اگر حقیقت میں نگاہوں سے دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ علم کلام سے اس قسم کے عمدہ اور مفید نتائج حاصل نہیں ہوتے ہیں بلکہ شاید جس قدر بعض انکشافات سے ہم ہمکنار ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ گمراہی کے قریب پہنچتے ہیں اور مسائل منقح ہونے کی بجائے الجھ جاتے ہیں اور ان کا حل ناممکن ہو جاتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے جس سے کسی محدث کسی متکلم کو انکار نہیں کہ جس علم سے لوگ آشنا نہیں ہوتے اس کے دشمن ہوتے ہیں یہی حال علم کلام کا ہے اگر آپ اس سے دور رہیں گے تو آپ کے دل میں اس کے ساتھ محبت کا شائبہ تک بھی نہ ابھرے گا لیکن اگر آپ اس میں بے پناہ مشغولیت اختیار کریں گے اور تعمق کی حد تک اس کے ہی ہو کر رہ جائیں گے تو اس علم سے تو حقائق کی معرفت حاصل نہ ہو سکے گی اس علم میں تو معرفت کا دروازہ بالکل ہی مسدود ہے البتہ بعض امور کی وضاحت بعض چیزوں کی تعریف وغیرہ تو کبھی حاصل ہو سکے گی انکشاف ناممکن ہے جب کہ دیگر علوم میں تعمق اختیار کرنے سے آپ بے شمار فوائد کا استخراج کرنے کی صلاحیت حاصل کر سکیں گے۔

علم کلام مذموم کیوں ہے؟ امام غزالیؒ کے علاوہ دیگر سلف صالح نے بھی علم کلام کو مذموم قرار دیا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ علم کلام کوئی جدید اصطلاح ہے جب کہ دیگر علوم جدیدہ کی اصطلاحات بھی پائی جاتی ہیں اور ان اصطلاحات کی وجہ سے ہم انہیں مذموم نہیں سمجھتے نہ اس لئے کہ علم کلام بھی حق کی راہ نمائی کرتا ہے اور باطل پرست لوگوں کے ساتھ محاذ آرائی اختیار کرتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ علم ایسے قضایا پر مشتمل ہے جو سچے نہیں ہیں ان کو تسلیم کرنے سے

کتاب و سنت اور ان میں مذکورہ علوم صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے اس کے ساتھ ساتھ متکلمین کو اس علم کی تدوین میں دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑا ہے پھر طول طویل بحثیں ہیں لیکن فائدہ کچھ نظر نہیں آتا اس علم کی مثال تو یوں ہے جیسے کسی دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر کسی لاغر اونٹ کا گوشت رکھا ہوا ہے اب نہ تو راستہ آسان ہے کہ پہاڑ کی چوٹی پر آسانی سے پہنچا جائے نہ گوشت ہی اتنا عمدہ ہے کہ اس کی عمدگی کی وجہ سے مشکل راہ عبور کر کے اسے حاصل کیا جائے یہی حال اس علم کا ہے اس میں تکلف، تطویل لاطائل اور گنجلک موجود ہے اگر اس علم میں کچھ صحیح چیزیں بھی موجود ہیں تو وہ چیزیں قرآن پاک میں نہایت عمدہ پیرایہ میں مذکور ہیں اس علم کی مذمت میں کہا گیا ہے

ولولا التنافس فی الدنیا لما وضعت	اگر دنیا کے لوگوں میں مسابقت اور
کتب التناظر لا المغنی ولا العمد	منافست کا جذبہ نہ ہوتا تو المغنی
یحللون بزعمهم عقدا	العمد مناظرہ کی کتب مدون نہ
وبالذی وضعوه زادت العقد	ہوتیں کتابیں وضع کرنے والے اس

زعم میں ہوتے ہیں کہ وہ کسی گرہ کو کھول رہے ہیں جبکہ ان کے وضع کرنے سے مزید گرہیں پیدا ہوتی ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ہم نے کتابیں مدون کر کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ جب کہ ہوش مند لوگ خوب جانتے ہیں کہ ان کی کتابوں نے مزید شکوک پیدا کیے ہیں۔ پھر یہ تصور اتنا ناقابل فہم نہیں کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو علم و یقین کی دولت حاصل نہ ہو نہ اسے رشد و ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا جا سکے اور علم کلام جو آشفتہ دماغ لوگوں کی ذہنی کاوشوں کا مجموعہ ہے اسے نسخہ شفا سمجھ لیا جائے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ قال اللہ قال الرسول کو اصل قرار دیا جاتا معانی پر تدبر کیا جاتا پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کیا جاتا عقلی، خبری، سمعی براہین کی معرفت حاصل کی جاتی پھر ان کے مدلولات کو دیکھا جاتا لوگوں کے اقوال سے ان کا تقابل کیا جاتا اگر لوگوں کے اقوال ان مدلولات کے موافق ہوتے تو انہیں قبول کیا جاتا ورنہ رد کر دیا جاتا وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اصطلاحات متکلمین عام طور پر متکلمین کی کتب میں ذیل کی اصطلاحات ذکر کی جاتی ہیں اور ان کے ارد گرد ان کی ابحاث دائر ہیں مثلاً مرکب، جسم، تحیز جوہر، جہت، حیز، عرض وغیرہ ان اصطلاحات

سے یہ لوگ جو معانی مراد لیتے ہیں ان معانی میں یہ الفاظ کتاب وسنت میں استعمال نہیں ہیں بلکہ لغتِ عرب میں بھی استعمال نہیں ہیں اور ان الفاظ سے جو معانی لئے جارہے ہیں غالباً ان کے علاوہ کسی دوسرے علم وفن میں ان کے یہ معانی نہیں ہیں ان میں ان معانی کو دیگر الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اس علم کے مقابلہ میں جب ہم قرآن پاک کے عقلی، سمعی دلائل پر غور کرتے ہیں اور پیش آمدہ مسائل میں راہ نمائی چاہتے ہیں تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں حق وباطل میں امتیاز ہوجاتا ہے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ علم تو پیچیدگیوں کا مجموعہ ہے یہ کسی معما کو حل نہیں کرتا مزید اس میں گرہیں ڈالتا ہے مثلاً لفظ ترکیب متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

پہلا معنیٰ اگر دو یا دو سے زائد متباین چیزوں سے مرکب ہے تو اس کو ترکیب امتزاجی کہتے ہیں جیسے حیوان عناصر اربعہ اور اعضاء وغیرہ سے مرکب ہے پس معنیٰ کے لحاظ سے اللہ کی ذات پر لفظ ترکیب کا اطلاق نہیں ہوتا اگرچہ اللہ پاک علو اور دیگر صفات کے ساتھ موصوف ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ کو مرکب کہا جائے دوسرا معنیٰ: ترکیب الجوار کا ہے جیسے دروازہ کے رسے والی دو لکڑیوں سے مل کر تیار ہوتا ہے اگرچہ اللہ پاک صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں ترکیب الجوار موجود ہو تیسرا معنیٰ: متماثل اجزاء سے مرکب ہو اس کا نام الجواہر المفردہ رکھا جاتا ہے چوتھا معنیٰ: ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہوتا ہے جیسے انگوٹھی اس میں چاندی ہیولیٰ ہے اس کی صورت معروف ہے متکلمین جسم کو جواہر مفردہ سے مرکب مانتے ہیں اور اس کے ضمن میں طول طویل بے فائدہ بحث کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کیا وہ دو اجزاء یا چار یا چھ یا آٹھ یا سولہ سے مرکب ہے جب کہ اللہ پاک مرکب نہیں اس لئے کہ اللہ پاک تو اپنے صفات اور علو کی وجہ سے مخلوق سے الگ ہے پھر بات تو یہ ہے کہ جسم بھی ان اشیاء سے مرکب نہیں ہوتا متکلمین کا قول صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ پانچواں قول: ذات صفات سے مرکب ہوتا ہے اس وضاحت کے ساتھ وہ اللہ کی صفات کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی ایسی اصطلاح ہے جو نہ لغت میں معروف ہے نہ اسے شارع نے استعمال کیا ہے لہٰذا ہم ان کی موافقت کو پسند نہیں کرتے اور ہم تسلیم نہیں کرتے کہ صفات ماننے سے ترکیب لازم آئے گی۔ جب کہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا نام میں کیا دھرا ہے جو چاہو کسی کا نام رکھ لو معانی کے بغیر کسی پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا مثلاً اگر دودھ کا نام شراب رکھ دیا جائے تو دودھ حرام نہیں ہوجائے گا چھٹا معنیٰ: ماہیت اور اس کے وجود سے

مرکب ہو ذہن ان میں تغایر ثابت کرتا ہے جب کہ خارج میں کسی ذات کا وجود سے مجرد ہونا ممکن نہیں پس متکلمین کہتے ہیں کیا اللہ کی ذات کا وجود ہے یا وجود نہیں ہے اس مسئلہ میں متکلمین حواس باختہ ہیں جبکہ اس مسئلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ توقف اختیار کیا جائے جب کہ عام مسائل میں تفصیل اور وضاحت سے غلط باتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور باطل کی قلعی کھل جاتی ہے۔

ان لوگوں کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے کلام پر تدبر نہیں کرتے بس ان کا سرمایہ فلسفہ یونان اور پریشان افکار ہیں ان کو اہل کلام اس لئے نہیں کہتے کہ انھوں نے علوم میں مزید فوائد کا اضافہ کیا ہے بلکہ اس لئے کہ بے فائدہ کلام کا اضافہ کیا یہ لوگ قیاس کو مطمع نظر مانتے ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں قیاس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن جو لوگ نص کی موجودگی میں قیاس کو غلبہ دیتے ہیں اپنی عقل کو ترجیح دیتے ہیں محسوسات کا انکار کرتے ہیں ذوق کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں نص کا معارضہ اپنی رائے اور اپنے فہم سے کرتے ہیں وہ ابلیس کے چیلے چانٹے ہیں اس نے بھی اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم نہ کیا عجب میں آکر اپنے آپ کو بہتر قرار دیا اللہ پاک اس کا قول نقل فرماتے ہیں۔

انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین	میں اس سے افضل ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔
(الاعراف ۲)	

ارشاد ربانی ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع الله ومن تولی فما ارسلناك علیهم حفیظاً	جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو یقیناً اس نے خدا کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے
(النساء ۸۰)	

نیز فرمایا۔

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم۔	اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔
(آل عمران ۳۱)	

اور فرمایا۔

فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما	تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے

ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجًا	تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ
مما قضیت ویسلموا تسلیمًا (النساء ۶۵)	تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ
	اس کو خوشی سے جان لیں تب تک مومن نہیں ہونگے۔

یاد رہے اللہ پاک نے اپنی قسم اٹھا کر فرمایا کہ یہ لوگ مومن نہیں جب تک کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم نہیں مانتے اور آپ کے فیصلوں پر رضامندی کا اظہار نہیں کرتے اور سر تسلیم خم نہیں ہوجاتے

(ط) علم کلام کا قائل کفر، ایمان تصدیق، تکذیب اور اقرار، انکار کے بین مذبذب رہتا ہے وسوسہ میں مبتلا رہتا ہے متحیر متشکک زندگی بسر کرتا ہے وہ مومن تو ہوتا ہے لیکن اس میں تصدیق نہیں ہوتی اس میں انکار تو ہوتا ہے لیکن بظاہر تکذیب نہیں کرتا۔

(ش) امام طحاوی نے علم کلام کے قائل کے حال کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں اضطراب، تردد ہوتا ہے کتاب وسنت سے روگردانی کرتا ہے علم کلام کی جانب رجحان رکھتا ہے یا نہایت ہوشیاری کے ساتھ دونوں کو یکجا کرنے کی ناکام کوشش میں لگا رہتا ہے جب دونوں میں تعارض دیکھتا ہے تو نص کی تاویل کر کے اپنی رائے یا دیگر لوگوں کی آراء کی جانب لوٹتا ہے نتیجۃً تحیر شک واضطراب کی عمیق وادی میں جا گرتا ہے۔ اس رائے کا اظہار ابن رشد کرتا ہے جو فلاسفہ کے مذاہب کا خوب واقف ہے اور جس نے تہافت التہافت میں فلاسفہ پر مقابلے تحریر کئے ہیں اور جس نے الغایات میں قابل ذکر عمدہ اصول ذکر کئے ہیں نیز علامہ آمدی جو اپنے دور کا بہت بڑا فلسفی تھا ہم دیکھتے ہیں وہ بھی مسائل کلامیہ میں متحیر دکھائی دیتا ہے بالکل اسی طرح امام غزالی عمر کے آخری حصہ میں مسائل کلامیہ میں دلچسپی نہیں رکھتے ہیں توقف اختیار کرتے ہیں پھر ان سب مسائل سے اعراض کرتے ہیں ان کی مکمل توجہ احادیث رسول کی طرف ہو جاتی ہے چنانچہ جب وہ فوت ہوئے تو بخاری شریف ان کے سینہ پر تھی اسی طرح امام رازی اقسام اللذات میں رقمطراز ہیں ؎

نہایۃ اقدام العقول عقال	عقل کی آخری منزل رک جانا ہے اور عالمین
وغایۃ سعی العالمین ضلال	کی آخری کوشش گمراہی ہے ہمارے جسموں
وارواحنا فی وحشۃ من جسومنا	سے ہماری روحیں وحشت میں ہیں اور ہماری
وحاصل دنیانا اذی ووبال	دنیا کا حاصل رنج ومحن ہے لمبی عمر ہم نے بحث
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا	تمحیص میں گزار دی لیکن سوائے قیل وقال جمع
سوی ان جمعنا فیہ قیل وقالوا	کرنے کے ہم نے کچھ کام نہ کیا ہم نے کثرت

فكم قد رأينا من رجال و دولة	کے ساتھ حکمرانوں کو دیکھا کہ وہ تمام سرعت
فبادوا جميعا مسرعين وزالوا	رفتاری کے ساتھ تباہ و برباد ہو گئے اور فنا
وكم من جبال قد علت شرفاتها	ہو گئے لیکن کتنے ایسے پہاڑ ہیں جن کی چوٹیوں کو
رجال فزالوا والجبال جبال	لوگوں نے سر کیا۔ سر کرنے والے تو ختم ہو گئے لیکن
	پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں۔

آپ نے متکلمین اور فلاسفہ کے انداز پر غور کیا ہو گا لیکن ان کے علم سے کوئی بیمار شفایاب نہیں ہو سکتا اور نہ کسی کی علمی پیاس بجھ سکتی ہے سمجھنے کے لئے مختصر راستہ تو قرآن کا راستہ ہے۔

اثبات صفات میں ارشاد ربانی ہے:-

الرحمٰن على العرش استوىٰ (طہٰ:۵)	اللہ عرش پر مستوی ہوا

نیز ارشاد ربانی ہے۔

اليه يصعد الكلم الطيب (فاطر:۱۰)	اسی کی جانب پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں۔

منفی صفات میں فرمایا۔

ليس كمثله شئ (الشوریٰ ۱۱)	اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

نیز فرمایا۔

ولا يحيطون به علما (طہٰ ۱۱۰)	اور وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں جس شخص کو میرے جیسا تجربہ حاصل ہوا اسے میرے جیسی معرفت حاصل ہو گی انہی خیالات کا اظہار شیخ محمد بن عبدالکریم شہرستانی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فلاسفہ اور متکلمین کی مجلس سے تو اسے سوائے تحیر اور ندامت کے کچھ نہیں ملا نیز اس کے اشعار ہیں ۔

لعمري لقد طفت المعاهد كلها	وسيرت طرفي بين تلك المعالم
فلم ار الا واضعا كف حائر	على ذقن او قارعا سن نادم

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں تمام مدارس میں گھومتا پھرتا رہا اور میں نے اپنی نگاہ کو تمام بڑے بڑے علمی اداروں میں متحرک رکھا میں نے صرف یہ دیکھا کہ اہل علم تحیر و ماندگی کے عالم میں اپنی ٹھوڑی پر ہتھیلی رکھے ہوئے ہیں یا پشیمانی کے عالم میں دانت پیس رہے ہیں۔

امام ابوالمعالی جوینی کا قول میرے ساتھیو! علم کلام کے ساتھ مشغولیت اختیار نہ

رکھو اگر مجھے علم ہوتا کہ علم کلام مجھے یہاں تک پہنچا دے گا تو میں کبھی اس کے ساتھ مشغولیت اختیار نہ کرتا اس نے بوقت مرگ کہا میں گہرے سمندر میں غوطہ زن ہوا میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو خیرباد کہا اور اس علم میں مشغول ہو گیا۔ جس سے انہوں نے مجھے روکا تھا اگر اس وقت مجھے اللہ کی رحمت میسر نہ ہو تو میرے لئے بربادی ہے میں اعلان کرتا ہوں کہ اب اس وقت میں اپنی والدہ کے عقیدہ یا نیشاپور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدہ پر فوت ہو رہا ہوں۔

شمس الدین خسروشاہی کا قول وہ امام فخرالدین رازی کے جلیل القدر تلامذہ سے ہیں ان کے ہاں ان کے ایک فاضل دوست آئے انہوں نے ان سے ان کے عقیدہ کے بارے میں سوال کیا انہوں نے جواباً کہا میرا عقیدہ وہی ہے جو عام مسلمانوں کا ہے انہوں نے دریافت کیا اس عقیدہ پر آپ کو انشراح صدر ہے اور یقین کی کیفیت موجود ہے انہوں نے اثبات میں جواب دیا امام خسروشاہی نے ایسی نعمت کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا لیکن مجھے اللہ کی قسم کچھ علم نہیں کہ میرا عقیدہ کیا ہے، تین بار یہی کلمات دہرائے یہاں تک کہ آنسوؤں سے ریش مبارک بھیگ گئی۔

عراق کے مشہور عالم ابن ابی الحدید کے اشعار

فیك یا اغلوطة الفکر حار امری وانقضی عمری

سافرت فیك العقول فما ربحت الا اذی السفر

فلحا اللہ الاولی زعموا انك المعروف بالنظر

کذبوا ان الذی ذکروا خارج عن قوۃ البشر

اے غلط فکر تیری وجہ سے مجھے حیرانی ہے اب میری عمر بھی ختم ہو رہی ہے۔ عقل نے تیرے بارے میں سوچا لیکن عقل کو سوائے سوچ کی تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوا اللہ ان لوگوں کو برباد کرے جن کا خیال یہ ہے کہ تیرا فکر صحیح ہے وہ جھوٹ کہتے ہیں وہ جس چیز کا ذکر کرتے ہیں وہ انسانی قوت سے باہر ہے۔

خونجی کا قول موت کے قریب کہتے ہیں میں زندگی بھر فلسفہ کی گتھیاں سلجھاتا رہا لیکن مجھے اس سے زیادہ کچھ حاصل نہ ہو سکا کہ ممکن کسی مرجح کا محتاج ہے اور احتیاج سلبی وصف ہے اب میں

فوت ہو رہا ہوں لیکن میں علم سے بے بہرہ ہوں اسی قسم کے خیالات کا اظہار ایک دوسرا فلسفی کرتا ہے وہ کہتا ہے میں اپنے بستر پر جب لیٹتا ہوں اور اپنے چہرے کو لحاف سے ڈھانپتا ہوں تو میں فلاسفر کے مختلف دلائل کے تقابل میں مصروف رہتا ہوں یہاں تک کہ صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے اور میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتا۔

پس حقیقت یہ ہے جو شخص فلسفہ، علم کلام میں اس حد تک مستغرق ہے اگر اس پر اللہ کی رحمت سایہ افگن نہ ہو تو وہ زندیق ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسف کا قول جو شخص علم کلام میں دین اسلام کو طلب کرتا ہے وہ زندیق ہے اور جو شخص کیمیا گری اس لئے اختیار کرتا ہے کہ اسے مال مل جائے وہ مفلس ہے اور جو شخص غریب حدیثوں کو طلب کرتا ہے وہ جھوٹا ہے

امام شافعی کا قول علم کلام والوں کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان پر کوڑے برسائے جائیں انہیں جوتے لگائے جائیں اور ان کو آبادیوں میں پھرایا جائے اور منادی کی جائے اس شخص کا یہ حال ہوگا جو کتاب و سنت چھوڑ کر علم کلام میں دلچسپی لے نیز وہ فرماتے ہیں: مجھے علم کلام والوں سے ایسی باتوں کے سننے کا اتفاق ہوا ہے میرا خیال نہیں کہ کسی مسلمان کی زبان سے اس قسم کی باتیں نکل سکتی ہیں۔ نیز اگر کوئی شخص شرک کے ماسوا تمام گناہوں میں مبتلا ہو بہتر ہے اس سے کہ وہ علم کلام میں مشغولیت رکھتا ہو۔

ان مذکورہ اقوال پر غور و فکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ متکلمین میں سے کچھ لوگ موت کے وقت اقرار کرتے ہیں کہ ان کا وہی عقیدہ ہے جو بوڑھی عورتوں کا ہے گویا کہ وہ عمر کے آخری حصہ میں فلسفیانہ موشگافیوں سے اعراض کرتے ہیں جن میں وہ زندگی بھر مصروف رہے اب انہیں معلوم ہوا کہ وہ خیالات درست نہ تھے اب عذاب خداوندی سے بچاؤ کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے آپ کو بچوں، بوڑھی عورتوں، جنگلیوں کی صفوں میں کر رہے ہیں جو اہل علم کی اتباع کرتے ہیں۔

اس کا علاج اس بیماری کو دور کرنے کے لئے وہی علاج تجویز کیا جائے جو اس امت کے طبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے آپ تزکیہ قلب کے لئے رات کو

اٹھتے نوافل ادا کرتے اور ذیل کی دعا کے ساتھ نماز کا افتتاح فرماتے۔

اللھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل	اے اللہ! جبریل، میکائل، اسرافیل کے پروردگار
فاطر السمٰوت والارض عالم الغیب	تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے غیب ظاہر کا
والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما	علم رکھنے والا ہے تو بندوں کے درمیان ان کے آپس کے اختلافات
کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ	کا صحیح فیصلہ اپنے اذن کے ساتھ کرے گا۔
من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی	بے شک تو جس شخص کو چاہتا ہے سیدھے
صراط مستقیم (مسلم)	راہ کی ہدایت عطا کرتا ہے۔

اس دعا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے جبریل، میکائل اسرافیل کی ربوبیت کا ذکر فرماتے ہیں اور صحیح راہ کی ہدایت کا سوال کرتے ہیں اس لئے کر دلوں کی زندگی ہدایت کے ساتھ ہے اور یہ تینوں فرشتے زندگی کے مختلف شعبوں کے ساتھ متعلق ہیں۔

حضرت جبریل وحی کے ساتھ متعلق ہیں جس سے دلوں کو تازگی حاصل ہوتی ہے حضرت میکائیل بارش پر مقرر ہیں جس سے حیوانات کو زندگی ملتی ہے اور حضرت اسرافیل صور پھونکنے پر مامور ہیں جس سے تمام عالم کو زندگی ملے گی اور ارواح کا اجسام کی طرف لوٹنا ہوگا پس اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں ان ارواح عظیمہ کی ربوبیت کا وسیلہ لے جانا (جن کا بہرصورت زندگی کے ساتھ تعلق ہے) مطلوب کے حصول میں بہت بڑا مؤثر ہے واللہ المستعان

(ط) جنت والوں کو جنت میں اللہ کی رؤیت حاصل ہوگی لیکن رؤیت کی تاویل وھم یا فہم کے ساتھ کرنا ایمان کی صحت کی علامت نہیں ہے رؤیت اور دیگر معانی جن کی اضافت ربوبیت کی طرف ہے ان کی تاویل نہ کرنا بلاچوں وچرا تسلیم کرنا دین اسلام کا تقاضا ہے اور جو شخص ان معانی میں نفی اور تشبیہ سے نہ بچا وہ سیدھے راہ سے پھسل گیا اس نے اللہ کو منزہ قرار دینے میں صحیح راہ اختیار نہ کیا۔

(ش) امام طحاوی معتزلہ اور ان کے ہم خیال فرقوں کی تردید کرتے ہیں جو رؤیت کی نفی کرتے ہیں اور اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو (بخاری، مسلم) حدیث میں کاف تشبیہ ما مصدریہ یا موصولہ پر داخل ہے جس سے فعل مصدر کے معنیٰ میں ہو گیا ہے یعنی تشبیہ رؤیت میں ہے مرئی میں نہیں مقصود رؤیت کا اثبات ہے دیگر احتمالات کو ختم کرنا ہے پس معنیٰ کے

واضح ہونے میں کچھ شبہ نہیں اگر نص کی تاویل کی جائے تو پھر کوئی نص استدلال کے قابل نہ رہے گی غور کیجئے اگر اس حدیث میں رؤیت کی تاویل علم کے ساتھ کرتے ہیں اور اس فاسد تاویل پر اللہ کے اس قول :-

الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل (الفیل) — کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ہے۔

سے دلیل اخذ کرتے ہیں اس لئے کہ اس آیت میں رؤیت افعال قلوب سے ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ رای افعال قلوب سے ہوتا ہے بلکہ کبھی رؤیت سے مراد رؤیت بصری یعنی رؤیت قلبی اور کبھی خواب دیکھنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے قرائن کی روشنی میں معنیٰ متعین ہوتا ہے اگر قرائن موجود نہ ہوں تو کلام میں اجمال ہوتا ہے وضاحت مفقود ہوتی ہے لیکن مذکورہ حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ رؤیت سے مراد رؤیت بصری ہے ابہام نہیں ہے یہ معنیٰ اس شخص پر مخفی رہتا ہے جس کے دل کو اللہ نے نابینا کر دیا ہے

معتزلہ کا سوال اور اس کا جواب اگر معتزلہ کہیں چونکہ اللہ کی رؤیت محال ہے ممکن نہیں ہے اس لئے عقل نے ہمیں مجبور کیا تب ہم نے رؤیت کی تاویل کی ہے ہم انہیں کہیں گے یہ صرف تمہارا دعویٰ ہے ورنہ عقل اس کو محال نہیں سمجھتی اکثر عقلمند اس میں تمہارے مخالف ہیں مثلاً اگر عقل پر پیش کیا جائے کہ ایک موجود قائم بنفسہ ہے لیکن اس کی رؤیت ممکن نہیں تو عقل کا فیصلہ ہوگا رؤیت کا ممکن نہ ہونا محال ہے۔

عدم رؤیت کا اظہار کر کے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو منزہ قرار دیا ہے لیکن ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کیا کسی موجود سے کمال کی صفت کی نفی کرنا اس کو منزہ بتانا ہے رؤیت کی نفی تو کمال کی صفت نہیں ہے اس لئے کہ معدوم کو تو دیکھا ہی نہیں جا سکتا صفت کمال تو رؤیت کے اثبات میں ہے البتہ ادراک کی نفی میں کمال کا اثبات ہے علم کی نفی میں کمال کی نفی ہے علم کے اثبات میں کمال کا اثبات ہے اور اس کا احاطہ کرنے کی نفی ہے ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا نہ تو رؤیت میں احاطہ کیا جا سکتا ہے نہ ہی علم میں اس کا احاطہ ہو سکتا ہے۔

تاویل کے معانی متاخرین کے ہاں تاویل کا معنیٰ یہ ہے کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنیٰ سے بدل لیا جائے چنانچہ نصوص کی تحریف کرنے والوں نے برملا کہا کہ ہم ان تمام نصوص کی تاویل کریں گے

جو ہمارے اقوال کے مخالف ہوں گی انہوں نے تحریف کا نام تاویل رکھا تاکہ اس کی تزئین و آرائش کر کے اسے قابل قبول بنایا جائے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو باطل کو خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں ارشادِ ربانی ہے۔

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوًا شیاطین	اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں
الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض	اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنایا تھا وہ دھوکہ
زخرف القول غرورًا (الانعام ۱۱۲)	دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں
	ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔

حالانکہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا ہم دیکھتے ہیں کتنے باطل نظریات ہیں جن کے اثبات میں بظاہر مزین دلائل پیش کئے گئے ہیں جن سے حق کا معارضہ کیا گیا ہے اور اس کے دلائل کو نیچا دکھایا گیا ہے بس اس تاویل سے مراد تحریف ہے۔ اس لئے کہ ہر تاویل کو ترک نہیں کیا جا سکتا البتہ تاویلات فاسدہ مبتدعہ جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں یا سلف صالحین کے طریق کے خلاف ہوں ان کا ترک ضروری ہے مثلاً رؤیت کے دلائل کی تاویل یا علو کے دلائل کی تاویل یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا کلام فرمانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنانا کی تاویل فاسد تاویل ہے۔

کتاب وسنت میں تاویل کتاب وسنت میں تاویل سے مقصود وہ حقیقت ہے جس کی طرف کلام کا لوٹنا ہوتا ہے۔ پس خبر کی تاویل سے مراد عین مخبر بہ ہے امر کی تاویل سے مراد نفس فعل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں رسول اللہ علیہ وسلم رکوع میں سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفر لی۔ تلاوت فرماتے قرآن پاک کی تاویل فرماتے (بخاری، مسلم) حدیث میں تاویل سے مراد اصل مقصود معنی ہے نیز ارشاد ربانی ہے۔

ھل ینظرون الا تاویلہ یوم یاتی تاویلہ	کیا یہ لوگ اس کے وقوع کے منتظر ہیں جس
یقول الذین نسوہ من قبل قد جاءت	دن وہ واقع ہو جائے گا تو جو لوگ اس کو پہلے
رسل ربنا بالحق (الاعراف ۵۳)	سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ بول اٹھیں
	گے کہ بے شک ہمارے پروردگار کے رسول
	حق لے کر آتے تھے۔

تاویل کا معنیٰ تاویل رؤیا، خواب کی تاویل، تاویل عمل بھی ہے ارشاد ربانی ہے :-

هٰذا تاویل رؤیای من قبل (یوسف ۱۰۰)	یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا ۔

نیز فرمایا ۔

ویعلمك من تاویل الاحادیث (یوسف ۶)	اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائیگا

نیز فرمایا ۔

ذٰلك خیر واحسن تاویلا (النساء ۵۹)	یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے

نیز فرمایا ۔

سانبئك بتاویل مالم تستطع علیہ صبرا (الکہف)	(مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں ۔

نیز فرمایا

ذٰلك تاویل مالم تستطع علیہ صبراً ۔ (الکہف ۸۲)	یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے ۔

تو کون ہے جو اس قسم کی تاویل کا انکار کرتا ہے جس کا تعلق امر و نہی سے ہے ہاں اگر اللہ کے متعلق یا آخرت کے دن کے بارے میں خبر ہے تو اس کی تاویل یعنی اس کی حقیقت کا علم نہیں ہے ظاہر ہے کہ صرف خبر دینے سے حقیقت کیسے منکشف ہو گی اس کی تاویل کو اللہ ہی جانتا ہے لیکن تاویل کے علم کی نفی سے اس علم کی نفی نہیں ہوتی جو مقصود ہے یعنی اس میں تدبر کیا جائے ۔

تاویل بمعنی تفسیر اکثر مفسرین ابن جریر وغیرہ تاویل سے مراد تفسیر لیتے ہیں یعنی کلام کا معنیٰ بیان کرنا خواہ ظاہر کے موافق ہو یا مخالف ہو اس معنیٰ میں تاویل محمود ہے اگر حق ہو اور اگر باطل ہو تو قابل رد ہے ارشاد خداوندی ہے :-

وما یعلم تاویلہ الا اللہ (آل عمران)	اور اس کی حقیقت کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ۔

اس آیت کی دو قراءتیں ہیں ایک قراءت میں الا اللہ پر وقف ـــــــ دوسری قراءت

میں وقف نہیں ہے دونوں قراتیں درست ہیں پہلی قرات میں متشابہ فی نفسہ مراد ہے جس کا علم خدا کے پاس ہے اور دوسری قرات میں متشابہ اضافی ہے جس کی تاویل، تفسیر کو راسخ علم والے بھی جانتے ہیں لیکن الا اللہ پر وقف کی صورت میں تاویل کا معنی تفسیر کا نہیں ہے اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا کلام نازل فرمایا ہے جس کا معنی نہ امت کو معلوم ہے نہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہے اور راسخ فی العلم کو بھی اسکے معنی کا کچھ پتہ نہیں وہ صرف اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ غیر راسخ بھی ایمان کا اقرار کرتے ہیں تو پھر راسخ فی العلم کا عوام سے الگ کرنا بے سود ہے حضرت ابن عباس کا قول کس قدر حقیقت پر مبنی ہے وہ کہتے ہیں میں ان راسخ فی العلم لوگوں میں سے ہوں جو اس کی تاویل کا علم رکھتے ہیں وہ اپنے قول میں سچے ہیں۔

جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا فرماتے ہوئے کہا اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا کر اور اس کو تاویل کا علم دے (بخاری) اور آپ مستجاب الدعوات تھے آپ کی دعا رد نہیں ہوتی تھی ابن عباس کے شاگرد مجاہد فرماتے ہیں میں نے اول سے آخر تک ابن عباس پر قرآن پاک پیش کیا ہر آیت پر ٹھہرتا اور سوال کرتا چنانچہ متواتر آثار موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس سے قرآن پاک کے تمام معانی منقول ہیں اور کسی آیت کے بارے میں ان سے منقول نہیں ہے کہ وہ متشابہ ہے اور اس کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

امام ابو حنیفہ کے تلامذہ کا قول الاصول میں موجود ہے کہ متشابہ سے مراد سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں یہی قول ابن عباس سے بھی مروی ہے حالانکہ اکثر مفسرین نے ان کے معانی ذکر کئے ہیں پس ان کے بیان کردہ معانی اگر معروف ہیں تو متشابہ کا معنی معروف ہو گیا اگر معروف نہیں ہیں تو متشابہ ہوتے معلوم ہوا کہ ان معانی کے علاوہ معانی معلوم ہیں یہی ہمیں ثابت کرنا تھا نیز اللہ پاک نے آیات کو متشابہ کہا ہے حروف کو متشابہ نہیں کہا جب کہ حروف مقطعات تمام شمار کنندگان کے ہاں آیات نہیں ہیں حروف ہیں۔

متاخرین فقہاء اور متکلمین کے ہاں تاویل کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی لفظ کا راجح معنیٰ ترک کر کے مرجوح معنیٰ مراد لینا اس لئے کہ مرجوع معنیٰ کا متقاضی موجود ہے یہ وہ تاویل ہے جس میں تنازع پایا جاتا ہے خیر الشاء دونوں میں تاویل صحیح وہ ہے جو کتاب وسنت کے نصوص کے موافق ہو اور جو مخالف ہو وہ تاویل فاسد ہے۔

عمرو بن اسماعیل کا قول تبصرہ میں مرقوم ہے عمرو بن اسماعیل سے دریافت کیا گیا وہ آیات اور احادیث جن میں صفات خداوندی کا ذکر ہے ان کا ظاہر معنی تشبیہ کی خبر دیتا ہے آپ نے فرمایا ہم ان آیات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے لیکن کیفیت کا ہمیں علم نہیں ہے خیال رہے نص کے ظاہری معنی کو فاسد قرار دینا یا اقتضاء النص کو فاسد کہنا صحیح نہیں ہے اور جو شخص نص سے فاسد معنی اخذ کرتا ہے اس کا فہم درست نہیں ہے اور اس کا علم کوتاہ ہے شاعر کہتا ہے

وکم من عائب قولا صحیحا　　　　وآفته من الفهم السقیم

اکثر لوگ صحیح قول کو معیوب گردانتے ہیں اصل بیماری یہ ہے کہ ان کا فہم صحیح نہیں ہے

نیز کہا گیا ہے ؎

علی نحت القوافی من مقاطعها　　　　وما علی لهم ان تفهم البقر

میری ذمہ داری ہے تو بس اتنی ہے کہ قوافی؛ مقاطع کو بنا سنوار کر پیش کروں لیکن میری یہ ذمہ داری نہیں کہ گائے وغیرہ کو میرا کلام سمجھ آئے۔

تو جب شعراء لوگ اپنے کلام کو اتنا اونچا سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کی صورت میں وہ لوگوں کے فہم پر اعتراض کرتے ہیں تو اللہ کا کلام جو تمام کلاموں سے سچا اور عمدہ ہے اس میں کس طرح نقص کا ادعا کیا جا سکتا ہے اس کی تعریف کرتے ہوئے خود خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

احکمت ایاته ثم فصلت من　　　　اس کی آیتیں محکم ہیں پھر حکمت والے خبر رکھنے

لدن حکیم خبیر (هود: ۱)　　　　والے (خدا) کی جانب سے ان کی تفصیل کی گئی ہے۔

پس موؤلین کا یہ قول (کہ قرآن پاک اور حدیث پاک کے ظاہر میں گمراہی ہے اس میں ایسا مواد نہیں ہے جس سے عقائد کی اصلاح ہو سکے نہ ہی اس میں توحید، تنزیہ کا ذکر ہے) درست نہیں ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جن علوم کی قرآن پاک نے خبر دی ہے وہ صحیح ہیں اور جن کی خبر سے خاموش رہا ہے وہ درست نہیں ہیں لیکن مؤولین کا دعویٰ ہے کہ قرآن پاک کی دلالت باطل پر ہے لہٰذا اس کی تاویل ضروری ہے۔

ہم ان سے کہیں گے یہ دروازہ جو تم نے کھول رکھا ہے اس میں تم غلط فہمی میں مبتلا ہو تم سمجھتے ہو کہ تم اس طرح اپنے ایماندار بھائیوں پر چند نامعلوم مواقع میں غلبہ حاصل کر لو گے لیکن یاد

رکھو اس طرح تم شرک و بدعت کے دروازوں کو کھول رہے ہو حق کو پھر بند کرنے کی تم میں طاقت نہ ہوگی کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب تم بلا دلیل شرعی قرآن پاک کے الفاظ کو اس کی دلالت وضعی سے پھیرنے کو جائز سمجھتے ہو تو پھر جائز اور ناجائز تاویلات کے درمیان امتیاز قائم کرنے کے لئے کونسا قاعدہ ہوگا اگر تم کہو عقل جس دلالت کو محال کہے گی ہم اس کی تاویل کریں گے وگرنہ ہم اس کو تسلیم کرلیں گے اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کس کی عقل کو میزان قرار دیا جائے گا جب کہ باطنی ذہن والا کہتا ہے ایسے قطعی دلائل موجود ہیں جو شریعت کے ظواہر کو باطل قرار دیتے ہیں اور فلسفی کا خیال ہے کہ حشر نشر کی عدم صحت پر قطعی دلائل موجود ہیں اور معتزلی کا نظریہ ہے اللہ کی رؤیت کے امتناع پر قطعی دلائل موجود ہیں اسی طرح علم کلام میں رحمت کے اللہ کے ساتھ قیام پر امتناع کے مضبوط دلائل پائے جاتے ہیں اس طرح تاویلات کا دروازہ کھل جائے گا مؤولین بظاہر عقلی دلائل کیساتھ اس قدر تاویلات کریں گے جن کا یہاں شمار کرنا ممکن نہیں نیز دو بہت بڑی قباحتوں کا سامنا کرنا پڑے گا پہلی قباحت یہ ہے کہ ہم کتاب و سنت کے مشمولات کی صحت کا اس وقت تک اقرار نہ کریں گے جب تک کہ ہم اپنی عقل کے ساتھ اس کے امکان پر طول طویل ابحاث نہ کریں گے نتیجتہً مختلف مکتب فکر کے حاملین میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ ہمارا مسلک عین عقل کے مطابق ہے اس طرح فضا میں بے چینی کی کیفیت رونما ہو جائے گی کوئی فیصلہ نہ ہو سکے گا دوسری قباحت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عقائد صحیحہ کا ابلاغ کیا ہے ہمارے دلوں سے ان کی صحت کا جزم ختم ہو جائے گا۔ جب کہ الفاظ سے جو ظاہری معنی معلوم ہو رہا ہے وہ قابل اعتماد نہیں اور مختلف قسم کی تاویلات موجود ہیں اس طرح کتاب و سنت سے جن معانی کا قصد اللہ پاک نے فرمایا ہے اس سے بیگانگی ہوگی نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں سے خبردار کیا ہے اور جن کا ذکر قرآن پاک میں صراحت کیساتھ موجود ہے اس کا ترک لازم آئے گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاویل کرنے والے کتاب و سنت کے نصوص کو اصلاً استدلال کے لئے ذکر نہیں کرتے ہاں تقویت کے لئے ذکر کرتے ہیں اگر نصوص عقل کی دلالت کے ساتھ موافق ہیں تو اسے قبول کرتے ہیں اگر مخالف ہیں تو نصوص کی تاویل کرتے ہیں اس طرح الحاد بد دینی کا دروازہ کھلتا ہے (نسأل اللہ العافیۃ)۔

(ط) جو شخص نفی اور تشبیہ سے دور نہ رہا اس کا قدم پھسل گیا اس نے صحیح معنیٰ میں اللہ کو منزہ قرار نہ دیا

(ش) نفی اور تشبیہ دونوں دل کی بیماریاں ہیں چنانچہ دل کی بیماریاں دو طرح کی ہیں اولاً شبہات کی بیماری۔ ثانیاً شہوات کی بیماری: دونوں کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔ ارشاد ربانی ہے

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض (الاحزاب ۳۲)	تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے۔

اس میں شہوت کی بیماری کا ذکر ہے نیز ارشاد ربانی ہے۔

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً (البقرۃ ۱۰)	ان کے دلوں میں کفر کا مرض تھا خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا۔

نیز فرمایا۔

واما الذین فی قلوبھم مرض فزادتھم رجساً الی رجسھم (التوبۃ ۱۲۵)	اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا۔

اس میں شبہ کی بیماری کا ذکر ہے جو شہوت کی بیماری سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے کہ شہوت کی بیماری سے شفا حاصل کرنا ممکن ہے جب شہوت پوری ہو جاتی ہے تو اس کو تسکین حاصل ہو جاتی ہے لیکن شبہ کی بیماری اس وقت تک دور نہیں ہوتی جب تک اللہ کی رحمت سایہ افگن نہ ہو چنانچہ نفی اور تشبیہ کا شبہ صفات خداوندی کے ساتھ متعلق ہے ان دونوں میں سے نفی کا شبہ زیادہ نقصان دہ ہے ظاہر ہے کہ نفی کے شبہ میں اس شریعت کا رد ہے جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا لیکن تشبیہ کے شبہ میں ان حدود سے تجاوز کرنا ہے جن کا آپ نے تعین فرمایا ہے کس قدر واضح ہے کہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا کفر ہے ارشاد ربانی ہے۔

لیس کمثلہ شئ (الشوریٰ ۱۱)	اس کا مثل کوئی نہیں۔

اس طرح صفات کی نفی کرنا بھی کفر ہے ارشاد ربانی ہے۔

وھو السمیع البصیر (الشوریٰ ۱۱)	اور وہ (خدا) سننے والا اور دیکھنے والا ہے

تشبیہ کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا اس کے رد میں اہل کلام کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس ذہن کے لوگ بنسبت دوسری قسم کے لوگوں کے کم ہیں دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں جیسے مشائخ حضرت عزیر، سورج، چاند اصنام، فرشتوں، آگ، پانی، گائے، قبروں، جنوں وغیرہ کی عبادت کرنے والے ان کو خالق کے برابر قرار دیتے ہیں۔

ان کی جانب انبیاء مبعوث کئے گئے کہ انہیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیں جس کا

کوئی شریک نہیں۔

(ط) بلاشبہ ہمارا رب بزرگ و برتر ہے وہ وحدانیت کی صفات کے ساتھ موصوف ہے نیز فردانیت کی صفات کے ساتھ بھی موصوف ہے مخلوق کا کوئی فرد اس کے معنیٰ میں نہیں ہے۔

(ش) امام طحاویؒ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اللہ منزہ ہے اس نے بعض صفات اپنے لئے ثابت کی ہیں اور بعض کی نفی کی ہے چنانچہ سورۂ اخلاص کا یہی مفہوم ہے غالباً ان کا کلام سورۂ اخلاص سے ماخوذ ہے چنانچہ اللہ پاک وحدانیت کے ساتھ موصوف ہے اس کو (قل ہو اللہ احد) سے اخذ کیا ہے، وہ فردانیت کی صفات کے ساتھ موصوف ہے اس کو (اللہ الصمد لم یلد ولم یولد) سے اخذ کیا ہے۔ مخلوق کا کوئی فرد اس کے معنیٰ میں نہیں ہے اس کو (لم یکن لہ کفواً احد) سے اخذ کیا ہے نیز اس سے ان صفات کی تاکید ہوتی ہے جن کا پہلے اثبات ہے نیز تشبیہ کی نفی کی بھی تاکید ہے امام طحاوی نے لفظ وصف اور نعت استعمال کیا ہے دونوں مترادف ہیں یا متقارب ہیں یعنی لفظ وصف ذات پر بولا جاتا ہے جب کہ لفظ نعت فعل کے لئے ہے اسی طرح وحدانیت اور فردانیت مترادف ہیں بعض فرق کرتے ہیں وحدانیت ذات کے ساتھ خاص ہے جبکہ فردانیت صفات کے لئے ہے پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں متوحد ہے اپنی صفات میں منفرد ہے اس کی صحت میں کچھ کلام نہیں البتہ لفظی ایک قسم کا تکرار موجود ہے امام طحاوی معمول کے مطابق تکرار کرتے رہتے ہیں بنسبت عقائد کے خطبوں اور دعاؤں میں تکرار انسب ہے جبکہ خطبوں میں موزوں الفاظ مناسب ہیں اسی طرح (لیس کمثلہ شیٔ) جملہ اللہ کو منزہ قرار دینے میں (لیس فی معناہ احد من البریۃ) سے اکمل ہے۔

(ط) اللہ پاک حدود اور غایات سے بلند ہے اسی طرح ارکان اعضاء اور ادوات سے بھی بلند ہے تمام ایجاد کردہ مخلوقات کی طرح اس کو چھ جہات حاوی نہیں ہیں۔

(ش) امام طحاوی کے کلام کی تشریح سے پہلے ہم ایک مقدمہ ذکر کرتے ہیں تاکہ امام طحاوی کے کلام کو بخوبی سمجھا جا سکے!۔

مقدمہ خیال رہے اللہ پاک پر اس قسم کے الفاظ کے اطلاق میں علماء کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کی نفی کی جائے اللہ پر ان کا اطلاق نہ ہو دوسرا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کو ثابت کیا جائے تیسرا قول یہ ہے کہ ان الفاظ کی نفی اور اثبات مطلق نہیں ہے جو الفاظ شرعاً ثابت ہیں انہیں ثابت کیا جائے جو منفی ہیں ان کی نفی کی جائے یہ قول سلف صالح اور ان کے پیروکار میں

کا ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ اصطلاحی ہیں ان میں اجمال، ابہام موجود ہے ضروری نہیں کہ ان الفاظ کو ان کے لغوی معنوں میں استعمال کیا جائے چنانچہ بعض لوگوں نے ان سے ان معانی کا قصد کیا ہے جو کتاب وسنت اور سلف صالح کے نظریات کے منافی ہیں جب کہ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت میں تو ان کا اثبات ہے نہ ہی ان کی نفی ہے اس لئے ہم اللہ کو ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں کر سکتے جن کے ساتھ اللہ نے خود اپنے آپ کو موصوف نہیں کیا اور نہ اس کے رسول نے آپ کو موصوف کیا ہے بس ہم تو سلف کی تابعداری کرنے والے ہیں کوئی نیا راہ نکالنے کے لئے تیار نہیں ہیں لہٰذا مسئلہ صفات میں ہم غور کریں گے جن صفات کو اللہ اور اس کے رسول نے ثابت کیا ہے ہم ان کا اثبات کریں گے اور جن کی اللہ اور اس کے رسول نے نفی کی ہے ہم ان کی نفی کریں گے نصاً جو الفاظ ثابت ہیں ہم تو ان کے ساتھ ہی اعتصام کریں گے اور جن الفاظ کا نفیاً اثباتاً ذکر نہیں ہے ان کا اطلاق نہیں کریں گے جب تک کہ ہم قائل کا مقصود نہ دیکھ لیں اگر قائل نے جو معنیٰ لیا ہے وہ درست ہے تو ہم اس کو قبول کریں گے لیکن ان کی تعبیر نصوص کے ساتھ کریں گے مجمل الفاظ کے ساتھ تعبیر نہ کریں گے ہاں ضرورت کے وقت قرائن کی موجودگی میں مجمل الفاظ استعمال کریں گے۔ مثلاً ہم جس سے مخاطب ہیں جب تک ہم مجمل الفاظ استعمال نہیں کرتے ہیں وہ ہمارے مقصد سے واقف نہیں ہوتا اب ہم امام طحاوی کے کلام کی تشریح کرتے ہیں۔

مشبہہ کا رد امام صاحب کا مقصود مشبہہ کی تردید ہے جیسے داؤد جواربی اور اس کے ہمخیال لوگ جو قائل ہیں کہ اللہ کا جسم ہے نیز اس کے اعضا ء ہیں۔ (تعالی اللہ عما یقولون علوًا کبیرًا)

یہ نظریہ درست ہے کہ اللہ کا جسم نہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نفی کے عموم میں حق وباطل کو ملا دیا ہے اس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

سلف صالح کا مسلک سلف صالح کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان اللہ کی حد کا علم نہیں رکھتے نہ اس کی صفات کی حد کا انہیں علم ہے امام ابوداؤد طیالسی فرماتے ہیں حضرت سفیان شعبہ، حماد بن زید، حماد بن مسلمہ، شریک، ابوعوانہ کا قول ہے کہ وہ نہ اللہ کی حد کا ذکر کرتے ہیں نہ اس کی تشبیہ اور تمثیل کے قائل ہیں وہ صفات کی احادیث روایت کرتے ہیں لیکن ان کی کیفیات کا ذکر نہیں کرتے اور جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ آثار پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ امام طحاوی بھی ذرا آگے چل کر تحریر کرتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے

عاجز ہے معلوم ہوا اللہ پاک اس سے بلند ہے کہ کوئی شخص اس کا احاطہ کر سکے اس لئے کہ اللہ مخلوق سے الگ ہے منفصل ہے اور اس سے مبائن ہے۔

عبداللہ بن مبارک رح کا بیان ان سے دریافت کیا گیا ہم اپنے رب کی کیسے معرفت حاصل کریں آپ نے فرمایا وہ عرش پر ہے اپنی مخلوق سے مبائن ہے پھر دریافت کیا گیا اللہ اور مخلوق کے درمیان حد ہے فرمایا ہاں حد ہے۔

اور ہم سب جانتے ہیں کہ حد کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کے ساتھ کسی چیز کا دوسری چیز سے انفصال ہوتا ہو اور تمیز ہو۔ اور اللہ پاک اپنی مخلوق میں نہ حلول کرنے والا ہے نہ اس کے ساتھ قائم ہے بلکہ وہ قیوم قائم بنفسہ ہے اپنے ماسوی کو قائم رکھنے والا ہے اس معنیٰ میں لفظ حد میں فی الحقیقت کچھ منازعت نہیں ہے اس لئے کہ اس کی نفی کے بعد تو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی حقیقت کی نفی ہے ہاں لفظ حد کا معنی علم اور قول بھی ہے کہ بندے اس کی حد کریں اس معنیٰ کے لحاظ سے لفظ حد کا اللہ سے انتفاء ہے تمام اہل سنت کا یہی قول ہے

سہل بن عبداللہ تستری کا قول ابوالقاسم قشیری نے اپنے رسالہ میں سند کے ساتھ سہل بن عبداللہ سے نقل کیا ہے ان سے اللہ کی ذات کے بارے میں سوال ہوا انہوں نے جواب دیا اللہ کی ذات علم کے ساتھ موصوف ہے احاطہ کے ساتھ اس کا ادراک نہیں ہو سکتا اور نہ دنیا میں ان آنکھوں سے اس کو دیکھا جا سکتا ہے اللہ کی ذات ایمان کے حقائق کے ساتھ موجود ہے یعنی وہ حد کے ساتھ نہیں ہے نہ اس کا احاطہ ہے نہ اس کے لئے حلول ہے دار آخرت میں آنکھیں اس کا دیدار کر سکیں گی وہ ذات اپنی بادشاہت اور قدرت کے لحاظ سے ظاہر ہے لیکن اس نے مخلوق کو اپنی ذات کی حقیقت کی معرفت سے حجاب میں کر دیا ہے البتہ آیات کے ساتھ اپنی ذات پر راہ نمائی کی ہے پس دل اس کی معرفت رکھتے ہیں آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہیں مؤمن آنکھوں کے ساتھ اللہ کو دیکھ سکتے ہیں لیکن اس کا احاطہ ادراک نہیں کر سکتے۔

امام طحاوی نے ارکان، اعضاء، ادوات کی نفی کی ہے لیکن جو صفات ادلہ قطعیہ کے ساتھ ثابت ہیں جیسے چہرہ، ہاتھ وغیرہ بعض نفی کرنے والوں نے ان کی بھی نفی کر دی ہے یہ درست نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا قول فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اس کا ہاتھ چہرہ اور نفس ہے جیسا کہ ان کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے البتہ ان کی کیفیت معلوم نہیں اسی طرح ید یعنی ہاتھ کی تاویل قدرت اور نعمت سے کرنا بھی درست نہیں اس طرح بھی اللہ کی صفات کا ابطال ہوتا ہے امام ابوحنیفہ کا قول ادلہ قطعیہ کے ساتھ ثابت ہے ارشادِ خداوندی ہے۔

مامنعك ان تسجد لما خلقت بیدی (ص ۷۵)	جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

والارض جمیعا قبضته یوم القیامة و السموات مطویات بیمینه (الزمر ۶۷)	اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔

نیز فرمایا۔

کل شیٔ هالك الا وجهه (القصص ۸۸)	اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

نیز فرمایا۔

و یبقیٰ وجه ربك ذوالجلال والاکرام (الرحمٰن ۲۷)	اور تیرے پروردگار عزت اور بزرگی والے کی ذات باقی رہے گی۔

نیز فرمایا:۔

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك (المائدہ ۱۱۶)	جو بات میرے دل میں ہے تو اسے بھی جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

نیز فرمایا۔

کتب ربکم علیٰ نفسه الرحمة (الانعام ۵۴)	خدا نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

نیز فرمایا

واصطنعتك لنفسی (طٰہٰ: ۴۱) اور میں نے اپنے نفس کے لئے تیرا انتخاب کیا

نیز فرمایا

ویحذرکم اللہ نفسہ (آل عمران ۲۸) اور اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی شفاعت کی حدیث میں ہے کہ تمام لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اسے کہیں گے تجھے اللہ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ پیدا کیا اور فرشتوں سے تجھے سجدہ کرایا نیز تجھے تمام چیزوں کے نام سکھائے (بخاری) پس جو شخص ید کی تاویل قدرت سے کرتا ہے اس کی تاویل درست نہیں اس لئے کہ اللہ کے قول

لما خلقت بیدی (ص ۷۵) جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

میں قدرت کا معنیٰ درست نہیں جبکہ لفظ ید کا یہاں تثنیہ واقع ہے نیز اگر اس کا معنیٰ قدرت درست سمجھا جائے تو پھر ابلیس کہہ سکتا تھا کہ آدم کو بھی تو نے قدرت کے ساتھ پیدا کیا ہے اس کی مجھ پر فضیلت کس لئے ہے معلوم ہوتا ہے ابلیس اگرچہ کافر تھا لیکن اسے اللہ کی معرفت جہمیہ سے زیادہ تھی ہاں اللہ کے اس قول کہ

اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا کیا انہوں نے نہیں دیکھا ہے کہ جو چیزیں
انعاما فھم لھا مالکون ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی انہیں سے
(یٰسٓ ۷۱) ہم نے ان کے لئے چارپائے پیدا کر دیئے
اور یہ ان کے مالک ہیں۔

سے بھی ان کا استدلال درست نہیں اس لئے کہ اس آیت میں لفظ ایدی جمع ہے اس کی اضافت جمع کی ضمیر کی طرف ہے تاکہ تناسب قائم رہے اور ان دونوں کی دلالت اللہ کی بادشاہت اور عظمت پر ہے اسی طرح ایدی کی اضافت مفرد کی ضمیر کی جانب نہیں کی ہے نہ ہی تثنیہ کا صیغہ لا کر ضمیر جمع کی طرف مضاف کیا ہے پس (مما عملت ایدینا) لما خلقت بیدی کی نظیر نہیں ہے نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس کا حجاب بھی نور کا ہے اگر وہ حجاب کو اتار دے تو اس کے چہرے کے انوار جہاں اس کی مخلوق تک اس کی نظر جاتی ہے اس کو جلا دے (حدیث صحیح ہے)

لیکن ان صفات کو اعضاء، جوارح، ادوات، ارکان کا نام نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ رکن ماہیت کا جزء ہے جب کہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے اس کے اجزا نہیں ہیں وہ پاک اور بلند

ہے اعضاء میں الگ الگ کرنا اور ٹکڑے ٹکڑے کے معانی موجود ہیں اللہ اس سے بھی بلند ہے اس کا ذکر اللہ کے اس قول میں موجود ہے۔

الذین جعلوا القرآن عضین — وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو پارہ پارہ کیا۔

(الحجر: ۹۱)

جوارح میں اکتساب اور انتفاع کا معنی موجود ہے اسی طرح ادوات ان الات کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ فوائد حاصل ہوتے ہیں اور نقصانات سے دور رہا جاتا ہے یہ تمام معانی اللہ سے منفی ہیں اسی لئے صفات خداوندی میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

معلوم ہوا جو الفاظ شریعت میں مستعمل ہیں ان کے معانی صحیح ہیں نیز وہ فاسد احتمالات سے محفوظ ہیں

اسی لئے شرع میں نفیاً یا اثباتاً الفاظ شرعیہ سے اعراض نہیں کیا جاتا تاکہ فاسد معنی ثابت نہ ہو جائے یا صحیح معنی کی نفی نہ ہو جائے اور یہ تمام مجمل الفاظ بظاہر حق و باطل دونوں کے لئے ممکن ہیں۔

جہت کی وضاحت

کبھی جہت سے موجود چیز مراد لی جاتی ہے اور کبھی معدوم، ظاہر ہے کہ خالق اور مخلوق کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے تو جب جہت سے مراد اللہ کے ماسوی موجود چیز ہے تو وہ مخلوق ہے لیکن اللہ کو کوئی چیز حصر نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی مخلوق اس کا احاطہ کر سکتی ہے اللہ پاک اس سے بلند ہے اور اگر جہت سے مراد عدمی چیز ہے یعنی ما فوق العالم مراد ہے تو وہاں ایک اللہ کے علاوہ کوئی نہیں تو جب کہا جاتا ہے کہ وہ اس اعتبار کے ساتھ جہت میں ہے یہ صحیح ہے مقصود یہ ہے کہ اللہ عالم سے مافوق ہے جہاں مخلوق کی انتہا ہے وہ سب سے اوپر ہے سب سے بلند ہے اور لفظ جہت کی نفی کرنے والے جن کا ارادہ علو کی نفی ہے وہ اپنے دلائل ذکر کرتے ہیں کہ تمام جہات مخلوق ہیں اللہ جہات سے پہلے تھا اور جو شخص اس کو جہت میں مانتا ہے گویا کہ وہ عالم کی کسی چیز کو قدیم مانتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اللہ جہت سے مستغنی تھا پھر جہت میں چلا گیا اس قسم کے الفاظ اس بات پر دال ہیں کہ اللہ مخلوقات میں نہیں ہے خواہ اس کا نام جہت ہے یا کوئی اور ہے یہی مسلک صحیح ہے۔

لیکن جہت امر وجودی نہیں ہے بلکہ اعتباری ہے نیز اس میں شک نہیں کہ جہات کی انتہا

نہیں ہے اور جو چیز مالانھایہ میں موجود نہیں وہ موجود نہیں ہے۔

امام طحاویؒ کا قول اللہ کو چھ جہات حاوی نہیں ہیں جس طرح کہ مخلوقات کو حاوی ہوتی ہیں۔
درست ہے ظاہر ہے کہ کسی مخلوق نے اللہ کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہے بلکہ اللہ ہر چیز کو محیط ہے اور اس پر بلند ہے امام طحاوی کا یہی مقصود معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر چیز کو محیط اور اس کے اوپر ہے معلوم ہوا اللہ کو کوئی چیز حاوی نہیں نہ اس کا کسی نے احاطہ کیا ہوا ہے جیسا کہ اللہ کے علاوہ مخلوقات کا احاطہ ہے۔

البتہ اس مقام میں دو باتیں ایسی ہیں جن پر غور کیا جائے۔ اولاً مجمل محتمل لفظ کا اطلاق نہ کرنا زیادہ بہتر ہے وگرنہ احاطہ، فوقیت اور علو کی جہت کی نفی دونوں لازم آئیں گی جن میں تناقض ہے اگر کہا جائے کہ نفی اس بات کی ہے کہ اس پر مخلوقات حاوی ہیں اس لحاظ سے الفاظ شرعیہ کو اختیار کرنا انسب ہے۔ ثانیاً: امام طحاوی نے (کسائر المبتدعات) الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مبتدع یعنی مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے لیکن یہ قول قابلِ اعتراض ہے اس لئے کہ اگر اس کا احاطہ وجودی چیز کے ساتھ ہے تو یہ قابلِ تسلیم نہیں اس لئے کہ یہ عالم کسی دوسرے عالم میں نہیں ہے۔ وگرنہ تسلسل لازم آئے گا اگر عدمی کے ساتھ ہے تو کوئی مخلوق عدم میں نہیں ہے بلکہ بعض تو اس کے غیر میں داخل ہیں جیسے آسمان زمین، کرسی میں داخل ہیں اور بعض چیزیں تو مخلوقات کا انتہا ہیں جیسے عرش ہے اس لحاظ سے عالم کی سطح اپنے غیر میں نہیں ہے تاکہ تسلسل لازم نہ آئے پس اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ لفظ سائر باقی کے معنیٰ میں ہے تمام کے معنیٰ میں نہیں ہے یہی اس کا اصل لغوی معنیٰ ہے اسی سے لفظ سؤر استعمال ہوتا ہے جس کا معنیٰ پینے والا جو برتن میں باقی چھوڑتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مقصود اکثر مخلوق ہے تمام مخلوق نہیں ہے اس لئے کہ لفظ سائر کی دلالت اکثر پر بنسبت جمیع کے زیادہ ہے تو معنیٰ یوں ہوگا کہ اللہ کا احاطہ نہیں ہوا ہے جیسا کہ اکثر مخلوقات کا احاطہ ہے بلکہ اللہ پر تو کوئی چیز حاوی نہیں ہے۔
اللہ اس سے بلند ہے خیال رہے کہ ہم امام طحاوی کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتے ہیں کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ نہ عالم میں داخل نہ خارج ہے یعنی دونوں کی نفی ہے کسی کی تعیین نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین کا یہی خیال ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ اس سے منزہ ہے کہ اس کا کسی مخلوق نے احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ کسی چیز کا محتاج ہے یعنی عرش وغیرہ کا بھی محتاج نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ پر غلط الزام امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اللہ کو نہ عالم میں داخل سمجھتے ہیں نہ خارج سمجھتے ہیں۔ درست نہیں اس لئے کہ اگر ان سے اس قسم کا قول منقول ہوتا تو ان کے مخالفین لازماً اس کا ان پر اعتراض کرتے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے مخالفین نے معمولی معمولی باتوں کو بھی معاف نہیں کیا اور انہیں مطعون قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابومطیع بلخی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اللہ کے لئے علو ثابت کرتے ہیں جب کہ ان کے سابقہ کلام سے اس کی نفی ہوتی ہے کتاب وسنت میں بھی اس کا کچھ جواز نہیں ہے اسی لئے ہم اس قسم کے قول کی امام ابوحنیفہ کی جانب نسبت صحیح نہیں سمجھتے البتہ جو الفاظ شریعت میں استعمال ہوتے ہیں ہم انہیں استعمال کرتے ہیں جیسے لفظ استواء اور نزول ہے اور جو شخص یہ خیال کرتا ہے (کہ اللہ جب آسمان دنیا کی جانب نزول کرتا ہے تو عرش اللہ سے اوپر ہو جاتا ہے اللہ عالم کے دو طبقات میں محصور ہو جاتا ہے) وہ جاہل ہے اس کا قول اجماع سلف کے مخالف ہے بلکہ کتاب وسنت کے مخالف ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابوعثمان صابونی اپنے اسناد ابومنصور سے اللہ کے نزول کی حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے نزول کے بارے میں سوال ہوا آپ نے فرمایا اللہ نزول کرتا ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

پس جس شخص نے علو کی نفی میں توقف اختیار کیا ہے دراصل اس کو کتاب وسنت اور اقوال سلف کی معرفت نہیں یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ اللہ کے عرش کے اوپر ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں نہ مباین ہے نہ الگ ہے نہ عالم میں داخل ہے نہ عالم سے خارج ہے وہ اللہ کو عدم اور امتناع کی صفت کے ساتھ موصوف کرتے ہیں لیکن جن صفات کے ساتھ خود اللہ نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے۔ انہوں نے ان کے ساتھ موصوف نہیں کیا مثلاً اس کے علو ہونے اور عرش پر مستوی ہونے کے اوصاف وغیرہ

بعض نے کہا اس کا ہر موجود میں حلول ہے بعض نے اسکو ہر موجود کا وجود قرار دیا تعالی اللہ عما یقول الظالمون والملحدون علوًا کبیرًا اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

(ط) معراج کا واقعہ صحیح ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسراء اور آسمان کی جانب آپ کا معراج بیداری میں ہوا پھر جس بلندی پر اللہ نے چاہا آپ کو لے جایا گیا اللہ نے آپ کو جس طرح چاہا عزت عطا کی اور آپ کی جانب جو وحی کرنا چاہی اس کی وحی کی دل نے جو دیکھا اس کو جھوٹ نہ جانا آپ پر آخرت اور دنیا میں اللہ کی رحمتیں ہوں۔

(ش) لفظ معراج کا اشتقاق "العروج" سے ہے اس سے مراد وہ آلہ ہے جس کے ذریعہ بلندی کی طرف جایا جاتا ہے معراج کو ایک قسم کی سیڑھی سمجھیں جبکہ اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے اس کے بارے میں وہی حکم ہے جو دیگر غائب چیزوں کے بارے میں ہے کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کی کیفیت سے بے خبر ہیں۔

اسراء کا ذکر اسراء کے مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک قول یہ ہے کہ اسراء روح کے ساتھ ہوا آپ کا جسم یہاں موجود رہا حضرت عائشہ، معاویہ کا یہی قول ہے حضرت حسن بصری سے بھی یہی منقول ہے لیکن اس میں کہ اسراء نیند کی حالت یا آپ کے روح کو لے جایا گیا (جسم نہیں لے جایا گیا) دونوں میں فرق ہے جس کو سمجھنا چاہیے چنانچہ حضرت عائشہ اور معاویہ کا خیال ہے آپ کی روح کو لے جایا گیا جسم وہیں موجود رہا یعنی یہ واقعہ خواب کا نہیں ہے اس لئے کہ نیند میں انسان بعض معلوم چیزوں کے امثال کو محسوس شکل میں دیکھتا ہے تو نیند میں اسراء کی کیفیت یہ ہو گی آپ دیکھتے ہیں گویا کہ آپ کو آسمان کی جانب چڑھایا گیا نیز آپ کو لے جایا گیا لیکن آپ کی روح کو صعود نہیں ہوا نہ وہ کہیں گئی ہے صرف اتنا ہوا کہ خواب پر مقرر فرشتہ نے آپ کے سامنے امثال کو پیش کر دیا تو یہ معاملہ نیند کا ہے ظاہر ہے کہ آپ کا اسراء عالم خواب میں نہ تھا بلکہ اسراء میں آپ کی روح کو لے جایا گیا وہ جسم سے علیحدہ ہو گئی پھر آپ کے جسم میں واپس آ گئی پس یہ آپ کی خصوصیت ہے جب کہ آپ کے غیر کی روح کا اس دنیا میں آسمان کی جانب صعود کامل نہیں ہوتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اسراء دو بار ہوا ہے ایک بار عالم بیداری میں پیش آیا دوسری بار حالت خواب میں پیش آیا اس قول سے روایات میں توافق ہو جاتا ہے بظاہر تناقض ختم ہو جاتا ہے بعض کا خیال ہے ایک بار نزول وحی سے پہلے دوسری بار نزول وحی کے بعد ہوا بعض کا خیال ہے تین بار ہوا ایک بار وحی سے پہلے دو بار وحی کے نزول کے بعد ہوا اس قول والے بھی کہتے ہیں کہ اس سے اسراء کے واقعہ میں جو تضاد ہے ختم ہو جاتا ہے الگ الگ محمل بن جاتے ہیں لیکن صرف تضاد ختم کرنے کے لئے واقعہ میں تعدد پیدا کرنا مضبوط لوگوں کا کام نہیں اس سے ان کا ضعف مترشح ہو رہا ہے جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ واقعہ اسراء صرف ایک بار مکہ میں پیش آیا جب آپ مبعوث ہو چکے تھے البتہ ہجرت سے ایک سال قبل بعض کے ہاں ایک سال دو ماہ قبل ہوا (ابن عبدالبر)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: ان لوگوں سے تعجب ہے جو کہتے ہیں اسراء کئی بار ہوا بھلا اس

بات کو کیسے جائز سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر بار پچاس نمازیں فرض ہوتی ہوں اور آپ حضرت موسیٰ اور اللہ پاک کے درمیان چکر لگاتے رہے ہوں یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں پھر اللہ پاک نے فرمایا میں نے نماز کی فرضیت کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی چنانچہ تعدد کے الفاظ کی غلطی کو حفاظ نے شریک کی جانب منسوب کیا ہے دیکھئے امام مسلم نے اسراء کی حدیث کو مسند ذکر فرمایا اور واضح کیا کہ الفاظ کی تقدیم، تاخیر، کمی، زیادتی کی ذمہ داری شریک پر ہے۔

واقعہ اسراء کی تفصیل صحیح روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا اسراء عالم بیداری میں ہوا پہلے آپ کو براق پر سوار کرایا گیا حضرت جبرئیل آپ کے ساتھ تھے آپ براق پر سوار ہو کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی جانب روانہ ہوئے مسجد اقصیٰ میں آپ نے نزول فرمایا وہاں براق کو مسجد کے دروازہ پر ایک حلقہ سے باندھا آپ نے مسجد میں انبیاء کی امامت کرائی یہ کہنا کہ اس سفر میں آپ بیت اللحم میں اترے وہاں بھی آپ نے نماز ادا کی صحیح نہیں پھر اسی رات آپ کو بیت المقدس سے آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا حضرت جبریل نے آپ کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا چنانچہ دروازہ کھولا گیا دونوں کو اوپر جانے کی اجازت مل گئی پہلے آسمان میں آپ نے حضرت آدم ابو البشر کو دیکھا انہیں سلام کہا حضرت آدم نے جواباً سلام کہا اور مرحبا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا آپ کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا گیا وہاں آپ کی ملاقات حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ہوتی ہے آپ نے انہیں سلام کہا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور آپ کو مرحبا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کا معراج تیسرے آسمان کی جانب ہوا وہاں آپ نے حضرت یوسف کو دیکھا حضرت یوسف نے آپ پر سلام کہا اور مرحبا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو چوتھے آسمان کا معراج کرایا گیا وہاں آپ نے حضرت ادریس کو دیکھا حضرت ادریسؑ نے آپ پر سلام کہا اور مرحبا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو پانچویں آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ نے حضرت ہارون کو دیکھا حضرت ہارونؑ نے آپ کو سلام کہا اور مرحبا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا وہاں سے آپ کو چھٹے آسمان کا معراج کرایا گیا وہاں آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی اس نے بھی آپ کو سلام کہا مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا جب وہاں سے آگے جانے لگے تو حضرت موسیٰؑ رو دیئے ان سے دریافت کیا گیا آپ کے رونے کا کیا سبب ہے جواب دیا میں اس لئے رو دیا ہوں

کہ میرے بعد ایک نوجوان مبعوث ہوا کہ اس کی امت سے بنسبت میری امت کے زیادہ تعداد میں لوگ جنت میں جائیں گے پھر آپ کو ساتویں آسمان کا معراج کرایا گیا وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم سے ہوتی ہے اس نے آپ کو سلام کہا مرحبا کہا نیز آپ کی نبوت کا اقرار کیا پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی جانب لے جایا گیا وہاں آپ کے سامنے بیت المعمور پیش کیا گیا وہاں سے آپ کو اللہ جبار کی طرف لے جایا گیا آپ اللہ کے قریب ہوئے قریب دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ ہوگا وہاں اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنا تھی کی نیز آپ پر پچاس نمازیں فرض کیں آپ واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا آپ کو کیا حکم ملا ہے؟ فرمایا پچاس نمازیں حضرت موسیٰ نے کہا آپ کی امت میں اس کی استطاعت نہیں ہے آپ اپنے رب کی جانب واپس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کریں آپ نے جبریل کی جانب یوں دیکھا کہ آپ ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں تو حضرت جبریل نے مشورہ دیا کہ درست ہے اگر آپ کا ارادہ ہو چنانچہ حضرت جبرائیل آپ کو اللہ جبار کے اسی مقام کی جانب لے گئے (الفاظ بخاری کے ہیں) بعض روایات میں ہے کہ اللہ نے دس نمازیں معاف کر دیں پھر آپ نیچے اترے آپ حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے انہیں بتایا حضرت موسیٰ نے مشورہ دیا کہ آپ پھر واپس جائیں اور تخفیف کا مطالبہ کریں چنانچہ آپ حضرت موسیٰ اور اللہ کے درمیان آتے جاتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہ گئیں پھر بھی حضرت موسیٰ نے واپس جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ تخفیف کا مطالبہ کریں اس پر آپ نے فرمایا مجھے اپنے رب سے شرم آرہی ہے اب میں اس پر رضامندی کا اظہار کرتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں جب اس حکم کا نفاذ کامل ہو گیا تو منادی کرنے والے نے منادی کر دی میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا ہے اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی ہے [1]

کیا معراج میں آپ نے اللہ کا دیدار کیا؟ اس میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے کہ آپ نے

---

[1] حدیث صحیح ہے متفرق احادیث کے الفاظ یکجا کر دیئے گئے ہیں البتہ آپ کا اللہ کے قریب ہونے کے بارے میں الفاظ شریک کی روایت کے ہیں جس پر حفاظ نے خاص طور پر اس حدیث کو محل تنقید بنایا ہے۔

اللہ کو ان آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا صحیح مسلک یہ ہے کہ آپ نے دل کی آنکھوں سے دیکھا سو ان آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن اللہ کے قول۔

ماکذب الفؤاد ما رایٰ (النجم ۱۱) ⁂ جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا

نیز فرمایا۔

ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ (النجم ۱۳) اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے

بھی صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے حضرت جبرئیل کو دیکھا صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت جبریل کو اس کی اصل صورت میں دو بار دیکھا۔

سورۂ نجم میں اللہ کے قول

ثم دنیٰ فتدلیٰ) پھر قریب ہوئے اور اور آگے بڑھے)

اس دنو اور تدلی سے مراد وہ دنو اور تدلی نہیں جس کا ذکر سورۂ اسراء میں ہے سورۂ نجم میں دنو اور تدلی سے مراد حضرت جبریل کا قریب آنا اور اترنا مراد ہے یہی قول حضرت عائشہؓ اور ابن مسعود کا ہے ارشاد ربانی ہے۔

علمہ شدید القویٰ ذو مرۃ فاستویٰ ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا (یعنی
وھو بالافق الاعلیٰ ثم دنا فتدلیٰ جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے
(النجم ۵ - ۸) اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے پھر
⁂ ⁂ ⁂ قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔

اس میں تمام ضمائر کا مرجع شدید القویٰ یعنی حضرت جبریل ہیں البتہ اسراء کی حدیث میں اللہ پاک مراد ہیں کہ اللہ آپ کے قریب ہوا[1]

آپ کو اسراء جسم کے ساتھ بیداری میں ہوا اس پر اللہ کا قول

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے
المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس)
(الاسراء ۱) تک لے گیا۔

---

[1] یہاں شارح کو غلطی لگی ہے سورۂ اسراء میں تو اس کا ذکر ہی نہیں۔

دلالت کر رہا ہے اس لئے کہ لفظ عبد کا اطلاق جسم، روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے جیسا کہ انسان بھی جسم، روح کے مجموعہ کا نام ہے اس لحاظ سے اسراء دونوں کا ہوا پھر عقلاً بھی یہ بات ممتنع نہیں ہے اگرچہ جس طرح فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا مستبعد ہے اسی طرح انسان کا بھی اوپر صعود کرنا مستبعد ہے لیکن اگر ہم مسئلہ اسراء کا انکار کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف نبوت کا انکار لازم آتا ہے بلکہ کفر بھی لازم آتا ہے۔

بیت المقدس کی طرف اسراء میں حکمت آپ کو اگر مسجد حرام سے ہی آسمانوں کی جانب لے جایا جاتا اور بیت المقدس کی جانب نہ لے جایا جاتا تو آپ کی نبوت کی صداقت ظاہر نہ ہوتی اس میں جب قریش نے آپ سے بیت المقدس کے نشانات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے انہیں بتایا۔ مزید اس قافلہ سے بھی آپ نے بتایا جو آپ کو راستہ میں ملا تھا بصورت دیگر آپ کی نبوت کی صداقت پر دلیل نہ تھی مثلاً اگر آپ آسمان کے واقعات کے بارے میں بتاتے ہیں تو وہ ان واقعات سے باخبر نہ تھے اس لئے وہ کیسے آپ کی تصدیق کرتے اب آپ نے جب ان نشانات کا ذکر کیا جن سے وہ متعارف تھے تو اس سے آپ کی صداقت نمایاں ہو گئی۔ تدبر اور تفکر کے بعد اس حدیث سے اللہ کا وصف علو ثابت ہو رہا ہے (وباللہ التوفیق)

(ط) حوض کوثر وہ نعمت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خاص طور پر عزت بخشی۔

(ش) جن احادیث میں حوض کوثر کا ذکر ہے وہ حد تواتر تک پہنچتی ہیں تیس سے زائد صحابہ کرام سے مروی ہیں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں تمام طرق کا استیعاب کیا ہے امام بخاری حضرت انس سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ اور صنعاء کے درمیان مسافت ہے حوض کوثر پہ آسمان کے ستاروں کے برابر آبخورے ہوں گے [1] نیز حضرت انس سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کچھ لوگ میرے صحابہ سے وارد ہوں گے جب ان کو پہچان لوں گا تو انہیں مجھ سے الگ کر دیا جائے گا میں کہوں گا یہ تو میرے صحابہ تھے جواب ملے گا آپ نہیں جانتے ہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے [2] نیز امام احمد

---

[1] مسلم میں سونے چاندی کے آبخوروں کا ذکر ہے۔

[2] (بخاری) مؤلف اگر بخاری کا ذکر فرماتے تو بہتر تھا اس لئے کہ حدیث کے بعینہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

حضرت انس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ پر غنودگی طاری ہوئی آپ نے سر اونچا فرمایا آپ مسکرا رہے تھے (راوی کو شک ہے) آپ نے ان سے کہا یا انہوں نے آپ سے دریافت کیا آپ کیوں مسکرائے آپ نے فرمایا ابھی مجھ پر سورۂ کوثر کا نزول ہوا آپ نے تلاوت فرمائی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ انا اعطیناک الکوثر (۱) پوری سورت کی تلاوت کی پھر آپ نے ان سے کہا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ جنت میں ایک نہر کا نام ہے میرے رب نے مجھے اس کا عطیہ دیا ہے۔ وہاں بہت زیادہ خیر ہوگی وہاں مجھ پر میری امت داخل ہوگی حوض کوثر کے آبخورے ستاروں کی گنتی کے برابر ہوں گے داخل ہونے والوں میں سے ایک بندے کو ہٹایا جائے گا۔ میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میری امت سے ہے مجھے کہا جائے گا آپ نہیں جانتے ہیں انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کام نکال لئے تھے (مسلم) نیز مسلم کے الفاظ یوں ہے وہ ایک نہر ہے جس کا اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے اس پر بہت زیادہ بھلائی ہوگی وہی حوض ہے جہاں مجھ پر قیامت کے روز میری امت وارد ہوگی باقی الفاظ اس کے مثل ہیں مقصود یہ ہے کہ حوض میں کوثر سے دو پرنالے گر رہے ہوں گے[۱] حوض محشر کے میدان ہوگا اس کا محل وقوع پل صراط سے پہلے تعجب کہ ثابت ہے کہ کچھ لوگوں کو روک دیا جائے گا۔ جنہوں نے ارتداد اختیار کیا تو ایسے لوگ پل صراط پر سے نہیں گزر سکیں گے پس حوض محشر کے میدان میں ہے جنت میں نہیں البتہ حوض کوثر جنت میں ہے۔

جندب بن عبداللہ بجلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے میں تم سے پہلے حوض پر ہوں گا (بخاری، مسلم) حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے پہلے حوض پر ہوں گا جس شخص کا مجھ پہ گزر ہوا وہ پانی پی لے گا اور جس نے پانی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا کچھ لوگ مجھ پر وارد ہوں گے جن کو میں پہچانتا ہوں وہ مجھے پہچانتے ہیں پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہوگا میں کہوں گا یہ تو میری امت سے ہیں جواب ملے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے اس پر

---

[۱] مقصود یہ ہے کہ نہر کوثر جنت میں واقع ہے لیکن حوض کا محل وقوع محشر کے میدان میں ہوگا تو اس حوض میں کوثر سے پانی کے دو پرنالے گر رہے ہوں گے اس لئے اس کا نام حوض کوثر ہے۔

کہتا ہوگا وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے بعد تبدیلیاں کیں۔

حوض کے بیان میں جس قدر احادیث مروی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بہت بڑا حوض ہے عظمت و شرف والا پانی کا گھاٹ ہے نہر کوثر جنت کی نہر ہے اس میں پانی گرے گا جو دودھ سے زیادہ سفید برف سے زیادہ ٹھنڈا شہد سے زیادہ شیریں کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگا۔ بہت زیادہ وسیع عریض ہوگا اس کا طول، عرض مساوی ہوگا اس کے ایک زاویہ کی مسافت ایک ماہ میں طے ہوگی ایک روایت میں ہے اس سے جس قدر پی لیا جائے گا اس سے زیادہ وسعت میں ہو جائے گا۔ اس کے وسط سے کستوری موتی اور سونے کی سلاخیں اگیں گی۔ رنگا رنگ کے موتی نمودار ہوں گے پس پاک ہے وہ خالق جو کسی چیز کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہے۔

نیز احادیث میں وارد ہے کہ ہر نبی کو حوض ملے گا لیکن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض سب سے بڑا سب سے شیریں سب سے زیادہ ازدحام والا ہوگا۔ جعلنا اللہ منهم بفضله وكرمه۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی "التذکرہ" میں رقمطراز ہیں ترازو اور حوض کے بارے میں اختلاف ہے کہ کون پہلے ہوگا، بعض نے ترازو کا ذکر کیا، بعض نے حوض کا ذکر کیا ہے ابوالحسن قابسی کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ حوض پہلے ہوگا علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہی بات درست معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ لوگ قبروں سے نکلیں گے تو پیاسے ہوں گے تو ترازو اور پل صراط سے پہلے انہیں حوض کوثر سے گزرنا ہوگا۔

امام غزالی "کشف علم الآخرۃ" میں فرماتے ہیں بعض سلف کا قول ہے کہ حوض پل صراط کے بعد ہوگا یہ درست نہیں، علامہ قرطبی، امام غزالی کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس غلط فہمی سے بچنا چاہیے کہ اس کا محل وقوع دنیا کی اس زمین پر ہوگا بلکہ وہ تبدیل شدہ زمین پر ہوگا جو چاندی کی طرح سفید ہوگی جس پر کسی نے کسی کا نہ خون بہایا ہے نہ کسی پر ظلم کیا ہے اس قسم کی زمین کا ظہور اس وقت ہوگا جب اللہ جبار فیصلہ فرمانے کے لئے نزول فرمائیں گے۔

اللہ پاک ان لوگوں کو تباہ و برباد فرمائے جو حوض کوثر کے وجود کا انکار کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہونی چاہیے کہ انہیں قیامت کے روز پیاس کے دن حوض کوثر پر نہ آنے دیا جائے۔

(ط) شفاعت کا مسئلہ (جیسا کہ احادیث میں اس کا ذکر ہے) درست ہے امت محمدیہ کے لئے خاص ہے۔

(ش) شفاعت کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس پر امت کے لوگوں کے درمیان اتفاق موجود ہے ایک شفاعت وہ ہے جس میں معتزلہ اور دیگر بدعتی فرقے اختلاف کرتے ہیں۔

شفاعتِ عظمیٰ

یہ شفاعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے جن احادیث میں اس کا ذکر ہے وہ احادیث صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا آپ نے اس سے دستی کے گوشت کو اٹھایا (آپ کو دستی کا گوشت پسند تھا) آپ نے اس سے نوالہ لیا اس کے بعد آپ نے فرمایا قیامت کے روز میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا (بھلا) تمہیں اس کا سبب معلوم ہے اللہ پہلوں پچھلوں کو ایک زمین میں اکٹھا کریں گے تو لوگ آپس میں باتیں کریں گے کہیں گے تم دیکھتے نہیں ہو تمہارا کیا حال ہے ؟ تم دیکھتے نہیں ہو تم کہاں پہنچ چکے ہو ؟ تم غور نہیں کرتے کہ تمہارے رب کے سامنے تمہاری شفاعت کون کرے ؟ کچھ لوگ حضرت آدم کا نام لیں گے، چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ کے ساتھ پیدا فرمایا اور تجھ میں اپنی روح کو پھونکا فرشتوں کو حکم دیا انہوں نے تجھے سجدہ کیا تو اپنے رب کے سامنے ہماری شفاعت کر آپ دیکھ نہیں رہے ہیں ہمارا کیا حال ہے آپ کو معلوم نہیں ہم کہاں پہنچے ہوئے ہیں، حضرت آدم جواب دیں گے میرا رب آج جس قدر ناراضگی میں ہے اس سے پہلے اس طرح وہ ناراض نہیں ہوا اور نہ ہی بعد میں وہ اس قدر ناراض ہوگا اس نے مجھے درخت سے روکا میں نے اس کی نافرمانی کی (نفسی، نفسی، نفسی، نفسی، یعنی مجھے نجات مل جائے تو غنیمت ہے . میرے غیر کی طرف جاؤ. نوح پیغمبر کی طرف جاؤ چنانچہ لوگ حضرت نوح کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے اے نوح آپ زمین میں پہلے پیغمبر ہیں اللہ نے آپ کو شکر گذار بندے کا لقب دیا ہے آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت فرمائیں کیا آپ ہمارا حال نہیں دیکھتے ہیں ؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کہاں پہنچے ہوتے ہیں، حضرت نوح جواب دیں گے میرا رب آج جس قدر غضب میں ہے اس قدر اس سے پہلے غضب میں نہ تھا نہ آج کے بعد اس قدر غضب میں ہوگا (آپ کو معلوم ہے) میں نے اپنی قوم کے حق میں بددعا کی (نفسی، نفسی، نفسی، نفسی) (مجھے اپنے مقام پر رہنے دو) تم میرے غیر کی طرف جاؤ تم ابراہیم پیغمبر کی طرف جاؤ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں گے ان سے کہیں گے اے ابراہیم آپ اللہ کے نبی اور زمین والوں سے اللہ کے خلیل ہیں آپ ہمارا حال نہیں دیکھ رہے ہیں ہم کس حال میں ہیں حضرت ابراہیم جواب دیں گے میرا رب آج جس قدر غیظ و غضب میں ہے اس سے پہلے نہ وہ اس قدر غیظ و غضب میں آیا نہ اس کے بعد آئے گا پھر معذرت کا اظہار کرتے ہوئے) اپنے چند جھوٹوں کا ذکر کریں گے، نفسی، نفسی، نفسی، نفسی) (مجھے چھوڑ دو) میرے غیر کے پاس جاؤ، موسیٰ پیغمبر کے پاس جاؤ چنانچہ لوگ موسیٰ کے پاس جائیں گے ان سے کہیں گے اے موسیٰ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کا اللہ نے رسالت کے لئے انتخاب فرمایا آپ کی لوگوں پر فضیلت ہے کہ آپ سے اللہ پاک ہمکلام ہوتے اپنے رب کے پاس

ہماری شفاعت کرو ہمارا حال نہیں دیکھتے ہو؟ کہاں پہنچا ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے
آج ہمارا رب اتنا ناراض ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنا ناراض ہوا نہ بعد میں اتنا ناراض ہوگا (معذرت کرتے
ہوئے کہیں گے) میں نے ایک انسان کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں تھا نفسی نفسی نفسی (مجھے اپنے
حال پر رہنے دو) میرے غیر کے پاس جاؤ عیسیٰ پیغمبر کے پاس جاؤ چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے
ان سے کہیں گے اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں جس کا القاء حضرت مریم کی طرف ہوا اور
آپ اللہ کے روح ہیں حضرت عیسیٰ جواب دیں گے واقعی اسی طرح ہے پھر لوگ کہیں گے آپ نے لوگوں سے پنگھوڑے
میں کلام کیا آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں کیا آپ ہمارا حال نہیں دیکھتے ہیں کہ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں،
حضرت عیسیٰ انہیں جواب دیں گے میرا رب آج جتنا ناراض ہے اتنا نہ کبھی پہلے ہوا نہ بعد میں ہوگا اپنے کسی گناہ کا ذکر نہ
کریں گے (اور کہیں گے) میرے غیر کے پاس جاؤ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ چنانچہ لوگ میرے
پاس آئیں گے کہیں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں خاتم الانبیاء ہیں اللہ نے آپ کے پہلے اور پچھلے تمام
گناہ معاف کئے ہماری اپنے رب کے پاس شفاعت کرو کیا آپ ہمارا حال نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حال
میں ہیں اس پر میں اٹھوں گا عرش کے نیچے آؤں گا وہاں اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ مجھ پر اپنی
حمد و ثنا کا انکشاف اور الہام فرمائیں گے کہ اس سے پہلے کسی پر کبھی اس کا انکشاف نہ ہوا تھا آواز آئے گی
اے محمد! اپنا سر اٹھا کر سوال کرو آپ کا سوال پورا ہوگا شفاعت کرو آپ کی شفاعت قبول ہوگی تو میں کہوں گا،
اے رب میری امت میری امت اے رب میری امت میری امت اے رب میری امت میری امت
(اس پر) اللہ فرمائے گا اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن کا حساب نہیں جنت کے دائیں دروازہ سے داخل کرو
جب کہ یہ لوگ دوسرے دروازوں سے بھی عام لوگوں کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں. پھر آپ نے فرمایا اس ذات
کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنت کے دروازے کے دونوں کناروں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی مکہ
اور ہجر میں مسافت ہے یا مکہ اور بصریٰ میں ہے (بخاری مسلم) الفاظ مسند احمد کے ہیں۔

ان ائمہ پر تعجب ہے جو شفاعت کی حدیث کا مختلف طرق سے ذکر کرتے ہیں لیکن پہلی شفاعت کا ذکر نہیں کرتے کہ
جب اللہ تعالیٰ فیصلوں کے لئے آئیں گے جیسا کہ اس کا ذکر (صور اسرافیل) کی حدیث میں ہے اور یہی اس سے مقصود
ہے حدیث کا سیاق و سباق یوں ہے کہ تمام لوگ حضرت آدم ان کے بعد دوسرے پیغمبروں کے ہاں شفاعت کے
لئے جائیں گے کہ لوگوں میں فیصلہ ہو جائے تاکہ انہیں آرام حاصل ہو شفاعت کے بعد جب لوگوں کو ان کے اعمال کا
بدلہ ملے گا تو اس مقام پر ذکر ہے کہ امت کے گناہ گار لوگوں کی شفاعت ہوگی انہیں دوزخ سے نکالا جائے گا۔
ائمہ کرام نے صرف اس شفاعت کے ذکر پر اقتصار اس لئے کیا ہے کہ وہ خوارج معتزلہ کا رد کرنا چاہتے ہیں

جو کہتے ہیں کہ دوزخ میں اہل کبائر داخل ہونے کے بعد نہیں نکلیں گے حالانکہ احادیث میں تصریح موجود ہے کہ ان کے حق میں شفاعت ہوگی تو وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے طوالت کے ڈر سے تفصیل سے گریز کر رہا ہوں مختصر یہ ہے کہ لوگ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ان کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے آپ عرش کے نیچے جائیں گے وہاں سجدہ کریں گے اللہ فرمائے گا کیا بات ہے ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے میں عرض کروں گا اے اللہ! آپ نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کر رکھا ہے تو اپنی مخلوق میں میری شفاعت قبول فرما ان میں فیصلہ فرما ، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے آپ کی شفاعت کو قبول کیا میں آتا ہوں اور فیصلہ کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں میں واپس آکر لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں گا اس کے بعد آسمانوں کے پھوٹ جانے اور فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے پھر فیصلوں کے لئے اللہ تعالیٰ آئیں گے مقربین فرشتے مختلف الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ جہاں زمین پر چاہیں گے اپنی کرسی رکھیں گے پھر اللہ فرمائے گا جب سے میں نے تمہیں پیدا کیا اس وقت سے لے کر اب تک میں خاموش رہا تمہاری باتیں سنتا رہا، تمہارے اعمال دیکھتا رہا اب تم میرے سامنے خاموش ہو جاؤ تمہارے سامنے تمہارے اعمال نامے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں پس جو شخص نیک اعمال دیکھے وہ اللہ کی حمد بیان کرے اور جو شخص برے اعمال دیکھے وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے (اختصار کے پیش نظر کچھ حصہ چھوڑتے ہوئے آگے ذکر کرتے ہیں) جب جنت والے جنت کے قریب پہنچیں گے تو کہیں گے ہمارے رب کے پاس ہماری کون سفارش کرے کہ ہم جنت میں داخل ہو جائیں خود ہی کہیں گے تمہارے باپ آدم سے زیادہ اور کس کو اس کا استحقاق ہو سکتا ہے آں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اس میں اپنی روح کو پھونکا اور اس سے آمنے سامنے کلام کیا چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اس سے شفاعت کا مطالبہ کریں گے پھر حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے آپ فرمائیں گے میں جنت کے دروازہ پر پہنچ کر اس کے حلقہ کو پکڑوں گا پھر دروازہ کھولنے کا مطالبہ کروں گا تو میرے لئے جنت کا دروازہ کھل جائے گا مجھے خوش آمدید اور مرحبا کہا جائے گا جب میرا داخلہ جنت میں ہو جائے گا تو میں اپنے پروردگار کا مشاہدہ کرتے ہی سجدہ میں گر پڑوں گا مجھے اپنی تحمید و تمجید کے ایسے کلمات معلوم کرائے گا جن کا علم کسی دوسرے انسان کو نہیں پھر اللہ تعالیٰ مجھے فرمائیں گے اے محمد! اپنا سر اٹھائیں شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا جب میں سجدہ سے سر اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ (اگرچہ خوب علم رکھتے ہیں) دریافت کریں گے آپ کا حال کیسا ہے میں کہوں گا، اے رب! تو نے میرے ساتھ شفاعت کا وعدہ کر رکھا ہے پس جنت والوں میں میری شفاعت قبول فرما تاکہ ان کا جنت میں داخلہ ہو جائے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے آپ کی شفاعت کو قبول کیا اور انہیں جنت میں داخل ہونے

کی اجازت دی[1]۔ تفسیر ابن جریر، طبرانی، ابو یعلیٰ، بیہقی۔

شفاعت کی دوسری قسم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی سفارش کریں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں تو آپ اس لئے سفارش فرمائیں گے تاکہ انہیں جنت میں داخلہ مل جائے۔

شفاعت کی تیسری قسم کچھ لوگوں کے بارے میں حکم ہوگا کہ انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے آپ کی سفارش سے انہیں دوزخ بھیجنے سے روک لیا جائے گا۔

شفاعت کی چوتھی قسم جو لوگ جنت میں داخل ہو گئے ان کے درجات کی بلندی کے لئے آپ سفارش فرمائیں گے معتزلہ خاص طور پر اس شفاعت کے قائل ہیں دیگر شفاعتوں کا انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے بارے میں متواتر احادیث مروی ہیں۔

شفاعت کی پانچویں قسم کچھ لوگوں کے بارے میں آپ شفاعت فرمائیں گے کہ انہیں بلا حساب جنت میں داخل کر دیا جائے اس کا ذکر عکاشہ بن محصن کی حدیث میں ہے آپ نے ان کے حق میں دعا کی کہ اللہ پاک انہیں ستر ہزار لوگوں میں جگہ عطا فرمائیں جن کا جنت میں بلا حساب داخلہ ہوگا (بخاری، مسلم)

شفاعت کی چھٹی قسم عذاب کے مستحق لوگوں سے آپ کی شفاعت کے ساتھ عذاب میں تخفیف ہوگی جیساکہ آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے بارے میں شفاعت کی تو اس کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی (مسلم)

علامہ قرطبی: التذکرہ میں اس شفاعت کے ذکر کے بعد رقمطراز ہیں کہ اللہ کا قول فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین (پس ان کو شفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ دے گی) کفار کی شفاعت کا رد کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی شفاعت کے ساتھ کفار دوزخ سے نہ نکل سکیں گے عذاب میں تخفیف ممکن ہے جب کہ موحدین نافرمان آپ کی شفاعت کے ساتھ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

شفاعت کی ساتویں قسم آپ تمام ایمانداروں کے لئے جنت میں داخلہ کی سفارش فرمائیں گے اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے

---

[1] (حدیث ضعیف ہے) اسمٰعیل بن رافع، یزید بن ابی زیاد دونوں ضعیف راوی ہیں لیکن حافظ ابن کثیر کا کہنا کہ یہ حدیث مشہور ہے اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا ۱۲

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں داخلہ کے لئے اولاً میں سفارش کروں گا۔

شفاعت کی آٹھویں قسم امت میں کبائر کا ارتکاب کرنے والوں کے حق میں آپ شفاعت کریں گے جنہیں گناہوں کی سزا میں دوزخ بھیجا گیا پھر آپ کی شفاعت سے انہیں نکالا جائے گا

اس مضمون کی متواتر حدیثیں مروی ہیں خوارج، معتزلہ اس کے مخالف ہیں وہ ان احادیث کی صحت سے بے خبر نہیں البتہ ان میں عناد کار فرما ہے خیال رہے اس شفاعت میں آپ کے ساتھ فرشتے، انبیاء، ایماندار بھی شریک ہوں گے نیز چار بار آپ شفاعت فرمائیں گے حضرت انس بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے ان لوگوں کی شفاعت کروں گا جو کبائر کے مرتکب ہوئے (مسند احمد حدیث صحیح ہے)

معبد بن ہلال عنزی بیان کرتے ہیں میری معیت میں بصرہ کے کچھ لوگ انس بن مالک کے محل میں پہنچے ثابت بنانی بھی ہمارے ساتھ تھے انہوں نے حضرت انس سے حدیث شفاعت کے بارے میں استفسار کرنا تھا حضرت انس اپنے محل میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے اجازت طلب کی ہمیں اجازت دی گئی ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے بستر پر تشریف فرما ہیں ہم نے ثابت سے کہا آپ ان سے پہلا سوال شفاعت کے بارے میں کریں چنانچہ ثابت حضرت انس سے مخاطب ہوئے اے ابو حمزہ! یہ لوگ بصرہ سے ہیں آپ کے پاس شفاعت کی حدیث سننے کے لئے آئے ہیں انہوں نے بیان کیا ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا قیامت کے دن لوگ سخت اضطراب میں ہوں گے وہ آدم کے پاس جائیں گے اس سے شفاعت کی درخواست کریں گے وہ جواب دیں گے میں اس مقام میں نہیں ہوں البتہ تم حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں، تم حضرت موسیٰ کے ہاں جاؤ وہ کلیم اللہ ہے چنانچہ لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ جواب دیں گے مجھے یہ مقام حاصل نہیں ہے تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ اسے اللہ کا روح اور کلمہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ کے ہاں جائیں گے وہ بھی کہیں گے میں اس کا اہل نہیں البتہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں جاؤ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان سے کہوں گا مجھے یہ اعزاز حاصل ہے چنانچہ میں اپنے رب کے ہاں جانے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی اللہ پاک مجھے تعریف کے کلمات کا الہام فرمائیں گے اب مجھے ان کا علم نہیں ہے میں ان کلمات کے ساتھ اللہ کی تعریف کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا مجھے کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیں کہیں آپ کی بات سنی جائے گی شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا میں کہوں گا اے رب! میری امت! میری امت اس پر مجھے کہا جائے گا آپ دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لیجئے جن کے دل میں جو کے دانے کے برابر ایمان موجود ہے چنانچہ میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا پھر دوبارہ میں اللہ کی حمد و ثنا کروں گا سجدہ میں گر پڑوں گا مجھے

کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیں کہیں آپ کی بات سنتے ہیں شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کرتے ہیں سوال کریں آپ کا سوال پورا ہوگا میں کہوں گا اے رب! میری امت! میری امت! تو اس پر مجھے کہا جائے گا آپ دوزخ سے ان لوگوں کو باہر لائیں جن کے دل میں ذرہ یا رائی کے بقدر ایمان موجود ہے میں ان کو دوزخ سے باہر لاؤں گا پھر میں اللہ کی حمد و ثنا کروں گا اور سجدہ میں گر پڑوں گا تو کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھائیں کہیں آپ کی بات سنی جائے گی سوال کریں آپ کا سوال پورا کیا جائے گا شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ میں کہوں گا اے رب! میری امت! میری امت اس پر اللہ پاک فرمائیں گے جس کے دل میں ادنیٰ سے بھی ادنیٰ رائی کے دانے کے برابر ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو چنانچہ میں ان کو نکال لوں گا (بخاری کتاب التوحید) راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم وہاں سے نکلے تو میں نے اپنے رفقاء سے کہا کیوں نہ ہم حضرت حسن سے ملاقات کریں آپ ابوخلیفہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ جس طرح ہمیں حضرت انس نے حدیث بیان کی ہے اسی طرح ہم ان سے بھی یہ حدیث سن لیں چنانچہ ان کے ہاں گئے ہم نے سلام کیا اس نے ہمیں آنے کی اجازت دی ہم نے کہا اے ابوسعید! ہم ابھی ابھی آپ کے بھائی حضرت انس کے پاس سے آ رہے ہیں جس طرح انہوں نے ہمیں شفاعت کی حدیث سنائی ہے ہم نے کبھی اس طرح نہیں سنی تھی انہوں نے کہا لاؤ کیا حدیث ہے ہم نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا حضرت انس نے ہمیں بیس سال ہوئے حدیث بیان کی تھی میں نہیں جانتا کیا وہ بھول گئے ہیں یا انہوں نے ناپسند کیا کہ تم بھروسہ نہ کرو ہم نے ان سے کہا آپ بیان فرمائیں اس پر وہ مسکرا دیئے اور کہنے لگے الانسان خلقنۃ کمزور ہے اس تذکرہ سے میرا مقصد تمہیں حدیث بیان کرنا تھا یہ حقیقت ہے کہ جس طرح انہوں نے آپ سے حدیث بیان کی ہے اس طرح انہوں نے مجھ سے بھی حدیث بیان کی ہے اس نے مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا آپ نے فرمایا میں چوتھی بار پھر اللہ کی بارگاہ میں جاؤں گا اور اس کی حمد و ثنا کروں گا پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا مجھے کہا جائے اے محمد! اپنا سر اٹھائیں آپ کہیں آپ کی بات سنی جائے گی سوال کریں آپ کا سوال پورا ہوگا شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی اس پر میں کہوں گا اے رب! مجھے اجازت دیجئے میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکالوں جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا اس پر اللہ پاک فرمائیں گے مجھے اپنی عزت، جلال، کبریائی، عظمت کی قسم میں دوزخ سے ان لوگوں کو نکالوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا (صحیح مسلم)

حضرت عثمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز تین گروہ سفارش کریں گے انبیاء ان کے بعد علماء پھر شہداء (مسند ابویعلی) ابن ماجہ حدیث موضوع ہے عبدالرحمن بن عتبہ قرشی راوی حدیثیں وضع کیا کرتا تھا)

نیز ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرمائیں گے فرشتوں نے

شفاعت کی انبیاء نے شفاعت کی ایمانداروں نے بھی شفاعت کی اب صرف ارحم الراحمین باقی ہیں تو اللہ تعالیٰ دوزخ سے ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو نکالیں گے جنہوں نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا (بخاری، مسلم)۔

مسئلہ شفاعت میں اختلاف اس مسئلہ میں تین قول ہیں مشرک، عیسائی اور بدعتی جو مشائخ کی تعظیم میں غلو اختیار کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جن مشائخ کی ہم تعظیم کرتے ہیں وہ ہماری شفاعت کریں گے جیسا کہ دنیا میں بھی شفاعت کا کام معروف ہے۔

معتزلہ، خوارج، اہل کبائر کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی شفاعت نہ کریں گے۔

اہل سنت والجماعت اہل کبائر کی شفاعت کا اقرار کرتے ہیں رسول اکرم بھی ان کی شفاعت فرمائیں گے لیکن آپ نہ کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کریں گے پھر شفاعت بھی محدود ہوگی جیسا کہ شفاعت کی حدیث میں تصریح ہے کہ تمام لوگ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسےٰ، حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے حضرت عیسیٰ ان سے کہیں گے آپ سب حضرت محمد کے ہاں جاؤ وہ اللہ کا ایسا بندہ ہے کہ اللہ نے اس کے تمام پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں اللہ کی بارگاہ میں جاؤں گا جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا میں اپنے رب کی حمد و ثنا ایسے کلمات سے کروں گا جن کا اللہ تعالیٰ مجھ پر القاء فرمائیں گے اب مجھے وہ کلمات اچھی طرح محفوظ نہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے محمدؐ! اپنا سر اٹھائیں اور کہیں آپ کی بات سنی جائے گی شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی میں کہوں گا اے میرے رب! میری امت! تو میرے لئے حد مقرر ہوگی میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا اس کے بعد پھر میں سجدہ میں گر پڑوں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر ہوگی آپ نے تین بار اس کا ذکر فرمایا (بخاری، مسلم)

کیا بحق نبیک کے ساتھ شفاعت درست ہے دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے علاوہ دیگر نیک لوگوں کا اللہ کی طرف شفاعت لے جا کر دعا کرنا کیسا ہے؟

اس میں ذرا تفصیل ہے اگر دعا کرنے والا بحق نبیک یا بحق فلاں کے ساتھ دعا کرتا ہے اللہ کی مخلوق میں سے کسی مخلوق کی اللہ پر قسم دیتا ہے تو دو وجہ سے یہ ناجائز ہے اولاً غیر اللہ کی قسم اٹھائی گئی ہے جو ناجائز ہے ثانیاً یہ اعتقاد رکھا گیا ہے کہ کسی کا اللہ پر حق ہے پس نہ تو غیر اللہ کی قسم اٹھانا جائز ہے نہ ہی اللہ پر کسی کا حق ہے کہ اسے جتایا جائے ہاں اللہ نے اپنے نفس پر جس حق کا ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے ارشاد ربانی ہے (وكان حقا علينا نصر المؤمنين (الروم ۴۷) اور ایمانداروں کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے) نیز بخاری، مسلم میں ہے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے کہا (وہ آپ کے پیچھے سوار تھے) اے معاذ!

آپ جانتے ہیں اللہ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں کیا تو جانتا ہے؟ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے جب وہ یہ کام کریں، میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں فرمایا بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے (بخاری مسلم) تو یہ حق اللہ پر اس کے کلمات تامہ اور سچے وعدہ کے ساتھ ہوا ہے نہ یہ کہ بندے کا اللہ پر کچھ حق ہے جیسا کہ مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو تمام بندوں پر ہر قسم کے خیر کا انعام کرنے والا ہے بندوں کا حق اللہ کے وعدے کے لحاظ سے ہے کہ اللہ ان کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور ان کو عذاب میں نہ ڈالنا ایسا معنیٰ ہے کہ اس کے ساتھ قسم اٹھانا درست نہیں نہ اس کے ذریعہ سوال ہو سکتا ہے نہ اس کو وسیلہ بنایا جا سکتا ہے اس لئے کہ سبب کو اللہ نے سبب بنایا ہے اسی طرح حضرت ابو سعید سے مروی مرفوع حدیث جس میں نماز کے لئے جانے والا دعا کرتے ہوئے کہتا ہے میں تجھ سے اپنے اس چلنے کے حق اور تجھ پر سوال کرنے والوں کا حق ہے اس کے ساتھ سوال کرتا ہوں (حدیث ضعیف ہے) (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ رقم ۲۴)

تو یہ حق وہ ہے جس کو خود اللہ نے اپنے آپ پر لازم کیا ہے تو اس نے سائلین کو حق بخشا ہے کہ وہ ان کی دعا قبول فرمائے گا اور عبادت گزار لوگوں کو بدلہ دے گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

ما للعباد علیه حق واجب کلا ولا سعی لدیه ضائع۔

ان عذبوا فبعدله او نعموا فبفضله وهو الکریم السامع ۔

بندوں کا اللہ پر کوئی حق واجب نہیں ہے ہرگز نہیں اللہ کے ہاں کسی کی کوشش ضائع نہیں ہے۔

اگر عذاب میں گرفتار کئے جائیں تو یہ اس کا عدل ہے یا انعامات میں ہوں تو یہ اس کا فضل ہے وہی کریم سننے والا ہے۔

بحق السائلین کا جواز بحق نبیک کا عدم جواز آخر بحق السائلین کے ساتھ دعا کرنا کیونکر جائز ہے جبکہ بحق نبیک کے ساتھ دعا کرنا ناجائز ہے ان دونوں میں جو فرق ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ بحق السائلین: ترکیب میں دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نے سوال کرنے والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کا سوال پورا کیا جائے گا پس میں بھی ان سائلین میں سے ہوں تو میری دعا قبول فرمائیں لیکن بحق فلاں ترکیب میں اگرچہ اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے اس لئے کہ خدا کے وعدے سچے ہیں لیکن اس میں اور سائل کی دعا کے قبول کرنے میں کچھ مناسبت نہیں ہے گویا کہ دعا کرنے والا یوں کہتا ہے چونکہ فلاں تیرا نیک بندہ ہے اس لئے میری دعا قبول فرما ان میں کچھ مناسبت نہیں لہذا اس کو دعا میں زیادتی

سمجھا جائے گا جس سے دعا گیلہے ارشاد ربانی ہے ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین (الاعراف ۵۵) (بے شک وہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) خیال رہے اس قسم کی دعائیں اپنی ایجاد ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کجا صحابہ کرام، تابعین، ائمہ سے بھی ثابت نہیں اس قسم کی دعائیں تعویذات مندلوں وغیرہ میں لکھی جاتی ہیں کاہن قسم کے لوگوں سے اس قسم کی دعاؤں کا ذکر آتا ہے حالانکہ دعا افضل عبادت ہے عبادات کی بنیاد کتاب و سنت اور اتباع پر ہے خواہشات اور بدعات پر نہیں ہے۔ اگر بحق فلاں سے مقصود اللہ کی قسم مراد ہے تو یہ بھی ناجائز ہے اس لئے کہ مخلوق کی قسم اٹھانا ناجائز ہے چہ جائیکہ اللہ پر اس قسم کی قسم اٹھائی جائے ارشاد نبوی ہے: جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا (مسند احمد، حاکم)

ائمہ ثلاثہ کا مسلک امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد کا مسلک یہ ہے دعا کرتے والے انسان کا بحق فلاں بحق انبیاءک ورسلک بحق البیت الحرام والمشعر الحرام کے ساتھ دعا کرنا مکروہ ہے ہاں امام ابو حنیفہ، امام محمد تو (بمعقد العز من عرشک) کے توسل کو بھی مکروہ جانتے ہیں جبکہ امام ابو یوسف کے ہاں یہ مکروہ نہیں ان کے ہاں اس کے جواز پر ایک اثر موجود ہے[۵۱] اسی طرح بجاہ فلاں والتوسل بالانبیاء والرسل والاولیاء الفاظ کے ساتھ بھی دعا کرنا مکروہ ہے۔ مقصود اس توسل سے یہ ہے کہ چونکہ فلاں انسان کا آپ کے ہاں مرتبہ ہے اس کو وجاہت حاصل ہے تو اس کے شرف کے وساطت سے ہماری دعا قبول فرما۔

صحابہ کرام کا معمول تھا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو وہ آپ کی خدمت میں جاتے آپ سے دعا کرواتے آپ دعا کرتے صحابہ آمین کہتے جیسا کہ نماز استسقاء میں مروی ہے جب آپ فوت ہو گئے تو خلافت فاروقی میں حضرت عمر استسقاء کے لئے نکلتے ہیں تو حضرت عباس کو ساتھ لے کر چلتے ہیں دعا کرتے ہیں اے اللہ! جب ہم قحط سالی میں مبتلا ہوتے تھے تو ہم آپ کے ہاں اپنے پیغمبر کا وسیلہ لاتے تھے اب ان کی وفات کے بعد ہم نبی کے چچا کا وسیلہ لائے ہیں وہ ہمارے لئے دعا کریں گے اور شفاعت فرمائیں گے لیکن صحابہ کرام نے نہ تو کسی قسم کا واسطہ دیا نہ کسی کی جاہ کا واسطہ پیش کیا اگر جاہ و منزلت کا واسطہ پیش کرنا جائز ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ تو بہر حال حضرت عباس کی جاہ سے زیادہ تھی تو آپ کی جاہ کا توسل اختیار کرتے۔

البتہ اتباع سنت، محبت، ایمان باللہ ایمان بالانبیاء و تصدیق بالانبیاء کا توسل اختیار کر کے دعا مانگنا احسن طریق ہے

---

[۵۱] اثر موضوع ہے نصب الرایہ ۴/۲۷۲

لیکن کسی دوسرے انسان کی شخصیت کا توسل اگر وہ زندہ ہے تو اس سے دعا کروانا جب کہ وہ آپ کا دوست ہے بغیر خواہ ہے جائز ہے اگر وہ زندہ ہے لیکن آپ اس سے دعا نہیں کرواتے بلکہ اس کے ساتھ آپ کو جو محبت اور عقیدت ہے آپ اس کا واسطہ دے کر دعا کرتے ہیں تو یہ مکروہ ہے اور اس سے روکا گیا ہے۔

نیک اعمال کے ساتھ شفاعت صحیح حدیث میں ہے تین انسانوں نے ایک غار میں پناہ لی تو غار کے منہ پر پتھر آگیا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کا توسل اختیار کیا ان میں سے ہر ایک نے کہا اگر میں نے یہ نیک کام تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات فرما چنانچہ پتھر غار کے منہ سے الگ ہو جاتا ہے وہ غار سے باہر نکل آئے (بخاری، مسلم) پس ان تینوں نے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کر کے دعا کی ہے خیال رہے اعمال صالحہ بہت بڑا وسیلہ ہیں اللہ پاک ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے مزید اپنے فضل سے نوازتا ہے شفاعت عنداللہ اور شفاعت عندالناس میں نمایاں فرق ہے کسی انسان کے پاس شفاعت کرنے والا جیسا کہ وہ درخواست گزار کی شفاعت کرتا ہے اسی طرح درخواست گزار اس سے بھی درخواست کر رہا ہے گویا کہ مطلوب منہ اب ایک نہیں دو ہیں اگر اللہ کے ہاں شفاعت کرنے والے کو بھی جائے کہ وہ بھی طالب کا مطلوب منہ ہے تو اس لحاظ سے مطلوب منہ دو ہو جائیں گے جب کہ اللہ تنہا ہے کوئی اس کو جوڑا نہیں کر سکتا معلوم ہوا اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا تمام امور اس کے ہاتھ میں ہیں کسی لحاظ سے اس کا کوئی شریک نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدالشفعاء ہیں آپ قیامت کے روز جب سجدہ میں گر جائیں گے اللہ کی حمد و ثنا کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے کہیں گے آپ اپنا سر اٹھائیں کہیں آپ کی بات سنی جائے گی سوال کریں آپ کا سوال پورا ہو گا شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی آپ محدود تعداد کو جنت میں داخل فرمائیں گے جن کا تعین اللہ پاک کی جانب سے ہو گا اس لئے کہ تمام امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں ارشاد ربانی ہے قل ان الامر کلہ للہ (آل عمران ۱۵۴) کہہ دو بے شک تمام معاملات اللہ کے لئے ہیں) نیز فرمایا لیس لک من الامر شئ (آل عمران ۱۲۸) آپ کو کسی امر میں اختیار نہیں) نیز فرمایا (الا لہ الخلق والامر) خبردار اس کے لئے ہی پیدا کرنا اور حکم دینا ہے) پس اللہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا البتہ جب شفاعت کرنے والے کی شفاعت قبول ہو جاتی ہے تو اس سے اس کی عنداللہ عزت و قبولیت کا پتہ چلتا ہے ارشاد نبوی ہے: آپ شفاعت کریں آپ کو ثواب حاصل ہو گا ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی زبان پر بھی جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے (بخاری، مسلم)

نیز صحیح روایت میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد مناف! میں تمہارے لئے اللہ سے کسی چیز کا حق نہیں رکھتا اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں تیرے لئے بھی اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں اے عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! میں تیرے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں (مسلم)

نیز صحیح روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں تم میں سے کسی شخص کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر اونٹ ہو جو آواز کر رہا ہو یا بکری آواز کر رہی ہو یا کپڑے حرکت کر رہے ہوں وہ کہے گا آپ میری مدد فرمائیں آپ میری مدد فرمائیں۔ میں جواب دوں گا میں نے تو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا میں تیرے لئے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں (بخاری، مسلم)

پس جب تمام مخلوق کے سردار اور سید الشفعاء اپنے خاص قریبی رشتہ داروں سے کہتے ہیں میں تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا تو غیر کا کیا حال ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دعا کرنے والے کی دعا قبول ہو اور شفاعت کرنے والے کی شفاعت قبول ہو یعنی جس طرح مخلوق کی مخلوق کے ہاں شفاعت مؤثر ہوتی ہے ضروری نہیں کہ اللہ کے ہاں بھی شفاعت کرنے والے کی شفاعت مؤثر ہو اللہ پاک تو بہت بلند ہے وہی ہے جس نے ایک کو دعا مانگنے والا بنایا ایک کو شفاعت کرنے والا بنایا وہی تمام بندوں کے افعال کا خالق ہے وہی ہے جس نے کسی کو توبہ کی توفیق دی، پھر اس کی توبہ قبول کی وہی ہے جس نے عمل کرنے کی توفیق بخشی پھر اس پر ثواب دیا وہی ہے جس نے دعا کرنے کی توفیق عطا کی پھر اس کو شرف قبول بخشا۔

اہل سنت تقدیر پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ سیدھے راہ پر گامزن ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

(ط) وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی اولاد سے لیا برحق ہے۔

(ش) ارشاد ربانی ہے (واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علی انفسهم الست بربکم قالوا بلی شهدنا ان تقولوا یوم القیمة انا کنا عن هذا غافلین الاعراف ۱۷۲)

اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے سامنے اقرار کرا لیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) (یہ اقرار اس لئے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو اس کی خبر ہی نہ تھی)۔

اللہ پاک نے بتایا کہ اس نے اولاد آدم کو ان کے آباء کی پشتوں سے نکالا وہ گواہی دے رہے تھے کہ اللہ ان کا رب اور ان کا بادشاہ ہے اور اس کے سوا ان کا کوئی معبود نہیں اس مضمون کی احادیث مروی ہیں جن میں یہ ذکر بھی ہے کہ دائیں جانب والوں کو دائیں جانب اور بائیں جانب والوں کو بائیں جانب کر دیا احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: عرفہ کے دن نعمان وادی میں اللہ نے حضرت آدم کی پیٹھ سے تمام اولاد نکال کر انہیں اپنے سامنے پھیلا کر بالمشافہ ان سے کلام کرتے ہوئے وعدہ لیا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے اثبات میں جواب دیا (نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، مستدرک حاکم۔ حاکم نے کہا سند صحیح ہے)

حضرت عمر سے اس روایت کے بارے میں دریافت کیا گیا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ سے بھی اس روایت کے بارے میں سوال ہوا تھا آپ نے فرمایا بے شک اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر اس کی پشت پر اپنا داہنا ہاتھ پھیر کر اس سے اولاد کو نکالا اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے ان کے عمل بھی جنتیوں والے ہوں گے پھر کمر پر ہاتھ پھیرا اس سے اولاد کو نکالا فرمایا میں نے ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے یہ دوزخیوں والے کام کریں گے۔

ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو عمل کی کیا ضرورت ہے آپ نے فرمایا بے شک اللہ نے جس بندے کو جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے اس سے اعمال بھی جنتیوں والے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے عمل پر فوت ہوا تو اس کو جنت میں داخل کیا اور جب کسی بندے کو دوزخ کے لئے پیدا کیا تو اس سے اعمال بھی دوزخیوں والے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے عمل پر فوت ہوا تو اسکو دوزخ میں داخل کیا گیا۔ (صحیح ہے) (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم، ابن جریر، صحیح ابن حبان)

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس کی پشت سے وہ روحیں نکلیں جو ان کی اولاد سے قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں نیز تمام انسانوں کی آنکھوں کے درمیان روشنی کی چمک پیدا فرمائی پھر ان کو حضرت آدم پر پیش کیا، حضرت آدم نے سوال کیا اے رب! یہ کون ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ آپ کی اولاد ہے ان میں سے ایک انسان کی آنکھوں کے درمیان چمک نے حضرت آدم کو تعجب میں ڈالا، حضرت آدم نے سوال کیا اے رب! یہ کون ہے فرمایا یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے، حضرت آدم نے سوال کیا اے رب اس کی عمر کتنی ہے؟ اللہ نے فرمایا اس کی عمر ساٹھ سال ہے حضرت آدم نے کہا اے رب! اس کی عمر میں میری عمر سے چالیس سال کا اضافہ کر دیجئے تو جب حضرت آدم کی عمر اختتام کو پہنچی تو اس کے پاس ملک الموت آیا حضرت آدم نے کہا کیا میری عمر سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں انہیں جواب دیا گیا آپ نے وہ عمر اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دی تھی راوی بیان کرتے ہیں حضرت آدم نے انکار کیا تو اس کی اولاد نے بھی انکار کیا حضرت آدم بھول گئے اس کی اولاد بھی بھول گئی حضرت آدم نے خطا کی تو اس کی اولاد نے بھی خطا کی (ترمذی حدیث حسن صحیح ہے) (حاکم اس نے کہا حدیث صحیح مسلم کی شرط پر ہے)

انس بن مالک بیان کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخی کو قیامت کے دن کہا جائے گا اگر تجھے زمین کی کسی چیز پر ملکیت دی جائے کیا تو اس کا فدیہ دینے کے لئے تیار ہے وہ اثبات میں جواب دے گا اللہ پاک فرمائے گا میں نے تجھ سے اس سے معمولی چیز کا مطالبہ کیا تھا میں نے تجھ سے جب تو آدم کی پیٹھ میں تھا وعدہ لیا تھا کہ تو نے میرے ساتھ شرک نہیں کرتا ہوگا لیکن تو نے میرے ساتھ شرک کیا (بخاری، مسلم) ان کے علاوہ کثیر احادیث ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ اللہ نے آدم کی اولاد کو اس کی پشت سے نکالا اور دوزخیوں جنتیوں کے درمیان امتیاز کیا ہے یہیں سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ ارواح کی تخلیق اجسام سے پہلے ہوئی لیکن یہ آثار ارواح کے تقدم یا اجسام پر دال نہیں ہیں کہ کس کو ایسا تقدم حاصل ہے جو ثابت ہے زیادہ سے زیادہ ان کی دلالت اس بات پر ہے کہ ان کو پیدا کرنے والے اللہ پاک نے ارواح کو اشکال عطا کیں پھر ان کی پیدائش ان کے مشاغل اور ان کی اجل کو مقدر فرمایا اور مادہ سے صورتوں کا استخراج کیا پھر اس کی طرف ان کا اعادہ کیا اور ہر فرد کے نکلنے کا وقت مقدر کیا لیکن یہ بات درست نہیں کہ تمام ارواح کی تخلیق ایک ہی جگہ میں ہوئی وہیں انہیں استقرار حاصل رہا وہیں وہ ہمیشہ موجود رہیں اور ان میں قوت نطق موجود رہی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اجسام کی طرف تدریجی طور پر بھیجا جیساکہ ابن حزم کا خیال ہے اور آثار بھی اس پر دال نہیں ہیں ہاں اللہ پاک جملہ ارواح سے تدریجی طور پر بعض ارواح کو پیدا فرماتا رہتا ہے جیساکہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے پس خارج اور واقع میں جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے وہ سابق تقدیر کے مطابق ہے تمام کائنات کے بارے میں اللہ پاک کا یہی طریق ہے اللہ پاک نے سب کی ہیات، صفات افعال اور مقادیر کا تعین فرمایا پھر طے شدہ تقدیر کے مطابق انہیں صورت وجود میں ظاہر کیا پس ذکر کردہ آثار تو سابق تقدیر پر دال ہیں اور بعض اس پر دال ہیں کہ اللہ پاک نے ان کی صورتوں کا استخراج کیا اور سعید لوگوں کا بدبخت لوگوں سے امتیاز کیا اور ان پر گواہی کا ذکر دو حدیثوں میں موجود ہے جو حضرت ابن عباس اور حضرت عمر سے موقوفاً مروی ہیں۔

اس لئے متقدمین، متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ اس اشہاد سے مراد دراصل ان کی فطرت سلیمہ ہے جو توحید کی متقاضی ہے سابقہ اوراق میں اسی آیت کے تحت (ابوہریرہ کی حدیث میں مفسرین کا کلام گزر چکا ہے اور (شهدنا) کا معنیٰ یوں ہے (کیوں نہیں ہم نے گواہی دی کہ تو ہمارا رب ہے) یہ قول ابن عباس اور ابی کا ہے نیز ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کے بعض نے بعض پر گواہی دی بعض نے کہا (شهدنا) فرشتوں کا قول ہے لفظ بلیٰ پر وقف ہے یہ قول مجاہد اور ضحاک کا ہے نیز سدی نے کہا یہ اللہ کی جانب سے اس کے نفس اور اس کے فرشتوں کی طرف سے ہے کہ انہوں نے بنو آدم کے افراد پر گواہی دی پہلا معنیٰ واضح ہے دیگر معانی محتمل ہیں جن پر دلیل نہیں ہے نیز ظاہر آیت پہلے معنیٰ پر شاہد ہے۔

خیال رہے امام ثعلبی، بغوی مفسرین نے صرف اس کا قول ذکر کیا ہے کہ اللہ نے آدم کی اولاد کو اس کی پشت سے نکالا پھر ان پر ان کو ہی گواہ بنایا پھر ان کا اعادہ کیا زمخشری وغیرہ نے اس قول کا ذکر نہیں کیا اس کے بجائے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنی ربوبیت، وحدانیت پر دلائل بیان فرمائے ان کی عقلوں نے اس پر گواہی دی لیکن واحدی، رازی، قرطبی نے دونوں قول ذکر کیے ہیں علامہ رازی نے پہلے قول کو اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ دوسرا قول معتزلہ کا ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ آیت مذکورہ پہلے قول پر دال نہیں ہے بعض روایت میں یہ ذکر نہیں کہ اللہ نے ارواح کو آدم کی پشت سے نکالا بلکہ روایت میں صرف اس قدر وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو بنو آدم کی پیٹھوں سے نکالا ہاں بعض احادیث میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو نکالنے نیز جنت دوزخ کی جانب لے جانے کا بھی ذکر ہے جیسا کہ حضرت عمر سے مروی حدیث میں اس کا ذکر ہے بعض احادیث میں ارواح کو نکالنے اور آدم کو دکھانے کا ذکر ہے، ان میں اشہاد اور فیصلہ کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث میں اس کا ذکر ہے پہلے قول کا ذکر حضرت ابن عباس اور عمر سے مروی حدیث میں موجود ہے لیکن محدثین نے اس حدیث پر جرح کی ہے سوائے حاکم کے کسی صحت کا خیال رکھنے والے امام نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ حاکم کا تساہل مشہور ہے۔

جس حدیث میں ذکر ہے کہ بعض کو جنت اور بعض کو دوزخ کی جانب بھیجا جائے گا اس سے مسئلہ تقدیر کا اثبات ہو رہا ہے نیز اس کے شواہد بھی کثیر ہیں اور اہل سنت میں اس کے بارے میں کچھ اختلاف نہیں ہے ان میں صرف قدریہ مخالفت کرنے والے ہیں جو باطل پر ہیں اور ان کی بدعات عام ہیں۔

پہلے قول میں اہل سنت متقدمین، متاخرین کا اختلاف ہے اگر اختصار ملحوظ خاطر نہ ہوتا تو میں اس کے موافق احادیث کا بسط سے ذکر کرتا نیز اعتراضات، معانی معقولہ اور روایت کی دلالت کا تفصیل سے ذکر کرتا۔

امام قرطبی کی وضاحت

امام قرطبی نے اس آیت کو مشکل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ علماء نے اس آیت کی تاویل میں شدید اختلاف کیا ہے ہم اپنے علم کی حد تک وضاحت کرتے ہیں ایک فریق نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے یعنی بعض کو بعض کی پشت سے نکالا اور اشہاد سے مقصود ان کی توحید کی جانب راہ نمائی کرنا ہے اس لئے کہ ہر بالغ، عاقل فطرتاً جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو پاک ہے پس راہ نمائی اشہاد کے قائم مقام ہے۔ جیسا کہ آسمانوں زمین کے بارے میں ارشاد ربانی ہے (قالتا اتینا طائعین انہوں نے کہا ہم بخوشی آتے ہیں) نیز امام قفال کا مسلک یہی ہے۔

دوسرے فریق کا قول یہ ہے کہ اللہ پاک نے اجسام کی تخلیق سے پہلے ارواح کو نکالا پھر ان میں معرفت کو ودیعت فرمایا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کو سمجھ سکیں اس کے بعد علامہ قرطبی نے اس مسئلہ میں مروی احادیث

کا ذکر کیا ہے البتہ پہلے قول کی صحت پر حضرت انس سے مروی حدیث دال ہے جو بخاری، مسلم میں مذکور ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں نے تجھ سے اس سے بھی معمولی کام کا مطالبہ کیا یعنی میں نے تجھ سے وعدہ لیا جب تو آدم کی پیٹھ میں تھا کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا ہوگا لیکن تو شرک پر ڈٹ گیا[1] ایک دوسرے طریق سے مروی ہے کہ میں نے تجھ سے نہایت معمولی اور آسان کام کا مطالبہ کیا لیکن تو نے اس کو پورا نہ کیا تو اسے دوزخ لے جایا گیا خیال رہے کہ اس حدیث میں آدم کی پشت کا ذکر نہیں ہے نیز پہلی روایت میں ارواح کو آدم کی پشت سے نکالنے کا اس طرح ذکر نہیں ہے جس طرح پہلے قول والوں نے اس کا ذکر کیا ہے پہلا قول دو عجیب باتوں کو متضمن ہے اولاً اس میں ہے کہ لوگوں نے کلام کیا ایمان کا اقرار کیا اسی اقرار کی وجہ سے قیامت کے دن ان پر حجت قائم ہوگی ثانیاً آیت اس پر دال ہے حالانکہ اس کے نہ دلالت کرنے کے ہمارے پاس چند اسباب ہیں۔

سبب اول: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کہا آدم نہیں کہا سبب ثانی: اللہ نے من ظهورهم فرمایا من ظهره نہیں فرمایا یہ بدل بعض یا بدل اشتمال ہے اس کے احسن ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ سبب ثالث: اللہ تعالیٰ نے جمع کا لفظ ذریات استعمال کیا ہے اس کا واحد ذریتہ استعمال نہیں کیا۔ سبب رابع۔ اللہ پاک نے اشهدهم على انفسهم کہا حالانکہ شاہد کو اپنی شہادت یاد ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کی جانب آنے کے بعد شہادت کو یاد رکھتا ہے جیساکہ یہ چیز اشارۃً معلوم ہے۔ سبب خامس۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا اس اشہاد میں حکمت ان پر حجت قائم کرنا تھا تاکہ وہ قیامت کے روز یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیج کر ان پر حجت قائم کی نیز فطرت سلیمہ بھی حجت ہے ارشاد ربانی ہے رسلاً مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل (النساء ۱۶۵) (سب) پیغمبروں کو (خدا نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے)۔ سبب سادس: ان کو یاد دلانا تاکہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے غافل تھے اور یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے آدم کی پشت سے نکالے جانے نیز اس وقت ان تمام کے گواہی دینے سے غافل ہیں چنانچہ اس کا ذکر ان میں سے کوئی بھی نہیں کر رہا ہے۔ سبب سابع: ارشاد خداوندی (او تقولوا انما اشرك اباؤنا من قبل وكنا ذرية من بعدهم الاعراف ۱۷۳) یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے بھی کیا تھا اور ہم تو ان کی ان کے بعد اولاد تھے) اس اشہاد میں دو حکمتوں کا ذکر ہے تاکہ وہ غفلت یا تقلید کا دعویٰ نہ کریں غافل میں شعور نہیں ہوتا اور مقلد تقلید میں اپنے غیر کا پیرو کار ہوتا ہے اور ان دونوں حکمتوں کا ترتب صرف ان چیزوں پر ہے جن

---

[1] مسلم

پر پیغمبروں نے دلیلیں پیش کی ہیں مزید فطرت سلیمہ کا بھی اس پر اشہاد ہے۔

سبب ثامن: ارشاد ربانی ہے: (افتھلکنا بما فعل المبطلون) ان کے انکار اور شرک پر انہیں دھمکایا جا رہا ہے یعنی اللہ پاک انہیں اس لئے تباہ و برباد کرتا ہے کہ وہ رسولوں کی مخالفت بلکہ ان کی تکذیب کرتے ہیں نیز اللہ پاک نے بتایا کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ برباد نہیں کرتا جب کہ بستیوں والے غافل ہوتے ہیں ان کو رسولوں کے بھیجنے اور معذور گردانتے کے بعد ہلاک کرتا ہے۔

سبب تاسع: اللہ پاک نے ہر ایک کو اس کے نفس پر گواہ بنایا کہ وہ اس کا رب اور خالق ہے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے جس کا ذکر متعدد مقامات میں ہے ارشاد ربانی (ولئن سألتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله لقمان ۲۵) اگر تو ان سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کا کون خالق ہے تو وہ کہیں گے اللہ (خالق) ہے) یہ وہ دلیل ہے جس سے ان پر اشہاد ہے پھر پیغمبروں نے اس کی یاد دہانی بھی کرائی ارشاد ربانی ہے افی اللہ شك فاطر السموت والارض (ابراہیم ۱۰) کیا اللہ میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے) سبب عاشر: اللہ پاک کی آیات اپنے مدلول پر واضح دلالت کرتی ہیں ارشاد ربانی ہے وکذالك نفصل الايات ولعلهم يرجعون (الاعراف ۱۷۴) اسی طرح ہم آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوٹ آئیں۔ نیز اس کا تعلق فطرت کے ساتھ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا اللہ کے خلق میں کچھ تبدیلی نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہ ایسی چیز ہے جس سے فارغ ہو گیا ہے اس میں تغیر، تبدل نہیں ہو سکتا نیز اس کا ذکر پہلے اشارۃً بھی ہو چکا ہے

ابن عطیہ وغیرہ نے آیت کا معنی سمجھا لیکن وہ خوفزدہ ہو گئے کہ کس طرح ان احادیث صریحہ کی مخالفت کی جائے جن میں مذکور ہے کہ اللہ نے ان کو نکالا اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا پھر ان کا اعادہ کیا نیز اسی طرح شیخ ابو منصور ماتریدی نے ان دونوں اقوال کو شرح التاویلات میں ذکر کیا دوسرے قول کو ترجیح دی اس پر مزید بحث کی جس سے ان کے میلان کا پتہ چلتا ہے۔

دین اسلام دین عقل اور علم ہے

اسمیں کچھ شک نہیں کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنا فطری امر ہے اور شرک بعد میں طاری ہونے والا ہے عام طور پر اولاد اپنے ماں باپ کی تقلید میں رہنا پسند کرتی ہے چنانچہ قیامت کے دن جب وہ معذرت پیش کریں گے کہ ہم نے اس لئے شرک کیا کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے ہم ان کے رسم و رواج پر چلتے رہے (جیسا کہ عام طور پر لوگ کھانے پینے لباس رہائش وغیرہ میں اپنے ماں باپ کی بود و باش کو پسند کرتے ہیں) تو ان سے کہا جائے گا بحالانکہ تم صانع کا اقرار کرتے ہوئے نیز تم مانتے ہو کہ اللہ تمہارا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں تم نے یہ گواہی اپنی جانوں پر دی ظاہر ہے کہ آدمی کی گواہی اس

کے نفس پر ہی تو ہے کہ وہ اس کا اقرار کرے ارشاد ربانی ہے (یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم النساء ۱۳۵) اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا نقصان ہی ہو) اس سے یہ مقصود نہیں کہ انسان کہے میں اپنے آپ پر گواہی دیتا ہوں بلکہ جس شخص نے بھی کسی چیز کا اقرار کیا تو اس نے اپنے نفس پر گواہی دی پس تم اس معرفت اور اقرار کو چھوڑ کر شرک کی جانب کیوں چلے گئے اور ایک معلوم متیقن چیز چھوڑ کر کیوں ایسی چیز کی طرف چلے گئے جس کی حقیقت ہی معلوم نہیں تم نے بلا دلیل تقلید کی ہاں اگر تم عادات دنیوی میں اپنے ماں باپ کے پیچھے چلتے رہے تو اس میں تمہیں فائدہ تھا کچھ نقصان نہ تھا لیکن شرک کے بارے میں تمہیں معرفت حاصل تھی اور تم نے اپنے آپ پر گواہی دی کہ شرک میں فساد ہے اور شرک سیدھے راہ سے پھیر دیتا ہے۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں ایک بچہ اپنے ماں باپ کی تربیت میں نشو و نما پاتا ہے وہ ان سے دنیوی مفادات حاصل کرنے کے طریقے سیکھتا ہے اسی طرح دین کے بارے میں بھی بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے شریعت میں ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کے دین پر ہوتا ہے عدم بلوغت کے عرصہ میں اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتا تو کچھ مضائقہ نہیں بلوغت کے بعد جب بچہ عقل و شعور والا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام دین عقل اور علم کو اختیار کرے اگر عقل کے ساتھ اس دین پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ دین اسلام ہی اصل دین ہے جو عقل کے عین مطابق ہے اگر ماں باپ ہدایت یافتہ ہیں تو بہت اچھا ہے جیسے حضرت یوسف نے اپنے آباء کے دین پر ہونے کا اقرار کیا ارشاد ربانی ہے واتبعت ملۃ اٰبآءی ابراھیم واسحاق ویعقوب (یوسف ۳۸) میں نے اپنے باپ (ابراہیم، اسحاق، یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے) نیز حضرت یعقوب کو ان کے بیٹوں نے کہا (نعبد الٰھک والٰہ اٰبآءک ابراھیم واسماعیل واسحاق (البقرہ ۱۳۳) ہم تیرے خدا اور تیرے باپ (ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق کے خدا کی عبادت کریں گے) لیکن اگر اس کے ماں باپ پیغمبروں کے مخالف ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیغمبروں کا اتباع کرے ارشاد ربانی ہے ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھداک لتشرک بی مالیس لک بہ علم فلاتطعھما (العنکبوت ۸) اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (اے مخاطب) اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی حقیقت کی تجھے واقفیت نہیں تو ان کا کہنا نہ مانیو)

پس جو شخص بلا بصیرت اپنے باپ دادا کے دین کی اتباع کرتا ہے راہ حق سے اعراض کرتا ہے وہ

اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہے ارشاد ربانی ہے (وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ ۱۷۰)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کتاب کی پیروی کرو جس کو اللہ نے نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اسی دین کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا بھلا اگر ان کے باپ دادے کسی چیز کا عقل نہیں رکھتے تھے اور نہ ہدایت والے تھے تو ان کے پیچھے چلتے رہیں گے)

اس طرح اکثر لوگوں کا حال ہے جو اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اپنے باپ دادا کی اتباع کرتے ہیں جو بھی ان کا اعتقاد اور مذہب ہوتا ہے اگرچہ غلط کیوں نہ ہو وہ اپنی بصیرت کے مطابق نہیں چلتے یہی وہ شخص ہے کہ جب اس سے قبر میں سوال ہوگا کہ تیرا رب کون ہے تو کہے گا افسوس افسوس مجھے اس کا علم نہیں، میں نے جو کچھ لوگوں سے سنا اسی طرح کہہ دیا۔

یہ ایسا مقام ہے جہاں صاحب بصیرت انسان کے لئے لمحہ فکریہ ہے وہ اپنے آپ کی خیر خواہی کرے اسے غور کرنا چاہیئے کہ وہ کس فریق میں شامل ہونا چاہتا ہے اگرچہ توفیق دینے والا احد ہے تاہم توحید فی الالوہیت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں یہ تو فطرت انسانی میں مرکوز ہے ہر انسان اپنی تخلیق پر غور کرے کہ وہ پہلے باپ کی کمر اور سینے کی ہڈیوں میں نطفہ تھا پھر یہ نطفہ مضبوط آرام کی جگہ میں چلا گیا جہاں وہ تین اندھیروں میں ہوتا ہے وہاں کسی کی تدبیر کی اسے ضرورت نہیں بلکہ وہ اس حالت میں ماں باپ سے بھی بالکل پردے میں ہے غور کیجئے یہی نطفہ اگر کسی تختہ پر رکھ دیا جائے اور دنیائے عالم کے تمام حکماء اس پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس نطفہ سے کسی چیز کو پیدا کریں تو انہیں ہرگز قدرت حاصل نہیں اس پر کسی مادی چیز کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ نطفہ ایک قسم کا بے جان فضلہ ہے جس میں زندگی کا کچھ اثر نہیں نہ اس پر کسی کے فعل اور تدبیر کا کچھ اثر ہے تو جب ماں کے رحم میں نطفہ مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتا ہے تو اس سے اللہ کی توحید فی الربوبیت کا پتہ چلتا ہے توحید فی الربوبیت پر غور کرنے سے انسان توحید فی الالوہیت کی طرف پہنچتا ہے جب عقل نے اسے بتایا کہ اس کو پیدا کرنے والا اس کا رب ہے تو پھر کیسے جائز ہے کہ وہ اپنے رب کی عبادت نہ کرے اور جس قدر وہ زیادہ تفکر، تدبر کرتا جائے گا اس کے یقین میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اس کی توحید پختہ ہو جائے گی واللہ الموفق لا رب غیرہ ولا الٰہ سواہ۔

(ط) اللہ پاک کو ہمیشہ سے اس بات کا علم ہے کہ کس قدر تعداد میں لوگ ایک ہی بار جنت میں داخل ہوں گے اور کس قدر تعداد میں لوگ ایک ہی بار دوزخ میں داخل ہوں گے اس تعداد میں کمی زیادتی نہیں ہوگی اس طرح اللہ کو اس بات کا بھی علم ہے کہ لوگ کیا کام کریں گے۔

(ش) ارشاد ربانی ہے (ان اللہ بکل شیئ علیم الانفال ۷۵) بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے) نیز ارشاد ربانی ہے (وکان اللہ بکل شیئ علیما الاحزاب ۴۰) اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے) معلوم ہوا اللہ پاک ازل ابد سے اس صفت کے ساتھ موصوف ہے کہ اس کو ہر چیز کا علم ہے کبھی بھی علم سے قبل جہل کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا نیز ارب بھولنے والا نہیں ہے۔

حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ ہم بقیع الغرقد قبرستان میں ایک جنازہ میں تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے آپ کے پاس ایک چھڑی تھی آپ نے سر جھکایا ہوا تھا چھڑی کے ساتھ زمین کرید رہے تھے تو آپ نے فرمایا جو نفس پیدا ہو چکا ہے اس کا ٹھکانا جنت یا دوزخ لکھا جا چکا ہے نیز اس کا نیک بخت یا بدبخت ہونا بھی لکھا جا چکا ہے اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو کیا ہم لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کریں اور عمل چھوڑ دیں آپ نے فرمایا جو شخص نیک بخت لکھا گیا ہے وہ نیکوں جیسے عمل کرے گا اور جو شخص بدبخت لکھا گیا ہے وہ بدبختوں جیسے عمل کرے گا پھر آپ نے فرمایا عمل کرو ہر ایک کو اس کی تقدیر کے مطابق توفیق حاصل ہوگی نیک بخت لوگ نیکیاں کریں گے اور بدبخت برائیاں کریں گے اس کی تصدیق میں آپ نے آیت تلاوت فرمائی فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ بخاری، مسلم یعنی جس نے دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور جنت کی تصدیق کی ہم اس کو آسانی کی توفیق عطا کریں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا اور جنت کی تکذیب کی اس کو مشکل کی توفیق دیں گے۔

(ط) ہر شخص کو اسی کام کی توفیق حاصل ہوگی جس کے مقدر میں ہے اور اعمال کا تعلق خاتمہ کے ساتھ ہے اور نیک بخت وہ ہے جو اللہ کی تقدیر میں نیک بخت ہے اور بدبخت وہ ہے جو اللہ کی تقدیر میں بدبخت ہے

(ش) حضرت علی کی حدیث اور ارشاد نبوی (کل میسر لما خلق لہ) ابھی ابھی ان کا ذکر ہوا ہے نیز حضرت جابر سے روایت ہے سراقہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں ہمارے دین کے بارے میں بتائیں گویا کہ ہم ابھی پیدا ہوتے ہیں عمل کا تعلق دور حاضر کے ساتھ ہے یا اس کی تقدیر میں قلم نے لکھ دیا ہے یا پھر مستقبل کے ساتھ ہے آپ نے فرمایا نہیں تقدیر میں قلم نے سب کچھ لکھ دیا ہے، حضرت سراقہ نے کہا پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ نے فرمایا عمل کرو ہر شخص کو توفیق ارزانی ہوتی ہے (مسلم، احمد)

حضرت سہل بن سعد ساعدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی بظاہر لوگوں کے سامنے جنتیوں والے کام کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور ایک آدمی بظاہر لوگوں کے سامنے

دوزخیوں کے کام کرنے ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے (بخاری ، مسلم) بخاری میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صادق اور مصدوق ہیں انہوں نے ہمیں حدیث سنائی کہ تم میں سے ہر شخص کا اصل مادہ ماں کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں رہتا ہے پھر چالیس روز منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے پھر چالیس روز گوشت کے لوتھڑے کی حالت میں رہتا ہے پھر اللہ پاک اس کی جانب ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے اسے چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کا رزق ، موت ، عمل نیز اس کا نیک بخت یا بدبخت ہونا بھی لکھا جاتا ہے پس اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں بیشک ایک شخص جنتیوں والے عمل کرتا ہے اس شخص اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آتی ہے تو وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے چنانچہ وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے ۔ اور ایک شخص دوزخیوں والے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس شخص اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فرق رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے وہ جنتیوں کے عمل شروع کر دیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے (بخاری ، مسلم)

اس مضمون کی احادیث اور آثار کثرت کے ساتھ مروی ہیں چنانچہ علامہ ابن عبدالبر التمہید میں فرماتے ہیں کہ اس باب میں لوگوں نے کثیر آثار ذکر کیے ہیں نیز متکلمین نے بھی اس میدان میں بہت بحثیں کیں ہیں لیکن اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ان آثار پر ایمان لانا چاہیئے اور ان کے مطابق اعتقاد بھی ہو اور ہر قسم کا جھگڑا مباحثہ ترک کیا جائے و باللہ العصمۃ والتوفیق۔

(ط) تقدیر میں اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق میں ایک راز ہے نہ تو تقدیر کا کسی مقرب فرشتے کو علم ہے نہ ہی کسی نبی رسول کو اس کا علم ہے اس مسئلہ میں بحث کرنا گمراہی میں جانا اللہ کی توفیق سے محرومی کا سبب ہے ناکامی کا پیش خیمہ ہے سرکشی کا مقام ہے پس اس مسئلہ میں غور و فکر اور ہر قسم کے وسوسہ سے پرہیز کیا جائے اور دور رہا جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کے علم کو لوگوں سے لپیٹ لیا ہے اور اس کو مقصود بنانے سے روک دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون (الانبیاء ۲۳) وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔

پس جس شخص نے سوال کیا کہ یوں کیوں ہے اس نے اللہ کی کتاب کے حکم کا رد کیا اور جس نے کتاب کے حکم کا رد کیا وہ کفار سے ہے۔

(ش) مسئلہ تقدیر پر بحث

تقدیر اصل میں اللہ کا راز ہے اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اسی نے فنا کیا اسی نے فقیر کیا اسی نے مالدار بنایا اسی نے مارا اسی نے زندہ کیا اسی نے گمراہ کیا اسی نے ہدایت دی، حضرت علی فرماتے ہیں تقدیر اللہ کا راز ہے ہم اس کو نہیں جان سکتے اس مسئلہ میں لوگوں میں جو اختلاف ہے وہ مشہور ہے۔

اہل سنت کا مسلک

اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ ہر چیز اللہ کی تقدیر کے ساتھ ہے نیز اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے ارشاد ربانی ہے (انا کل شئی خلقناہ بقدر القمر۴۹) بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا) نیز فرمایا (وخلق کل شئی فقدرہ تقدیرا الفرقان ۲) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی تقدیر بنائی) لیکن کافر سے اللہ تعالیٰ کفر کا ارادہ کرتا ہے جبکہ اس کو ناپسند کرتا ہے اور نہ اس کو اچھا جانتا ہے یعنی بلحاظ تکوین کے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے بلحاظ دین کے اللہ اس کو پسند نہیں جانتا۔

قدریہ، معتزلہ کا مذہب

قدریہ معتزلہ کا مذہب اہل سنت کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے تو کافر سے چاہا تھا کہ وہ ایمان لائے لیکن کافر نے کفر چاہا اس تاویل کی انہیں اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اگر کافر سے اللہ کفر چاہتا ہے تو پھر اس کو عذاب میں کیسے گرفتار کرے لیکن وہ جس اعتراض سے بچنا چاہتے تھے اس سے عظیم اعتراض ان پر ہوتا ہے ان کی بیان کردہ دلیل اور ان کے مسلک سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کافر کی مشیت اللہ کی مشیت پر غالب آگئی یعنی ان کے قول کے مطابق اللہ نے تو کافر سے ایمان چاہا اور کافر نے کفر چاہا لیکن کافر کی مشیئت وقوع پذیر ہو گئی اللہ کی مشیت مغلوب ہو گئی ان کا یہ عقیدہ نہایت قبیح اور بلا دلیل ہے۔

لالکائی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں ان سے کہا گیا کہ ہمارے پاس ایک شخص آیا ہے جو تقدیر کی تکذیب کر رہا ہے حضرت ابن عباس نے کہا مجھے اس کے بارے میں بتاؤ وہ کہاں ہے اس عمر میں حضرت ابن عباس نابینا ہو چکے تھے لوگوں نے دریافت کیا آپ اسے کیا کہیں گے ؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مجھے اس پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو میں اس کا ناک پھوڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ آگئی تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے مجھے بنو فہم قبیلہ کی عورتیں دکھائی دے رہی ہیں جو خزرج کا طواف کر رہی ہیں مشرکہ ہیں ان کے چوتڑ حرکت کر رہے ہیں مجھے اسلام میں یہ پہلا شرک نظر آرہا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ لوگ اس قسم کے برے اعتقادات سے باز آجائیں گے یہاں تک کہ ان لوگوں نے اللہ کو اس سے نکال دیا ہے کہ وہ خیر مقدر کرنا

ہے جیسا کہ انہوں نے اللہ کو اس سے نکال دیا ہے کہ وہ شر کو مقدر کرتا ہے[1]۔

نیز حضرت ابن عباس سے منقول ہے: تقدیر دراصل توحید کا ایک نظام ہے پس جس شخص نے ایک کو ایک مانا اور تقدیر کو جھٹلایا تو تقدیر کو جھٹلانے نے اس کی توحید کو توڑ ڈالا عمرو بن الہیثم بیان کرتے ہیں ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے ہمارے ساتھ ایک قدریہ اور ایک مجوسی تھا قدریہ نے مجوسی سے کہا تم مسلمان ہو جاؤ مجوسی نے کہا اللہ اگر ارادہ کرے قدریہ نے کہا اللہ تو ارادہ کرتا ہے لیکن شیطان ارادہ نہیں کرتا مجوسی نے کہا اللہ نے ارادہ کیا اور شیطان نے بھی ارادہ کیا شیطان کا ارادہ پورا ہو گیا تو شیطان قوی رہا پس میں تو اس کے ساتھ ہوں جو قوی رہا ایک اعرابی ایک مجلس میں آیا جس میں عمرو بن عبید بھی تھا اعرابی نے لوگوں سے کہا اے لوگو! میری اونٹنی چوری ہو گئی ہے تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے واپس دلا دے عمرو بن عبید نے کہا اے اللہ! تو نے ارادہ نہیں کیا تھا کہ اس کی اونٹنی چوری ہو لیکن چوری ہو گئی پس اس پر اس کی اونٹنی واپس کر اعرابی نے کہا مجھے تیری دعا کی ضرورت نہیں اس نے دریافت کیا کیوں؟ اس نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں جیسا کہ اس نے ارادہ کیا کہ اونٹنی چوری نہ ہو لیکن چوری ہو گئی اسی طرح وہ ارادہ کرے کہ وہ اس کو لوٹائے لیکن نہ لوٹائی جائے۔

ایک آدمی نے ابو عصام قسطلانی سے کہا مجھے بتاؤ اگر اللہ مجھ سے ہدایت روک لے اور مجھے گمراہی میں مبتلا کر دے پھر وہ مجھے عذاب میں گرفتار کرے تو کیا اس کا انصاف ہو گا ابو عصام نے جواب دیتے ہوئے کہا اگر ہدایت اس کے اختیار میں ہے تو وہ جس کو چاہے اس کا عطیہ دے اور جس سے چاہے اس کو روک لے۔

کتاب وسنت سے دلائل

ارشاد ربانی ہے۔ (ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھداھا ولکن حق القول منی لاملأن جھنم من الجنة والناس اجمعین[13] اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیدیتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھروں گا) نیز فرمایا (ولو شاء ربک لاٰمن من فی الارض کلھم جمیعا افأنت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مؤمنین یونس۹۹) اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں) نیز فرمایا (وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علیما حکیما الدہر) اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے ہو مگر وہی جو خدا چاہے بے شک خدا علم والا حکمت والا ہے۔

---

[1] ضعیف ہے علاء بن حجاج مجہول ہے ۱۲

نیز فرمایا: (من یشأ اللہ یضللہ ومن یشأ یجعلہ علی صراط مستقیم الانعام ۹۰) جس شخص کو خدا چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر رکھتا ہے۔ نیز فرمایا (فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء الانعام ۱۲۶) تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے)۔

ارادہ اور رضا میں فرق

گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ ارادہ اور رضا کو مساوی سمجھ لیا گیا ہے چنانچہ جبریہ قدریہ اس نظریہ کے حامل ہیں پھر ان میں اختلاف رونما ہوا جبریہ نے کہا تمام امور اللہ کی تقدیر اور فیصلہ کے ساتھ ہیں پس جو کام ہو رہا ہے وہ محبوب اور پسندیدہ ہے قدریہ نے کہا نافرمانیاں اللہ کو پسند نہیں لہٰذا وہ قطعاً تقدیر میں داخل نہیں ہیں یعنی وہ اللہ کی مشیت اور اس کے خلق سے خارج ہیں حالانکہ قطعاً ، ارادہ ، محبت ، مشیت میں کتاب وسنت اور فطرت سلیمہ کے تقاضوں کے مطابق فرق ہے مشیت ، ارادہ کے نصوص کا پہلے ذکر ہو چکا ہے محبت ، رضا کے نصوص ملاحظہ فرمائیں ارشاد ربانی ہے واللہ لا یحب الفساد (البقرہ ۲۰۵) اور اللہ فساد کو اچھا نہیں جانتا) نیز فرمایا ولا یرضی لعبادہ الکفر (الزمر ۷) وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو ناپسند جانتا ہے) نیز شرک ، ظلم ، فواحش سے منع کرنے کے بعد فرمایا: کل ذلک کان سیئہ عند ربک مکروھا الاسراء ۳۸) ان سب (عادتوں) کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے۔ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو مکروہ قرار دیا فضول بحث مباحثہ ، زیادہ سوال کرنا اور مال کا ضیاع (بخاری ، مسلم) نیز مسند کے ساتھ ہے بے شک اللہ محبوب جانتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسا کہ وہ ناپسند جانتا ہے کہ اس کی نافرمانی کے کام کئے جائیں (مسند احمد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی اور تیرے عفو کے ساتھ تیری سزا اور تیرے ساتھ تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں (صحیح ابوداؤد) غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی صفت رضا کے ساتھ اس کی ناراضگی سے اور معافات کے ساتھ اس کے فعل عقوبت سے پناہ طلب کی ہے اس میں رضا صفت ہے اور ناراضگی سے مراد صفت نہیں بلکہ اس کا اثر مراد ہے پھر ان سب کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مربوط کر دیا ہے یعنی ان تمام کا مرجع اللہ تعالیٰ وحدہٗ کی ذات ہی ہے پس میں جس سے پناہ طلب کرتا ہوں وہ تیری مشیت اور تیرے ارادہ کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ یعنی رضا اور معافات بھی تیری مشیت اور تیرے ارادہ کے ساتھ ہے اگر تو چاہے تو تو اپنے بندے سے راضی ہو جائے اور اس کو معاف کر دے اور اگر تو چاہے تو تو اس پر ناراض

ہو جائے اور اس کو سزا دے، پس ہر اس چیز سے پناہ طلب کرتا جس کو ناپسند جانتا ہوں اور اس کے روکنے کا مطالبہ کرنا کہ وہ مجھ پر آ نہ پڑے یہ بھی تیری مشیت کے ساتھ ہے نتیجۃً ہر محبوب اور مکروہ تیرے تضا اور تیری مشیت کے ساتھ ہے پس میں تیرے ساتھ تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں اور میرا پناہ طلب کرنا تیری قوت کے ساتھ ہے اور تیری رحمت بھی تیری قوت کے ساتھ ہے اور تیرا عدل اور تیری حکمت بھی پس میں تیرے غیر کے ساتھ تیرے غیر سے پناہ طلب نہیں کرتا ہوں اور نہ تیرے ساتھ ایسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہوں جو تیری مشیت کے غیر سے صادر ہو بلکہ وہ تجھ سے ہی ہے پس ان کلمات میں کس قدر توحید معارف، عبودیت کے خزانے موجود ہیں ان کا علم صرف ان لوگوں کو ہے جو علم، معرفت الٰہی، معرفت عبودیت میں راسخ ہیں۔

ارادہ اور رضا میں فرق کیوں؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرمائیں لیکن اس پر وہ راضی نہ ہوں اور اس کو پسند نہ کریں کیا اس کا ارادہ اس کے ناپسند جاننے کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس سوال نے ہی لوگوں کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ان میں اختلافات رونما ہو چکا ہے اس مسئلہ میں غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ارادہ دو قسم کا ہے ایک ارادہ لنفسہ ہے یہ وہ ارادہ ہے جو اللہ کو محبوب ہے اور اس میں بھلائی ہے دوسرا الارادہ لغیرہ ہے یہ اس کا مقصود نہیں ہے نہ ہی اس میں اللہ کی ذات کی کوئی مصلحت کار فرما ہے اس کو مقصود کا وسیلہ کہا جا سکتا ہے پس یہ ارادہ اللہ کی ذات کے لحاظ سے تو مکروہ ہے لیکن قضا کے لحاظ سے مراد ہے اس میں ارادہ اور اس کا بغض دونوں جمع ہو سکتے ہیں ان میں کچھ منافات نہیں اس لئے کہ ان دونوں کا محل الگ الگ ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں مثلاً ایک دوا جو بظاہر بدبودار اور کڑوی ہے لیکن اس کے استعمال سے بیماری کا خاتمہ ہوتا ہے اس طرح جسم کا ایک عضو گل گیا ہے اگر اس کو کاٹ کر الگ نہ کیا جائے تو دوسرے اعضاء کے گل جانے کا بھی خطرہ ہے پس یہاں بظاہر عضو کا کاٹنا اگرچہ مکروہ ہے لیکن درحقیقت مفید ہے اسی طرح دور دراز سفر طے کرنے سے مقصود حاصل ہوتا ہے تو اگرچہ سفر میں مشقت ہے لیکن وہ اس لئے گوارا ہے کہ مشقت اٹھانے کے بعد راحت حاصل ہوگی اور گو ہر مقصود حاصل ہوگا تو عقلمند انسان مکروہ چیز کو پسند کرتا ہے جب اس کا ظن غالب یہ ہے کہ انجام اچھا ہے اگر انجام اچھے ہونے کا یقین ہے کچھ خفا نہیں تو بطریق اولیٰ مکروہ کا ارادہ کرے گا۔

پس اللہ پاک ارادہ لغیرہ کرتا ہے اور اس کو مکروہ بھی جانتا ہے دونوں متضاد نہیں ہیں مکروہ تو محبوب کے حصول کا سبب بھی بنتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا جو ہر کہ بد اعمالیوں ...... اور فسادات

کا مجموعہ ہے وہ بہت سے بندگان خدا کی گمراہی کا سبب بنتا ہے ان کی بداعمالیوں سے خدا تعالیٰ ناراض ہوتا ہے نیز ابلیس ایسے کاموں میں لگا رہتا ہے جو خدا کو پسند نہیں ہیں لیکن دوسری طرف وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے اثبات کا وسیلہ بھی بنتا ہے یعنی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ متضاد چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے اگر وہ اخبث ترین ذات کے پیدا کرنے پر قادر ہے جو تمام شرور اور فسادات کا منبع ہے تو وہ اشرف ترین پاکیزہ بہترین ذات حضرت جبریل علیہ السلام کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے جو تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے پس اللہ کی ذات بابرکت ہے جس نے شیطان کو بھی پیدا کیا اور اس کے بالمقابل حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی پیدا فرمایا متضادات، متقابلات کا سلسلہ خاصا طویل ہے مثلاً بیماریاں، ادویات، زندگی، موت، خوبصورتی، بدصورتی، نیکی، برائی ان سب کا وہ خالق ہے ان کی تخلیق پر غور کرنے سے اس کی کمال قدرت، بادشاہت، سلطنت، عظمت کا پتہ چلتا ہے یہ سب اس کے تصرفات ہیں لیکن اگر ان میں سے بعض چیزیں وجود میں نہ آئیں تو اس کے کمال تصرف اور تدبیر کے اظہار میں ہمیں کچھ ہچکچاہٹ ہوتی نیز اللہ پاک کی ذات جہاں غفور رحیم کے صفات کے ساتھ موصوف ہے وہاں وہ قہار، منتقم بھی ہے ظاہر ہے کہ اس کی قہاریت اور اس کا انتقام بداعمالیوں کے نتیجہ میں ہوگا بلکہ اللہ پاک کے جس قدر اسماء ہیں ان کے متعلقات کا ہونا ضروری ہے مثلاً اللہ شدید العقاب سریع العقاب، ذوالبطش الشدید سخت پکڑنے والا، نیچا دکھانے والا، ذلیل کرنے والا، تکالیف پہنچانے والا ان سب کے متعلقات وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو برے اعمال کرتے ہیں لیکن اگر تمام جن وانس فرشتے بن جائیں تو ان اسماء کے متعلقات کون ہوں گے اسی طرح اللہ کے وہ اسماء جن میں حلم، مغفرت، پردہ پوشی، معاف کرنا، آزاد کرنا کے معانی پائے جاتے ہیں ان کے متعلقات وہ لوگ ہیں جو مختلف قسم کے گناہوں میں مبتلا ہیں اللہ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں اگر اس قسم کے لوگ نہ ہوں تو پھر یہ اسماء بے کار ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ اس معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اگر تم گناہ نہ کرو گے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے اللہ سے مغفرت طلب کریں گے تو ان کو معاف کر دیا جائے گا (مسلم)

اسی طرح اللہ کے ناموں میں سے حکیم، خبیر بھی ہیں جن کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ تمام چیزوں کو ان کے مقام پر رکھتا ہے اس کے پیش نظر مصلحت اور حکمت رہتی ہے اس کا کمال علم اور حکمت جن چیزوں کا جس طرح تقاضا کرتی ہے اسی طرح اسی مناسبت کے ساتھ وہ چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ خوب جانتا ہے کہ کون رسول بننے کا مستحق ہے اور اس میں اس کی اہلیت موجود ہے نیز وہ اس مرتبہ پر فائز ہونے کے بعد اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہے، نیز کون ہے جس میں یہ صلاحیت موجود نہیں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مکروہ اسباب سرے سے موجود ہی نہیں ہیں تو بے شمار حکمتیں بے کار ہو جائیں اور بہت سی مصلحتیں ختم ہو جائیں اگر صرف شر کے پائے جانے کی وجہ سے ان اسباب کو معطل

کردیا جائے تو نتیجۃً خیر بھی معطل ہو جائے گی جو ان اسباب میں شر سے زیادہ مؤثر انداز میں موجود ہے جیسے سورج، بارش، ہوا ان میں مصالح کے ساتھ ساتھ مضرتیں بھی موجود ہیں اسی طرح اگر ابلیس کو نہ پیدا کیا جاتا تو عبودیت میں جس قدر تنوع موجود ہے وہ کبھی حاصل نہ ہوتا ظاہر ہے کہ جہاد کی عبودیت دیگر تمام انواع سے اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے لیکن اگر تمام لوگ ایماندار ہو جائیں تو جہاد کی عبودیت ختم ہو کر رہ جائے گی یعنی آپ کس سے جہاد کریں گے اور اللہ کے ساتھ موالات اور معادات کو کیسے سمجھا جائے گا اسی طرح امر بالمعروف نہی عن المنکر صبر، خواہش نفسانی کی مخالفت، اللہ کی محبت کو ترجیح دینا، توبہ اور استغفار اللہ کے ساتھ اس کے دشمن سے پناہ طلب کرنا اور اس کے مکر اور تکلیف سے محفوظ رہنا وغیرہ ایسی عبودیتیں ہیں جن کی حکمتوں کے ادراک سے انسانی عقل عاجز ہے۔

سوال وجواب کیا اسباب کے بغیر حکمتوں کا وجود ممکن ہے اس سوال کے فاسد ہوتے میں کچھ اختلاف نہیں اس سے ملزوم کے وجود کو لازم کے بغیر فرض کرنا پڑتا ہے جو محال ہے جیسے باپ کے بغیر بیٹے کے وجود کو فرض کرنا ہے کسی محرک کے بغیر حرکت کو فرض کرتا ہے تو بہ کرنے والے کے بغیر توبہ کو فرض کرنا ہے۔

سوال وجواب کیا یہ اسباب اس لحاظ سے پسندیدہ ہیں یا بہرحال ناپسندیدہ ہیں ہم اس کے جواب میں کہیں گے یہ سوال دو جہتیں رکھتا ہے اس کی ایک جہت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یعنی کیا اللہ تعالیٰ ان اسباب کو اس لئے محبوب جانتا ہے کہ یہ اسباب ایک محبوب مقصد کی جانب لے جاتے ہیں اگرچہ اسباب کی ذات کے لحاظ سے ان کو ناپسند جانتا ہے اس کی دوسری جہت بندوں کے لحاظ سے ہے یعنے بندہ کے لئے ان اسباب کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی کی کوئی صورت ہے یہ ایک اہم سوال ہے جس کا ہم جواب پیش کرتے ہیں خیال رہے تمام شر معدوم ہے اس لحاظ سے تو وہ محض شر ہے لیکن محض اپنے وجود کے لحاظ سے اس میں شر نہیں مثلاً وہ نفوس جو شریر ہیں ان کا وجود بلحاظ ان کے موجود ہونے کے خیر ہے ان میں شر کا دخل ہوا جب ان سے خیر کا مادہ ختم ہوا ظاہر ہے کہ نفوس اصل میں متحرک پیدا ہوتے اگر علم خیر کے الہام کے ساتھ انہیں مدد ملتی رہے تو وہ حرکت میں رہتے ہیں اگر انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنی طبیعت کے تقاضے کے لحاظ سے خیر کے خلاف کی طرف حرکت کرتے ہیں ان کا اپنے طور پر متحرک ہونا تو خیر ہے ان میں شر اضافی ہے بلحاظ حرکت کے شر نہیں ہے اور شر تمام تر ظلم ہے ظلم سے مراد ہے کہ کسی چیز کو اس کے محل میں نہ رکھنا اگر اپنے محل میں ہے تو وہ شر نہیں ہے معلوم ہوا اس میں شر اضافی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم سزاؤں کو نی نفسہا خیر کہتے ہیں اگرچہ وہ محل کے لحاظ سے شر ہیں اس لئے کہ سزاؤں سے جسم کو تکلیف ہوتی ہے جب کہ جسم طبعی طور پر لذت کو قبول کرتا ہے اور اس

کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے، پس سزا عقوبت، تکلیف بہ نسبت لذت کے شر ہے اور بہ نسبت فاعل کے خیر ہے اس لئے کہ فاعل نے جرم کیا تو اس کو سزا دی گئی معلوم ہوا تمام وجوہ سے کوئی چیز شر نہیں اللہ کی حکمتیں اس کا انکار کرتی ہیں پھر اللہ پاک کے لئے کیسے لائق ہے کہ وہ ایسی چیز کا ارادہ کرے جو ہر لحاظ سے شر ہو اور اس کے خلق میں مصلحت کا کوئی پہلو کارفرما نہ ہو یہ تو واضح طور پر محال ہے۔

ظاہر ہے کہ تمام خیر اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور شر اللہ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ جو اس کی طرف منسوب ہے وہ سب خیر ہی خیر ہے اور شر اس وجہ سے تو شر ہے کہ اس کی اللہ کی طرف نسبت نہیں ہے اگر اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہو جاتی تو وہ شر نہیں ہے یعنی اللہ کی جانب سے اس کی نسبت کے انقطاع نے اس کو شر بنایا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال پیدا ہوتا ہے شر کی نسبت کا بلحاظ پیدا کرنے اور مشیت کے تو اللہ سے انقطاع نہیں ہم کہیں گے اس لحاظ سے وہ شر نہیں یعنی شر کے وجود کی تو اللہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے اس لحاظ سے وہ شر نہیں ہاں اس لحاظ سے شر ہے کہ اللہ اس کی خیر اور اس کے اسباب کے ساتھ مدد نہیں فرماتا پس وہ عدم ہوا عدم کی کسی طرف نسبت نہیں ہو سکتی چہ جائے کہ اس کی نسبت ایسی ذات کی طرف ہو جس کے ہاتھ میں تمام بھلائیاں ہیں مزید وضاحت یوں ہے کہ خیر کے اسباب تین ہیں ایجاد اعداد، امداد خیر ہیں یہ تینوں ہیں لیکن اگر کسی چیز میں (ایجاد ہے) اعداد، امداد نہیں ہے تو وہ شر ہے یعنی معدوم ہے اس کا وہ فاعل نہیں وہ تو خیر کا فاعل ہے۔

ایک سوال اس کا جواب

جب شر میں اللہ کی جانب سے ایجاد ہے تو امداد کیوں نہیں ہے ہم کہیں گے اللہ کی حکمت نے اس کے ایجاد، امداد دونوں کا تقاضا نہیں کیا صرف ایجاد کا تقاضا کیا امداد کا تقاضا نہیں کیا ہے بلکہ ترک امداد ہے اس کا ایجاد خیر ہے لیکن عدم امداد کی وجہ سے شر ہے۔

ایک سوال اس کا جواب

اللہ نے تمام موجودات کی مدد کیوں نہ فرمائی ہم کہیں گے یہ تو سوال ہی فاسد ہے یہ سوال اس بنیاد پر ہے کہ تمام موجودات میں مساوات ہو یہ بات جہالت کا کرشمہ ہے حکمت خداوندی کا تو تقاضا یہ ہے کہ موجودات میں بہت بڑا تفاوت ہے جبکہ ایک نوع والی موجودات میں تفاوت نہیں تفاوت تو عدمی امور میں ہے جن کے ساتھ پیدا کرنے کا تعلق نہیں ورنہ پیدا کرنے میں تو کچھ تفاوت نہیں اگر آپ کے ذہن میں بات نہیں آ رہی ہے تو ذیل کے شعر سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

اذا لم تستطع شیئًا فدعہ وجاوزہ الی ما تستطیع جب تجھ میں کسی کام کی استطاعت نہ ہو تو اس کو ترک کر دیجئے اور اس کام کی طرف تجاوز کریں جس کی طاقت ہے۔

ایک سوال اس کا جواب

اللہ اپنے بندے کے لئے کسی چیز کو کیسے پسند فرماتا ہے جب کہ وہ اس کی اعانت نہیں کرتا ہم کہیں گے اللہ کا کسی کام پر اعانت کرنا کبھی ایسی محبوب چیز کے فوت ہونے پر مستلزم ہوتا ہے جو اس فرمانبرداری کے حصول سے زیادہ عظمت والی ہوتی ہے جس کو اللہ نے اس کے لئے پسند فرمایا اور کبھی اس فرمانبرداری کا وقوع ایسے مفسدہ کو متضمن ہوتا ہے جو اللہ پاک کو فرمانبرداری کی محبت سے زیادہ مکروہ ہوتا ہے اللہ کے اس قول میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ ملتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔ ولو ارادوا الخروج لاعدوا له عدة ولكن كره الله انبعاثهم فثبطهم (التوبۃ ۴۶)
اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن خدا نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند ہی نہ کیا تو ان کو ہلنے جلنے ہی نہ دیا کہ ان کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کے لئے نکلنا فرمانبرداری ہے لیکن اللہ نے ان کی اس فرمانبرداری کو مکروہ جانا ہے تو جب اللہ نے ان کو مکروہ جانا تو اس نے ان میں جانے سے تکاسل پیدا کر دیا اس کے بعد اللہ نے بعض ان مفسدوں کی نشان دہی فرمائی جو ان کے اللہ کے رسول کے ساتھ جانے میں مرتب ہوتے تھے فرمایا لو خرجوا فيكم ما زادوكم الا خبالا ولا وضعوا خلالكم يبغونكم الفتنة وفيكم سماعون لهم (التوبۃ ۴۷) اگر وہ تم میں (شامل ہوکر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں) یعنی اگر وہ نکلتے تو تمہارے درمیان فساد پیدا کر دیتے پھر تم میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتوں پر کان دھرنے والے ہیں ان سے متاثر ہیں پس اگرچہ ان کا نکلنا بظاہر مفید نظر آتا ہے لیکن ان کے نکلنے سے جو نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں وہ ان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں اس لئے مصلحت خداوندی متقاضی ہوئی کہ ان کے جانے سے روک دیا اس مثال سے مذکورہ قاعدہ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے مزید تفریعات کو اس پر منطبق کریں۔

وہ اسباب جن کو بندہ بروئے کار لاتا ہے نہ صرف یہ کہ وہ ممکن ہیں بلکہ واقع ہیں مثلاً بندہ فسق و فجور اور گناہوں کو ناپسند جانتا ہے اور ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جب کہ یہ کام اس کے فعل اور کسب کے ساتھ ہیں لیکن اللہ کے علم اس کی مشیئت، ارادہ امر تکوینی کے لحاظ سے گناہوں کو پسند جانتا ہے صوفیاء کے ایک گروہ کا یہی مسلک ہے جب کہ دوسرا گروہ مطلق طور پر گناہوں کو ناپسند جانتا ہے خلاصہ یہ کہ فسق و فجور کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو مکروہ نہیں اور بندے کی طرف ہو تو مکروہ ہے۔

لیکن یہ کہنا کہ بندے کا ان برے کاموں میں کچھ اختیار نہیں بالکل غلط ہے اس لئے کہ یہ تو جبر محض ہے جو باطل ہے جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے لئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے بلکہ قدری یعنی تقدیر کا انکار کرنے والا بہ نسبت جبری کے راہ اعتدال کے اقرب ہے جب کہ اہل سنت جو جبریہ، قدریہ

دونوں کے درمیان ہیں راہ اعتدال پر گامزن ہیں۔

کیا تقدیر کی موافقت اطاعت ہے؟

اللہ کے ارادہ اور اس کے امر میں نمایاں فرق موجود ہے اس لئے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے کسی گناہ پر نادم ہونے کی ضرورت نہیں نہ ہی توبہ کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ تقدیر الٰہی میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کے مطابق ہی تو یہ کام ہوا ہے اللہ کی مشیئت اس کی قیومیت جلوہ گر ہے درست ہے کہ میں نے اس کے حکم کی تو نافرمانی کی ہے لیکن اس کے ارادہ، مشیئت کی نافرمانی نہیں ہے چنانچہ اس معنیٰ کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے ؎ اصبحت منفعلاً لما یختارہ منی ففعلی کلہ طاعات جو کچھ اللہ پسند فرماتا ہے مجھ سے وہی کچھ ہو رہا ہے پس میرے تمام افعال میں اسی کی اطاعت کی جلوہ گری ہے۔

ہم کہیں گے یہ لوگ راہ صواب سے دور ہیں ان کی ذہنی بصیرت مفلوج ہو کر رہ گئی ہے ان کی گمراہی اظہر من الشمس ہے درحقیقت یہ لوگ تکوینی، شرعی امور میں فرق کرنے کی صلاحیتوں سے عاری ہیں، اللہ کی معرفت کا انہیں کچھ علم نہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ امور دینیہ شرعیہ کی موافقت کا نام اطاعت ہے، تقدیر، مشیئت کی موافقت کا نام اطاعت نہیں ہے اگر تقدیر کی موافقت کا نام اطاعت ہوتا تو ابلیس کو بھی اللہ کا بہت بڑا اطاعت گزار سمجھا جاتا اسی طرح قوم نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور قوم فرعون کو اطاعت کرنے والوں میں شمار کیا جاتا حالانکہ کوئی بھی انہیں اطاعت کرنے والوں میں نہیں سمجھتا پس امر اور مشیئت میں فرق نہ کرنے والے غایت درجہ جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

غور فرمایئے کہ جب کوئی شخص اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہے تو مشیئت ایزدی اور تقدیر الٰہی کو تسلیم کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ نہ وہ اپنے آپ کو گناہوں سے معصوم سمجھتا ہے نہ ہی وہ کسی فخر میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ وہ سراپا احتیاج بنا ہوا ہوتا ہے تو ایسی حالت میں وہ اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ شخص ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے اس حالت میں اس سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا ایسے ہی انسان کے حق میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اس قابل رشک حالت میں اس سے گناہ کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر اسے اپنے نفس پر گھمنڈ ہوتا ہے وہ بارگاہ ایزدی سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اپنے نفس کے حکم کا تابع ہو جاتا ہے دام تزویر میں الجھ جاتا ہے شرک کے جال میں پھنس جاتا ہے گمراہ کرنے والے

شکاری جانور سوسے اس کے شکار کے لئے مچان درچو بند کرلے ہوجاتے ہیں جن سے بچ نکلنے میں اسے کامیابی نہیں ہو سکتی جب کبھی یہ حجابات دور ہوتے ہیں اور اسے اپنے گناہوں پر ندامت ہوتی ہے تو وہ توبہ کرتا ہے اس میں انابت الی اللہ کا داعیہ ابھرتا ہے۔ گناہ سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اس حالت میں اس کا تعلق اس کے رب کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔

اعتراض جب کفر اللہ کے قضا اور تقدیر کے ساتھ ہے تو ہم اسے مکروہ نہیں سمجھیں گے اس لئے کہ ہم مامور ہیں کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہیں۔

جواب اولاً ہم کہیں گے کہ ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کے تمام فیصلوں پر رضامندی کا اظہار کریں نہ ہی ایسا کرنے کا حکم کتاب وسنت میں موجود ہے بلکہ اللہ کے بعض فیصلے ایسے ہیں جن پر رضامندی کا اظہار کیا جائے جب کہ بعض ایسے فیصلے ہیں جن پر ناراضگی کا اظہار کیا جائے یعنی ایک قضا ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ تو تمام تر خیر، عدل اور حکمت ہے ہم تمام قضا پر راضی ہیں اور ایک مقضی۔ جس کا فیصلہ کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں بعض فیصلہ شدہ امور وہ ہیں جن پر رضا کا اظہار کیا جائے اور بعض امور وہ ہیں جن پر رضا کا اظہار نہیں ہونا مثلاً جب کہ قضا کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور اس کی طرف منسوب ہے تو اس لحاظ سے اس پر قضا کا اظہار کیا جائے اور اس لحاظ سے کہ اس کا تعلق بندے کے ساتھ ہے اور اس کی طرف نسبت ہے کبھی اس پر رضا کا اظہار ہوتا ہے اور کبھی اس پر رضا کا اظہار نہیں کیا جا سکتا دیکھئے قتل نفس کے دو اعتبار ہیں اس لحاظ سے کہ وہ تقدیر الٰہی ہے اللہ نے مقتول کی عمر کی انتہا کو لکھ دیا ہے اس پر رضا کا اظہار کیا جائے لیکن اس لحاظ سے کہ قاتل سے یہ جرم اس کے اختیار کے ساتھ ہوا ہے اس نے یہ جرم کر کے اللہ کی نافرمانی کی ہے ہم اس پر ناراض ہوں گے رضا کا اظہار نہیں کر سکتے۔

مسئلہ تقدیر میں بحث وتکرار امام طحاوی فرماتے ہیں: مسئلہ تقدیر میں بحث وتکرار کا نتیجہ محرومی ہے لہٰذا اس میں زیادہ غور وفکر سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ چند صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ ہمارے دلوں میں ایسے خیالات ابھرتے ہیں کہ جن کے اظہار کو ہم گناہ سمجھتے ہیں آپ نے استفہامیہ انداز میں سوال کیا واقعتہً تم یہ محسوس کرتے ہو انہوں نے اثبات میں جواب دیا آپ نے فرمایا یہی تو صریح ایمان کی علامت ہے (مسلم)

نیز عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسے کے بارے میں دریافت

کیا گیا آپ نے فرمایا وسوسے کو وسوسہ سمجھنا عین ایمان کی علامت ہے اسی طرح وسوسے کو شیطانی وسوسہ کہنا اور اس کے دفع کی کوشش کرنا صریح ایمان ہے چنانچہ صحابہ کرام، تابعین عظام کا یہی دستور تھا جب کہ بعد میں آنے والے ناخلف لوگوں نے وسوسوں، شکوک و شبہات سے کتابیں سیاہ کیں بلکہ دلوں کو بھی سیاہ کر دیا اس طرح باطل کی سرپرستی کرتے ہوئے انہوں نے حق کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی نے مسئلہ تقدیر کو قدر طوالت سے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ میں مبالغہ آرائی کے ساتھ بحث و تمحیص کو مذموم قرار دیا ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک وہ انسان مبغوض ہے جو مجادلہ آرائی سے کام لیتا ہے (بخاری، مسلم)

نیز عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بیان کرتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے لوگ مسئلہ تقدیر میں بحث کر رہے تھے راوی بیان کرتے ہیں گویا کہ آپ کے چہرہ میں انار نچوڑا گیا ہے (یعنی غصے کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ دکھائی دے رہا تھا) آپ نے ان سے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کتاب اللہ میں اختلاف کر رہے ہو اس اختلاف نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا (راوی بیان کرتا ہے) کسی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں مجھے کبھی یہ آرزو نہ ہوئی تھی کہ میں اس مجلس میں شریک نہ ہوتا سوائے اس روز کے کہ میں نے آرزو کی کاش میں اس مجلس میں شریک نہ ہوتا (احمد، ابن ماجہ) ارشاد ربانی ہے:

فاستمتعتم بخلاقکم کما استمتع الذین من قبلکم بخلاقہم وخضتم کالذی خاضوا (التوبہ) جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں اسی طرح تم نے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا لیا ہے اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم بھی باطل میں ڈوبے رہے) یعنی تم نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا اور اس طرح بحث کی جس طرح انہوں نے بحث کی۔

پس اس آیت میں عمل، اعتقاد دونوں کو یکجا کر دیا ہے اس لئے کہ دین کے فساد کا انحصار دو نوں پر ہے شہوت بدعملی کو جنم دیتی ہے اور شبہات فاسد اعتقادات کو جنم دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پہلے لوگوں کے راہ پہ چلے گی کچھ فرق نہ ہوگا صحابہ نے دریافت کیا آپ کی مراد فارس اور روم کے لوگ ہیں آپ نے فرمایا وہی تو ہیں اور کون ہیں (بخاری)

نیز عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا وہی حال ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا کچھ فرق نہ ہوگا جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے عین برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ان سے کسی شخص نے علانیہ ماں سے زنا کیا تو میری امت میں بھی ضرور ایسا کرنے والا شخص ہوگا نیز یاد رکھو

بنی اسرائیل کے بہتر فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے جو سب کے سب دوزخ میں ہوں گے سوائے ایک جماعت کے صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (ترمذی)

نیز حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودیوں کے اکہتر یا بہتر فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

حضرت معاویہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی، عیسائی دین میں بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے لیکن یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی تمام فرقے خواہش پرست ہوں گے صرف ایک جماعت ان سے مستثنیٰ ہے۔

امت کا جن مسائل میں اختلاف ہے ان میں سب سے بڑا مسئلہ تقدیر کا ہے اس لحاظ سے اس مسئلہ میں ذرا بحث طویل ہو گئی ہے۔

اوامر و نواہی کی حکمت معلوم کرنا

امام طحاوی فرماتے ہیں جس شخص نے دریافت کیا کہ فلاں حکم کی علت کیا ہے اس نے کتاب کے حکم کو رد کر دیا اور جس نے کتاب کے حکم کو رد کیا وہ کافروں سے ہو گیا۔

یاد رہے کہ عبودیت، ایمان باللہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ بلا چوں و چرا ان کو تسلیم کیا جائے اوامر و نواہی کی حکمت کے بارے میں سوال نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے کسی نبی کی امت کے بارے میں جو اپنے پیغمبر پر ایمان لائی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق کی) یہ ذکر نہیں فرمایا کہ امت نے شرائع کی علت اور حکمت کے بارے میں بھی سوال کیا ہو اگر کوئی امت ایمان لانے کے ساتھ حکمت کے متعلق سوال کرتی تو قطعاً اس کے ایمان کو صحیح نہ سمجھا جاتا پس ایمان لانے کے بعد انقیاد سراپا تسلیم اور اذعان ضروری ہے جو حکمت معلوم ہو سکی اس پر اکتفا کیا مزید استفسار نہ کیا اور جس کی حکمت معلوم نہ ہو سکی وہاں انقیاد کو حکمت کی معرفت پر موقوف قرار نہیں دیا بہر امت کے پیغمبر کا امت کے ہاں اتنا عظیم مقام ہے کہ وہ اس کے حکم کے سامنے چوں چرا کو کسی صورت میں جائز نہیں سمجھتی چنانچہ انجیل میں مرقوم ہے۔

اسے بنی اسرائیل! تم یہ سوال نہ کرو کہ ہمارے رب نے اس کا حکم کیوں دیا ہے بس تم یہ سوال کرو کہ ہمارے رب نے ہمیں کن باتوں کا حکم دیا ہے یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ (جو تمام امتوں سے عقل، علم معرفت کے لحاظ سے اکمل ہے) کے اسلاف میں اپنے پیغمبر سے یہ سوال نہیں کیا کہ اللہ نے فلاں حکم کیوں دیا

ہے یا فلاں کام سے کیوں منع کیا ہے اس لئے کہ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ ان کا یہ سوال ایمان، اسلام کے مخالف ہے نیز اسلام کے درجہ تسلیم پر ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے چنانچہ جس کام کا حکم پیغمبر علیہ السلام کی جانب سے ہوا ہے اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے پھر اس کے سرانجام دینے پر عزم بالجزم کیا جائے پھر اس کے امتثال کے لئے جذبہ مسابقت اختیار کیا جائے موانعات وغیرہ سے احتراز کیا جائے پھر عملاً اس کو اکمل صورت میں پیش کرنے کے لئے بھرپور کوشش صرف کی جائے اور خیرخواہی کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے پھر اس کو کر گزرے اس لئے کہ اس کے کرنے کا حکم ہے اور کرنے کا حکم اس کی حکمت کی معرفت پر موقوف نہیں ہے کہ اگر حکمت معلوم ہو تو کر گزرے ورنہ نہ کرے یہ طرز عمل انقیاد کے منافی ہے اور امتثال کے مخالف ہے۔

ابن عبدالبر کا قول علامہ قرطبی، ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں: جو شخص دریافت کرتا ہے تاکہ اسے علم حاصل ہو اور جہالت دور ہو دیانۃً جس قدر علم کی ضرورت ہے اسی قدر بحث کرے اس میں کچھ مضائقہ نہیں جہالت کا علاج سوال کرنا ہے لیکن جو شخص سوالات پیدا کر کے خواہ مخواہ تکالیف کا دروازہ کھولتا ہے تفقہ، تعلم مقصود نہیں اس شخص کے لئے سوال کرنا قطعاً جائز نہیں۔

ابن العربی کا قول عالم کے لئے لائق ہے کہ وہ بسط کے ساتھ دلائل پیش کرے اور نقطۂ نظر کی وضاحت کرے اجتہاد کے مقدمات کا ذکر کرے اور ان وسائل کا ذکر کرے جن سے اصل مسئلہ کی معرفت میں مدد مل سکے پس جب کوئی واقعہ رونما ہو تو اس کے حل کے لئے صحیح راہ اختیار کیا جائے اور اس کی جستجو میں جدوجہد کی جائے تاکہ اس کا صحیح حل معلوم ہو سکے اس طرح یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو راہ صواب کی ہدایت کرے گا۔

۰ارشاد نبوی ہے وہ اچھا مسلمان ہے جو لایعنی باتوں کو ترک کر دیتا ہے (ترمذی) پس جو شخص کتاب اللہ کے حکم کا رد کرتا ہے اس کے کافر ہونے میں کچھ شبہ نہیں البتہ جو شخص کسی شبہ کی وجہ سے کتاب اللہ کے حکم کی تاویل کرتا ہے اس کے سامنے راہ صواب واضح کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کرے پس اللہ سبحانہ سے سوال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کیا کرتا ہے اس کو ہم اللہ کی کمال حکمت، رحمت، عدل پر محمول کرتے ہیں اس کے قہر قدرت پر محمول نہیں کرتے جیسا کہ جہم اور اس کے ہم خیال لوگ کہتے ہیں مزید وضاحت آگے آئے گی۔

(ط) جن مسائل کا ذکر ہوا یہ وہ مسائل ہیں جن کی ضرورت وہ لوگ محسوس کرتے ہیں جو اولیاء اللہ ہیں جن کے دل منور ہیں نیز وہ راسخ فی العلم کے درجہ پر فائز ہیں یاد رہے علم دو قسم پر ہے ایک علم تو وہ ہے جو پایا جاتا ہے دوسرا علم موجود نہیں بلکہ مفقود ہے پس موجود علم کا انکار کفر ہے اور مفقود علم کا دعوی کرنا بھی کفر

ہے ایمان تب ثابت ہو گا جب آپ موجود علم کو قبول کریں اور مفقود علم کو طلب نہ کریں۔

(ش) پہلے جن باتوں کا ذکر ہو چکا ہے وہ ایسی باتیں ہیں جو شریعت میں موجود ہیں نہ صرف ان کا اعتقاد ضروری ہے بلکہ ان کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

راسخ فی العلم لوگ اس علم سے واقف ہوتے ہیں جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہی علم موجود ہے لیکن مفقود علم سے مراد تقدیر کا علم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے لپیٹ لیا ہے اور اس میں بحث کرنے سے منع کیا ہے پس جو شخص اس علم کا انکار کرتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہ کافر ہے جس طرح وہ انسان بھی کافر ہے جو مفقود علم کا مدعی ہے ارشاد ربانی ہے عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدًا ۲ الا من ارتضیٰ من رسول (الجن ۲۶-۲۷) (وہی غیب کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہے ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے) نیز فرمایا ان اللّٰہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ماذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت ان اللّٰہ علیم خبیر لقمان ۳۴ خدا ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ نر ہے یا مادہ) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی بے شک خدا جاننے والا (اور) خبردار ہے) یاد رہے اگر ہمیں کسی حکم کی حکمت کا علم نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کوئی حکمت نہیں ہے مثلاً سانپ بچھو ہے اور زمین کے کیڑے مکوڑے کہ ہم جن کی مضرت سے ہی واقف ہیں ان کے پیدا فرمانے کی حکمت سے ہمیں واقفیت نہیں اس سے لازم نہیں آتا کہ فی الحقیقت ان کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہی نہ ہو یا ہم نفی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی نہیں فرمایا وہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں اس لئے کہ علم کا نہ ہونا حکمت کے معدوم ہونے کو مستلزم نہیں۔

(ط) ہم لوح القلم اور جو کچھ اس میں مرقوم ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ (البروج ۲۱-۲۲) بلکہ وہ قرآن بزرگی والا لوح محفوظ میں ہے)

امام طبرانی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید رنگ کے موتی سے پیدا فرمایا جس کے صفحات سرخ رنگ کے یاقوت کے ہیں قلم نور ہے تحریر بھی نور ہے اللہ تعالیٰ ہر روز اس میں تین سو ساٹھ بار دیکھتا ہے اس کی چوڑائی آسمان زمین کی چوڑائی کے برابر ہے اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے رزق عطا کرتا ہے مارتا ہے زندہ کرتا ہے عزت بخشتا ہے ذلت

دیتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے[1]۔

لوح محفوظ سے مراد وہ کتاب ہے جس میں تمام مخلوق کی تقدیر لکھی ہوئی ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اس کے ساتھ لوح محفوظ میں تمام کائنات کی تقدیر تحریر فرمائی۔
عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے سنا فرماتے تھے سب سے اول خدا نے قلم کو پیدا فرمایا اس سے کہا تحریر کرو اس نے دریافت کیا یا اللہ! میں کیا لکھوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیامت قائم ہونے تک ہر چیز کی تقدیر تحریر کرو[2] (ابوداؤد)

سب سے اول کس کو پیدا فرمایا علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً قلم کو پیدا فرمایا یا عرش کو پیدا فرمایا۔ اس میں دو قول ہیں جن کو حافظ ابوالعلاء ہمدانی نے ذکر کیا ہے صحیح قول یہ ہے کہ اللہ نے قلم سے قبل عرش کو پیدا فرمایا صحیح حدیث میں ہے عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمانوں زمین کے پیدا فرمانے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے مخلوق کی تقدیر تحریر فرمائی اس کا عرش پانی پر تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرش پیدا فرمانے کے بعد تقدیر لکھی گئی اس کا آغاز قلم پیدا فرمانے سے ہوا اس لحاظ سے قلم کے بارے میں کہا کہ اس کو اللہ نے پہلے پیدا فرمایا اس تفصیل سے دونوں حدیثوں میں جو تعارض تھا وہ رفع ہو گیا اس لئے کہ عرش تو تقدیر سے پہلے ہی موجود تھا اور تقدیر اور قلم کے پیدا فرمانے میں مقارنت ہے دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں جب اللہ نے قلم پیدا فرمایا تو اس سے کہا تحریر کرو پس یہ قلم پہلا قلم ہے اور افضل ہے نیز اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہی وہ قلم ہے جس کی خدا تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے ارشاد ربانی ہے نٓ والقلم وما یسطرون (القلم ۱-۲) ن قلم اور ان (کلمات) کی قسم جن کو وہ لکھتے ہیں) دوسری قلم کو قلم وحی کہا جاتا ہے جس کے ساتھ وحی لکھی جاتی ہے جو انبیاء کی طرف کی جاتی ہے اس قلم والوں کو تمام عالم پر حاکم ہونے کا شرف حاصل ہے اور باقی تمام اقلام ان کی خادم ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء کی رات ایسے ہموار مقام پر لے جایا گیا جہاں آپ کو اقلام کی آواز سنائی دیتی تھیں تو دراصل یہی وہ اقلام ہیں جو اللہ کے احکامات (جو عالم علوی اور سفلی کی تدابیر کے بارے میں ہیں) تحریر کرتی ہیں۔

(ط) پس اگر تمام مخلوق اس بات پر جمع ہو جائے کہ جو کچھ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ وہ مستقبل میں ہونے والا ہے اس کو نہ ہونے دے تو وہ اس پر قادر نہیں اور اگر تمام اس پر جمع ہو جائیں کہ جو کچھ اللہ نے نہیں

---

[1] حدیث ضعیف ہے زیاد بن عبداللہ اور لیث دونوں راوی ضعیف ہیں البتہ موقوف روایت کی سند حسن ہے [2] صحیح ہے ۱۲

لکھا اس کو کر کے دکھائیں تو وہ اس پر بھی قادر نہیں ہیں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے قلم اس کی تحریر کر کے خشک ہو چکی ہے۔

(ش) حضرت جابرؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا سراقہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں ہمارے دین سے آگاہ فرمائیں گویا کہ ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں آج جو ہم عمل کر رہے ہیں کیا اس کو پہلے سے اقلام نے لکھ دیا ہے اور تقدیر میں ثابت ہو چکا ہے یا عمل کرنے سے اس کا وجود مستقبل میں ظاہر ہوتا ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اقلام اس کو لکھ کر خشک ہو چکی ہیں اور تقدیر میں ثابت ہو چکا ہے (حدیث صحیح ہے)

نیز حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا آپ نے فرمایا اے بچے! میں تجھے چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں تو اللہ کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا تو اللہ کی حفاظت کر تو اس کو اپنے ساتھ پائے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور تو مدد کا سوال کرے تو اللہ سے مدد کا سوال کر نیز یاد رکھو اگر تمام امت اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو تجھے اتنا ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جس قدر اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر وہ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تجھے کچھ نقصان سے ہمکنار کریں تو تجھے صرف اسی قدر نقصان پہنچا سکیں گے جس قدر اللہ تعالے نے لکھ دیا ہے اقلام رک چکی ہیں اور ورق کی سیاہی خشک ہو چکی ہے (ترمذی حدیث حسن ہے)

ترمذی کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے تو اللہ کی حفاظت کر اس کو اپنے سامنے پائے گا، خوشحالی میں اللہ کی معرفت پیدا کر وہ بدحالی میں تیری پہچان رکھے گا نیز اس کا یقین کر کہ جو چیز تجھ سے خطا کر گئی اس نے تجھے پہنچنا ہی نہ تھا اور جو چیز تجھے پہنچ چکی ہے اس نے تجھ سے خطا نہیں جانا تھا نیز معلوم کر و صبر پر مدد ملے گی مصیبت کے بعد خوشحالی ہوگی اور تنگی کے بعد آسانی حاصل ہوگی۔

اقلام کی تعداد مذکورہ احادیث کے علاوہ دیگر احادیث میں بھی اقلام جمع کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قلم ایک نہیں متعدد ہیں چنانچہ سنت سے پتہ چلتا ہے کہ اقلام چار ہیں لیکن یہ تقسیم سابقہ تقسیم کے علاوہ ہے۔

پس پہلا قلم عام ہے جو تمام مخلوقات کو شامل ہے اس کا ذکر لوح کے ساتھ ہو چکا ہے دوسرا قلم جس نے آدم کے پیدا ہونے کی خبر دی یہ بھی عام ہے البتہ آدم کی اولاد کے لئے ہے اس کے اثبات میں چند روایات وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا فرمانے کے بعد آدم کی اولاد کے اعمال، رزق، اجل

سعادت وغیرہ کو مقدر فرمایا۔

تیسرا قلم وہ ہے جس کو (جب فرشتے کو ماں کے پیٹ میں بچے کی جانب بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے) چار باتوں کے تحریر کرنے کا حکم ملتا ہے بچے کا رزق، اجل، عمل، نیک بخت، بدبخت ہونا لکھا جاتا ہے احادیث مجموعہ میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔

چوتھا قلم وہ ہے جو انسان کی بلوغت کے وقت اس پر رکھا ہوتا ہے وہ قلم کراماً کاتبین کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس سے وہ ان تمام کاموں کو لکھتے ہیں جو کام انسان کرتے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر کتاب وسنت میں موجود ہے۔

تقویٰ و خشیت کی اہمیت

جب بندہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے تو پھر صرف اسی ایک کا ڈر رکھنا چاہیئے ارشاد ربانی ہے (فلا تخشوا الناس واخشونی (المائدہ ۴۴) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو) نیز فرمایا (وایای فارھبون (البقرہ ۴۰) اور مجھ ہی سے ڈرو۔ نیز فرمایا (وایای فاتقون البقرہ ۴۱) (اور مجھ ہی سے بچو) نیز فرمایا (ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش اللہ ویتقہ فاولئک ھم الفائزون النور ۵۲) (اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں)

نیز فرمایا (ھو اھل التقویٰ واھل المغفرۃ (المدثر ۵۶) وہ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس سے مغفرت طلب کی جائے۔

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ تو ہر انسان کو چند چیزوں سے بچنا چاہیئے جب کہ کوئی انسان اکیلا ہے تو زندگی بسر نہیں کر رہا ہے اگرچہ کوئی شخص بادشاہ کیوں نہ ہو جس کی لوگ اطاعت کرتے ہوں اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی رعیت کا خیال رکھتے ہوئے چند چیزوں سے بچاؤ کرے اس لحاظ سے ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے (بغرض محال) اگر کوئی شخص اللہ کا ڈر نہیں رکھتا ہے تو وہ مخلوق کا ڈر رکھتا ہے اس لئے کہ تمام لوگ نہ آپ کے دشمن ہیں نہ آپ کے دوست ہیں اگر کچھ دوست ہیں تو دوسرے دشمن ہیں تمام کو راضی کرنا ممکن نہیں۔

امام شافعی کا قول

تمام لوگوں کو خوش رکھنا ممکن نہیں اس لیے اصلاح کو لازم پکڑیں دیگر باتوں کو بالائے طاق رکھیں خدا کی رضا تلاش کریں جس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور جس پر قدرت بھی حاصل ہے جب کہ مخلوق کو راضی رکھنا نہ تو کسی کی قدرت میں ہے اور نہ اس کا حکم دیا گیا ہے نیز مخلوق کسی انسان کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتی ہاں اگر بندہ اپنے رب سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کو لوگوں کا محتاج نہیں کرتا

حضرت عائشہ سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے۔

حضرت عائشہ کا قول جس شخص نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کر لیا اللہ اس سے راضی ہو گیا اور اللہ نے لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیا اور جس شخص نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کیا تو اس کی تعریف کرنے والے بھی اس کی مذمت کرنے لگ جاتے ہیں اور جس نے اللہ کو راضی رکھا اللہ اس کو لوگوں کی تکلیفوں سے محفوظ کرے گا اور اس سے راضی ہو گا نتیجۃً لوگ اس سے راضی ہو جائیں گے، اللہ پاک اس سے محبت کریں گے تو لوگ بھی اس سے محبت کریں گے پرہیزگاری کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندے کو محبوب جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل کو آواز دیتے ہیں اے جبریل! میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر تو جبریل اس سے محبت کرتا ہے پھر جبریل آسمانوں میں منادی کرتا ہے اللہ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمانوں کے مکین اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین میں بھی اسے قبولیت حاصل ہو جاتی ہے یہی صورت حال بغض میں بھی اختیار کی گئی ہے خلاصہ یہ کہ لوگ یا اللہ کا ڈر اختیار کریں گے یا اللہ سے ڈریں گے لیکن لوگوں سے ڈرنے میں جو نقصان ہوتا ہے وہ نفع پر غالب ہے جب کہ اللہ کا ڈر اختیار کرنے سے دنیوی و اُخروی سعادتیں حاصل ہوتی ہیں پس اللہ پاک کی ذات ہی کا ڈر رکھا جائے اور اسی سے ہی مغفرت طلب کی جائے وہی وہ ذات ہے جو گناہوں کو معاف کر دیتی ہے جب کہ لوگوں میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی انسان کو اللہ کے عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھیں اور اس کی غلطیاں معاف کریں بس یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ اللہ کی ذات تو پناہ دیتی ہے لیکن اس کے خلاف کسی کو پناہ حاصل نہیں چنانچہ بعض متقدمین کا قول ہے کہ متقی انسان کبھی محتاج نہیں ہوتا۔ ارشاد ربانی ہے

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۲-۳) اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں کو ضمانت دی ہے کہ جب لوگ تنگ حال ہوں گے تو انہیں خوشحالی عطا کرے گا اور ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جس جگہ ان کو خیال بھی نہیں ہو گا پس اگر کسی انسان کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا تو اسے اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہیئے کہ کہیں اس کے تقویٰ میں خلل تو نہیں ہے۔ پس وہ اللہ سے مغفرت طلب کرے اس کی طرف توبہ کرے۔ ارشاد ربانی ہے۔

---

[1] موقوف کی سند صحیح ہے لیکن مرفوع کی سند ضعیف ہے ۱۲

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ الطلاق ۳) (اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کو کافی ہوتا ہے) یعنی اللہ تعالےٰ اس کو کافی ہو جاتا ہے اس کو غیر کا محتاج نہیں بناتا۔

کیا اسباب مہیا کرنا توکل کے منافی ہے؟

کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسباب مہیا کرنا توکل کے منافی ہے اور جب کسی چیز کا حصول مقدر میں ہے تو اسباب مہیا کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کا یہ قول فاسد ہے ظاہر ہے کہ بعض ایسے وسائل ہیں جن کو فراہم کرنا فرض ہے بعض مستحب اور مباح ہیں جب کہ بعض مکروہ اور حرام ہیں غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں لیکن آپ میدان جنگ میں جب جاتے تو زرہ زیب تن فرماتے خود پہنتے ضروریات کے حصول کے لئے بازار جاتے، چنانچہ کفار نے آپ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا (مال ھٰذا الرسول یأکل الطعام ویمشی فی الاسواق الفرقان) (یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ جو وسائل کی فراہمی کو توکل کے منافی قرار دیتے ہیں ان کی ضرورتیں یا صدقہ خیرات سے پوری ہوتی ہیں یا انہیں تحائف ملتے ہیں اور ان کو دینے والے کبھی چنگی وصول کرنے والے کبھی پولیس والے یا اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں جن کی آمدنی کافی حد تک مشکوک ہوتی ہے یہاں اس کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے اشارۃً بعض اقوال ذکر ہوئے ہیں ارشاد خداوندی (یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب الرعد ۳۹) (خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے) کے تحت پہلے بیان ہو چکے ہیں البتہ ارشاد خداوندی (کل یوم ھو فی شان الرحمٰن ۲۹) وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے) اس کی تفسیر میں مقاتل کا قول بغوی میں مرقوم ہے اس آیت کا نزول یہود کے بارے میں ہے جب انہوں نے کہا کہ اللہ ہفتہ کے روز کوئی کام نہیں کرتا مفسرین کہتے ہیں (اللہ ہر روز شان میں ہے) سے مراد یہ ہے کہ اللہ زندہ کرتا ہے موت دیتا ہے، رزق دیتا ہے ایک قوم کو عزت بخشتا ہے جب کہ دوسروں کو ذلیل کرتا ہے بیماروں کو شفا دیتا ہے قیدیوں کو خلاصی دیتا ہے مصیبت زدہ لوگوں کے مصائب دور کرتا ہے دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہے مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے گناہگاروں کے گناہ معاف کرتا ہے ان کے علاوہ اللہ پاک کے افعال اس کی مشیت کے لحاظ سے شمار نہیں کئے جا سکتے۔

(ط) جو چیز کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی وہ اس کو حاصل نہیں ہوتی تھی اور جو چیز اس کو حاصل ہوتی ہے اس نے اس سے خطا نہیں کرنی تھی۔

(ی) پہلے گزر چکا ہے کہ تقدیر ہو کر رہتی ہے ایک شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

ما قضی اللہ کائن لا محالۃ ۔ والشقی الجھول من لام حالہ

اللہ نے تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ لا محالہ ہو کر رہے گا اور بدبخت جاہل ہے جو اپنے حال پر ملامت کناں ہے ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے ؎

(اقنع بما تُرزق یا ذا الفتی فلیس ینسیٰ ربنا نحلہ - ان اقبل الدھر فقم قائما وان تولی مدبرا نم لہ)

اے نوجوان! جو رزق تجھے دیا جا رہا ہے اس پر قناعت اختیار کر ہمارا رب بھولنے والا نہیں ہے بلکہ وہ علم والا ہے، اگر زمانہ تجھے صاحب اقبال کر دے۔ تو تجھے اس کے لئے اپنے آپ کو کھڑا کرنا چاہیئے اور اگر زمانہ پیٹھ پھیر جائے۔ تو بیٹھ جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ سب کچھ تقدیر کے ساتھ ہے۔

(ط) ہر انسان کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اللہ پاک کی تمام مخلوق کے بارے میں اس کا علم پہلے سے موجود ہے اللہ پاک نے ہر چیز کی تقدیر کو لکھ رکھا ہے۔ جو نہایت.... محکم اور مضبوط ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ نہ اس میں کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے۔ نہ ہی جو مخلوق زمین و آسمان میں ہے۔ اس کے نوشتہ تقدیر میں رد و بدل ہو سکتا ہے۔

(ش) پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ کائنات کے بارے میں اللہ کا علم ازلی ہے۔ اور کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ نے ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اللہ پاک نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوق کی تقدیر کو لکھ دیا تھا اور اللہ کا عرش پانی پر ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ پاک کو تمام چیزوں کے بارے میں علم ہے۔ کہ وہ کس وقت وجود میں آئیں گی اور کب اللہ کی حکمت بالغہ وجود میں لانے کی مقتضی ہو گی۔ چنانچہ اللہ کے علم کے مطابق تمام چیزیں وجود میں آئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام کائنات اور ان میں جو عجائبات موجود ہیں۔ ان تمام کا تعدد اللہ پاک کے علم میں موجود تھا۔ اس کے مطابق ہی وہ چیزیں وجود میں آئی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے (الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔ (الملک) (بھلا جس نے پیدا کیا وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے) لیکن معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کا علم ازلی نہیں یعنی اللہ پاک بندوں کے افعال کو نہیں جانتا ہے، یہاں جب بندے کوئی کام کر لیتے ہیں تو پھر اللہ کو علم ہوتا ہے۔

امام شافعی کا قول ہے: قدریہ کا مقابلہ علم سے کرو اگر وہ اقرار کریں تو مغلوب ہو گئے اگر انکار کریں تو کافر ہو گئے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ فلاں شخص استطاعت کے مطابق عمل کر رہا ہے تو اس کو اس پر بدلہ ملے گا اور فلاں باوجود استطاعت کے عمل نہیں کر رہا ہے تو اس کو عذاب ہوگا اس لئے کہ قدرت ہوتے ہوئے اس نے عمل نہیں کیا جب کہ اللہ پہلے سے ہی اس بات کا علم رکھتا تھا ہاں اگر کسی میں استطاعت نہیں تو نہ

اللہ اس کو علم دیتا ہے نہ ہی نہ عمل کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب میں گرفتار کرتا ہے۔

اگر کہا جائے (اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بندہ اللہ کے علم کو تبدیل کرنے پر قادر ہے اس لئے کہ اللہ کا علم تو یہ ہے کہ بندہ یہ فعل نہیں کرے گا لیکن جب بندے کو فعل پر قدرت حاصل ہے تو اس کو اللہ کے علم تبدیل کرنے پر بھی قدرت ہے)۔

تو ہم کہیں گے یہ تو ایک مغالطہ ہے اس لئے کہ کسی فعل پر مجرد قدرت کا حاصل ہونا علم کی تبدیلی کو مستلزم نہیں اور جو شخص فعل کے وقوع پر علم کی تبدیلی کا خیال کرتا ہے اس کا صرف خیال ہی ہے اس لئے کہ اگر فعل وقوع پذیر ہو گیا ہے تو فعل کے وقوع کا علم ہے عدم وقوع کا علم نہیں ہے پس کسی فعل کا واقع ہونا (جب کہ اللہ کا علم وقوع پر ہے) ممتنع ہے ہاں اگر فعل وقوع پذیر ہوا ہے تو اللہ کا علم بھی یہی تھا کہ وہ وقوع پذیر ہو گا اور اگر وقوع پذیر نہیں ہوا تو اللہ کا علم بھی یہی تھا کہ وہ وقوع پذیر نہیں ہو گا اور علم اللہ کے علم سے صرف ظاہر کا علم رکھتے ہیں اور اللہ کا علم واقع کے مطابق ہوتا ہے پس کسی ایسی چیز کا وقوع ممتنع ہے جو علم کی تبدیلی کو مستلزم ہو بلکہ جو چیز بھی وقوع پذیر ہو گی وہ معلوم کہلائے گا اور بندے نے جب کوئی فعل نہیں کیا تو اس نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا جو علم کو تبدیل کرے بلکہ وہ ایسے فعل پر قادر ہے جو وقوع پذیر نہیں ہوا اگر وقوع پذیر ہو گیا ہے تو اللہ کو علم تھا کہ وہ وقوع پذیر ہو گا نہ یہ کہ وقوع پذیر نہیں ہو گا۔

اگر کہا جائے (کسی فعل کے عدم وقوع کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو علم ہے کہ وہ فعل وقوع پذیر نہیں ہو گا پس اگر بندے کو اس کے وقوع پر قدرت حاصل ہے تو علم کی تبدیلی پر بھی قدرت حاصل ہے) تو ہم کہیں گے بات یوں نہیں ہے بلکہ بندہ فعل کے وقوع پر قادر تو ہے لیکن اس نے فعل کو واقع نہیں کیا اگر وہ فعل کو واقع کرے تو جو چیز معلوم ہے وہ فعل کا وقوع ہے اور انہوں نے فرض کیا ہے کہ فعل وقوع پذیر ہو گیا ہے حالانکہ اس کے عدم وقوع کا علم تھا اس طرح ایک محال چیز کا فرض کرنا لازم آتا ہے اس کی صورت بالکل اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی فعل کا وقوع اور عدم وقوع دونوں کو فرض کرے ظاہر ہے کہ یہ صورت جمع بین النقیض کی ہے۔

اگر کہا جائے (کسی محل کا وقوع [جب کہ اللہ کا علم اس کے عدم وقوع کا ہے) محال ہے اس پر قدرت حاصل نہیں ہے] تو ہم کہیں گے یہاں لفظ محال مجمل ہے اسے ہم محال نہیں کہیں گے اس لئے کہ نہ تو اس کی استطاعت سے خارج ہے نہ اس کے کرنے سے وہ عاجز ہے اور نہ ہی فی نفسہ وہ ممتنع ہے بلکہ ممکن ہے قدرت حاصل ہے استطاعت بھی موجود ہے لیکن جب فعل وقوع پذیر ہو جاتا ہے تو اللہ کو علم تھا کہ فعل وقوع پذیر ہو گا اور جب وقوع پذیر نہیں ہوا تو اللہ کو علم تھا کہ وقوع پذیر نہیں ہو گا جب فعل کے

وقوع کو فرض کیا جائے حالانکہ وقوع فعل کا لازم منتفی ہے تو فعل کا وقوع محال ہو گا اس لئے کہ ملزوم کا اثبات لازم کے بغیر محال ہے اور جو چیزیں اس اعتبار کے ساتھ ہوں گی وہ محال ہوں گی اس لئے اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کوئی بھی اللہ نہ مخلوق کسی چیز پر قادر نہ ہو اس لئے کہ اللہ جب علم رکھتا ہے کہ فلاں کام کرے گا تو اس کے علم سے اس کے ترک پر اس کی قدرت کا منتفی ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح جب وہ علم رکھتا ہے کہ وہ فلاں کام نہیں کرے گا تو اس سے اس کے فعل پر اس کی قدرت کا منتفی ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح بندوں کے ان تمام افعال کا معاملہ ہے جن کو اللہ نے تقدیر میں ثبت فرما دیا ہے۔

(ط) مذکورہ چیزیں ایمان کے عقائد اور معرفت کے اصول نیز اللہ کی توحید اور اس کی ربوبیت کا اعتراف کہلاتی ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے وخلق کل شیئٍ فقدرہ تقدیراً (الفرقان[۲]) وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے ان کی تقدیر بنائی ہے) نیز فرمایا وکان امر اللہ قدراً مقدوراً (الاحزاب[۳۸]) اور اللہ کا حکم تقدیر میں مقدر ہے)

(ش) سابقہ اوراق میں ایمان بالقدر کی جو ابحاث گزر چکی ہیں ان کی جانب اشارہ ہے، یعنی کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ کو ان کا علم تھا ایمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیرا ایمان اللہ فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ہو، نیز تیرا تقدیر یعنی خیر و شر پر ایمان ہو حدیث کے آخر میں ہے آپ نے فرمایا اے عمر! تجھے معلوم ہے سائل کون تھا؟ اس نے کہا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ جبریل تھا تمہارے پاس تمہیں دین کی تعلیم دینے آیا تھا (مسلم)

توحید فی الربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی صفات پر ایمان لایا جائے پس جس شخص نے اللہ تع کے غیر کو خالق سمجھا اس نے شرک کیا تو جو لوگ ہر شخص کو اپنے فعل کا خالق سمجھتے ہیں وہ مشرک کیوں نہ ہوں گے اسی لئے ہم قدریہ کو مجوسی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو انکی بیمار پرسی نہ کرو اگر فوت ہو جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ[۱] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت میں مجوسی ہوتے ہیں اور اس امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں تقدیر کوئی چیز نہیں ہے جو شخص ان سے فوت ہو جائے تم ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور جو بیمار ہو جائے اس کی بیمار پرسی نہ کرو، یہ لوگ دجال کے ساتھی ہیں اللہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ ان کو دجال

---

[۱] ابوداؤد، حدیث ضعیف ہے البتہ طرق کثیرہ کے ساتھ مروی ہے جس سے تقویت حاصل ہوتی ہے

کے ساتھ ملائے[1] نیز آپ نے فرمایا نہ قدریہ کے پاس بیٹھو اور نہ ان سے سلام کی پہل کرو[2] نیز آپ نے فرمایا آدم کی اولاد سے دو قسم کے لوگوں کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں ان سے مراد مرجئہ اور قدریہ ہیں[3] لیکن قدریہ کے بارے میں مروی تمام مرفوع حدیثیں ضعیف ہیں البتہ موقوف احادیث صحیح ہیں۔

ابن عباس کا قول

تقدیر توحید کا ایک نظام ہے جس نے اللہ کو ایک جانا اور تقدیر کا انکار کیا تو اس کے انکار نے اس کی توحید کو ختم کر دیا۔ یہ اس لئے کہ ایمان بالقدر، ایمان بعلم اللہ کو متضمن ہے اور اللہ کا علم قدیم ہے نیز اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اس نے تمام کائنات کی تقدیر لکھ دی ہے لیکن اس میدان میں مشرک، صابی فلاسفر وغیرہ راہ صواب سے بھٹک گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کو جزئیات کا علم نہیں ہے ان کا یہ انکار تکذیب بالقدر میں داخل ہے قدریہ اس بات کا بھی انکار کرتے ہیں کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے ان کے ہاں اللہ بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہے یعنی بندوں کے افعال اس کی قدرت اور خلق سے خارج ہیں اس طرح یہ لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت اور اجماع تقدیر کے اثبات پر دلالت کرتے ہیں اور صحابہؓ ائمہ کے کلام میں کثرت کے ساتھ قدریہ کی مذمت موجود ہے مروی ہے جب حضرت ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ قدریہ کہتے ہیں تقدیر کوئی چیز نہیں تمام امور مستقبل کے ساتھ وابستہ ہیں ماضی کے ساتھ نہیں ہیں تو انہوں نے کہا انہیں میری طرف سے خبر دار کر دو کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

تقدیر کے اہم اصول

تقدیر جس کو اللہ کا علم بھی کہا جاتا ہے وہ چند اہم اصولوں کو متضمن ہے پہلا اصول اللہ تعالیٰ امور مقدرہ کو ان کے ہونے سے پہلے جانتا ہے ثابت ہوا کہ اللہ کا علم قدیم ہے نیز جو اللہ کے علم کو قدیم نہیں مانتے ہیں اس سے ان کا رد ہوتا ہے۔

دوسرا اصول: تقدیر مخلوقات کی مقادیر کو متضمن ہے مقادیر سے مراد مخلوقات کی صفات ہیں جو مخلوقات کے ساتھ خاص ہیں ظاہر ہے کہ ہر چیز کی تقدیر موجود ہے ارشاد ربانی ہے (وخلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا (الفرقان۲) (وہ ہر چیز کا خالق ہے اور اس نے ان کی تقدیر بنائی ہے) پس خلق تقدیر کو متضمن ہے یعنی ہر چیز کے وجود سے پہلے اس نے اس کی تقدیر کو بنایا ہے تو جب اس نے ہر مخلوق کی خاص تقدیر (جو کمیت، کیفیت پر مشتمل ہے) کو لکھ دیا ہے تو امور جزئیہ معینہ کا علم بھی اس کو حاصل ہو گیا یعنی تقدیر، علم قدیم اور علم بالجزئیات کو متضمن ہے۔

---

[1] ابوداؤد حدیث ضعیف ہے [2] ابوداؤد، حدیث ضعیف ہے [3] حدیث ضعیف ہے [4] سند ضعیف ہے ۱۲

تیسرا اصول: اللہ نے مخلوقات کے وجود سے قبل مخلوقات کے بارے میں تفصیلی خبریں دی ہیں اسی لئے تو اللہ نے اپنے بندوں کو اشیاء کے وجود سے پہلے اشیاء کا مفصل علم عطا کر دیا ہے تو جب مخلوق کو ان کا علم حاصل ہو سکتا ہے تو خالق کو بطریق اولیٰ ان کا علم حاصل ہوگا۔

چوتھا اصول: اللہ اپنے افعال میں صاحب اغنیاء ہے اپنی مشیت اور ارادہ کے ساتھ افعال کا فاعل ہے بذاتہ اللہ کو لازم نہیں ہے۔

پانچواں اصول: مخلوقات حادث ہیں پہلے نہ تھیں اولاً ان کو مقدر فرمایا پھر انہیں پیدا فرمایا۔

رط) اس انسان کے لئے دلیل ہے جو تقدیر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑنے والا ہے اور تقدیر کی بحث میں بیمار دل لے کر آتا ہے اپنے وہم کے ساتھ غیب کی تنگ نائیوں میں مخفی چیزوں کو تلاش کرتا ہے اور جو باتیں اس نے کہیں ان کی وجہ سے وہ جھوٹا گنا ہگار ہے۔

ذہن نشین کر لیجئے کہ زندگی موت نیز بیماری، تندرستی وغیرہ دل کے عوارضات سے ہیں ارشاد ربانی ہے اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا له نورًا یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمات لیس بخارج منہا[۱] (الانعام ۱۲۲) بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے روشنی کر دی جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا (یعنی دل کفر کی بیماری کے باعث ہو) اور اس سے نکل ہی نہ سکے۔ مردہ تھا ایمان کے ساتھ ہم نے اس کو زندگی عطا کی پس تندرست دل وہ ہے جس میں زندگی موجود ہو جب باطل اور قبیح چیزیں اس سے معارض ہوں تو وہ ان سے نفرت کرے ان کو برا جانے ان کی جانب دھیان نہ کرے لیکن مردہ دل کبھی اچھائی اور برائی میں امتیاز نہیں کرتا۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا قول جس شخص کا دل معروف اور منکر میں امتیاز نہیں کر سکتا وہ ہلاک ہو گیا اسی طرح جو دل شہوت کی بیماری میں مبتلا ہے اس میں ضعف موجود ہے بیماری کی قوت اور ضعف کے مطابق اس کا میلان عوارضات کی طرف ہوگا۔

دل کی بیماریاں دل کو دو قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں شہوت کی بیماری، شبہات کی بیماری لیکن شدید نقصان دہ بیماری شبہات کی بیماری ہے ان میں سے زیادہ شدید مسئلہ تقدیر میں شک و شبہ کرنا ہے کبھی غیر شعوری طور پر دل کا مرض بڑھ جاتا ہے جب کہ دل کی صحت کے اسباب کی جانب

---

[۱] حوالہ معلوم نہیں ۱۲

(مو نہ کی جائے بلکہ کبھی تو اس پر موت طاری ہو جاتی ہے علامت یہ ہے کہ قبیح باتوں کے زخموں سے اسے
کچھ تکلیف نہیں ہوتی اور نہ ہی (اگر وہ حق سے بے بہرہ ہے اور عقائد باطلہ سے ناواقف ہے) اسے کچھ صدمہ
ہوتا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب دل میں زندگی موجود ہو تو لازماً قبیح باتوں سے دل کو تکلیف ہوتی ہے
اور جس قدر دل میں زندگی کے آثار ہوں اسی قدر اسے صدمہ ہوتا ہے جب کہ وہ حق سے بے بہرہ ہو مشہور مقولہ
ہے (مرے ہوئے انسان کو زخم لگنے سے کیا تکلیف ہوگی) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل بیماری کو معلوم کر لیتا ہے لیکن
کڑوی کسیلی دوا پینا اور اس پر صبر کرنا اسے دشوار معلوم ہوتا ہے تو وہ بیماری کی تکلیف تو برداشت کرتا ہے
لیکن دوا پینا پسند نہیں کرتا اس لئے کہ دوا کا استعمال اس کی خواہش کے خلاف ہے چنانچہ دوا کا استعمال اس
کے نفس پر دشوار گزرتا ہے حالانکہ دوا سے زیادہ منفعت بخش چیز اس کے لئے کوئی نہیں ہے اور کبھی وہ اپنے
نفس کو صبر پر آمادہ کرتا ہے لیکن اس کا عزم جواب دے جاتا ہے جب وہ علم، بصیرت اور صبر کے ساتھ ہم کنار
نہیں ہوتا جس طرح کوئی شخص کسی خوفناک راہ میں چلتا ہے اسے یقین ہے کہ اس کی منزل مامون ہے پس اگر
وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا تو ایک دن اس کا خوف ختم ہو کر رہے گا اور اسے امن میسر ہوگا
لیکن اس کو مضبوط قوت اور صبر و یقین کی ضرورت ہے اگر راہ چلتے ہوئے اس کا یقین متزلزل ہو جاتا ہے
اور اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا ہے تو اس میں تکالیف اٹھانے کا جذبہ سرد پڑ جائے گا اور وہ راستہ
سے ہی واپس آجائے گا خصوصاً جب وہ ساتھیوں سے محروم ہو اور تنہائی کی وحشتوں سے خوفزدہ ہو کر کہہ
رہا ہو لوگ کہاں چلے گئے ہیں وہ میرے لئے نمونہ ہیں اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھنے میں آیا ہے اور وہ تباہی
و بربادی کے کنارے پر پہنچ چکے ہیں لیکن صبر اختیار کرنے والا صداقت شعار کبھی رفقاء کی قلت یا ان کے
نہ ہونے سے گھبراتا نہیں ہے لیکن جب اس کا دل سلف صالحین کی محبت سے سرشار ہو ارشاد ربانی ہے مع الذین
انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا (النساء ۶۹)
(قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیق اور
شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے)

ابو محمد ابو شامہ کا قول

"الحوادث والبدع" میں رقمطراز ہیں جہاں جماعت کے التزام کا حکم دیا گیا ہے
اس سے حق کا التزام اور اس کی اتباع مراد ہے اگرچہ حق کا تمسک اختیار
کرنے والے قلیل کیوں نہیں ہیں اور مخالفت کرنے والے زیادہ تعداد میں کیوں نہیں ہیں اس لئے کہ
حق وہ ہے جس پر عہد نبوی عہد صحابہ سے ایک جماعت گامزن رہی اگر ان کے بعد باطل پرست لوگ
کثرت میں ہیں تو ہم ان کی جانب نہیں دیکھیں گے۔

حسن بصری کا قول فرماتے ہیں سنت اس راہ اعتدال کا نام ہے جو غلو اور کوتاہ ہمتی کے درمیان ہے تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں تم اسی راہ پر ثابت قدمی اختیار کرو یاد رکھو گذشتہ زمانہ میں اہل سنت کی تعداد قلیل رہی ہے اب زمانہ حال اور مستقبل میں پہلے سے بھی بہت کم ہوں گے وہ نہ تو شاہانہ انداز کے ساتھ رہنے والوں کی رفاقت اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی اہل بدعت کی موافقت اختیار کرتے ہیں وہ سنت پر ثابت قدم رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جا ملتے ہیں پس تمہیں ان کی طرح رہنا چاہیئے۔

بیمار دل کی علامت: جو دل ایسی غذاؤں سے نفرت کرے، جو غذائیں اس کے لئے مفید اور قوت بخش ہیں اور ایسی غذاؤں کی طرف میلان کرے جو اس کے لئے نقصان دہ ہیں۔ اسی طرح ان ادویات سے نفرت کرے جو دل کے لئے مفید ہیں۔ اور ایسی ادویات کی طرف راغب ہو۔ جو نقصان دہ ہیں تو وہ دل بیمار ہے پس تندرست دل وہ ہے، جو مفید شفا بخش غذا اور دوا کو پسند کرتا ہے اور نقصان دہ غذا اور دوا سے نفرت کرتا ہے۔ خیال رہے کہ تمام غذاؤں سے زیادہ منفعت بخش غذا ایمان ہے اور تمام دواؤں سے زیادہ مفید دوا قرآن پاک ہے اگرچہ ان دونوں میں غذا اور دوا دونوں موجود ہیں۔ پس جو شخص کتاب وسنت کے بغیر سے شفا کا طالب ہے وہ بہت بڑا جاہل اور بہت بڑا گمراہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے قل ھو للذین اٰمنوا ھدی و شفآء والذین لا یؤمنون فی اٰذانھم وقر وھو علیھم عمی اولئک ینادون من مکان بعید۔ حٰم سجدہ کہہ دو کہ جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (یعنی بہرہ پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے گرانی کے سبب ان کو دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے)۔ نیز فرمایا وننزل من القراٰن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خسارا الاسراء ۸۲ (اور ہم قرآن (کے ذریعہ) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے) لفظ من القراٰن کا من جنس کے لئے ہے تبعیض کے لئے نہیں ہے۔ نیز فرمایا (یاایھا الناس قد جاءتکم الموعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین یونس ۵) لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے) پس قرآن پاک دل اور بدن نیز دنیا اور آخرت کی تمام بیماریوں کے لئے مکمل شفا ہے لیکن ہر ایک میں اس سے شفا حاصل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے جب بیمار اچھے انداز کے ساتھ قرآن پاک سے شفا طلب کرتا ہے اور صدق، ایمان، توجہ تام کے ساتھ بیماری کا علاج کرتا ہے نیز پختہ اعتقاد مکمل شرائط کا بھی اہتمام کرتا ہے

تو بیماری دوا کا مقابلہ نہیں کر سکتی بھلا کوئی بیماری آسمانوں زمین کے رب کے کلام کے سامنے کیسے ٹھہر سکتی ہے جس کا وصف یہ ہے کہ اگر وہ پہاڑوں پر نازل ہوتا تو ان کو ریزہ ریزہ کر دیتا اگر زمین پر نازل ہوتا تو اس کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا، خیال رہے کہ دل اور بدن کی تمام بیماریوں کا قرآن پاک میں نہ صرف علاج موجود ہے بلکہ بیماریوں کے اسباب، تشخیص، تجویز، پرہیز کا بھی ذکر موجود ہے لیکن جن کو کتاب کا فہم حاصل ہو

امام طحاوی کا قول: جس نے اپنے وہم کے ساتھ غیب کے اسرار سے پردہ کشائی کی وہ جھوٹا اور گنہگار ہے یعنی تقدیر بھی اس کی مخلوق میں ایک راز ہے تو تقدیر پر بحث کرنے والا غیب پر مطلع ہونے کا قصد کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے (عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدًا٭ الا من ارتضیٰ من رسول (الجن ۲۶-۲۷) (وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہے ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے)

(ط) عرش اور کرسی برحق ہیں۔

(ش) عرش کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں فرمایا ہے۔ ذو العرش المجید فعال لما یرید (البروج ۱۵-۱۶) عرش کا مالک بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر دیتا ہے) نیز فرمایا رفیع الدرجات ذو العرش (غافر ۱۵) (بلند درجات والا عرش کا مالک ہے) نیز فرمایا (ثم استویٰ علی العرش (الاعراف ۵۴) پھر وہ عرش پر مستوی ہوا)

اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں ہیں نیز فرمایا

الرحمٰن علی العرش استویٰ (طٰہٰ ۵)	رحمان عرش پر مستوی ہوا) نیز فرمایا۔
لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم (المؤمنون)	اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہ عرش کا مالک ہے عزت والا ہے۔ (نیز فرمایا)
اللہ لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم (النمل ۲۶)	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عظمت والے عرش کا مالک ہے۔ (نیز فرمایا)
الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین آمنوا (غافر ۷)	جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں (یعنی فرشتے) وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔
نیز فرمایا	
ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ	اور تیرے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے

(الحاقۃ ۱۷) نے اٹھا رکھا ہوگا۔ (نیز فرمایا)

وتری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم (الزمر ۷۵)

تو دیکھتا ہے کہ عرش کے گرد اگرد فرشتوں نے حلقے باندھ رکھے ہیں اور وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

مصیبت زدہ کی دعا صحیح حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

لا الٰہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الٰہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الٰہ الا اللہ رب السمٰوت ورب الارض رب العرش الکریم)

نہیں کوئی معبود مگر اللہ عظمت والا حلم والا ہے نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو آسمان و زمین کا رب ہے جو عرش کریم کا رب ہے۔ (بخاری مسلم)

نیز حضرت عباس بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو آسمان، زمین میں کتنا فاصلہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو خوب علم ہے آپ نے فرمایا ان کے درمیان پانچ صد سال کی مسافت ہے اور ہر دو آسمان کے درمیان بھی پانچ صد سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان کا حجم بھی پانچ صد سال کی مسافت...... کے برابر ہے ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کی نچلی اور اوپر کی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے پہاڑی بکرے ہیں کہ ان کے گھٹنوں اور پنڈلیوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اوپر عرش ہے اس کے اوپر اور نیچے کے کنارے کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر اللہ ہے اس پر انسانوں کے کام مخفی نہیں،
(مسند احمد حدیث ضعیف ہے)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا عرش آسمانوں پر انگلیوں کا قبہ بنا کر فرمایا) اس طرح ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ حدیث ضعیف ہے) نیز بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو، وہ سب سے بہتر ہے اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے (حالت رفعی میں) اس کی چھت عرش ہے۔

عرش کے بارے میں متکلمین کی رائے

متکلمین کی رائے یہ ہے کہ عرش بھی آسمان سے جو تمام کناروں سے گول ہے اور تمام عالم کو ہر طرف سے محیط ہے اس کو فلک اطلس اور فلک تاسع بھی کہتے ہیں ان کی رائے صحیح نہیں جب کہ شرعاً عرش کے لئے پائے بھی ثابت ہیں، نیز اس کو فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے ارشاد نبوی ہے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے سب سے پہلے میں

ہوش میں آؤں گا تو اس وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا۔ انہوں نے عرش کے پائے کو پکڑا ہوگا لیکن مجھے معلوم نہیں یا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا کوہ طور کی بے ہوشی کے عوض میں جلدی ہوش میں آگئے۔

لفظ عرش کی لغوی تحقیق عرش شاہی تخت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ بلقیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ولها عرش عظیم النمل ۲۳) اور اس کا تخت عظیم ہے) اس لحاظ سے عرش آسمان نہیں ہے اہل عرب بھی عرش سے آسمان مراد نہیں لیتے ہیں جب کہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے پس عرش ایک تخت ہے جو پایوں والا ہے فرشتوں نے اس کو اٹھا رکھا ہے وہ قبہ کی مانند تمام عالم کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس لحاظ سے اسے مخلوقات کی چھت کہنا چاہیئے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

مجدوا اللہ فہو للمجد اہل ربنا فی السماء امسی کبیرا

بالبناء العالی الذی بھر الناس وسوی فوق السماء سریرا

شرجعا لا ینالہ بصر العین تری حولہ الملائک صورا

تم اللہ کی بزرگی بیان کرو وہ بزرگی کا حقدار ہے ہمارا رب آسمان میں ہے بڑھائی والا ہے۔ اونچی عمارت کے ساتھ اس نے لوگوں کو حیرت زدہ کر دیا اور آسمانوں کے اوپر عرش بنایا جو بہت اونچا ہے اس تک نظر نہیں جا سکتی اس کے گرد فرشتوں کو دیکھے والا گردن جھکا کر دیکھتا ہے نیز عبداللہ بن رواحہ کے اشعار ملاحظہ فرمائیں انہوں نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے تعریضاً کہتے تھے جب اس نے ان کو اپنی لونڈی کے ساتھ متہم کیا ؎

شہدت بان وعد اللہ حق وان النار مثوی الکافرینا

وان العرش فوق الماء طاف وفوق العرش رب العالمینا

وتحملہ ملائکۃ شداد ملائکۃ الالہ مسومینا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور دوزخ کفار کا ٹھکانہ ہے اور عرش پانی کے اوپر ہے اور عرش پر رب العالمین ہے۔

اور عرش کو مضبوط فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے جو علامتوں والے ہیں (ابن عبدالبر)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اجازت دی گئی کہ میں حاملین عرش فرشتوں کے بارے میں وضاحت کروں ان کے کندھوں اور کان کی لوؤں کے درمیان سات سو سال کی مسافت

ہے۔ (ابوداؤد حدیث صحیح ہے) نیز ابن ابی حاتم میں ہے کہ کندھے کان کی لو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ پرندے سات سو سال تک اڑتے رہیں گے۔

لیکن جو لوگ اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور عرش سے مراد بادشاہت لیتے ہیں، وہ نصوص صریحہ کا کیا جواب دیں گے ارشاد ربانی ہے۔

ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ۔ (الحاقۃ ۱۷)	اور اس روز تیرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔ (نیز فرمایا)
وکان عرشہ علی الماء (ھود ۷)	اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

اگر عرش سے مراد بادشاہت ہے تو کیا مذکورہ آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ اس کی بادشاہت کو آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اور اس کی بادشاہت پانی پر ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بادشاہت کے پائے کو پکڑا ہوگا کیا کسی عقلمند سے ممکن ہے کہ وہ ان معنوں کو صحیح سمجھے۔

کرسی کی تشریح

ارشاد ربانی ہے وسع کرسیہ السموٰت والارض (البقرۃ ۲۵۵) اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو وسیع ہے) بعض کہتے ہیں کرسی سے مراد عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں ابن عباس وغیرہ سے یہی منقول ہے نیز حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ کرسی سے مراد قدموں کی جگہ ہے اور عرش کے تعین تشخص کا علم اللہ ہی کو ہے (ابن ابی شیبۃ فی کتاب صفۃ العرش مستدرک حاکم) سدی کا قول ہے آسمان زمین کی کرسی کے دائرہ میں عرش کے آگے ہے حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرسی، عرش کے مقابلہ میں لوہے کے گول کڑے کی طرح ہے جو چٹیل میدان میں پڑا ہوا ہے (صحیح ہے) بعض کہتے ہیں کرسی سے مراد علم ہے کرسی سے مراد علم کا غیر لینا کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے محض ظن ہے صحیح بات یہ ہے جیساکہ اکثر سلف علماء کا قول ہے کرسی عرش کے سامنے سیڑھی ہے۔

(ط) لیکن اللہ، عرش اور اس سے کم تر اشیاء سے بے پرواہ ہے ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور اس کے اوپر ہے اور اس نے مخلوق کو اپنے احاطہ سے عاجز کر دیا ہے۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے

ان اللہ لغنی عن العالمین۔ (العنکبوت ۶)	(بے شک اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے) (نیز فرمایا)
واللہ ھو الغنی الحمید۔	اور (خدا ہی غناء والا (اور) تعریف والا

(فاطر ۱۵ ہے)

عرش اور کرسی کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ نے ذکر فرمایا کہ وہ عرش اور اس سے کم چیزوں سے مستغنی ہے دراصل اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے عرش کو پیدا فرمایا تاکہ وہ اس پر مستوی ہو جب کہ اللہ تعالیٰ اس کے محتاج نہیں ہیں اس کے پیدا کرتے ہیں حکمت کارفرما ہے اور عالی کا سافل کے اوپر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ سافل عالی کا احاطہ کرنے والا ہے اس کو اٹھانے والا ہے اور نہ ہی اعلیٰ، سافل کا محتاج ہے چنانچہ آپ غور کریں آسمان زمین کے اوپر ہے لیکن آسمان زمین کا محتاج نہیں پس اللہ تعالیٰ عظمت شان والا ہے اور اس کا علو اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ اسفل کا محتاج ہو بلکہ اس نے اپنی قدرت کے ساتھ سافل کو اٹھایا ہوا ہے اور سافل اس کا محتاج ہے لیکن وہ سافل سے مستغنی ہے سافل نے اس کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہے پس وہ عرش پر ہے اس نے اپنی قدرت کے ساتھ عرش اور حاملین عرش کو اٹھایا ہوا ہے وہ عرش سے مستغنی ہے جب کہ عرش اس کا محتاج ہے اس نے عرش کا احاطہ کیا ہوا ہے عرش نے اس کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہے اس نے عرش کا حصر کیا ہوا ہے عرش نے اس کا حصر نہیں کیا ہوا ہے لیکن یہ لوازمات مخلوق سے منتفی ہیں۔

اللہ سے علو کی نفی کرنے والے معطلہ ہیں اگر وہ ہماری بیان کردہ تفصیلات پر غور کرتے تو انہیں راہ صواب کی ہدایت حاصل ہو سکتی تھی اور معلوم ہوتا کہ عقل واقعتاً کتاب اللہ کے عین مطابق ہے تو وہ دلیل کی اتباع کرتے لیکن وہ دلیل سے دور رہے تو سیدھے راہ سے بھٹک گئے حالانکہ حقیقت وہی ہے جو امام مالک سے منقول ہے ان سے استواء علی العرش کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے یہی قول حضرت ام سلمہ سے بھی موقوفاً مروی ہے مرفوعاً درست نہیں۔

امام طحاوی کا قول اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور ہر چیز کے اوپر ہے ایک نسخہ میں لفظ (واؤ) نہیں ہے معنی یوں ہوگا کہ وہ عرش پر ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عرش ہر چیز کے اوپر ہے معلوم ہوتا ہے بعض ناسخین سے لفظ واؤ گر گیا ہے یا بعض گمراہ قسم کے لوگوں نے قصداً واؤ کو گرا دیا ہے تاکہ معنی فاسد ہو جائے اور عرش کی فوقیت ثابت نہ ہو حالانکہ دلائل شرعیہ موجود ہیں کہ عرش تمام مخلوقات کے اوپر ہے عرش پر کوئی مخلوق نہیں ہے جس نے عرش کا احاطہ کیا ہوا ہو، لہذا (واؤ) کا ہونا ضروری ہے تاکہ معنی میں فساد پیدا نہ ہو پس صحیح معنی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے اور ہر چیز کے اوپر ہے۔

امام طحاوی کا قول: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرتے والا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

واللہ من ورائھم محیط (البروج ۲۰) (اور خدا (بھی) ان کو گرداگرد سے گھیرے ہوئے ہے)

نیز فرمایا ۔ الا انہ بکل شئی محیط (حم السجدۃ ۵۴) خبردار بیشک خدا ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے ۔ نیز فرمایا۔

وللہ ما فی السموٰت وما فی الارض وکان اللہ بکل شئ محیطا۔ (النساء ۱۲۶)

اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے (وہ) اللہ کے ملک میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے ۔

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس نے آسمان کی طرح اپنی مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے نہ ہی یہ مراد ہے کہ کائنات اللہ کی ذاتِ مقدس میں داخل ہے

تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً ۔ بلکہ مراد یہ ہے اس کی عظمت نے احاطہ کیا ہوا ہے اور اس کا علم اور اس کی قدرت وسیع ہے اور تمام کائنات اللہ کی عظمت کے مقابلہ میں رائی کے دانہ کے برابر ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں یا ان کے درمیان ہے وہ سب اللہ کے ہاتھ میں محض رائی کے برابر ہے جو کسی انسان کے ہاتھ میں ہے نیز یہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے (اور اللہ ہی کے لئے بلند مثال ہے) کہ ہم میں سے ہر فرد جب اس کے ہاں رائی کا دانہ ہے اگر وہ چاہے تو اس کو مٹھی میں بند کرے یعنی اس کی مٹھی اس کا احاطہ کرے اور اگر چاہے تو اس کو اپنے پیچھے کرے دونوں حالتوں میں ہر فرد رائی کے دانہ کے مبائن ہے تمام لحاظ سے اس پر بلند ہے تو اللہ کی عظیم ذات جس کی عظمت کا بیان نہیں ہو سکتا وہ کیوں نہ مخلوق سے مباین ہو گا پس اگر اللہ چاہے تو آسمانوں، زمینوں کو آج بھی مٹھی میں بند کر لے اور انہیں اس طرح حرکت دے جیسا کہ ان کو قیامت کے دن حرکت دے گا اس لئے کہ یہ تو صحیح نہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میں نئی قوت ظہور پذیر ہو گی جو آج نہیں ہے تو پھر عقل اس بات کو کیسے بعید قرار دے سکتی ہے کہ اللہ پاک عالم کے بعض اجزا کے قریب ہو جب کہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش کے اوپر ہے یا جس مخلوق کو چاہے اپنے قریب کرے پس جو شخص ان باتوں کی نفی کرتا ہے اس نے اللہ کا صحیح حق نہیں پہچانا ۔ رزین میں ایک مشہور حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جس میں اللہ کی رؤیت کا ذکر ہے جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کی ذات تو واحد ہے اور ہم تمام ہیں تو ہم سب کو وہ اکیلا کیسے سنا سکتا ہے آپ نے فرمایا اس کے سمجھنے کے لئے اللہ کی نعمتوں پر غور و فکر کیجئے خاص طور پر چاند کو دیکھیں کہ وہ اللہ کی علامات میں سے ایک ہے ہم تمام اس کا مشاہدہ یوں کرتے ہیں جیسے صرف ہم ہی اس کو دیکھ رہے ہیں جب کہ اللہ کی ذات تو چاند سے کہیں بڑی ہے اور جب چاند ڈوب جاتا

ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز سے عظیم اور بڑا ہے پس اس مثال سے تمام اشکالات زائل ہو جاتے ہیں اور تمام خام خیال باتیں باطل ہو جاتی ہیں۔

امام طحاوی کا قول کہ اللہ تمام مخلوقات سے اوپر ہے، ارشاد خداوندی ہے

وھو القاھر فوق عبادہ (الانعام ۱۸:۶) اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

نیز فرمایا

یخافون ربھم من فوقھم (النحل ۵۰) (وہ اپنے اوپر سے اپنے رب سے خائف ہیں)

نیز ارشاد خداوندی:۔ عرش تمام کائنات سے اوپر ہے اور اللہ ان سب سے اوپر ہے[1]، کا ذکر پہلے گزر چکا ہے نیز عبداللہ بن رواحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ اشعار کہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آپ نے ان اشعار کے خلاف کچھ نہیں فرمایا بلکہ انہیں سن کر ہنس دیئے اس طرح حضرت حسان نے یہ اشعار کہے ؎

شھدت باذن اللہ ان محمداً رسول الذی فوق السموٰت من عل

وان ابا یحیٰی ویحیٰی کلاھما لہ عمل من ربہ متقبل ــــــ

وان الذی عادی الیھود ابن مریم رسول اتی من عند ذی العرش مرسل

وان اخا الاحقاف اذ قام فیھم یجاھد فی ذات الالہ ویعدل ــــ

میں اللہ کے حکم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات کی جانب سے رسول ہیں جو آسمانوں کے اوپر بلند ہے، نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی دونوں کا عمل ان کے رب کے ہاں مقبول ہے نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ جس پیغمبر سے یہود نے دشمنی کی وہ عیسٰی بن مریم ہیں جن کو عرش والے کی جانب سے بھیجا گیا تھا، نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ احقاف والوں کے پاس آنے والا پیغمبر ان میں کھڑا ہوا وہ اللہ کی ذات کے لئے جہاد کرتا رہا اور عدل و انصاف کرتا رہا۔

آپ نے ان اشعار کو سنا تو فرمایا میں بھی گواہی دیتا ہوں[1]۔ نیز حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش کے اوپر ایک کتاب میں تحریر کیا کہ میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی ہے[2] ایک روایت میں ہے میرے غضب پر غالب ہے۔ نیز ابن ماجہ میں حضرت جابر سے مرفوعاً ذکر ہے ایک بار یوں ہوگا کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے ان کے سامنے نور

---

[1] طبقات ابن سعد سند ضعیف و منقطع ہے [2] بخاری مسلم

روشن ہوگا وہ اپنے سر بلند کرکے اس کی جانب دیکھیں گے تو اللہ جل جلالہ ان کے اوپر سے ان کی جانب جھانکیں گے اور فرمائیں گے اے جنت والو تم پر سلام ہو پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(سلام قولاً من رب رحیم یٰس ۵۸) سلامتی والا کلمہ پالنے والے مہربان کی طرف سے ہے۔

پس اللہ ان کی جانب دیکھے گا وہ اللہ کی جانب دیکھیں گے جب تک اللہ کی جانب دیکھتے رہیں گے وہ کسی نعمت کی جانب التفات نہیں کریں گے[۱]

نیز مسلم میں اللہ کے قول

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن (وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے) کی تشریح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول (الحدید ۳)

ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی بھی چیز نہ تھی تو آخر ہے تیرے بعد کوئی بھی چیز نہیں تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تو باطن ہے تیرے نیچے کوئی بھی چیز نہیں خیال رہے ظہور سے مراد بلندی ہے اسی سے اللہ کا قول ہے

فما اسطاعوا ان یظھروہ (الکھف ۹۷) (ان کو اس پر جانے کی طاقت نہ رہی بسہر آئی) اس آیت میں ظہور کا معنیٰ علو کا ہے پس اللہ کے ان چاروں اسماء میں تقابل ہے دو ناموں سے اللہ کی ازلیت اور ابدیت مترشح ہو رہی ہے جب دوسرے دو ناموں سے اللہ کا علو اور قرب معلوم ہو رہا ہے۔ ابوداؤد میں حضرت جبیر بن مطعم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! لوگ مشقت میں ہیں اہل وعیال کمزور ہو رہے ہیں اموال ختم ہو رہے ہیں چار پائے ہلاک ہو رہے ہیں اللہ سے ہمارے لئے بارش کی دعا فرمائیں ہم آپ کو اللہ کے ہاں سفارشی لے جاتے ہیں اور اللہ کو آپ کے ہاں سفارشی لاتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے تجھے معلوم ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے آپ نے تسبیح کے کلمات کہنے شروع کئے مسلسل ان کلمات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ آپ کے صحابہ کے چہروں پر اس کے آثار دکھائی دے رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اللہ کو اس کی کسی مخلوق کے پاس بطور سفارشی نہیں لے جایا سکتا اللہ کی شان تو اس سے بلند ہے تجھ پر افسوس ہے کیا تجھے علم ہے کہ اللہ کہاں ہے اللہ عرش کے اوپر ہے اور

---

[۱] سند ضعیف ہے شیخ احمد شاکر کا اسکی سند کو جید قرار دینا درست نہیں ۵۲ صحیح سند ہے ۱۲

عرش آسمانوں پر ہے انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ آسمانوں پر قبہ کی طرح ہے اور عرش اللہ کے ساتھ یوں آواز کرتا ہے جیسا کہ پالان سوار کی وجہ سے آواز کرتا ہے[1] نیز بنو قریظہ کے دن حضرت سعد بن معاذ کے واقعہ میں ہے جب اس نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان میں جو لڑائی کے قابل ہیں انہیں قتل کیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کیا جائے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ان میں اس اللہ بادشاہ کا فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر ہے[2] یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث کو اموی نے مغازی میں ذکر کیا ہے نیز اس کا اصل صحیحین میں ہے نیز بخاری میں حضرت زینب سے ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں پر فخر کرتی ہوئی کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تو تمہارے گھر والوں نے کرادیا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ نے کرایا[3]۔ نیز حضرت عمر سے مروی ہے کہ ان کا ایک بڑھیا کے پاس سے گزر ہوا اس نے آپ کو کھڑا کر لیا آپ کھڑے ہو کر اس کے ساتھ باتیں کرتے رہے ایک آدمی نے عرض کیا اے امیرالمومنین تو نے اس بڑھیا کی وجہ سے لوگوں کو روک رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ عورت کون تھی؟ یہ وہ عورت تھی جس کے شکوہ کو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے سن لیا اس کا نام خولہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ۔ (المجادلہ ۱)

(اے پیغمبر) جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث و جدال کرتی ہے اور خدا سے شکایت (رنج و ملال) کرتی تھی خدا نے اس کی التجا سن لی ہے)

نیز حضرت ابن عباس سے ارشاد خداوندی۔

ثم لاتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم (الاعراف ۱۷)

پھر ان لوگوں کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے غرض ہر طرف سے آؤں گا) کی تفسیر میں منقول ہے کہ چونکہ شیطان کو اوپر کی جانب سے آنے کی طاقت نہیں اس لئے کہ اوپر کی جانب تو اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے آیت میں (فوق) یعنی اوپر کا لفظ نہیں ہے خیال رہے کہ احادیث رسول اور سلف صالحین کے بے شمار

---

[1] منقبہ ہے [2] صحیح ہے [3] حدیث صحیح ہے ۱۲

اقوال کا ملاحظہ کرنے سے اللہ کا فوق ہونا ثابت ہوتا ہے نیز اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ سبحانہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے ان کو اپنی پاک ذات سے پیدا نہیں فرمایا۔ اللہ کی پاک ذات اس سے کہیں بلند ہے وہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ وہ جنا گیا ہے پس یہ نظریہ قطعی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی ذات سے خارج پیدا کیا ہے اگر اللہ سبحانہ کی ذات فوقیت کے ساتھ موصوف نہ ہوتی (جبکہ وہ ذات قائم بنفسہ ہے عالم کے ساتھ اس کا اختلاط، التباس نہیں ہے) تو وہ اس مخالف وصف کے ساتھ موصوف ہوتی اس لئے کہ جو ذات کسی چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ ذات اس سے یا اس کے مخالف سے بہرحال خالی نہیں ہے ظاہر ہے کہ فوقیت کے مخالف تو سفلیت ہے وہ مطلقاً مذموم ہے اس لئے بھی کہ سفلیت تو ابلیس اس کے اتباع اور اس کے لشکر کا ٹھکانہ ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے (کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ کی ذات فوقیت کو قبول کرنے والی ہے تاکہ اس کی نفی سے اس کی مخالف وصف کا ثبوت لازم آئے) تو ہم کہیں گے اگر وہ ذات علو اور فوقیت کو قبول کرنے والی نہیں ہے تو اس ذات کی کچھ حقیقت نہ ہوتی جو اس کے ساتھ قائم ہے پس جب تم نے اقرار کر لیا ہے کہ اللہ کی ذات قائم بنفسہ ہے اس کا اس عالم کے ساتھ کچھ اختلاط نہیں ہے نیز وہ خارج میں موجود ہے اس کا وجود صرف ذہنی نہیں ہے بلکہ قطعاً وہ اذہان سے خارج ہے اور تمام عقلاء بدیہی طور پر اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ جس کا وجود اس طرح کا ہو وہ یا عالم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے اور اس کا انکار بلا شبہ بدیہیات کا انکار ہے بلکہ بدیہیات سے بھی زیادہ واضح اور جلی چیزوں کا انکار ہے پس اس پر جس دلیل سے بھی استدلال ہوگا بنسبت اس دلیل کے مباینت کا علم زیادہ واضح اور ظاہر ہے اور جب فوقیت اور علو کا وصف کمال کا وصف ہے نہ اس میں کچھ نقص ہے نہ وہ کسی نقص کو مستلزم ہے نہ ہی کسی ناجائز چیز کو واجب کرتا ہے اور نہ ہی کتاب وسنت اور اجماع کا مخالف ہے پس اس کی حقیقت کی نفی باطل اور محال چیز کو ثابت کرتی ہے جس کو شریعت اسلامی نے ذکر نہیں کیا ہے پس کس طرح اس کو تسلیم نہ کیا جائے جب کہ اس کے وجود کا اقرار اور اس کے رسولوں کی تصدیق اور اس کی کتاب اور جس چیز کو پیغمبروں نے بتایا اس پر ایمان لانا بھی اسی کا نتیجہ ہے مزید برآں عقول سلیمہ اور فطرت مستقیمہ بھی اس پر گواہی دیتی ہیں اور متنوع محکم نصوص بھی وارد ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ اپنی مخلوق پر بلند ہے اور وہ بندوں کے اوپر ہے تقریباً بیس نصوص اللہ کے فوق ہونے پر دلالت کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:۔

یخافون ربھم من فوقھم (النحل ۵۰) (اور وہ اپنے رب سے خائف ہیں جو اوپر ہے)

اس آیت میں صراحتًا فوقیت کا ذکر ہے جو من کے ساتھ وارد ہے مراد ذات الٰہی کی فوقیت ہے۔ نیز ارشاد ربانی ہے۔

وھو القاھر فوق عبادہ (الانعام ۱۸-۶۱) (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے) اس میں فوقیت کسی حرف کے ساتھ مستعمل نہیں ہے نیز فرمایا:۔

تعرج الملائکۃ والروح الیہ۔ (المعارج ۴-) (جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں)۔

اس میں اللہ کی ذات کی طرف عروج کا ذکر ہے۔ نیز ارشاد نبوی ہے۔

یعرج الذین باتوا فیکم فیسألھم[1] (جن فرشتوں نے تم میں رات بسر کی ہوتی ہے وہ اللہ کی جانب عروج کرتے ہیں تو اللہ ان سے سوال کرتا ہے)

نیز ارشاد ربانی ہے

الیہ یصعد الکلم الطیب فاطر ۱۰) (اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں)

اس آیت میں اللہ کی طرف صعود کا صراحتًا ذکر ہے۔ نیز فرمایا:۔

بل رفعہ اللہ الیہ النساء ۱۵۸) (بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف بلند کیا)

اس آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ نے بعض مخلوقات کو اپنی طرف بلند کیا نیز اس کی تائید میں فرمایا

انی متوفیک ورافعک الی (آل عمران ۵۵) (میں تجھ کو پورا پورا اپنی طرف اٹھانے والا ہوں)

نیز فرمایا:۔

وھو العلی العظیم (البقرۃ ۲۵۵) (اور وہ بلند عظمت والا ہے)

اس آیت میں علو مطلق صراحتًا مذکور ہے جو علو کے تمام مراتب پر دلالت کرتا ہے نیز اس کی تائید میں ہے۔

وھو العلی الکبیر (سبأ ۲۳) (اور وہ بلند کبریائی والا ہے)

انہ علیم حکیم (الشوریٰ ۵۱) (بے شک وہ علم والا اور حکمت والا ہے)

---

[1] بخاری، مسلم

نیز ارشاد ربانی ہے:۔

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم (غافر ۲) — (اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب کو نازل کرنا ہے)

اس آیت میں اللہ کی جانب سے کتاب کے اتارنے کی صراحت ہے، نیز اس آیت کی تائید درج ذیل آیات سے بھی ہو رہی ہے۔

تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم۔ (الزمر ۱) — (اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب نازل کرنا ہے)۔ نیز فرمایا۔

تنزیل من الرحمان الرحیم فصلت ۲ — (رحمٰن اور رحیم کی طرف سے اتارنا ہے)۔ نیز فرمایا۔

قل نزلہ روح القدس من ربک (النحل ۱۰۲) — (کہہ دو کہ قرآن کو تیرے رب کی طرف سے روح القدس نے نازل کیا)۔ نیز فرمایا۔

حٰمٓ والکتاب المبین انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا انا کنا مرسلین۔ (الدخان ۱) — (حٰمٓ اس کتاب روشن کی قسم کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہے ہم تو راستہ دکھانے والے ہیں اسی رات میں تمام حکمت کے کام فیصل کئے جاتے ہیں (یعنی) ہمارے ہاں سے حکم ہو کر بے شک ہم ہی (پیغمبر کو) بھیجتے ہیں)۔

نیز ارشاد ربانی۔

ان الذین عند ربک الاعراف ۲۰۶ — (بے شک وہ جو تیرے رب کے ہاں ہیں)۔

اس کی تائید دوسری آیت میں موجود ہے فرمایا:۔

ولہ من فی السموات والارض ومن عندہ (الانبیاء ۱۹) — (اور اسی کے ملک میں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں اور جو اس کے پاس ہیں)۔

ان میں تصریح ہے کہ بعض مخلوقات کو اختصاص حاصل ہے کہ وہ اللہ کے قریب ہیں اور بعض اللہ کی طرف

لہ حاکم ۱۱

بعض سے زیادہ قریب ہیں یعنی لفظ (من لہ) اور (من عندہ) میں فرق ہے (من لہ) عموم کے لئے ہے اور (من عندہ) سے مراد فرشتے اور اس کے خاص فرمانبردار بندے ہیں، نیز ارشاد نبوی (کہ اللہ کی کتاب اس کے پاس عرش سے اوپر ہے) سے بھی تائید ہو رہی ہے اس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے اہل سنت مفسرین کے نزدیک یا لفظ (فی) (علیٰ) کے معنیٰ میں ہے جس میں علو کا معنی ہے یا سماء سے مراد علو ہے اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں نہ ہی یہاں کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال ہے استواء (علیٰ) کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے جو عرش کے ساتھ خاص ہے جو تمام مخلوقات سے بلند ہے اکثر و بیشتر اس کا استعمال (ثم) کے ساتھ ہوتا ہے جو ترتیب اور مہلت پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز ارشاد نبوی ہے بے شک اللہ اپنے بندے سے حیا کرتا ہے (جب کہ وہ اس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے) کہ وہ انہیں خالی لوٹائے[1]، اس حدیث میں صراحت ہے کہ ہاتھ اللہ کی جانب بلند ہوتے ہیں لیکن یہ سمجھنا کہ اوپر کی جانب دعا کے لئے قبلہ ہے بدیہی اور فطرتی طور پر باطل ہے ہر دعا کرنے والا اس کے باطل ہونے کا معترف ہے آگے اس کا ذکر آئے گا۔ نیز صراحتاً حدیث میں ہے کہ اللہ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول کرتا ہے جب کہ عقلاً نزول کا اطلاق بلندی سے پستی کی جانب اترنا ہے نیز حساً اللہ کی جانب اشارہ علو کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ اشارتاً اس کا ذکر اس انسان نے کیا ہے جو تمام انسانوں سے زیادہ اپنے رب کے بارے میں علم رکھتا ہے۔ نیز اللہ کے لئے کیا ثابت ہے اور کیا ممتنع ہے اس کا بھی علم رکھتا ہے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ آپ نے ایک بہت بڑے مجمع میں عظمت والے مکان میں فرمایا لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا تم کیا جواب دوگے لوگوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو نے پہنچا دیا حق ادا کر دیا اور خیر خواہی کی[2] تو آپ نے اپنی انگلی مبارک کو آسمان کی جانب بلند کرتے ہوئے ایسی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (جو تمام مخلوق سے اوپر ہے) فرمایا اے اللہ گواہ ہو جا پس گویا کہ ہم آپ کی انگلی مبارک کا مشاہدہ کر رہے ہیں جب وہ اللہ کی جانب بلند ہوئی ہے اور اس زبان کا بھی مشاہدہ کر رہے ہیں جو انگلی کو اٹھاتے وقت (اے اللہ گواہ ہو جا) کے کلمات فرما رہی تھی نیز ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے کمال طریقہ سے اللہ کے پیغام کو پہنچایا اور امت کی نہایت درجہ خیر خواہی کی پس آپ کے بیان، وضاحت تبلیغ کے بعد کسی تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی والحمد للہ رب العالمین۔ نیز متعدد احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے (جو تمام مخلوق سے زیادہ علم والے تھے اور سب سے زیادہ امت کے خیر خواہ اور سب

---

[1] مسلم ج۱ صحیح مسلم [2] بخاری، مسلم ۱۲

سے زیادہ فصیح بلیغ کلام کرنے والے تھے جس میں کسی غلط بات کا قطعاً کچھ شائبہ نہ تھا) این اللہ کا جملہ وارد ہے اور اس انسان کو آپ نے مومن قرار دیا جس نے (این اللہ) (اللہ کہاں ہے) کے جواب میں گواہی دی کہ آسمان میں ہے نیز قرآن پاک میں اللہ نے فرعون کے بارے میں بتایا ہے کہ اس نے آسمان کی جانب چڑھنے کا اس لئے قصد کیا تاکہ وہ حضرت موسیٰ کے خدا پر مطلع ہو سکے اور موسیٰ کی تکذیب کر سکے کہ خدا تو آسمان میں نہیں ہے تو جھوٹ کہتا ہے۔ ارشاد ربانی۔

یا ھامان ابن لی صرحاً لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الیٰ الٰہ موسیٰ وانی لاظنہ کاذبا المؤمن ۳۶)

(اے ہامان میرے لئے ایک محل بناؤ تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں (یعنے) آسمانوں کے رستوں پر پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں)

پس جو شخص جہمیہ سے اللہ کی ذات کے بارے میں علو کی نفی کرتا ہے وہ فرعونی ہے اور جو شخص علو کو ثابت کرتا ہے وہ موسوی اور محمدی ہے نیز معراج کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی تخفیف کے لئے کئی بار اپنے پروردگار کی جانب صعود فرماتے ہیں اور حضرت موسیٰ کی جانب آتے ہیں۔ نیز نصوص صریحہ میں ہے کہ قیامت کے دن جنتیوں کو اللہ کی رؤیت حاصل ہوگی وہ اللہ کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح سورج، چاند کو دیکھتے ہیں جب کہ فضا میں بادل نہ ہوں خدا کو بلندی میں دیکھیں گے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ایک بار یوں ہوگا کہ جنتی نعمتوں میں ہوں گے اچانک ان کے سامنے روشنی نمودار ہوگی وہ اپنا سر بلند کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر بلندی سے دیکھ رہے ہوں گے اور فرما رہے ہوں گے، اے جنت والو! تم پر سلام ہو۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی[1]۔

سلام۔ قولاً من رب رحیم۔ (یسٓ ۵۸)

(سلامتی والا قول رحم فرمانے والے رب کی طرف سے ہے)

پھر اللہ ان سے پردے میں ہو جائے گا لیکن اس کی رحمت اور برکت ان پر حاوی رہے گی۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ کے فوق ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ اس کی رؤیت کا بھی انکار کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جہمیہ ان دونوں کا انکار کرتے ہیں جب کہ اہل سنت دونوں کا اثبات کرتے ہیں اور جو لوگ رؤیت کا اقرار کرتے ہیں لیکن علو کی نفی کرتے ہیں وہ متذبذب ہیں نہ وہ ان میں داخل ہیں نہ ان میں۔ اگر

[1] ضعیف سند ہے مسند احمد ۱۲

اس مسئلہ کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو تقریباً ایک ہزار دلائل فراہم کئے جا سکتے ہیں اور تاویلات کا باب کھولنے والوں کو تمام ادلہ کا جواب دینا ہوگا جب کہ وہ بعض دلہ کا بھی جواب نہیں دے سکتے۔

علو کے اثبات میں سلف صالح سے بہت کچھ منقول ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل انصاری اپنی کتاب (الفاروق) میں سند مطیع بلخی تک پہنچاتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس کا قول یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں ہے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ وہ کافر ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔

الرحمٰن علی العرش استویٰ طٰہٰ ۵) (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا)

جب کہ اللہ کا عرش ساتوں آسمانوں پر ہے پھر سوال ہوا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ عرش پر ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ عرش آسمان میں ہے یا زمین میں ہے امام صاحب نے فرمایا اس نظریہ کا قائل بھی کافر ہے اس لئے کہ اس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا اور جو شخص اللہ کو آسمان میں نہیں مانتا وہ کافر ہے اس لئے کہ اللہ اعلیٰ علیین میں ہے اس کا بلندی میں تصور کرتے ہوئے پکارا جاتا ہے اسفل میں اس کا تصور کرتے ہوئے نہیں پکارا جاتا ۔

اب اگر کچھ اہل علم جو امام ابوحنیفہ کی جانب اپنی نسبت کرتے ہیں وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کے انکار کا کچھ خیال نہیں کریں گے جب کہ معتزلہ وغیرہ بھی ان کی جانب اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ اکثر اعتقادی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتے ہیں اسی طرح ہم دیکھتے ہیں امام مالک، شافعی، احمد کی طرف نسبت کرنے والے لوگ بعض اعتقادات میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور ابو یوسف کا واقعہ جب انہوں نے بشر مریسی سے کہا کہ وہ توبہ کریں اس لئے کہ وہ اللہ کو عرش کے اوپر نہیں مانتے ہیں بہت مشہور ہے ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا ہے ۔

اللہ عرش کے اوپر ہے کی تاویل

جو لوگ اللہ کے عرش کے اوپر سے مراد لیتے ہیں کہ اللہ اپنے بندوں سے بہتر اور افضل ہے اور وہ عرش سے بھی افضل اور بہتر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے امیر وزیر سے اوپر ہے اور دینار، درہم کے اوپر ہے ان کی تاویل ایسی ہے جس سے عقول سلیمہ نفرت کرتی ہیں اور صحیح فکر اس کو غلط قرار دیتی ہے اس لئے کسی شخص کا یہ کہنا کہ اللہ اپنے بندوں سے بہتر ہے اور عرش سے بھی بہتر ہے بالکل بدیہی ہے بلکہ اس انداز کی بات ہے، کہ برف میں ٹھنڈک ہے آگ میں حرارت ہے سورج کی روشنی چراغ کی روشنی سے زیادہ ہے آسمان مکان

کی چھت سے بلند ہے، پہاڑ کنکر سے بوجھل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں یہودی سے افضل ہیں آسمان زمین سے بلندی پر ہے ظاہر ہے کہ یوں کہنے سے نہ اللہ کی بزرگی ثابت ہوتی ہے نہ ہی اس کی تعظیم اور مدح کا پہلو نکلتا ہے بلکہ یہ تو نہایت ردی کلام ہے اور اس کے قبیح ہونے میں کچھ کلام نہیں وہ اللہ کے کلام کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ اگرچہ تمام جن و انس اس پر مجتمع ہو جائیں کہ وہ اس کا مثل پیش کر سکیں تو وہ کبھی اس کا مثل نہیں پیش کر سکیں گے اگرچہ وہ سب جمع ہو کر ایک دوسرے کی معاونت بھی کریں بلکہ یہ انداز تو نہایت معیوب ہے جیسا کہ عام ضرب المثل ہے ۔

الم تر ان السیف ینقص قدرہ

اذا قیل ان السیف امضی من العصا

کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ تلوار کی قدر و منزلت گر جاتی ہے جب اس کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تلوار لاٹھی سے زیادہ تیز ہے۔

اسی طرح اگر کہا جائے کہ جوہر پیاز کے چھلکے اور مچھلی کے چھلکے کے اوپر ہے تو اس بات کو سن کر عقلمند لوگ ہنس دیں گے جب کہ دونوں کا تفاوت ظاہر ہے اس قسم کی باتوں کی ضرورت ہی کیا ہے اسی طرح خالق اور مخلوق میں تفاوت واضح ہے ہاں اگر مقام کا اقتضا یہ ہو کہ ایسے شخص کو قائل کرنا ہے جو اس تفاوت کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر اس بدیہی تفاوت کو بیان کرنا ضروری ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے

أ أرباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار (یوسف ۳۹)

(بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا و غالب)۔ (نیز فرمایا)

آللہ خیر اما یشرکون۔ (النمل ۵۹)

(کیا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک بناتے ہیں)۔ (نیز فرمایا)

واللہ خیر و ابقی طٰہٰ (۷۳) (اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے)

البتہ فوقیت مطلقہ کے ضمن میں فوقیت کا مذکورہ معنیٰ بھی ثابت ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ کو غلبہ فضل اور ذات کے لحاظ سے تفوق ہے اور جو بعض فوقیت کا اثبات کرتا ہے اور بعض کی نفی کرتا ہے، وہ اللہ میں نقص ثابت کرتا ہے جب کہ اللہ کی ذات کو ہر لحاظ سے مطلق علو ثابت ہے لیکن یہ کہنا کہ مرتبہ کے لحاظ سے علو ثابت ہے مکان کے لحاظ سے نہیں ہے یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ عربی میں لفظ (مکانۃ) مکان کی تانیث ہے اور منزلۃ۔ منزل کی تانیث ہے اور لفظ (المکانۃ والمنزلۃ) کا استعمال نفسانی روحانی مراتب میں ہوتا ہے جیسا کہ (المکان اور المنزل) کا استعمال جسمانی امکنہ میں ہوتا ہے پس اس لحاظ سے

حبیب کہا جاتا ہے (لك في قلوبنا منزلة) (آپ کا ہمارے دل میں مقام ہے) اور فلاں کا مقام ہمارے دلوں میں ہے اس کا مرتبہ ہمارے نفوس میں فلاں کے مرتبہ سے زیادہ ہے جیساکہ ایک اثر میں مروی ہے جب تم میں سے کوئی شخص محبوب جانے کہ وہ معلوم کرے کہ اس کا مقام اللہ کے ہاں کتنا ہے تو وہ دیکھے کہ اس کے دل میں اللہ کا مقام کتنا ہے اس لئے کہ اللہ پاک بندے کو وہی مقام عطا فرماتے ہیں جو بندہ اپنے دل میں خدا کو دیتا ہے ۔ اس جملہ کا معنیٰ کہ اس کے دل میں اللہ کا مقام ہے یہ ہوا کہ اس کے دل میں اللہ کی معرفت اس کی تعظیم اسکی محبت موجزن ہے پس جب معلوم ہو گیا کہ لفظ منزل کی تانیث ہے اور مونث لفظ اور معنیٰ میں مذکر کی فرع اور اس کی تابع ہوتی ہے پس کسی مماثل کا ذہنا بلند ہونا حقیقت میں بلند ہونے کے تابع ہوتا ہے جب ذہن اور حقیقت میں مطابقت ہو تو جملہ صحیح ہوتا ہے اگر مطابقت نہ ہو تو اسے جھوٹا کہتے ہیں، اگر کہا جائے کہ اللہ کے علو سے مراد یہ ہے کہ وہ دلوں میں بلند ہے اور دلوں میں جس قدر اونچا مقام اللہ کا ہے اور کسی کا نہیں ہم کہیں گے یہ بھی صحیح ہے اور یہ بلندی اللہ پاک کی حقیقی بلندی کے عین مطابق ہے اگر اللہ پاک اپنی ذات کے لحاظ سے بھی تمام چیزوں پر بلند نہیں تو دلوں میں اللہ پاک کی بلندی ثابت نہ ہوگی ۔ اس کی مثال تو اس شخص کی ہے جو ایسی چیز کو اعلیٰ کہتا ہے جو اعلیٰ نہیں ہے ۔

اللہ پاک کی بلندی جیساکہ دلائل نقلیہ سے ثابت ہے عقل اور فطرت سے بھی ثابت ہے ۔ عقل کے ساتھ اس کا ثابت ہونا اولاً اس لئے ہے کہ یہ بات بدیہی اور یقینی ہے کہ ہر دو موجود چیزیں یا تو ایک چیز دوسری میں سرایت کرنے والی ہے اس کے ساتھ قائم ہے جیسے صفات یا وہ اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے اور دوسری چیز سے الگ ہے ۔ جب وہ اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے اور دیگر چیزوں سے جدا ہے تو جب ان سے عالم کو پیدا کیا تو اس کا پیدا کرنا اپنی ذات میں یا اپنی ذات سے خارج ہے پہلی چیز باطل اس کے بطلان پر اتفاق ہے نیز اگر تسلیم کیا جائے کہ عالم اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے تو عالم میں خسیس اور گندی چیزیں بھی موجود ہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ خسیس اور گندی چیزوں کا محل ہے حالانکہ اللہ اس سے پاک اور بلند ہے اور اگر عالم اللہ کی ذات سے خارج ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس عالم کے بارے میں اللہ کا علم اللہ کی ذات سے الگ یا خارج ہے اور جب وہ خارج ہے تو اللہ کی ذات سے منفصل ہے اس سے اللہ کی ذات میں اور عالم میں تضاد لازم آتا ہے اس لئے کہ یہ کہنا کہ اللہ کا علم نہ عالم کے ساتھ متصل ہے اور نہ اس سے منفصل ہے یہ بات عقل کے خلاف ہے اور یہ خیال کہ اللہ پاک نہ عالم میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج

ہے یہ تناقض کرنا ہے اس بات کا کہ اللہ کا وجود نہیں ہے اور یہ بات بھی عقل کے خلاف ہے پس اللہ تعالٰی موجود ہے یا عالم میں داخل یا خارج ہے داخل ہونا تو باطل ہے لہذا خارج ہونا متعین ہو گیا اور جب خارج ہے تو کائنات اور اللہ کے درمیان مباینت لازم ہے۔

اللہ کا علو فطرتاً بھی ثابت ہے

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تمام لوگ عادتاً جب دعا مانگتے ہیں تو وہ اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کا ڈر ہوتا ہے۔ وہ نہایت بے تابی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے بلندی کی جہت کا قصد کرتے ہیں جس سے مراد ان کی اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابوجعفر ہمدانی امام الحرمین کی مجلس میں حاضر ہوا جو ان کے استاد ہیں جبکہ امام الحرمین صفت علو کی نفی میں بحث کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ تھا عرش نہ تھا اب اللہ جس چیز پر بھی ہے۔ ہے اس پر شیخ ابوجعفر نے اعتراض کیا آپ ہمیں بتائیں کہ ہمارے دلوں میں اللہ کے ہونے کا داعیہ موجود ہوتا ہے جب بھی کوئی عارف زاہد اللہ کہتا ہے تو اس کے دل میں اللہ کی جانب خواہش موجود ہوتی ہے نہ وہ دائیں جانب جھانکتا ہے نہ بائیں جانب جھانکتا ہے اس کا مقصود صرف بلندی کی جانب ہوتا ہے ہم کبھی بھی اپنے دل کے اس داعیہ کو ختم نہیں کر سکتے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ جب امام الحرمین نے امام ہمدانی کے یہ کلمات سنے تو وہ اپنے سر کو پیٹنے لگا اور مسند سے نیچے اتر آیا بلکہ وہ رو پڑا اور یوں کہا کہ مجھے ہمدانی نے حیران کر دیا ہے مقصود یہ تھا ہمدانی کا قول ایسا قول ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ ہر انسان فطرتاً محسوس کرتا ہے کہ اسے طلب اور دعا کے وقت لازماً اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اس کو بلندی کی جانب میں ڈھونڈنا چاہیئے اس کی اس خواہش کا حصول اسے پیغمبروں سے نہیں ہوا ہے بلکہ فطرتاً ہے۔

دلیل عقلی پر ایک اعتراض

دلیل عقلی پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ بدیہی نہیں اس لئے کہ جمہور عقلاء اس کا انکار کرتے ہیں۔ اگر یہ دلیل بدیہی ہوتی تو عقلائے کے درمیان اس میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ یہ تو وہمی اور خیالی چیز ہے۔ جواب :۔ اس اعتراض کا جواب اپنے محل میں نہایت وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے یہاں مختصراً اشارہ کرنا کافی ہوگا ہم کہیں گے کہ اگر تمہاری عقل تمہاری بات کو درست مانتی ہے تو ہماری بات کو اس سے زیادہ درست تسلیم کرے گی اور اگر تمہاری عقل ہماری بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تو تمہاری بات تو بہت زیادہ اس لائق ہے کہ اسے قبول نہ کیا جائے یعنی اگر ہمارا قول عقلاً باطل ہے تو تمہارا قول زیادہ باطل ہے اگر تمہارا قول صحیح ہے عقل کے لحاظ سے قابل قبول ہے تو ہمارا قول اس سے زیادہ مقبول ہونا چاہیئے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں بدیہی ہونے کا دعویٰ کرنا

مشترک ہے ہم بدیہی طور پر تمہارے قول کو باطل قرار دیتے ہیں اور تم ہمارے قول کو باطل قرار دیتے ہو۔ پس جب تم کہتے ہو کہ یہ ایسی بدیہی چیز ہے کہ ہمارے قول کو باطل قرار دیتی ہے یہ بھی تو وہم کا فیصلہ ہے عقل کا فیصلہ نہیں ہے ہم تم سے تمہارے قول کے مماثل قول مقابلہ میں پیش کریں گے جبکہ لوگ عام طور پر فطرتاً جو لوگ تمہارے گروہ سے نہیں اور نہ ہی ہمارے گروہ سے ہیں وہ تو ہماری ہی موافقت کرتے ہیں اگر تمہیں انسانوں کی فطرت کے مطابق بات تسلیم ہے تو ہم تم پر غالب آگئے اور اگر مقبول نہیں ہے تو یا تمہارا قول باطل ہو گیا اس لئے کہ تمہارے قول کی بنیاد تمہارے عندیہ کے مطابق اس بات پر ہے کہ یہ ایسے مقامات نہیں جو انسانی فطرت کے ساتھ معلوم ہیں۔ اور ہماری عقلی باتیں بھی باطل ہو گئیں اور شریعت جس کو انبیاء لائے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہے تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ پس ہم میں ایسی خصوصیت موجود ہوئی جو تم میں نہیں عقل کا کیا ہے وہ تو ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔

اگر تم یہ بات کہو کہ اکثر عقلاء کا قول ہمارے قول کے ساتھ موافقت رکھتا ہے تو ہم کہیں گے تمہارا یہ قول غلط ہے اس لئے کہ جو لوگ صراحت کرتے ہیں کہ عالم کا صانع موجود ہے وہ عالم سے اوپر نہیں ہے وہ عالم سے مبائن ہے اور نہ ہی عالم میں حلول کئے ہوئے ہے یہ فلاسفہ کا ایک گروہ ہے جو اسلام کے نظریات کے ساتھ متصادم نظریات رکھتا ہے۔ سب سے پہلے اسلام میں اس نظریے کو جہم بن صفوان اور اس کے رفقاء نے اپنایا۔

دلیل فطری پر اعتراض تم کہتے ہو کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے جیسا کہ نماز کا قبلہ کعبہ ہے۔ پھر تم زمین پر پیشانی کیوں رکھتے ہو جبکہ اللہ بلندی میں ہے زمین کی جہت میں نہیں ہے۔ جواب اولاً تمہارا یہ کہنا کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے یہ بات ثابت نہیں سلف صالحین میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی اور نہ ہی اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل کی ہے یہ مسئلہ شرعی دینی نہیں ہم نہیں مانتے کہ اس قسم کا مسئلہ امت کے تمام علماء سے پوشیدہ رہا ہو دوسری بات یہ ہے کہ دعا کا قبلہ وہی ہے جو نماز کا قبلہ ہے اسلام میں دعا کرنے والے انسان کے لئے مستحب ہے کہ وہ قبلہ کی جانب منہ کرے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی دعا میں قبلہ کی جانب منہ ہوتا تھا[1]۔

پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ نماز کا قبلہ دعا کا قبلہ نہیں ہے یا دو قبلے ہیں ایک قبلہ کعبہ اور دوسرا آسمان ہے اس نے دین اسلام میں ایک نئے نظریئے کو جنم دیا اس کا یہ نظریہ تمام مسلمانوں کے خلاف ہے نیز

---

[1] حدیث صحیح ہے ۱۲

قبلہ اس کو کہتے ہیں جس کی طرف عابد منہ کرکے بیٹھتا ہے جیساکہ نماز کے وقت دعا ذکر اور ذبح کے وقت کعبہ کی جانب منہ کیا جاتا ہے جیساکہ وہ انسان جس پر موت طاری ہو اس کا چہرہ بھی کعبہ کی طرف پھیرا جاتا ہے نیز مدفون انسان کا چہرہ بھی کعبہ کی طرف کیا جاتا ہے اس لئے کعبہ کا نام جہت ہے۔ کعبہ کی طرف منہ کرنے کو استقبال اور پیٹھ کرنے کو استدبار کہتے ہیں لیکن انسان کے سر ہاتھ پہلو کے برابر سامنے جو فضا موجود ہے اس کو نہ حقیقتاً نہ مجازاً قبلہ نہیں کہا جا سکتا قبلہ تو کعبہ ہی ہے اس لحاظ سے اگر آسمان دعا کا قبلہ ہوتا تو پھر یہ بات مشروع ہونی چاہیئے تھی کہ دعا کرنے والا اپنے چہرے کو آسمان کی جانب کرے اور یہ بات مشروع نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس جہت کی طرف ہاتھ بلند کئے جاتے ہیں اس کو نہ حقیقتاً نہ مجازاً قبلہ نہیں کہا جاتا۔ نیز دعا کا قبلہ ایک شرعی چیز ہے اس کے تعین کے لئے شریعت ہی کا اتباع ضروری ہے۔ پیغمبروں نے اس بات کا حکم نہیں دیا کہ دعا کرنے والا آسمان کی جانب اپنے منہ کو کرے بلکہ اس کو تو رد کیا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ قلب کے ساتھ توجہ کرنا اور طلب کرنا خود دعا کرنے والے کے ذہن میں ہوتا ہے یہ ایک فطری چیز ہے اس میں مسلمان کافر عالم جاہل سب برابر ہیں ہاں وہ انسان جو اللہ سے مدد مانگنے والا ہے اور اس کی کیفیت اضطراری ہے اسے مصائب نے گھیر رکھا ہے تو اس حالت میں وہ اللہ سے دعا کرتا ہے یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے اس کے ساتھ ساتھ قبلہ تو منسوخ بھی ہوا اور تحویل قبلہ کا ذکر بھی شریعت میں ملتا ہے لیکن دعا میں بلندی کی جہت کی طرف توجہ کرنا عین فطرتی ہے گویا کہ دعا کرنے والا اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا، امید کرتا ہے کہ اللہ کی جانب سے رحمت کا نزول ہوگا اور نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے والا اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ وہاں نہیں ہے لیکن معترض کا یہ کہنا ہم پیشانی زمین پر رکھتے ہیں شاید اس سے فاسد اور باطل بات اور کوئی نہ ہو وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ پیشانی زمین پر رکھنے سے مقصود اس ذات کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرنا اور نیچا دکھانا ہوتا ہے نہ یہ کہ اللہ نیچے ہے کہ وہ اس کی طرف میلان کرے یہ تو کسی سجدہ کرنے والے کے دل میں کبھی نہیں آیا البتہ بشر مریسی معتزلی سے منقول ہے کہ اس نے سجدہ کی حالت میں کہا کہ سبحان ربی الاسفل میرا رب پاک ہے جو نیچے ہے اللہ پاک ایسی باتوں سے بلند ہے جو ظالم انکار کرنے والے کہتے ہیں اور جس شخص کو اللہ کی ذات نے اس گھٹیا مقام تک پہنچا دیا ہے اگر اس کو اللہ کی رحمت نے نہ گھیرا تو لائق ہے کہ وہ ملحد ہو جائے گا اور اس جیسے لوگوں کا درست ہونا بہت بعید ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ونقلب افئدتہم وابصارھم کما لم یومنوا بہ (اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ

يؤمنوا به اول مرة ۔ (دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ
(الانعام ۱۱۰) ایمان نہیں لائے)

نیز فرمایا ۔
فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم ۔ (پس جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے
(الصف ۵) دلوں کو ٹیڑھا کر دیا)

پس جو شخص ہدایت کو اس کے مقامات سے طلب نہیں کرتا اس کو محرومی کا سامنا کرنا ہوگا ۔ نسأل الله العفو والعافیة ۔

علامہ طحاوی کا قول ؛ کہ مخلوق اس کے احاطہ سے عاجز ہے یعنی لوگوں کو اس کی رؤیت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی علم میں اس کا احاطہ کر سکتے ہیں نہ کسی اور لحاظ سے اس کا احاطہ ہو سکتا ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے جب کہ اس کا کسی چیز نے احاطہ نہیں کیا ہوا ہے ۔

(ط) ہم قائل ہیں کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ سے ہمکلام ہوا اس پر ہمارا ایمان ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کو تسلیم کرتے ہیں ۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے ۔
واتخذ الله ابراهيم خليلا ۔ (اور اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
(النساء ۱۲۵) خلیل بنایا) ۔ (نیز فرمایا)
وكلم الله موسى تكليما (النساء ۱۶۴) (اور اللہ موسیٰ سے ہمکلام ہوا)

یاد رہے خلت کمال محبت کا نام ہے لیکن جہمیہ نے جانبین سے محبت کی حقیقت کا انکار کیا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محبت کے لئے محب اور محبوب کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری ہے جبکہ قدیم اور محدث کے درمیان کچھ مناسبت نہیں ہے تو ان میں محبت کیسے ہو گی ۔ اسی طرح جہمیہ نے اللہ کے کلام کرنے کی حقیقت کا انکار کیا ہے ۔ اور پہلا وہ شخص جس نے دوسری صدی کے آغاز میں اس بدعت کو رائج کیا اس کا نام جعد بن درهم ہے خالد بن عبداللہ قسری جو واسط شہر میں عراق اور مشرق کا گورنر تھا اس نے عید الاضحیٰ کے دن خطبہ دیا ۔ اور کہا اے لوگو! تم قربانی کرو ۔ اللہ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے لیکن میں تو جعد بن درهم کو ذبح کرنے والا ہوں ۔ اس لئے کہ اس کا نظریہ ہے ۔ کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوست نہیں بنایا اور نہ ہی اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی ہے ۔ پھر وہ نیچے اترا ۔ اس نے جعد کو ذبح کر دیا خیال رہے کہ اس نے اپنے دور کے تابعین علماء کے فتویٰ پر جعد کو ذبح کیا تھا ۔ اللہ پاک خالد بن

عبداللہ کو دین اور دین والوں کی طرف سے بہتر بدلہ نہ دے۔ جعد کے بعد جہم بن صفوان نے اس کے مذہب کا پرچار کیا۔ اور اس کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ جہمیہ کے مذہب کی نسبت جہم کی طرف کرتے ہوئے انہیں جہمیہ کہا جاتا ہے۔ اس کو بھی خراسان کے امیر نے خراسان میں قتل کر دیا اس کے بعد عمرو بن عبید کے پیروکار جنہیں معتزلہ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے جہمیہ کے خیالات کو پھیلایا چنانچہ مامون کی خلافت میں ان کے خیالات کو عروج حاصل ہوا۔ نتیجتاً اس دور میں ائمہ اسلام کو بھی آزمائش کے مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ائمہ اسلام کو مجبور کیا گیا کہ وہ معتزلہ کی موافقت کریں۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جہمیہ کے خیالات مشرکین اور صابیۂ سے ماخوذ ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل تھے۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے، اس لئے کہ خلت ایسی کامل محبت کا نام ہے۔ کہ اس میں محب مستغرق ہو۔ جیسا کہ ایک شعر میں کہا گیا ہے ؎

(قد تخللت مسلک الروح منی ۔ وبذا سمی الخلیل خلیلا ۔)

(میرے جسم میں محبت اس طرح سرایت کر گئی ہے جیسا کہ روح میرے جسم میں ساری ہے۔ اسی محبت کے پیش نظر خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے)۔

لیکن اللہ کی محبت اور خلت کی کیفیت معلوم نہیں۔ وہ تو اسی طرح ہے جس طرح اللہ کو لائق ہے جیسا کہ اللہ کی دوسری صفات ہیں۔ آیت کریمہ کا مصداق صحیح حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میں نے زمین والوں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔ لیکن میں تو اللہ کا خلیل ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ کہ میں کسی سے بھی خلت کا تعلق نہیں رکھتا ہوں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ اگر میں نے زمین والوں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا۔ تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے مجھے خلیل بنایا۔ جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ معلوم ہوا کہ آپ کے لئے یہ بات مناسب ہی نہیں کہ آپ مخلوقات میں سے کسی کو خلیل بنائیں اگر یہ ممکن ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر صدیق تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ اس بات کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے۔ کہ مجھے چند انسانوں سے محبت ہے۔ مثلاً آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ اللہ کی قسم مجھے تجھ سے محبت ہے[1]۔

---

[1] حدیث صحیح ہے مسند احمد

اسی طرح آپ نے انصار سے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے[1]۔ نیز زید بن حارثہ اور اس کا بیٹا اسامہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے اور ان جیسے اور صحابہ کرام بھی ہیں چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے آپ سے دریافت کیا لوگوں میں سے کون آپ کو زیادہ پیارا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عائشہ۔ پھر آپ سے دریافت کیا۔ مردوں میں سے کون۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا باپ[2]۔ معلوم ہوا کہ خلت کا مقام مطلق محبت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور وہ اس سے خاص ہے جس شخص سے خلت کے اندازکی محبت ہوتی ہے، وہ کامل محبت ہے۔

گویا کہ وہ اپنی ذات سے ہی محبت کرنے والا ہے۔ کسی دوسری چیز سے محبت کرنے والا نہیں ہے ظاہر ہے کہ جس سے اس کے غیر کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے اس کا مقام اس محبت سے پیچھے ہے جو غیر کی وجہ سے ہے۔ اور کامل محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں نہ شرکت ہوتی ہے نہ مزاحمت ہوتی ہے، اس میں محبت تمام جسم میں سرایت کئے ہوئی ہے۔ اس محبت کا نام کمال توحید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ پاک نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی کہ اسے نیک لڑکا عطا کرے۔ تو اللہ نے انہیں حضرت اسماعیل کا عطیہ دیا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں داخل ہوگئے۔ اس پر اللہ پاک کو غیرت ہوئی۔ کہ میرے خلیل کے دل میں میرے غیر کا مقام نہیں ہونا چاہیئے۔ تو اللہ نے امتحان لیا۔ کہ وہ بچے کو ذبح کرے تا کہ پتہ چلے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی محبت کو مقدم رکھتے ہیں۔ یا اپنے خلیل کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں لیکن جب ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہو جاتے ہیں اور بچے کو ذبح کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یعنی بچے کو ذبح کرنے کی صورت میں اللہ کی خلت کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی آپ بیٹے کی محبت پر اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں تو اللہ پاک نے اپنے حکم کو منسوخ کر دیا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلے اس کا فدیہ بھیج دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزم بنا رہا ہے۔ کہ وہ اللہ کے اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار رہیں تو ذبح کرنے سے روک دیا گیا۔ اس لئے کہ کسی نفس کو ذبح کرنا بظاہر اچھا کام نہیں ہے تو اس حکم کو ہمیشہ کے لئے منسوخ قرار دے دیا گیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت بڑی قربانی کے پیش نظر قربانیوں کا ذبح کرنا سنت قرار دے دیا گیا اور جس طرح خلت کا وصف جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اس وصف میں ان کے ساتھ ہمارے پیغمبر بھی

---

[1] بخاری کی حدیث کی طرف اشارہ ہے [2] بخاری مسلم ۱۲

شریک ہیں اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام کرنے کا مقام اس میں بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہیں۔ جیسا کہ اسراء کی حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

ایک سوال اور اس کے جوابات

اس میں کچھ شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں تو درود شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا جانے والا درود مشبہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھیجا جانے والا درود مشبہ بہ ہے اور مشبہ بہ افضل ہوتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں علماء نے اس سوال کے متعدد جواب دیئے ہیں احسن جواب یہ ہے کہ آل ابراہیم میں متعدد انبیاء داخل ہیں جب کہ آل محمد میں کوئی نبی داخل نہیں ہے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آل پر بھیجا جانے والا درود اس درود کے مماثل ہے جو حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر بھیجا گیا ہے تو آل ابراہیم میں انبیاء کی شمولیت ہے ان کی وجہ سے برتری اور تفوق حاصل ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہوئی اس لئے کہ آل محمد میں تو کوئی بھی نبی نہیں ہے اس لحاظ سے آپ کی فضیلت باقی رہی لیکن اس سے بھی زیادہ مناسب جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی آل ابراہیم میں داخل ہیں بلکہ آل ابراہیم میں آپ سے افضل کوئی نہیں تو آل ابراہیم پر بھیجا جانے والا درود جس طرح حضرت ابراہیم کی اولاد میں دیگر پیغمبروں کو شامل ہے اسی طرح آپ کو بھی شامل ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آل ابراہیم میں داخل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ان اللہ اصطفی آدم و نوحا وآل ابراہیم و آل عمران علی العالمین (آل عمران ۳۳)

(بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو جہان والوں پر منتخب کر لیا ہے)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آل ابراہیم میں داخل ہیں اور حضرت عمران علیہ السلام آل عمران میں داخل ہیں جیسے کہ آل لوط میں حضرت لوط علیہ السلام داخل ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

ان اللہ اصطفی آدم و نوحا وآل ابراہیم وآل عمران علی العالمین (آل عمران ۳۴)

بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو جہان والوں پر منتخب کر لیا ہے۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آل ابراہیم میں داخل ہیں اور حضرت عمران علیہ السلام آل عمران میں داخل ہیں۔ جیسا کہ آل لوط میں حضرت لوط علیہ السلام داخل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

الا آل لوط نجیناھم بسحر (القمر ۳۴) (اسی طرح فرعون بھی آل فرعون میں داخل ہے)

ارشاد خداوندی ہے۔

ادخلوا آل فرعون ۔ (فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو)۔ (البقرۃ ۴۹)

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود والی حدیث کے اکثر طرق میں (علیٰ آل ابراہیم) کے الفاظ ہیں جبکہ کثیر طرق میں علیٰ ابراہیم موجود ہے اور قلیل روایات میں (کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم) کے الفاظ ہیں معلوم ہوا کہ (صلیت علیٰ ابراھیم) میں آل ابراہیم داخل ہے جیسا کہ (علیٰ آل ابراھیم) میں حضرت ابراہیم داخل ہیں اور اسی طرح وارد ہے کہ جب ابو اوفیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ لے کر حاضر ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا (اللھم صل علیٰ آل ابی اوفیٰ) (اے اللہ! آل ابی اوفیٰ پر رحمت فرما) اس میں آل ابی اوفیٰ سے ابو اوفیٰ مراد ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی عظمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان تمام عالم کے خاندانوں میں اشرف تھا اللہ پاک نے اس خاندان کو نہایت عمدہ خصوصیتوں سے نوازا تھا ان میں نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا اور کتاب نازل فرمائی چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی پیغمبر آیا وہ ان کی اولاد سے تھا۔ نیز اللہ نے ان کو پیشوا بنایا جو اللہ کے حکم کے مطابق ہدایت پھیلاتے رہے ۔ پس ان کے بعد ایسے لوگوں کا ہی جنت میں داخلہ ہوگا جو ان کے راہ پر چلتے رہے اور ان کی دعوت کو پھیلاتے رہے نیز اللہ پاک نے ان سے دو خلیل بنائے اور بیت اللہ کی تعمیر کی وجہ سے انہیں لوگوں کا پیشوا بنایا۔ ارشاد ربانی ۔

انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظلمین ۔ (البقرۃ ۱۲۴)

(کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا انہوں نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو) خدا نے فرمایا ہمارا اقرار ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا

جس گھر کو انہوں نے اللہ کے حکم سے تعمیر کیا اللہ نے اس گھر کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ گھر نہ صرف یہ کہ لوگوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے بلکہ حصول ثواب اور امن کی جگہ ہے اور تمام عالم کا قبلہ ہے اور اس کے حج کا حکم دیا گیا پس بیت اللہ ان کی عظمت کا واضح نشان تھا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آل ابراہیم پر درود بھیجیں ۔

(ط) ہم فرشتوں اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر ایمان رکھتے ہیں نیز ان کتابوں پر ہمارا ایمان ہے

جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئیں نیز ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ روشن حق پر تھے (رش) مذکورہ امور اسلام کے رکن ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ۔ (البقرہ ۲۸۵)

(رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں)۔

نیز فرمایا۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملائکۃ والکتب والنبیین (البقرہ ۱۷۷)

(نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں)۔

پس اصل ایمان یہ ہے کہ ان سب پر ایمان ہو اور وہ مومن ہیں جن میں یہ ایمان موجود ہے جیسا کہ وہ لوگ جو ان تمام امور کا انکار کرتے ہیں انہیں کافر کہا جائے گا ارشاد خداوندی ہے۔

ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلالاً بعیداً ۔ (النساء ۱۳۶)

(اور جو شخص خدا اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روز قیامت سے انکار کرے تو وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا)۔

نیز ارشاد نبوی ہے۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا تو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے۔ نیز اچھی بری سب تقدیر پر ایمان لاتے (اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے) پس ان اصولوں پر تمام پیغمبروں اور رسولوں کا اتفاق ہے اور ان پر حقیقی ایمان صرف رسولوں کے پیروکاروں کا ہے۔

فلاسفہ اور دیگر اہل بدعت کے نظریات

اہل سنت کے حقیقی دشمن فلاسفہ اور اہل بدعت ہیں وہ ان تمام اصولوں کا انکار کرتے ہیں اگرچہ فلاسفہ کی تعظیم کرنے والے ان کو حکماء کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو انکار ہیں سب

سے آ گئے ہیں وہ اللہ اس کے رسولوں اس کی کتابوں اس کے فرشتوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ موجود ہے اس کی ماہیت اور حقیقت کچھ نہیں وہ جزئیات کا علم نہیں رکھتا اور ہر وہ چیز جزئی ہے جو خارج میں موجود ہے اس لحاظ سے اسے خارج میں موجودات کا علم نہیں ہے ان کے ہاں اللہ سبحانہ اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ کسی فعل کا فاعل نہیں ہے پس ان کے ہاں نہ اللہ کا مفعول ہے نہ کوئی چیز اس کی مخلوق اور مقدور علیہ ہے البتہ اہل سنت کے ساتھ ظاہراً اتفاق کرتے ہوئے وہ بھی لفظاً مخلوق مفعول کا لفظ استعمال کرتے ہیں جب کہ درحقیقت ان کے ہاں تمام عالم اللہ کو ازلاً ابداً لازم ہے وہ اللہ کی صفت سننے دیکھنے ہی کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں غور فرمایئے وہ اللہ پر اس طرح کا ایمان رکھتے ہیں وہ کتابوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ اللہ کے وصف کلام کا انکار کرتے ہیں ان کے ہاں اللہ متکلم نہیں ہے قرآن پاک کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو عقل فعال کا ایسے انسان پر (جس کے نفس کا تزکیہ ہوا ہے جو پاکباز ہے) فیض ہے وہ اللہ کو نوع انسانی سے تین خصوصیتوں کے ساتھ متمیز گردانتے ہیں بہ نسبت انسان کے اللہ کا ادراک قوی اور تیز ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ کا علم انسان کے علم سے اعظم ہے اسی طرح اللہ کی ذات میں قوت بھی زیادہ ہے اسی قوت کی وجہ سے وہ کائنات پر اثر انداز ہے وہ ہیولی کی صورتوں کو تبدیل کرتا رہتا ہے اسی طرح اس کی قوت تخیلی انسان کی قوت تخیلی سے بلند ہے یہی وجہ ہے کہ وہ عقلی قوتوں کو اشکال محسوسہ کا لباس پہنا دیتا ہے ان کے ہاں فرشتے عقلی قوتیں ہیں اس لئے کہ خارج میں ان کی کوئی ایسی ذات نہیں جو اپنا الگ وجود رکھتی ہو اور وہ کبھی آسمان سے نزول کر رہی ہو اور کبھی صعود کر رہی ہو اور اللہ کے رسولوں کی طرف اس کا آنا جانا ہو اور ہم کلام ہونا ہو یہ سب کچھ نہیں ہے صرف وہ ذہنی امور ہیں جن کا وجود اعیان میں نہیں ہے آخرت کے دن کا تو وہ شدید انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آخرت کے دن میں آسمانوں کا پھٹنا ستاروں کا گرنا، سورج چاند کا لپیٹ دیا جانا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا سب افسانہ ہیں اسی طرح نہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور نہ ہی وہ جنت دوزخ کی جانب روانہ کئے جائیں گے ان کے ہاں یہ سب کچھ تمثیلات ہیں صرف عوام کو سمجھانے کے لئے باتیں بنائی گئی ہیں ان کی کچھ حقیقت نہیں، خیال رہے اس ذلیل حقیر گروہ کے ایمان کا یہ حال ہے گویا کہ دین کے اصول خمسہ کا یہ لوگ استہزاء کر رہے ہیں۔

معتزلہ کے نظریات

معتزلہ نے بھی دین کے اصول خمسہ میں تبدیلی کی ہے اس طرح انہوں نے دین کی تمام عمارت کو منہدم کر دیا ہے ان کے دین کی بنیاد جسم

اور یہ عرض پر ہے جسم موصوف اور عرض صفت ہے صفات جو اعراض ہیں ان کی وجہ سے وہ موصوف (جو جسم ہے) کو حادث مانتے ہیں اسی پر وہ مسئلہ توحید کی بنیاد رکھتے ہیں وہ اللہ سے ہر صفت کی نفی کرتے ہیں تاکہ توحید قائم رہے دراصل یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ اور اللہ کے جسم کو مخلوق کے جسم کے ساتھ متشابہ قرار دیتے ہیں نیز وہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں بھی بحث کرتے ہیں خصوصاً تقدیر کا نام وہ عدل رکھتے ہیں نیز وہ مسئلہ نبوت، شرائع اوامر نواہی وعد وعید میں بھی گفتگو کرتے ہوئے اہل سنت کے خلاف ایمان اور کفر کے درمیان ایک مرتبہ فسق کا نکالتے ہیں اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے میدان میں تشدد اختیار کرتے ہوئے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ ائمہ دین کے خلاف بغاوت کرنا ان سے جنگ کرنا ان کے خلاف خروج کرنا درست ہے اہل سنت کے مقابلہ میں ان کے یہ پانچ اصول ہیں جن کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

رافضہ کے نظریات ان کے ہاں توحید، عدل، نبوت، امامت، چار اصول ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے اصول

ان کے اصول شریعت محمدیہ کے تابع ہیں اس لیے کہ دین اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے ان پر ایمان لایا جائے چونکہ سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیات میں اس اصول کا ذکر تھا اس لئے جو شان ان دو آیات کا ہے وہ کسی دوسری آیت کا نہیں ہے۔ صحیحین میں ابومسعود سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیات کی تلاوت کرتا ہے وہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں نیز صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے اس نے بیان کیا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی علیہ السلام کے قریب تشریف فرما تھے تو انہوں نے آسمان سے بلند آواز سنی جبریل نے سر آسمان کی جانب اٹھایا اور کہا آسمان کا جو دروازہ آج کھولا گیا ہے وہ آج سے قبل کبھی نہیں کھلا اور اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے اور وہ فرشتہ بھی آج سے قبل کبھی نازل نہیں ہوا اس نے اللہ کے پیغمبر پر سلام کیا اور بشارت دی کہ آپ کو دو نور عطا ہوئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے ایک نور فاتحۃ الکتاب ہے۔ دوسرا نور سورۃ بقرہ کا خاتمہ ہے ان کے ہر جملہ میں جو سوال موجود ہے اس کی تلاوت پر وہ سوال پورا کر دیا جائے گا۔

ابوطالب مکی کا قول

ایمان کے سات رکن ہیں پانچ کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے اور باقی دو سے مراد ایمان بالقدر اور ایمان بالجنۃ والنار ہے اور یہی حق ہے ان پر دلائل قطعیہ محکمہ موجود ہیں مسئلہ توحید ورسالت کے دلائل کا ذکر اشارۃً پہلے ہو چکا ہے۔

فرشتوں کا ذکر

فرشتوں کو آسمان، زمین میں کچھ کام سونپے گئے ہیں چنانچہ اس عالم میں جو حرکت ہوتی ہے اس کا انشاء ان کی جانب سے ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے

فالمدبرات امراً (النازعات ۵) پھر (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتے ہیں)

ارشاد خداوندی ہے (فالمقسمات امراً (الذاریات ۴) پھر چیزیں تقسیم کرتے ہیں)

ان آیات میں ملائکہ کا ذکر ہے لیکن رسولوں کی تکذیب کرنے والے اور خدا کا انکار کرنے والے اس سے مراد ستارے لیتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت میں فرشتوں کی مختلف قسموں کا ذکر ہے جو مختلف قسم کی مخلوقات کے ساتھ مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ نے بعض فرشتوں کو پہاڑوں کے ساتھ مقرر فرمایا اور بعض کو بادلوں اور بارش پر مقرر فرمایا جب کہ بعض کو عورت کے رحم کے ساتھ مقرر فرمایا جو نطفہ کی تدبیر پر مقرر ہیں یہاں تک کہ ان کی تخلیق انجام پذیر ہوتی ہے پھر ہر انسان کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر فرمائے نیز اس کے اعمال لکھنے اور ان کے احصاء پر فرشتے مقرر فرمائے نیز موت پر قبر میں سوال و جواب پر فرشتے مقرر فرمائے نیز آسمانوں، سورج، چاند، دوزخ، اس کو بھڑکانے اور دوزخیوں کو عذاب دینے پر فرشتے مقرر فرمائے نیز جنت اس کی آبادی وغیرہ پر بھی فرشتے مقرر فرمائے پس فرشتے اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے عظیم لشکر ہیں انکا ذکر قرآن پاک میں یوں ہے۔

والمرسلات عرفاً (المرسلات ۱)	ہواؤں کی قسم جو نرم نرم چلتی ہیں۔
والناشرات نشراً (المرسلات ۲)	اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں۔
الفارقات فرقاً (المرسلات ۳)	پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں۔
الملقیات ذکراً (المرسلات ۴)	پھر فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں۔
النازعات غرقاً (النازعات ۱)	ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔
والناشطات نشطاً (النازعات ۲)	اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں۔
والسابحات سبحاً (النازعات ۳)	اور ان کی جو تیرتے ہیں۔
فالسابقات سبقاً (النازعات ۴)	پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔
الصافات صفاً فالزاجرات زجراً فالتالیات ذکراً۔ (الصافات ۱،۲،۳)	قسم ہے صف باندھنے والوں کی برا جما کر پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر پھر ذکر (یعنی قرآن) پڑھنے والوں کی (غور کرکے

ان سب میں مؤنث کے لفظ کی معنوی جمع فرق، طوائف اور جماعات ہیں جن کا مفرد فرقہ طائفہ اور جماعت

ہے کچھ فرشتے رحمت کے اور کچھ عذاب کے ہیں اور کچھ حاملین عرش ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے آسمانوں کو نماز، تسبیح، تقدیس کے کلمات کے ساتھ معمور کیا ہوا ہے ان کے علاوہ بے شمار فرشتے ہیں جن کا احصاء اللہ ہی کر سکتا ہے خیال رہے کہ لفظ (ملک) سے مراد وہ پیغام رساں ہے جو اس کو آگے پہنچاتا ہے وہ پیغام پر اپنی جانب سے کمی بیشی نہیں کر سکتا اس لئے کہ تمام اختیارات اللہ واحد غالب کے ہاتھ میں ہیں فرشتے تو صرف اللہ کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون (الانبیاء ۲۷)

اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے ہیں اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:

یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم۔ (البقرہ ۲۵۵)

وہ ان کے آگے اور پیچھے کا علم رکھتا ہے۔

نیز فرمایا:

ولا یشفعون الا لمن ارتضی وھم من خشیتہ مشفقون۔ (الانبیاء ۲۸)

اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے ہیں مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

نیز فرمایا:

یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون ما یؤمرون۔ (النحل ۵۰)

اور وہ اپنے پروردگار سے جو کہ اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

پس فرشتے اللہ کے عزت والے بندے ہیں کچھ صفوں میں ہیں تو کچھ تسبیح بیان کرنے والے ہیں ہر ایک کا مقام معلوم ہے کہ ان کو وہاں سے جانے کی اجازت نہیں وہ حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں نہ اس سے کمی کرتے ہیں نہ ہی زیادتی کرتے ہیں ان میں بلند مرتبت وہ ہیں جو اس کی عبادت سے اعراض نہیں کرتے ارشاد خداوندی ہے۔

لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون یسبحون اللیل والنھار لا یفترون (الانبیاء ۱۹-۲۰)

وہ فرشتے اس کی عبادت سے نہ کتراتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں رات دن (اس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں (نہ تھکتے ہیں) نہ تھکتے ہیں۔

سب سے اونچے مرتبہ والے فرشتے جبریل اسرافیل، میکائیل ہیں جو زندگی پر متعین ہیں چنانچہ حضرت

جبریل وحی پر متعین ہیں جس سے قلب و روح کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور حضرت میکائیل بارش پر متعین ہیں جس سے زمین، نباتات، حیوانات کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور حضرت اسرافیل صور میں پھونک مارنے پر مقرر ہیں جس سے تمام مخلوق مرنے کے بعد زندہ ہو جائے گی پس یہ فرشتے اللہ کی مخلوق اور اس کے احکام کو مخلوق تک پہنچانے میں سفیر کی حیثیت رکھتے ہیں وہ تمام اطراف عالم میں اس کے احکام کو پہنچاتے ہیں اور تمام کائنات کے معاملات خدا تک پہنچاتے ہیں آسمان فرشتوں کی کثرت سے آواز کرتے ہیں اور حق بھی یہی ہے کہ وہ آواز کریں کسی آسمان پر بھی چار انگلی کے بقدر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ نہ ہو بلکہ کچھ حالت قیام میں کچھ حالت رکوع میں کچھ حالت سجود میں ہیں اور ان میں سے بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر ان کے داخل ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔

قرآن پاک میں فرشتوں ان کی اصناف، ان کے مراتب کا کثرت کے ساتھ ذکر ہے کبھی اللہ پاک اپنا نام ان کے نام کے ساتھ ملا کر لاتے ہیں اور اپنی صلوٰۃ کا ان کی صلوٰۃ کے ساتھ ملا کر ذکر کرتے ہیں اور کبھی مقام تشریف میں ان کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں اور کبھی ذکر کرتے ہیں کہ فرشتوں نے اللہ کے عرش کو ڈھانپ رکھا ہے اور اسے اٹھائے ہوئے ہیں یعنی وہ اللہ کے بہت قریب ہیں اور کبھی ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے ان کو شرف و کرم کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اور کبھی ان کے قرب، علو طہارت، قوت، اخلاص جیسے اوصاف کا ذکر کیا جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله. (البقرۃ ۲۸۵)	ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لایا۔

نیز فرمایا:

شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم (آل عمران ۱۸)	خدا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ

نیز فرمایا:

هو الذي يصلي عليكم وملائكته ليخرجكم من الظلمات الى النور (الاحزاب ۴۳)	وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔

نیز فرمایا:

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین آمنوا (غافر ۷)

جو لوگ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں یعنی فرشتے وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔

نیز فرمایا:

وتری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم۔ (الزمر ۷۵)

اور تم فرشتوں کو دیکھوگے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔

نیز فرمایا:

بل عباد مکرمون (الانبیاء ۲۶)

بلکہ وہ عزت والے لوگ ہیں۔

نیز فرمایا:

ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ ویسبحونہ ولہ یسجدون (الاعراف ۲۰۶)

جو لوگ تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے گردن کشی نہیں کرتے ہیں اور اس پاک ذات کو یاد کرتے اور اس کے آگے سجدے کرتے رہتے ہیں۔

نیز فرمایا:

فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنھار وھم لا یسأمون۔ (فصلت ۳۸)

اگر یہ لوگ سرکشی کریں تو (خدا کو بھی ان کی پرواہ نہیں) جو فرشتے تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) تھکتے ہی نہیں۔

نیز فرمایا:

کراما کاتبین

عزت والے لکھنے والے۔

نیز فرمایا:

كرام بررة۔ عزت والے نیکوکار۔

نیز فرمایا:

يشهده المقربون (المطففين ۲) جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں

نیز فرمایا:

لا يسمعون الى الملأ الاعلى (الصافات ۸) کہ وہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکے۔

آیات قرآنیہ کے علاوہ کثرت کے ساتھ احادیث میں فرشتوں کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر ایمان لانے کو اصول خمسہ سے شمار کیا گیا ہے۔

کیا انبیاء صلحاء فرشتوں سے افضل ہیں

اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے اہل سنت انبیاء صلحاء کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرتے ہیں معتزلہ فرشتوں کو فضیلت دیتے ہیں۔ اشاعرہ کے اس میں دو قول ہیں۔ ان میں سے بعض انبیاء اولیاء کو فضیلت دیتے ہیں۔ اور بعض توقف اختیار کرتے ہیں۔ قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہتے۔ اور بعض کا رجحان اس طرف ہے کہ فرشتوں کو فضیلت ہے۔ بعض اہلسنت اور متصوفین سے بھی یہی منقول ہے۔ شیعہ کا قول یہ ہے کہ تمام اماموں کو تمام فرشتوں پر فضیلت ہے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اقوال ہیں۔ البتہ وہ لوگ جن کا قول حجت سمجھا جاتا ہے ان میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ فرشتے بعض انبیاء سے افضل ہیں۔ مجھے اس مسئلہ میں تردد رہا۔ اس لیے کہ اس میں کچھ فائدہ نہ تھا۔ اور مذکورہ اختلاف کچھ مفید نہیں۔ نیز اس حدیث کی روشنی میں کہ انسان کے حسن اسلام سے ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے یا درہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے اس پر نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں کہا غالباً عمداً اس پر بحث نہیں کی اس لئے کہ امام ابوحنیفہ نے اس کے جواب میں توقف اختیار کیا ہے جیسا کہ مآل الفتاوی[۲] میں اس کا ذکر ہے وہاں اس نے چند مسائل کا ذکر کیا ہے جن کا امام ابوحنیفہ نے قطعیت کے ساتھ جواب نہیں دیا ہے ان میں اس مسئلہ کا بھی ذکر ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں میں سے کون افضل ہے اس مسئلہ میں صحیح راہ یہی ہے اس لئے کہ ہم پر یہ تو واجب ہے کہ ہم فرشتوں اور پیغمبروں پر ایمان

---

(۱) یہ صحیح ہے احمد وغیرہ (۲) کشف الظنون میں ہے کہ یہ کتاب امام ناصر الدین سمرقندی حنفی کی تالیف ہے اس نے اس کتاب کو سن ۵۴۹ ہجری شعبان میں مکمل کیا

رکھیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہم یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ ان میں سے کون افضل ہیں اگر اس کا جاننا ہمارے لئے ضروری ہوتا تو ہمیں صراحتاً اس کا حکم دیا جاتا ارشاد خداوندی ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم۔ (المائدہ ۳) آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

نیز فرمایا:

وما کان ربک نسیا۔ (مریم ۶۴) تیرا رب بھولتا نہیں ہے نیز صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض فرض فرمائے ان کو ضائع نہ کرو کچھ حدود متعین فرمائے ان سے تجاوز نہ کرو کچھ محرمات کئے ان کو حلال نہ جانو اور کچھ باتوں سے تم پر مہربانی کرتے ہوئے بھول کر نہیں خاموشی اختیار کی ان کے بارے میں سوال نہ کرو[۱]

پس بہتر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کی جائے اور نفیاً یا اثباتاً کسی رائے کا اظہار نہ کیا جائے ہاں یہ کہنا مناسب نہیں کہ یہ مسئلہ بھی ان دیگر مسائل کی طرح ہے جن کا کتاب و سنت سے استنباط کیا جاتا ہے جب کہ اس پر دونوں طرف سے کثرت کے ساتھ دلائل موجود ہیں اگر توفیق ایزدی شامل حال ہوئی تو ہم ان کا اشارتاً ذکر کریں گے بعد ازاں بعض جاہل بے ادب لوگوں کے رویہ نے مجھے مجبور کر دیا کہ اس پر تفصیلاً بحث کی جائے بعض لوگوں کی جانب سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ جبرائیل فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا یا بعض فرشتے انسانوں کے خدام ہوتے ہیں اس قسم کے کلمات جو خلاف شرع بھی ہیں اور بے ادبی پر بھی دلالت کرتے ہیں ضروری ہے کہ ان کا نوٹس لیا جائے صاف صاف بات یہ ہے کہ اگر پیغمبروں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرنے کا داعیہ حمیت یا جنسی عصبیت یا ان کی تنقیص مقصود ہے تو یہ صورت حال سخت غیر مناسب ہے ہم برملا اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ مختلف فیہ مسئلہ اس مسئلہ کی طرح نہیں ہے جس میں پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی گئی ہے جب کہ اس میں نص موجود ہے ارشاد خداوندی ہے

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔ (البقرہ ۲۵۳) یہ پیغمبر ہیں ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض (الاسراء ۵۵) ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔

---

[۱] حسن لغیرہ ہے دارقطنی وغیرہ۔

اس پر بحث سابقہ اوراق میں بھی گزر چکی ہے پس اس نزاع میں غلبہ اس دلیل کو حاصل ہوگا جو راجح ہو گی یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اہل سنت کے درمیان اختلاف موجود ہے لیکن اہل بدعت کی موافقت سے کسی قول کو چھوڑا نہیں جا سکتا یا در ہے امام ابوحنیفہ اولاً تو فرشتوں کو انسانوں پر فضیلت دیتے تھے پھر ان کی رائے میں تبدیلی آگئی اس مسئلہ میں توقف بھی ان کا قول ہے فریقین کی جانب سے ذکر کردہ دلائل مطلق فضیلت پر تو دلالت کرتے ہیں ان سے کسی کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اس میں کچھ اختلاف بھی نہیں اس مسئلہ پر شیخ تاج الدین فزاری کی کتاب (الاشارۃ فی البشارۃ) کا مطالعہ کریں جس میں انسانوں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے اس کے آخر میں ہے۔ یہ مسئلہ علم کلام کے مسائل سے نہ ہے جس پر امت کے پہلے دور کے علماء نہ بعد کے ائمہ نے بحث نہیں کی ہے نیز اس پر عقائد کے اصولوں میں سے کسی اصل کا سمجھنا موقوف نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ دینی امور کے مقاصد کبیرہ کا کچھ تعلق ہے یہی وجہ ہے کہ اس جیسے مسائل کی کتابوں میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں ہے نیز ائمہ دین نے اس پر بحث سے راہ گریز اختیار کیا ہے اور اگر کسی معمولی علم والے نے اس پر گفتگو کی ہے تو اس کی گفتگو میں جھول ہے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا جا سکتا ہے انتہٰی واللہ الموفق للصواب پس جن دلائل کی روشنی میں پیغمبروں کو فرشتوں پر برتری عطا کی گئی ہے ان میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں معلوم ہوا کہ آدم کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا اور کہا۔

أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۔ (الاسراء: ۶۲)	(اور از راہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔

جو لوگ فرشتوں کو پیغمبروں پر فضیلت عطا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرنے کے پیش نظر تھا نیز اللہ کی عبادت اسکی اطاعت کے لئے تھی البتہ آدم کی تعظیم و تکریم سے بھی انکار نہیں لیکن اس سے آدم کی افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اپنے بیٹے کو سجدہ کرنے سے بیٹے کی اس پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی کعبہ کو بنی آدم پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ بنی آدم اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں اس لئے کہ ان کا سجدہ تو محض حکم خداوندی کو تسلیم کرنے کے لئے ہے۔ البتہ ابلیس کا سجدہ نہ کرنا اس بنا پر ہے کہ اس نے اپنی رائے اور فاسد قیاس کے ساتھ نص کا مقابلہ کیا اور کہا کہ وہ اس سے بہتر ہے اس کو صغریٰ بھی کبریٰ یہاں محذوف ہے وہ یہ ہوگا کہ فاضل مفضول کو سجدہ نہیں کرتا جب کہ یہ دونوں مقدمات فاسد ہیں پہلا

مقدمہ اس لئے فاسد ہے کہ مٹی اکثر اوصاف میں آگ پر فوقیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ ابلیس کے اصل نے اس کو نافرمان بنایا کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اس لئے کہ آگ کے اوصاف میں بلندی کو طلب کرنا چھچھورا پن اور رعونت ہوتی ہے نیز جس چیز سے آگ ہمکنار ہوتی ہے اس کو خراب کر دیتی ہے جلا دیتی ہے مٹا دیتی ہے لیکن آدم کے اصل نے اس کو فائدہ بخشا کہ وہ تائب ہوا مسکنت کا اظہار کیا اور اللہ کے حکم کے سامنے مطیع اور فرماں بردار ہو گیا اور غلطی کا اعتراف کیا اور معافی کا خواستگار ہوا بے شک یہ بات واضح ہے کہ مٹی میں ثبات سکون، مضبوطی، تواضع، خضوع اور تذلل پایا جاتا ہے جو چیز اس کے قریب ہوتی ہے وہ اگتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے اس میں نمو ہوتا ہے اور برکت ہوتی ہے یہ اوصاف آگ کے اوصاف کے خلاف ہیں دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ فاضل مفضول کے سامنے سجدہ نہیں کرتا یہ درست نہیں اس لئے کہ سجدہ تو اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کو تسلیم کرنے کا نام ہے اگر اللہ حکم دیتا کہ تم کسی چیز کو سجدہ کرو تو اللہ کا حکم ماننا ضروری تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ مسجود لہ ساجد سے افضل ہے اگرچہ مسجود لہ کی تعظیم و تکریم تو ظاہر ہے اور یہ قول

هذا الذي كرمت علي (الاسراء ۶۲) یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب شیطان سجدہ سے انکار کی وجہ سے راندۂ روزگار ہو گیا پہلے کی بات نہیں ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا غلط ٹھہرا نیز انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فرشتوں پر اس لحاظ سے بھی فضیلت ہے کہ فرشتوں میں عقل موجود ہے شہوت موجود نہیں اور پیغمبروں میں عقل اور شہوت دونوں موجود ہیں جب پیغمبر اپنے کو شہوات سے اور ان چیزوں سے روکتے ہیں جن کی طرف ان کی طبیعت کا میلان ہوتا ہے اس لحاظ سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مخالفین کہتے ہیں ممکن ہے کہ فرشتوں کا ہمیشہ اطاعت کرنا عبادت کرنا سستی نہ کرنا ایسے اوصاف ہوں جو اس بات کا سبب بنیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ اپنی شہوات سے کنارہ کش رہیں نیز وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے فرشتوں کو سفیر بنایا ہے وہ انبیاء کو خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں ظاہر ہے کہ سفیر کا مقام ان سے کم ہوتا ہے جن کی طرف ان کو بھیجا جاتا ہے لیکن اس کو دوسرے فریق نے اپنے استدلال میں پیش کیا ہے جو فرشتوں کو افضل کہتے ہیں اور ان کا موقف قوی معلوم ہوتا ہے کہ اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ ان لوگوں سے بوجہ رسالت کے افضل ہیں جن کی طرف ان کو بھیجا گیا تو اس لحاظ سے فرشتوں کو جن کی طرف بھیجا گیا وہ ان سے افضل ہوں گے ظاہر ہے کہ جبریل رسول ہے اور پیغمبر مرسل الیہم ہیں۔ نیز اللہ کا قول:

وعلم آدم الاسماء كلها (البقرة ۳۱) (اللہ) نے آدم کو تمام نام سکھا دیئے۔

کبھی پیغمبروں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرتا ہے لیکن مخالفین کہتے ہیں اس سے فضیلت تو ثابت ہوتی ہے افضیلت ثابت نہیں ہوتی اور آدم اور فرشتوں کو ان باتوں کا ہی علم ہو سکتا ہے جو ان کو اللہ نے بتا دی ہیں اسی طرح حضرت خضر حضرت موسیٰ سے افضل نہیں ہیں کہ وہ ان چیزوں کا علم رکھتے ہیں جن کا علم موسیٰ علیہ السلام کو نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے شاگرد طلب علم کیلئے خضر کی طرف جانے کیلئے زاد راہ لیتے ہیں اور ان کی طرف چل دیتے ہیں حضرت موسیٰ ان سے صراحتاً طلب علم کرتے ہیں لیکن حضرت خضر جواب دیتے ہیں کہ تیرے پاس جو اللہ کا علم ہے وہ میرے پاس نہیں اور جو علم میرے پاس ہے وہ تیرے پاس نہیں ہے اسی طرح ہدہد سلیمان سے افضل نہیں کہ اس کو ان چیزوں کا علم ہے جن کا علم حضرت سلیمان کو نہیں ہے۔ نیز اللہ کا قول،

ما منعك ان تسجد لما خلقت بیدی (ص ۷۵) جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔

معلوم ہوتا ہے انسان افضل ہیں مخالفین کہتے ہیں یہ فضیلت کی دلیل ہے افضیلت کی نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ آدم کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی فضیلت حاصل ہو اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو آدم کی اولاد سے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اس کی اولاد میں نیک اور بد سب ہیں بلکہ قیامت کے روز جب آدم سے کہا جائے گا اپنی اولاد سے ایک جماعت دوزخ میں بھیجو تو ایک ہزار سے نو سو ننانوے دوزخ میں بھیجے جائیں گے اور ایک جنت میں بھیجا جائے گا[1] تو کیا وجہ ہے کہ ہزار میں سے صرف ایک کو فضیلت مل سکی ہے نیز عبداللہ بن سلام کا قول ہے کہ اللہ نے کسی ایسی مخلوق کو پیدا نہیں فرمایا جو اللہ کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت والی ہو[2] نیز عبداللہ بن عمرو کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتوں نے کہا اے ہمارے رب تو نے بنو آدم کو دنیا عطا کی ہے وہ کھاتے پیتے ہیں اور پہنتے ہیں اور ہم تیری حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں ہم کھاتے پیتے نہیں اور نہ لہو ولعب کرتے ہیں تو جس طرح تو نے ان کو دنیا دی ہے ہمیں آخرت عطا فرما اللہ نے فرمایا جن کو میں نے ہاتھ سے پیدا کیا ان میں سے نیک لوگوں کو میں کیسے ان کے برابر کردوں جن کو میں نے کلمہ کن سے پیدا کیا (احمد) نیز عبداللہ بن احمد سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں کہ فرشتوں نے کہا وہ ...... تو محو خواب

---

[1] بخاری مسلم [2] مستدرک ۴/۵۶۸-۵۶۹ سند صحیح ہے حاکم اور ذہبی نے صحیح کیا

و استراحت رہتے ہیں اللہ پاک نے نفی میں جواب دیا فرشتوں نے تین بار اپنا مطالبہ دہرایا لیکن ہر دفعہ انہیں نفی میں جواب ملا لیکن ان دونوں طرق کی اسانید میں ضعف ہے اور ان کے متون پر بھی اعتراض ہے اس لئے کہ فرشتوں کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ متعدد بار ذات خداوندی پر اعتراض کریں حالانکہ فرشتوں کے بارے میں دوسرے مقام پر وارد ہے کہ وہ اللہ کے کسی قول سے آگے نہیں بڑھتے وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں تو کیا فرشتوں کے بارے میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی حالت پر نالاں ہوں اور انسانوں کی شہوت رانیوں کے مناظر دیکھنے کے متمنی ہوں اور خواب استراحت کو پسند کریں جب کہ نیند کو موت کا بھائی کہا گیا ہے تو انسانوں کے ان کاموں پر وہ ان پر کیسے رشک کر سکتے ہیں اور کیسے ممکن ہے کہ وہ لہو لعب پر اپنے اشتیاق کا اظہار کریں لیکن مخالفین جو فرشتوں کو افضل کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دیکھئے ابلیس نے آدم کو بہکایا اور وسوسہ دیا کہ اگر آپ نے اس درخت کا پھل کھایا تو آپ فرشتہ بن جائیں گے یا آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میسر آجائے گی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

ما نھاکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین	کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا
(الاعراف ۲)	ہمیشہ جیتے نہ رہو۔

معلوم ہوا کہ ان کی فطرت میں فرشتوں کی عظمت موجود تھی کبھی تو فرشتہ بننے کا چکمہ دے کر بہکایا ہے پھر جن عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھتے ہی اپنے ہاتھوں کو کاٹ دیا تھا اور برملا کہا تھا کہ یہ تو فرشتہ معلوم ہوتا ہے انسان نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وقلن حاش للہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم (یوسف ۳۱)	اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ حسن) یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے)۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں نہ میرے پاس خزانے ہیں نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ ہیں فرشتہ ہوں ارشاد خداوندی ہے۔

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک (الانعام ۵۰)	کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ فرشتہ ہوں)۔

معلوم ہوا فرشتہ ہونا زیادہ عظمت کی بات تھی ان کے مخالفین جواب میں کہتے ہیں کہ ان کے ذہن میں یہ چیز مرکوز تھی کہ فرشتوں کو عظمت حاصل ہے وہ بہت زیادہ خوب صورت ہوتے ہیں خوفناک کاموں کو لمحہ بھر میں سرانجام دیتے ہیں خاص طور پر عرب لوگ تو فرشتوں کو بہت زیادہ عظمت عطا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ تعالی اللہ عن قولھم علواً کبیراً۔

لیکن انسانوں کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرنے والے کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضرت آدم نوح آل ابراہیم آل عمران کو تمام عالمین پر فضیلت عطا کی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراہیم وآل عمران علی العالمین۔

(بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو جہان والوں سے چن لیا ہے)۔

لیکن مخالفین کہتے ہیں کہ عالمین میں عمومیت کا معنیٰ نہیں ہے یہ لفظ اپنے سیاق وسباق کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ دیکھئے۔

لیکون للعلمین نذیراً (الفرقان ۱)

تاکہ وہ جہاں والوں کو خبردار کرے۔

جیسا کہ اس میں عالمین سے مراد آپ کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ تمام لوگ مراد نہیں ہیں۔

اور ارشاد خداوندی

اولم ننھک عن العالمین (الحجر ۷۰)

کیا ہم نے تم کو جہاں والوں کی حمایت وطرفداری سے منع نہیں کیا ہے۔)

(نیز) اتاتون الذکران من العلمین (الشعراء ۱۶۵)

کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں کو آتے ہو

میں العالمین سے مراد حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے دور کے انسان مراد ہیں تمام مراد نہیں ہیں۔ نیز ارشاد خداوندی

ولقد اخترناھم علی علم علی العلمین (الدخان ۳۲)

ہم نے ان کو جہاں والوں سے چن لیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ان کے دور کے انسانوں پر فضیلت دی ہے عام انسان مراد نہیں ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی:

ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریہ۔ (البینہ ۷)

جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کرتے رہے وہ تمام خلقت سے بہتر ہیں۔

میں انسانوں کو بہترین مخلوق کہا گیا ہے (لفظ بریہ) کا اشتقاق (اگر برء) سے ہے تو اس کا معنیٰ پیدا کرنا ہے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کرنے والے بہترین مخلوق ہیں مخالفین کہتے ہیں وہ اس بنا پر بہترین مخلوق کے لقب سے پکارے گئے ہیں کہ ان میں ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی ہیں جب کہ فرشتے پہلے ہی سے اس وصف میں اکمل ہیں وہ نہ تو کتاتے ہیں نہ ہی ان میں سستی ہے اس بنا پر ان کو فرشتوں سے افضل نہیں کہا جا سکتا اگر (بریہ) کا اشتقاق (بری) سے ہو جس کا معنیٰ مٹی ہے۔ فراء کا بھی یہی قول ہے جوھری نے صحاح میں اس کا ذکر کیا ہے تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ ان سب سے بہتر ہیں جو مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اس معنیٰ کے لحاظ سے عمومیت ختم ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ جو مٹی سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان کے مخالف ہیں جو نور سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسانوں کو فضیلت عطا کرنے والے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نیک انسان کمالات کی منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے مقصد سے ہمکنار ہوتے ہیں وہ جنت میں داخل ہوتے ہیں انہیں اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے نیز وہ ذات الٰہی کی تجلی سے متمتع ہوتے ہیں لیکن فرشتوں کو فضیلت عطا کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر نیک انسان ایسے بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جہاں فرشتے نہیں پہنچ سکتے پھر تو آپ کا نظریہ درست ہے وگرنہ آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ فرشتے انسانوں سے کہیں افضل ہیں جو لوگ فرشتوں کو انسانوں پر فضیلت دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ارشاد خداوندی:

لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ ولا الملائکۃ المقربون (النساء ۱۷۲)	مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے ہیں کہ خدا کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں)

میں لفظ (ملائکہ) معطوف ہے اور لفظ (مسیح) معطوف علیہ ہے لغت میں یہ بات مسلم ہے کہ معطوف، معطوف علیہ سے افضل ہوتا ہے عربی زبان میں یہ ترکیب درست نہیں۔

لن یستنکف الوزیر ان یکون خادما للملک ولا الشرطی الحارس	وزراء پولیس آفیسر حفاظت کرنے والے ہرگز اس بات کو ناپسند نہیں جانیں گے کہ وہ بادشاہ کی خدمت کے فرائض سرانجام دیں۔

ظاہر ہے کہ پولیس آفیسر اور حفاظت کرنے والے وزراء سے افضل نہیں لہٰذا یہ جملہ درست نہیں معطوف کو معطوف علیہ سے بہتر ہونا چاہیئے ہاں یوں کہنا درست ہے۔

لن یستنکف الشرطی ان یکون خادما للملک ولا الوزیر۔	اس لئے کہ اس جملہ میں معطوف وزیر کا لفظ ہے جو شرطی سے بہتر ہے اس ترکیب میں ادنیٰ سے

اعلیٰ کی طرف ترقی ہو رہی ہے پس قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں جب فرشتوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے تو دیگر پیغمبروں پر بھی فضیلت ہو گی اس لئے کہ کوئی بھی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ فرشتوں کو بعض پیغمبروں پر تو فضیلت حاصل ہو اور بعض پر حاصل نہ ہو۔

دوسرا فریق جو پیغمبروں کو فرشتوں پر برتری عطا کرتا ہے وہ اس دلیل پر کئی نقض وارد کرتا ہے۔

مضبوط ترین نقض

وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہاں تک فرشتوں کی قوت مضبوطی اور عظیم الخلقت ہونے کا تعلق ہے اس میں اختلاف کی کچھ گنجائش نہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ان کو ہر لحاظ سے فضیلت حاصل ہے پس معنیٰ یہ ہو گا کہ اللہ کی بندگی سے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور نہ فرشتے جو قوت اور عظیم الخلقت ہونے میں پیغمبروں سے برتر ہیں۔

فرشتوں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت عطا کرنے والے درج ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک۔ (الانعام-۵۰)

کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں

کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے بارے میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کروں تو گویا میں اپنے آپ کو ایسا مرتبہ دوں گا جو میرے مرتبہ سے اوپر ہے پس میں اس کا مدعی نہیں ہوں۔

دوسرا فریق اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب کفار نے پیغمبر پر اعتراض کیا۔

ما لھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (الفرقان ۷)

یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔

تو پیغمبر نے جواباً کہا میں تمہارے جیسا انسان ہوں جس طرح تم معیشت کے ذرائع اختیار کرتے اور کھانے پینے سے بے نیاز نہیں ہو وہی حال میرا ہے میں فرشتہ تو نہیں کہ مجھے کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو اس سے فرشتوں کا پیغمبروں پر مطلقاً تفوق کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

اس کی تائید مسلم کی ایک روایت سے ہو رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوت رکھنے والا مومن اس مومن سے بہتر ہے اور اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے جو کمزور ہے اگرچہ تمام مسلمان بہتر ہیں[1]۔ نیز یہ بات سب کو معلوم ہے کہ انسان قوت میں فرشتوں کی برابری

---

[1] مسلم کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے (۸/۵۶)

نہیں کر سکتا دوسرا فریق کہتا ہے کہ اس سے صرف انسان مراد ہیں فرشتے اس میں داخل نہیں ہیں نیز ایک حدیث قدسی سے اس نظریہ کی تائید ہو رہی ہے کہ فرشتے پیغمبروں پر فوقیت رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے نفس میں اس کو یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجلس میں کرتا ہوں (اس مجلس سے فرشتے مراد ہیں) معلوم ہوا فرشتے افضل ہیں۔

دوسرا فریق کہتا ہے اس سے فرشتوں کو عمومی فضیلت ثابت نہیں ہوئی البتہ اس جماعت سے جس کا ذکر ہوا اس سے فرشتے افضل ہیں۔

نیز ایک دوسری حدیث سے بھی فرشتوں کی برتری معلوم ہوتی ہے حدیث اگرچہ ضعیف ہے امام محمد بن خزیمہ، کتاب التوحید میں حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دفعہ کا ذکر ہے میں بیٹھا ہوا تھا اچانک جبریل آئے انہوں نے میرے کندھوں پہ ہاتھ مارا چنانچہ میں ایک درخت کی جانب چل دیا جس میں دو آشیانے تھے ایک میں حضرت جبریل علیہ السلام بیٹھ گئے دوسرے میں میں بیٹھ گیا درخت بلند ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ مشرق، مغرب کی پہنائی میں پھیل گیا میں نظر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا اگر میں آسمان کو ہاتھ لگانا چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ مثل چٹائی کے چمٹے ہوئے ہیں تو مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ اللہ کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام کا علم میرے علم سے کہیں زیادہ ہے۔

فریق ثانی کہتا ہے یہ حدیث ہی صحیح نہیں لہٰذا ہمیں جواب دینے کی ضرورت نہیں استدلال ہی غلط ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مسئلہ کچھ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر اصولی علماء نے اس کو درخور اعتنا نہیں سمجھا چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اس مسئلہ میں دلائل کا جواب دینے سے توقف کا اظہار کیا ہے واللہ اعلم بالصواب البتہ ہمارے لئے از بس ضروری ہے کہ ہم تمام پیغمبروں پر ایمان لائیں خواہ ان کا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے یا نہیں ہمارا ایمان ہے کہ تمام پیغمبروں کی تعداد اور ان کے ناموں کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ارشاد خداوندی ہے۔

ورسلاً قد قصصناهم علیك من قبل ورسلاً لم نقصصهم علیك۔ (النساء ۱۶۴)

اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم نے تم سے بیان نہیں کئے۔

نیز فرمایا:

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلك منهم من قصصنا علیك ومنهم من لم نقصص علیك۔

اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے ہیں ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے ہیں۔

نیز ہمارا ایمان ہے کہ پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام لوگوں تک پہنچائے اور ان کی وضاحت کی ان کا جاننا ضروری ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فهل علی الرسل الا البلاغ المبین (النحل ۳۵)

پس پیغمبروں کے ذمہ ظاہر پہنچا دینا ہے۔

نیز فرمایا:

وان تولوا فانما علیك البلاغ المبین (النحل ۸۲)

اگر وہ روگردانی کریں تو تجھ پر تو ظاہر پہنچا دینا ہے۔

نیز فرمایا:

وان تطیعوه تهتدوا وما علی الرسول الا البلاغ المبین (النور ۵۴)

اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور پیغمبر پر تو صرف ظاہر پہنچا دینا ہے۔

نیز فرمایا: واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین۔

اور تم رسول کی اطاعت کرو اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے پیغمبر پر ظاہر پہنچا دینا ہے۔

اولوالعزم پیغمبر کون ہیں؟

مختلف اقوال ہیں سب سے بہتر قول (جس کو امام بغوی وغیرہ نے ابن عباس اور قتادہ سے نقل کیا ہے) یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت نوح، ابراہیم موسیٰ عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

واذ اخذنا من النبیین میثاقهم

اور جب ہم نے پیغمبروں سے وعدہ لیا اور

ومنك ومن نوح وابراهيم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم (الاحزاب ۷)

(تجھ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ مریم کے بیٹے سے بھی)۔

نیز فرمایا:

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه كبر على المشركين ما تدعوهم اليه (الشوریٰ ۱۳)

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا ہے جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔

دیگر پیغمبروں پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا اور شرائع اسلامیہ کو اجمالاً اور تفصیلاً ماننا اور ان کی اتباع کرنا ضروری ہے نیز ان کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئیں بعض کتابوں کا تذکرہ قرآن پاک میں ملتا ہے جیسے تورات، زبور، انجیل اور جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے ان پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں اگرچہ نہ ہم ان کے ناموں سے واقف ہیں اور نہ ہی ہمیں ان کی تعداد معلوم ہے۔

دیگر منزل من اللہ کتابوں کی طرح قرآن پاک پر ایمان لانا اور اس میں بیان کردہ احکام کے مطابق زندگی گزارنا اور اسے سچا ماننا شفا سمجھنا ہدایت قرار دینا ضروری ہے ارشاد ربانی ہے:

قولوا امنا بالله وما انزل الينا وما انزل الى ابراهيم واسماعيل واسحق ويعقوب والاسباط وما اوتي موسى وعيسى وما اوتي النبيون من ربهم (البقرہ ۱۳۶)

(مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب ہم پر اتری ہے اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہیں ان پر سب ایمان لائے)

نیز فرمایا:

الم اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس وانزل الفرقان (آل عمران ۱، ۲)

الٓمٓ خدا (جو معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے ہی تورات اور انجیل نازل کی ہے (یعنی) لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی اور (پھر قرآن جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا ہے۔

نیز فرمایا:

اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ۔ (البقرۃ ۲۸۵)

پیغمبر اس کتاب پر ایمان لایا جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل کی گئی۔

نیز فرمایا:

افلا یتدبرون القراٰن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ (النساء ۸۲)

وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا سے ہوتا تو اس میں کثرت کے ساتھ اختلاف کو پاتے۔)

ان کے علاوہ متعدد آیات ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اسکی جانب سے نازل کیا گیا پس ثابت ہوا کہ کلام اللہ کا وصف ہے اور علو بھی اللہ کا وصف ہے ارشاد ربانی ہے

کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب بالحق (البقرۃ ۲۱۳)

تمام لوگ ایک امت تھے پس اللہ نے پیغمبروں کو خوشخبری اور ڈرانے کے لئے بھیجا اور ان پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی۔

نیز فرمایا:

وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید (حم السجدۃ ۴۲)

اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی نازل کی ہوئی ہے۔

نیز فرمایا:

ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیک من ربک ھو الحق (سبا ۶)

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے۔

نیز فرمایا:

یایھا الناس قد جاءتکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمة للمؤمنین یونس ۵۷

لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آپہنچی ہے۔

نیز فرمایا:

قل ھو للذین آمنوا ھدی وشفاء (حم السجدة ۴۴)

تم اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا۔

اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

(ط) ہم تمام اہل قبلہ کو مسلمان اور مومن سمجھتے ہیں جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو تسلیم کریں اور آپ کے اقوال و افعال کی تصدیق کریں۔

(ش) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے اس کو وہی حقوق حاصل ہیں جو ہمیں حاصل ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو ہم پر ہیں اس کلام میں۔ شیخ طحاوی اشارہ فرماتے ہیں کہ اسلام اور ایمان میں اتحاد ہے اور کسی گناہ کے ارتکاب سے کوئی شخص اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس گناہ کو جائز نہ سمجھے اور اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام کے مدعی ہیں اگرچہ وہ اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں یا گنہگاروں کے زمرہ میں سمجھے جاتے ہیں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تکذیب نہ کریں تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

(ط) نہ تو ہم اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور نہ ہم دین اسلام کے بارے میں کسی سے جھگڑتے ہیں۔

(ش) شیخ طحاوی کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں ذات الٰہی کی معرفت کے بارے میں متکلمین کے

اندراند پر کلام کرنے سے باز رہنا چاہیئے بلکہ ان کے علم کی مذمت کرنی چاہیئے اس لئے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں ان کا بحث کرنا بلا دلیل ہے وہ علم سے کورے ہیں ارشاد ربانی ہے:

ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدیٰ - (النجم ۲۳)	یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور خواہشات نفس کے پیچھے چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

امام ابوحنیفہ کا قول

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اللہ کی ذات کے بارے میں کوئی کلمہ کہے بلکہ جس طرح اللہ نے اپنا وصف بیان کیا اسی کو دہرایا جائے بعض دیگر ائمہ فرماتے ہیں، کہ خود اللہ سبحانہ فرماتے ہیں جو شخص میرے اسماء وصفات کو زیر بحث لائے اس کو چاہیے کہ وہ مقام ادب سے نیچے نہ اترے اور جو شخص میری ذات کی حقیقت سے پردہ کشائی کرنا چاہتا ہے اسے بالآخر تھکاوٹ حاصل ہو گی پس یا تو تمہیں ادب کا قرینہ اختیار کرنا پڑے گا یا پھر تھکاوٹ سے دوچار ہونا ہوگا اس کی واضح شہادت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے جب پہاڑ کو تجلی سے نوازا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور زمین بوس ہو گیا ذات الٰہی کی عظمت کے سامنے ثابت نہ رہ سکا۔

مشہور صوفی شبلی کا قول ہے اللہ کی ذات کے بارے میں کھل کر بحث کرنا ادب کے منافی ہے امام طحاوی کا قول: کہ ہم اللہ کے دین کے بارے میں کسی سے مخاصمہ نہیں کرتے ہیں یعنی ہم اہل حق کے سامنے باطل پرستوں اور بدعتیوں کے شبہات پیش نہیں کرتے ہیں کہ ہم انہیں راہ حق سے پھیرنا چاہتے ہوں اس لئے کہ انہیں راہ حق سے پھیرنا انہیں باطل کی طرف بلانے اور حق کو خلط ملط کرنے نیز دین اسلام کو فاسد بنانے کے مترادف ہے۔

(ط) ہم قرآن پاک میں مجادلہ نہیں کرتے ہم تو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا کلام ہے اس کو روح الامین لے کر اترا اور سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تعلیم دی وہ اللہ کا کلام ہے مخلوق کا کلام اس کے برابر نہیں ہے نیز ہم قرآن پاک کو مخلوق نہیں سمجھتے اس لئے کہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف کوئی بات نہیں کہنی چاہیئے۔

(ش) مقصود یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کے بارے میں اس طرح کی باتیں نہیں کہتے جس طرح کی باتیں ان لوگوں نے کہی ہیں جو ٹیڑھے راستہ پر چلنے والے ہیں پھر ان میں اختلاف بھی ہے

وہ باطل کے ساتھ حق کو رد کرنا چاہتے ہیں پس ہم تو کہتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا کلام ہے جس کو روح الامین لے کر نازل ہوا نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ہم قراءۃ ثانیہ میں مجادلہ نہیں کرتے بلکہ جو صحیح قراءت ہے اس کو صحیح سمجھتے ہیں اگرچہ متعدد قراءتیں کیوں نہ ہوں دونوں مفہوم صحیح ہیں دوسرے مفہوم کی صحت ذیل کی حدیث سے بھی ہو رہی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی سے سنا وہ ایک آیت پڑھ رہا تھا جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت کی قراءت سنی تھی کہ آپ اس کے خلاف تلاوت فرما رہے تھے میں اس کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور یہ واقعہ کہہ سنایا تو میں نے آپ کے چہرہ سے ناراضگی محسوس کی اور آپ نے فرمایا تم دونوں درست قراءت کرتے ہو یاد رکھو اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگوں نے اختلاف کیا وہ تباہ ہو گئے[1] (مسلم)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف سے منع فرمایا ہے یعنی یہ درست نہیں کہ ایک شخص دوسرے آدمی سے اختلاف کرتا ہوا حق کی بھی مخالفت کرے مسئلہ زیر بحث میں دونوں کی قراءت صحیح ہے اور صحت کو ثابت کرتے ہوئے علت بیان کرتے ہوئے وضاحت کی کہ ہم سے قبل لوگوں نے اختلاف کیا تو وہ تباہ و برباد ہو گئے یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا امت محمدیہ میں اختلاف رونما نہ ہونے پائے جس طرح پہلی امتوں میں اختلاف ہوا تو آپ نے تمام لوگوں کو ایک قراءت پر اکٹھا کیا ان کو اس بات سے محفوظ و مصئون کر دیا کہ وہ گمراہی پر مجتمع ہوں پھر اس میں کسی فرض و واجب کا ذکر بھی لازم نہیں آتا تھا اور نہ کسی ممنوع فعل کا ارتکاب لازم آتا تھا جب کہ قرآن پاک کو سات قراءتوں پر پڑھنا جائز تو ہے فرض نہیں یہ تو اللہ کی جانب سے ایک رخصت تھی انہیں اختیار حاصل تھا کہ سات قراءتوں میں سے کسی کو بھی وہ اختیار کر سکتے تھے اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی منصوص نہیں یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف کی ترتیب مصحف عثمان اور دیگر مصاحف کی ترتیب کے خلاف ہے البتہ سورتوں کی آیات کی ترتیب منصوص ہے انہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ کسی آیت کو اپنے طور پر دوسری آیت سے مقدم کریں ہاں سورتوں کی ترتیب میں تبدیلی کرنے کے وہ مجاز تھے لیکن جب صحابہ کرام نے محسوس کیا کہ اگر امت مسلمہ کو ایک قراءت پر مجتمع نہ کیا تو خطرہ ہے کہ ان میں اختلاف زیادہ ہو جائے گا اور جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جائے گی

---

[1] حدیث صحیح ہے بخاری نے روایت کیا مسلم میں ہے بخاری کا باب الخصومات نیز باب الانبیاء دیکھیں۔

تو اس وقت صحابہ کرام نے امت مسلمہ کو ایک قراءت پر جمع کیا۔ جمہور سلف علماء اور قراء کے اس قول کا ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سات قراءتوں پر پڑھنے کی اجازت اوائل اسلام میں تھی اس لئے کہ شروع شروع میں ایک قراءت پر پڑھنا دشوار تھا جب ان کی زبانیں رواں دواں ہو گئیں اور ایک قراءت پر پڑھنا مشکل نہ رہا۔ آسان ہو گیا تو وہ اس قراءت پر مجتمع ہو گئے جو بالکل آخری دور والی تھی فقہاء اور متکلمین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مصحف سات قراءتوں پر مشتمل تھا ان میں سے کسی قراءت کو مہمل بنا دینا جائز نہ تھا اس بنا پر ان کا مصحف عثمان پر اتفاق تھا اسی کو وہ نقل کرتے رہے دیگر مصاحف کو بالائے طاق رکھ دیا گیا اشارۃً پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ سات قراءتوں پر پڑھنا جائز تو تھا فرض نہ تھا یا اب وہ منسوخ ہو چکا ہے۔

لیکن عبداللہ بن مسعود پر یہ الزام لگانا کہ وہ قراءت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے تھے بالکل جھوٹ ہے انہوں نے صرف یہ بات کہی ہے کہ میں نے مختلف قراء کی قراءتوں کا جائزہ لیا تو انہیں ایک دوسرے کے قریب پایا جیسے لفظ علم تعالیٰ اور ہلم تینوں کا معنیٰ ایک ہے پس انہوں نے صراحت کی ہے کہ علم کے مطابق قراءت کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل کتاب سے مجادلہ کرنے سے بھی منع کیا ہے البتہ احسن طریق سے جواز بھی ہے لیکن ان میں جو ظالم ہیں ان کے ساتھ مجادلہ ضروری ہے، تو اہل قبلہ سے مجادلہ کیسے جائز ہو سکتا ہے وہ بہر حال اہل کتاب سے تو بہتر ہیں پس اہل قبلہ سے جو لوگ ظلم کا ارتکاب نہیں کرتے ہیں ان سے احسن طریق پر مجادلہ ہو سکتا ہے ہاں خطا کی صورت میں انہیں کافر نہیں کہا جا سکتا البتہ کسی حکم کے ترک پر ان کو کسی دلیل کی روشنی میں کافر کہا جا سکتا ہے ایسے لوگوں کی سلف علماء نے مذمت کی ہے جو خواہشات کے تابع ہیں اور ان کا علاج تلوار ہے لیکن خطا اور نسیان کی شکل میں کچھ حرج نہیں مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آئے گی۔

امام طحاوی کا یہ قول: ہم گواہی دیتے ہیں کہ قرآن پاک رب العالمین کا کلام ہے اس پر مفصل گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

امام طحاوی کا یہ قول: قرآن پاک کو روح امین لے کر نازل ہوا (الشعراء ۱۹۳) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں ان کو روح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حامل وحی ہیں جس سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے نیز وہ اللہ کے پیغامات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک پہنچاتے ہیں انہیں

امین کے لقب سے نوازا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

نزل به الروح الامین علی قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين ۔(الشعراء ۱۹۳-۱۹۵)

اس کو امانت دار فرشتے لے کر اترا ہے (یعنی اس نے)، تمہارے دل پر (القاء کیا ہے) تاکہ (لوگوں) کو نصیحت کرتے رہو (اور القاء بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے)۔

نیز فرمایا:

انه لقول رسول كريم ذی قوة عند ذی العرش مكين مطاع ثم امين۔ (التكوير ۱۹-۲۱)

بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے جو صاحب قوت مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا ہے سردار (اور) امانتدار ہے

ان میں حضرت جبریل علیہ السلام کا بیان ہے لیکن اللہ کے اس قول:

انه لقول رسول كريم وماهو بقول شاعر (الحاقة ۴۰)

کہ یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام (کی زبان) کا پیغام ہے۔

میں رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

امام طحاوی کا یہ قول: کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سید المرسلین کو تعلیم دی، قرامطہ اور دیگر فرقوں کے اس خیال کو غلط قرار دے رہا ہے کہ حضرت جبریل نے آپ کے دل میں الہام کا تصور قائم کیا۔

امام طحاوی کا یہ قول: کہ ہم قرآن پاک کے مخلوق ہونے کے قائل نہیں اور نہ ہی ہم مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کر سکتے ہیں) دراصل ہمیں متنبہ کر رہا ہے کہ قرآن پاک کو مخلوق کہنے والے مسلمانوں کے اجماعی نظریہ کے خلاف رائے رکھتے ہیں بلا شبہ تمام امت مسلمہ کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن پاک فی الحقیقت اللہ کا کام ہے اور غیر مخلوق ہے ہم کبھی بھی کسی اجماعی نظریہ کی مخالفت نہیں کر سکتے اس لئے کہ اجماع کی مخالفت گمراہی ہے اور راہ صواب سے دور ہونا ہے۔

(ط) اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کے سبب ہم کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ گناہ کے کام کو حلال نہ جانے نیز ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کچھ ضرر رساں نہیں:

(ش) اہل قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کلام سے شیخ کا مقصود خواہ

تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہر گناہ کا مرتکب کافر ہے۔

مسئلہ تکفیر کی وضاحت مسئلہ تکفیر اور عدم تکفیر ایک اہم مسئلہ ہے جس میں شدید اختلاف ہے آراء کے اختلاف کے ساتھ ساتھ دلائل میں بھی شدید تعارض ہے

اس مسئلہ نے کئی قسم کے فتنوں کو جنم دیا اور ابتلاء پیدا کیا بلحاظ عقائد فاسدہ کے اور حق کی مخالفت کے اہل کبائر کی تکفیر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے ایک فریق کا خیال ہے کہ ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہیں گے جب کہ ہمیں علم ہے کہ اہل قبلہ میں منافقین بھی ہیں جن میں بعض تو کتاب و سنت اور اجماع کے لحاظ سے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ کافر ہیں اور بعض ایسے ہیں جو بظاہر کلمہ شہادت پڑھتے ہیں لیکن جب انہیں موقعہ ملتا ہے تو وہ شریعت کے ظاہری احکام کا انکار کرتے ہیں جب کہ اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص ظاہری فرائض متواترہ اور ظاہری محرمات متواترہ کا انکار کرتا ہے تو ایسے شخص کو توبہ کرنے کا حکم دیا جائے اگر توبہ کر لیتا ہے تو بہتر ہے ورنہ اس کو کافر مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے خیال رہے نفاق اور ارتداد کا منشأ فسق و فجور اور بدعات ہیں اسی طرح علامہ خلال نے اس کا ذکر کتاب السنہ میں سند کے ساتھ محمد بن سیرین کا قول ذکر کیا ہے کہ ارتداد زیادہ تر بدعات کی وجہ سے ہوتا ہے نیز وہ ذیل کی آیت کا شان نزول ان کے حق میں بتاتے ہیں آیت ملاحظہ ہو۔

و اذا رایت الذین یخوضون فی آیتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ۔ (الانعام ۶۸)	اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بے ہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں)

یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ کرام مطلق طور پر یہ بات نہیں کہتے ہیں کہ ہم خوارج کی طرح کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے حالانکہ نفی عام اور عموم نفی میں واضح فرق ہے اور جو واجب ہے وہ عموم نفی ہے تاکہ خوارج کا قول رد ہو جائے جو ہر طرح کے گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں یہی وجہ ہے (ویسے تو اللہ خوب جانتا ہے) کہ شیخ طحاوی نے اس کو مقید کیا ہے کہ جب تک وہ حلال نہ سمجھے اور اس میں اشارہ ہے کہ عموماً ہر اس گناہ کی نفی ہے جو عملی ہے علمی مراد نہیں ہے۔

لیکن یہاں ایک اشکال ہے کہ شارع نے مکلف کے لئے عملیات میں صرف عمل کو کافی نہیں سمجھا بلکہ علم کو بھی شامل کیا ہے اسی طرح علمیات میں عمل کو بھی شامل کیا ہے اور عمل کا اطلاق

صرف جوارح پر نہیں ہوتا بلکہ دل کے اعمال کو جوارح کے عمل کے لیے اصل قرار دیا ہے اور جوارح کے عمل کو اس کا تابع کہا ہے لیکن یہ اشکال درست ہے اس لئے کہ گناہ کے حلال کا عقیدہ نہ رکھے جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا ہے اس سے تو پھر دل کے عمل کو ہی اصل کہا جائیگا

شیخ طحاوی کے اس قول میں: کہ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ کا عمل ضرر رساں نہیں ہے مرجیئہ کا رد ہے ان کا نظریہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کسی گناہ کا وقوع پذیر ہونا ضرر رساں نہیں ہے جس طرح کہ کفر کے ساتھ اطاعت کا کچھ فائدہ نہیں ہے خوارج کا نظریہ ان کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کسی ایک کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح معتزلہ کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہ کے

ارتکاب سے اس کا ایمان مکمل طور پر ضائع ہو جاتا ہے کچھ باقی نہیں رہتا البتہ ان دونوں میں کچھ فرق ہے خوارج کے ہاں ایمان سے نکل کر کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور معتزلہ کے ہاں ایمان سے تو نکل جاتا ہے البتہ کفر میں داخل نہیں ہوتا وہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک زائد مرتبہ قرار دیتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کو ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں بلکہ انہیں مخلدفی النار سمجھتے ہیں جب کہ متکلمین فقہاء اور محدثین کا ایک گروہ اعمال میں اس نظریہ کے حامل نہیں ہیں نئے نئے اعتقادات میں (اگرچہ ان اعتقادات والا تاویل کرنے والا کیوں نہ ہو) ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو ان کا قائل ہے وہ خطا کار مجتہد اور با صواب مجتہد میں کچھ فرق نہیں کرتے بلکہ ہر مبتدع کو کافر کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان پر کچھ اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ نصوص متواترہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دوزخ سے باہر نکالا جائے گا جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان موجود ہوگا۔ اسی طرح وہ نصوص جن میں دوزخ سے نکالنے کا ذکر ہے وہ ان نصوص کے معارض ہیں جن میں وعید کا ذکر ہے۔ اس پر تفصیلاً بحث آئندہ اوراق میں ذکر کی جائے گی۔ جب ہم ذکر کریں گے کہ موحدین جب وہ توحید پر فوت ہوں گے اگرچہ وہ کبائر کے مرتکب بھی کیوں نہ ہو تب بھی وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

مقصود یہ ہے کہ بدعات بھی کبائر سے شمار ہوتی ہیں دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص ظاہراً باطناً تو مومن ہے لیکن بعض مسائل کی تاویل میں خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ راہِ اعتدال کو ترک کر کے راہ افراط اختیار کرتا ہے۔ اب تاویل کی صورت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایمان سے خارج ہو گیا جب تک کہ کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو یہ انداز تو خوارج اور معتزلہ کا ہے ہم اس کے قائل نہیں ہیں لہٰذا ہم اس کو کافر نہیں کہیں گے ہم تو راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے کہیں گے کہ اس قسم کے لوگوں کے باطل اقوال جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں یا آپ سے ثابت شدہ اقوال کی نفی کرنے والے یا آپ سے منفی اقوال کو ثابت کرنے والے یا آپ سے ثابت شدہ اقوال کی نفی کرنے والوں کے بارے میں ہم درمیانہ راہ اختیار کریں گے ان کے بارے میں ہم وعیدہ کے قائل ہیں جو نصوص سے ثابت ہے یعنی ہم انہیں کافر کہیں گے جیسا کہ اکثر اہل سنت علماء ان لوگوں کو کافر کہتے ہیں جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں یا جو لوگ اللہ کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ آخرت میں بھی اس کو نہ دیکھا جا سکے گا نیز یہ عقیدہ کہ اشیاء کے وقوع سے پہلے خود خدا بھی ان کو نہیں جانتا ہے۔

امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ کافی عرصہ قرآن پاک کے مخلوق عدم مخلوق ہونے کے بارے میں میرا اور امام ابو حنیفہ کا اختلاف رہا بالآخر ہم دونوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے لیکن اگر کسی معین شخص کے بارے میں ہم سے دریافت کیا جائے کہ کیا تم اس کو فلاں گناہ کی وجہ سے کافر سمجھتے ہو تو ہم کبھی اس کو کافر نہیں کہیں گے اس لئے کہ کسی مسلمان پر یہ بہت بڑی زیادتی ہے کہ ہم اس کا نام لے کر اس کو کافر کہیں اور اسے مخلد فی النار سمجھیں اور یہ کہیں کہ اللہ نہ کبھی اس کو معاف کرے گا نہ اس پر رحم فرمائے گا یہ حکم تو اس شخص پر لگایا جا سکتا ہے جو کفر پر فوت ہو چنانچہ سنن ابوداؤد کے کتاب الادب میں باب النھی عن البغی: کے تحت حضرت ابو ھریرہ سے ایک حدیث مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کان رجلان فی بنی اسرائیل متواخیین فکان احدھما یذنب والآخر مجتھد فی العبادۃ فکان لا یزال المجتھد یری الآخر علی الذنب فیقول اقصر فوجدہ یوما علی ذنب فقال لہ اقصر فقال خلنی وربی أبعثت علی رقیبا فقال واللہ لا یغفر اللہ لک او لا یدخلک اللہ الجنۃ فقبض ارواحھما فاجتمعا عند رب العالمین فقال لھذا	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے ایک گناہگار دوسرا عابد زاہد چنانچہ عابد زاہد جب اپنے گناہگار بھائی کو گناہ کرتے دیکھتا تو اس کو رکنے کی تلقین کرتا ایک روز کا ذکر ہے کہ اس نے اس کو ایک گناہ پر پایا اور اس سے کہا باز آجا اس نے جواب میں کہا میرا معاملہ میرے رب کے سپرد کرو تمہیں مجھ پر کوئی نگہبان تو مقرر نہیں کیا گیا ہے اس نے جواباً کہا اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا یا تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا جب اللہ نے ان کی ارواح کو قبض کیا تو انہیں اپنے ہاں بلایا عابد زاہد سے

المجتهد اكنت بي عالما وكنت على ما في يدي قادرا وقال للمذنب اذهب فادخل الجنة برحمتي وقال للآخر اذهبوا به الى النار قال ابو هريرة والذي نفسي بيده لتكلم بكلمة اوبقت دنياه وآخرته وهو حديث حسن۔ (حسن[1])	کہا تجھے کیسے علم ہوا کیا تجھے میرے کاموں پر قدرت حاصل تھی اور گنہگار سے کہا جاؤ میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ اور عابد زاہد کے بارے میں حکم دیا کہ اسے دوزخ میں ڈال دو حضرت ابوھریرہ بیان کرتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے زاہد و عابد نے ایسا کلمہ کہا جس نے اس کی دنیا اور آخرت کو برباد کر ڈالا

(یہ حدیث حسن ہے) معلوم ہوتا ہے کہ جس گناہگار کو معاف کر دیا گیا ہے وہ برابر اس کوشش میں ہو کہ وہ گناہ کی زندگی سے تائب ہو جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو بعض نصوص کا علم نہ ہو سکا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مضبوط ایمان والا ہو اس کے ساتھ ساتھ اس میں برائیوں کے ساتھ کچھ نیکیاں بھی موجود ہوں۔ جنہوں نے اس کے لئے رحمت خداوندی کو واجب کر دیا ہو۔ جیسا کہ اللہ پاک نے اس شخص کو معاف کر دیا جس نے کہا تھا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے پیس لینا پھر مجھے ہوا میں اڑا دینا محض اس کی خشیت کے پیش نظر اللہ نے اس کو معاف کر دیا حالانکہ وہ شخص سمجھتا تھا کہ اللہ اس کو دوبارہ اٹھانے پر قادر نہیں ہے۔ یا کم از کم اسے اس میں شک وشبہ ضرور تھا۔ لیکن آخرت کے بارے میں یہ توقف ہمیں اس بات سے روکتا نہیں ہے کہ ہم اس کو دنیا میں عذاب دیں تاکہ وہ اس سے باز آ جائے۔ اور توبہ کرے اگر تائب ہو جائے تو بہت اچھا ہے ورنہ ہم اسے قتل کر دیں گے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو اس کا یہ قول کفر کے مترادف ہے لیکن ہم اس کو چند شروط کے ہوتے ہوئے کافر کہیں گے اور اگر کوئی مانع موجود ہے۔ مثلاً اگر اس میں منافقت اور الحاد پایا جائے گا تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن جب وہ بظاہر اسلام کا نام لیتا ہے اور اپنے آپ کو اہل قبلہ سے شمار کرتا ہے تو اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

---

[1] حدیث حسن ہے اس میں ایک راوی عکرمہ بن عمار ہے امام مسلم نے اس قابل محبت کہا ہے جبکہ اس میں ضعف ہے

[2] صحیح بخاری۔

کتاب اللہ میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ یعنی مخلوق کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ اس کے رسول کو نہیں مانتے۔ جیسا کہ کفار مشرکین اور کفار اہل کتاب ہیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو ظاہراً اور باطناً پکے سچے مومن ہیں اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو بظاہر اللہ اور اس کے رسول کا اقرار کرتے ہیں لیکن باطن میں اقرار نہیں کرتے ایسے لوگ زندیق اور منافق ہیں ان کا ذکر سورۃ بقرہ کے شروع میں موجود ہے۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی نمایاں ہو رہی ہے جو ان تمام لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ جو بباطن شریعت کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نکالتے ہیں اس لئے کہ ان کو لازم آئے گا کہ ایسے لوگوں کو کافر کہا جائے جو بباطن منافق نہیں ہیں بلکہ وہ بباطن اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے اگرچہ وہ بظاہر گناہ گار ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ عہد رسالت میں ایک شخص عبد اللہ نامی حمار کا لقب دیا جاتا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہنسی مزاح کرتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب پینے کی وجہ سے حد لگائی۔ ایک روز اسے آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت بھیج۔ کس قدر کثرت کے ساتھ اسے شراب پینے کے جرم میں لایا جاتا ہے۔ یہ بات سن کر آپ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو اللہ کی قسم جس قدر میں جانتا ہوں یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے پس یہ حکم ایسا ہے۔ جو ائمہ دین کے ہاں منصوص ہے البتہ جہمیہ مرجیئہ قدریہ شیعہ۔ خوارج کے نظریات اہل سنت ائمہ دین کے خلاف ہیں۔ یہ بدعتی فرقے تو ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ جبکہ ائمہ اہل سنت تعریف کے قائل ہیں کہ وہ ان تمام کو خطا کار تو کہتے ہیں۔ لیکن کافر نہیں کہتے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وضاحت یہ ہے کہ اللہ نے بھی تو بعض گناہوں کو کفر کہا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ ۴۴)

اور جو شخص خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے (بخاری و مسلم) نیز آپ نے فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کرتے پھرو (بخاری و مسلم) نیز آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے بھائی کو یا کافر کہہ کر پکارتا ہے تو ان میں سے ایک ضرور کافر ہے نیز آپ نے فرمایا۔ جس شخص میں چار خصلتیں ہیں وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ایک

خصلت ہے تو اس میں اتنا ہی نفاق ہے جب تک کہ اس کو چھوڑتا نہیں ہے۔ جب بھی بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور معاہدہ کرتا ہے تو دھوکا دیتا ہے اور جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ بکتا ہے (بخاری ومسلم) نیز آپ نے فرمایا زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔۔۔۔ اور جب چوری کرنے والا چوری کرتا ہے تو وہ بھی مومن نہیں ہوتا اور شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی مومن نہیں ہوتا۔ ان افعال کے بعد ان لوگوں پر توبہ پیش کی جاتی ہے۔ (بخاری ومسلم) نیز آپ نے فرمایا۔ مسلمان اور کفر کے درمیان فرق نماز چھوڑنے کا ہے (مسلم) نیز آپ نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کو سچا جانا۔ یا عورت کی دبر میں جماع کیا تو اس نے ان احکام کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (حدیث صحیح ہے آداب الزفاف للعلامۃ الالبانی) نیز آپ نے فرمایا۔ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی وہ کافر ہو گیا (حاکم) نیز آپ نے فرمایا میری امت کے دو کام کفر کے کام ہیں ایک انساب میں عیب لگانا اور دوسرا میت پر نوحہ گری کرنا۔ اس قسم کی احادیث کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

جواب تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایسا کافر نہیں ہوتا کہ وہ بالکلیہ اسلام سے خارج سمجھا جائے۔ جیسا کہ خوارج کا نظریہ ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ اسلام سے خارج ہو جائے تو وہ مرتد ہو گیا اور مرتد بہر صورت واجب القتل ہے۔ پس کسی کو قتل کر دینا بھی کفر ہو گا۔ اور مقتول کے ورثاء کو حق پہنچتا ہے کہ وہ قاتل کو معاف کریں اور ان کے معاف کرنے کو تسلیم کیا جائے اسی طرح زنا چوری شراب خوری میں حدود کا نفاذ نہ ہو۔ حالانکہ دین اسلام کی تشریحات کو دیکھتے ہوئے ہم ان باتوں کو باطل سمجھتے ہیں اور ان کا فاسد ہونا واضح ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب انسان نہ تو ملت اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ ہی کفر میں داخل ہوتا ہے ایسے شخص کو معتزلہ فاسق کہتے ہیں۔ ان کا نظریہ بھی غلط ہے۔ جب کہ اللہ پاک نے کبیرہ گناہ کے مرتکب انسان کو ایمان والوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

یا ایها الذین اٰمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ (البقرۃ ۱۷۸)	اے مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں کتاب (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے۔

آگے چل کر فرمایا:

فمن عفی له من اخیه شیٔ فاتباع بالمعروف (البقرۃ ۱۷۸)	اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو وارث

مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرار دادکی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا)

پس اس آیت میں اللہ نے قاتل کو ایمان والوں کی فہرست سے خارج قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس کو قصاص کے متولی انسان کا بھائی قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھائی چارہ دین کے لحاظ سے ہے نیز ارشاد خداوندی ہے۔

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما (الحجرات ۹)

اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔

آگے چل کر فرمایا:

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (الحجرات ۱۰)

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو تم اپنے دو بھائیوں میں صلح کروا دیا کرو۔

نیز کتاب وسنت اور اجماع کے نصوص اس بات پر دال ہیں کہ زانی اور چور اور کسی پر تہمت لگانے والا۔ واجب القتل نہیں ہے۔ ان پر حدود کا نفاذ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ مرتد نہیں ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ہاں اس کے بھائی کی عزت یا مال سے کچھ حق موجود ہے تو وہ آج اس حق کو ادا کر دے اس سے پہلے کہ اس روز کسی کے پاس درہم و دینار نہ ہوں گے۔ اگر ظالم کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے وہ نیک عمل چھین لیا جائے گا۔ اور اگر ظالم کے پاس کوئی نیکی نہیں ہے تو اس کے مظلوم ساتھیوں کی برائیوں کو اس کے ذمے لگا کر اسے دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ ثابت ہوا کہ ظالم کے پاس نیکیاں موجود ہیں جن سے مظلوم کی حق رسی کی جائے گی اس طرح صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تم کس شخص کو مفلس سمجھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا ہم اس شخص کو مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہیں آپ نے فرمایا مفلس تو وہ ہے۔ جو قیامت کے دن آئے گا۔ اور پہاڑوں کے برابر اس کی نیکیاں ہوں گی لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اس سے مال چھینا ہو گا۔ کسی کا خون گرایا ہوگا۔ کسی پر الزام لگایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پس ہر ایک کو اس کی نیکیاں قصاصاً دی جائیں گی اگر حقداروں کے حقوق کی حقداری سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حقداروں کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے اور اسے دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ (مسلم) نیز اللہ پاک نے فرمایا ان الحسنات یذھبن السیئات (هود ۱۱۴) معلوم ہوا کہ ایک شخص برائیوں کی حالت میں بھی نیک اعمال کرتا ہے جو اس کی برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

معتزلہ کا نظریہ معتزلہ بھی خوارج کی طرح کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مخلد فی النار کہتے ہیں یہ حکم تو آخرت کے لحاظ سے ہے۔ دنیا کے لحاظ سے خوارج اس کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ اس کو فاسق کہتے ہیں۔ گویا اختلاف صرف لفظی ہے لیکن اہل سنت کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو گناہ کے مطابق سزا ملے گی جیسا کہ کتاب و سنت کے نصوص اس پر دال ہیں۔ لیکن مرجئہ کا خیال یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کسی گناہ کا مرتکب ہونا نقصان نہیں پہنچاتا جیسا کہ کفر کی حالت میں اطاعت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ پس مرجئہ معتزلہ اور خوارج کے نظریات کتاب و سنت کے نصوص کے لحاظ سے فاسد ہیں اور ہر فریق کے دلائل دوسرے فریق کے دلائل کو فاسد قرار دے رہے ہیں۔

اہل سنت کے فرقوں میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے وہ کفر کے کئی مراتب بتاتے ہیں جیسا کہ ایمان کے کئی مراتب ہیں۔ کفر دون کفر کی اصطلاح عام طور پر استعمال ہوتی ہے دراصل یہ اختلاف اسی لئے رونما ہوا جب ایمان کی حقیقت بیان کرنے میں بعض نے کہا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے بعض نے اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا اگرچہ اس بات پر ان سب کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو اللہ اس کے رسول نے کافر کہا ہے ہم بھی اس کو کافر کہیں گے۔ اس لئے کہ یہ بات تو ممتنع ہے کہ اس شخص کو جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اس کو اللہ اور اس کا رسول تو کافر کہتے ہیں لیکن ہم اس کو کافر نہ کہیں البتہ ایمان کی مذکورہ تشریح کے مطابق اس کا کفر عملی ہوگا اعتقادی نہ ہوگا۔ اور جس شخص نے ایمان کو صرف تصدیق قرار دیا ہے اور عمل کو ایمان کے مسمّی میں داخل نہیں کیا اور کفر کو جحود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ ایمان اور کفر میں کمی بیشی کا قائل نہیں ہے اس کے نزدیک یہ کفر مجازی ہے اس لئے کہ کفر حقیقی تو وہ ہوتا ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے اسی طرح قرآن پاک میں بعض اعمال کو ایمان کہا گیا ہے تو وہ بھی ایمان مجازی ہے اس لئے اس عمل کی صحت کا توقف ایمان پر ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم (البقرۃ ۱۴۳) اور خدا تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں کرتا۔

یعنی تمہارا بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا یعنی ایمان سے مراد نماز ہے ظاہر ہے کہ نماز ادا کرنے والے کو مومن کہا جائے گا اور جب کافر نماز پڑھنا شروع کر دے گا تو اس کو مسلمان کہا جائے گا اس میں کچھ شبہ نہیں امت کے تمام فقہاء بلا حیل و حجت اس بات کے معترف ہیں کہ امت مسلمہ کے گناہ گار لوگ اہل وعید میں شامل ہیں البتہ خوارج و معتزلہ جو دین اسلام سے منحرف ہیں وہ ان کو مخلد فی النار کہتے ہیں دراصل

یہ انتہائی تعصب ہے۔ جو اپنے مخالفین کے خلاف رکھتے ہیں۔ اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں لیکن ہمیں کفار کے ساتھ جب راہ اعتدال کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ اچھے انداز میں گفتگو کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔ تو ہم امت مسلمہ کے بعض فرقوں کے ساتھ کیوں راہ اعتدال اختیار نہ کریں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (المائدہ ۸)

اے ایمان والو خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے۔

کفر کی قسمیں

یہاں ایک قاعدہ ملحوظ خاطر رہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کلام اللہ کے فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرنا کبھی اس کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے گا۔ اور کبھی صرف معصیت کا مرتکب ہو گا خواہ معصیت کبیرہ ہو یا صغیرہ اور کبھی کفر مجازی ہو گا اور کبھی کفر اصغر ہو گا حالات کے تقاضوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اگر ایک شخص اس اعتقاد کے ساتھ کتاب اللہ کے احکام کی مخالفت کرتا ہے۔ کہ کتاب اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری نہیں اس میں اختیار ہے۔ یا باوجود اس بات کے کہ وہ یقین کے ساتھ اس کو اللہ کا حکم سمجھتا ہے۔ لیکن استخفاف کے طور پر اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا۔ یہ کفر بہت بڑا کفر ہو گا۔ اور اگر اعتقاد تو یہ ہے کہ کلام اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے لیکن اس کے باوجود کہ اسے اعتراف ہے۔ نیز وہ سمجھتا ہے کہ مخالفت کی صورت میں وہ عذاب خداوندی کا مستحق ہو گا تو اس صورت میں کتاب و سنت سے اس کا اعراض معصیت سمجھا جائے گا اور اس

؎ شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں امت اسلامیہ کے بعض دانشور مرد اور عورتیں جن کے دلوں میں یورپ کی تہذیب رچ بس چکی ہے انہیں اس تہذیب سے گہرا رابطہ ہے اور ہر وقت اس کی طرف سے مدافعت کے لئے تیار رہتے ہیں اس کی اشاعت میں مگن رہتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں اسلام کے اصولوں کی بیخ کنی کرنے والے ہیں ان کا کفر بہت بڑا کفر ہے انہوں نے یورپ کے قوانین کو اس غرض سے حاصل کیا کہ وہ اس قانون کا تحفظ کریں گے اور اس کی تبلیغ کریں گے ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو کھلم کھلا یورپین تہذیب کی برتری کے گیت گاتے ہیں اور کچھ لوگ دبی زبان سے اس کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں یہ دونوں فریق برابر ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کے کفر کو کفر مجازی یا کفر اصغر سمجھا جائے گا اور اگر پوری کوشش کرنے کے باوجود اس کی نظروں سے کتاب و سنت کا فیصلہ مخفی رہا اور اس نے خطا کرتے ہوئے کتاب و سنت کے خلاف قدم اٹھایا تو یہ انسان خطا کار ہے اس کو کوشش کرنے کی بناء پر ثواب حاصل ہوگا اور اس کی غلطی معاف ہوگی۔

علامہ شیخ طحاوی کا یہ قول کہ ایمان کے ساتھ کسی گناہ کا سرزد ہونا کچھ نقصان نہیں پہنچاتا دراصل اس قول میں مرجیئہ کا رد ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اتفاق کیا تھا کہ ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جائے اگر وہ اپنے گناہ سے تائب نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ قدامہ بن عبد اللہ اور ایک گروہ نے شراب کی حرمت کے بعد شراب پی اور اللہ تعالیٰ کے اس قول لیس علی الذین آمنوا

وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وآمنوا وعملوا الصالحات (المائدہ ۹۳)	اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے ہیں جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

کی تاویل کی کہ ایمان اور عمل صالح کی موجودگی میں شراب پینے میں کوئی حرج نہیں جب انہوں نے اس کا ذکر حضرت عمر بن الخطابؓ کے سامنے کیا تو حضرت عمر علی بن ابی طالب اور تمام صحابہ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اگر وہ شراب کی حرمت کا اعتراف کریں تو انہیں کوڑے لگائے جائیں اور اگر اس کو حلال سمجھنے پر اصرار کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ اور حضرت عمر نے قدامہ سے کہا تو سیدھے راہ سے بھٹک گیا ہے خبردار اگر تو تقویٰ اختیار کرتا اور ایمان لاتا اور نیک اعمال کرتا تو کبھی شراب نہ پیتا۔ اس آیت کا سبب نزول دراصل یہ ہے کہ اللہ پاک نے جب شراب کو حرام قرار دیا جنگ اُحد کے بعد اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں حرام چیز تناول کر لیتا ہے جب کہ وہ حرام نہ تھی۔ تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ جبکہ وہ ایمان دار ہے پرہیزگار ہے نیک اعمال کرنیوالا ہے جیسا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے جو لوگ نمازیں پڑھتے رہے۔ اور فوت ہو گئے ان کی نمازیں بھی قبول ہیں پھر یہ لوگ جنہوں نے یہ کام کیا تھا ان کو مذموم قرار دیا گیا کہ وہ اس غلطی کی وجہ سے توبہ سے ناامید کیوں ہو گئے ہیں چنانچہ حضرت عمر نے قدامہ کی طرف تحریر فرمایا۔

حم تنزیل الکتب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب غافر (۱-۳)	اس کتاب کا اتارا جانا خدائے غالب و دانا کی طرف سے ہے جو گناہ بخشنے والا اور توبہ کو قبول کرنے والا (اور) سخت عذاب دینے والا۔

اس آیت کے بعد لکھتے ہیں میں نہیں جانتا کہ تیرا دو گناہوں میں سے کونسا گناہ بڑا ہے کیا تیرا حرام چیز کو حلال گردانلیا یا تیرا اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا پس یہ وہ نظریہ ہے جس پر صحابہ کا اتفاق رہا اور ان کے بعد ائمہ اسلام کا بھی اسی پر اتفاق رہا۔

(ط) نیکوکار ایماندار لوگوں کے بارے میں ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ ان کو معاف فرمائے گا اور انہیں اپنی رحمت کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے گا لیکن ان کے بارے میں ہم بے خوف بھی نہیں ہیں اور نہ ہی ہم ان کے بارے میں جنت کی گواہی دیتے ہیں اور بدکار مومنوں کے لئے ہم مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور ان کے بارے میں خوف رکھتے ہیں جبکہ ہم ان کے بارے میں ناامید بھی نہیں ہیں۔

(ش) علامہ شیخ طحاوی نے جس نظریے کا ذکر کیا ہے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف دوسروں کے بارے میں بلکہ اپنے بارے میں بھی یہی اعتقاد رکھے ارشاد ربانی ہے۔

اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب ويرجون رحمته ويخافون عذابه ان عذاب ربك كان محذورا (الاسراء ۵۷)

یہ لوگ جن کو (خدا کے سوا) پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے ہیں کہ کون ان میں (خدا کا) زیادہ مقرب (ہوتا ہے) اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔

نیز فرمایا:

فلا تخافوهم وخافون ان كنتم مؤمنين (ال عمران ۱۷۵)

پس تم ان سے خوف نہ کرو اور مجھ سے خوف کرو اگر تم ایماندار ہو۔

نیز فرمایا:

واياى فاتقون (البقرة ۴۱)

اور خاص مجھ سے ہی پس ڈرو تم۔

واياى فارهبون (البقرة ۴۰)

اور خاص مجھ سے ہی پس ڈرو تم۔

نیز فرمایا:

فلا تخشوهم واخشونى (البقرة ۱۵۰)

تم ان سے نہ ڈرو تم مجھ سے ڈرو۔

نیز اللہ کا خوف رکھنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

ان الذين هم من خشية ربهم مشفقون والذين هم بايات ربهم

جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں

يؤمنون والذين هم بربهم لا يشركون والذين يؤتون ما اتوا وقلوبهم وجلة انهم الى ربهم راجعون اولئك يسارعون في الخيرات وهم لها سابقون (المومنون ۵۷-۶۱)

اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ شریک نہیں کرتے ہیں اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور یہی ان کے لئے آگے نکل جاتے ہیں۔

مسند احمد ترمذی میں حضرت عائشہ سے روایت ہے اس نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول (وہ لوگ جو عمل کرتے ہیں جو کرتے ہیں ان کے دلوں میں خوف ہوتا ہے) کیا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو زنا کرتے ہیں شراب پیتے ہیں، چوری کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی یہ لوگ مراد نہیں ہیں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ رکھتے ہیں نماز ادا کرتے ہیں صدقہ خیرات کرتے ہیں ساتھ ساتھ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کے اعمال قبول نہ ہوں۔

حسن رضی اللہ عنہ کا قول

بخدا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطاعت کرتے رہے اور اس میں کوشاں رہے اس کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی رہے کہ کہیں ان کی نیکیاں قبول نہ ہوں (خیال رکھو) مومن نیک اعمال بھی کرتا رہتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے اور منافق برے اعمال بھی کرتا ہے اور بے خوف بھی رہتا ہے (انتہیٰ) ارشاد خداوندی ہے

ان الذين امنوا والذين هاجروا وجاهدوا في سبيل الله اولئك يرجون رحمت الله والله غفور رحيم (البقرہ ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے وہی خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے)

غور کیجئے اللہ پاک نے کس طرح ان کی امید کو اطاعت اور ایمان کے ساتھ وابستہ کیا ہے پس امید کرنا اسوقت درست ہے جب ان اسباب کو بروئے کار لائے جن کا تقاضا اللہ کی حکمت اس کی شریعت اس کی قدرت اس سے ثواب اور کرامت کا حصول کر رہی ہے۔

ایک مثال

وہ زمیندار جو زمین میں ہل نہیں چلاتا نہ بیج ڈالتا ہے زمین کو بے کار چھوڑ رکھا ہے وہ اگر امید رکھتا ہے کہ اس کو زمین سے کچھ فائدہ حاصل ہوگا تو لوگ اس کو بے وقوف سمجھیں گے اسی طرح اگر کوئی شخص اس حسن ظن میں مبتلا ہے کہ بیوی کے ساتھ نہ جماع کرنے میں بھی اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا یا طلب علم میں

کوشش نہیں کرتا اور پر امید ہے کہ وہ صاحب دنیا میں بہت بڑا عالم بن جائے گا بالکل ان لوگوں کی مانند اس شخص کا حال ہے جو محض حسن ظن رکھتا ہے اور پر امید ہے کہ وہ بلند درجات حاصل کرے گا اور ہمیشہ ہمیشہ انعامات خداوندی میں سرشار رہے گا حالانکہ نہ اس میں اطاعت موجود ہے اور نہ ہی وہ اوامر الٰہیہ کا امتثال کر کے اور منہیات سے اجتناب کر کے قرب خداوندی حاصل کرتا ہے۔

حالانکہ پر امید ہونے کے لئے کچھ اسباب فراہم کرنے ضروری ہیں اولاً اس کے ساتھ محبت کا جذبہ ہو ثانیاً اس کے زائل ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہو ثالثاً اس کے حصول میں امکانی حد تک کوشاں رہے لیکن محض امید وابستہ رکھنا اور اس کے لئے کچھ حرکت نہ کرنا محض آرزو ہے جب کہ امید دیگر چیز ہے اور آرزو محض وہم ہے پس ہر وہ شخص جو امید رکھتا ہے وہ خائف بھی ہے دیکھئے وہ شخص جو منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے جب خطرہ محسوس کرتا ہے تو تیز تیز چلتا ہے کہیں وہ راستہ میں ہی نہ رہ جائے ارشاد ربانی ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء (النساء ۴۸)	خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے)

پس مشرک کے لئے کچھ مغفرت نہیں ہے جب کہ اللہ نے اس سے مغفرت کی نفی کر دی ہے دیگر گناہوں کی مغفرت اللہ کی مشیت میں ہے اگر چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو عذاب میں مبتلا کرے۔

معجم الطبرانی میں[1] ہے، قیامت کے روز اللہ کے ہاں تین دیوان ہوں گے ایک دیوان ان لوگوں کا ہے جو شرک کرتے رہے ان کے لئے مغفرت نہیں دوسرا دیوان ان لوگوں کا ہے جو حقوق العباد کے گناہوں میں مبتلا رہے اللہ ان کی معافی نہیں کرے گا تیسرا دیوان ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں ان کے گناہ کچھ زیادہ قابل گرفت نہیں ہیں۔

کبائر کا ذکر نیز عذاب الٰہی کے سقوط کے اسباب

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں علماء کے فرق کرنے میں عبارات میں کچھ اختلاف پایا جاتا

[1] حدیث ضعیف ہے طبرانی نے اس کو روایت نہیں کیا مسند احمد نے کہا ہے ۶/۲۴۰) حاکم ۴/۵۷۵-۵۷۶) اس نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ لیکن ذہبی نے اس کا رد کیا علامہ البانی فرماتے ہیں اس کی سند میں صدقہ ضعیف اور ابن بانبوس مجہول ہے۔

ہے امت محمدیہ کے کبائر کے مرتکب مخلدفی النار نہیں ہیں لیکن یہاں ایک چیز غور طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کبھی اس قدر شرم محسوس کرتا ہے اور اللہ کے ڈر سے وہ اس گناہ کو بہت عظیم گردانتا ہے جس کی وجہ سے وہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا بلکہ صغیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے اور کبھی صغیرہ گناہ کا مرتکب اس قدر بے شرم ہو جاتا ہے کہ وہ خوف خدا سے عاری ہو کر اس گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا جس کی وجہ سے وہ صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شمار ہوتا ہے معلوم ہوا کبائر، صغائر کا اصل تعلق دل کے ساتھ ہے ظاہر ہے کہ اس کے فعل سے یہ چیز زائد ہے اور اس بات کو ہر شخص خوب سمجھتا ہے نیز یہ بات معروف ہے کہ بعض دفعہ کبائر کے مرتکب انسان کو معاف کر دیا جاتا ہے ائمہ نے اس سے عذاب جہنم کے ساقط ہونے کے دس اسباب گنوائے ہیں۔

سبب اول توبہ

ارشادِ خداوندی ہے۔

الا من تاب (مریم ۶۰) — مگر جس نے رجوع کیا۔

نیز فرمایا:

الا الذین تابوا (البقرہ ۱۶۰) — مگر وہ لوگ جنہوں نے رجوع کیا۔

خالص توبہ کا تعلق تمام گناہوں کے ساتھ ہے کسی خاص گناہ کے ساتھ نہیں ہے لیکن کیا تمام گناہوں سے تائب ہونے پر اس کی صحت موقوف ہے صحیح قول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک گناہ سے توبہ کرتا ہے دوسرے گناہ پر اصرار کرتا ہے تب بھی اس کی توبہ صحیح اور قبول ہے اور کیا اسلام لانے سے پہلے تمام گناہ ختم ہو جاتے ہیں اگرچہ ان سے تائب نہ ہو یا شرک کے علاوہ دیگر گناہوں سے تائب ہونا ضروری ہے مثلاً اگر ایک شخص مسلمان ہوتا ہے اور وہ اس سے پہلے زانی اور شرابی تھا کیا اسلام لانے کے بعد ان گناہوں پر اس کا مؤاخذہ ہوگا یا پھر اسلام لانے کے ساتھ ساتھ ان گناہوں سے بھی توبہ کرے یا عام توبہ کرے صحیح مسلک یہی ہے کہ وہ عام توبہ کرے اس لئے کہ توبہ گناہوں کے ختم کرنے کا سبب ہے اس طرح وہ مؤاخذے سے بری ہو جائے گا ارشاد خداوندی ہے۔

قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم (الزمر ۵۳)

(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش دے گا (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

ظاہر ہے گناہوں سے براءت محض توبہ کی وجہ سے ہے اسی لئے کہا ہے کہ تم مایوس نہ ہونا اور اپنے رب کی جانب انابت کرنا۔

سبب ثانی استغفار

ارشاد خداوندی ہے۔

وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون (الانفال ۳۳)	اور خدا ایسا نہ تھا کہ وہ ان کو عذاب میں گرفتار کرے اور وہ بخشش مانگتے ہوں۔

لیکن کہیں استغفار کا انفراداً ذکر ہے اور کہیں توبہ کے ساتھ ہے جہاں اس کا ذکر انفراداً ہے اس میں توبہ کو بھی شامل کر لیا جائے جیسا کہ جہاں صرف توبہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس میں استغفار کو بھی شامل سمجھا جاتا ہے پس توبہ استغفار کو شامل ہے اور استغفار توبہ کو شامل ہے گویا کہ ہر ایک دوسرے کے معنی میں داخل ہے لیکن جہاں دونوں کا ذکر ہو وہاں استغفار سے مراد ماضی کے گناہوں کے شر سے تحفظ طلب کرنا مقصود ہوتا ہے اور توبہ سے مراد رجوع اور مستقبل کے گناہوں کے شر سے تحفظ طلب کرنا مقصود ہوتا ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیں مثلاً لفظ فقیر اور مسکین جب بھی ان دونوں میں سے کسی ایک کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں دوسرا بھی شامل ہوتا ہے اور جہاں کہیں دونوں کا ذکر ہوتا ہے تو دونوں کا الگ الگ معنی ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فاطعام عشرۃ مساکین (المائدۃ ۸۹)	پس دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے،

نیز فرمایا:

فاطعام ستین مسکینا (المجادلۃ ۴)	ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

نیز فرمایا:

وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم (البقرۃ ۲۷۱)	اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے۔

اس میں کچھ اختلاف نہیں کہ ان آیات میں جب کہ ہر لفظ الگ استعمال ہوا ہے تو وہ کم دولت والے اور بالکل معدوم دونوں کو شامل ہے اور جب دونوں مل کر آتے ہیں تو فقیر سے مراد وہ انسان ہے جس کے پاس بالکل مال نہیں ہے اور مسکین وہ ہے جو قلیل مال والا ہے (اگرچہ اس میں اختلاف ہے)

ارشاد خداوندی ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین (۶۰)	بے شک صدقات (کے مستحق) فقیر اور مسکین ہیں۔

اسی طرح لفظ اثم اور عدوان اسی طرح بر اور تقویٰ اسی طرح فسوق اور عصیان مستعمل ہیں اسی معنیٰ کے قریب قریب لفظ کفر اور نفاق ہیں اگرچہ کفر عام ہے اس لئے کہ جب کفر کا لفظ ذکر ہوتا ہے تو وہ نفاق کو بھی شامل ہوتا ہے اور جب دونوں ذکر ہوں تو ہر ایک کا الگ الگ معنیٰ لیا جاتا ہے اسی طرح لفظ ایمان اور اسلام کا حال ہے۔

سبب ثالث حسنات اس لئے کہ ایک نیکی کا دس گنا بدلہ ملتا ہے جب کہ برائی کا بدلہ برابر ہے پس اس شخص کے لئے تباہی ہے جس پر اس کے گناہ غالب ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

ان الحسنات یذھبن السیات (ھود ۱۱۵) بے شک نیک عمل برے عمل کو مٹا دیتے ہیں۔

نیز ارشاد نبوی[1] ہے برائی کے بعد نیک کام کرو اس سے برائی مٹ جائے گی۔

سبب رابع دنیوی مصائب ارشاد نبوی[2] ہے مومن کو جب دکھ درد غم فکر لاحق ہوتا ہے یہاں تک کہ جب اسے کانٹا بھی لگتا ہے تو ان کی وجہ سے اس کے گناہ دور ہوتے ہیں مسند احمد بن حنبل[3] میں ہے جب اللہ کا یہ قول نازل ہوا۔

من یعمل سوءا یجزبہ (النساء ۱۲۳) جو بھی برا عمل کرے گا (اس کو) اس کا بدلہ ملے گا)

تو حضرت ابوبکر نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ آیت تو کمر کو توڑ دینے والی ہے ہم میں کون ایسا شخص ہے جس سے برا فعل نہیں ہوا آپ نے فرمایا اے ابوبکر کیا تجھے تھکاوٹ نہیں ہوتی یا تجھے غم لاحق نہیں ہوتا کیا تجھے مصائب نہیں پہنچتے یہ سب کچھ ان گناہوں کا بدلہ ہے پس مصائب گناہوں کا کفارہ ہیں اور ان پر صبر کرنے سے ثواب ملتا ہے اور جزع فزع سے گناہ ہوتا ہے۔ اور صبر اور جزع فزع مصیبت کے علاوہ ہیں اس لئے کہ مصیبت اللہ کا فعل ہے بندے کا فعل نہیں ہے یہ دراصل بندے کو اللہ کی جانب سے گناہ پر بدلہ ملتا ہے اس سے گناہ دور ہوتا ہے اور بندے کو گناہ یا ثواب اس کے فعل پر ملتا ہے ظاہر ہے کہ صبر اور جزع فزع بندے کا فعل ہے ہاں کبھی اجر و ثواب بندے کے عمل پر نہیں کسی دوسرے کی طرف سے اصل ثواب ہوتا یا اللہ پاک اپنے خاص فضل سے بلا سبب ثواب عطا کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے

ویؤت من لدنہ اجرا عظیما (النساء ۴۰) اور اپنی طرف سے عظیم ثواب عطا کرے گا۔

---

[1] حدیث حسن ہے (الروض النضیر ۵۵) [2] بخاری، مسلم [3] حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے معنی کے لحاظ سے درست ہے۔

اس لحاظ سے بیماری جزا اور کفارہ ہو جاتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اجر و ثواب سے مراد گناہوں کا معاف ہونا ہوتا ہے یہ اس کا مدلول تو نہیں البتہ لازم ضرور ہے۔

سبب خامس عذاب قبر اس پر مفصل بحث ہو گی۔

سبب سادس ایمانداروں کا اسکے حق میں دعا کرنا نیز زندگی اور زندگی کے بعد اس کے لئے استغفار کرنا۔

سبب سابع مرنے کے بعد اس کے نام پر صدقہ، قرآن پاک کی قراءت یا حج وغیرہ کا صدقہ اور ثواب کرنا اس پر بھی بحث آگے آئے گی۔

سبب ثامن قیامت کے دن کی خوفناکیاں اور مصائب مراد ہیں۔

سبب تاسع حدیث[1] میں ہے کہ مومن جب پل صراط پر سے گزریں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر کھڑے ہوں گے وہاں ان کا آپس میں قصاص ہو گا جب اچھی طرح چھان بین ہو جائے گی تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔

سبب عاشر شفاعت کرنے والوں کی سفارش اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

سبب حادی عشر بلا شفاعت کے اللہ پاک کا معاف کرنا ارشاد خداوندی ہے۔

ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء (النساء ۴۸-۱۱۶) اور اس کے سوا جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ پس اگر ایسا شخص ہے جس کے گناہ بہت بڑے ہیں اللہ اس کو معاف کرنا نہیں چاہتا تو لازماً اس کو بھٹی میں داخل کیا جائے گا تاکہ اس کا ایمان معاصی کی میل کچیل سے صاف ہو جائے پس دوزخ میں وہ انسان نہیں رہے گا جس کے دل میں ادنیٰ ذرہ کے برابر ایمان ہے بلکہ جس نے زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا انس[2] کی حدیث میں اس کا ذکر گزر چکا ہے پس جب حقیقت حال واضح ہو چکی ہے تو امت کے کسی معین فرد کے لئے یقین کے ساتھ جنت کا حکم لگانا درست نہیں اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن

---

[1] حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے معنی کے لحاظ سے درست ہے۔ [2] بخاری کتاب المظالم

کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی شہادت دی ہے البتہ نیک کام کرنے والوں کے لئے ہم جنت کے امیدوار ہیں جب کہ ہم خطرہ بھی محسوس کرتے ہیں۔

(ط) عذاب سے بے خوف ہونا اور رحمت خداوندی سے مایوس ہونا دونوں ہی انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتے ہیں جب کہ اہل قبلہ والوں کے لئے راہ صواب ان کے درمیان ہے۔

(ش) ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے خائف رہے اور جنت کا امیدوار بھی رہے۔

صحیح معنی میں اللہ کے عذاب سے خوفزدہ رہنا یہ ہے کہ محرمات الٰہیہ سے دور رہا جائے لیکن جب اس سے تجاوز کرے تو خطرہ ہے کہیں نا امیدی کا شکار نہ ہو جائے اور رحمت خداوندی کی امید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری کے اعمال کرتا ہے اس پر ثواب کا امیدوار ہے یا گناہ کے بعد تائب ہو کر اللہ کی مغفرت کا امیدوار ہو ارشاد خداوندی ہے۔

ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم (البقرۃ ۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے وہی خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں اور خدا بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے)

لیکن جو شخص گناہوں میں مستغرق ہے وہ کسی نیک کام کے نزدیک نہیں جاتا پھر بھی وہ رحمت خداوندی کا امیدوار ہے تو وہ مغرور اور جھوٹی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے۔

ابوعلی روزباری رحمہ اللہ کا قول

خوف اور امید پرندے کے دو پروں کی مثل ہیں۔ جب تک دونوں پر مساوی رہیں اڑان درست رہتی ہے لیکن اگر کسی پر میں نقص ہو تو اڑان بھی صحیح نہیں ہوتی اور جب دونوں پر ضائع ہو جائیں تو پرندہ موت کی زد میں ہوتا ہے۔ بیم و رجا دونوں اوصاف کے حاملین کی اللہ نے مدح کی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

امن ھو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الاخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ۔

(بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہے اور آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار

---

[1] بخاری، مسلم۔

(الزمر ۹) کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔

نیز فرمایا:

تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا و طمعا۔ (السجدۃ ۱۶)

ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔

پس امید خوف کو مستلزم ہے اگر خوف نہیں ہے تو عذاب خداوندی سے بے خوف ہونا ہے اور خوف امید کو مستلزم ہے اگر امید نہیں تو نا امیدی اور مایوسی ہے اور ظاہر ہے کہ جب آپ کسی سے ڈرتے ہیں تو اس سے بھاگتے ہیں۔

لیکن جب اللہ سے ڈرتے ہیں تو گویا اس کی جانب دوڑتے ہیں پس اللہ سے ڈرنے والا اللہ سے اللہ کی طرف بھاگنے والا ہے منازل السائرین کے مؤلف کا قول ہے: امید مرید کی کمزور منزل ہے لیکن یہ قول درست نہیں صحیح بات یہ ہے کہ امید اور خوف سابقہ وضاحت کے مطابق مرید کی اشرف منزل ہے۔

صحیح حدیث[1] میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق ہوں وہ میرے ساتھ جو چاہے خیال کرے صحیح مسلم[2] میں حضرت جابر سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے تین دن پہلے سنا آپ فرماتے تھے تم میں جو شخص بھی فوت ہوتا ہے وہ اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بیماری میں امید خوف پر غالب ہو لیکن صحت میں خوف امید پر غالب ہو بعض کا قول ہے جس نے محض محبت کے ساتھ اللہ کی عبادت کی وہ بد دین ہے اور جس نے محض خوف کے ساتھ عبادت کی وہ خارجی ہے اور جس نے صرف امید کے ساتھ عبادت کی وہ مرجیئہ ہے اور جس نے محبت خوف امید کے ساتھ عبادت کی وہ مومن موحد ہے محمود وراق نے خوب کہا ہے: اگر آپ معمولی نیک عمل کا ثواب دیکھ لیں تو آپ کو بڑے عمل کے ثواب پر تعجب ہوگا یا اگر آپ معمولی برے کام کے بدلہ کو دیکھ پائیں تو آپ کو بڑے گناہ کے بدلہ پر بہت زیادہ خوف لاحق ہوگا۔

---

[1] بخاری، مسلم
[2] صحیح مسلم

(ط) اور بندہ اس وقت ایمان سے خارج ہوتا ہے جب ان چیزوں کا انکار کرے جن کے اقرار سے وہ ایماندار بنا تھا۔

(ش) شیخ طحاوی یہاں خوارج اور معتزلہ کا رد کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ ان کے ہاں کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے انسان ایماندار نہیں رہتا اس پر بحث گزر چکی ہے

(ط) ایمان اقرار باللسان تصدیق بالقلب کا نام ہے جو شریعت اور وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے وہ سب حق ہے نیز ایمان ایک چیز ہے تمام ایماندار اصل ایمان میں برابر ہیں ان میں تفاوت بلحاظ خشیت پرہیزگاری اور خواہش نفس کی مخالفت نیز اولیٰ کی ملازمت کے ساتھ ہے۔

ایمان کی بحث

(ش) ایمان کے بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے امام مالک، شافعی، احمد اوزاعی اسحاق بن راہویہ جملہ محدثین، اہل مدینہ، اہل ظاہر اور متکلمین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اعمل بالارکان کا نام ہے ہمارے اکثر رفقا کا وہی قول ہے جس کا ذکر امام طحاوی نے کیا ہے کہ ایمان اقرار باللسان، تصدیق بالقلب کا نام ہے بعض کا قول ہے کہ اقرار باللسان زائد رکن ہے اصلی نہیں ہے یہی مذہب ابو منصور ماتریدی کا ہے نیز یہی قول امام ابوحنیفہ سے بھی مروی ہے کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے ان کے نزدیک منافق مومن ہیں بلکہ کامل مؤمن ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ وہ وعید خداوندی کے مستحق ہیں ان کا قول فاسد ہے جہم بن صفوان اور ابوالحسن صالحی قدریہ کا لیڈر اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ایمان معرفت بالقلب کا نام ہے یہ قول تو پہلے قول سے بھی زیادہ فاسد ہے اس قول سے تو یہ لازم آتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو مومن کہا جائے اس لئے کہ انہیں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے سچا ہونے کی معرفت حاصل تھی اگرچہ وہ ان پر ایمان نہیں لاتے تھے اسی لئے حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا:
ارشاد ربانی ہے:

لقد علمت ما انزل ھؤلاء الا رب السموات والارض بصائر۔ (الاسراء ۱۰۲)	تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا اس کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو۔

نیز فرمایا:

وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم	اور بے انصافی اور غرور سے ان سے انکار کیا لیکن

ظلما وعلوا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین (النمل ۱۴)

ان کے دل ان کو مان چکے تھے سو دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔

اسی طرح اہل کتاب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بالکل اس طرح حاصل تھی جس طرح کہ ان کو اپنے بیٹوں کی حاصل تھی لیکن وہ آپ پر ایمان نہ لائے کفر اختیار کئے رکھا اور آپ کی مخالفت کرتے رہے اسی طرح ابو طالب بھی اس کے ہاں ایماندار ہوگا جب کہ اس نے برملا کہا

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریتہ دینا

لولا الملامۃ او حذار مسبۃ لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

میں جانتا ہوں کہ دین محمد دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ اگر ملامت کا خیال یا عار کا خوف نہ ہوتا تو مجھے اس کی واضح طور پر موافقت کرنے والا پاتا

بلکہ ابلیس بھی جہم کے نزدیک کامل ایمان والا ہے اس لئے کہ وہ اپنے رب کی معرفت رکھتا تھا اس سے جاہل نہ تھا ارشاد ربانی ہے۔

قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون (الحجر ۳۶)

اس نے کہا اے میرے پروردگار! مجھے اس دن تک مہلت عطا کر جس روز اٹھائے جائیں گے۔

نیز فرمایا:

قال رب بما اغویتنی۔ (الحجر ۳۹)

اس نے کہا اے میرے پروردگار اس سبب سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔

نیز فرمایا:

قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین۔ (ص ۸۲)

اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان تمام کو گمراہ کروں گا۔

جہم کے نزدیک کفر صرف رب تعالیٰ سے جاہل ہونے کا نام ہے اس لحاظ سے جہم سے زیادہ کوئی بھی رب تعالیٰ سے زیادہ جہالت والا نہیں اس نے رب تعالیٰ کو وجود مطلق سے تعبیر کیا ہے جب کہ اس سے تمام صفات کو سلب کر لیا ہے کیا اس سے کوئی بڑی جہالت ہو سکتی ہے پس وہ اپنے قول کے مطابق ہی کافر ہو گیا ان مذاہب کے علاوہ دیگر مذاہب بھی ہیں میں نے اختصار اختیار کرتے ہوئے ان کا اور ان کی تفاصیل کا ذکر نہیں کیا ان تمام کا ذکر ابو المعین نسفیؒ نے تبصرۃ الادلہ میں کیا ہے۔

خلاصہ بحث ایمان کا تعلق دل، زبان، جوارح کے ساتھ ہے یہ مذہب جمہور سلف کا ہے یا صرف دل

اور زبان کے ساتھ تعلق ہے جوارح کے ساتھ نہیں ہے یہ مذہب امام طحاوی امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کا ہے یا صرف زبان کے ساتھ تعلق ہے یہ مذہب کرامیہ کا ہے یا صرف دل کی معرفت کا نام ایمان ہے یہ مذہب جہم کا ہے یا صرف تصدیق کا نام ہے یہ مذہب ابو منصور ماتریدی کا ہے خیال رہے جہم اور کرامیہ کا مذہب بالکل باطل ہے۔

امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ اہل سنت کے درمیان اختلاف ظاہری ہے حقیقی نہیں ہے اس لئے کہ ایمان بالقلب کو جوارح کے اعمال لازم ہیں یا ایمان کا جز ہیں جب کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کی مشیت میں ہے اگر اللہ چاہے تو اس کو عذاب میں مبتلا کرے اور اگر چاہے تو معاف کر دے بہر حال لفظی نزاع اعتقاد کے فساد کو مستلزم نہیں ہوتا اور جو لوگ تارک نماز کو کافر کہتے ہیں وہ اس اصل کے ساتھ دیگر ادلہ بھی لاتے ہیں ورنہ یہ حقیقت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی، چور، شرابی، ڈاکو پر ایماندار کا لفظ اطلاق نہیں کیا لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اب وہ بالکلیہ ایمان کے دائرہ سے خارج ہیں نیز اہل سنت کے درمیان اس بات میں ہرگز اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے قول اور عمل کا مطالبہ کیا ہے قول سے مراد تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہے اور یہی معنیٰ ان کے اس قول کا ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے لیکن بندوں سے جب اس کا مطالبہ کیا گیا ہے تو کیا اس کو ایمان شامل ہے یا ان میں سے ایک کا نام ایمان ہے یعنی صرف قول ایمان ہے اور عمل اس کے خلاف ہے ایمان اس کو شامل نہیں ہے جب کہ صرف قول کا ذکر ہو دونوں پر ایمان کا اطلاق مجازاً ہے۔

اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے کہ اگر کوئی شخص دل میں تصدیق رکھتا ہے اور زبان کے ساتھ اقرار کرتا ہے لیکن عمل با لجوارح نہیں کرتا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے وعید خداوندی کا مستحق ہے لیکن ان لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ اعمال ایمان کے مسمیٰ میں داخل نہیں ہیں نیز جب ایمان ایک چیز ہے تو پھر میرا ایمان حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ایمان کے برابر ہے بلکہ انبیاء اور پیغمبروں جبریل، میکائیل کے ایمان کے برابر ہے یہ نظریہ غلو آمیز ہے اور کفر ایمان کا آپس میں وہی تعلق ہے جو عمیٰ اور بصر کا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ بصارت والے قوت اور ضعف کے لحاظ سے

لے نام میمون بن محمد ابو المعین نسفی الحنفی اصول اور علم کلام میں بہرہ وافر رکھتا تھا سمرقند اور بخارا میں رہائش پذیر رہا متعدد کتابیں تالیف کیں۔

مختلف ہیں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں دن کو نظر نہیں آتا اور کچھ وہ ہیں جنہیں رات کو نظر نہیں آتا اور بعض وہ ہیں جو موٹے حروف کو تو پڑھ لیتے ہیں باریک حروف کو عینک کے بغیر نہیں پڑھ سکتے اور بعض وہ ہیں جن کی قریب کی نظر کمزور ہے اور بعض وہ ہیں جن کی دور کی نظر کمزور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ طحاوی نے بیان کیا کہ اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں یعنی اصل ایمان میں مساوات ہے اگرچہ من کل الوجوہ مساوات نہیں ہے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں کے دلوں میں نور کے درجات کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق ہے ان کے فرق کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے چنانچہ بعض کے قلوب میں روشنی سورج کی مانند اور بعض کی چمکتے ہوئے ستارہ کی مانند اور بعض کی مشعل عظیم کی مانند اور بعض کی چمکتے ہوئے چراغ اور بعض کی ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی مانند ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن اسی مقدار کے مطابق ایمان کی روشنی ظہور پذیر ہوگی جس قدر کسی شخص کے دل میں ایمان، توحید کی روشنی ہوگی اسی قدر علم و عمل کی شعاعیں قیامت کے روز ان کے دائیں جانب اور ان کے سامنے دکھائی دیں گی اور جس قدر روشنی میں زیادہ جلا اور قوت ہوگی اسی قدر شبہات اور شہوات بھسم ہوں گی یعنی تمام گناہ اور شبہات شہوات جل کر راکھ ہو جائیں گی پس راست باز موحد انسان کا ایمان ایسے آسمان کی طرح ہے جو ہر قسم کے چوروں سے محفوظ ہے جب بھی کوئی چور اس کا رخ کرتا ہے اسے رجم کر دیا جاتا ہے اس حقیقت کی معرفت اس شخص کو حاصل ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی حقیقت کو جانتا ہے کہ اللہ نے اس شخص کو دوزخ پر حرام کر دیا ہے جس نے خدا کی رضا جوئی کے لئے لا الٰہ الا اللہ پڑھا، اس مضمون کی دیگر احادیث (جن کا فہم اکثر لوگوں کے لئے مشکل ہے) کو بعض لوگوں نے منسوخ قرار دیا ہے بعض نے کہا کہ ان احادیث کا حکم اوامر و نواہی سے قبل تھا بعض نے اس آگ سے مشرکین اور کفار والی آگ مراد لی ہے بعض نے دخول کی تاویل خلود سے کی ہے۔

اسی لئے شارع علیہ السلام نے صرف زبان کے ساتھ اقرار کو کافی نہیں سمجھا ہے جیسا کہ دین اسلام کے مطالعہ سے یہ چیز واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کیا منافق زبان کے ساتھ اقرار کرنے والے نہ تھے اس کے باوجود ان کو جہنم کے نچلے درجے میں داخل کیا جائے گا۔

معلوم ہوا نجات کا دارومدار اعمال پر ہے اور اعمال کے تفاضل کا تعلق دل کے ساتھ ہے اس کو سمجھنے کے لئے بطاقہ کی حدیث پر غور کریں کہ کس طرح کاغذ کا ایک ٹکڑا ننانوے دفاتر پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے جب کہ ہر دفتر کی پہنائی حد نظر کے برابر ہے اس کے باوجود وہ سب کاغذ کے پرزے کے مقابلہ میں ہلکے ہوں گے اور پرزہ بھاری ہوگا اس بنیاد پر اس کے صاحب کو عذاب نہ ہوگا کون نہیں

جانتا کہ لا الٰہ الا اللہ والا یہ زہ تو ہر موحد کے پاس ہوگا اس کے باوجود اکثر دوزخ میں داخل ہوں گے جب کہ ان کے دلوں میں منافقت ہے اسی طرح وہ حدیث بھی قابل توجہ ہے جس میں اس شخص کو معاف کر دیا جاتا ہے جو بکصد انسانوں کا قاتل ہے وہ راہ نجات تلاش کرنے کے لئے اپنی بستی سے نکلتا ہے جب وہ راستہ میں موت کے مقدمات سے ہم کنار ہوتا ہے تو وہ اس بستی کی جانب اپنے آپ کو قریب تر کرنے میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے اس لئے کہ اس کے دل میں حقیقت ایمانیہ کی دولت موجود ہے اس بنا پر اس کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح اس حدیث پر بھی غور کیجیے جس میں ایک فاجرہ زانیہ عورت کو اس لئے معاف کر دیا جاتا ہے کہ جب اس کا دل ایمان کی روشنی سے منور ہوتا ہے تو وہ اپنا جوتا اتار کر اس کو ڈول بنا کر دوپٹہ باندھ کر پرانے کنوئیں سے پانی نکال کر ایک پیاسے کتے کو پانی پلاتی ہے۔

یاد رہے جس طرح اصل ایمان میں مساوات ہے لیکن تفاضل دل کی روشنی کی کمی بیشی کے ساتھ ہے اسی طرح اصل عقل میں تمام برابر ہیں کہ دیوانے نہیں ہیں تاہم تفاضل موجود ہے بعض لوگ زیادہ عقل والے ہوتے ہیں اور بعض ناقص عقل والے ہوتے ہیں۔

اسی طرح واجبات اور محرمات میں بھی تفاضل ہے صحیح مسلک یہی ہے اگرچہ عقل اور وجوب میں بعض نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

ایمان میں کمی بیشی

ظاہر ہے کہ شروع اسلام میں اس قدر ایمان نہ تھا جو تمام قرآن کے نزول کے بعد ہوا اسی طرح ہر شخص کے لئے ضروری نہیں کہ اس کا ایمان تفصیلی ہو بلکہ جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس تک پہنچ پائے ہیں وہ ان پر ایمان لائے نجاشی اور اس جیسے انسان اس زمرہ میں شامل ہیں۔ ہاں تصدیق اور عمل میں زیادتی جب دل اور دیگر اعضاء کے اعمال کو مستلزم ہو تو وہ اس تصدیق سے اکمل ہے جو اس کو مستلزم نہیں ظاہر ہے کہ ایک شخص علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ بہرحال اس شخص سے افضل ہے جو علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اسی لئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو خبر دی جائے وہ اس انسان جیسا نہیں جو مشاہدہ کر رہا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب بتایا گیا کہ اس کی قوم نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا ہے تو اس پر انہوں نے تختیوں کو زمین پر نہیں مارا لیکن جب انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کر رہے ہیں تو اس پر انہوں

لے احمد، طبرانی، خطیب، حدیث صحیح ہے لیکن الفاظ یہ نہیں ہیں (تخریج المشکوٰۃ ۵۳۸ھ)

نے تورات کی تختیوں کو زمین پر دے مارا لیکن اس سے آپ اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ حضرت موسیٰ اللہ پاک کے خبر دینے میں شک کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خبر دیا گیا انسان اگرچہ اس کے نزدیک خبر دینے والا سچا بھی ہو تب بھی اس کا وہ تصور نہیں ہوتا جیسا کہ مشاہدہ کرنے کے وقت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ارشاد خداوندی ہے۔

رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔ (البقرہ ۲۶۰)

کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیوں کر زندہ کرے گا خدا نے فرمایا کیا تم نے اس بات کو باور نہیں کیا انہوں نے کہا کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا) اس لئے چاہتا ہوں کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرے۔

مزید وضاحت کے لئے غور فرمائیں جس شخص پر حج اور زکوٰۃ فرض ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے ان مسائل کی تفاصیل کا علم ہو اور ان پر ایمان بھی ہو لیکن جس شخص پر حج اور زکوٰۃ فرض نہیں اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان کی تفاصیل کا علم رکھتا ہو اس کے لئے مجمل ایمان کافی ہے اسی طرح وہ شخص جو ابھی ابھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہے اس کے لئے مجملاً اقرار کافی ہے جب نماز کا وقت آئے گا تو اس کے لئے نہ صرف یہ کہ نماز کے فرض ہونے کا علم ہونا چاہیے بلکہ نماز کی ادائیگی بھی ضروری ہوگی پس ایمان میں تمام ایماندار یکساں نہیں ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جس شخص کے دل میں تصدیق جازم موجود ہے کسی قسم کا کوئی شبہ اور شہوت اس کی تصدیق پر حملہ آور نہیں ہے تو اس سے نافرمانی نہیں ہوگی لیکن جب اس کے دل پر شہوت یا اشتباہ کا غلبہ ہوگا تو اس وقت وہ معصیت میں گرفتار ہو جائے گا تصدیق اس کے دل سے غائب ہوگی اور وعید خداوندی اس کی نظر سے اوجھل ہوگی یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] زانی زنا کرتے وقت مومن نہیں ہوتا یعنی بوقت زنا اس سے تصدیق غائب ہوگی اس لئے کہ زنا حرام ہے اگرچہ اصل تصدیق دل میں موجود رہے گی چنانچہ کتاب اللہ میں پرہیزگاروں کا ذکر اس طرح موجود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ان الذین اتقوا اذا مسھم طٰئف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون (الاعراف ۲۰۱)

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں)۔

---

[1] بخاری، مسلم

لیث نے مجاہد سے اس کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو گناہ کا خیال کرتا ہے جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو گناہ سے باز رہتا ہے اصل میں قوت شہویہ اور غضبیہ برائیوں کا منبع ہیں لیکن جب بصیرت حاصل ہو جائے تو وہ گناہ سے باز رکھتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

و اخوانهم یمدونهم فی الغی ثم لا یقصرون (الاعراف ۲۰۲)	اور ان کفار کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں پھر (اس میں کسی طرح) کوتاہی نہیں کرتے)

یعنی وہ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں جن کو شیطان گمراہی میں ڈبوئے رکھتے ہیں اس میں وہ کچھ کمی نہیں کرتے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں نہ انسان نافرمانیوں سے باز رہتے ہیں اور نہ ہی شیاطین انہیں باز رہنے دیتے ہیں وہ ان کے ساتھ چپکے رہتے ہیں تو جب بصیرت سے محرومی حاصل ہوتی ہے تو دل اندھا ہو جاتا ہے شیطان مزید گمراہی کی طرف کھینچتا ہے اگرچہ دل میں اصل تصدیق موجود ہوتی ہے لیکن روشنی، بصیرت، خشیت اور خوف دل میں نہیں رہتا اس کی مثال بالکل اس طرح کی ہے کہ جب انسان اپنی آنکھ کو بند کر لیتا ہے تو اسے کچھ نظر نہیں آتا جب کہ وہ نابینا بھی نہیں ہوتا اسی طرح جب انسان کے دل پر گناہ کی تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ حق کو دیکھ نہیں سکتا اگرچہ اس کا دل کفار کے دلوں کی مانند اندھا نہیں ہوتا یہی مضمون ایک مرفوع حدیث میں اس طرح مذکور ہے آپ نے فرمایا: جب[1] بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے جب توبہ کرتا ہے تو ایمان واپس آجاتا ہے۔

اہل سنت کے درمیان نزاع لفظی ہے جس میں کچھ حرج نہیں البتہ اس وجہ سے ایک فریق کا دوسرے فریق پر زیادتی کرنا اور فرقہ بندی اختیار کرنا درست نہیں اور نہ ہی مرجئہ کے نقطۂ نظر کو تقویت دیتے ہوئے فسق و فجور کے ارتکاب میں دیدہ دلیری سے کام لیا جائے یعنی ایک طرف تو آپ اپنے آپ کو کامل مؤمن کہیں بلکہ ولی اللہ کے لقب کے ساتھ ملقب کریں اس کے ساتھ ساتھ مبالغہ آرائی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کریں جس طرح کہ مرجئہ کہتے ہیں: ایمان کے ساتھ گناہ کا ارتکاب مضر رساں نہیں ہے اس نظریہ کے باطل ہونے میں کچھ شبہ نہیں امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ میں فرق صرف اسقدر ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ایمان کی لغوی حقیقت کے ساتھ ساتھ شارع کے ادلہ کا خیال رکھا ہے جب کہ دیگر ائمہ نے ایمان کی حقیقت بیان کرتے ہوئے شارع کے عرف کا خیال رکھا ہے اس لئے کہ شارع نے تصدیق کے ساتھ چند اوصاف اور شرائط کو بھی شامل کیا ہے جیسا کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ ہیں۔

---

[1] حدیث صحیح ہے (ابوداؤد، حاکم، حاکم ذہبی نے صحیح کہا (احادیث صحیحہ ۱۰۵۸)

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل!

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ ان کا مذہب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایمان لغت عرب میں تصدیق کو کہتے ہیں چنانچہ اللہ پاک حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی جانب سے خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وما انت بمؤمن لنا (یوسف ۱۷) — اور تو ہماری تصدیق کرنے والا نہیں ہے۔

یعنی آپ ہماری تصدیق نہیں کریں گے بعض تلامذہ نے اس معنی پر اہل لغت کے اجماع کا ذکر کیا ہے یعنی ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے ہر انسان پر یہی کچھ واجب ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی ان تمام باتوں میں تصدیق کرے جن کو آپ نے اللہ کی جانب سے پیش کیا ہے پس آپ کی تصدیق کرنے والا عند اللہ مؤمن ہے ہاں زبان کے اقرار سے دنیوی لحاظ سے اس پر اسلام کے احکام کا نفاذ ہوگا ایک قول یہ ہے نیز ایمان کفر کی ضد ہے اور کفر تکذیب اور انکار کا نام ہے ان دونوں کا تعلق بھی دل کے ساتھ ہے تو ان کے مخالف لفظ کا تعلق بھی دل کے ساتھ ہوگا نیز اللہ پاک کا یہ قول:

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (النحل ۱۰۶) — وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان کا محل دل ہے زبان نہیں ہے نیز اگر ایمان قول اور عمل سے مرکب ہوتا تو جز کے زوال سے کلی کا زوال ہو جاتا نیز عمل کا عطف ایمان پر ہے جب کہ عطف مغائرت کا تقاضا کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اٰمنوا وعملوا الصالحات (البقرۃ ۲۵) — جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

اس قسم کی آیات قرآن میں کثرت کے ساتھ وارد ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر اعتراضات

اس استدلال پر (کہ ایمان لغتاً تصدیق ہے اور یہ دونوں مترادف ہیں) اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان میں مطلقاً ترادف نہیں دیکھئے جب خبر دیا گیا انسان خبر دینے والے کی تصدیق کرے تو وہاں لفظ تصدیق تو استعمال ہوتا ہے لفظ آمنہ اور آمن بہ استعمال نہیں ہوتا ہاں آمن لہ استعمال ہوتا ہے قرآن پاک میں ہے۔

فآمن لہ لوط ۔ (العنکبوت ۲۶) — اسکی لوط نے تصدیق کی۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

فما اٰمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہم علیٰ خوف (یونس ۸۳) — پس موسیٰ کی تصدیق صرف اس کی قوم میں سے چند لڑکوں نے فرعون سے ڈرتے ہوئے کی۔

نیز فرمایا:

یؤمن باللہ ویؤمن للمؤمنین ۝ (التوبۃ ۶۱)

وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔

یعنی لفظ ایمان اگر با کے ساتھ متعدی ہے تو اس کا معنی اور ہے اور جب لام کے ساتھ متعدی ہے تو معنی اور ہے با کے ساتھ استعمال کی صورت میں اس کا تعلق مخبر بہ کے ساتھ ہے اور لام کے ساتھ استعمال کی صورت میں مخبر کے ساتھ تعلق ہے لیکن ہم پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ لفظ تصدیق کا استعمال بھی لام کے ساتھ وارد ہے اس لئے کہ یہاں لام عامل کی تقویت کے لئے آیا ہے جس طرح کہ جب معمول عامل سے پہلے آئے یا عامل اسم فاعل یا مصدر ہو جیسا کہ اس کا ذکر اصول نحو کی کتابوں میں موجود ہے مقصد یہ ہے کہ آمنتہ اور صدقتہ لہ میں ترادف نہیں البتہ آمنت لہ اور اقررت لہ میں ترادف ہے گرچہ ان میں بھی فرق ہے اس لئے کہ ہر وہ انسان جو کسی چیز کا مشاہدہ کر کے یا بلا مشاہدہ خبر دیتا ہے اس کو لغت میں صدقت بھی کہا جا سکتا ہے اور کذبت بھی کہا جا سکتا ہے مثلاً جو شخص کہتا ہے آسمان ہمارے اوپر ہے ہم کہیں گے کہ تو سچ بولتا ہے لیکن لفظ ایمان صرف غیب کی خبر کے بارے میں استعمال ہوتا ہے پس جو شخص کہتا ہے سورج نکل آیا ہم اس کو سچا مانتے ہوئے لفظ تصدیق کا تو استعمال کر سکتے ہیں لفظ ایمان کا استعمال نہیں کرتے اس لئے کہ ایمان کا اصل امن ہے اور لفظ الائتمان کسی غائب سے خبر کے بارے میں استعمال ہوتا ہے اس لئے کہ امر غائب وہ امر ہے جس پر خبر دینے والے کو امین کہا جاتا ہے اسی لئے قرآن پاک اور دیگر کتابوں میں لفظ آمن لہ کا صرف اسی معنی میں استعمال ہوا ہے نیز ایمان کے بالمقابل کبھی بھی لفظ تکذیب کا استعمال نہیں ہوا اس کے بالمقابل لفظ تصدیق ہے ہاں ایمان کے بالمقابل کفر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ کفر تکذیب کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص کہتا ہے: میں تجھے سچا مانتا ہوں لیکن تیری اتباع نہیں کروں گا بلکہ تجھ سے دشمنی، بغض رکھوں گا اور تیری مخالفت کروں گا تو اس کو کافر اعظم کہا جائے گا معلوم ہوا ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں اور نہ ہی کفر صرف تکذیب کا نام ہے بلکہ کفر کے وقت تکذیب ہے لیکن مخالفت اور دشمنی تو بلا تکذیب بھی ممکن ہے اسی طرح ایمان تصدیق، موافقت، موالات، فرمانبرداری کا نام ہے صرف تصدیق کافی نہیں اس لحاظ سے اسلام ایمان کے مسمیٰ کا جزء ہے جب کہ بعض لوگ ان میں ترادف کے قائل ہیں اگر ترادف تسلیم کر لیا جائے تو تصدیق کا تعلق افعال کے ساتھ ہوگا جیسا کہ صحیح روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے کان زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اختتام پر آپ نے فرمایا شرمگاہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے

[1] بخاری، مسلم

حسن بصری فرماتے ہیں: ایمان ظاہری زیب و زینت اور آرزؤں کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان دل میں جاگزیں ہوتا ہے اور اعمال سے اس کی تصدیق ہوتی ہے لیکن اگر ایمان تصدیق ہے تو وہ مخصوص تصدیق ہے جیسا کہ نماز وغیرہ احکام میں موجود ہے یہاں نہ لفظ کو اس کے اصل معنیٰ سے پھیرنا ہے اور نہ اس میں تبدیلی لانا ہے ظاہر ہے کہ اللہ نے ہمیں مطلق ایمان کا حکم نہیں دیا بلکہ خاص ایمان کا حکم دیا ہے پھر اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے پس وہ تصدیق جو ایمان ہے اس کا کم از کم فرد بھی عام تصدیق میں داخل ہے اس لحاظ سے وہ اس کے ساتھ عموم خصوص میں مطابق نہیں ہے اگرچہ زبان اور دل کی تبدیلی سے صرف نظر بھی کر لیا جائے جب کہ شارع کے کلام میں ایمان عام خاص سے مرکب ہے جس طرح کہ انسان حیوان ناطق کے ساتھ موصوف ہے نیز اس لئے کہ مکمل تصدیق جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے وہ دل اور اعضاء کے اعمال کو بھی مستلزم ہے کیوں کہ وہ مکمل ایمان کے لوازمات سے ہیں اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی پر دال ہوتی ہے نیز ہم کہتے ہیں کہ یہ لوازم کبھی لفظ کے مسمیٰ میں داخل ہوتے ہیں اور کبھی اس سے خارج ہوتے ہیں یا لفظ اپنے لغوی معنیٰ پر قائم ہے لیکن شارع نے اس میں چند احکام کا اضافہ کر دیا ہے یا شارع نے اس کو مجازی معنیٰ میں استعمال کیا ہے پس وہ حقیقت شرعی اور مجاز لغوی ہے یا شارع نے اس کو اصل سے نقل کر دیا ہے اس مسلک کے علماء کے یہ اقوال ہیں۔

ایمان میں اعمال بھی ملحوظ ہیں

ائمہ کرام اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایمان کے مضمرات سے آگاہ فرمایا ہے وضاحت یوں ہے کہ جو شخص تصدیق کرتا ہے لیکن زبان کے ساتھ باوجود قدرت کے اقرار نہیں کرتا نماز روزہ بھی ادا نہیں کرتا نہ ہی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور نہ اللہ سے ڈرتا ہے بلکہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بغض و عداوت رکھتا ہے لڑائی رکھتا ہے تو وہ مومن نہیں ہے۔

کتاب و سنت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کامیابی کا راز صرف اس پر موقوف نہیں کہ آپ محض ذہنی اقرار[1] کریں جب تک کہ آپ میں اخلاص اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں اعلیٰ شاخ لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور ادنیٰ شاخ راہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے تو آپ نے فرمایا[2] حیاء ایمان کی شاخ ہے نیز آپ نے فرمایا[3] مکمل ایماندار وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں نیز آپ نے فرمایا[4] لباس میں تواضع ایمان ہے پس ایمان اصل ہے اسکی متعدد شاخیں ہیں ہر شاخ ایمان ہے

---

[1] بخاری، مسلم [2] بخاری، مسلم [3] حدیث صحیح ہے ابو داؤد ابن حبان، حاکم، احمد وغیرہ [4] حدیث حسن ہے ابو داؤد، ابن ماجہ، حاکم، احمد، طبرانی

پس نماز ایمان ہے اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، حج، باطنی اعمال جیسے حیا، توکل، خوف خدا انابت الی اللہ ایمان ہیں ادنیٰ شاخ راہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے یہ تمام ایمان کی شاخیں ہیں لیکن بعض شاخوں کے زوال سے اجماعاً ایمان بھی نہیں رہتا جیسے شہادتین کا اقرار لیکن بعض کے زوال کے ساتھ اجماعاً ایمان زائل نہیں ہوتا جیسے راہ سے تکلیف دہ چیز کو نہ اٹھانا ان دونوں کے درمیان بہت شاخیں ہیں جن میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان میں کچھ تو شہادتین کی شاخ کے قریب ہیں اور کچھ راہ سے تکلیف دہ چیز کو اٹھانے کے قریب ہیں۔

پس جس طرح ایمان کی شاخوں کو ایمان کہا جاتا ہے اسی طرح کفر کی شاخوں کو کفر کہا جاتا ہے پس اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کرنا ایمان کی شاخ ہے اور اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرنا کفر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جو شخص کسی منکر کام کو دیکھے تو وہ اس کو ہاتھ کے ساتھ بدلنے کی کوشش کرے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کے ساتھ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل کے ساتھ اور یہ کمزور ایمان ہے (مسلم) بعض روایات میں ہے اس کے بعد تو اس میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے محبت کرے اللہ کیلئے بغض رکھے اللہ کے لئے عطیہ کرے اللہ کے لئے روک لے اس کا ایمان مکمل ہے۔[1]

مقصد یہ ہے (واللہ اعلم) کہ محبت اور دشمنی دراصل دل کی حرکت ہے نیز مال خرچ کرنا اور مال کو روکنا ایمان کے کمال کی علامت ہے اس لئے کہ مال ایسی چیز ہے جس کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ سب سے زیادہ ہے اور انسان کا بدن دل اور مال کے درمیان ہے پس جس کا اول آخر سب اللہ کے لئے ہو گیا اللہ ہر چیز میں اس کا خدا ہوا اس میں شرک کا شائبہ نہ رہا ظاہر ہے کہ غیر اللہ کا ارادہ اس کا قصد اور اس سے امید رکھنا شرک ہے تو اس شخص کا ایمان کامل ہے اس مضمون کی دیگر احادیث بھی ہیں جو عمل کے لحاظ سے ایمان کی قوت اور ضعف پر دال ہیں چنانچہ شیخ طحاوی کے کلام میں صحابہ کی شان کے ذکر میں اس کا ذکر کیا جائے گا۔

صحابہ کرام سے محبت رکھنا عین دین اور ایمان بلکہ احسان ہے اور ان سے دشمنی کفر، نفاق اور گمراہی ہے خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام سے محبت کرنا ایمان اور ان سے دشمنی کرنا کفر ہے۔

---

[1] حدیث صحیح ہے (تخریج المشکوٰۃ ۳۰ - ۳۱)

اعتراض اور اس کا جواب

ایمان کی شاخوں والی حدیث صیغۂ شک کے ساتھ مروی ہے ایک روایت میں کچھ اور ساٹھ شاخوں کا اور دوسری روایت میں کچھ اور ستر شاخوں کا ذکر ہے لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات میں تو کچھ شک نہیں ہوتا یہ راوی کا قول ہے اور کتاب اللہ کے مخالف ہے۔

ابو المعین نسفی اور دیگر ائمہ نے اس کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے کسی راوی کا تردد کے ساتھ روایت کرنا راوی کے عدم ضبط کی علامت نہیں ہے نہ ہی اس سے کتاب اللہ کی مخالفت لازم آتی ہے جب کہ امام بخاری نے اس روایت کو بصیغۂ جزم کچھ اور ساٹھ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی قابل التفات نہیں کہ یہ حدیث کتاب اللہ کے ساتھ متصادم ہے ہم دریافت کرتے ہیں وہ کونسی آیت ہے جس سے تصادم ہوتا ہے یہ اعتراض تو تعصب اور تقلید کا آئینہ دار ہے۔

قاعدہ اور اس پر تبصرہ

بعض ائمہ ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں: قول کی دو قسمیں ہیں دل کا قول اعتقاد ہے اور زبان کا قول کلمۂ اسلام کو زبان سے ادا کرنا ہے اسطرح عمل کی بھی دو قسمیں ہیں دل کا عمل نیت اور اخلاص ہے اور اعضاء کا عمل جب یہ چاروں زائل ہو جائیں تو ایمان بھی مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے اور جب دل سے تصدیق ختم ہو جائے تو باقی تینوں بھی فائدہ نہیں دیتے اس لئے کہ ان کے اعتبار اور فائدہ مند ہونے کے لئے تصدیق قلب شرط ہے البتہ جب تینوں ختم ہو جائیں لیکن تصدیق قلب باقی ہو تو یہ مسئلہ خاصا ہنگامہ خیز اور معرکۃ الآراء ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جوارح کی عدم اطاعت کو دل کی عدم اطاعت لازم ہے اس لئے کہ اگر دل اطاعت کرتا ہے اور مطیع ہوتا ہے تو اعضاء کو بھی مطیع ہونا چاہیے اور دل کی عدم اطاعت سے تصدیق کا نہ ہونا لازم آتا ہے جو اطاعت کو مستلزم ہے۔

ارشاد نبوی ہے: جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے تو اس کی وجہ سے تمام جسم درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے خبردار وہ ٹکڑا دل ہے۔[1]

پس جس شخص کا دل صالح ہے اس کا تمام جسم بھی لازمی طور پر صالح ہے لیکن اس کا خلاف نہیں ہے البتہ کسی جزء کے زوال سے کل کا زوال اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہیئت اجتماعیہ باقی نہیں رہتی تو اسے تسلیم کیا جائے گا لیکن بعض اجزاء کا زوال تمام اجزاء کے زوال کو مستلزم نہیں اس صورت میں اس سے کمال کا زوال ہو جائے گا

---

[1] بخاری مسلم عن النعمان بن بشیر

ایمان کی کمی بیشی پر دلائل

کتاب و سنت اور آثار سے اس پر کثرت کے ساتھ دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

واذا تلیت علیہم اٰیاتہ زادتہم ایمانا (الانفال) — اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدی (مریم ۷۶) — اور خدا ہدایت یافتہ لوگوں کو مزید ہدایت دیتا ہے۔

نیز فرمایا:

ویزداد الذین اٰمنوا ایمانا (المدثر ۳۱) — اور ایمانداروں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

نیز فرمایا:

ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم (الفتح ۴) — وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے

نیز فرمایا:

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (اٰل عمران ۱۷۳) — (جب) ان سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لئے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے ہم کو خدا کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے

مذکورہ اور اس سے قبل والی آیت کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ایمان کی زیادتی مومن بہ کی زیادتی کی وجہ سے ہے کیا لوگوں کے کہنے میں (کہ لوگ تمہارے مقابلہ کے لئے اکٹھے ہو گئے ہیں تم ان سے ڈر جاؤ۔) (آل عمران ۱۷۳) مومن بہ زیادہ ہوا ہے اور کیا ایمانداروں کے دلوں پر سکون کے اتارنے میں مومن بہ زیادہ ہوا ہے جب کہ اللہ نے ایمانداروں کے دلوں پر اس وقت سکون نازل فرمایا جب وہ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے تاکہ ان کے یقین و اطمینان میں اضافہ ہو اس کی تاکید اللہ کے اس قول سے ہو رہی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان (اٰل عمران ۱۶۷) — وہ اس دن ایمان کی نسبت زیادہ کفر کے قریب تھے)

نیز فرمایا:

واذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا فاما الذین اٰمنوا فزادتھم — اور جب کوئی سورت نازل ہوتی تو بعض منافق (استہزاء کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے

ایمانا وھم یستبشرون و اما الذین فی قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی رجسھم وماتوا وھم کافرون۔ (التوبۃ ۱۲۴-۱۲۵)

کس کا ایمان زیادہ کیا ہے سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر)

اس آیت کی تفسیر میں فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے حضرت ابوہریرہ سے سند کے ساتھ ایک حدیث ذکر کی ہے کہ بنو ثقیف قبیلہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا ایمان دل میں مکمل ہے اس میں زیادتی کفر اور کمی شرک ہے اس حدیث کے بارے میں ہمارے استاذ علامہ ابن کثیر سے دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا اس کی سند میں ابو اللیث سے ابو مطیع راوی تک مجہول راوی ہیں مشہور تاریخ کی کتابوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے نیز ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بن مسلم بلخی کو احمد بن حنبل یحییٰ بن معین عمرو بن علی فلاس، بخاری، ابوداؤد لنسائی ابوحاتم رازی، ابوحاتم محمد بن حبان بستی، عقیلی، ابن عدی، دارقطنی وغیرہ نے کمزور کہا ہے نیز حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والا ابوالمہزم تصحیف کرنے والا ہے اس کا نام یزید بن سفیان ہے اس کو اکثر ائمہ نے کمزور کہا شعبہ بن حجاج نے متروک قرار دیا نیز اس کو وضاع قرار دیتے ہوئے بیان کیا کہ اگر لوگ اس کو دو پیسے دے دیتے تو وہ لوگوں کو جھوٹ موٹھ بنا کر ستر حدیثیں بیان کر دیتا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں عورتوں کو ناقصات العقل والدین کہا ہے نیز آپ نے فرمایا تم میں کوئی شخص ایماندار نہیں جب تک کہ میں اس کو اس کی اولاد، والد تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں[2] اس میں کمال کی نفی ہے مطلق ایمان کی نفی نہیں ہے۔

اس مضمون کی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں نیز ایمان کی شاخوں والی حدیث، شفاعت کی حدیث اور یہ وضاحت کہ دوزخ سے وہ لوگ نکالے جائیں گے جن کے دل میں ادنیٰ ادنیٰ ادنیٰ ذرہ کے برابر ایمان ہو گا، کمال کی نفی کر رہی ہیں اس وضاحت کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کا ایمان برابر ہے اور ان میں تفاضل ایمان کے علاوہ دیگر اسباب کی بنا پر ہے صحابہ کرام کے اقوال سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے چنانچہ حضرت ابوالدرداء کا قول ہے: وہ شخص فقیہ ہے جو اپنے ایمان کا خیال رکھتا ہے کہ کہیں اس میں کمی نہ آ جائے نیز حضرت عمر اپنے رفقاء سے کہا کرتے تھے آیئے ہم ایمان میں

---

[1] حدیث موضوع ہے ابوالمہزم کو شعبہ نے متہم کہا ہے [2] بخاری، مسلم

اضافہ کریں چنانچہ وہ ذکر اذکار میں محو ہو جاتے نیز حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ دعا کرتے ہوئے فرماتے اے اللہ ایمان، یقین اور فقاہت میں اضافہ فرما نیز حضرت معاذ بن جبل ایک آدمی سے فرماتے ہمارے ساتھ ایک ساعت مجلس کرو ہم ایمان کی باتیں کریں اسی مضمون کا قول عبد اللہ بن رواحہ سے بھی مروی ہے نیز حضرت عمار بن یاسر سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے انہوں نے بیان کیا جس شخص میں تین چیزیں ہیں اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا اپنے آپ سے انصاف دلایا تنگی کے وقت خرچ کیا اور السلام علیکم کو عام کیا (بخاری)، اتنا بیان کافی ہے (وباللہ التوفیق،

لیکن یہ کہنا کہ اعمال کا ایمان پر عطف مغائرت کا متقاضی ہے لہٰذا اعمال ایمان کے مسمّیٰ میں داخل نہیں ہیں) ذرا تفصیل طلب ہے خیال کیجئے کہیں تو صرف ایمان کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور کہیں اس کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہے اور کہیں اسلام کا ذکر ہے مطلق ایمان تو اعمال کو مستلزم ہے ارشاد خداوندی ہے۔

انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم (الانفال ۲) — مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

نیز فرمایا:

انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا (الحجرات ۱۵) — بے شک مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے۔

نیز فرمایا:

ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء (المائدۃ ۸۱) — اگر وہ خدا پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی اس پر یقین رکھتے ہیں تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے۔

ارشاد نبوی ہے: زانی زنا کرتے وقت ایمان والا نہیں ہوتا[۲] نیز فرمایا: تم ایماندار نہیں جب تک کہ تم آپس میں محبت نہ کرو[۳] نیز فرمایا: جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم سے نہیں ہے[۴] نیز فرمایا: جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم سے نہیں ہے[۵] اس شخص کا قول راہ صواب سے بعید ہے جو کہتا ہے کہ ہم سے نہیں ہے کا مطلب

---

[۱] ابن ابی شیبہ فی الایمان (رقم ۱۳۱ جس پر میری تحقیق ہے) سند صحیح ہے لیکن موقوف مرفوعاً درست نہیں ابو زرعہ وغیرہ نے یہی کہا ہے بخاری میں معلق موقوف ہے فتح الباری (۹۰/۱) طبع مصطفیٰ الحلبی نیز حافظ نے کہا اس قسم کی باتیں اپنی جانب سے نہیں کہی جا سکتیں لہٰذا مرفوع کے حکم میں ہے نیز تعلیق الکلم الطیب طبع المکتب الاسلامی رقم ۱۴۲ دیکھیں [۲] بخاری، مسلم [۳] مسلم [۴] مسلم [۵] مسلم)

یہ ہے کہ وہ ہمارے جیسا نہیں ہے کاش مجھے کوئی شخص بتائے کہ جو دھوکہ باز نہیں وہ کیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام جیسا ہے۔

جب ایمان پر عمل صالح کا عطف ہے تو اس وقت عطف مغائرت کا تقاضا کرتا ہے لیکن ان دونوں پر جو حکم لگایا جارہا ہے اس میں دونوں مشترک ہیں۔

خیال رہے کہ مغائرت کے کچھ مراتب ہیں اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے متباین ہوں نمیں سے کوئی بھی نہ دوسرے کا عین ہو نہ جز ہو اور نہ ہی ان میں تلازم ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

خلق السموٰت والارض وجعل الظلمٰت والنور (الانعام ۱)	اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا۔

نیز فرمایا:

وانزل التورٰۃ والانجیل (آل عمران ۳)	اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے۔

اس کا استعمال کثرت سے ہے اس کے قریب یہ صورت ہے کہ ان میں تلازم ہو جیسے ارشاد خداوندی ہے:

ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون (البقرۃ ۴۲)	اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔

نیز فرمایا:

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (المائدۃ ۹۲)	اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

اس کے بعد یہ صورت ہے کہ بعض کا کل پر عطف ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ (البقرۃ ۲۳۸)	(مسلمانو!) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو

نیز فرمایا:

من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین (البقرۃ ۹۸)	جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے۔

نیز فرمایا:

واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک (الاحزاب ۷)	اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم اور موسیٰ سے

اس جیسی صورت میں دو توجیہیں ہیں ایک یہ کہ معطوف اول میں داخل ہے تو اس کا دو دفعہ ذکر ہو گیا دوسری یہ کہ وہ اس جگہ اول میں داخل نہیں اگرچہ انفراداً داخل ہے اس کی مثال میں فقراء اور مساکین کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ان دونوں کا مفہوم انفراداً ایک ہے اور افتراقاً مختلف ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں صفات کے لحاظ سے اختلاف ہے ارشاد خداوندی ہے

غافر الذنب وقابل التوب (غافر ۳) گناہ معاف کرنے والا توبہ قبول کرنے والا ہے،

اشعار میں عطف کی یہ صورت بھی ہے کہ الفاظ مختلف ہیں، معنیٰ ایک ہے شاعر کہتا ہے۔

فالفیٰ قولہا کذبا ومینا اس نے اس کے قول کو جھوٹا پایا۔

اس شعر میں کذب اور مین ہم معنیٰ ہیں۔

قرآن پاک میں بھی یہ استعمال موجود ہے ارشاد خداوندی ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا (المائدہ ۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور دین بنایا)

جب کلام میں عطف کی یہ سب صورتیں مستعمل ہیں تو ہم شارع کا کلام دیکھیں گے کہ اس میں لفظ ایمان کس طرح استعمال ہوا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ مطلقاً استعمال ہو تو اس سے مراد وہی معنیٰ لیا جاتا ہے جو لفظ میں تقویٰ، دین سے لیا جاتا ہے چنانچہ اسباب النزول کے ضمن میں مذکور ہے کہ جب لوگوں نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی ارشاد خداوندی ہے۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔ (البقرہ ۱۷۷) نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کرو،

محمد بن نصر سند کے ساتھ قاسم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص ابو ذر کے پاس آیا اس نے اس سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی اس شخص نے کہا میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے وہی سوال کیا جو آپ نے مجھ سے کیا ہے آپ نے اس پر یہی آیت تلاوت فرمائی جو میں نے آپ پر تلاوت کی ہے اس نے بھی آپ سے وہی بات کہی جو آپ نے مجھ سے کہی ہے تو جب وہ مطمئن نہ ہوا آپ نے فرمایا مومن وہ شخص ہے کہ جب وہ نیک عمل کرتا ہے تو اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ ثواب کی امید رکھتا ہے اور جب برائی کرتا ہے تو اس کو غم لاحق ہوتا ہے اور عذاب سے خائف رہتا ہے[1]

---

[1] اس سیاق اور سند کے ساتھ ضعیف ہے علت انقطاع ہے البتہ ابو امامہ سے مروی حدیث صحیح ہے جس میں مذکور

اسلاف نے بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے چنانچہ ایک صحیح حدیث میں آپ نے وفد عبد القیس سے کہا کہ میں تمہیں ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں تم جانتے ہو ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نیز نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور غنائم سے پانچواں حصہ ادا کرنا[ے]

یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ ان اعمال کو بدوں ایمان قلب کے ایمان قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ کثیر احادیث میں بتایا گیا ہے کہ ایمان بالقلب ضروری ہے تب ان کا ایمان معتبر ہے اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور دلیل پیش کی جا سکتی ہے جس سے معلوم ہو کہ اعمال ایمان کے مسمیٰ میں داخل ہیں ظاہر ہے کہ اس میں ایمان کی تفسیر اعمال کے ساتھ ہو رہی ہے (پھر تصدیق کا یہاں ذکر ہی نہیں ہے) ظاہر ہے کہ اعمال کی افادیت تصدیق کی صورت میں تو متصور ہے انکار کی صورت میں بالکل نہیں ہے مسند میں حضرت انس سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام ظاہر باہر چیز ہے جب کہ ایمان کا متعلق دل ہے[ے] ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام اور ایمان میں مغائرت ہے اس کی تائید حدیث جبریل سے بھی ہو رہی ہے جس میں اسلام اور ایمان کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت جبریل کے بارے میں فرمایا یہ جبریل تمہارے پاس آیا تا کہ تمہیں دین کی تعلیم دے[ے] اس حدیث میں دین اسلام ایمان احسان کو کہتے ہیں دراصل یہ تین مراتب ہیں مسلم، مومن، محسن مقصود یہ ہے کہ مومن میں مسلم داخل ہے اور محسن میں مسلم مومن میں دونوں ملحوظ ہیں وہ احسان صحیح نہیں جو ایمان سے خالی ہے ان کو سمجھنے کے لئے قرآن پاک کی ذیل کی آیت پر غور کریں ارشاد خداوندی ہے۔

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک انسان نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ایمان کیا ہے آپ نے فرمایا جب تجھے نیک کام کرنے سے خوشی حاصل ہو اور برائی بری معلوم ہو تو تو ایماندار ہے اس نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول اثم کیا ہے! آپ نے فرمایا جب تیرے دل میں کسی کام سے کھٹکا ہو تو اس کام کو ترک کر دے حاکم (۱/۱۴) شیخین کی شرط پر صحیح ہے ذہبی نے بھی موافقت کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ صرف مسلم کی شرط پر ہے اس لئے کہ مسطور راوی سے بخاری نے روایت نہیں کیا! احادیث صحیحہ ۵۵۰ ہے بخاری، مسلم عن ابن عباس ہے مسند ضعیف ہے علی بن مسعدہ کے بارے میں عقیلی نے ضعفاء میں بیان کیا کہ بخاری نے کہا اس میں نظر ہے عبد الحق اشبیلی نے الاحکام الکبریٰ (ق ۳/۲) میں کہا حدیث غیر محفوظ ہے ہے مسلم عن ابن عمر، بخاری ابی ہریرۃ

من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله (فاطر ۳۲)

کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیوں میں برگزیدہ آگے نکل جانے والے ہیں۔

پس مقتصد اور سابق بلا عقوبت جنت میں داخل ہوں گے لیکن ظالم عقوبت کے بعد جنت میں داخل ہوگا اسی طرح تصدیق بالقلب کے ساتھ جس نے ظاہری اسلام اختیار کیا ایمان باطن کے تقاضوں کو پورا نہ کیا وہ سزا کا حقدار ہوگا احسان اپنے لحاظ سے عام اور محسنین کے لحاظ سے خاص ہے اسی طرح ایمان اپنے لحاظ سے عام اور مومنین کے لحاظ سے اسلام سے خاص ہے پس احسان میں ایمان داخل ہے اور ایمان میں اسلام داخل ہے محسنین مومنین سے خاص ہیں اور مومنین مسلمین سے خاص ہیں عمومیت خصوصیت کے لحاظ سے ان کی مثال رسالت اور نبوت سے دی جاسکتی ہے پس نبوت رسالت میں داخل ہے اور رسالت اپنے لحاظ سے عام اور مرسلین کے لحاظ سے خاص ہے پس ہر رسول نبی ہے لیکن اس کا عکس ثابت نہیں۔

اسلام کیا ہے؟

اسلام کی وضاحت میں تین اقوال پیش کئے جاتے ہیں ایک گروہ نے کہا اسلام کلمہ کو کہتے ہیں دوسرے گروہ نے اسلام کو اعمال ظاہرہ اور ایمان کو ایمان باصول الخمسہ قرار دیا جیسا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا تو آپ نے یہی جواب دیا تھا تیسرے گروہ نے اسلام کو ایمان کے مرادف قرار دیا اور ارشاد نبوی: (اسلام اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور نماز قائم کرنا) والی حدیث کو شعائر اسلام سے تعبیر کیا لیکن اصل یہ ہے کہ اس کا تعین نہیں ہے حالانکہ انہوں نے بیان کیا کہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے پھر ان کی جانب سے یہ قول بھی منقول ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ہی چیز کا نام ہے گویا کہ اسلام تصدیق ہے حالانکہ یہ بات کسی صاحب لغت سے منقول نہیں ان سے تو یہ منقول ہے کہ اسلام انقیاد اور اطاعت کو کہتے ہیں ارشاد نبوی ہے: (اے اللہ! میں تیرے لئے فرمانبردار ہوگیا اور تجھ پر ایمان لایا) نیز اسلام کی وضاحت اعمال ظاہرہ سے منقول ہے اور ایمان سے مراد اصول خمسہ پر ایمان لانا ہے پس جب ہم ایک جملہ میں اسلام اور ایمان کو جمع کریں تو ہم ان سے مراد وہی معنیٰ لے سکتے ہیں جو معنیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا ہے اور جب لفظ ایمان انفراداً مذکور ہو تو وہ اسلام کو بھی شامل ہوتا ہے اور جب لفظ اسلام انفراداً مذکور ہو تو کبھی اسلام کے ساتھ ساتھ وہاں ایمان بھی ہوتا ہے۔ اور کیا اسلام ایمان کو مستلزم ہے اس میں اختلاف ہے قرآن پاک میں اللہ نے جنت کا وعدہ اور دوزخ سے نجات کا وعدہ ایمان پر موقوف کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون (یونس ۶۲-۶۳)

سُن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے ربعنی، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

نیز فرمایا:

سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السماء والارض اعدت للذین اٰمنوا باللہ ورسلہ۔ (الحدید ۲۱)

(بندو!) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی جس کا عرض آسمان وزمین کے عرض کا سا ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خدا پہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں۔

لیکن قرآن پاک میں صرف اسلام پر جنت کے دخول کو موقوف قرار نہیں دیا ہے اس کی فرضیت کا ذکر ہے نیز دین اسلام وہ دین ہے کہ اس کے علاوہ کسی سے بھی دوسرا کوئی دین قبول نہیں ہوگا تمام انبیاء کو دین اسلام دے کر مبعوث کیا گیا ارشاد خداوندی ہے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (آل عمران ۸۵) اور جو لایا دین اسلام کے سوا پس وہ قبول نہ کیا جائیگا

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ایمان کے ساتھ مل کر استعمال ہو تو اس کا وہ معنی نہیں جب دونوں الگ الگ استعمال ہوں تو اسلام کا مقام ایمان کے ساتھ وہی ہے جو شہادتین کی دونوں جزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہے ظاہر ہے کہ رسالت کی گواہی اور توحید کی گواہی بلحاظ اطبیان ایک نہیں ہیں اگرچہ معنوی لحاظ سے ہر ایک کا دوسری کے ساتھ ربط ہے اور وہ متحد ہیں یہی حال اسلام اور ایمان کا ہے جس شخص میں اسلام نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں ایمان نہیں اس میں اسلام نہیں اس لئے کہ مومن میں اسلام کا متحقق ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے تحقق سے ایمان متحقق ہو اور مسلمان میں ایمان ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے تحقق سے ایمان متحقق ہو اور مسلمان میں ایمان ہونا ضروری ہے تاکہ اس کا اسلام صحیح ہو اس کی اشد کلام الٰہی، کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کے کلام میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں یعنی یہ دونوں الگ الگ استعمال ہوتے ہیں تو معنی اور ہے اور جب ایک جگہ استعمال ہوتے ہیں تو معنی اور ہے اسی طرح لفظ کفر [illegible] کا حال ہے جب لفظ کفر الگ آخرت کی وعید میں استعمال ہوتا ہے تو اس میں منافق بھی داخل ہوتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین۔ (المائدہ ۵)

اور جو شخص ایمان کا منکر ہوا اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔

اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور جب دونوں مل کر آتے ہیں تو کافر سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے کفر کا اظہار کرتے ہیں اور منافق سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو زبان کے لحاظ سے مومن ہوتے ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں ہوتے بالکل اسی طرح بر، تقویٰ اور اثم، عدوان اور توبہ استغفار اور فقیر مسکین وغیرہ الفاظ کے استعمالات ہیں۔

اسلام اور ایمان میں فرق پر ذیل کی آیت دلالت کر رہی ہے ارشاد خداوندی ہے:

قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا (الحجرات ۱۴)	دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں)

اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لفظ اسلمنا کا معنی ہے ہم نے اپنے ظاہر کو مطیع بنا دیا تو یہ حقیقت میں منافق ہوئے اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یہی راہ اختیار کیا ہے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ دراصل کامل مومن نہیں ہیں یہ معنیٰ درست نہیں کہ وہ منافق ہیں اس کو ترجیح حاصل ہے پس ان سے بالکل اس طرح ایمان کی نفی کی گئی ہے جس طرح قاتل، زانی، چور، خائن سے ایمان کی نفی کی جاتی ہے نیز آیت کے سیاق سباق سے بھی اس معنیٰ کی تائید ہو رہی ہے اس لئے کہ سورہ کے آغاز سے لے کر اس مقام تک معاصی سے منع کرنے اور بعض نافرمانوں کا ذکر ہے لیکن منافقین کا ذکر نہیں ہے بعد ازاں ارشاد خداوندی ہے۔

وان تطیعوا اللہ ورسولہ لا یلتکم من اعمالکم شیئاً (الحجرات ۱۴)	اور اگر تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کروگے تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہ کرے گا۔

اگر اس سے مراد منافقین ہوتے تو انہیں اطاعت کچھ فائدہ نہ دیتی بعد ازاں ارشاد خداوندی ہے۔

انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا (الحجرات ۱۵)	مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے)

مقصود یہ ہے کہ کامل مؤمن یہ لوگ ہیں تم نہیں ہو تم سے تو کامل ایمان کی نفی ہے اس کی تائید اس امر سے ہو رہی ہے کہ انہیں حکم ملا تھا کہ وہ اسلام کا اظہار کریں جب کہ منافق کو یہ بات نہیں کہی جاتی اگر وہ منافق ہوتے تو ان سے اسلام کی نفی کی جاتی جیسا کہ ان سے ایمان کی نفی کی جاتی انہیں تو روک دیا ہے کہ وہ اپنے اسلام کا احسان نہ جتائیں تو ان کے لئے اسلام کو ثابت کر دیا لیکن روک دیا کہ وہ اپنے احسان کا اپنے رسول پر احسان نہ کریں اگر ان کا اسلام درست نہ ہوتا تو کہہ دیا جاتا کہ تم مسلمان نہیں ہو تم جھوٹے ہو جیسا کہ ان کو ان کے اس قول میں جھوٹا کہا ارشاد خداوندی ہے۔

نشھد انک لرسول اللہ (المنافقون ۱)	(ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔)

اس وضاحت کے بعد ترادف کے دعویٰ کی نفی ہو رہی ہے اور ان لوگوں کو معیوب گردانتے کی بھی نفی ہوتی ہے جو اس بات کو لازم قرار دیتے کہ اگر اسلام امور ظاہرہ سے عبارت ہوتا تو اس کا تقابل ایمان سے نہ ہوتا اور نہ ہی مخلص کا ایمان قبول ہوتا لیکن یہ تمام بات ظاہری طور پر فاسد ہے اس لئے کہ ایمان اسلام دونوں کا ہم مثل اور مشابہ ہونے کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے نیز ان کو شہادتین کے مثل بھی ثابت کیا جا چکا ہے البتہ مل کر استعمال ہونے کی حالت الگ الگ استعمال ہونے کی حالت کے خلاف ہے کلمۂ شہادت ملاحظہ فرمائیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں[1] پس اگر لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں لیکن رسالت کا انکار کریں تو وہ معصوم الدم نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کے ساتھ ساتھ اس کے حقوق کا بھی خیال رکھیں اس کے لئے رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح جو شخص محمد کو امت کا رسول تسلیم کرنے کی گواہی دیتا ہے اس کی گواہی صحیح معنی میں اس وقت معتبر ہے جب وہ ان تمام امور کی تصدیق کرے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس لحاظ سے توحید کو بھی متضمن ہے پس کلمہ کے پہلے جز سے توحید کا اثبات اور دوسرے جز سے رسالت کا اثبات ہے۔

اسی طرح اسلام، ایمان جب متقارن استعمال ہوں جیسے ارشاد خداوندی ہے۔

ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات (الاحزاب ۳۵) — بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں۔

نیز ارشاد نبوی: اے اللہ! میں تیرے لئے اسلام لایا اور تجھ پر ایمان لایا[2] تو دونوں کے مفہوم الگ الگ ہوں گے جیسا کہ آپ نے فرمایا اسلام ظاہری اقرار کا نام ہے جب کہ ایمان تصدیق قلب کا نام ہے[3] لیکن جب الگ الگ استعمال ہوں تو ہر لفظ دوسرے لفظ کے معنیٰ اور حکم پر مشتمل ہوگا جیسا کہ لفظ فقیر، مسکین اور ان کے ہم مثل الفاظ ہیں ظاہر ہے کہ لفظ فقیر اور مسکین جب متقارن ہو کر آئیں گے تو ان کے معانی الگ الگ ہوں گے اور جب متقارن نہیں ہوں گے تو ان کے معانی مترادف ہوں گے پس کیا قرآن پاک کی اس آیت میں

فاطعام عشرۃ مساکین (المائدہ ۸۹) — پس دس مساکین کو کھانا کھلانا ہے۔

مسکین سے مراد کم مال والا لیا جائے گا جس کے پاس مال بالکل نہیں ہے وہ نہیں لیا جائے گا یا اس کے برعکس معنیٰ ہوگا اس وضاحت کی روشنی میں اس آیت:

---

[1] بخاری، مسلم حدیث متواتر ہے (احادیث صحیحہ ۴۰۷) [2] بخاری، مسلم [3] حدیث ضعیف ہے پہلے بھی گزر چکی ہے۔

وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم (البقرۃ ۲۷۱) — اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے۔

پس اگرچہ دونوں میں معارضہ نہیں ہے تاہم بعض اوقات ان میں بظاہر دو مختلف معنوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات (الاحزاب ۳۵) اس میں دونوں کو الگ الگ مفہوم دیا گیا ہے۔

نیز ایک صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں سوال اٹھایا کہ آپ فلاں آدمی کو کیوں مال نہیں دے رہے ہو جب کہ میں اس کو مؤمن سمجھتا ہوں آپ نے جواب میں فرمایا کیا وہ مسلمان ہے[1]! آپ نے تین بار دہرا کر فرمایا یعنی اس پر ایمان کے لفظ کے اطلاق میں آپ توقف اختیار کر رہے ہیں ہاں اسلام کے اطلاق کی صورت میں وہ استحقاق رکھتا ہے پس ان کے کتاب وسنت سے استعمالات معلوم کر کے ہی کچھ فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور تطبیق کی راہ نکالی جا سکتی ہے۔ اس آیت:

فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین (الذاریات ۳۵-۳۶) — تو وہاں جتنے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔

سے ان کے ترادف پر استدلال کرنا درست نہیں اس لئے کہ جس خاندان کو نکالا گیا تھا وہ اسلام، ایمان دونوں اوصاف کے ساتھ متصف تھے اس سے ترادف لازم نہیں آتا امام ابوحنیفہ کے نزدیک چونکہ ایمان محض تصدیق کا نام ہے اس لئے ان کی جانب سے کم ان کے تلامذہ کی جانب سے کثرت کے ساتھ ایمان کی بحث میں دیگر ائمہ محدثین کے مسلک کے خلاف کچھ معارضات پیش کئے جاتے ہیں اگرچہ ان کا ثابت کرنا مشکل ہے امام ابوحنیفہ ان معارضات کو پسندیدہ نہیں جانتے تھے چنانچہ امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کی امام حماد بن زید کے ساتھ ایک حکایت نقل کی ہے کہ جب حماد بن زید نے امام ابوحنیفہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی: کہ کونسا اسلام افضل ہے تو اس کے جواب میں نہ صرف ایمان کا لفظ استعمال ہوا ہے بلکہ ہجرت، جہاد کو بھی ایمان میں شامل گردانا گیا ہے: تو وہ خاموش ہو گئے اس پر امام ابوحنیفہ کے تلامذہ کہنے لگے اب آپ جواب کیوں نہیں دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں کیا جواب دوں وہ میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر رہے ہیں۔

انا مؤمن ان شاء اللہ کہنا درست ہے

اس اختلاف نے بے شمار مسائل کو جنم دیا اسی سے کسی شخص کا (انا مومن ان شاء اللہ) کہنا ہے اس میں

---

[1] بخاری، مسلم۔

تین اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ مومن کے لئے یہ جملہ کہنا ضروری ہے جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کے ہاں اس کے دو ماخذ ہیں پہلا ماخذ یہ ہے کہ ایمان کا اعتبار تب ہوگا جب کوئی شخص ایمان پر فوت ہو اس کی پہلی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اس کے ساتھ ساتھ تقدیر الٰہی میں جو کچھ تحریر ہو چکا ہے اسی کا اعتبار ہے اگر ایک شخص ماضی کی زندگی میں ایماندار تھا لیکن فوت ہونے کے وقت کافر ہے تو اس کا سابقہ ایمان معتبر نہیں ہوگا جس طرح اس نماز کا کچھ فائدہ نہیں جس کو مکمل کرنے سے پہلے فاسد بنا دیا ہے اور اس روزہ کا کچھ اعتبار نہیں جس کو غروب شمس سے پہلے افطار کر دیا کلابیہ وغیرہ فرقوں کا یہی ماخذ ہے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اللہ جس شخص کو محبوب رکھتا ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہی ہوتا ہے اگرچہ زندگی بھر اس سے کفر سرزد ہوتا رہا کیا یہ حقیقت نہیں کہ صحابہ کرام قبل از اسلام بھی محبوب تھے اگرچہ اس وقت وہ کفر پر تھے اور ابلیس اور مرتدین اس وقت بھی عند اللہ مبغوض تھے جب کہ ابھی ان سے کفر سرزد نہیں ہوا تھا لیکن یہ سلف کا قول نہیں اور نہ ان لوگوں کا قول ہے جو (انا مومن ان شاء اللہ) کے جواز کے قائل ہیں بلکہ یہ قول تو فاسد ہے ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ۳۱) کہہ دو اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔

اس آیت میں بتا دیا ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو یہی محبت کی شرط ہے ظاہر ہے کہ مشروط شرط سے متاخر ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں ایک گروہ نے غلو اختیار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اعمال صالحہ میں بھی ان شاء اللہ کہا جائے مثلاً میں نے ان شاء اللہ نماز ادا کی ہے بعض نے ایک قدم اور آگے رکھتے ہوئے کہا کہ ہر کام میں ان شاء اللہ کہا جائے مثلاً ان شاء اللہ یہ کپڑا ہے ان شاء اللہ یہ رسی ہے جب ہم نے ان سے کہا کہ ان چیزوں میں تو کچھ شک نہیں تو ان شاء اللہ کہنا بے سود ہے تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی بات صحیح ہے لیکن جب اللہ چاہتا ہے تبدیل کر دیتا ہے اس لئے معلق بمشیۃ اللہ کہا جائے ان کا دوسرا ماخذ یہ ہے کہ ایمان مطلق ان تمام افعال کے کرنے کو متضمن ہے جن کے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور ان تمام چیزوں کے چھوڑنے کو متضمن ہے جن سے منع کیا گیا ہے اس طرح اس کا شمار نیکوکار پرہیزگاروں سے ہوگا جو ان تمام کاموں کو سرانجام دینے والے ہیں جن کا حکم دیئے گئے اور ان تمام کاموں کو چھوڑنے والے ہیں جن سے روکے گئے بلکہ اولیاء اللہ مقربین میں ہوگا اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنے نفس کا تزکیہ کر رہا ہے اور اگر یہ گواہی درست ہے تو ضروری ہے کہ اپنے آپ کے لئے بھی جنت کی گواہی دے جب اس حال پر فوت ہو جائے عام اسلاف کے ہاں یہی دلیل ہے جو ان شاء اللہ کے جواز کے قائل ہیں اگرچہ ایک دوسرے نکتہ کے پیش نظر ان شاء اللہ نہ کہنے کے جواز کے قائل بھی ہیں آئندہ اوراق میں اس کا ذکر

کیا جائے گا ان شاء اللہ جن چیزوں میں کچھ شک و شبہ نہیں ان میں ان شاء اللہ کے جائز ہونے پر استدلال ذیل کی آیت سے کر رہے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین (الفتح ۲۷) — تم ضرور مسجد الحرام میں اگر اللہ نے چاہا امن و امان ہو کر داخل ہو گے۔

نیز جب آپ قبور پر کھڑے تھے تو آپ نے فرمایا[1]: بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں نیز آپ نے فرمایا[2]: مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہوں۔

ایک گروہ انا مومن ان شاء اللہ کو حرام گردانتا ہے ان کے ہاں انا مومن بالکل اسی طرح درست ہے جس طرح انا مسلم درست ہے لیکن ان شاء اللہ کے جملہ کا اضافہ کرنا درست نہیں اس سے شک جنم لیتا ہے وہ اس آیت

لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین (الفتح ۲۷) — تم مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن کے ساتھ داخل ہو گے۔

کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق امن اور خوف سے ہے حرم میں داخلہ کے بارے میں تو کچھ شک نہیں لہٰذا اس کا اس سے کچھ تعلق نہیں یا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ تم تمام یا تم میں سے کچھ لوگ داخل ہوں گے ظاہر ہے کہ بعض لوگ پہلے فوت ہو گئے تھے لیکن یہ دونوں جواب درست نہیں ہیں اس لئے کہ جس اعتراض سے بچاؤ اختیار کیا تھا وہی اعتراض پھر عود کر آیا ہے اس لئے کہ اللہ نے بتایا ہے کہ وہ امن کے ساتھ داخل ہوں گے اس میں کچھ شبہ نہیں اسی طرح تمام یا بعض کے داخل ہونے میں بھی کچھ شک نہیں اللہ کے علم میں ہے کہ کون داخل ہوں گے اس میں ان شاء اللہ کا استعمال ان کے داخلہ کو متحقق کرنے کے لئے ہے جیسا کہ ایک شخص جب کسی کام کے کرنے کا عزم کر لیتا ہے کہ وہ اس کو ضرور سرانجام دے گا تو وہ کہتا ہے کہ میں ان شاء اللہ فلاں کام ضرور کروں گا وہ ان شاء اللہ اس لئے نہیں کہتا کہ اس کو اپنے ارادہ اور عزم میں کچھ شک ہے البتہ اس طرح کی قسم اٹھانے والا حانث نہیں ہوگا جب کہ اس کو اپنے مقصود کے حصول پر یقین نہیں ہے اس کا ایک اور انداز سے بھی جواب دیا گیا ہے کہ اس میں ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ جب ہم مستقبل کے بارے میں خبر دیں تو کس طرح ان شاء اللہ کہیں لیکن نص قرآن سے یہ معنیٰ مراد لینا درست نہیں اس لئے کہ اس کلام سے یہ بات اشارۃ النص سے ثابت ہو رہی ہے علامہ زمخشری نے اس کے دو ایسے جواب دیئے ہیں جو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہیں ایک جواب میں کہا ہے کہ وہ فرشتے کا قول ہے دوسرے جواب

[1] مسلم، احکام الجنائز ص ۱۰۹ [2] مسلم، بخاری

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیا ہے تو اس صورت میں غیر اللہ کے کلام کو اللہ کا کلام کہنا ہوگا اس سے ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ان لوگوں کی وعید میں ہم بھی نہ آجائیں جنہوں نے کلام پاک کے بارے میں کہا: ان ھٰذا الا قول البشر یہ تو انسان کا کلام ہے۔ نسئال اللہ العافیۃ

جو لوگ انا مومن ان شاء اللہ کو جائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل زیادہ جاذب ہیں اصولی طور پر بھی راہ اعتدال بہتر راہ ہے ہاں اگر ان شاء اللہ کہنے والا ایمان میں شک رکھتا ہے تو اس کو ان شاء اللہ کہنے سے روک دیا جائے اس میں کچھ اختلاف نہیں لیکن اگر خود کو ان ایمانداروں کے زمرہ میں شامل کرتا ہے جن کے اوصاف کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ارشاد خداوندی ہے:

انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون الذین یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنا ھم ینفقون اولئک ھم المومنون حقا لھم درجات عند ربھم ومغفرۃ ورزق کریم۔

(انفال ۲-۴)

مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور) وہ جو نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں یہی سچے مومن ہیں اور ان کے لیے پروردگار کے ہاں (بڑے بڑے) درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے)

نیز فرمایا:

انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون (الحجرات ۱۵)

مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور خدا کی راہ میں جان و مال سے لڑے یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں)

تو اس صورت میں ان شاء اللہ جائز اور درست ہے اسی طرح جس شخص کا مقصود ان شاء اللہ کہنے سے انجام کے بارے میں لاعلمی کا اظہار ہے یا اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق کر رہا ہے شک و شبہ کا شائبہ تک نہیں تو اس کا ایمان درست ہے۔

علامہ طحاوی کا ارشاد: جو وضاحتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں وہ تمام

برحق ہیں دراصل علامہ طحاوی اس وضاحت سے جہمیہ معطلہ معتزلہ، رافضہ کا رد کرنا چاہتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث کی دو مشہور قسمیں ہیں جن کو متواتر اور آحاد کا نام دیا جاتا ہے پس متواتر ان کے ہاں اگرچہ سند کے لحاظ سے قطعی ہے لیکن قطعی الدلالۃ نہیں ہے ان کے ہاں ادلہ لفظیہ یقین کا فائدہ نہیں دیتے اس لئے وہ قرآن پاک میں بیان کردہ صفات الٰہیہ پر تنقید کرتے ہیں نیز وہ اس بات کے قائل ہیں آحاد حدیثیں بھی یقین کا فائدہ نہیں دیتیں نہ ہی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے اس قسم کی باتیں کر کے انہوں نے دلوں کو معرفت الٰہیہ سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے خصوصاً جن اسماء وصفات، افعال خداوندی سے ہمیں احادیث کے ذریعہ سے راہ نمائی حاصل ہوتی ہے اس طرح انہوں نے لوگوں کو توھمات، تخیلات کی دلدل کے سپرد کر دیا ہے جن کو وہ دھوکہ دہی سے یقینی اور قطعی دلائل کے نام سے پکارتے ہیں ان کی حقیقت قرآن پاک کی زبان سے سنیں ارشاد خداوندی ہے۔

كسراب بقيعة يحسبه الظمان ماءً حتى اذا جاءه لم يجده شيئاً ووجد الله عنده فوفه حسابه والله سريع الحساب او كظلمات في بحر لجي يغشاه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمات بعضها فوق بعض اذا اخرج يده لم يكد يراها ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور ٥

(النور ۳۹)

جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور خدا ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اسے اس کا حساب پورا پورا چکا دے اور خدا جلد حساب کرنے والا ہے یا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے، جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو اور) اس کے اوپر بادل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو (کوئی بھی) روشنی نہیں مل سکتی)۔

تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ توھمات کو نصوص وحی سے مقدم رکھتے ہیں بلکہ نصوص کو ترک کر دیتے ہیں ان کے دل ہدایت الٰہی سے خالی ہو چکے ہیں۔ وہ افکار صحیحہ جن کا توافق نہ صرف یہ کہ فطرت سلیمہ کے ساتھ ہے بلکہ نصوص نبویہ سے مستنبط ہے ان کی روشنی سے محروم ہیں اگر یہ لوگ نصوص وحی کی حاکمیت تسلیم [illegible] تو یہ لوگ اپنے دامن کو ایسے معقولات صحیحہ سے بھر لیتے جو فطرت سلیمہ کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

اسی پر بس نہیں بلکہ جس قدر بھی اہل بدعت کے فرقے موجود ہیں وہ نصوص کو بدعات پر پیش کرتے ہیں اگر موافقت

ہو جائے تو قبول کرتے ہیں اور اس کو محکم گردانتے ہوئے قابل حجت سمجھتے ہیں اور مخالفت کی صورت میں نصوص کو متشابہ قرار دیتے ہوئے رد کر دیتے ہیں رد کو تفویض یا تحریف کا نام دیتے ہیں اور تحریف کو تاویل جیسے باعث کشش نام کے ساتھ پکارتے ہیں

اہل سنت کا طریق

اہل سنت کا ہمیشہ سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ وہ نص صحیح سے ہرگز ہرگز اعراض نہیں کرتے اور نہ معقولات اور لوگوں کے اقوال کے ساتھ اس کا معارضہ کرتے ہیں جیسا کہ شیخ حمیدی سے امام بخاری بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم امام شافعیؒ کی مجلس میں تھے ان کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اس نے ان سے ایک فتویٰ دریافت کیا امام شافعیؒ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے بارے میں یہ فتویٰ ہے اس شخص نے امام شافعی سے کہا آپ کی اس میں کیا رائے ہے امام شافعیؒ غیظ و غضب میں آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا تو مجھے کسی گرجا گھر میں یا سندر میں دیکھ رہا ہے کیا میں نے اپنے بدن پر زنار لٹکا رکھا ہے میں تجھے کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ہے اور تو میرا قول دریافت کرتا ہے سلف سے اس قسم کے اقوال کثرت کے ساتھ منقول ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى	اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو حق نہیں ہے
الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة	کہ جب خدا اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ
من امرهم (الاحزاب ۳۶)	اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں)

جمہور امت کے نزدیک جب خبر واحد کو امت نے شرف قبولیت سے نوازا ہو اور اسے صحیح سمجھا ہو اور اس پر عمل بھی کیا ہو تو وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور متواتر کی ایک قسم ہے اس میں سلف کے درمیان کچھ اختلاف نہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب کی حدیث[1]: اعمال کا مدار نیت پر ہے"۔ نیز عبداللہ بن عمر کی حدیث[2]: ولاء کے بیچنے اور اس کے ہبہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث[3]: کسی عورت سے اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ پر نکاح نہ کیا جائے نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث[4]: رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں اس طرح کی اور حدیثیں بھی موجود ہیں جیسے اس صحابی کی حدیث جو مسجد قباء میں پہنچا وہاں جا کر اس نے بتایا کہ قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف تبدیل ہو گیا ہے تو تمام نمازی کعبہ کی جانب پھر گئے۔

۱۔ بخاری، مسلم ۲۔ بخاری، مسلم ۳۔ بخاری، مسلم ۴۔ بخاری، مسلم

کیا یہ حقیقت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصد لوگوں کی طرف بھیجتے ان کے بدست خطوط بھی ارسال فرماتے لیکن یہ تو کہیں نہیں آتا کہ جن کی جانب ان کو بھیجا گیا انھوں نے یہ کہہ کر کہ یہ تو خبر واحد ہے قبول کرنے سے انکار کیا ہو ارشاد خداوندی ہے:۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (التوبہ ۳۳)

ترجمہ:۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔

پس مخلوق کو جن دلائل اور بینات سے آگاہ کیا ہے ان کی حفاظت کے خود اللہ پاک نے انتظامات فرمائے ہیں تاکہ وہ ضائع نہ ہو جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی زندگی میں یا آپ کے بعد افترا باندھا ان کو اللہ پاک نے ذلیل و خوار کیا اور ان کی ذلت کی خوب خوب تشہیر کی سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔ جس شخص نے بھی حدیث رسول میں جھوٹی باتوں کو شامل کیا اللہ پاک نے اس کا پردہ فاش کیا عبداللہ بن مبارک کا قول ہے۔ اگر کوئی شخص سمندر میں رہتا ہوا حدیث رسول میں جھوٹ کی آمیزش کرے گا تو اس کا جھوٹ روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا اس کے بارے میں عام چرچا ہوگا کہ فلاں انسان جھوٹا ہے۔

یاد رہے کہ خبر واحد اگرچہ سچ اور جھوٹ کا احتمال رکھتی ہے لیکن صحیح اور ضعیف حدیثوں میں امتیاز ہو چکا ہے امتیاز کے مقام پر وہی شخص فائز ہو سکتا ہے جس کے اکثر اوقات حدیث اور راویوں کے حالات کی تفتیش میں بسر ہوتے ہوں۔ اس طرح حدیث کے راویوں کے حالات اور ان کے اقوال سے آگاہی ہوگی اور پتہ چلے گا کہ وہ کس قدر محتاط رہے اس میدان میں انھوں نے سنہری کارنامے سرانجام دیئے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی وہ اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے لیکن کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی سے کام لے انھوں نے حزم و احتیاط کا دامن تھامے ہوئے بالکل اسی طرح دین اسلام کو ہم تک پہنچایا جس طرح ان کے پاس پہنچا تھا وہ اسلام کے محافظ تھے ایمان کی برکات سے مالا مال تھے۔ احادیث پر ناقدانہ نگاہ رکھتے تھے۔ کمزور اور صحیح احادیث میں امتیاز کا ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ ان کے حالات کا مطالعہ کریں ان کے کارناموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان میں

کس قدر راستبازی پرہیزگاری امانت کے اعلیٰ اوصاف موجود تھے۔ ان کی روایات احادیث کے مطالعہ سے ان کی علمی عظمت کا پتہ چلے گا کہ جس شخص میں بھی عقل موجود ہے وہ اس بات کے اظہار میں کچھ کمزوری نہیں دکھلائے گا کہ جس قدر محدثین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور احادیث پر عبور حاصل ہے اس قدر کسی دوسرے گروہ کو حاصل نہیں ان کی معلومات کا دائرہ تو بالکل محدود ہے۔ جس طرح کہ نحویوں کو جس قدر سیبویہ اور خلیل کے علوم پر آگاہی حاصل ہے دوسرے ان کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور اطبا کو جس قدر بقراط اور جالینوس کے بیان کردہ معلومات کا علم ہے دوسروں کو کہاں نصیب ہے اسی طرح ایک فن کا ماہر اپنے فن کو خوب جانتا ہے اگر آپ سبزی فروش سے خوشبو کے بارے میں سوال کریں یا عطار سے کپڑے کے بارے میں دریافت کریں تو آپ کا سوال جہالت پر مبنی ہو گا۔

اہل بدعت فرقوں نے صفات کے بارے میں احادیث صحیحہ کا رد کرتے ہوئے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ) (اس کا مثل کوئی نہیں) سے استدلال کیا ہے ان کا یہی حال ہے جب بھی کوئی حدیث ان کے قواعد و نظریات اور توہمات کے خلاف ہو تو وہ اس قسم کی آیات کا سہارا لے کر اصل حقیقت پر پردہ پوشی سے کام لیتے ہیں اور آیات کے معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں چنانچہ احادیث صفات سے انھوں نے جو مفہوم اخذ کر کے پیش کیا ہے وہ منشاء خداوندی کے خلاف ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وہ معنی منقول نہیں۔ نیز آپ کے متبعین آئمہ کرام بھی ان کے بیان کردہ معانی کو قبول نہیں کرتے آئمہ صراحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تسلیم کرنے سے مخلوق کے ساتھ مماثلت لازم نہیں آتی لیکن اہل بدعت کا پورا زور اس بات پر ہے کہ تماثل لازم آتا ہے حالانکہ اللہ کا کوئی مماثل نہیں اس کو دین اسلام کا رسول قرار دیتے ہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں ان معانی پر تدبر نہیں کرتے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وضاحت کی ہے کہ یہی وہ معنی ہے جس کا اللہ نے ارادہ کیا ہے وہ لوگ معانی کی حقیقت کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان اوصاف خبیثہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کی ہے اور ان کے واقعات سے آگاہ کیا ہے تاکہ ہم عبرت حاصل کریں اور ان کی راہ پر نہ چلیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (البقرہ - ۷۵)

ترجمہ :۔ (مومنو) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام خدا (یعنی تورات) کو سنتے ہیں پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے ہیں۔

یہاں تک کہ فرمایا۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ٥ (البقرہ ۷۸)

ترجمہ :۔ اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (خدا کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔ لفظ اَمَانِیَّ سے مراد مطلق پڑھنا ہے

ارشاد خداوندی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ٥ (البقرہ ۷۹)

ترجمہ :۔ تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں ان پر افسوس ہے اس لئے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور پھر ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔

ان کی مذمت اس بنا پر کی ہے کہ انھوں نے جس چیز کو اپنی جانب سے لکھا ہے انھوں نے اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دی ہے اور اس کے عوض حقیر دنیا حاصل کر رہے ہیں ان کے ذکر کردہ دونوں اوصاف مذموم ہیں کہ اللہ کی جانب ایسی چیز کی نسبت کی جائے۔ جس کو اللہ نے نازل نہیں فرمایا اس کے عوض مال و دولت یا اقتدار حاصل کیا جائے۔ نسأل اللہ تعالیٰ ان یعصمنا من الزلل فی القول والعمل بمنہ وکرمہ۔

شیخ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ شریعت دو نوع کی ہے ابتدائی اور بنیادی باتیں جن کی وحی اللہ نے کی پھر آپ نے اللہ کی بیان کردہ شریعت کی جو وضاحت کی ان دونوں کو حق سمجھا جائے دونوں کی اتباع فرض ہے۔

شیخ طحاوی کا قول کہ اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں ان میں تفاضل تقویٰ اور خشیت کی بنا پر ہے بعض میں تصدیق اقویٰ ہے بعض میں ضعف ہے جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بصارت میں تمام مساوی ہیں البتہ قوت بصر اور ضعف بصر کے لحاظ سے تفاوت ہے یعنی ایمانداروں میں تفاوت دل کے اعمال کے لحاظ سے ہے اصل تصدیق میں تفاوت نہیں ہے یا حقیقت اور خواہش کی مخالفت اور اولیٰ کے اختیار کرنے کے لحاظ سے تفاوت ہے یہی معنیٰ زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ط) تمام مومن اولیاء اللہ ہیں۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (یونس ۶۲ - ۶۳)

ترجمہ: خبردار جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

لفظ (ولی) ولایۃ بفتح الواو سے مشتق ہے اس کے معنے عداوت کے خلاف کے ہیں۔ حمزہ قاری نے ارشاد خداوندی مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ تمھیں ان کی دوستی سے کچھ حاصل نہیں واو کے کسرہ کے ساتھ دیگر قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے ایک قول میں دونوں مستعمل ہیں ایک قول میں فتح کے ساتھ نصرت کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے زجاج نے کسرہ کو جائز قرار دیا ہے اس لئے کہ بعض لوگوں کا بعض لوگوں کے ساتھ موالات کرنا صناعت اور عمل ہے اور معروف قاعدہ کے مطابق صنعت والے صیغے کسرہ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جیسے خیاطت کپڑے سینے کا پیشہ ہے اس کے مثل اور الفاظ بھی ہیں۔ پس ایماندار اللہ کے ولی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۔ (البقرہ - ۲۵۷)

ترجمہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست خدا ہے کہ اندھیرے سے نکال کر روشنی

میں لے جاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست طاغوت ہیں کہ انہیں نور سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (محمد-۱۱)

ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ جو مومن ہیں ان کا خدا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

نیز فرمایا:۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (التوبہ-۷۱)

ترجمہ:۔ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں

نیز فرمایا:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ (الانفال ۷۲)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

نیز فرمایا:۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ (المائدہ-۵۵-۵۶)

ترجمہ:۔ تمہارے دوست تو خدا اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور (خدا کے آگے) جھکتے ہیں اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا (وہ خدا کی جماعت میں داخل ہوگا اور) خدا کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔

پس ان تمام نصوص سے ایمانداروں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ رکھنا ثابت ہے نیز تمام ایماندار اللہ کے دوست ہیں اور اللہ ان کا دوست ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں سے موالات رکھتا ہے ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں اللہ ان سے خوش ہے وہ اللہ سے خوش ہیں۔ جس شخص نے اللہ کے دوست کے ساتھ دشمنی کی وہ اللہ کے ساتھ لڑائی کے لئے میدان میں نکلا پس یہ ولایت اللہ کی رحمت اور اس کا احسان ہے لوگوں کی آپس میں دوستی کی طرح نہیں ہے کہ اس میں احتیاج ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ

لَهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۔ (الاسراء - ۱۱)

ترجمہ :۔ اور کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔

پس اللہ اس لئے دوست نہیں بناتا کہ اس میں کچھ کمزوری ہے بلکہ اللہ کے لئے ہی تمام غلبہ ہے لیکن بادشاہوں اور دیگر لوگوں کی دوستی کمزوری اور احتیاج پر مبنی ہوتی ہے وہ مدد کے امیدوار ہوتے ہیں۔ ولایت بھی ایمان کی مانند ہے شیخ طحاوی کا مقصد یہ ہے کہ اصل ولایت میں تمام برابر ہیں اس میں بھی ایمان کی طرح مراتب کے لحاظ سے کمال اور نقص موجود ہے کامل ولایت کے حقدار پرہیزگار ایماندار لوگ ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۔ (یونس ۶۲)

ترجمہ :۔ سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

پس اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا جملہ اولیاء اللہ کی صفت یا بدل یا امدح پوشیدہ ملنے کی بنا پر منصوب ہے یا ہم پوشیدہ سمجھیں گے اس بنا پر وہ مرفوع ہوگا یا ان کی دوسری خبر ہے نیز علیہم کی ضمیر سے بدل بنا کر مجرور پڑھنا بھی جائز ہے ان تمام صورتوں میں ولایت کے حقدار وہ لوگ ہیں جو ایماندار اور پرہیزگار ہیں تینوں آیات میں جس وعدہ کا ذکر ہے وہ اس کے حقدار ہیں۔ ولایت کا مطلب یہ ہے کہ وہ محبت کے کاموں اور ناراضگی کے کاموں میں اللہ کی موافقت کا خیال رکھتے ہیں محض زیادہ روزے رکھنا اور کثرت کے ساتھ نوافل ادا کرنا چاپلوسی اختیار کرنا اور جسم کو تکلیف پہنچانے کا نام ولایت نہیں ہے ایک قول میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مبتدا اور لَهُمُ الْبُشْرٰی خبر ہے۔ لیکن احتمال بعید ہے کیونکہ جملہ ماقبل سے منقطع ہو رہا ہے نیز اس آیت کا نظم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ایماندار انسان میں من وجہ ولایت من وجہ عداوت دونوں کا اجماع ممکن ہے جیسا کہ کفر، ایمان، شرک، توحید، تقویٰ، بدمعاشی، نفاق، ایمان کا جمع ہونا ممکن ہے اگرچہ اہل سنت کے درمیان نزاع معنوی ہے ایمان کی بحث میں اس کا ذکر ہو چکا ہے خیال رہے

لفظ معنی دونوں میں شارع کی موافقت اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ صرف معنوی موافقت ہو ارشاد خداوندی ہے :-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ٥ (یوسف - ۱۰۶)

ترجمہ :- اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں ۔

نیز فرمایا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا (الحجرات - ۱۴)

ترجمہ :- کہدو تم ایماندار نہیں ہو لیکن تم کہو ہم مسلمان ہیں ۔

اس آیت پر بحث گذر چکی ہے صحیح قول یہ ہے کہ وہ منافق نہیں ہیں نیز ارشاد نبوی ہے جس شخص میں چار خصلتیں ہیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان سے ایک ہے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے جب تک کہ وہ اس کو چھوڑتا نہیں ہے وہ خصلتیں یہ ہیں جب بات کرے جھوٹ کرے جب معاہدہ کرے تو ایفا نہ کرے اور جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے ایک روایت میں ہے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے لیکن یہ ایک دوسری خصلت کے بدل کی ذکر ہوئی ہے (کہ جب وہ وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے) بخاری مسلم ۔

ایمان کی شاخوں والی حدیث کا بھی پہلے ذکر ہو چکا ہے ۔ نیز ارشاد نبوی ہے اس شخص کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا ۔ معلوم ہوا جس کے دل میں نہایت قلیل ایمان بھی ہوگا وہ بھی دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا اگرچہ کثرت کے ساتھ نفاق بھی کیوں نہ موجود ہو اس کو نفاق کے برابر دوزخ میں عذاب ہوگا ۔ اس کے بعد اس کو باہر نکال لیا جائے گا ۔ پس تمام طاعت کی اقسام ایمان کی شاخیں ہیں اور تمام معاصی کفر کی شاخیں ہیں جب کہ کفر کی عظیم شاخ جحود ہے اور ایمان کی عظیم شاخ تصدیق ہے ہاں ایک مرفوع حدیث نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا ہر جماعت میں ایک ولی اللہ ہوتا ہے لوگ اس کو جانتے ہوتے ہیں اور وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہوتا ۔ یہ بے اصل ہے ۔ بات بھی بالکل غلط ہے ظاہر ہے کہ جب لوگ کافر ہیں یا فاسق ہیں اور فسق پر فوت ہوئے ہیں تو ان میں کہاں کوئی ولی ہے ۔ ہاں ولایت میں درجۂ کمال پر فائز ہونے والوں کے حق میں وارد ہے :-

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (یونس ۶۳ - ۶۴)

ترجمہ: سن رکھو جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لیئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

تقویٰ کا ذکر اللہ کے اس قول میں ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ — ۱۷۷)

ترجمہ: بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے آزاد کرانے میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے ہیں اور یہی ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

پرہیزگار دو قسم کے ہیں پہلی قسم میں مقتصد۔ دوسری میں مقرب ہیں مقتصد وہ ہیں جو افعال جوارح اور دل سے فرائض ادا کرتے ہوئے اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جس شخص نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی اس نے مجھے لڑائی کا چیلنج کیا میرا بندہ میرا قرب جس طرح فرائض کی ادائیگی سے حاصل کرتا ہے اور کسی دوسرے طریق سے حاصل نہیں کرسکتا میرا بندہ ہمیشہ نوافل ادا کرکے میرا مقرب بنتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پس جب میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سوال پورا کرتا ہوں اگر وہ میرے ساتھ پناہ طلب کرے تو میں اس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں اور میں کسی کام کے کرنے سے کبھی اتنا متردد نہیں ہوا جس قدر کہ میں اپنے مومن بندے کی روح قبض

کرنے سے متردد ہوتا ہوں وہ موت کو برا جانتا ہے اور میں اس کو تکلیف دینا اچھا نہیں سمجھتا[۵]۔
پس لفظ وَلِیّ وِلَاۃ سے مشتق ہے جس کا معنی قرب کا ہے یہ لفظ عدو کے مخالف ہے
پس اللہ کا ولی وہ ہے جو اللہ کے محبوب کے کام سرانجام دے کر اس کی موافقت کرتا ہے اور
اس کی رضا جوئی کرتا ہوا اُس کا قرب تلاش کرتا ہے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:۔
وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (الطلاق ۲-۳)
ترجمہ:- اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے رنج و محن سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے
گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو۔
حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر!
اگر لوگ اس آیت پر عمل کریں تو ان کے لئے کافی ہے[۶]۔ پس پرہیزگاروں کے لئے اللہ کشادگی کی راہ
نکالتا ہے جب کہ لوگ تنگی میں ہوتے ہیں اور انھیں ایسی جگہوں سے رزق عطا ہوتا ہے۔
جس کا انھیں خیال بھی نہیں ہوتا اس طرح اللہ ان سے تکالیف دور فرماتا ہے اور فوائد کا حصول آسان
کرتا ہے اور ان کو ایسے مکاشفات اور اثرات عطا کرتا ہے جس کی شرح طویل ہے۔
(ط) اللہ کے ہاں وہ انسان سب سے زیادہ عزت والا ہے جو سب سے زیادہ اطاعت گذار
ہے اور قرآن پاک کی سب سے زیادہ اتباع کرنے والا ہے۔
(ش) اس سے مراد وہ انسان ہے جو بہت زیادہ پرہیزگار ہے اور وہی سب سے زیادہ
عزت والا ہے ارشاد خداوندی ہے۔
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۱۳)
تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ عزت والے زیادہ پرہیزگار ہیں۔
نیز سنن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کسی سفید رنگ
والے کو سیاہ رنگ والے پر کسی سیاہ رنگ والے کو سفید رنگ والے پر فضیلت نہیں ہے ہاں وہ
زیادہ فضیلت والا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے[۷]
اس دلیل نے فقیر صابر، غنی شاکر کے مسئلہ میں علماء کے اختلاف کو غلط بنادیا اور اس حقیقت
کو ثابت کر دیا کہ فضیلت کا انحصار فقر و غنا پر نہیں البتہ اعمال، احوال، حقائق پر ہے
معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ درست ہی نہیں جب کہ فضیلت اللہ کے ہاں تقویٰ کے ساتھ ہے۔

---

[۵] مستدرک حاکم [۶] احمد، حاکم سند میں انقطاع ہے ضعیف ہے [۷] مسند احمد بن حنبل سنن میں نہیں یہ وہم ہے

فقیری، مالداری کے ساتھ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے مالداری اور فقیری دو سواریاں ہیں مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ میں کس پر سوار ہوں اور یہ دونوں اللہ کی جانب سے بندہ کے لئے آزمائش ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ (الفجر ۱۵)

ترجمہ:۔ مگر انسان عجیب مخلوق ہے، کہ جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اسے عزت اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی ہے۔

پس اگر صبر کرنے والا فقیر اور شکر گذار اور مالدار تقویٰ میں دونوں برابر ہیں تو دونوں ایک درجہ میں ہیں لیکن اگر تقویٰ میں ایک کو فضیلت ہے تو وہی عند اللہ افضل ہے ظاہر ہے کہ فقر و غنا کا وزن نہیں ہوگا البتہ صبر، شکر کا وزن ہوگا بعض نے اس مسئلہ کو ایک دوسرے انداز سے پیش کیا ہے کہ صبر نصف ایمان ہے اور شکر بھی نصف ایمان ہے پس ان دونوں میں سے ہر ایک میں صبر شکر موجود ہے جب کہ عام لوگوں نے صبر شکر کی فروع کو لیا ہے اور ان میں ترجیح پیدا کی ہے پس انھوں نے ایسے مالدار کو الگ کر دیا ہے جو خرچ کرنے والا خرچ کرنے پر اللہ کا شکر ادا کرنے والا ہے نیز ایسے فقیر کو الگ کر دیا ہے جو اطاعت خداوندی میں محو ہے عبادت کی ادائیگی میں فقیری پر صبر کرنے والا ہے اس صورت میں ہم کہیں گے کہ ان دونوں میں سے اکمل وہ ہے جو زیادہ اطاعت گذار اور زیادہ متبع ہے اگر دونوں مساوی ہیں تو دونوں کے مدیات بھی مساوی ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

تجرید کی صورت میں یہ کہنا درست ہے کون افضل ہے تندرست شکریہ ادا کرنے والا یا بیمار صبر کرنے والا یا اطاعت گزار شکریہ ادا کرنے والا یا ذلیل صبر کرنے والا یا امن کی زندگی بسر کرنے والا شکر گذار یا خوف والا صبر کرنے والا وغیرہ۔

(ط) ایمان سے مراد اللہ، فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں، آخرت کے دن اچھی بری ناخوشگوار ناموافق تقدیر من اللہ پر ایمان لانا ہے۔

(ش) گذشتہ صفحات میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ یہ تمام خصلتیں دین کے اصول ہیں چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل والی بالاتفاق صحیح روایت میں جواباً ان باتوں کا ہی ذکر فرمایا ہے جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی کی شکل

میں آیا اور آپ سے اسلام کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب میں فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور تو رمضان کے روزے رکھے اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے (بخاری مسلم) اس نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تیرا ایمان اللہ، فرشتوں، کتابوں رسولوں، آخرت کے دن پر ہو۔ نیز تو اچھی، بُری تقدیر پر ایمان رکھتا ہو اس سے آپ نے احسان کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو پھر یہ تصور ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اسی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صبح کی دونوں رکعتوں میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تلاوت[1] فرماتے اور کبھی ایمان اسلام کی دو آیات تلاوت فرماتے جو ایک سورۃ بقرہ میں ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا (البقرہ ۱۳۶)

ترجمہ:- کہہ دو ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کی گئی۔

اور دوسری آل عمران میں ہے۔

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ (آل عمران - ۶۴)

ترجمہ:- کہہ دو کہ اے اہل کتاب، جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں ہے، اس کی طرف آؤ۔

آپ نے مشہور حدیث وفد عبدالقیس (جو بالاتفاق صحیح ہے) میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں کیا تمہیں علم ہے کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا، غنیمت سے پانچواں حصہ نکالنا نیز یہ بات مسلم ہے کہ ان اعمال کو اس وقت ایمان باللہ کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا جب کہ ایمان بالقلب ہوگا اس لئے کہ دیگر کثیر مقامات میں ایمان بالقلب کا ذکر آتا ہے پس معلوم ہوا کہ اس ایمان کی صحت ایمان بالقلب کے ساتھ ہے اس پر بحث ہو چکی ہے کتاب وسنت میں کثرت کے ساتھ ایسے دلائل موجود ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ ایمان تب ثابت ہوگا جب پہلے تصدیق کے ساتھ عمل بھی ثابت ہوگا شاید نماز زکوٰۃ کے لئے اتنی کثرت کے ساتھ دلائل موجود نہ ہوں۔ جب ہم موازنہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نماز، زکوٰۃ کی تفاصیل کو صرف سنت نے بیان کیا ہے جبکہ ایمان کی تفاصیل کو کتاب وسنت دونوں نے بیان کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

[1] مسلم

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الانفال ۲)

ترجمہ:- مومن تو وہ ہیں جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

نیز فرمایا إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا (الحجرات ۱۵)

ترجمہ:- مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں پھر شک میں نہ پڑیں

نیز فرمایا:- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء ۶۵)

ترجمہ:- تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمھیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

پس ایمان کی نفی غایت تک ہے تو غایت لوگوں پر فرض ہے۔ پس جس نے غایت کو خیرباد کہا وہ وعید خداوندی کا حقدار ہے اس لئے کہ وہ اس طرح کا ایماندار نہیں جس کا خداوند تعالیٰ مطالبہ فرمارہے ہیں اور جس پر بلا عذاب جنت میں داخلہ ہوگا۔

کیا حدیث جبریل اور حدیث وفد عبدالقیس میں معارضہ ہے؟ ان دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی جو تفسیر فرمائی ہے اس میں ہرگز تعارض نہیں ہے اس لئے کہ جبریل کی حدیث میں ایمان کی تفسیر اسلام کی تفسیر کے بعد کی گئی پس ثابت ہوا کہ ایمان سے مراد اللہ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانا ہے لیکن ساتھ ساتھ ان اعمال کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا جن کا اسلام کی تفسیر میں ذکر ہے جس طرح کہ احسان ایمان پر مشتمل ہے جس کی تفسیر اس کے ذکر سے قبل کی گئی ہے بخلاف وفد عبدالقیس کی حدیث کے کہ اس میں ایمان کی تفسیر ابتداء ہے اس میں اس سے پہلے اسلام کی تفسیر نہیں ہے لیکن یہ جواب شیخ طحاوی کی بیان کردہ تفسیر کیساتھ منطبق نہیں ہوتا لہٰذا اس کی تفسیر کے مطابق وفد عبدالقیس کا اشکال برقرار موجود ہے۔

ایک سوال جن اعمال ظاہرہ کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے وہ ان پانچ ارکان سے زیادہ ہیں جن کا جبریل کی حدیث میں ذکر ہے تو پھر صرف پانچ ارکان کا نام ہی اسلام کس لئے رکھا ہے۔

جواب بعض لوگوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ تو اسلام کے واضح اور عظیم شعائر ہیں اور ان کو مکمل کرنے کے ساتھ اسلام مکمل ہوتا ہے اور ان کے ترک سے انقیاد کی گرہ ڈھیلی پڑجاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا ذکر فرمایا جس سے مقصود بندے کا اپنے رب کے لئے

مطلقاً مطیع ہونا ہے جو تمام بندوں پر اللہ کے لئے واجب ہے جو قدرت رکھتا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اس کے لئے دین کو خالص کرے اور پانچ ارکان کو ادا کرے ان کے علاوہ واجبات فرائض کا وجوب اسباب مصالح پر مبنی ہے وہ تمام لوگوں پر واجب نہیں ہیں بعض چیزیں فرض کفایہ ہیں جیسے جہاد امر بالمعروف نہی عن المنکر اور وہ اعمال جو ان کے تابع ہیں مثلاً امارت، فیصلہ، فتویٰ پڑھانا حدیث بیان کرنا وغیرہ اور وہ اعمال جو لوگوں کے حقوق کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں تو اسباب کی موجودگی میں واجب ہوں گے عدم موجودگی میں واجب نہیں ہونگے جیسے قرض کی ادائیگی، امانتوں کو واپس کرنا غصب شدہ چیز کو واپس کرنا حقوق کا انصاف جن بال بعزت بستیہ بیوی اولاد کے حقوق، صلہ رحمی وغیرہ پس ان میں جو زید پر واجب ہے وہ عمرو پر واجب نہیں بخلاف رمضان کا روزہ، بیت اللہ کا حج، پانچوں نمازیں، زکوٰۃ ہاں زکوٰۃ کا شمار اگرچہ حقوق مالیہ سے کیا جاتا ہے تاہم وہ اللہ کے لئے واجب ہے زکوٰۃ کے مصارف وہ آٹھ قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے اسی لئے اس میں نیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ جس پر فرض ہے اس کا غیر اس کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا۔ اسی طرح زکوٰۃ کا مطالبہ کفار سے نہیں ہوگا لیکن حقوق العباد میں نیت ضروری نہیں اگر اس کا غیر بھی اس کی اجازت کے بغیر ادا کرے گا تو وہ بری الذمہ ہوگا اس کا مطالبہ کفار سے بھی ہوگا نیز وہ چیزیں جو اللہ کے لئے واجب ہیں جیسے کفارات وغیرہ ان کا سبب بندہ ہے اور ان میں ایک قسم کی سزا ہے اسی لئے زکوٰۃ میں مکلف ہونا شرط ہے امام ابو حنیفہ اور اس کے متبعین کے نزدیک بچے اور دیوانے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

مسئلہ تقدیر | شیخ طحاوی کا قول۔ تقدیر اچھی، بُری، گوارا، ناگوار سب اللہ کی جانب سے ہے حضرت جبرئیل کی حدیث میں ارشاد نبوی گذر چکا ہے کہ تیرا ایمان اچھی بُری تقدیر پر ہو۔ ارشاد خداوندی ہے

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۔ (التوبہ ۲۵)

ترجمہ:۔ کہہ دو ہمیں ہرگز مصیبت نہ آئے گی مگر جس کو خدا نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۔ (النساء ۸۴)

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند

پہنچتا ہے تو (اے محمد تم سے) کہتے ہیں یہ (گزند) آپ کی وجہ سے ہمیں پہنچتا ہے کہہ دو کہ (رنج وراحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ تو بات بھی نہیں سمجھ سکتے نیز ارشاد خداوندی ہے:۔ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ (النساء ۷۹)

ترجمہ:۔ اے آدم زاد! تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے۔

اعتراض: ایک آیت میں کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے الفاظ ہیں دوسری آیت میں فمن نفسک کے الفاظ ہیں ظاہراً ان میں تناقض ہے۔

جواب: کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے مراد خوشحالی، بدحالی، کامیابی، شکست یہ سب اللہ کی جانب سے ہیں اور من نفسک سے مراد عذاب خداوندی ہے جو گناہوں کی وجہ سے بطور سزا کے دیا جاتا ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ ۳۰)

ترجمہ:۔ اور جو مصیبت تمھیں پہنچتی ہے وہ تمھارے کسب سے ہے۔

اس پر وہ حدیث دال ہے جو ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے آیت تلاوت کی

وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (النساء ۷۹)

ترجمہ:۔ اور جو مصیبت تجھے پہنچتی ہے وہ تیری ذات کی طرف سے ہے۔

(نیز وانا کتبتھا علیك) (یعنی میں نے اس کو تجھ پر مسلط کیا) کہا اس مذکورہ آیت میں حسنۃ سے مراد نعمت ہے اور سیئۃ سے مراد قحط سالی ہے صحیح قول یہی ہے بعض نے کہا حسنۃ سے فرمانبرداری اور سیئۃ سے مراد نافرمانی ہے ایک قول ہے حسنۃ سے مراد جنگ بدر کی کامیابی اور سیئۃ سے مراد جنگ احد کی شکست لیکن پہلا قول تیسرے قول کے معنی پر مشتمل ہے اور دوسرا معنی بھی پہلے معنی کے بغیر نہیں لیا جا سکتا ہاں اس میں کچھ منافات نہیں کہ برائی اور اس کا بدلہ اس کے نفس کی طرف سے ہے حالانکہ یہ سب چیزیں تقدیر کے ساتھ ہیں ظاہر ہے کہ کبھی دوسری نافرمانی پہلی نافرمانی کی سزا ہوتی ہے یعنی برائی کا بدلہ ہوتی ہے اور برائیوں میں اس کا شمار بھی ہوتا ہے اس طرح دوسری نعمت کبھی پہلی نعمت کا ثمرہ ہوتی ہے جیسا کہ اس پر کتاب وسنت دال ہے اس کے ساتھ ہم قدریہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اس سے اپنے مسلک پر

استدلال کریں وہ کہتے ہیں کہ بندے کا فعل اچھا ہو یا برا ہو وہ بندے کا فعل ہے اللہ کا فعل نہیں ہے جب کہ قرآن پاک نے دونوں میں فرق کیا ہے لیکن یہ لوگ فرق نہیں کرتے ارشاد خداوندی ہے كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہہ دو سب اللہ کی جانب سے ہے۔ پس جس طرح نیک افعال اللہ کی جانب سے ہیں اسی طرح بُرے اعمال بھی اللہ کی جانب سے ہیں۔ ہاں اللہ پاک نے بھی ان حسنات کے درمیان جو نعمتیں ہیں اور ان سیئات کے درمیان جو مصائب سے عبارت ہیں فرق کیا ہے نعمتیں اللہ کی جانب سے ہیں جب ان کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور مصائب نفس انسان کی جانب سے ہیں ان کا خلق کسی حکمت کی بنا پر ہے اور اس حکمت کے لحاظ سے وہ اللہ کے احسانات سے ہے البتہ وہ اللہ کا فعل نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کبھی بھی برائی کا فعل نہیں کرتا اس کے تو تمام افعال اچھے اور بہتر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعاء استفتاح میں فرماتے۔

تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں البتہ برائی کی نسبت تیری جانب نہیں ہو سکتی اس لئے کہ تو نے اگر شر کو پیدا کیا ہے تو اس میں حکمت ہے حکمت کی وجہ سے وہ خیر ہے لیکن کبھی اس میں شر بعض لوگوں کے لئے ہوتا ہے اس لحاظ سے شر جزئی اضافی ہے شر کلی، شر مطلق اللہ سبحانہ اس سے منزہ ہے اور یہ ایسا شر ہے جس کی نسبت فردی طور پر اس کی جانب نہیں ہے ہاں اس قسم کا شر عموم مخلوقات میں داخل ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد-۱۸) خدا ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

نیز فرمایا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء-۷۸) سب اللہ کی جانب سے ہے۔ یا سبب کی طرف منسوب ہے جیسے قول خداوندی ہے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (الفلق ۲) ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی۔ یا اس کے فاعل کو حذف کیا گیا ہے۔ جیسے جنوں کا قول ہے۔

وَاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (الجن ۱۰)

ترجمہ:- اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔

اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جب اللہ پاک ایسی چیز کو پیدا فرمائے جس سے بعض حیوانوں کو اذیت ہو تو اس میں حکمت کی کوئی صورت نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت و حکمت کی کوئی

صورت نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت و حکمت کے خزانوں کو وہی جانتا ہے اسی طرح
جب مخلوقات میں کسی جزئی اضافی شر کا وجود ہو تو وہ بالعموم کلی شر ہو بلکہ امور عامہ کلیہ عام طور پر
بندوں کے لئے خیر اور مصلحت ہوتے ہیں جیسے عام بارش ہے عام رسولوں کا بھیجنا ہے
اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر کذب بیانی سے کام لے کر نبوت کا مدعی ہے اس
کی تائید معجزات سے نہ ہو اس لئے کہ اس کا شر تو عام لوگوں کے لئے ہے جب کہ وہ لوگوں
کو گمراہ کر رہا ہے نہ صرف ان کے دین بلکہ دنیا و آخرت کو بھی خراب کر رہا ہے۔ خیال رہے
اس شخص کا حال ظالم بادشاہ کی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے ظلم سے جس شر کو ختم کیا جا رہا
ہے وہ اس کے ظلم سے زیادہ ہو چنانچہ ایک قول مروی ہے ظالم امام کا ساٹھ سال ظلم کرنا اس سے
کہیں بہتر ہے کہ ایک رات بلا امام بسر ہو بعض اوقات زیادہ ظلم دین میں افادیت کا حامل ہوتا
ہے جس طرح کہ مصائب گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتے ہیں اور مصائب پر صبر کرنے سے ثواب
حاصل ہوتا ہے اور رجوع الی اللہ کا داعیہ ابھرتا ہے توبہ استغفار کا راہ کھلتا ہے اسی طرح
جب دشمن مسلط ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر اللہ پاک ظالم بادشاہوں کو لمبا عرصہ
مہلت دیتے ہیں لیکن جھوٹے مدعیان نبوت کو زیادہ مہلت نہیں ملتی ان کو جلد ہی اللہ تعالیٰ
تباہ برباد کر دیتے ہیں اس لئے ان کا فساد دین، دنیا، آخرت سب پر حاوی ہوتا ہے
ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ۔ (الحاقہ۔ ۴۴)

ترجمہ:۔ اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنا لیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے
پھر ہم ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔

شیخ طحاوی کا قول "شر تیرے نفس میں ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کے
لحاظ سے امن و سکون نہیں پاتا ہے اس لئے کہ شر نفس میں مخفی ہے وہی اس کا مسکن ہے
اور جب لوگ اس سے ناروا سلوک کرتے ہیں تو عدم سکون کی وجہ سے نہ ان کو ملامت کرتا ہے
اور نہ ہی ان کے رویہ کو مذموم قرار دیتا ہے یہ بھی تو اس کی برائیوں کا نتیجہ ہے لہٰذا اسے چاہیے
کہ وہ اپنے گناہوں کی جانب دھیان کرے اور اللہ سے پناہ طلب کرے اور اللہ سے دعا
کرے کہ اس کو نیک کاموں کی توفیق عطا کرے اس طرح کرنے سے اس کو ہر قسم کی خیر حاصل ہو گی

اور ہر قسم کی شر اس سے دور ہو گی اس لئے تمام دعاؤں سے زیادہ نفع دینے والی اور محکم دعا سورۂ فاتحہ کی دعا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ (الفاتحہ ۵ - ۷)

ترجمہ:- ہم کو سیدھے رستے چلا ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔

پس بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو راہ صواب کی ہدایت کرے گا تو طاعات پر اس کی اعانت فرمائے گا اور معاصی سے دور رکھے گا پھر دنیا و آخرت میں اس کو کچھ شر نہ پہنچے گا لیکن چونکہ گناہ انسان کے لوازمات سے ہیں ہر لمحہ انسان ہدایت کا محتاج ہے بلکہ اس قدر اسے کھانے پینے کا احتیاج نہیں جس قدر ہدایت کا احتیاج ہے ہم اس مقام پر ان مفسرین کے قول کو صحیح تسلیم نہیں کریں گے جو کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت عطا کر دی ہے تو پھر وہ کیوں ہدایت کا سوال کرتا ہے اسلئے کہ اس سے مراد ثابت قدمی ہے یا زیادہ ہدایت کا سوال ہے بلکہ ہر انسان اس بات کا احتیاج رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احوال کی تفاصیل سے آگاہ کرے جن کو اس نے روزانہ سرانجام دینا ہے نیز ان تمام احوال کی تفاصیل روزانہ بتائے جن کو چھوڑنا ہے نیز اس کو بذریعہ الہام آگاہ کرے کہ فلاں کام کیجئے اس لئے کہ صرف علم کافی نہیں علم کے ساتھ ساتھ اس کے ارادہ کو بھی عمل کے لئے محکم کرے ورنہ علم اس کے خلاف حجت ہو گا اس طرح ہم اس کو ہدایت یافتہ نہیں کہہ سکیں گے وہ تو احتیاج رکھتا ہے کہ اس کے ارادہ صالحہ کے مطابق اللہ پاک اس کو عمل کرنے پر قدرت عطا فرمائے ظاہر ہے کہ جو حقوق ہمیں معلوم ہیں اس سے کئی گنا مجہول حقوق ہیں اسی طرح جن امور کا ہم ارادہ کر رہے ہیں ان سے کم درجہ بیش یا ان کے مساوی حقوق ہیں کاہلی اور سستی کی وجہ سے جن کے کرنے کا ہم ارادہ نہیں کرتے ہیں۔

اور جن کا ہم ارادہ کرتے ہیں ان پر ہم قادر نہیں ہیں ان کا بھی یہی حال ہے اور جن کاموں کو ہم اجمالاً تو جانتے ہیں۔ لیکن تفاصیل کا علم نہیں ہے ان کا حصہ نہیں ہو سکتا لہذا ہم کل ہدایت کے محتاج ہیں پس جس شخص کے پاس یہ تمام امور کامل اکمل ہیں وہ استقامت کا سوال کرے اور یہ آخری مرتبہ ہے اسکے بعد ایک اور ہدایت ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت میں جنت کے راہ کی ہدایت حاصل ہو جائے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو ہر نماز میں اس دعا کا حکم دیا گیا ہے اس لئے کہ وہ اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں بلکہ اس سے زیادہ کسی

دوسری چیز کے محتاج نہیں ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بے پایاں فضل سے اس دعا کو ان تمام اسباب سے عظیم سبب قرار دیا ہے جو خیر کے متقاضی ہیں اور شر سے روکنے والے ہیں قرآن پاک نے بیان کیا ہے کہ برائیوں کا منبع نفس ہے اگرچہ اللہ کی تقدیر کے ساتھ ہیں اور تمام نیکیاں اللہ کی جانب سے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا شکریہ ادا کیا جائے اور اسی سے گناہوں کی معافی طلب کی جائے اور صرف اسی اکیلے پر توکل کیا جائے وہی نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے اس طرح اسکی توحید ثابت ہوتی ہے لہٰذا صرف اسی کا شکریہ ادا کیا جائے اور اسی سے مغفرت طلب کی جائے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ان تمام کلمات کو جمع فرماتے صحیح حدیث میں ہے کہ جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو ذیل کے دعائیہ کلمات کہتے۔

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ[1]

ترجمہ:- اے ہمارے پروردگار تیرے لئے کثرت کے ساتھ پاکیزہ برکت والی حمد کرتے ہیں جس سے آسمان، زمین اور ان کے بعد جو تو چاہے بھر جائے اے تعریف والے بزرگی والے جو بات بندے نے کہی ہے وہ حق ہے اور ہم سب تیرے بندے ہیں۔

پس ان کلمات میں اللہ کی حمد بیان کی گئی ہے اور اس کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ نیز اس بات کی وضاحت ہے کہ اللہ کی حمد زیادہ لائق ہے کہ بندہ اس کو ادا کرے اس کے بعد کہے جس کو تو عطیہ دے اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں۔ اور کسی دولت والے کو تجھ سے دولت فائدہ نہیں دے سکتی۔ ان کلمات میں اللہ کی توحید، ربوبیت کی تخلیق، تقدیر، آغاز، انجام کے لحاظ سے اثبات ہے وہی عطا کرنے والا ہے وہی روکنے والا ہے جس کو عطیہ دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جس سے روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں نیز توحید الوہیت کی شرعاً، امراً، نہیاً وضاحت ہو رہی ہے اور بزرگوں کو اگرچہ کثرت مال، بادشاہت حکومت اور عظمت سے بظاہر نوازا جائے یا باطن جیسے اصحاب المکاشفات والتصرفات

---

[1] بخاری لیکن آپ کا فعل نہیں بلکہ آپ نے ایک انسان سے یہ کلمات سنے تو آپ نے فرمایا میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے سے مسابقت کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھے دیکھیں صفۃ الصلوٰۃ للعلامہ البانی ص۱۳۴ نیز صحیح بخاری، مسلم یہ دوسری حدیث ہے مؤلف نے پہلی حدیث میں اس کو داخل کر دیا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی حدیث ہے

ہیں تو کسی کو اس کی ظاہری باطنی دولت تجھ سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یعنی تیرے عذاب سے اس کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ حدیث میں الفاظ منک کے ہیں عندک کے نہیں ہیں اس لئے کہ عندک کی صورت میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مال ودولت سے تیرا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ مال و دولت کا ہونا کبھی ضرر رساں نہیں بھی ہوتا پس اس کلام میں توحید کی حقیقت بیان ہو رہی ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ ۴) (اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کی تشریح ہو رہی ہے اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ سبب مطلوب کے ساتھ مستقل ہے حالانکہ سب اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے پھر بھی ضروری ہے کہ صرف ایک اللہ کے ساتھ امیدیں وابستہ رکھی جائیں صرف اسی پر بھروسہ کیا جائے صرف اسی سے سوال کیا جائے صرف اسی سے مدد طلب کی جائے صرف اسی سے استعانت ہو پس اسی کے لئے تعریف ہے اور اسی کی طرف شکوہ ہے وہی مستعان اور مستغاث ہے صرف اسی کے ساتھ قوت ہے پس کس طرح کسی سبب کو مطلوب کے ساتھ مستقل کہہ سکتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ دیگر اسباب کا انضمام بھی ضروری ہے۔ نیز اس سے موانع اور معارضات کو ہٹانا بھی ضروری ہے تاکہ مقصود حاصل ہو جائے خیال رہے ہر سبب کا مشارک اور مخالف ہوتا ہے اگر مشارک اس کی معاونت نہ کرے اور مخالف اس سے دور نہ ہو تو سبب یعنی مقصود حاصل نہیں ہوگا دیکھئے کیا صرف بارش ہی سبزہ اگاتی ہے نہیں بلکہ مٹی، ہوا وغیرہ بھی اگانے میں شریک ہیں اسکے بعد بھی سبزہ تکمیل پذیر نہیں ہوتا جب تک کہ اس سے آفات کو نہ روکا جائے جو اس کو سوکھا دینے والی ہیں اسی طرح کھانا پینا بھی غذا نہیں ہوتا جب تک کہ بدن میں اس کو تحلیل کرنے والے قویٰ نہ ہوں پھر ان سب کا مجموعہ بھی کارگر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان سے بیماریوں کو دور نہ کیا جائے جو اس کو تباہی، بربادی کی جانب لے جانے والی ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ جو دوسروں کی معاونت کر رہے ہیں ان کی معاونت میں صرف ارادہ، قوت، فعل کو ہی دخل نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ دیگر کثیر تعداد میں خارجی وسائل کی ضرورت ہے جو مقصود کے حصول پر معاونت کریں اگرچہ ایک شخص ایسا بادشاہ بھی کیوں نہیں جس کی اطاعت میں لوگ سرمست ہیں پھر معاون اسباب کے ساتھ ساتھ موانعات اور عوارضات سے بھی دفاع ضروری ہے تاکہ مطلوب حاصل ہو معلوم ہوا کہ مطلوب کے حصول کے لئے جہاں

متقاضی کا وجود ضروری ہے وہاں موانعات کا دور کرنا بھی ضروری ہے پس سمجھ لیجئے کہ سبب معین متقاضی کا جزء ہے اس کے معاون شروط ہیں جس سے معلول معرض وجود میں آتا ہے۔

جس انسان نے بیان کردہ حقائق کا جائزہ لے لیا اس کے لئے توحید کا دروازہ کھل گیا وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرے گا۔ چہ جائیکہ وہ اس کے ماسوی کی عبادت کرے نہ وہ اللہ کے غیر پر توکل کرے نہ اس سے اپنی امیدیں وابستہ کرے

(ط) ہم ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں ہم رسولوں پر ایمان لانے میں تفریق کے قائل نہیں ہیں نیز ہم تمام رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں اور جو کچھ انھوں نے پیش کیا اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

(ش) سابقہ بیان کردہ حقائق کی طرف اشارہ ہے کہ ہم ان سب پر تفصیلا ایمان رکھتے ہیں ہم رسولوں کے درمیان تفریق کو جائز نہیں سمجھتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے اور سب کی تصدیق کرتے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص بعض پر ایمان لاتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے وہ کلیتہً کافر ہے ارشاد خداوندی ہے :۔

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۔ (النساء ۱۵۰ - ۱۵۱)

ترجمہ :۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں وہ بلا اشتباہ کافر ہیں۔

چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پیغمبروں کی تصدیق فرما رہے ہیں اس لئے آپؐ پر ایمان لانا پہلے پیغمبروں پر بھی ایمان لانا ہے اگر ایک شخص بعض رسولوں پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ کافر ہے اس لئے کہ اس کا ایمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے آپ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تمام رسولوں پر ایمان ہو اس قسم کا انسان بے شک اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جو اعمال کے لحاظ سے خسارے میں ہیں جن کی دنیوی زندگی کی کوششیں اکارت گئیں جب کہ وہ اس خیال میں مبتلا ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

(ط) امت محمدیہ کے وہ لوگ جو کبائر کے مرتکب ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے لیکن اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے جب وہ توحید پر فوت ہوئے اور کبائر گناہوں سے تائب بھی نہیں ہوئے

البتہ جب ان کی ملاقات اللہ سے ہوئی تو وہ اللہ کی معرفت رکھتے تھے ایسے لوگ اللہ کی مشیت میں ہیں اگر اللہ چاہے تو اپنے فضل وکرم سے ان کو معاف کردے جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے۔

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (النساء ۴۸ - ۱۱۶)

ترجمہ:۔ اس کے سوا جس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے۔

اور اگر چاہے تو اپنے عدل کے ساتھ ان کو عذاب میں گرفتار کرے پھر اپنی رحمت اور اطاعت گذار لوگوں کی شفاعت کے ساتھ انھیں عذاب سے نجات عطا فرمائے پھر انھیں جنت میں بھیج دے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو اس کی معرفت رکھتے ہیں دونوں جہانوں میں ان کا حال ان لوگوں کی طرح نہیں ہے جو اس کی معرفت نہیں رکھتے جو اس کی ہدایت سے کورے ہیں اور اس کے دوست نہیں ہیں اے اللہ! اے اسلام اور اہل اسلام کے متولی ہمیں اسلام پر استقامت عطا فرما یہاں تک کہ ہم تجھ سے اسلام کی حالت میں ہی ملاقات کریں۔

(ش) شیخ طحاوی نے اس وضاحت سے خوارج اور معتزلہ کا رد کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ کبائر گناہوں کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے البتہ خوارج ان کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور معتزلہ ان کو نہ مومن سمجھتے ہیں اور نہ کافر کہتے ہیں بلکہ ایک تیسرا درجہ فاسق قرار دیتے ہیں اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے

کبیرہ گناہوں کے مرتکبین | شیخ طحاوی نے کبائر کے مرتکبین کا ذکر کرتے ہوئے امت محمدیہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر کے ارتکاب میں امت محمدیہ کے علاوہ لوگوں کا حکم امت محمدیہ جیسا نہیں ہے یہ بات قرین قیاس نہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لیا جائے گا جن کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہوگا[1]۔ اس حدیث میں امت کی تخصیص نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ شیخ طحاوی کے اس رسالہ کے بعض نسخوں میں لفظ امت کا ذکر نہیں ہے اور ترکیب کے لحاظ سے فِي النَّارِ کا لفظ لَا يُخَلَّدُوْنَ کا معمول ہے صرف عبارت میں سجع کی رعایت کے باعث اس کو مقدم کردیا ہے یہ خیال درست نہیں کہ لفظ فِي النَّارِ اَهْلُ اَنْكَ بَتُو کی خبر ہے جیسا کہ بعض شارحین کا خیال ہے۔

---

[1] بخاری ومسلم۔

کبائر میں علماء کا اختلاف بعض نے سات بعض نے دس بعض نے کہا جس کی شرائع متفق ہیں بعض نے کہا جن کے ارتکاب سے معرفت الٰہی کا دروازہ بند ہو بعض نے کہا جن کے ارتکاب سے مال اور جسم کا تحفظ ختم ہو جائے بعض نے کہا کہ [illegible] کے لحاظ سے ہیں بعض نے ان کے بارے میں اپنے عدم علم کا اظہار کیا وہ لیلۃ القدر کی طرح مخفی ہیں بعض نے ان کی تعداد ستر گنوائی ہے بعض کا قول ہے جس سے اللہ نے روکا ہے وہ کبیرہ گناہ ہے بعض کا خیال ہے جس کے ارتکاب پر حد کا نفاذ ہوتا ہے یا دوزخ کی وعید آئی ہے یا اس کو لعنت اور غضب الٰہی کا سبب قرار دیا ہے، یہ قول مناسب معلوم ہوتا ہے اسی طرح صغیرہ گناہوں کی تعریف میں بھی سلف صالحین کی عبارات مختلف ہیں بعض نے کہا صغیرہ وہ گناہ ہے جس پر دنیا و آخرت میں حد نہیں بعض نے کہا ہر وہ گناہ جس پر دنیا میں کچھ حد نہیں اور آخرت میں کچھ وعید نہیں وعید سے مراد دوزخ، لعنت اور غضب خداوندی کی وعید ہے اس لئے کہ آخرت کی خاص وعید دنیا کی خاص عقوبت کے مثل ہے پس دنیوی تعزیر اس وعید کا مثل ہے جو دوزخ لعنت اور غضب خداوندی کے ساتھ نہیں پر ایسا [illegible] ہے جو ان تمام اعتراضات سے بالکل محفوظ ہے جو اس کے غیر پر ہوتے ہیں اس قاعدہ میں ہر وہ گناہ داخل ہے جس کا کبیرہ ہونا نص کے ساتھ ثابت ہے جیسے شرک، قتل، زنا جادو، پاک دامن غافل مومن عورتوں کو متہم کرنا اس طرح اور گناہ بھی ہیں جیسے میدان جنگ سے بھاگنا، یتیم کے مال کو کھانا، سود کھانا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی قسم اٹھانا، جھوٹی گواہی دینا وغیرہ اس قول کے راجح ہونے کے کچھ اسباب ہیں ایک سبب تو یہ ہے کہ یہ سلف صالحین، ابن عباس، ابن عیینہ، ابن حنبل وغیرہ سے منقول ہے دوسرا سبب ارشاد خداوندی ہے۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ۔ (النساء ۳۱)

ترجمہ: تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔

اس کی بنا پر قاعدہ کا وہ انسان حقدار ہیں جس کو اللہ کے غضب، لعنت اور دوزخ کی دھمکی دی گئی ہے اسی طرح جو شخص اس قابل ہے کہ اس پہ حد شرعی قائم کی جائے

صرف کبائر گناہوں سے احتراز کرنا اس کی برائیوں کا کفارہ نہ ہو گا تیسرا سبب یہ ہے کہ اس قاعدے کا تعلق ان گناہوں کے ساتھ ہے جن کا ذکر کتاب اللہ اور سنت میں ہے ان گناہوں پر حد کا لفافہ شارع سے معلوم ہو رہا ہے چوتھا سبب بیان کردہ قاعدہ سے کبائر اور صغائر میں فرق ممکن ہے دیگر اقوال سے فرق ممکن نہیں ظاہر ہے کہ سات یا سترہ یا ستر کا قول صرف دعویٰ ہے اور یہ قول (کہ جس کی حرمت پر تمام شرائع کا اتفاق ہے) اس کا تقاضا یہ ہے کہ شراب نوشی میدان جہاد سے بھاگنا، بعض محرمات سے نکاح کرنا ان سب کو کبائر کی فہرست سے خارج کر دیا جائے اور یتیم کے مال سے ایک دانہ چوری کرنا، ہلکا سا جھوٹ بولنا وغیرہ کبائر کی فہرست میں داخل ہو جائیں حالانکہ یہ درست نہیں اور جس شخص نے کبائر کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس سے معرفت باللہ کا دروازہ بند ہو جائے یا مال اور جان ضائع ہو جائے اس کی بات کا مطلب یہ ہو گا کہ شراب نوشی، خنزیر، مردار اور خون کھانا اور پاک دامن عورتوں کو متہم کرنا کبائر سے شمار نہ ہوں۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے اور جس شخص نے کہا کہ ان کو اضافی لحاظ سے کبائر کہا ہے یا جس کام سے اللہ نے روکا ہے وہ کبیرہ ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کو صغائر، کبائر میں تقسیم نہ کیا جائے حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ یہ بات ان نصوص کے خلاف ہے جو گناہوں کو صغائر و کبائر دو قسموں میں تقسیم کرتی ہیں اور یہ قول کہ کبائر کا علم ہی نہیں ہے یا کبائر مبہم ہیں یہ بھی درست نہیں وہ اپنے عدم علم کی بنا پر حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم۔

شیخ طحاوی کا قول۔ اگرچہ وہ تائب نہ ہوں ظاہر ہے کہ توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے اس میں کچھ اختلاف نہیں البتہ جو توبہ نہ کرے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

شیخ طحاوی کا قول:۔ کہ ان کی ملاقات جب اللہ سے ہو تو ان میں اللہ کی معرفت ہو معرفت کے بدل اگر ایمان کا لفظ ہوتا تو بہتر تھا ظاہر ہے کہ جس میں اللہ کی معرفت ہو لیکن ایمان نہ ہو وہ کافر ہے۔ جہم بن صفوان نے صرف معرفت پر اکتفا کیا ہے لیکن اس کا قول باطل ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابلیس لعین کو بھی اللہ کی معرفت تھی۔ اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے :۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الحجر ۳۶)

ترجمہ:۔ (اس نے) کہا پروردگار مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے۔

نیز فرمایا: قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (ص ۸۲، ۸۳)

ترجمہ:۔ (اس نے) کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو سوائے تیرے مخلص بندوں کے بہکاتا رہوں گا۔

اسی طرح فرعون اور اکثر کفار کو معرفت تھی ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ (لقمان ۲۵)

ترجمہ:۔ اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ بول اٹھیں گے اللہ نے

نیز فرمایا:۔ قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ (المؤمنون ۸۴/۸۵)

ترجمہ:۔ کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو (بتاؤ کہ) زمین اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) کس کا مال ہے جھٹ بول اٹھیں گے کہ خدا کا۔

ان کے علاوہ بھی کثیر آیات ہیں جو اس معنی پر دال ہیں معلوم ہوتا ہے شیخ طحاوی معرفت سے معرفت کاملہ مراد لیتے ہیں جو ان کے ہدایت یافتہ ہونے کو مستلزم ہے جس کی طرف اہل طریقت بھی اشارہ کرتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ وہ کبائر کا ارتکاب کرنے والے ہوں بلکہ وہ تو لوگوں کے سردار اور خواص لوگ ہیں۔

شیخ طحاوی کا قول:۔ کہ وہ اللہ کی مشیت اور اس کے حکم میں ہیں اگر چہ اللہ چاہے تو اپنے فضل کے ساتھ انہیں معاف فرمائے اللہ تعالیٰ نے شرک اور غیر شرک میں فرق کیا ہے اس لئے کہ شرک اکبر الکبائر ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیز اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ شرک معاف نہیں کیا جاتا اور اس کے علاوہ دیگر گناہوں کے معاف کرنے کو اپنی مشیت کے ساتھ معلق فرمایا ظاہر ہے کہ جائز تو اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق ہو سکتا ہے ممتنع نہیں ہو سکتا اگر تمام گناہ برابر ہیں تو تفصیل سے کیا فائدہ نیز اس لئے کہ اس کے معاف کرنے کو مشیت کے ساتھ معلق فرمایا لیکن کبائر اور صغائر گناہ توبہ کے بعد یقیناً معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ مشیت کے ساتھ معلق نہیں ہیں، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر ۵۳)

ترجمہ:۔ کہہ دو اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

معلوم ہوا کہ جن گناہوں کا معاف کرنا اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق ہے وہ شرک کے

علاوہ گناہ ہیں اور توبہ سے پہلے کی بات ہے۔

شیخ طحاوی کا قول:۔ اے اللہ اسلام اور اہل اسلام کے محافظ! ہمیں اسلام استقامت عطا فرما یہاں تک کہ ہماری تیرے ساتھ ملاقات ہو۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری الفاروق میں سند کے ساتھ حضرت انس سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے اے اسلام اور اہل اسلام کے محافظ میرا تعلق اسلام کے ساتھ قائم فرما یہاں تک کہ میری تیرے ساتھ ملاقات بھی اسلام پر ہو۔[1]

متقدم کلام کو اس دعا پر ختم کرنے کی مناسبت ظاہر ہے اسی قسم کی دعا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کی تھی۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف ۱۰۱)

ترجمہ:۔ جب سب باتیں ہو لیں تو یوسف نے خدا سے دعا کی) کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکومت سے بہرہ دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں فوت کر اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیو۔

اور یہ دعا ان جادوگروں نے کی جو اولاً حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے انھوں نے کہا ارشاد خداوندی ہے:

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔ (الاعراف ۱۲۶)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں (ماریو تو) مسلمان ہی ماریو۔

جو شخص ان دونوں آیات سے موت کی آرزو کے جواز پر استدلال کرتا ہے اس کا استدلال درست نہیں یہاں تو صرف اسلام پر مارنے کی دعا کا ذکر ہے نہ مطلق موت کا ذکر ہے اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ موت اب آجائے دونوں میں فرق واضح ہے۔

(ط) ہم ہر نیک، بد اہل قبلہ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کو درست سمجھتے ہیں اور اس قسم کے فوت شدہ لوگوں پر نماز جنازہ ادا کرنے کو بھی درست مانتے ہیں۔

---

[1] الضیاء المقدسی فی المختارۃ (ق ۱۵۰/۱) طبرانی کے طریق انس بن مالک سے اسی سند کے ساتھ سند مضبوط ہے احادیث صحیحہ (۱۸۲۳) بتحقیق علامہ البانی دیکھیں مقدمہ طبع سوم ص ۶۔

(ش) ارشادِ نبوی ہے۔ ہر اچھے بُرے کی اقتدا میں نماز ادا کرو[1] اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے مکحول نے روایت کیا لیکن مکحول کی حضرت ابوہریرہ سے ملاقات نہیں ہے نیز اس کی سند میں معاویہ بن صالح متکلم فیہ ہے امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس کو قابلِ حجت سمجھا ہے یہ روایت دار قطنی میں ہے نیز دار قطنی اور ابوداؤد نے معاویہ بن صالح سے مکحول سے ابوہریرہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان نیک، بد (اگرچہ کبائر کا مرتکب ہو) کے ساتھ تم پر نماز ادا کرنا واجب ہے نیز ہر امیر نیک و بد (اگرچہ کبائر کا مرتکب ہو) کے ساتھ مل کر تم پر جہاد فرض ہے[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حجاج بن یوسف ثقفی کی اقتدار میں نمازیں ادا کرتے تھے اسی طرح حضرت انس بن مالک بھی کیا کرتے تھے۔ حالانکہ حجاج بن یوسف فاسق اور ظالم انسان تھا نیز صحیح بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ائمہ تمہاری نمازوں کی امامت کرائیں گے اگر وہ درست ادائیگی کریں... تو تمہاری اور ان کی نمازیں درست ہوں گی اور اگر ان کی ادائیگی درست نہ ہوگی تو تمہاری نمازیں صحیح متصور ہوں گی ان کی نمازیں خراب ہوں گی۔[3] نیز حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اس شخص کی اقتدار میں نماز ادا کرو جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کہتا ہے نیز اس شخص کا جنازہ پڑھو جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کہنے والوں میں سے ہے۔ (دار قطنی نے اس کو کمزور کہا ہے)

غور فرمائیے (اللہ پاک ہم سب پر رحم فرمائے) ہر شخص کے لئے اجازت ہے کہ وہ ایسے شخص کی اقتدار میں نماز ادا کر سکتا ہے جس سے فسق اور بدعت کے کام صادر نہیں ہوتے اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے لیکن اقتدار کے شرائط سے یہ نہیں ہے کہ مقتدی کو امام کے اعتقاد کا علم ہو اور نہ ہی کسی امتحان کی ضرورت ہے مثلاً مقتدی دریافت کرے آپ کا عقیدہ کیا ہے مقتدی مستور الحال امام کی اقتدار میں نماز ادا کر سکتا ہے اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے جو نہ صرف یہ کہ بدعتی ہے بلکہ بدعت کی طرف دعوت بھی دیتا ہے یا جس سے فسق و فجور کے کام سرزد ہوتے ہیں حالانکہ وہی مقرر امام ہے اس کے پیچھے ہی اسے نماز ادا کرنا ہے جیسے جمعہ عیدین

---

[1] حدیث ضعیف ہے سند میں مکحول اور ابوہریرہ کے درمیان انقطاع ہے۔ [2] حدیث ضعیف ہے اس میں علت انقطاع ہے [3] صحیح ہے مسند احمد میں بھی ہے۔

وہی بڑھاتا ہے اسی طرح عرفہ میں اسی قسم کا شخص حج کا امام ہے تو اس کی اقتدا میں ہی نماز ادا کی جائے سلف، خلف آئمہ کا یہی مسلک ہے۔

اور جو شخص جمعہ، جماعت فاجر امام کے پیچھے نہیں پڑھتا اکثر علماء کے نزدیک وہ بدعتی ہے صحیح مسلک یہ ہے کہ وہ اس کی اقتدا میں نماز ادا کرے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں خیال کیجئے صحابہ کرام فاسق فاجر ائمہ کی اقتدا میں جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کرتے اور پھر اعادہ نہ فرماتے جس طرح کہ عبداللہ بن عمر حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز ادا کر لیتے تھے یہی حال حضرت انس بن مالک کا تھا اس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ کرام ولید بن عقبہ کی اقتدا میں نماز ادا کر لیتے حالانکہ وہ شراب پیتا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی مزید کہہ رہا تھا کہ اور پڑھاؤں عبداللہ بن مسعود نے کہا ہم تو پہلے ہی زیادہ پڑھ چکے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عثمان بن عفان کا محاصرہ ہوا تو ایک شخص نے امامت کرائی تو ایک شخص نے حضرت عثمان سے دریافت کیا آپ عام لوگوں کے امام ہیں اور یہ شخص فتنہ باز لوگوں کا امام ہے حضرت عثمان نے فرمایا میرے بھتیجے! نماز بہت اچھا عمل ہے جب لوگ اچھے کام کریں تو آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر اچھے کام کرو اور جب لوگ برے عمل کریں تو آپ ان سے کنارہ کش رہیں۔ (بخاری)

یاد رہے فاسق اور بدعتی کی نماز اپنے مقام پر درست ہے جب مقتدی اس کے پیچھے نماز ادا کرے تو اس کی نماز باطل نہ ہو گی لیکن جس شخص نے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کو مکروہ جانا ہے اس کا کہنا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے۔

ہاں جو شخص بدعات اور فسق و فجور کو شہرت دیتا ہے اس کو مسلمانوں کا امام نہ بنایا جائے وہ تعزیر کے قابل ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اگر اس سے بائیکاٹ کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے تو یہ مستحسن ہے اور جب کچھ لوگ ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتے بلکہ کسی دوسرے کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں اس سے اگر اس پر کچھ اثر ہوا تو وہ تائب ہو گیا تو بہتر ہے ورنہ اس کو منصب سے الگ کر دیا جائے تاکہ اس قسم کے گناہوں سے بچا جائے دیکھئے جب اس طرح کے انسان کے پیچھے لوگ نماز ترک کر دیں گے تو اس میں مصلحت شرعیہ موجود ہے پھر دوسرے امام کی موجودگی میں جمعہ اور جماعت باقاعدگی سے ہو رہے ہیں ہاں اگر اس کے پیچھے نماز ادا نہ کرنے سے جمعہ اور جماعت فوت ہو جائیں کوئی متبادل مناسب انتظام

نہ ہو سکے تو ایسی شکل میں جو لوگ اس کی اقتدا چھوڑ دیں گے وہ بدعتی ہوں گے اور صحابہ کرام کی مخالفت کریں گے اسی طرح جب حاکم وقت نے کسی انسان کو امام متعین کیا ہے تو اس کی اقتدا میں نماز نہ ادا کرنے میں کوئی شرعی مصلحت نہیں ہے لہٰذا اس کی اقتدار میں نماز نہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ اس کی اقتدار میں نماز ادا کرنا افضل ہے جہاں تک کسی انسان کے لئے ممکن ہے وہ مسئلہ امامت میں معین امام کی مخالفت نہ کرے خاص طور پر اس وقت جب کہ اس کو امامت سے الگ کرنے سے عظیم شر کے پیدا ہونے کا احتمال ہو ایسی صورت میں قلیل فساد کو ختم کرنا اور عظیم شر کو دعوت دینا دانشمندی نہیں ہے ظاہر ہے کہ شریعت میں تو مصالح کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے شریعت مصالح کی تکمیل اور مفاسد کی بیخ کنی میں کوشاں ہے پس جمعہ، جماعت کو فوت کرنا اس میں زیادہ نقصان ہے بنسبت اس نقصان کے جو فاسق فاجر امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے خصوصاً جب اقتدا نہ کرنے سے اس کا فسق و فجور ختم نہیں ہوتا البتہ اگر نمازوں کی امامت کے لئے کسی نیک انسان کا تعین ممکن ہے تو فاجر امام کے پیچھے نمازیں ادا کرنے سے بہتر ہے جب بلا عذر کسی فاسق، فاجر کے پیچھے نماز ادا کرے تو اس مسئلہ میں علماء مختلف الخیال ہیں بعض نے کہا نماز کا اعادہ کرے بعض نے کہا نماز کا اعادہ نہ کرے تفصیل کے لئے فروعی کتابیں دیکھئے امام جب بھول جائے یا اس سے خطا ہو جائے مقتدی کو اس کے حال کا علم نہ ہو سکے تو مقتدی پر نماز کا اعادہ نہیں ہے جیسا کہ پہلے یہ بات ایک حدیث میں گذر چکی ہے حضرت عمر نے بحالت جنابت بھول کر نماز کی امامت کی تو نماز کا اعادہ کیا لیکن مقتدیوں کو اعادہ کا حکم نہ دیا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر مقتدی کو نماز ادا کرنے کے بعد علم ہوا کہ امام بے وضو تھا تو وہ نماز کا اعادہ کرے امام شافعی امام احمد امام مالک ان کے مخالف ہیں اسی طرح سے اگر امام ایسا عمل کرے جو مقتدی کے نزدیک درست نہ ہو تو تفصیلات کے لئے فروع کا مطالعہ کریں اگر مقتدی کو علم ہو جائے کہ امام بے وضو نماز پڑھاتا ہے تو چونکہ امام لہو و لعب کرنے والا ہے اس لئے مقتدی اس کے پیچھے نماز ادا نہ کرے۔

کتاب و سنت کے نصوص اور اسلاف کا اجماع اس بات پر دال ہے کہ حاکم وقت، نمازوں کا امام ماتحت حاکم، فوج کا کمانڈر، زکوٰۃ فراہم کرنے والا اجتہادی مسائل میں ان کی اطاعت کی جائے یہ لوگ اپنے ماتحت لوگوں کی اطاعت نہ کریں بلکہ ماتحت لوگ

اپنی رائے چھوڑ کر ان کی اطاعت کریں اتفاق و اتحاد کا یہی تقاضا ہے کہ اختلافات سے بچا جائے بلاشبہ مسائل جزئیہ میں اختلاف کرنے سے بدرجہا اتفاق و اتحاد کی فضا کو برقرار رکھنا عظیم کام ہے اسی بنیاد پر حکام کے لئے بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کسی دوسرے عالم کے فیصلہ کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کریں سے مراد صواب یہی ہے کہ تمام ایک دوسرے کی اقتدار میں نماز ادا کریں۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ ہارون رشید کے ساتھ حج کرنے گئے۔ ہارون رشید نے پچھنے لگوائے امام مالک نے فتویٰ صادر کیا کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چنانچہ خلیفہ نے پہلے وضو کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھائی امام ابو یوسف سے دریافت کیا گیا آپ نے بھی ان کی اقتدار میں نماز ادا کی ہے انھوں نے جواباً کہا سبحان اللہ! امیر المومنین نماز پڑھا رہے تھے مقصد یہ تھا کہ امیر المومنین کی اقتدار میں نماز ادا نہ کرنا اہل بدعت کا شیوہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ملاحظہ فرمائیں جو بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے آئمہ تمھیں نماز پڑھائیں گے اگر صحیح نماز پڑھائیں تو سب کی نماز صحیح ہے اگر صحیح نہ پڑھائی تو تمھاری نماز صحیح ہو گی ان کی غیر صحیح ہو گی، یہ حدیث نص صریح ہے کہ امام جب خطا کرتا ہے تو اس کی خطا اس پر واقع ہوتی ہے مقتدی پر اثر انداز نہیں ہوتی خیال رہے مجتہد اگر خطاً کسی واجب کو واجب نہیں سمجھتا یا کسی ناجائز فعل کو خطاً ناجائز نہیں سمجھتا تو اس پر کچھ حرج نہیں اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس حدیث صریح کی مخالفت کرے یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جن کا نظریہ ہے خواہ وہ شوافع ہوں یا احناف یا حنابلہ کہ امام جب ایسا عمل چھوڑ دے جس کو مقتدی واجب سمجھتا تھا تو اس کی اقتدا درست نہیں اس لئے کہ اتحاد و اتفاق کا خیال رکھنا ضروری ہے نیز جس اختلاف سے فساد کا اندیشہ ہو اس کا ترک بھی ضروری ہے۔

شیخ طحاوی کا قول ہے کہ جو شخص ان میں سے فوت ہو جائے ہم ان کا نماز جنازہ ادا کریں گے یعنی ان میں سے جو لوگ فوت ہوں گے خواہ وہ نیکوکار ہوں یا فاجر فاسق ہوں ہم ان کا نماز جنازہ ادا کریں گے اس عموم سے باغیوں، ڈاکوؤں اور خودکشی کرنے والوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک یہ استثناء درست نہیں البتہ ان میں سے جو شہید ہو جائے اس کا نماز جنازہ ادا کیا جائے گا البتہ امام شافعی امام مالک اس کے خلاف ہیں۔ شیخ طحاوی کا مقصد یہ ہے کہ ہم اہل بدعت اور فاسق فاجر

لوگوں کا نماز جنازہ ادا کریں گے البتہ وہ لوگ جو اسلام کا اظہار کرتے ہیں دو قسم کے ہیں مومن ہیں یا منافق ہیں جب ہمیں کسی کے نفاق کا یقین ہوگا تو نہ اس کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ اس کے لیئے مغفرت کی دعا کی جائے گی اور جس کے نفاق کا یقین نہ ہو اس کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا اگر کسی شخص کو کسی کے نفاق کا علم ہی نہیں تو وہ اس کا جنازہ پڑھ سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے جس کا جنازہ حضرت حذیفہ نہ پڑھتے اس لئے کہ انھیں جنگ تبوک میں منافقین کا علم ہو گیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کا جنازہ ادا کرنے سے روک دیا تھا اور آپ کو خبردار کر دیا تھا کہ اگر آپ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں گے تو اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے پس جس شخص کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے اس کا نماز جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا جائے گا اگرچہ اس میں اعتقادی یا عملی گناہ کیوں نہ ہوں اور وہ بدعات اور فسق و فجور کا مرتکب کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایمانداروں کے لئے مغفرت طلب کی جائے ارشاد خداوندی ہے ۔

فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد ۱۹)

ترجمہ:۔ پس جان رکھو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مرد اور عورتوں کے لئے بھی ۔

اللہ تعالیٰ نے توحید نیز اپنے ایماندار مردوں عورتوں کے لئے استغفار کا حکم دیا ہے پس توحید دین کا اصل ہے اور استغفار سے دین کو کمال حاصل ہوتا ہے تو ان کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کرنا واجب ہے یا مستحب ہے عام ہے یا خاص ہے خاص سے مراد میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنا کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو مومن فوت ہوتا ہے اس کا جنازہ ادا کرنے کا تمام ایمانداروں کو حکم دیا گیا ہے نیز وہ اس کے حق میں دعا کریں، چنانچہ ابوداؤد ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جب تم میت کا جنازہ ادا کرو تو خالص اس کے لئے دعا کرو ۔

(ط) ہم ان میں سے کسی کو حتمی طور پر جنتی اور دوزخی نہیں کہتے ہیں ۔

(مثق) مقصود یہ ہے کہ ہم اہل قبلہ کے کسی انسان کے بارے میں تعین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں جنتی ہے فلاں دوزخی ہے ہاں جس شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاع دی ہے (جیسا کہ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام ہیں) ان کو حتمی طور پر ہم جنتی کہیں گے اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کبائر کے مرتکبین سے جس شخص کو اللہ چاہے گا دوزخ میں گرائے گا اس کے بعد شفاعت کرنے والوں کی سفارش کے ساتھ دوزخ سے نکالے گا لیکن کسی معین انسان کے بارے میں ہم توقف اختیار کریں گے اس کو جنتی یا دوزخی نہیں کہیں گے اس لئے کہ اس کی حقیقت ہماری نظروں سے اوجھل ہے نہ ہی ہمیں اس بات کا علم ہے کہ اس کی موت کس پر ہوئی۔ بس ہم تو نیکوکاروں کے لئے امیدوار ہیں اور بدکاروں کے لئے خائف ہیں۔ کسی شخص کے لئے جنت کی گواہی کے بارے میں سلف کے تین قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف انبیاء کے لئے جنت کی شہادت دی جائے یہ قول محمد بن حنفیہ اور اوزاعی کا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ جس مومن کے لئے نص موجود ہے اس کے حق میں جنت کی شہادت دی جائے گی یہ قول اکثر علماء اور محدثین کا ہے تیسرا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے حق میں بھی جنت کی شہادت دیں گے جن کے بارے میں اچھا ندار شہادت دیں گے صحیحین میں ہے ایک جنازہ گزرا لوگوں نے اس کی تعریف کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعریف واجب ہوگئی پھر ایک اور جنازہ گزرا لوگوں نے اس کے حق میں برے کلمات کہے آپؐ نے فرمایا آپ کا برا کہنا واجب ہوگیا حضرت عمرؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! کیا واجب ہوگیا آپ نے فرمایا اس کے حق میں تم نے اچھے کلمات کہے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور اس دوسرے کے حق میں تم نے برے کلمات کہے تو اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو[1]۔ نیز ارشاد نبوی ہے: قریب ہے کہ تم جنتیوں کی جہنمیوں سے تمیز کر سکو گے صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے آپ نے فرمایا کسی کی تعریف کرنا کسی کی مذمت کرنا پس آپ نے بتا دیا کہ اس طرح جنت والوں اور دوزخ والوں کو معلوم کیا جا سکے گا۔

(ط م) ہم ان پر کفر، شرک، نفاق کی گواہی نہیں دیتے ہیں جب تک کہ ان سے ان باتوں کا ظہور نہ ہو اور ہم ان کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

[1] حدیث صحیح ہے احکام الجنائز للعلامہ البانی ص ۴۴۔

(ش) ہمیں ظاہر دیکھ کر حکم لگانے کا حکم دیا گیا ہمیں ظن اور بلا علم کسی بات کے کہنے سے روکا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ (الحجرات ۱۱)

ترجمہ:۔ مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔

نیز فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات ۱۲)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔

نیز فرمایا:۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ (الاسراء ۳۶)

ترجمہ:۔ اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

(ط) ہم امت محمدیہ میں سے کسی پر بھی تلوار چلانے کی اجازت نہیں دیتے ہاں جس پر تلوار چلانا ضروری ہو۔

(ش) صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی ایسے مسلمان کا خون گرانا حلال نہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ہاں تین باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے خون گرانا درست ہے۔

شادی شدہ انسان زنا کرے، نفس کو نفس کے بدلے قتل کیا جائے گا، جو دین اسلام چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔

(ط) ہم اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ حکام وقت کے خلاف بغاوت کریں اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ نہ ہی ہم ان پر بددعا کریں۔ بلکہ ہمیں ان کی اطاعت سے دستکش نہیں ہونا چاہیے اور ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی طرح فرض سمجھیں جب تک کہ وہ نافرمانی

لہ سند حسن کا احتمال رکھتی ہے ابن ابی زہیر ثقفی اپنے باپ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں (ابن ماجہ) (۴۲۴۲) (احمد ۳/۴۱۶، ۶/۲۶۴) زوائد میں اس کی سند کو صحیح کہا اور رواۃ ثقہ ہیں۔ میں کہتا ہوں اس ابوبکر سے صرف دو راویوں نے بیان کیا ہے ابن حبان کے علاوہ کسی نے اس کو ثقہ قرار نہیں دیا (۱/۲۶۷) تقریب میں مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ کمزور حدیث والا ہے۔

کا حکم نہ دیں اور ہم ان کے حق میں صلاحیت اور عافیت کی دعا کریں۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ: مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔

صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو شخص امیر کی اطاعت کریگا اس نے میری اطاعت کی اور جو شخص امیر کی نافرمانی کرے گا اس نے میری نافرمانی کی[1]۔

نیز حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ میرے دوست نے مجھے وصیت کی کہ میں (امیر کی) سمع واطاعت کروں اگرچہ وہ حبشی غلام ہو جس کے اعضا کٹے ہوئے ہیں[2]۔ بخاری میں ہے اگرچہ اس کا سر منقہ جیسا ہو[3]۔ نیز بخاری، مسلم میں ہے مسلمان پر سمع واطاعت ہے اس چیز میں جس کو وہ اچھا جانتا ہے اور برا جانتا ہے ہاں اگر اس کو نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر سمع اطاعت نہیں ہے۔

نیز حضرت حذیفہ بن یمان بیان کرتے ہیں کہ دوسرے صحابہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوال کرتے اور میں آپ سے شر کے بارے میں سوال کرتا تھا مجھے خطرہ رہتا کہ کہیں مجھے شر نہ آئے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت کے برے دور میں تھے اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا کیا اس خیر کے بعد شر بھی ہے آپ نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا اس میں کچھ ملاوٹ ہوگی میں نے عرض کیا جناب کیا ملاوٹ ہوگی آپ نے فرمایا کچھ لوگ میرا طریقہ نہیں اختیار کریں گے اور میری راہنمائی میں نہیں چلیں گے ان میں کچھ اچھی باتیں ہوں گی اور کچھ بری باتیں بھی ہوں گی میں نے عرض کیا اس خیر کے بعد شر ہوگا آپ نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا دوزخ کے دروازوں پر کچھ بلانے والے ہوں گے جو ان کی دعوت پر لبیک کہے گا وہ اس کو دوزخ میں گرادیں گے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ان کی وضاحت فرمائیں آپ نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا ہم میں سے کچھ لوگ مضبوط ہوں گے وہ ہماری طرح گفتگو کریں گے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کی کیا رائے ہے جب میں اس دور کو دیکھوں آپ نے فرمایا تو مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے

---

[1] بخاری، مسلم ابوہریرہ راوی ہیں [2] مسلم [3] بخاری [4] بخاری، مسلم ابن عمر راوی ہے۔

ساتھ رہے میں نے عرض کیا اگر امام اور جماعت نہ ہوں آپ نے فرمایا تو پھر ان تمام جماعتوں سے کنارہ کش ہو جاؤ اگرچہ تجھے جنگل کی زندگی گذارنی پڑے اور درختوں کی چھال کھانی پڑے یہاں تک کہ اسی حالت پر تجھ کو موت آجائے (بخاری مسلم)

نیز ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے امیر سے کسی مکروہ عمل کو دیکھے تو وہ صبر کرے اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت دور ہوا اور فوت ہو گیا تو وہ جاہلیت پر فوت ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔[1]

نیز حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے جو بعد والا ہے اس کو قتل کر دو۔ (مسلم، احمد)

نیز حضرت عوف بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بہترین امام وہ ہوں گے کہ تم ان سے محبت کرو گے اور وہ تم سے محبت کریں گے اور تم ان کے حق میں دعا کرو گے وہ تمہارے حق میں دعا کریں گے اور تمہارے بدترین امام وہ ہوں گے جن کو تم برا جانو گے اور وہ تمہیں برا جانیں گے اور تم ان پر لعنت کرو گے اور وہ تم پر لعنت کریں گے ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت ہم انھیں تلوار کے ساتھ ختم نہ کر دیں آپ نے فرمایا جب تک کہ وہ تم میں نماز کی اقامت کا خیال رکھیں اس وقت تک انھیں کچھ نہ کہو خبردار جس پر کوئی شخص حاکم بنایا گیا اس نے دیکھا کہ وہ اللہ کی نافرمانی کے کام کرتا ہے اس کو برا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے دستکش نہ ہو (مسلم)

بلاشبہ کتاب وسنت اولوالامر کی اطاعت کے وجوب پر دال ہے جب تک کہ وہ نافرمانی کا حکم نہ دیں اللہ پاک کے اس قول پر غور کیجئے ارشاد خداوندی ہے:۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ:۔ اللہ کی اطاعت کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو اور جو تم میں حکومت والے ہیں۔

غور فرمائیے کہ رسول کے ساتھ تو لفظ اطیعوا کا ذکر ہے لیکن اولوالامر کے ساتھ لفظ اطیعوا کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اس لئے کہ اولوالامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے بلکہ ان کی اطاعت اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کے ماتحت ہے اور رسول کے ساتھ اطاعت کے اعادہ کا مطلب ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اس لئے

---

[1] مسلم [2] صحیح ہے مسند احمد ۴/۱۲۰ لیکن ابن عابر سے نہیں شارح کو وہم ہے۔

کہ رسول غیر اللہ کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا وہ معصوم ہے ہاں اولوالامر سے ممکن ہے کہ وہ غیر اللہ کی اطاعت کا حکم دیں لہٰذا ان کی اطاعت ان کاموں میں کی جاتی ہے جن میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ہاں ان کے ظلم کی صورت میں بھی ان کی اطاعت اس لیئے ضروری ہے کہ ان کی عدم اطاعت پر جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں وہ انکے ظلم سے کہیں زیادہ دوررس بُرے اثرات کے حامل ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے ظلم پر صبر کرنے میں گناہ دور ہوتے ہیں اور ثواب میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے دراصل ہمارے بُرے اعمال کے بدلے میں وہ ہم پر مسلط کیے گئے اب ظاہر ہے جس طرح کا عمل ہوتا ہے اسی طرح کا بدلہ دیا جاتا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اصلاح عمل کے ساتھ ساتھ استغفار اور توبہ کریں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ ۳۰)

ترجمہ:۔ اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمھارے اپنے فعلوں سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے

نیز فرمایا:۔ اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران ۱۶۵)

ترجمہ:۔ (بھلا یہ) کیا (بات ہے) جب (احد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمھارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آپڑی کہہ دو کہ یہ تمھاری شامت اعمال ہے۔

نیز فرمایا:۔ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (النساء ۷۹)

ترجمہ:۔ (اے آدم زاد) تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال) کی وجہ سے ہے۔

نیز فرمایا:۔ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (الانعام ۱۳۰)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو ان کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔

پس اگر رعایا ظالم امیر کے ظلم سے رستگاری چاہتی ہے تو وہ ظلم ترک کر دیں مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی بعض کتابوں میں ہے میں اللہ مالک الملک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں جس شخص نے میری اطاعت کی اس پر میں نے بادشاہوں کو رحیم بنا دیا اور جس نے

میری نافرمانی کی اس پر میں نے ان کو عذاب کی صورت میں مسلط کر دیا پس تم بادشاہوں کو گالی گلوچ نہ کرو توبہ کرو ان کا میلان آپ کی طرف ہو جائے گا۔[۵]

(ط) ہم سنت اور جماعت کی اتباع کرتے ہیں اور اختلاف علیحدگی سے بچاؤ اختیار کرتے ہیں۔

(ش) سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور جماعت سے مسلمانوں کی جماعت صحابہ کرام اور قیامت تک ان کی اتباع کرنے والے لوگ مراد ہیں ان کی اتباع سراپا ہدایت ہے اور ان کی مخالفت سراپا گمراہی ہے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ:۔ (اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو تم میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

نیز فرمایا:۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء ۱۱۵)

ترجمہ:۔ اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے تو ہم اس کو ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

نیز فرمایا:۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ (النور ۵۴)

ترجمہ:۔ کہہ دو کہ تم خدا کی فرمانبرداری کرو اور رسول (خدا) کے حکم پر چلو اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا) ادا کرنا ہے جو ان کے ذمہ ہے اور تم پر اس چیز کا ادا کرنا ہے جو تمہارے ذمہ ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو تم سیدھا رستہ پا لو گے اور رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

---

[۵] اسرائیلی روایت ہے بعض ضعیف راویوں نے اس کو مرفوع بنا دیا ہے طبرانی فی الاوسط میں یہ حدیث الادرداء سے ہے امام ہیثمی نے (۵/۲۴۹) پر بیان کیا ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن راشد متروک راوی ہے۔

نیز فرمایا:۔ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (الانعام ۱۵۴)

ترجمہ:۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پہ چلنا اور اور راستوں پر نہ چلنا خدا کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا خدا تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

نیز فرمایا:۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (آل عمران ۱۰۵)

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے اور احکام بینہ آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف) واختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں جنکو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا۔

نیز فرمایا:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔ (الانعام ۱۶۰)

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے ہیں اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں انکا کام خدا کے حوالے ہے پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ انکو (سب) بتائے گا۔

سنن کی کتابوں میں عرباض بن ساریہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کو امام ترمذی نے صحیح کہا ہے اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑا اثر وعظ فرمایا جس سے ہماری آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل کانپنے لگے ایک صحابی نے عرض کیا یہ تو الوداعی وعظ معلوم ہو رہا ہے آپ ہمیں کسی بات کے خیال رکھنے کا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں تمھیں سمع واطاعت کی وصیت کرتا ہوں بے شک شان یہ ہے جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا پس تمھارے لئے ضروری ہے کہ تم میری اور میرے خلفاء راشدین ہدایت یافتہ کی سنت سے تمسک اختیار کرو اور اس کو نہایت مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو نیز اپنے آپ کو بدعات سے بچاؤ بے شک ہر بدعت گمراہی ہے[۱]۔ نیز آپ نے فرمایا بے شک اہل کتاب کے بہتر فرقے بن گئے میری امت کے تہتر فرقے بن جائیں گے تمام اپنی خواہشات کے (پجاری) دوزخ میں جائیں گے صرف ایک فرقہ (جنتی ہے) اور وہ جماعت ہے[۲]۔ ایک روایت میں ہے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون فرقہ ہے آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں[۳]۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا کہ اکثر اختلاف کرنیوالے تباہ وبرباد ہونے والے ہیں۔ اہلسنت والجماعت ان سے مستثنیٰ ہیں۔

---

[۱] حدیث صحیح ہے جیسا کہ امام ترمذی نے اسکو صحیح کہا ہے (الاروا ۲۴۵۵) السنۃ لابن ابی عاصم رقم (۳۱/۵۴) [۲] حدیث صحیح ہے الاحادیث الصحیحہ ۲۰۳/۴ (۲۰۴) السنۃ کی تخریج بھی دیکھیں [۳] اس روایت میں ضعف ہے ترمذی نے الایمان میں حسن کہا ہے۔

عبداللہ بن مسعود کا قول کس قدر عمدہ ہے جب وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے کسی راہ پر چلنے والا ہے وہ فوت شدہ لوگوں کا راہ اختیار کرے اس لئے کہ زندہ انسان کے بارے میں فتنہ سے امن میں نہیں رہا جا سکتا دیکھئے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں جو امت محمدیہ میں سب سے افضل ہیں دلوں میں نیکی موجزن ہے علم میں گہرائی ہے تکلفات سے دور ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرما لیا ہے پس ان کے فضائل کا اعتراف کرو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور استطاعت کے مطابق ان کے طریقہ اور اخلاق کا اتباع کرو یقیناً وہ لوگ سیدھے راہ پر تھے اس کی مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آ جائے گی۔

(ط) ہم اہل عدل، اہل امانت سے محبت کرتے ہیں اور ظالموں، خائنوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔

(ش) یہ کمال درجہ کا ایمان اور کمال درجہ کی عبودیت ہے ظاہر ہے کہ عبادت محبت کے کامل ہونے اور انتہائی ذلت کا تقاضا کرتی ہے پس اللہ کے رسولوں، پیغمبروں اور ایمان دار لوگوں کے ساتھ محبت کرنا اللہ کے ساتھ محبت کرنا ہے اگرچہ وہ محبت جو اللہ کے ساتھ ہے اس کا مستحق اللہ کا غیر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ غیر اللہ کی محبت اللہ کی محبت میں ہے۔ اللہ کے مقابلہ میں نہیں ہے ظاہر ہے کہ محب اس چیز کو محبوب جانتا ہے جس سے محبوب کو محبت ہے اور اس سے اس کو بغض ہے جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے جس سے اس کی دوستی ہے اس سے اس کی بھی دوستی ہے اور جس سے اس کی دشمنی ہے اس سے اس کی بھی دشمنی ہے وہ اس کی رضا پر راضی رہتا ہے اور اس کی ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے وہ اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس کا وہ حکم دیتا ہے اور جس چیز سے وہ روکتا ہے اس سے وہ بھی روکتا ہے وہ ہر حالت میں اپنے محبوب کی موافقت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی احسان کرنے والوں پرہیزگاروں، توبہ کرنے والوں، پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اور اللہ خیانت کرنے والوں فسادیوں اور تکبر کرنے والوں کو اچھا نہیں جانتا اور ہم بھی ان سے محبت نہیں کرتے نیز ہم اللہ کی موافقت کرتے ہوئے ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ بخاری، مسلم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے جس شخص میں تین چیزیں ہیں وہ ایمان کی حلاوت پائے گا جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسویٰ سے زیادہ محبوب ہے وہ شخص جو کسی انسان سے صرف اللہ کے لئے محبت کرتا ہے اور وہ شخص جو محبوب گردانتا ہے کہ وہ کفر کی جانب چلا جائے جب کہ اللہ نے اس کو

اس سے نجات عطا کی ہے جیسا کہ وہ محبوب گردانتا ہے کہ وہ دوزخ میں گرایا جائے پس مکمل محبت اس بات کو مستلزم ہے کہ محبوب کی پسند اور ناپسند میں اس کی موافقت کی جائے اور جس سے اس کی دوستی ہے اس سے دوستی رکھی جائے اور جس سے اس کی دشمنی ہے اس سے دشمنی کی جائے اور یہ بات بالکل ظاہر باہر ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے انتہائی محبت رکھتا ہے وہ اس کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھے گا نیز وہ ان چیزوں کو بھی محبوب سمجھے گا جن کو اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے مثلاً اس کے دشمنوں سے جہاد کرنا۔ ارشاد خداوندی ہے

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصف ۴)

ترجمہ:۔ جو لوگ خدا کی راہ میں (ایسے طور پر) پرے جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں وہ بے شک محبوب کردگار ہیں۔

پس محبت اور دشمنی کا معیار اخلاق حمیدہ اور اخلاق فاسدہ ہیں انسان میں محبت اور دشمنی کے اسباب مجتمع ہو جاتے ہیں اس لئے وہ من وجہ محبوب اور من وجہ مبغوض ہوتا ہے فیصلہ غالب کے حق میں ہوگا اسی طرح اللہ کے ہاں بندے کا معاملہ ہے اللہ پاک ایک چیز کو ایک لحاظ سے محبوب اور دوسرے لحاظ سے مبغوض سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے آپ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اللہ نے فرمایا میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جب کہ میں نے اسے کرنا ہے البتہ مجھے اپنے بندے مومن کی روح قبض کرنے میں تردد ہوتا ہے اس لئے کہ بندہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اسے تکلیف دینے کو مکروہ جانتا ہوں حالانکہ اسے موت سے بچاؤ نہیں ہے اس میں وضاحت ہے کہ اللہ تردد فرماتے ہیں اس لئے کہ تردد دو ارادوں کے تعارض کا نام ہے۔ پس اللہ پاک اس چیز کو دوست جانتے ہیں جس کو اس کا مومن بندہ دوست سمجھتا ہے اور جس چیز کو وہ مکروہ جانتا ہے اس کو وہ بھی مکروہ جانتا ہے چونکہ مومن بندہ موت کو مکروہ جانتا ہے اس لئے اللہ بھی اس کو مکروہ جانتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے موت کا فیصلہ فرما دیا ہے تو وہ اس کا نفاذ کرے گا مزید برآں موت سے مومن بندے کو محبوب حاصل ہوگا (بخاری مسلم)

(ط) جس کا علم ہم پر مشتبہ ہے اس کے بارے میں ہم کہیں گے کہ اللہ اس کو جانتا ہے

(ش) شیخ کے کلام میں پہلے گذر چکا ہے کہ دین اسلام میں وہی انسان سلامتی والا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیا اور مشتبہ چیزوں کے

علم کو ان کے جاننے والے کی طرف سپرد کر دیا اور جو شخص بلا علم گفتگو کرتا ہے وہ اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے :-

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ (القصص ۵۰)

ترجمہ :۔ اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔

نیز فرمایا :- وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ، كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ (الحج ۳-۴)

ترجمہ :۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا (کی شان) میں علم (ودانش) کے بغیر جھگڑتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں جس کے بارے میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست رکھے گا تو وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور دوزخ کے عذاب کا رستہ دکھائے گا۔

نیز فرمایا :- الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (غافر ۳۵)

ترجمہ :۔ جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک جھگڑا سخت ناپسند ہے اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

نیز فرمایا :- قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (الاعراف ۳۳)

ترجمہ :۔ کہہ دو کہ میرے پروردگار نے بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور گناہ کو ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہو جس کا تمھیں کچھ علم نہیں۔

اللہ پاک نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جن باتوں کو آپ نہیں جانتے ہیں ان کے علم کو اللہ کی جانب رد فرمائیں ارشاد خداوندی ہے :-

قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (الکہف ۲۶)

ترجمہ:۔ کہہ دو جتنی مدت وہ رہے اسے خدا ہی خوب جانتا ہے اسی کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب مشرکین کے بچوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ جانتا ہے کہ انھوں نے کون سے اعمال کرنے تھے۔ (بخاری ومسلم)

نیز حضرت عمرؓ کا قول ہے دین میں اپنی رائے کو متہم سمجھو اگر آپ ابو جندل کے واقعہ کے واقعہ کے دن مجھے دیکھ پاتے جب کہ میں اپنی رائے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کر رہا تھا یہ میرا بھرپور اجتہاد تھا تحریر لکھی جا رہی تھی آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر کرو اس نے کہا باسمک اللہم تحریر کرو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی کا اظہار فرمایا میں نے انکار کیا آپ نے فرمایا اے عمرؓ! تو مجھے دیکھتا ہے کہ رضامند ہوں تو پھر تو کیوں انکار کر رہا ہے[1] نیز حضرت عمرؓ نے کہا سنت وہ ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے بیان فرمایا پس تم کسی کی غلط رائے کو امت کے لئے سنت قرار نہ دو نیز حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور مجھ پر کونسا آسمان سایہ کرے گا اگر میں اللہ کے بارے میں اپنی رائے کا اضافہ کر دوں۔

حسن بن حلوانی نے عارم سے اس نے حماد بن زید سے اس نے سعید بن ابی صدقہ سے اس نے ابن سیرین سے اس نے بیان کیا علم کے بغیر باتیں کرنے میں ابوبکر سے زیادہ کوئی شخص خائف نہ تھا اور ابوبکر کے بعد علم کے بغیر باتیں بیان کرنے میں کوئی شخص حضرت عمرؓ سے زیادہ خائف نہ تھا اور ابوبکر کے پاس ایک واقعہ آیا کتاب اللہ سے اس کی دلیل نہ مل سکی نہ ہی سنت رسول سے اس کا اثر مل سکا تو پھر آپ نے اجتہاد کیا اور کہا یہ میری رائے ہے اگر درست ہوگی تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہوگی تو میری طرف سے ہے اس پر میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

(ط) ہم سفر حضر میں دونوں موزوں پر مسح کے جواز کے قائل ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے

---

[1] طبرانی فی الکبیر ۱/۷۵ ، ابن حزم فی الاحکام ۶/۴۶ / فضالہ بن مبارک کے علاوہ رواۃ ثقہ ہیں وہ مدلس ہے کما فی التقریب پھر اس نے عن کے صیغہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد ۱/۱۷۹ میں کہا اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا اس کے رواۃ موثق ہیں اگرچہ ان میں مبارک بن فضالہ ہے دوسرے مقام ۶/۱۴۵-۱۴۶ میں کہا اس نے طویل روایت کیا لیکن اس نے مکمل بیان نہیں کیا بزار نے بھی روایت کیا رواۃ صحیح ہیں اس کا پہلا ٹکڑا الصحیحین میں سھل بن حنیف کا قول ہے

دش) دونوں موزوں پر مسح اور دونوں پاؤں کے دھونے کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے البتہ روافضیہ اس سنت متواترہ کی مخالفت کرتے ہیں ہم ان سے کہیں گے جن صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے مسائل کو قولاً وعملاً ذکر کیا ہے اور جنھوں نے آپ سے وضو کرنا سیکھا آپ کی موجودگی میں وضو کیا آپ نے انھیں اس پر برقرار رکھا پھر انھوں نے اس کو تابعین کی طرف نقل کیا ان کی تعداد ان صحابہ سے زیادہ ہے جنھوں نے وضو کی آیت کو نقل فرمایا ظاہر ہے کہ تمام صحابہ کرام آپ کے زمانہ میں وضو فرماتے آپ سے ہی انھوں نے وضو کرنا سیکھا اس لئے کہ دور جاہلیت میں وضو کا طریقہ نہ تھا پھر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا ہی جانتا ہے کہ کتنی بار وضو کرتے ہوئے دیکھا انھوں نے آپ سے پاؤں کے دھونے کا ذکر کیا کثرت کے ساتھ احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ایڑیوں اور پاؤں کے نچلے حصوں کے لئے ویل دوزخ ہے۔ لیکن اگر پاؤں کے اوپر کے حصے کا مسح فرض ہوتا تو پھر سارے پاؤں کا دھونا ایک ایسی تکلیف ہوتی جس کی طرف طبعًا میلان نہ ہوتا جیسا کہ اقتدار اور مال کی جانب طبعًا میلان ہے پس اگر صفت وضو کے تواتر میں طعن جائز ہے تو آیت وضو کے الفاظ نقل کرنے میں بالاولیٰ طعن جائز ہے اگر یہ کہا جائے کہ آیت کے الفاظ تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جس میں کذب اور خطا کا امکان نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ وضو کے نقل میں بھی تواتر اکمل طور پر ثابت ہے اس لئے کہ لفظ مسح جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد پہنچنا اور بہانا دونوں ہیں جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں تمسحت للصلوٰۃ میں نے نماز کے لئے پانی بہایا نیز آیت میں پاؤں کے مسح سے مراد وہ مسح نہیں جو غسل دھونے کے بالمقابل ہے بلکہ وہ مسح ہے جو غسل کی قسم ہے اس لئے کہ اللہ نے کعبین کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ کعاب جمع کا صیغہ ذکر نہیں فرمایا جب کہ مرافق جمع کا صیغہ ہے معلوم ہوا کہ ٹخنہ ایک پاؤں میں ایک نہیں جیسا کہ ایک ہاتھ میں ایک کہنی ہے بلکہ ایک پاؤں میں دو ٹخنے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے مسح کا حکم دو ٹخنوں تک دیا ہے تو اس لحاظ سے اس مسح سے مراد غسل دھونا ہے ظاہر کہ جو شخص پاؤں کے اوپر کے حصہ کا مسح کرے گا لیکن مسح کی غایت کعبین اس کا رد کر رہی ہے پس ان کا یہ دعویٰ کہ پاؤں کا فرض مسح کعبین

تک ہے اس سے مراد پنڈلی اور قدم کے جمع ہونے کی جگہ مراد ہے جہاں تسمہ باندھا جاتا ہے ان کی یہ بات کتاب وسنت کے خلاف ہے نیز اس آیت کی دو دیگر مشہور قراتیں بھی ہیں ارجل پر زبر زیر ان دونوں کے اعراب کی توجیہہ اپنے مقام پر وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے ہاں زبر کی قرات تو دھونے کے وجوب پر نص ہے اس لئے کہ محل پر عطف اس وقت ہوتا ہے جب معنیٰ ایک ہو جیسے فلسنا بالجبال ولا الحدیدا ہم نہ پہاڑ ہیں نہ لوہا ہیں نیز مسحت برا سی و رجلی کا معنیٰ مسحت راسی ورجلی والا نہیں ہے بلکہ لفظ بامسح سے زیادہ معنیٰ کا فائدہ بخش رہا ہے یعنی کچھ پانی کو سر کے ساتھ ملانا لہٰذا ارجل کا عطف ایدی پر ہے اور سنت متواترہ اس معنیٰ کو ثابت کرتی ہے جس کو بعض لوگ ظاہر قرآن سے بھی سمجھتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے قرآن پاک کے الفاظ اور معانی بیان فرمائے جیسا کہ ابو عبدالرحمان سلمی نے بیان کیا کہ ہمیں ان لوگوں نے بتایا جو ہمیں قرآن پاک پڑھاتے تھے عثمان بن عفان عبداللہ بن مسعود وغیرہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس آیات پڑھ لیتے تو اس سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ اس کا معنیٰ نہ معلوم کر لیتے اور پاؤں کے ذکر میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ پاؤں پر تھوڑا پانی گرایا جائے جب کہ دیکھا گیا ہے کہ پاؤں کے دھونے میں پانی اسراف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے بہرحال مسئلہ واضح ہے کتب فروع میں بحث موجود ہے وہاں دیکھیں۔

(ط) حج اور جہاد قیامت تک کے لئے اولوالامر مسلمانوں کی رفاقت میں (خواہ وہ نیک ہوں یا فاسق فاجر ہوں) جاری رہیں گے ان دونوں کو نہ کوئی چیز باطل قرار دے سکتی ہے اور نہ ہی ان کو ختم کر سکتی ہے۔

(ش) اس سے شیخ رحمہ اللہ کا مقصد روافض کا رد ہے جب وہ کہتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ اب نہیں ہے ہاں جب آل محمد سے امام رضی کا ظہور ہوگا اور آسمان سے منادی کرنے والا منادی کرے گا کہ تم اس کا اتباع کرو تو پھر جہاد ہوگا ان کے قول کو باطل قرار دینے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں جب کہ انھوں نے امام کے بارے میں شرط لگائی ہے کہ وہ معصوم ہو اس شرط کے لئے کوئی دلیل نہیں بلکہ

بلکہ اسکے خلاف صحیح مسلم میں عوف بن مالک اشجعی سے مروی ہے اس نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور تم ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن کو تم برا جانتے ہو اور وہ تمہیں برا جانتے ہیں اور تم ان پر لعنت کرتے ہو وہ تم پر لعنت کرتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت ہم ان سے معاہدہ ختم نہ کر دیں آپ نے نفی میں جواب دیا اور کہا جب تک وہ تم میں اقامت صلوٰۃ کا خیال رکھتے ہیں نیز فرمایا جس شخص پر حکمران مقرر ہے پس وہ دیکھتا ہے کہ وہ نافرمانیوں کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اس کی نافرمانیوں کو برا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے دستکش نہ ہو جائے (حدیث صحیح ہے) اس مضمون کی احادیث پہلے بھی امامت کی بحث میں ذکر کی جا چکی ہیں خیال کیجئے اس حدیث میں امام کے معصوم ہونیکا ذکر نہیں ہے روافض اس مسئلہ میں تمام فرقوں سے زیادہ گمراہ ہیں جب کہ وہ امام معصوم کو امام معدوم سمجھتے ہیں جس سے دینی، دنیوی کچھ فائدہ نہیں نیز وہ مدعی ہیں کہ وہ ایسا امام ہے جسکا انتظار ہو رہا ہے اس کا نام محمد بن حسن عسکری ہے جو ان کے خیال سن دو صد ساٹھ ہجری میں سامرا غار میں داخل ہو گیا تھا اب انتظار ہے غار کے قریب خچر یا گھوڑا باندھ رکھتے ہیں تاکہ جب اس کا ظہور ہو تو وہ اس پر سوار ہو سکے۔ نیز معین اوقات میں وہاں پر ایسے منادی کرنے والوں کا بھی تقرر کرتے ہیں جو ندا کرتے ہیں اے ہمارے مولا! آپ ظہور فرمائیں اے ہمارے مولا! آپ ظہور فرمائیں اور وہاں اسلحہ کی نمائش بھی کرتے ہیں حالانکہ وہاں ان سے کوئی بھی لڑائی کرنے والا نہیں ہوتا اس کے علاوہ مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ کا قول ہے، اولوالامر خواہ وہ نیک ہوں یا فاسق فاجر ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ حج اور جہاد دونوں ایسے فرائض ہیں جو سفر کے ساتھ متعلق ہیں اس لحاظ سے ایسے حاکم کی ضرورت ہے جو لوگوں کی راہ نمائی کرے دشمنوں کا مقابلہ کرے یہ کام جس طرح نیک حاکم کے ساتھ پورا ہو سکتا ہے فاسق فاجر حاکم کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے

(ط) کراماً کاتبین کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم پر نگہبان بنایا ہے۔۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے،، وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (الانفطار ۱۰-۱۲)

ترجمہ:۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں عالی قدر (تمہاری باتوں کے) لکھنے والے جو تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ (ق ۱۷ - ۱۸)

ترجمہ:۔ (جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھتے ہیں لکھ لیتے ہیں کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

نیز فرمایا:۔ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (الرعد ۱۱)

ترجمہ:۔ اس کے آگے اور پیچھے خدا کے چوکیدار ہیں جو خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (الزخرف ۸۰)

ترجمہ:۔ کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں ہاں ہاں (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔ هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (الجاثیہ ۲۹)

ترجمہ:۔ یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔

نیز فرمایا:۔ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ (یونس ۲۱)

ترجمہ:۔ بے شک ہمارے فرشتے اس کو لکھ لیتے ہیں جو تم تدبیریں کرتے ہو۔

صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا تم میں رات دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور صبح، عصر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں فرشتے اللہ کی بارگاہ میں جاتے ہیں اللہ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ جواب دیتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس آئے تو وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم ان سے جدا ہوئے تب بھی وہ نماز میں مشغول تھے[1] ایک دوسری حدیث میں ہے بیشک تمہارے ساتھ وہ لوگ ہیں جو تم سے صرف قضاء حاجت اور جماع کے وقت جدا ہوتے ہیں ورنہ ساتھ رہتے ہیں پس تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔ کتب تفسیر میں ہے ہر انسان کے

[1] بخاری، مسلم بسلسلہ حدیث ضعیف ہے دیکھیں الاحادیث الضعیفہ (رقم ۱۴۲۲) راوی عبداللہ بن مسعود ہیں دارمی نے اسکو کتاب الرقاق میں ذکر کیا ہے۔ شیخ احمد شاکر لکھتے ہیں کہ اسلم کی میم پر کیا اعراب ہے اس پر بہت بڑا اختلاف ہے راجح مذہب یہ ہے کہ (دیکھیں ...)

دو فرشتے دائیں جانب اور دو فرشتے بائیں جانب ہوتے ہیں دونوں اعمال لکھتے ہیں دائیں طرف والے نیکیاں لکھتے ہیں اور بائیں طرف والے برائیاں لکھتے ہیں ان کے علاوہ دو فرشتے اور ہوتے ہیں جو حفاظت پر مامور ہوتے ہیں ایک پیچھے ایک آگے ہوتا ہے انسان دن بھر چار فرشتوں کے درمیان ہوتا ہے رات کو ان کے بدل چار فرشتے اور آجاتے ہیں جو حفاظت کرتے اور اعمال لکھتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَحْفَظُونَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ — وہ اس کی اللہ کے امر سے حفاظت کرتے ہیں

کی تفسیر میں عکرمہ حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ فرشتے آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں جب تقدیر الٰہی آجاتی ہے تو وہ دور ہو جاتے ہیں مسند احمد بن حنبل اور مسلم میں ایک حدیث عبداللہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص کے ساتھ اس کا ساتھی جنوں سے اور اس کا ساتھی فرشتوں سے مقرر ہے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے کہ وہ میرا فرمانبردار ہو گیا ہے پس وہ مجھے نیکی کا ہی حکم کرتا ہے[1] لیکن یہ قول کہ شیطان ایماندار ہو گیا ہے اس میں تحریف معنوی[2] اس لئے ہے کہ شیطان ایماندار نہیں ہوتا اور يحفظونه مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کا معنٰی یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اس معنٰی کی شہادت دوسری قرأت سے ہو رہی ہے جس میں من امر اللہ کی بجائے بامر اللہ کی قرأت ہے پس نصوص مذکورہ سے ثابت ہوا کہ فرشتے قول، فعل تحریر کر لیتے ہیں۔ نیت بھی ان میں

(بقیہ) فتح ہے جیسا کہ شارح نے ذکر کیا لیکن شارح نے جس معنی کو ترجیح دی ہے اس کو ترجیح نہیں ہے چنانچہ قاضی عیاض نے مشارق الانوار (۲/۲۱۸) میں ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ زبر اور پیش دونوں طرح منقول ہے پیش کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ میں اس سے محفوظ رہتا ہوں اور زبر کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ وہ قرین اسلام لے آیا امہات کے علاوہ کتابوں میں فاستسلم کے لفظ مروی ہیں امہات سے مراد موطا اور صحیحین ہیں ان دونوں میں یہ حدیث نہیں ہے امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مشہور روایات ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ راجح کون ہے خطابی نے پیش کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے لیکن قاضی عیاض نے زبر کو راجح کہا ہے حافظ ابن حبان نے اس روایت کو صحیح ۲/۲۸۳ (مخطوط عکسی) میں میم کی زبر کو لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے نیز اس نے بیان کیا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان مسلمان ہو گیا اب وہ آپ کو صرف بھلائی کا ہی مشورہ دیتا ہے لیکن یہ معنی درست نہیں کہ آپ اس سے محفوظ ہیں اگرچہ وہ کافر ہے دلائل اس معنی کو ترجیح دے رہے ہیں شارح مدعی ہے کہ یہ تحریف معنوی ہے یہ اس لئے کہ حدیث میں لفظ قرین کے ہیں شیطان کے نہیں ہیں نیز جنوں میں مومن کافر سبھی ہیں لیکن شیاطین تو تمام کافر ہیں ان میں ایماندار کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ (حاشیہ صفحہ ھذا) [1] بخاری مسلم [2] بخاری مسلم۔

داخل ہے اس لئے کہ وہ بھی دل کا فعل ہے ارشاد خداوندی ہے :-

يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (الانفطار ۱۲) جو تم عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔

کے عموم میں داخل ہے اس کی شہادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہو رہی ہے کہ اللہ عزّ وجل فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم اسے تحریر نہ کرو اگر برائی کر لیتا ہے تو پھر تحریر کرو اور جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے لیکن کر نہ پائے تو اس کے نامۂ اعمال میں نیکی ثبت کرو اگر نیکی کرے تو ایک کی جگہ دس نیکیاں تحریر کرو[1] نیز ارشاد نبوی ہے :- فرشتے عرض کرتے ہیں یہ بندہ برائی کا ارادہ رکھتا ہے حالانکہ اللہ اس کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی انتظار کرو اگر برائی کرے تو ایک برائی تحریر کر دو اور اگر ارادہ چھوڑ دے تو ایک نیکی ثبت کر دو اس لئے کہ برائی کا ترک میری وجہ سے ہوا ہے[2]

(ط) ہمارا ملک الموت پر ایمان ہے جو عالم کے ارواح کے قبض پر مقرر ہے۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (الم السجدہ ۱۱)

ترجمہ :- کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مذکورہ ارشاد خداوندی کے مخالف یہ ارشاد خداوندی نہیں ہے۔

حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (الانعام ۶۱)

ترجمہ :- یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی ہے :- اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر ۴۲)

ترجمہ :- خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے :

---

[1] بخاری مسلم [2] بخاری مسلم۔

اس لئے کہ ملک الموت ارواح کے قبض اور ان کے نکالنے پر مقرر ہے پھر ان کو اس سے رحمت یا عذاب کے فرشتے لے لیتے ہیں اور ان کا خیال رکھتے ہیں یہ تمام باتیں اللہ کی اجازت قضاء قدر کے ساتھ ہیں اس کا فیصلہ اس کا امر نافذ ہے لہٰذا فوت کرنے کی نسبت تمام کی طرف ہو سکتی ہے۔

نفس و روح کی حقیقت نفس کی حقیقت میں اختلاف ہے کیا بدن کا جزء ہے یا اس کی عرض یا اس کا ایسا جسم ہے جس میں اس کو رکھا گیا ہے یا مجرد جوہر ہے اور کیا نفس روح کا نام ہے یا اس کا غیر ہے اور کیا نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ ایک نفس ہیں یا تین نفس ہیں اور کیا روح پر موت طاری ہوتی ہے یا موت صرف بدن پر طاری ہوتی ہے اس کی تفصیل کے لئے ضخیم کتاب درکار ہے لیکن میں اشارات پر اکتفا کروں گا۔ انشاءاللہ

بعض کہتے ہیں روح قدیم ہے جب کہ تمام پیغمبروں کا اس بات پر اجماع ہے کہ روح محدث اور مخلوق ہے پیغمبروں کی تعلیم سے بدیہی طور پر یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ عالم محدث ہے صحابہ تابعین اسی کے قائل تھے ان کے بعد کچھ ایسے لوگ نمودار ہوئے جن کا کتاب وسنت کے ساتھ تعلق کمزور تھا انھوں نے روح کو قدیم قرار دیا اس پر دلیل یہ پیش کی کہ روح کو امر اللہ کہا گیا ہے اور اللہ کا امر غیر مخلوق ہے نیز اللہ تعالیٰ نے روح کی اضافت اپنی جانب کی ہے ارشاد خداوندی ہے

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (الاسراء ۸۵) کہہ دو کہ روح میرے رب کا امر ہے

نیز ارشاد خداوندی :- وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (الحجر ۲۹) اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

اسی طرح علم، قدرت، سمع، بصر، ہاتھ کی نسبت بھی اپنی طرف کی ہے وہ بھی قدیم ہیں بعض نے اس میں توقف اختیار کیا لیکن اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ روح مخلوق ہے یا اجماع کے ناقل محمد بن نصر مروزی، ابن قتیبہ وغیرہ ہیں اس پر دلیل ذیل کی آیت ہے ارشاد خداوندی ہے

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد ۱۸ الزمر ۶۲) خدا ہر چیز کا خالق ہے

اس آیت میں عمومیت ہے تخصیص نہیں ہے لیکن اللہ کی صفات اس میں داخل نہیں ہیں وہ تو اس کے مسمیٰ میں داخل ہیں پس اللہ وہ الٰہ ہے جو صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اس کا علم اس کی قدرت اس کی زندگی اس کی سمع اس کی بصر اور اس کے تمام صفات اسی کے اسم کے مسمیٰ میں داخل ہیں پس اللہ سبحانہ اپنی ذات اور اپنے صفات کے ساتھ خالق ہے اور اس کے ماسوا سب مخلوق ہیں اور یہ بات تو قطعیت کے ساتھ معلوم ہے کہ روح نہ خدا ہے نہ اسکی صفت ہے وہ تو اسکی مصنوعات سے ہے اس پر اللہ کا قول دال ہے۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝ (الدہر ۱)

ترجمہ: انسان پر ضرور ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام سے خطاب فرمایا:۔

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۔ (مریم ۹)

ترجمہ: اور میں پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔

ظاہر ہے کہ انسان جسم اور روح دونوں کا نام ہے اور خطاب روح بدن دونوں کے لئے ہے نیز روح کو وفات، قبض، بند کرنے چھوڑنے کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے یہ تمام صفتیں مخلوق محدث کی ہوتی ہیں ہاں ان کا استدلال کہ روح امر ربی ہے تو ہم کہیں گے یہاں امر سے مراد طلب نہیں بلکہ مامور ہے عام استعمال میں مصدر سے مراد اسم مفعول لیا جاتا ہے نیز ان کا استدلال کہ روح کی اضافت من روحی میں اللہ کی جانب ہے تو ہم جواباً کہیں گے کہ اللہ کی طرف مضاف ہونے والی چیزیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک وہ صفات جو اپنے ساتھ قائم نہیں جیسے علم، قدرت، کلام، سمع، بصر ان کی نسبت ان کے موصوف کی طرف ہے پس اللہ کا علم کلام، قدرت، حیات اس کے اوصاف ہیں اسی طرح چہرہ ہاتھ بھی اس کے اوصاف ہیں دوسری اضافت ان اعیان کی ہوتی ہے جو اللہ سے منفصل ہیں جیسے بیت، ناقہ، عبد، رسول، روح تو ان کی اضافت مخلوق کی خالق کی طرف ہے پس یہ اضافت تخصیص اور تشریفی ہے اس کے ساتھ مضاف اپنے غیر سے متمیز ہو جاتا ہے۔

روح کے بارہ میں اختلاف روح میں اختلاف ہے کیا اس کو جسم سے پہلے پیدا کیا گیا یا اس کو بعد میں پیدا کیا گیا ہے اشارۃً پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے روح کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم ہے بعض نے کہا عرض بعض نے کہا ہم نہیں جانتے روح کیا ہے؟ کیا وہ جوہر ہے یا عرض ہے بعض نے کہا روح صرف طبائع اربعہ کے اعتدال کا نام ہے بعض نے کہا وہ ایسا خون ہے جو صاف شفاف ہے بعض نے کہا حرارت طبعی کا نام روح ہے بعض نے کہا روح کو زندگی قرار دیا بعض نے کہا وہ ایسا جوہر ہے جو بسیط ہے عالم کی تمام ذی روح چیزوں میں موجود ہے اس لحاظ سے کہ وہ اس کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور تدبیر کرتے ہیں پس روح کا جس طرح بیان ہوا ہے اس لحاظ سے وہ تمام عالم میں پھیلی ہوئی اس کی ذات اور وجود کا انقسام نہیں ہو سکتا اس کا وجود کائنات کی تمام ذی روح چیزوں میں یکساں ہے بعض نے کہا نفس سے مراد وہ سانس

ہے جو سانس لیتے وقت داخل اور خارج ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں پس انسان کا مسمیٰ کیا صرف روح ہے یا صرف بدن ہے یا ان دونوں کا مجموعہ ہے یا ان میں سے ہر ایک ہے اور یہ چاروں اقوال کیا صرف لفظ ہیں یا صرف معنیٰ ہیں یا دونوں کا مجموعہ ہیں یا ہر ایک ہے پس اختلاف ان کے درمیان ناطق اور اس کے تعلق میں ہے حق بات یہ ہے کہ انسان دونوں کا نام ہے البتہ قرینہ کی موجودگی میں ایک پر بھی اطلاق ہوتا ہے اسی طرح کلام پر بحث ہے۔

کتاب وسنت اور اجماع صحابہ کی روشنی میں کتاب وسنت اور اجماع صحابہ نیز عقلی دلائل اس بات پر دال ہیں کہ نفس ایسا جسم ہے جو ماہیت کے لحاظ سے جسم محسوس کے مخالف ہے پس نفس جسم نورانی علوی ہے اس میں خفت ہے زندگی ہے حرکت ہے اعضاء کے جوہر میں اس کا نفوذ ہے وہ ان میں بالکل اس طرح سمویا ہوا ہے جیسے پانی گلاب کے پھول میں سمویا ہوا ہے یا تیل زیتون میں موجود ہے یا آگ کوئلے میں ہے پس جب تک یہ اعضاء ان آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جن کا ان پر جسم لطیف سے فیضان ہوتا ہے اس وقت تک جسم لطیف اعضاء میں جاری ساری رہتا ہے اور ان اثرات سے ان میں حس، حرکت ارادیہ کا ظہور ہوتا ہے اور جب بوجہ اخلاط غلیظہ کے غلبہ سے ان میں فساد رونما ہوتا ہے تو اثرات کے قبول سے وہ انکار کر دیتے ہیں تو اس وقت روح بدن سے جدا ہوتا ہے وہاں سے منتقل ہو کر عالم ارواح کی طرف چلا جاتا ہے اس کی دلیل ارشاد خداوندی ہے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا - (الزمر ۴۲)

ترجمہ: خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔

اس آیت میں انفس کی وفات کے سلسلہ میں ان کے امساک اور ارسال کا ذکر ہے اور ارشاد خداوندی:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ (الانعام ۹۴)

ترجمہ: اور کاش تم ان ظالم یعنی (مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں کہ نکالو اپنی جانیں۔

اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ فرشتوں نے ارواح کے تناول کے لئے اپنے ہاتھوں کو پھیلا رکھا ہے نیز ارواح کے نکالنے اور نکلنے کا ذکر ہے اور قیامت کے دن ان کو عذاب میں مبتلا رکھنے کا ذکر ہے نیز ان کا ان کے رب کی طرف جانے کا ذکر ہے۔ نیز ارشاد خداوندی:

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ (الانعام ۶)

ترجمہ:۔ اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے بھی خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے۔

اس میں خبر دی گئی ہے کہ نفس رات کو فوت ہو جاتے ہیں اور دن میں ان کو اجسام میں داخل کر دیا جاتا ہے اور موت کے وقت ان کو فرشتے فوت کر لیتے ہیں۔ نیز ارشاد خداوندی:۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ (الفجر ۲۷ - ۳۰)

ترجمہ:۔ اے اطمینان پانے والی روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ہے تو میرے ممتاز بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس میں ان کے اللہ کی طرف جانے اس کے بندوں کے زمرہ میں داخل ہونے نیز خدا کے ان پر راضی ہونے کا ذکر ہے نیز ارشاد نبوی ہے "بے شک روح جب قبض ہوتی ہے تو نظر اس کا پیچھا کرتی ہے"[1] اس میں روح کی صفت قبض ذکر کی گئی ہے نیز نظر اس کو دیکھ سکتی ہے نیز ارشاد نبوی ہے بلال کی حدیث میں آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری روحوں کو قبض کیا پھر انھیں تم میں واپس بھیج دیا[2] نیز آپ نے فرمایا مومن کی روح پرندہ بن جاتی ہے جو جنت کے درختوں میں معلق رہتی ہے[3] آئندہ اوراق میں عذاب قبر پر کثرت کے ساتھ دلائل ذکر کئے جائیں گے کہ کس طرح روح سے ملک الموت خطاب کرتا ہے؟ نیز روح جسم سے یوں خارج ہوتی ہے جیسے پانی کا قطرہ مشکیزہ کے منہ سے خارج ہوتا ہے نیز روح آسمان کی جانب صعود کرتی ہے مومن کی روح سے بہترین خوشبو آتی ہے اور کافر کی روح سخت بدبودار ہوتی ہے۔ مزید اوصاف بھی ذکر ہوں گے اس پر سلف کا اجماع ہے عقل بھی اس کی موافقت کرتی ہے مخالفین کے پاس سوائے اوہام باطلہ اور شبہات فاسدہ کے اور کچھ نہیں وہ نصوص اور عقلی ادلہ کا معارضہ نہیں کر سکتے۔

---

[1] مسلم عن ام سلمہ احکام الجنائز ۱۵) [2] بخاری من حدیث ابی قتادہ بلال اس کا راوی نہیں ہے جیسا کہ مؤلف نے کہا سہو ہو گیا ہے احمد وغیرہ نے اس کو بیان کیا صحیح ابوداؤد ۴۶۵) [3] الصحیحۃ ۱۲۲ - ۹۹۵)

کیا نفس اور روح دونوں ایک ہیں؟ نفس اور روح کے مسمیٰ میں لوگوں کا اختلاف ہے کیا دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں یا ان کا مسمیٰ ایک ہے تحقیق یہ ہے کہ نفس کا اطلاق چند چیزوں پر ہوتا ہے اسی طرح روح کا اطلاق بھی کبھی تو ان کا مدلول متحد ہوتا ہے اور کبھی مختلف ہوتا ہے۔ نفس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے لیکن غالب استعمال میں نفس تب کہتے ہیں جب وہ بدن کے ساتھ متصل ہو اور جب مجرد ہو تو اس پر اغلب طور پر روح کا اطلاق ہوتا ہے نیز خون پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے حدیث میں ہے جس کا خون بہنے والا نہ ہو جب وہ پانی میں مر جائے تو اس سے پانی پلید نہیں ہوتا[1] نیز نفس کا معنی نظر لگنا بھی ہے کہا جاتا ہے اَصَابَتْ فلانا نفس یعنی فلاں کو نظر لگ گئی نیز نفس کا معنی ذات بھی ہے دیکھیں فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ (النور ۶۱) پس تم اپنے پر سلام کہو۔ نیز دیکھیں لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء ۲۹) تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ ہاں روح کا اطلاق نہ انفراداً نہ نفس کے ساتھ بدن پر نہیں ہوتا البتہ روح کا اطلاق قرآن اور جبرائیل پر ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ ۵۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم تمہاری طرف روح القدس کے ذریعہ سے (قرآن) بھیجا ہے۔ نیز فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (الشعراء ۱۹۲) نیز روح کا اطلاق اس ہوا پر بھی ہوتا ہے۔ جو انسان کے بدن میں متردد رہتی ہے ہاں جس روح کے ساتھ اللہ اپنے بندوں کو تقویت عطا فرماتا ہے وہ یہ روح نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلہ ۲۲)

ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔

اسی طرح وہ قوتیں جو بدن میں ہیں ان کو بھی ارواح کہا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے دیکھنے والی روح، سننے والی روح، سونگھنے والی روح۔ نیز روح کا اطلاق ایک چیز پر بھی ہوتا ہے اس سے مراد معرفت الٰہی، انابت الی اللہ، محبت خداوندی نیز اپنی روح کی قوتوں کو محبت اس کی طلب اور اس کے ارادہ کی جانب دھکیلنا ہے پس اس روح کی نسبت روح کی جانب بالکل اس طرح ہے جس طرح روح کی نسبت بدن کی طرف ہوتی ہے تو اس لحاظ سے علم، احسان محبت، توکل، صدق سب روح ہیں اس کے لحاظ سے لوگوں میں تفاوت ہے کچھ لوگ

---

[1] اس کا کچھ اصل نہیں البتہ فقہاء نے اس کو ذکر کیا ہے۔

وہ ہیں جن پر یہ روح غالب ہوتی ہے تو وہ روحانی ہیں کچھ وہ ہیں جن میں ان تمام یا اکثر کا فقدان ہوتا ہے وہ سفلی بہیمیت والے ہوتے ہیں اکثر لوگوں کے کلام سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ ابن آدم کے تین نفس ہیں مطمئنہ[1]، لوامہ[2] اور امارہ[3] بعض پر امارہ غالب ہے بعض پر مطمئنہ غالب ہے جیسا کہ فرمایا:۔

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (الفجر ۲۷) اے مطمئن روح۔

نیز فرمایا وَ لَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامہ ۲) نفس لوامہ کی قسم۔

نیز فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف ۵۳) کیونکہ نفس برائی کا حکم دینے والا ہے

لیکن تحقیق یہ ہے کہ نفس تو ایک ہی ہے اس کے صفات جدا جدا ہیں اس میں شک نہیں کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے جب ایمان اس کا معارضہ کرتا ہے تو وہ لوامہ کہلاتا ہے یعنی جب اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے تو نفس لوامہ اس کو ملامت کرتا ہے وہ کبھی گناہ پر آمادہ ہوتا ہے تو کبھی رکتا ہے جب ایمان کو غلبہ حاصل ہو جائے اور وہ قوی ہو جائے تو نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اس کا اچھا کام پسند ہو اور برا کام ناپسند ہو تو وہ مومن[4] ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ ارشاد بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب زنا کرنے والا زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا

<u>کیا روح کے لئے موت ہے</u> اس میں لوگوں کا اختلاف ہے ایک فرقہ اس کے مرنے کا قائل ہے اس لئے کہ روح نفس ہے اور ہر نفس مرنے والا ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ (الرحمٰن ۲۶-۲۷)

ترجمہ: جو مخلوق زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات بابرکت ہے جو صاحب جلال و عظمت ہی باقی رہے گی۔

نیز فرمایا:۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ (القصص ۸۸)

ترجمہ:۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

مزید برآں وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب فرشتوں پر موت طاری ہوگی بشری نفوس پر بالاولیٰ موت طاری ہوگی دوسرا فریق ان کے بقا کا قائل ہے چونکہ ارواح کی خلقت بقا کے لئے ہے اس لئے ان پر موت طاری نہیں ہوگی البتہ اجسام پر موت طاری ہوتی ہے اس پر وہ احادیث

---

[4] الاحادیث الصحیحہ ۵۵۰، [5] بخاری، مسلم۔

جو ارواح کے جسم کے جدا ہونے کے بعد ان کی نعمتوں میں رہنے یا عذاب میں مبتلا رہنے پر دال ہیں یہاں تک کہ پھر اللہ ان کو اجسام میں لوٹا دے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ارواح کی موت سے مراد ان کا اجسام سے جدا ہونا اور نکلنا ہے اگر موت اس کا نام ہے اور اگر موت سے مراد ارواح کا بالکلیہ فنا اور معدوم ہونا ہے تو اس اعتبار سے موت نہیں ہے جب کہ ارواح کو انعامات یا عذاب میں رہنے کے ساتھ بقا حاصل ہوگا دیکھئے اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ جنت والے کس حال میں ہوں گے ارشاد خداوندی ہے :۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ (الدخان ۵۶)

ترجمہ :۔ پہلی دفعہ کے مرنے کے سوا (کہ مر چکے تھے) موت کا مزہ نہیں چکھیں گے

اس موت سے مراد روح کا جسم سے جدا ہونا ہے۔ لیکن دوزخیوں کا قول ارشاد خداوندی ہے

رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ (المومن ۱۱)

ترجمہ :۔ اے پروردگار تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی

نیز ارشاد خداوندی ہے :۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (البقرہ ۲۸)

ترجمہ :۔ تعجب ہے تم اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو اس حال میں کہ تم بے جان تھے پھر اس نے تم کو زندگی عطا کی پھر تمہیں بے جان کرے گا پھر تمہیں زندگی عطا کرے گا۔

تو مقصود یہ ہے کہ ارواح اپنے باپ کی کمر اور اپنی ماں کے رحم میں نطفہ تھے اور نطفے مردہ ہیں پھر ان کو زندہ کیا پھر ان کو مارا پھر قیامت کے روز ان کو زندہ فرمائے گا اس میں قیامت سے قبل ارواح کے مرنے کا ذکر نہیں ہے ورنہ تین موتیں ہوں گی نفخہ صور کے ساتھ ارواح کا بے ہوش ہونا ان کی موت کو مستلزم نہیں ظاہر ہے کہ جب اللہ فیصلہ کے لئے آئے گا اور زمین اس کی روشنی سے چمک اٹھے گی تو لوگ بے ہوش ہو جائیں گے لیکن یہ بے ہوشی موت نہیں ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش ہونا بھی موت نہیں ہے ہاں بے ہوش کرنے والا نفخہ ان لوگوں کے لئے موت ہے جنھوں نے اس سے پہلے موت کا ذائقہ نہیں چکھا اور جنھوں نے موت کا ذائقہ چکھا ہے یا حور عوروں اور ولدان پر موت طاری نہیں ہوگی یہ آیت اس پر دال نہیں ہے کہ ان پر موت طاری ہوگی واللہ اعلم۔

(ط) عذاب قبر میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے جو اس کے حقدار ہیں اور قبر میں منکر نکیر

ہر شخص سے اس کے رب، دین، نبی کے بارے میں سوال کریں گے ان سب چیزوں پر ہمارا ایمان ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں اور قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَّيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (غافر ۴۵-۴۶)

ترجمہ:- اور فرعون والوں کو برے عذاب نے آ گھیرا یعنی آتش جہنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہو گی (حکم ہو گا) کہ فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔

نیز فرمایا: فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الطور ۴۵-۴۷)

ترجمہ:- پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے سامنے آ جائے جس دن ان کا کوئی داؤں کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ ان کو (کہیں سے) مدد ہی ملے اور ظالموں کے لئے اس کے سوا اور عذاب بھی ہے لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے

احتمال ہے کہ ان کے اس عذاب سے مراد ان کا دنیا میں قتل ہونا ہے یا برزخ کا عذاب ہے یہی واضح ہے اس لئے کہ اکثر ان میں سے فوت ہوئے اور وہ دنیا میں عذاب سے دوچار نہ ہوئے یا اس سے مراد عام ہیں چنانچہ براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ ہم بقیع الغرقد قبرستان میں ایک جنازہ میں تھے کہ ہمارے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب آپ تشریف فرما ہوئے تو ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے تھے (یعنی مکمل خاموشی تھی) میت کے لئے لحد تیار کی جا رہی تھی آپ نے فرمایا بے شک مومن انسان جب دنیا سے الگ ہو کر آخرت کی طرف جاتا ہے تو اس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے گویا کہ ان کے چہرے سورج کی مانند چمک دمک رہے ہیں ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو ہوتی ہے وہ میت سے بعد نظر دور بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت مومن کے سرہانے آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف باہر آ (راوی بیان کرتا ہے) کہ وہ جسم سے یوں نکلتی ہے جیسا کہ

پانی کا قطرہ مشکیزے کے منہ سے باہر آتا ہے چنانچہ ملک الموت روح کو اٹھاتا ہے ابھی اس
نے اٹھایا ہی ہوتا ہے کہ آنکھ جھپکنے کی مدت کے برابر بھی روح ملک الموت کے پاس نہیں رہتی
کہ فرشتے اس سے روح کو کفن میں لپیٹ لیتے ہیں اور خوشبو لگاتے ہیں اس سے نہایت اعلیٰ
درجہ کی کستوری کی خوشبو آتی ہے (راوی بیان کرتا ہے) کہ فرشتے اس روح کو لے آسمانوں کی طرف
جاتے ہیں تو وہ اس کو لے کر جب بھی فرشتوں کے کسی مجمع کے پاس سے گذرتے ہیں تو وہ کہتے
کہ یہ پاکیزہ روح کون ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں یہ فلاں انسان فلاں کا بیٹا ہے اس کو دنیا میں
جس بہترین نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نام سے اس کو پکارا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کو لے کر
آسمان تک پہنچ جاتے ہیں وہ اس کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کرتا ہے چنانچہ اس کے لئے
دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کو ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک مقرب فرشتے الوداع کرتے ہیں
یہاں تک کہ اس آسمان پر پہنچ جاتے ہیں جس میں اللہ ہے تو اللہ پاک فرماتے ہیں میرے بندے کا نام
علیین میں تحریر کرو اور اس کو زمین میں واپس لے جاؤ اس لئے کہ میں نے اس کو زمین سے پیدا
کیا ہے اسی میں لوٹاتا ہوں اسی سے دوبارہ نکالوں گا (راوی بیان کرتا ہے) کہ اس کی روح اس کے
جسم میں واپس کردی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھا لیتے ہیں اس سے
دریافت کرتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر اس سے دریافت کرتے ہیں
تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے وہ اس سے دریافت کرتے ہیں یہ آدمی کون ہے؟
جو تم میں بھیجا گیا تھا وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے پھر وہ دریافت کرتے ہیں علم کیا ہے؟
وہ جواب دیتا ہے میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی اس
کے بعد ایک منادی کرنے والا آسمان میں منادی کرتا ہے کہ میرا بندہ آیا ہے جنت کا اسے فرش
بچھادو اور جنت کی طرف اس کے لئے کھڑکی کھول دو (راوی بیان کرتا ہے) کہ اس کے پاس جنت کی
عمدہ ہوا اور خوشبو آئے گی اور قبر تا حد نظر وسیع کردی جائے گی اور اس کے پاس ایک خوبصورت
انسان آئے گا جس کا لباس بھی عمدہ ہوگا اس سے بہترین خوشبو مہک رہی ہوگی وہ کہے گا تو
خوش کن پیغام سن کر خوش ہوجا یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تو وعدہ دیا گیا تھا وہ اس سے دریافت
کرے گا تو کون ہے؟ تیرا چہرہ تو خوش کن چہرہ ہے وہ جواب میں کہے گا میں تیرا نیک عمل ہوں وہ
کہے گا اے اللہ! قیامت قائم فرما دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف واپس جاؤں (راوی
بیان کرتا ہے) کہ کافر بندہ جب دنیا سے آخرت کی طرف سدھارتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے

سیاہ چہرے والے فرشتے اترتے ہیں وہ ٹاٹ سے کر بحد نظر بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت کافر انسان کے سرہانے بیٹھتا ہے اور کہتا ہے اے خبیث روح! اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف باہر نکل (راوی بیان کرتا ہے) کہ روح اسکے تمام جسم میں پھیل جاتی ہے تو اس کو جسم سے یوں نکالا جاتا ہے جیسا کہ لوہے کی سلاخ کو بھیگی اون سے نکالا جاتا ہے پس ملک الموت روح کو اٹھاتا ہے تو فرشتے آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے کہ وہ اس کو اٹھا کر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں جس سے سخت بدبو آتی ہے (شاید روئے زمین پر ایسی بدبو نہ ہو) فرشتے اس کو لے کر اوپر جاتے ہیں جن فرشتوں کی جماعت سے ان کا گذر ہوتا ہے وہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ خبیث روح کون ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں اس کا نام فلاں ہے یہ فلاں کا بیٹا ہے اس کے بہت برے نام سے اس کو پکارا جاتا ہے جس نام کے ساتھ وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا یہاں تک کہ پہلے آسمان کے قریب پہنچتے ہیں اس کے لئے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے لیکن دروازہ نہیں کھلتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی آیت تلاوت کی ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف ۴۰)

ترجمہ:- ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا نام سجین میں تحریر کر دو جو نچلی زمین میں ہے اس کی روح کو وہاں پھینک دیا جاتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ - (الحج ۳۱)

ترجمہ:- اور جو شخص (کسی کو) خدا کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑا پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

تو اس کی روح کو اس کے جسم میں واپس کر دیا جاتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں یہ کون آدمی تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا وہ جواب دیتا ہے ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا پھر آسمان سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اس کے لئے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کے لئے دوزخ کی جانب دروازہ کھول دو تو اس کے پاس دوزخ کی گرمی اور

سخت بُو آتی ہے اور قبر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری پر چڑھ جاتی ہیں اور اس کے پاس ایک آدمی بدصورت چہرے والا آتا ہے جس کے کپڑے بھی گندے اور بدبودار ہوتے ہیں وہ کہتا ہے اس عذاب پر خوش ہو وہ تجھے غمناک کرے یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تو وعدہ کیا جاتا تھا وہ اس سے دریافت کرتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ تو بہت برا چہرہ ہے وہ جواب میں کہے گا میں تیرا بدترین عمل ہوں وہ کہے گا اے اللہ! قیامت قائم نہ فرما۔ احمد، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ نے اول کو بیان کیا، حاکم، ابوعوان ابن حبان تمام اہل سنت اور اہل حدیث اس حدیث کے قائل ہیں پھر اس حدیث کے صحیح شواہد بھی موجود ہیں چنانچہ امام بخاری قتادہ سے وہ انس سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کو جب اس کی قبر میں لٹا دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے واپس جاتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھا لیتے ہیں اس سے دریافت کرتے ہیں تو اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا مومن جواب دیتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے پھر وہ اس سے کہتا ہے اپنی دوزخ کی جگہ دیکھو جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت کی جگہ دی ہے وہ ان دونوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے[1] قتادہؓ نے بیان کیا ہمیں خبر دی گئی ہے کہ اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے (راوی نے تمام حدیث کو ذکر کیا) نیز بخاری، مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے آپؐ نے فرمایا یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں ان میں ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلخور تھا آپؐ نے ایک سبز ٹہنی منگوائی اس کے دو حصے کئے اور فرمایا شاید ان کا عذاب ہلکا ہو جائے جب تک وہ خشک نہ ہوں[2]۔ نیز صحیح الجامع میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ والے نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں جن کو منکر نکیر کہا جاتا ہے[3]۔

مستحق عذاب قبر اور مستحق آرام قبر نیز فرشتوں کے سوال کرنے کے ثبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث مروی ہیں ان کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے

---

[1] حدیث صحیح ہے احکام الجنائز ص ۱۵۶-۱۵۹، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۳/۱۳۴ [2] بخاری، مسلم، صحیح ابو داؤد (۱۵) [3] حسن ہے ترمذی ۱/۱۹۱، اس نے کہا حدیث حسن غریب ہے میں کہتا ہوں حدیث حسن ہے اس حدیث سے ان معاصر علما کا رد ہو رہا ہے جو دونوں فرشتوں کا نام منکر نکیر نہیں رکھتے الاحادیث الصحیحہ (۱۳۹۱)

ہاں اُنکی کیفیت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہیں گے اس لئے کہ عقل ان کی کیفیت معلوم کرنے سے قاصر ہے۔
اس جہان میں اس کا علم ممکن نہیں نیز شریعت ایسی باتوں کا ذکر نہیں کرتی جس کو عقلیں محال سمجھتی ہیں البتہ ایسی باتوں کا ذکر کرتی ہے جس میں عقلیں حیران ہوتی ہیں ظاہر ہے کہ روح کا جسم میں واپس آنا اس طرح کا نہیں ہے جس طرح دنیا میں معروف ہے بلکہ روح کا اعادہ اس اعادہ کے خلاف ہے جو دنیا میں معلوم ہے پس روح کا بدن کے ساتھ پانچ قسم کا تعلق ہے جن میں احکام مختلف ہیں اولاً روح کا تعلق جسم کے ساتھ ہے جب کہ ماں کے پیٹ میں تھا۔ ثانیاً بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ثالثاً روح کا وہ تعلق جو بحالت نیند میں ہے اس میں من وجہ تعلق اور من وجہ مفارقت ہے رابعاً روح کا جسم کے ساتھ وہ تعلق جو عالم برزخ میں ہے اگرچہ اس عالم میں روح جسم سے جدا ہوتا ہے لیکن مکمل طور پر جدا نہیں ہوتا کہ اس میں التفات بھی نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ روح جسم میں لوٹ آتا ہے جب سلام کہنے والا سلام کہتا ہے نیز حدیث میں ہے کہ مردہ انسان لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جب لوگ واپس جا رہے ہوتے ہیں لیکن روح کا لوٹانا اس طرح کا نہیں ہوتا کہ قیامت سے پہلے جسم میں زندگی عود کر آئے خامساً وہ تعلق جو اجسام کے حشر نشر کے روز ہوگا روح جسم کے ساتھ یہ تعلق مکمل نوعیت کا ہوگا دیگر اقسام میں روح کے تعلق کی نسبت اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اس لئے کہ وہ تعلق ایسا ہے جس کے ہوتے ہوئے جسم موت، نیند، فساد کو قبول نہیں کرتا پس نیند بھی موت کا مثل ہے اس تشریح سے بہت سے اشکالات حل ہو جائیں گے۔

یاد رہے قبر میں صرف روح سے سوال نہ ہوگا جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کا قول ہے اس سے بھی غلط قول یہ ہے کہ سوال صرف جسم سے ہوگا روح سے نہیں ہوگا جب کہ احادیث صحیحہ دونوں اقوال کو رد کر رہی ہیں اسی طرح عذاب قبر بھی روح اور جسم دونوں کو ہوگا اس پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ کبھی اکیلے روح کو آرام یا عذاب ہوگا اور کہیں دونوں کو مل کر ہوگا۔

عذاب قبر کا ذکر: عذاب قبر برزخ میں ہوگا جو شخص فوت ہوا اور وہ عذاب کا حقدار ہے اس کو عذاب ہوگا خواہ اسے قبر میں دفن کیا گیا ہو یا اسے درندے پرندے کھا جائیں یا اسے جلا دیا جائے اور اسکی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے یا اسکو صلیب پر لٹکایا جائے یا وہ سمندر میں غرق ہو جائے بہرحال اسکی روح اور اسکے بدن کو اسی طرح عذاب ہوگا جس طرح اس انسان کو عذاب ہوتا ہے جو قبر میں دفن کیا گیا۔

ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مروی ہے کہ میت کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے یا یہ کہ اس کی پسلیاں دباؤ کے ساتھ مختلف ہو جاتی ہیں ضروری ہے کہ ان باتوں کو بلا غلو اور کوتاہی کے سمجھا جائے تاکہ آپ کے کلام کا کہیں ایسا معنی نہ کیا جائے جس کا وہ متحمل نہیں اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے اس لئے کہ بعض اوقات کوتاہی کرنے سے راہ صواب سے انحراف ہو جاتا ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہر بدعت اور گمراہی کا پیش خیمہ ہے چنانچہ اسلام کے اصول و فروع میں ہر قسم کی غلطیوں اور گمراہیوں کا یہی اصل ہے خصوصاً جب کہ مقصود صحیح نہ ہو۔ واللہ المستعان۔

خلاصہ یہ کہ تین گھر ہیں دنیا، برزخ، آخرت ہر ایک کے الگ الگ خاص احکام ہیں۔

اور انسان جسم اور روح سے مرکب ہے دنیا کے احکام اجسام کے ساتھ متعلق ہیں ارواح اس کے تابع ہیں اور برزخ کے احکام ارواح کے ساتھ متعلق ہیں اور اجسام ان کے تابع ہیں لیکن میدان محشر میں جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو آرام اور عذاب کا تعلق ارواح، اجسام دونوں کے ساتھ ہوگا جب اس حقیقت کا گہرے غور و فکر سے جائزہ لیا جائے گا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور یہ بات عقل کے بھی عین مطابق ہے اور اس کے صحیح ہونے میں کچھ شک نہیں اس حقیقت کے پیش نظر ہی وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں ان کا ان کے غیر سے امتیاز ہو سکتا ہے ہاں یہاں اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ عذاب یا آرام جو قبر میں حاصل ہوگا وہ دنیا کے عذاب یا آرام کی جنس سے نہیں ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ قبر کی مٹی یا پتھروں کو اس قدر تپا دے گا کہ ان کی گرمی دنیا کے شعلوں کی گرمی سے بھی زیادہ ہو گی لیکن دنیا والوں کو قبر کی گرمی کا احساس نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ دو انسان جن کو ایک دوسرے کے پہلو میں دفن کیا گیا ہے ایک دوزخ کے گڑھے میں ہے اور دوسرا جنت کے باغیچہ میں ہے نہ اس کو اس کے عذاب کی گرمی پہنچے گی اور نہ اس کو اس کے آرام سے کچھ آرام پہنچے گا اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے بھی زیادہ وسیع اور عجیب ہے جب کہ عام طور پر لوگ ایسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے ہیں جن کا انھیں کچھ علم نہ ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں اپنی قدرت کے ایسے عجائبات کا مشاہدہ کرایا ہے جو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہیں اور جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو ان پر اپنے بعض بندوں کو مطلع کرتا ہے اور بعض

سے پوشیدہ کرتا ہے لیکن اگر تمام بندوں کو مطلع کرے تو پھر مکلف ہونے اور ایمان بالغیب کی حکمت ختم ہو کر رہ جائے۔ بلکہ لوگ دفن کرنے سے رک جائیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے آپ نے فرمایا اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم دفن نہ کرو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمھیں اسی طرح عذاب قبر سنائے جس طرح کہ میں سنتا ہوں[لـه] لیکن جب یہ حکمت چارپایوں کے بارے میں منتفی ہے تو چارپائے عذاب قبر کا ادراک بھی کرتے ہیں اور سنتے بھی ہیں۔

منکر نکیر کے سوال کے بارے میں کیا ان کا سوال کرنا اس امت کے ساتھ خاص ہے ایک قول یہ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ عام ہے تیسرا قول توقف کا ہے یہی قول علماء کی ایک جماعت کا ہے ان میں امام ابن عبدالبر بھی ہیں چنانچہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت کی حدیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا اس امت سے قبروں میں سوال ہوتا ہے[لـه]۔ بعض روایات میں خاص طور پر سوال کے لفظ ہیں اس بنا پر احتمال ہے کہ یہ اس امت کے ساتھ خاص ہو اگرچہ قطعی نہیں ہے بلکہ امت کے ساتھ خاص ہونا ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

اسی طرح بچوں کے سوال کے بارے میں بھی اختلاف ہے نیز کیا عذاب قبر ہمیشہ رہے گا یا ختم ہو جائے گا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ بعض دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ. (غافر ۴۶)

ترجمہ: (یعنی) آتش (جہنم) کے صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا) کہ فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔

اسی طرح براء بن عازب کی حدیث میں کافر کے قصہ میں ہے کہ اس کے لئے دوزخ کی جانب دروازہ کھول دیا جائے گا وہ قیامت تک اپنے ٹھکانے کو دیکھتا رہے گا۔ (مسند احمد)

اور بعض کچھ مدت عذاب میں رہیں گے اس کے بعد عذاب ختم ہو جائے گا اس عذاب میں وہ نافرمان گرفتار ہوں گے جن کے جرائم معمولی تھے تو انھیں ان کے جرموں کے مطابق عذاب ہوگا پھر عذاب ختم ہو جائے گا جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

[لـه] صحیح مسلم عن ابی سعید و عن انس (لیکن (ما اسمع) کے الفاظ نہیں ہیں یعنی (جو میں سنتا ہوں)

[لـه] مسلم، احمد، الاحادیث الصحیحۃ ۱۵۹

ارواح کا استقرار کہاں ہے؟ موت کے بعد قیام قیامت تک ارواح کا استقرار کہاں ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ایمان داروں کے ارواح جنت میں ہوں گے اور کافروں کے ارواح دوزخ میں ہوں گے ایک قول یہ ہے کہ ایمان داروں کے ارواح جنت کے دروازوں پر کھلے میدان میں ہوں گے جنت کا آرام، نعمتیں رزق انھیں ملتا رہے گا ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنی قبروں کے اردگرد ہوں گے امام مالکؒ کا قول ہے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ارواح آزاد ہوں گی وہ جہاں چاہیں گی گھومتی پھرتی رہیں گی ایک گروہ کا خیال ہے ایمان داروں کی روحیں اللہ کے ہاں ہوں گی ایک قول میں ایمان داروں کی روحیں دمشق کے جابیہ مقام میں اور کافروں کی روحیں حضر موت کے کنوئیں برھوت میں ہوں گی کعب کا قول ہے ایمان داروں کی روحیں ساتویں آسمان میں علیین میں اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین میں سجین میں ابلیس کے رخسار کے نیچے ہوں گی ایک قول میں ایمانداروں کی روحیں زمزم کنوئیں میں اور کافروں کی روحیں برھوت کنوئیں میں ہوں گی ایک قول میں ایمان داروں کی روحیں آدم کی دائیں طرف اور کافروں کی روحیں آدم کی بائیں طرف ہوں گی ابن حزم وغیرہ کا قول ہے روحوں کا استقرار وہاں ہوگا جہاں وہ اجسام کے پیدا ہونے سے پہلے تھیں ابن عبدالبر کا قول ہے شہیدوں کی روحیں جنت میں اور عام ایمانداروں کی روحیں ان کی قبروں میں ہوں گی ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گی جو عرش کے ساتھ معلق ہوں گے وہ جنت کے باغیچوں میں چلیں پھریں گے روزانہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری دیں گے اور سلام کہیں گے ایک فرقہ کہتا ہے اس کا استقرار عدم محض ہے یہ قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ نفس بدن کے اعراض سے ایک عرض ہے جیسا کہ بدن کی زندگی اور اس کا ادراک ہے ان کا قول کتاب وسنت کی تشریحات کے مخالف ہے ایک جماعت کا قول ہے روحوں کا استقرار موت کے بعد دیگر اجسام ہیں جو ان کے اخلاق اور صفات کے مناسب ہوں گے جو زندگی میں ان کے تھے تو ہر روح ایسے حیوان کے بدن کی طرف جائے گی جو اس روح کے مشاکل ہوگا یہ قول ان لوگوں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں یہ قول تمام اہل اسلام کے اقوال کے مخالف ہے۔

دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں ارواح میں عظیم تفاوت ہوگا بعض ارواح

اعلی علیین میں ملاء اعلیٰ میں ہوں گی یہ انبیاء کے ارواح ہوں گے ان کے منازل میں تفاوت ہو گا بعض ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی وہ جنت میں جہاں چاہیں گے چلیں پھریں گے یہ بعض شہداء کی روحیں ہوں گی اور بعض شہیدوں کی روحوں کو جنت میں داخل ہونے سے بوجہ قرض کے روکا جانے گا جیسا کہ مسند احمد میں عبداللہ بن جحش[1] سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا تو مجھے کیا ملے گا آپ نے فرمایا جنت ملے گی جب اس نے منہ پھیرا تو آپؐ نے فرمایا البتہ قرض معاف نہیں ہو گا ابھی مجھے آہستگی کے ساتھ حضرت جبرئیل نے اس کی خبر دی ہے[2]۔

بعض ارواح کو جنت کے دروازہ پر بند کیا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارے صاحب کو دیکھا اسے جنت کے دروازے پہ روکا گیا تھا[3] بعض روحیں قبریں بند ہوں گی اور بعض زمین میں ہوں اور بعض آگ کے تنور میں ہوں گی جیسا کہ زانی مردوں اور عورتوں کا ذکر آتا ہے اور کچھ روحیں خون کی نہروں تیرتی ہوں گی انھیں پتھر لگیں گے ان سب کا ذکر احادیث میں ہے لیکن ان کی زندگی دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو گی ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۔ (آل عمران ۱۶۹)

ترجمہ:۔ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا وہ مرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ خدا کے نزدیک وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔

نیز فرمایا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (البقرہ ۱۵۴)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں کیا۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس کی

---

[1] اصل میں محمد بن عبداللہ بن جحش ہے [2] صحیح مسند ۴/۳۹/ د ۵۰۳ ۔ [3] صحیح احکام الجنائز ۱۵ ۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد کے دن شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں کیا وہ جنت کی نہروں میں وارد ہوتے ہیں اور ان کے پھلوں کو کھاتے ہیں اور سونے کی قندیلوں کی طرف جگہ پکڑتے ہیں جو عرش کے سایہ میں معلق ہیں[1] (رواہ ابوداؤد)

اسی مضمون کی حدیث ابن مسعود سے ہے کہ جب انھوں نے اپنے اجسام کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا یہاں تک کہ دشمنوں نے ان کو ختم کر دیا تو اللہ نے ان کے عوض ان کو برزخ میں ایسے جسم عطا فرمائے جو پہلے جسم سے بہتر تھے قیامت تک ان جسموں میں رہیں گے ان کا آرام ان اجسام کی وساطت سے زیادہ بہتر ہوگا بنسبت ان ارواح کے جو اجسام سے مجرد ہوں گے اسی لئے مومن کی روح پرندے کی شکل میں پرندے کی طرح ہوتی ہے نیز شہید کی روح پرندے کے پیٹ میں ہوتی ہے ان دونوں حدیثوں کے الفاظ پر غور کیجئے اور موطا میں کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندہ بن جاتی ہے جو جنت کے درختوں کے ساتھ معلق رہتا ہے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو اٹھائے گا تو اس کے جسم میں واپس لوٹا دے گا اس حدیث کے الفاظ عام ہیں شہید غیر شہید دونوں کو شامل ہیں پھر شہید کو خاص کیا گیا ہے کہ اس کی روح سبز پرندے کے پیٹ میں ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جب وہ پرندے کے پیٹ میں ہے تو وہ پرندہ ہے اس اعتبار سے دوسری حدیث کے عموم میں داخل ہے پس برزخ میں نعمتوں میں ان کا حصہ دیگر ایمان دار لوگوں سے زیادہ ہے جو بستر پر فوت ہوتے ہیں اگرچہ ان کا مقام اکثر مرنے والوں سے بلند ہے اس لئے کہ ان کے لئے کچھ نعمتیں خاص ہیں کہ ان کے ساتھ ان میں وہ لوگ شریک نہیں جو ان سے کم درجہ کے ہیں۔ واللہ اعلم

نیز اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے یہ حدیث سنن میں ہے بعض شہیدوں کے بارے میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ان کے دفن کے کافی عرصہ بعد بھی ان کے اجسام میں تغیر رونما نہیں ہوا ان کے بارے میں ممکن ہے کہ قیامت تک ان کا جسم اسی طرح باقی رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ طویل مدت کے بعد بوسیدہ ہو جائے معلوم یوں ہوتا ہے کہ جس قدر شہادت اکمل ہو اور شہید افضل ہو اسی نسبت سے اس کا جسم زیادہ عرصہ باقی رہتا ہے واللہ اعلم۔

(ط) قیامت کے روز اٹھنے اور اعمال کے بدلے اور اللہ کے سامنے پیشی اور حساب نیز اعمال

[1] صحیح حاکم صحیح علی شرط مسلم ذہبی نے موافقت کی مشکوٰۃ البانی (۳۸۵۳)

نامے پڑھنے، ثواب، عقاب، پل صراط، ترازو ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔

(ش) آخرت پر ایمان رکھنا کتاب وسنت عقل اور فطرت سلیمہ سے ثابت ہے اللہ سبحانہ نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا اور اس پر دلائل بیان فرمائے اور قرآن کی اکثر سورتوں میں اس کے منکرین کا رد کیا اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ایمان باللہ پر متفق ہیں ظاہر ہے کہ رب کا اقرار تمام بنی نوع آدم میں عام ہے یہ فطری چیز ہے تمام رب کا اقرار کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو بہت بڑے سرکش ہیں جیسے فرعون وغیرہ ہیں البتہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتم النبیین ہیں اور آپ کی بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح مقارن ہے اور آپ کا وصفی نام حاشر اور مقفی (سب سے پیچھے آنے والا ہے) تو آپ نے آخرت کا ذکر ایسی تفصیل کے ساتھ پیش کیا کہ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ایسی تفصیل موجود نہیں اسی لئے فلاسفہ کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اجسام کے اٹھائے جانے کا تفصیلی ذکر صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کیا ہے اس لحاظ سے انھوں نے اس مسئلہ کو تخییل سے تعبیر کیا ہے اور قرآن نے موت کے بعد روح کے واپس آنے اور قیامت کبریٰ کے وقت بدن کے اٹھائے جانے کا ذکر متعدد مقامات میں کیا ہے فلاسفہ چونکہ قیامت کبریٰ اور اجسام کے اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ ان باتوں کی خبر خیالی انداز میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ہم ان کی باتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہیں اس لئے کہ قیامت کبریٰ تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ہاں معروف ہے حضرت آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰ علیہم السلام سب نے اس کے بارے میں بتایا بلکہ آدمؑ کو جنت سے اتارا گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے قیامت کی خبر دی ارشاد خداوندی ہے

اِهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (الاعراف ۲۴)

ترجمہ:۔ (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانہ اور (زندگی) کا سامان (کر دیا گیا) ہے۔

نیز فرمایا: قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ۔ (الاعراف ۲۵)

ترجمہ:۔ (یعنی) کہا گیا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا ہوگا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔

اور جب ابلیس لعین نے مطالبہ کیا:۔ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔

ترجمہ:۔ اے پروردگار مجھے قیامت تک مہلت دیجئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (ص ۸۰ - ۸۱)

ترجمہ:۔ تجھ کو مہلت دی جاتی ہے اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے

نیز نوح علیہ السلام نے فرمایا:۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ (نوح ۱۷ - ۱۸)

ترجمہ:۔ اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر اسی میں تمھیں لوٹا دے گا اور اسی سے تم کو نکال کھڑا کرے گا۔

نیز ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء ۸۲)

ترجمہ:۔ اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

نیز فرمایا:۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار مجھے اور میرے والدین اور ایمان والوں کو (اس روز) معاف کر جس دن حساب قائم ہوگا۔

نیز فرمایا:۔ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى - (البقرہ ۲۶۰)

ترجمہ:۔ اے اللہ مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب اس نے سرگوشی کی اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى (طٰہٰ ۱۵ - ۱۶)

ترجمہ:۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ (وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے دیکھیں تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ گے

بلکہ آل فرعون کا مومن قیامت کا علم رکھتا تھا اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان تھا اللہ تعالیٰ اس کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ

مَنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ (غافر ۳۲-۳۳)

ترجمہ:۔ اے قوم مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے جس دن تم پیٹھ پھیر کر قیامت کے دن میدان سے بھاگو گے اس دن تم کو کوئی (عذاب) خدا سے بچانے والا نہ ہوگا اور جس شخص کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

نیز یٰقَوْمِ اِنَّ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ (غافر ۳۹)

ترجمہ: بھائیو یہ دنیا کی زندگی (چند روز) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

نیز اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔

ترجمہ:۔ فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے دعا کی:۔

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّا ھُدْنَآ اِلَیْکَ (الاعراف ۱۵۶)

ترجمہ:۔ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔

نیز اللہ پاک نے گائے کے واقعہ میں خبر دی ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْہُ بِبَعْضِھَا کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰہُ الْمَوْتٰی وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (البقرہ ۷۳)

ترجمہ:۔ تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو اس طرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

بے شک اللہ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے کہ اس نے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو خوشخبری دیں اور ڈرائیں نیز دوزخیوں کے بارے میں خبر دار کیا کہ جب ان سے دوزخ کے دربان کہیں گے:۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (الزمر ۷۱)

ترجمہ:۔ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی

آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے کہیں گے کیوں نہیں لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم تحقیق ہو چکا تھا۔

اس آیت میں دوزخیوں کے اعتراف کا ذکر ہے کہ رسولوں نے ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا تھا چنانچہ جس طرح خاتم الرسل نے ڈرایا اسی طرح دوسرے رسولوں نے بھی ڈرایا کہ گنہگاروں کو دنیا و آخرت میں فلاں فلاں سزاؤں سے واسطہ پڑے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک کی اکثر سورتیں جن میں وعد اور وعید کا ذکر ہے ان میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ دنیا اور آخرت میں وہ عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوں گے نیز اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ آخرت کے دن کی یقین دہانی قسم اٹھا کر فرمائیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ (سبا ۳)

ترجمہ:۔ اور کافر کہتے ہیں کہ (قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی کہہ دو کیوں نہیں (آئے گی) میرے پروردگار کی قسم وہ تم پر ضرور آکر رہے گی (وہ پروردگار) غیب کا جاننے والا ہے۔

نیز فرمایا:۔ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ (یونس ۵۳)

ترجمہ:۔ اور وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے کہہ دو ہاں خدا کی قسم سچ ہے اور تم بھاگ کر خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔

نیز فرمایا۔ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (التغابن ۷)

ترجمہ:۔ جو لوگ کافر ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے کہہ دو کہ ہاں ہاں میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمہیں بتائے جائیں گے اور یہ خدا کو آسان ہے۔

نیز قرب قیامت کے بارے میں فرمایا:

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ (القمر ۱)

ترجمہ:۔ قیامت قریب آگئی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے

نیز فرمایا:۔ اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ (الانبیاء ۱)

ترجمہ:۔ لوگوں کے لئے ان کا حساب قریب آگیا ہے اور وہ غفلت میں روگردانی کرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا۔ سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ مِّنَ اللَّهِ

ذِی الْمَعَارِجِ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ بَعِیْدًا وَّ نَرٰىہُ قَرِیْبًا (المعارج ۱-۷)

ترجمہ:۔ ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا (یعنی) کافروں پر (اور) کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا (اور وہ) خدائے صاحب درجات کی طرف (نازل ہوگا) جس طرف روح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں (اور) اس روز (نازل ہوگا) جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا (تو تم کافروں کی باتوں کو) حوصلے کے ساتھ برداشت کرتے رہو وہ ان لوگوں کی نگاہ میں دور ہے اور ہماری نظر میں قریب ہے۔

نیز قیامت کی تکذیب کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ہ (یونس ۴۵)

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے خدا کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔

نیز فرمایا:۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْھَا (الانعام ۳۱)

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آموجود ہوگی تو بول اٹھیں گے کہ ہائے اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی۔

نیز فرمایا:۔ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ۔ (الشوریٰ ۱۸)

ترجمہ:۔ دیکھو جو لوگ قیامت میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

نیز فرمایا:۔ بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْھَا بَلْ ھُمْ مِّنْھَا عَمُوْنَ (النمل ۶۶)

ترجمہ:۔ بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم منتہی ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے بھی اندھے ہو رہے ہیں

نیز فرمایا:۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ بَلٰی وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ہ لِیُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰذِبِیْنَ۔ (النحل ۳۸-۳۹)

ترجمہ:۔ اور یہ خدا کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے خدا اسے (قیامت کے

دن قبر سے) نہیں اٹھائے گا ہرگز نہیں یہ (خدا کا) وعدہ سچا ہے اور اس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دے گا اور اس لئے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔

نیز فرمایا: وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ (غافر ۵۹)

ترجمہ: قیامت تو آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے۔

نیز فرمایا: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا مَّأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا (الاسراء ۹۷)

ترجمہ: اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے گونگے اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہو گی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لئے) اور بھڑکا دیں گے۔

نیز فرمایا: ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا (الاسراء ۹۸)

ترجمہ یہ ان کی سزا ہے اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں سے کفر کرتے رہے اور کہتے رہے کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سرِ نو پیدا کئے جائیں گے

نیز فرمایا: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا (الاسراء ۹۹)

ترجمہ: کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے (لوگ) پیدا کر دے اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں تو ظالموں نے انکار کرنے کے سوا (اسے) قبول نہ کیا۔

نیز فرمایا: وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۞ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۞ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ۞ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا (الاسراء ۴۹ - ۵۲)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا ازسرِ نو پیدا ہو کر اٹھیں گے کہہ دو کہ (خواہ تم) پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور چیز جو تمہارے نزدیک (پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو جھٹ کہیں گے کہ (بھلا) ہمیں دوبارہ کون جلائے گا کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو (تعجب سے) تمہارے آگے سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہو گا کہہ دو امید ہے کہ جلد ہو گا جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے ہے۔

خیال کیجئے کہ انھیں ہر سوال کا جواب کتنی تفصیل سے دیا گیا ہے جب انھوں نے کہا

ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا - (الاسراء - ۴۹)

ترجمہ:- کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا ازسرِ نو پیدا ہو کر اٹھیں گے۔

تو انھیں جواب کہا گیا اگر تم خیال کرتے ہو کہ تمہارا کوئی خالق اور کوئی رب نہیں تو تم کیوں نہ ایسی مخلوق بن گئے جن کو موت فنا نہ کر سکتی مثلاً تم پتھر، لوہا یا تمہارے خیال میں جو بڑی مخلوق تھی وہ کیوں نہ بن گئے اور اگر تم یہ کہو کہ ہم تو ایسی مخلوق تھے جو بقاء کو قبول نہیں کرتی تو پھر کونسی وہ چیز ہے جو تمہارے خالق اور اس کے تمھیں دوبارہ پیدا کرنے کے درمیان حائل ہے یہی دلیل ان الفاظ سے بھی بیان کی جا سکتی ہے اگر تم پتھر، لوہا یا اس سے بھی بڑی مخلوق ہوتے تو اللہ قادر تھا کہ تمھیں فنا کر دیتا اور تمہاری ذات کو تبدیل کرتا اور ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کر دیتا پس جو ذات ان اجسام میں تصرف یعنی ان کے فنا کرنے اور تبدیل کرنے سے کیسے عاجز ہو سکتا ہے پھر اللہ نے بتایا کہ وہ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں کون لوٹائے گا جب ہمارے اجسام تبدیل ہو جائیں گے یا فنا ہو جائیں گے اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (الاسراء ۵۱)

ترجمہ:- کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا ہے۔

جب دلیل ثابت ہو گئی اور اعتراض ختم ہو گیا تو بہانہ تراشتے ہوئے اور اپنی ناکامی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اچھا بتاؤ قیامت کب قائم ہو گی تو انھیں جواب دیا گیا کہ وہ تو بہت قریب ہے اسی قبیل سے ارشاد خداوندی ہے :-

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (یٰس ۷۸)

ترجمہ :۔ اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا
کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا ؟
پس اگر فصیح بلیغ علم و فضل میں نادرۂ روزگار انسان اس مذکورہ دلیل سے بہتر یا اس جیسی
دلیل ان جیسے الفاظ میں اختصار کے ساتھ ساتھ تفصیلی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا
تو ہرگز پیش نہ کر سکے گا خیال کیجئے اللہ پاک نے اس دلیل کا آغاز ایک ملحد انسان کے سوال
سے کیا ہے جس میں جواب بھی موجود ہے چنانچہ وَنَسِيَ خَلْقَهُ (یٰس ۷۸) وہ اپنی پیدائش کو
فراموش کر بیٹھا، میں مکمل جواب موجود ہے پھر شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا۔
قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰس ۷۹)
ترجمہ :۔ کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔
تو پہلی بار پیدا کرنے سے دلیل پیش کی کہ وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے اس لئے کہ ہر عقلمند
انسان لازمی طور پر جانتا ہے کہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر
بھی قادر ہے اور اگر دوسری بار پیدا کرنے سے عاجز ہے تو پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ عاجز
ہوتا اس سے خالق کے خلق پر قادر ہونے کی نفی ہوتی ہے نیز پیدا کرنے کی تفصیلات کے علم
سے بھی ناواقف ہوتا چنانچہ اس کے بعد ذکر فرمایا :۔
وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یٰس ۷۹)
ترجمہ :۔ وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔
پس اللہ تعالیٰ نے پہلی بار پیدا کرنے کی تفاصیل، جزئیات، مادوں اور صورتوں کو خوب
جانتا ہے اسی طرح دوسری بار پیدا کرنے کی تفاصیل اور جزئیات وغیرہ کو بھی اسی طرح جانتا
تو جب اللہ کا علم کامل ہے کامل قدرت والا ہے تو اس کے لئے کیسے مشکل ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں
کو زندہ نہ کر سکے پھر اس کو پختہ دلیل کے ساتھ مؤکد رنگ میں پیش فرمایا جو ایک دوسرے ملحد
کے سوال کے جواب کو متضمن ہے ملحد کہتا ہے جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی طبعی طور
پر ان سے حرارت ختم ہو جائے گی اور خشکی آ جائے گی جب کہ زندہ چیز مادی اور طبعی طور پر
حرارت اور رطوبت والی ہوتی ہے جس سے اس کا اٹھایا جانا واضح ہے پس آیت میں دلیل
اور جواب دونوں موجود ہیں
الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ (یٰس ۸۰)

ترجمہ:۔ وہی جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس درخت کی ٹہنیوں کو رگڑ کر ان سے آگ نکالتے ہو۔

اس آیت میں اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ وہ درخت جو سرسبز ہے رطوبت اور برودت سے بھرا ہوا ہے اس سے اللہ پاک نے آگ کو نکالا جس میں انتہا درجہ کی حرارت اور یبوست موجود ہے پس وہ ذات جو کسی چیز سے اس کی ضد کو پیدا فرما سکتی ہے نیز تمام مخلوقات کے مواد اور عناصر جس ذات کی قدرت کے تابع اور مطیع ہیں وہ ذات ان افعال کے کرنے پر بھی قادر ہے جن کا ملحدین انکار کر رہے ہیں کہ کیسے بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کیا جا سکتا ہے پھر اس کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ بڑی چیز پر قادر ہے تو وہ معمولی چیز پر زیادہ قادر ہے ہر عاقل جانتا ہے کہ جو شخص خزانہ اٹھانے پر قادر ہے وہ چالیس درہم اٹھانے پر زیادہ قادر ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یٰس ۸۱)

ترجمہ:۔ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔

چنانچہ خبر دی ہے کہ جس نے آسمانوں زمین کو باوجود ان کی جلالت اور عظمت شان کے اور ان کے اجسام کے وسیع ہونے اور عجیب خلقت کے بغیر کسی نمونہ کے پیدا فرمایا تو کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے اور پہلی حالت میں لے آئے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (غافر ۵۷)

ترجمہ:۔ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نیز فرمایا:۔ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (یٰس ۸۱)

ترجمہ:۔ بھلا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے کیوں نہیں اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔

پھر اللہ پاک نے اس کو مؤکد اور دوسرے انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا

فعل اس شخص کی طرح نہیں ہے جو آلات اور تکلیف کے ساتھ مشقت اٹھاتے ہوئے کسی فعل کو سرانجام دیتا ہے وہ اکیلا آزادی کے ساتھ اس فعل کو نہیں کر سکتا ہے بلکہ اسے معاونین کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن اللہ کے لئے کسی چیز کے پیدا فرمانے میں صرف ارادہ اور کلمۂ کن کہنا کافی ہے جب وہ کلمہ کن کہتا ہے تو اس کی مشیت اور ارادہ کے مطابق وہ فعل تکمیل پذیر ہو جاتا ہے پھر اس دلیل کو ختم کرتے ہوئے بتایا کہ تمام چیزوں پر اس کی بادشاہت ہے وہ ان میں اپنے قول اور فعل کے ساتھ جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے اسی مضمون کا یہ قول خداوندی ہے :-

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝

أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ (القیامۃ ۳۶ - ۴۰)

ترجمہ :- کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا پھر لوتھڑا ہوا پھر (خدا نے) اس کو بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک) مرد اور (ایک) عورت کیا اس کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے ۔

تو اس میں اللہ پاک نے دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ انسان کو امر و نہی اور ثواب و عقاب سے رائگاں نہیں چھوڑے گا اس کی حکمت اور اس کی قدرت اس کا شدت کے ساتھ انکار کرتی ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا :-

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ الی آخر السورۃ (مومنون)

ترجمہ :- کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے ۔

خیال کیجئے وہ ذات جس نے انسان کو نطفہ سے جمے ہوئے خون کی شکل میں تبدیل کیا پھر اسے گوشت کا ٹکڑا بنایا پھر اس میں کان اور آنکھ کو پیدا فرمایا اور اس میں حواس اور قوتوں کو ودیعت فرمایا اور ہڈیوں اور اعصاب سے مضبوط کیا اور اس کے جوڑوں کو مضبوط بنایا پھر اس کو ماں کے رحم سے اس بہترین شکل میں پیدا فرمایا وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے سے کس طرح عاجز ہے بلکہ کیا اس کی حکمت عنایت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ انسان کو بے کار بنائے یہ تو

اس کی حکمت کے لائق نہیں اور نہ ہی وہ اس سے عاجز ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے ذرا غور کریں کتنا عجیب استدلال ہے اور کتنا اختصار ہے شاید اس سے زیادہ اختصار ممکن ہی نہیں نیز کتنا واضح اور پر مغز بیان ہے کہ اس سے زیادہ وضاحت ممکن نہیں اور کتنا جاذب اور پر کشش ہے کہ اس سے زیادہ پر کشش ممکن نہیں قرآن پاک میں اس قسم کے دلائل کثرت کے ساتھ مذکور ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ (الحج ۵)

ترجمہ:- لوگو اگر تم کو (مرنے کے بعد) جی اٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتدا میں) مٹی سے پھر اس سے نطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرا کے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو۔ اور بعض (قبل از پیری) مرجاتے ہیں اور بعض (شیخ فانی ہو جاتے ہیں اور بڑھاپے کی نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ خدا ہی (قادر مطلق ہے جو) برحق ہے اور یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں

کچھ شک نہیں اور یہ خدا سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔

نیز فرمایا:۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ (المؤمنون ۱۲)

ترجمہ:۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنایا تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا با برکت ہے پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو پھر قیامت کے روز اٹھا کر کھڑے کیے جاؤ گے۔

نیز اللہ پاک نے اصحاب کہف کا واقعہ ذکر فرمایا کہ کس طرح انھیں تین سو سال شمسی اور تین سو نو سال قمری مارے رکھا ان کے بارے میں فرمایا:۔

وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا۔ (الکہف ۲۱)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو ان کے حال) سے خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) اس میں کچھ شک نہیں۔

<u>کیا اجسام جواہر مفردہ سے مرکب ہیں؟</u> جو لوگ اس کے قائل ہیں وہ ان کے معاد کے بارے میں مخبوط الحواسی اور اضطرابی کا شکار ہیں اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں ایک قول جواہر معدوم ہو جائیں گے پھر انھیں لوٹایا جائے گا دوسرا قول اجزاء منفرق ہو جائیں گے پھر اکٹھا کر لیا جائے گا اس پر اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ جس انسان کو حیوان اپنا لقمہ بنا لیتا ہے پھر اس حیوان کو انسان کے وہی اجزاء دوبارہ لوٹائے جائیں تو لوٹائے نہیں جا سکتے نیز ان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انسان لمحہ بہ لمحہ تحلیل ہوتا رہتا ہے پس کس کو لوٹایا جائے گا؟ کیا وہ ڈھانچہ جو موت کے وقت تھا اس کا اعادہ ہے اگر اس کا اعادہ ہے تو ضروری ہے کہ اس کا اعادہ کمزور صورت میں ہے ظاہر ہے کہ یہ چیز نص کے خلاف ہے اگر اس کا اعادہ نہیں تو بعض اجسام

دیگر بعض اجسام سے افضل اور اولیٰ نہ ہوتے اسی لئے بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان میں ایسے اجزاء اصلیہ ہیں جو حل نہیں ہوتے اور اس میں اس حیوان کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا جس کا دوسرے حیوان نے لقمہ بنایا ہے تمام عقلاء جانتے ہیں کہ انسان کا تمام بدن حل ہو جاتا ہے اس کا کوئی جز باقی نہیں رہتا پس معاد کے بارے میں انھوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس نے فلاسفہ کے شبہ کو اجسام کے معاد کے انکار میں قوی بنا دیا ہے۔

سلف صالح، جمہور علماء کا قول ہے کہ اجسام ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور وہ مٹی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں پھر اللہ ان کو از سر نو پیدا فرمائے گا جیسا کہ وہ نشأۃ اولیٰ سے تبدیل ہوا پہلے وہ نطفہ تھا پھر منجمد خون بنا پھر گوشت کا ٹکڑا بنا پھر اس نے ہڈیوں اور گوشت کی شکل اختیار کی پھر اس کو سیدھے قد والا انسان بنایا اسی طرح اعادہ بھی ہے تمام جسم کے بوسیدہ ہونے کے بعد سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرہ کے اللہ اس کا اعادہ فرمائے گا صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا تمام ڈھانچہ سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرہ کے، بوسیدہ ہو جائے گا اسی سے اس کا خلق ہوا اور اسی سے اس کو جوڑا جائے گا[1] ایک دوسری حدیث میں ہے آسمان سے مردوں کی منی کی بارش ہوگی وہ قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے زمین سے انگوری[2] نکلے گی پس نشأۃ اولیٰ اور ثانیہ ایک جنس کے تحت ہیں ان میں من وجہ تماثل اور توافق ہے اور من وجہ افتراق اور تنوع ہے اور بعینہٖ پہلے جسم کو لوٹایا جائے گا اگرچہ اعادہ اور آغاز خلق کے لوازم کے درمیان فرق ہے بس ریڑھ کی ہڈی کا آخری مہرہ ہی باقی رہے گا اور باقی جسم کی شکل تبدیل ہو جائے گی پھر اسی مادہ سے اعادہ کیا جائے جس مادہ میں وہ تبدیل ہو گیا تھا کتنی واضح بات ہے کہ جس شخص نے کسی انسان کو عالم طفولیت میں دیکھا پھر اس کو عالم شیخوخت میں دیکھا تو وہ فوراً بھانپ لے گا کہ یہ وہی ہے حالانکہ وہ ہمیشہ سے تبدیل ہو رہا ہے یہی حال تمام حیوانات اور نباتات کا ہے جس شخص نے چھوٹا سا پودا دیکھا جب وہ تناور درخت بن گیا پھر اس کو دیکھا تو کہہ دیا کہ یہ تو وہی ہے حالانکہ نشأۃ ثانیہ کی حالت نشأۃ اولیٰ کی حالت کے مطابق نہیں ہے تو کہنا پڑے گا کہ صفات میں تغائر موجود ہے خاص طور پر جنتی لوگ جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ آدم کی شکل میں داخل ہوں گے یعنی ساٹھ ہاتھ لمبے قد والے ہوں گے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے نیز روی ہے کہ چوڑائی سات ہاتھ ہوگی یہ

---

[1] البخاری، مسلم، احمد الفاظ احمد کے ہیں (۲/۳۲۲) اضافہ ہے اس کو مٹی کھا جاتی ہے اس کی سند مضبوط ہے [2] حدیث ضعیف ہے طبرانی فی المعجم الکبیر (۱/۹۶/۱۔۲) طویل حدیث عن ابی رزین ہے حدیث موقوف ہے لیکن اس کو مرفوع کا حکم ہے حدیث میں انقطاع ہے۔

نشأۃ ثانیہ باقی رہے گی آفات کا اس پر پیش آنا نہیں ہوگا پہلی نشأۃ فنا ہو جائے گی جو آفات کا پیش خیمہ رہی۔

امام طحاوی کا قول:۔ اعمال کی جزا پر ہمارا ایمان ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ - (الفاتحہ ۳) جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔

نیز فرمایا:۔ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ - (النور ۲۵)

ترجمہ:۔ اس دن خدا ان کو (ان کے اعمال کا) پورا پورا اور ٹھیک بدلہ دے گا اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا برحق (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے۔

دین کا معنیٰ بدلہ ہے کہا جاتا ہے (کما تدین تدان) جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - (السجدۃ ۱۷)۔ الاحقاف ۱۴۔ الواقعہ ۲۴)

ترجمہ:۔ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

نیز فرمایا:۔ جَزَآءً وِّفَاقًا (النبأ ۲۶) پورا پورا بدلہ

نیز فرمایا:۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ - (الانعام ۱۶۱)

ترجمہ:۔ جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو کوئی برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

نیز فرمایا:۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (النمل ۸۹-۹۰)

ترجمہ:۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لئے اس سے بہتر (بدلہ تیار) ہے اور ایسے لوگ (اس روز) گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے اور جو برائی لے کر آئے گا ایسے لوگ دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے تم کو ان ہی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔

نیز فرمایا:۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - (القصص ۸۴)

ترجمہ:۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر (صلہ موجود) ہے اور جو شخص برائی لائے گا تو جن لوگوں نے برے کام کئے ہیں ان کو بدلہ بھی اسی طرح کا ملے گا جس طرح کہ وہ کام کرتے تھے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں راوی ابوذر غفاری ہیں اللہ فرماتے ہیں اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے شمار کرتا ہوں پھر تم کو ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔
پس جو شخص نیک عمل پائے اس پر اللہ کی تعریف کرے اور جو شخص برے عمل پائے وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے (مسلم، احمد) مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آئے گی۔
شیخ طحاوی کا قول :۔ ہم اللہ کے سامنے پیشی (حساب، اعمالنامے پڑھنے ثواب و عقاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے :۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ الی آخر السورة (الحاقة ۱۵)

ترجمہ :۔ تو اس روز ہونے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر (اتر آئیں گے) اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اس روز تم (سب لوگوں کے سامنے) پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

نیز فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝ (الانشقاق ۶-۱۵)

ترجمہ :۔ اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملے گا تو جس کا نامہ (اعمال) اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا اس سے حساب آسان لیا جائیگا اور اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل ہوگا یہ اپنے اہل و عیال میں مست رہتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ (خدا کی طرف) پھر کر نہ جائے گا ہاں (ہاں) اس کا پروردگار اسکو دیکھ رہا تھا۔

نیز فرمایا۔ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الکھف ۴۸)

ترجمہ۔ اور سب تمہارے پروردگار کے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے) جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آئے۔

نیز فرمایا۔ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (الکهف ۴۹)

ترجمہ۔ اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے جو عمل کئے جاتے ہوں گے حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی مومن پر ظلم نہیں کرے گا۔

نیز فرمایا۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آخر سورہ ابراہیم)

ترجمہ۔ اس دن جب کہ زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیئے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔

نیز فرمایا۔ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (غافر ۱۵)

ترجمہ۔ وہ مالک درجات عالی اور صاحب عرش ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے جس روز وہ نکل پڑیں گے ان کی کوئی چیز خدا سے مخفی نہ رہے گی آج کس کی بادشاہت ہے خدا کی جو اکیلا (اور) غالب ہے آج کے دن ہر کسی شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا (آج کسی کے حق میں) بے انصافی نہیں ہوگی بیشک خدا جلد حساب لینے والا ہے۔

نیز فرمایا۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ (البقرہ ۲۸۱)

ترجمہ :۔ اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم خدا کے حضور لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔

نیز صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس کا محاسبہ ہوا وہ برباد ہوا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا فرمان خداوندی نہیں ہے

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (الانشقاق ۷ - ۸)

ترجمہ :۔ لیکن وہ شخص نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا اس کا حساب آسان ہوگا۔

اس پر آپ نے فرمایا یہ تو صرف پیش ہونا ہے ہاں قیامت کے دن جس شخص کا حساب کرید لیا گیا وہ عذاب میں گرفتار ہوا مقصود یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے حساب میں کرید کرے تو ان کو عذاب میں مبتلا رکھنے میں وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے اور درگذر کرتا ہے مزید وضاحت آئندہ اوراق میں آئے گی۔ نیز حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو موسیٰ علیہ علیہ السلام عرش کے پائے کو تھامے ہوئے ہوں گے میں نہیں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا کوہ طور کے دن کی بے ہوشی کے بدلہ میں کمی ہوگئی۔ (بخاری، مسلم) یہ بے ہوشی میدان محشر میں ہو گی جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے آئے گا اور زمین اس کی روشنی سے چمک اٹھے گی اس وقت تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی۔

اعتراض :۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا[1] جواب ہے کہ لوگ قیامت کے روز بے ہوش ہو جائیں گے پہلا شخص جس سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے کو تھامے ہوئے ہوں گے۔

جواب :۔ ہم کہیں گے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے جس سے

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے امام بخاری کتاب الخصومات کے آغاز میں ابو سعید خدری سے مرفوعاً لائے ہیں، جب کہ ایک صحابی نے یہودی پر طعن لگایا تو آپ نے فرمایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت عطا نہ کرو۔ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے سب سے پہلے مجھ سے زمین پھٹے گی میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ انھوں نے عرش کے پائے کو تھاما ہوا ہوگا میں نہیں جانتا کیا وہ بیہوش ہوئے ہیں یا ان کی پہلی بیہوشی کا حساب کر لیا گیا ہے امام مسلم نے (۲/۲۴۳) میں ذکر کیا مکمل الفاظ یہ نہیں ہیں مسند احمد (۳/۳۳) میں کچھ الفاظ کی تبدیلی ہے اس حدیث کی شاہد مسلم میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے (۲/۲۴۲) کہ اللہ کے انبیاء میں ایک دوسرے پر فضیلت عطا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ)

اشکال پیدا ہوتا ہے لیکن سند میں کسی راوی پر ایک حدیث کے الفاظ دوسری حدیث میں خلط ملط ہو گئے ہیں حالانکہ دونوں حدیثیں ان الفاظ کے ساتھ ہیں ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں لوگ قیامت کے دن بیہوش ہو جائیں گے سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گی دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے جس سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں گا۔

تو راوی پر ایک حدیث کے الفاظ کا دوسری حدیث کے الفاظ کے ساتھ اختلاط ہو گیا اس کی وضاحت ابو الحجاج مزی ان کے بعد شیخ شمس الدین ابن قیم، شیخ ابن کثیر رحمہم اللہ نے کی ہے اسی طرح بعض راویوں پر اشتباہ ہوا اس نے کہا میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آیا یا وہ بیہوشی سے مستثنیٰ رہا لیکن محفوظ حدیث جس کی موافقت دیگر صحیح احادیث کر رہی ہیں پہلی حدیث ہے صحیح مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فیصلوں کے لئے آئے گا تو جب اللہ تعالیٰ بندوں کو تجلی فرمائیں گے تو وہ بیہوش ہو جائیں گے اگر موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ بیہوش نہ ہوں گے تو در اصل انھیں اس دن کی بیہوشی کی وجہ سے (جب اللہ نے پہاڑ پر تجلی کی تھی اور اس کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا) بیہوش نہیں کیا جائے گا پہلی بیہوشی کا بدلہ ہو جائے گا اس مفہوم پر غور کیجئے اور اسے بے فائدہ نہ سمجھئے۔

چنانچہ امام احمد، ترمذی، ابوبکر بن ابی الدنیا حسن سے بیان کرتے ہیں انھوں نے ابو موسیٰ اشعری سے سنا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی پہلی دو پیشیوں میں جھگڑے اور عذر وغیرہ ہوں گے اور تیسری پیشی میں اعمال نامے ہاتھوں میں آ جائیں گے جس کو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں پکڑایا گیا اور اس کا حساب آسان ہوا وہ جنت

(بقیہ گذشتہ صفحہ) نہ کرو جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان زمین کی تمام چیزیں (سوائے ان کے جن کو اللہ چاہے) بیہوش ہو جائیں گی۔ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرش کو تھاما ہو گا میں نہیں جانتا طور کی بے ہوشی کا حساب کر کے کمی کر دی گئی ہے یا مجھ سے پہلے اٹھایا گیا ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نفخہ ثانیہ اٹھانے کے لئے جس کا آیت میں ذکر ہے وہ نفخہ نہیں ہے جو فیصلوں کے لئے ہے جیسا کہ شارح نے امام ابن قیم کے پیچھے چلتے ہوئے یہ بات کہی ہے اس طرح حدیث میں وارد اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ؎ مسلم رقم ۲۲۷۸ (باب تفضیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم) الفاظ یہ ہیں میں پہلا ہوں جس سے زمین پھٹ جائے گی نیز ابو داؤد، ترمذی، احمد نے روایت کیا۔ ؎ حدیث ضعیف ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں داخل ہوا اور جس کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا وہ دوزخ میں داخل ہوا ابن ابی الدنیا نے ابن مبارک سے یہ اشعار ذکر کیے ہیں۔

وطارت الصحف فی الایدی منتشرة	فیها السرائر والاخبار تطلع
فکیف سهوك والانباء واقعة	عما قلیل ولا تدری بما تقع
افی الجنان وفوز لا انقطاع له	ام الجحیم فلا تبقی ولا تدع
تهوی بساکنها طورًا وترفعهم	اذا رجوا مخرجا عن غمها قمعوا
طال البقاء فلم یرحم تضرعهم	فیها ولا رقیة تغنی ولا جزع
لینفع العلم قبل الموت عالم	قد سال قوم بها الرجعی فما رجعوا

ترجمہ :- اعمال نامے ہاتھوں میں پھیلے ہوئے ہوں گے ان میں رازدارانہ باتیں اور واقعات نمایاں ہوں گے تو کیسے فراموش ہو کر بیٹھا ہے، حالانکہ قیامت بہت جلدی واقع ہونے والی ہے لیکن تو نہیں جانتا کب واقع ہو گی کیا تیرا ٹھکانہ جنتیوں میں ہے اور نہ ختم ہونے والی کامیابی ہے یا جہنم ہے جو کسی چیز کو باقی نہ چھوڑے گی دوزخ اپنے رہنے والوں کو کبھی نیچے اور کبھی اوپر کنارے سے آئے گی جب کنارے سے نکلنے کی امید کریں گے تو انھیں رد کر دیا جائے گا دوزخ میں لوٹنا لمبا ہو گا لیکن آہ و بکا سے کچھ رحم نہ ہو گا نہ دم وغیرہ کچھ فائدہ دے گا اور نہ گھبرانے سے کچھ فائدہ حاصل ہو گا علم والے موت سے قبل فائدہ حاصل کر لیں وہاں دوزخی واپس لوٹنے کا سوال کریں گے لیکن نہیں لوٹ سکیں گے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول :- پلصراط پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ پلصراط جہنم پر ایک پل کا نام ہے جب لوگ محشر کے میدان سے الوداع ہوں گے تو پلصراط کے قریب ایک تاریک مقام پر پہنچیں گے جیسا کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا جس دن زمین تبدیل ہو گی اور آسمان لپیٹے جائیں گے تو لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ پلصراط کے قریب تاریکی میں ہوں گے[1] یہ وہ مقام ہے جہاں سے منافق لوگ ایمانداروں سے الگ ہوں گے اور پیچھے رہ جائیں گے ایماندار لوگ آگے ہوں گے ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گی جو ان کو ان کی طرف

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) حسن بصری مدلس ہے اس نے عن کے ساتھ حدیث بیان کی ہے یہ علت ایسی ہے کہ اگرچہ حسن بصری کا سماع ابوہریرہ اور ابوموسیٰ سے ثابت بھی ہو جائے تب بھی مدلس کی روایت میں یہ کافی نہیں جب تک کہ صریحاً حدثنا کے الفاظ نہ ہوں جیسا کہ اصول حدیث میں اس کا ذکر ہے ہاں اگر کسی روایت میں حسن بصری کا ابوموسیٰ سے صریحاً سماع ثابت ہو تو تسلیم کیا جائے گا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مسلم (۱/۱۷۳)

جانے سے روکے گی بیہقی میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا اعمال کے مطابق انہیں روشنی عطا ہوگی بعض کی روشنی پہاڑ کی مانند ہوگی بعض کی اس سے بھی زیادہ روشنی ہوگی اور بعض کے دائیں ہاتھ میں کھجور کی مثل روشنی ہوگی بعض کی اس سے بھی کم ہوگی آخر انسان کی روشنی پاؤں کے انگوٹھے کے برابر ہوگی کبھی روشنی ہوگی کبھی بجھ جائیگی جب روشنی ہوگی تو وہ اپنا پاؤں آگے رکھے گا جب بجھ جائے گی تو وہ رک جائے گا چنانچہ وہ بھی اور دوسرے لوگ بھی پلصراط سے گذریں گے خیال رہے پلصراط تلوار کی دھار کی مانند ہوگی جس سے پاؤں پھسلے گا ان سے کہا جائے گا اپنی روشنی کے حساب سے چلو بعض ستارے کے ٹوٹنے کے وقت کے برابر گذریں گے بعض آندھی کی طرح بعض آنکھ جھپکنے کے برابر بعض آدمی کے تیز دوڑنے کی مانند گذریں گے بہر حال اپنے اعمال کے مطابق گذریں گے۔ یہاں تک کہ اس شخص کا گزرنا ہوگا جس کی روشنی پاؤں کے انگوٹھے میں ہوگی کبھی اس کا ایک ہاتھ پھسلے گا دوسرا درست رہے گا اور کبھی اس کا ایک پاؤں پھسلے گا اور دوسرا درست رہے گا لیکن اس کے جسم کے اطراف دوزخ کی آگ نے گھیر رکھا ہوگا اس طرح ان کا پل صراط پر سے گزرنا ہوگا جب گزر جائیں گے تو کہیں گے تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں تجھے دکھا تا اور تجھ سے نجات عطا فرمائی بے شک اللہ نے ہمیں وہ انعام دیئے ہیں جو کسی کو نہیں دیئے گئے ہیں[1] - قرآن پاک میں لفظ ورود جو اللہ تعالیٰ

---

[1] حدیث صحیح ہے حاکم نے (۲/۳۸۶) میں روایت کیا میر لسنیال ہے بیہقی نے اس کے طریق سے روایت کیا حاکم نے اس روایت کو صحیح علی شرط الشیخین کہا ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے میں کہتا ہوں اس میں یزید بن عبدالرحمان راوی سے بخاری، مسلم میں کوئی روایت نہیں اگرچہ وہ سچا ہے لیکن اکثر طور پر خطا کر جاتا ہے نیز مدلس بھی ہے کما فی التقریب لیکن اس حدیث میں صراحتاً صیغۂ تحدیث کے ساتھ ذکر کیا ہے جس سے تدلیس کا وہم جاتا رہا اس سے خطا کا بھی خطرہ تھا لیکن متابعت نے خطا کے خطرہ کو بھی ختم کر دیا حاکم نے ۴/۵۹۰-۵۹۲) میں مکمل طویل حدیث ذکر کی ہے طبرانی نے معجم الکبیر ۳/۴۶/۲) ۴/۴۷/۲) میں ابو خالد عن ابن مسعود سے مرفوعاً ذکر کیا طبرانی میں اس کی متابعت مرفوعاً زید بن ابی انیسہ سے موجود ہے اور زید ثقہ ہے لہذا حدیث صحیح ہے والحمد للہ حاکم کی مرفوع اور موقوف روایت میں دونوں کے ساتھ اور طبرانی میں لفظ اصغر سے کے ساتھ ہے یہ روایت زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ اس پر سیاق دلالت کر رہا ہے۔ حاکم، طبرانی کی مرفوع، موقوف روایتیں فیمدون کے لفظ ہیں اسی طرح مستدرک اور معجم میں بھی ہیں البتہ وہ حدیث جس کو علامہ احمد شاکر نے کشد الرجال اور کمشیم کے الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ حاکم کی دوسری روایت (۲/۲۸۵) میں دالابی کے غیر طریق سے ہے اس طریق پر شیخ کی نظر نہیں گئی حالانکہ وہ اس صفحہ پر تھی جو دوسری روایت کے صفحہ کے بعد ہے (توفیق دینے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے)

کے اس قول وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا۔ (مریم ۷۱) اور تم سب اس پر وارد ہونے والے ہو۔ میں مذکور ہے اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے پختہ قول یہی ہے کہ اس سے مراد پلصراط پر سے گذرنا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا (مریم ۷۲)

ترجمہ:۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔

نیز صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ حفصہؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! کیا فرمان خداوندی نہیں ہے۔

وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم ۷۱) اور تم سب اس میں داخل ہونے والے ہو

آپ نے فرمایا کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا:۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا[1] - (مریم ۷۲)

ترجمہ:۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دوزخ پر وارد ہونا دوزخ میں داخل ہونے کو مستلزم نہیں نیز شر سے نجات پانا اس کے حصول کو مستلزم نہیں البتہ سبب کے انعقاد کو مستلزم ہے جیسے جس شخص کو دشمن ہلاک کرنے کے لئے تلاش کرتے ہیں لیکن ہلاک کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں کو اللہ نے اس کے دشمنوں سے نجات عطا کی ہے اسی لئے ارشاد خداوندی ہے

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا۔ (ھود ۵۸)

ترجمہ:۔ اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے ہود کو نجات دی۔

نیز فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا۔ (ھود ۶۶)

ترجمہ:۔ پس جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو نجات دی۔

نیز وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا - (ھود ۹۴)

ترجمہ:۔ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو نجات دی۔

---

[1] صحیح ہے مسلم احمد نے اس کی مثل ام بشر سے بیان کیا۔

حالانکہ عذاب میں وہ گرفتار نہیں ہوئے تھے ہاں ان کے غیر عذاب میں گرفتار ہوئے تھے اگر اللہ تعالیٰ انھیں اسباب نجات سے ہمکنار نہ کرتا تو وہ بھی ان کی طرح عذاب خداوندی میں گرفتار ہو جاتے اسی طرح ان لوگوں کا حال ہوگا جو دوزخ پر سے گذریں گے وہ پلصراط سے گذریں گے پھر اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو نجات دے گا اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل گرا دے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر کی حدیث میں بیان کر دیا ہے کہ اس سے مراد پلصراط پر سے گذرنا ہے نیز حافظ ابو نصر وائلی[1] نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو میری سنت کی تعلیم دو اگرچہ وہ اس کو برا جانیں اگر تو پسند کرتا ہے کہ تجھے پلصراط پہ آنکھ جھپکنے کے برابر بھی نہ رکنا پڑے کہ تو جنت میں داخل ہو جائے تو تجھے اللہ کے دین میں اپنی رائے سے نئی چیزوں کو داخل نہیں کرنا چاہیئے[2] قرطبی نے ذکر کیا نیز ابو بکر بن احمد بن سلیمان نجار نے یعلیٰ بن منبہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ مومن سے کہے گی اے مومن تیری روشنی نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

امام طحاوی کا قول:۔ ہم ترازو پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۔ (الانبیاء ۴۷)

ترجمہ:۔ اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانہ کے برابر (بھی کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسکو لا موجود کر دیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

نیز فرمایا۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۔ (المومنون ۱۰۲-۱۰۳)

ترجمہ:۔ تو جن کے (عملوں کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

---

[1] ابو نصر سجزی المتوفی سنۃ ۴۴۴ھ ہے (تذکرۃ الحفاظ ۳/۲۸۹-۲۹۸)

[2] حدیث موضوع ہے دراصل ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو ابو نعیم اور خطیب نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً ذکر کیا ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا میں نے اس حدیث پر احادیث ضعیفہ (۲۶۳) میں کلام کیا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں علماء کا قول ہے جب حساب ختم ہو جائے گا تو اس کے بعد اعمال کا وزن ہوگا اس لئے کہ وزن جزا دینے کیلئے ہے تو اسے محاسبہ کے بعد ہی ہونا چاہیئے محاسبہ اعمال کے ثابت کرنے اور وزن مقادیر کے اظہار کے لئے ہے تاکہ پورا پورا بدلہ مل سکے اس نے بیان کیا نیز ارشاد خداوندی ہے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (الانبیاء ۴۷)

ترجمہ:- اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ساتھ ترازو رکھیں گے ۔

اس بات کا بھی محتمل ہے کہ متعدد ترازو ہوں جن میں اعمال کا وزن کیا جائے یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد موزونات ہیں پس موازین کو جمع لانا موزونہ کے تنوع کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم ۔

سنت اس بات پر دال ہے کہ اعمال کے ترازو کے دو پلڑے ہیں جو حسی ہیں ان کا مشاہدہ کیا جائے گا۔ امام احمد حضرت عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص کو تمام مخلوق کی موجودگی میں اپنے سامنے پیش کرے گا اس کے اعمال نامے کے ننانویں دفاتر پھیلائے جائیں گے ہر دفتر بقدر نظر کے پھیلنے کے ہوگا اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کیا تو ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا انکار کرتا ہے کیا تجھ پر میرے مقرر کردہ نگران لکھنے والوں نے ظلم تو نہیں کیا؟ وہ جواب دے گا اے اللہ! نہیں پھر اللہ تعالےٰ کہے گا کیا تیرا کوئی عذر ہے یا تیری کوئی نیکی ہے وہ شخص حیران ہوگا اور کہے گا نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا اس کے لئے کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تحریر ہوگا اللہ فرمائے گا اس کو حاضر کر دو وہ کہے گا اے میرے پروردگار! ان دفتروں کے مقابلے میں اس پرزے کی کیا حیثیت ہے اسے جواب دیا جائے گا تجھ پر آج ظلم نہیں ہوگا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ تمام دفاتر ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور کاغذ کا پرزہ دوسرے میں رکھا جائے گا راوی بیان کرتا ہے کہ دفاتر وزن میں ہلکے ہوں گے اور کاغذ کا پرزہ بھاری ثابت ہوگا اس لئے کہ کوئی چیز بھی اللہ رحمان رحیم کے نام کے مقابلہ میں بھاری نہیں ہو سکتی[1] اسی طرح ترمذی، ابن ماجہ

---

[1] حدیث صحیح ہے حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ذہبی نے اس کی موافقت کی ترمذی نے حسن کہا ان دونوں کی روایت میں ہے اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہے ۔کتاب میں جو روایت ہے وہ مسند احمد کی ہے (۲/۲۱۳) روایت شاذ ہے میں نے سلسلہ الاحادیث الصحیحہ (۱۳۵) میں حدیث کی سند پر بحث کی ہے

ابن ابی الدنیا نے لیث کی حدیث روایت کی ترمذی میں اضافہ ہے اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھی بھاری نہیں ہو سکتی ایک دوسرے سیاق میں ہے ترازو قیامت کے دن رکھے جائیں گے ایک شخص کو لایا جائے گا اس کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اس حدیث سے مزید فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ اعمال کے ساتھ عمل کرنے والے کا بھی وزن کیا جائے گا اس کی شاہد بخاری کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو بڑا بھاری اور موٹا تازہ تھا لیکن اللہ کے ہاں وہ مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت تلاوت کرو۔

فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (الکہف ۱۰۶)

ترجمہ:۔ ہم ان کے (اعمال کا) قیامت کے دن وزن نہیں کریں گے۔

نیز مسند احمد میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ وہ پیلو کے درخت سے مسواک اتار رہا تھا اس کی پنڈلیاں بہت باریک تھیں تو ہوا کے جھونکے اس کو گرا رہے تھے اس پر لوگ ہنسنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تم کیوں ہنستے ہو انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا اس کی باریک باریک پنڈلیوں سے ہنس رہے ہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی پنڈلیاں ترازو میں احد پہاڑ سے بوجھل ہوں گی[۱] نیز وزن اعمال میں احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو نصف ایمان ہے الحمد للہ کا جملہ ترازو کے پلڑے کو بھر دے گا[۲] بخاری شریف کے آخر میں حدیث ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اللہ کے ہاں محبوب ہیں وزن میں بوجھل ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ[۳] نیز حافظ ابو بکر بیہقی انس بن مالک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا ابن آدم کو قیامت کے دن ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس پر ایک فرشتہ مقرر ہو گا اگر اس کا پلڑا

---

[۱] حدیث پہلی ہی ہے الفاظ الا ہیں سند کے لحاظ سے حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں ابن لہیعہ ہے جس کا حافظہ کمزور تھا وہ روایت جس میں وہ منفرد ہے قابل حجت نہیں ہے مسند احمد (۲/۲۲۱) [۲] حدیث صحیح ہے

[۳] حدیث حسن ہے مسند احمد (۱/۴۲۰) اسناد حسن ہے [۴] حدیث صحیح ہے۔

[۵] بخاری، مسلم۔

بھاری ہوا تو فرشتہ بلند آواز کے ساتھ منادی کرے گا اس کی آواز تمام مخلوق کو سنائی دے گی

• کہ فلاں آدمی سعادت مند ہے اس کے بعد وہ کبھی بدبخت نہ ہوگا اور اگر اس کا پلڑا ہلکا ہوا تو فرشتہ بلند آواز کے ساتھ منادی کرے گا جس کی آواز تمام مخلوق کو سنائی دے گی فلاں انسان بدبخت ہے اس کے بعد وہ کبھی خوش بخت[1] نہ ہوگا

پس اس وضاحت کے بعد کسی ملحد اسلام کے مخالف انسان کی بات کی طرف دھیان بھی نہ کیا جائے گا جو کہتا ہے کہ اعمال اعراض ہیں ان کا وزن ممکن نہیں اس لئے کہ وزن تو اجسام کا ہوتا ہے (اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں، وہ اعراض کو اجسام بنا سکتا ہے جیسا کہ اس مضمون کی حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ نیز مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] موت کو ٹیلے رنگ کے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا جنت اور دوزخ کے درمیان اسے کھڑا کیا جائے گا جنت والوں کو پکارا جائے گا اے جنت والو وہ سر اٹھائیں گے اور دیکھیں گے اور دوزخ والوں کو پکارا جائے گا اے دوزخیو! وہ بھی سر اٹھائیں گے اور دیکھیں گے (اور خیال کریں گے کہ نجات کا وقت آگیا ہے) اس دوران مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کیا جاتے گا اب ہمیشگی ہے موت نہیں ہے بخاری نے اس حدیث کو بالمعنی ذکر کیا ہے پس ان احادیث سے اعمال، عمل کرنے والوں اعمالناموں کا وزن ثابت ہوگیا نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ترازو کے دو پلڑے ہوں گے باقی کیفیات کو اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں۔

پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم غیب پر ایمان لائیں جس طرح کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے نہ ہم اس میں زیادتی کرتے ہیں نہ کمی کرتے ہیں اور کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جو قیامت کے دن انصاف کے ترازو کے رکھے جانے کی نفی کرتے ہیں دراصل انھیں اس کی حکمت معلوم نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ نصوص شرعیہ کا استنکاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ترازو کی ضرورت تو صرف سبزی فروش، غلہ فروش لوگوں کو ہوتی ہے اس فکر کے لوگ یقیناً اس لائق ہیں کہ قیامت کے دن ان کے لئے ترازو نہ کھڑا کیا جائے حالانکہ اعمال کے وزن کی یہی حکمت کافی ہے کہ اس سے اس کے

---

[1] حدیث موضوع ہے۔ ابو نعیم نے اس حدیث کو حلیہ میں ذکر کیا ہے اور ذکر کیا کہ اس حدیث میں داؤد بن محبر منفرد ہے میں کہتا ہوں وہ متروک نیز احادیث وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے۔

[2] حدیث صحیح ہے مسند احمد (۲/۴۲۳) سند صحیح ہے۔

بندوں پر عدل و انصاف کا ظہور ہوگا پھر اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر قبول کرنے والا کون ہے اسی لئے تو اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو خوشخبری دیں اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں ہو سکتی ہیں جو ہمیں معلوم نہیں غور کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کہ زمین میں نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا:۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کہ زمین میں نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا:۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۳۰)

ترجمہ: انھوں نے کہا کیا تو ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو زمین میں فساد برپا کرے اور کشت و خون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں بھی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔

نیز فرمایا: وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (الاسراء ۸۵)

ترجمہ: اور تم بہت ہی تھوڑا علم دیئے گئے ہو۔

سابقہ اوراق میں حوض کی تفصیل کے ضمن میں علامہ قرطبی کی وضاحت آ چکی ہے کہ حوض کوثر ترازو سے قبل ہے اور پلصراط ترازو کے بعد ہے۔ چنانچہ بخاری۔ مسلم میں ہے کہ ایماندار لوگ جب پلصراط سے گذر یں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر کھڑے کئے جائیں گے وہاں ایک دوسرے سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ جب چھانٹ اور صفائی ہو جائے گی تو انھیں جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی[۱]۔ علامہ قرطبی نے تذکرہ میں اس پل کو خاص طور پر ایمان داروں کے لئے دوسری پل صراط قرار دیا ہے اس پلصراط سے کوئی شخص دوزخ میں نہیں گرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ط) جنت، دوزخ بھی اللہ کی مخلوق ہیں دونوں کبھی فنا نہ ہوں گی اس لئے کہ اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے جنت، دوزخ کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے لئے مخلوق کو پیدا فرمایا ان میں سے جس شخص کو چاہے گا جنت میں داخل کرے گا یہ اس کا فضل ہے اور جس شخص کو چاہے گا دوزخ میں داخل کرے گا یہ اس کا عدل ہے ہر انسان وہی عمل کرتا ہے جس سے فارغ ہو گیا ہے اور اسی چیز کی طرف جانے والا ہے

[۱] بخاری فی المظالم، احمد ۳/۱۳، ۶۳، ۷۴، عن ابی سعید الخدری میں نے اس حدیث کو مسلم میں نہیں دیکھا۔

جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے نیز خیر اور شر دونوں بندوں کے لئے تقدیر میں لکھی گئی ہیں۔

(۸) امام طحاوی کا قول ہے

جنت، دوزخ دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنت اور دوزخ اللہ کی مخلوق ہیں اس وقت موجود ہیں اہل سنت اسی عقیدہ پر قائم رہے یہاں تک کہ معتزلہ قدریہ کا ظہور ہوا انھوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو قیامت کے دن بنائے گا ان کو اس پر ایک فاسد قاعدے نے برانگیختہ کیا جس کو انھوں نے از خود وضع کیا اور اس کو شریعت قرار دیا انھوں نے اللہ کو انسانوں کے مشابہ قرار دیا اور کہا کہ اللہ کے لائق ہے کہ فلاں کام کرے یہ لوگ در اصل مشبہ ہیں نیز ان میں جہمیت کے جراثیم بھی موجود ہیں اس لحاظ سے یہ لوگ معطلہ بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ جزا و سزا سے پہلے جنت، دوزخ کا پیدا کرنا بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ اس طرح جنت، دوزخ لمبا عرصہ بے آباد رہے انھوں نے ان نصوص کا رد کیا جو ان کی وضع کردہ شریعت کے خلاف تھیں جس شریعت کا انھوں نے اللہ کے لئے وضع کیا انھوں نے نصوص میں تحریف کی لوگوں کو گمراہ کیا جس نے بھی ان کی وضع کردہ شریعت کی مخالفت کی اس کو بدعتی کہا۔

نصوص کتاب سے جنت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے :۔

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (آل عمران ۱۳۳) پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے

نیز فرمایا أُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ (الحدید ۲۱)

ترجمہ:۔ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

نیز دوزخ کے بارے میں فرمایا :۔

أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ۔ (آل عمران۔ ۱۳۱) وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے

نیز فرمایا۔ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا لِّلطَّاغِيْنَ مَآبًا (النبا ۲۱ - ۲۲)

ترجمہ:۔ بیشک دوزخ گھات میں ہے (یعنی) سرکشوں کا وہی ٹھکانا ہے۔

نیز فرمایا وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى (النجم ۱۳-۱۵)

ترجمہ:۔ اور انھوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے پرلی حد کی بیری کے پاس پہنچنے کی بہشت ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہی کو بھی دیکھا وہاں جنۃ الماوی کو بھی دیکھا جیسا کہ بخاری

مسلم میں حضرت انس سے اسراء کے واقعہ کے آخر میں ہے۔ پھر مجھے جبریل لے کر چلا یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا سدرۃ المنتہیٰ کو مختلف قسم کے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا میں نہیں جانتا وہ کیا تھے پھر میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں موتی کے محلات تھے اور ان کی مٹی کستوری کی تھی[۱] نیز بخاری، مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس پر اس کا مقام صبح، شام پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنت والوں سے ہے تو جنت اگر وہ دوزخ والوں سے ہے تو دوزخ پیش کی جاتی ہے اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا اصل مقام ہے جب اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھائے گا[۲]۔ نیز براء بن عازب کی حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ آسمان میں منادی کرنیوالا منادی کریگا میرا بندہ سچا ہے اس کیلئے جنت میں فرش بچھا دو اس کیلئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو (راوی بیان کرتا ہے) کہ اس کے پاس جنت کی خوشبوئیں اور لطیف جھونکے آنے شروع ہو جائیں گے[۳]۔

نیز اس کی حدیث (جو بالمعنی براء کی حدیث ہے) پہلے گذر چکی ہے صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کسوف ہوا اس حدیث میں حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہاں ہر اس چیز کا مشاہدہ کیا جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ میں نے جنت میں ایک خوشہ پکڑا جب تم نے دیکھا کہ میں آگے بڑھا تھا نیز میں نے دوزخ کو دیکھا کہ اس کا بعض حصہ بعض کی توڑ پھوڑ کر رہا ہے جب تم نے دیکھا میں پیچھے ہوا[۴] نیز بخاری، مسلم میں ہے الفاظ بخاری کے ہیں عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ عہد رسالت میں سورج کسوف ہو گیا (اس حدیث کا ذکر کیا) اس میں انھوں نے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے آگے ہو کر کسی چیز کو پکڑا ہے پھر ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ ذرا پیچھے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اس کا ایک خوشہ پکڑا اگر میں نے اسے کھانا ہوتا تو تم اس سے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے اور میں نے دوزخ دیکھا میں نے آج کے دن کی مانند کوئی گھبراہٹ ناک منظر نہیں دیکھا میں نے اس میں زیادہ تعداد میں عورتیں دیکھیں صحابہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! یہ کس لئے آپ نے فرمایا ان کی ناشکری کرنے کی وجہ سے سوال کیا گیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں آپ نے فرمایا وہ خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرتیں اگر آپ ان سے زمانہ بھر احسان کرتے رہیں وہ تجھ سے کوئی ناخوشگوار چیز دیکھ پائے تو بول اٹھے گی میں نے کبھی بھی خیر کو نہیں دیکھا نیز صحیح مسلم میں انس کی حدیث میں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم ان چیزوں کا مشاہدہ کرو جن کا مشاہدہ میں کر رہا ہوں تو تمھارا ہنسنا کم ہو جائے اور رونا زیادہ ہو جائے صحابہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے کیا دیکھا آپ نے فرمایا میں نے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا (حدیث صحیح ہے) نیز مؤطا امام مالک اور سنن کی کتابوں میں کعب بن مالک کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں اڑتا پھرتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسکو قیامت کے روز اس کے جسم کی طرف واپس کر دیگا (حدیث صحیح ہے) مذکورہ حدیث واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ قیامت سے پہلے روح جنت میں داخل ہو گی نیز صحیح مسلم، سنن، مسانید کتابوں میں ہے حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ

---

[۱] حدیث صحیح ہے [۲] حدیث صحیح مسند احمد ۲/۶، ۱۵، ۱۱۳، ۱۲۳ [۳] حدیث صحیح ہے نماز کسوف میں طویل حدیث کا ٹکڑا ہے میں نے اس کی تخریج جزء صلوٰۃ الکسوف میں کی ہے [۴] حدیث صحیح ہے پہلے گذر چکی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے جنت ، دوزخ کو پیدا فرمایا تو حضرت جبریل کو جنت کی طرف بھیجا اس سے کہا جاؤ جنت کا مشاہدہ کرو نیز ان چیزوں کا جن کو میں نے جنت والوں کے لئے تیار کیا ہے جبریل واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم جو بھی جنت کے بارے میں سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہو گا پھر جنت کے بارے میں حکم دیا اس کو مصائب سے ڈھانپا گیا پھر فرمایا اب جاؤ جنت کا اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرو جن کو میں نے جنت والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے ۔ چنانچہ حضرت جبریل نے مشاہدہ کیا واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اس میں تو کوئی بھی داخل نہ ہو گا (راوی بیان کرتا ہے) پھر اس کو دوزخ کی جانب بھیجا اور کہا جاؤ دوزخ کا اور جو چیزیں میں نے دوزخ والوں کے لئے تیار کی ہیں ان کا مشاہدہ کرو اس نے ان کا مشاہدہ کیا تو اس کا بعض بعض کو توڑ رہا تھا پھر واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم جو اس کے بارے میں سنے گا وہ ہرگز اس میں داخل نہیں ہو گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے بارے میں حکم دیا اس کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ۔ پھر فرمایا اب جاؤ اور دیکھو میں نے دوزخ والوں کیلئے کیا تیار کر رکھا ہے وہ گیا اس نے مشاہدہ کیا واپس آیا اور کہا تیری عزت کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اس سے کوئی نجات نہ پا سکے گا ۔ سب اس میں داخل ہوں گے (حدیث صحیح ہے) اس مضمون کی احادیث کثرت کے ساتھ موجود ہیں ۔

یہ قول کہ جنت سے مراد وہ جنت ہے جس میں آدم تھا پھر اس کو وہاں سے نکالا گیا یہ قول بھی اس بات پر دال ہے کہ اس وقت سے جنت موجود ہے اس میں مشہور اختلاف ہے اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ جنت اس وقت موجود نہیں وہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر جنت اس وقت موجود ہو تو لازمی طور پر اسے قیامت کے دن فنا ہو جانا چاہیئے جب کہ ہر چیز نے ہلاک ہونا اور مر جانا ہے ارشاد خداوندی ہے :۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔ (القصص ۸۸) اس کی ذات کے علاوہ سب فنا ہونے والے ہیں

نیز فرمایا ، كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔ (آل عمران ۱۸۵) ہر ذی روح موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے ۔

نیز جامع ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات میرا اسرار کرایا گیا میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی اس نے کہا اے محمد ! میری جانب سے اپنی امت کو سلام کہنا اور انھیں خبر دینا کہ جنت کی مٹی نہایت عمدہ ہے اس کا پانی شیریں ہے اور جنت چٹیل میدان ہیں اور سبحان اللہ ، الحمد للہ ، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کلمات کہنے سے اس میں درخت تیار ہوتے ہیں (حدیث حسن غریب ہے)[1] نیز اس میں

[1] (الاحادیث الصحیحہ ۱۰۶۰)

حضرت جابر سے حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سبحان اللہ وبحمدہ کے کلمات کہے اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت تیار ہو جاتا ہے۔ (حدیث صحیح ہے)
اس حدیث کی روشنی میں اعتراض کرنے والے کہتے ہیں اگر جنت مخلوق ہوتی اس سے فارغ ہو گیا ہوتا تو اس میں چٹیل میدان نہ ہوتے۔ اور درختوں کے تیار ہونے کا کچھ مطلب نہ ہوتا۔ نیز وہ کہتے ہیں نیز اللہ کا قول جو فرعون کی بیوی کی طرف سے نقل کیا گیا ہے:-
رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (التحریم ۱۱) اے میرے رب اپنے ہاں میرا گھر جنت میں تعمیر کر۔
اس سے بھی ان کے عذر کو تقویت ملتی ہے اس کا جواب یہ ہے اگر تم کہتے ہو کہ اب وہ بالکل معدوم ہے جیسا کہ نفخہ صور اور لوگوں کا قبروں سے اٹھنا اب نہیں ہے تو تمہارا قول باطل ہے۔ گذشتہ ذکر کردہ دلائل اس کا رد کر رہے ہیں اگر تم کہتے ہو کہ جنت کی تمام چیزوں کا خلق ابھی تک نہیں ہوا تدریجی طور پر اللہ تعالیٰ اس میں نعمتوں کو پیدا فرماتا رہتا ہے اور جب ایماندار جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے داخل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں کو پیدا فرمائے گا تو یہ درست ہے اس کا رد کرنا ممکن نہیں تمہارے بیان کردہ دلائل سے صرف اسی قدر ثابت ہو رہا ہے ہاں تمہاری جانب سے یہ دلیل قول خداوندی ہے:-
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص ـ ۸۸) اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے
اس آیت کا معنی تم نے غلط سمجھا ہے تمہارا اس آیت سے استدلال کرنا (کہ جنت، دوزخ کا اب وجود نہیں ہے) اسی طرح کا استدلال ہے جس طرح کا استدلال تمہارے بھائی جنت، دوزخ کے فنا ہونے اور جنتیوں دوزخیوں کے مرنے پر پیش کرتے ہیں نہ تمہیں اس آیت کے معنی کی سمجھ کی توفیق نصیب ہوئی نہ تمہارے بھائیوں کو توفیق حاصل ہوئی حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کے فہم کی توفیق تو آئمہ اسلام کو حاصل ہوئی وہ اس آیت کا معنیٰ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز جس کے لئے فنا ہونا مقدر ہے وہ فنا ہونے والی ہے لیکن جنت، دوزخ تو بقا کے لئے پیدا کی گئیں ہیں ان کے لئے فنا نہیں ہے یہی حال عرش کا ہے وہ جنت کی چھت ہو گا۔ ایک قول یہ ہے کہ وَجْهَهُ سے مراد اللہ کی بادشاہت ہے ایک قول میں اللہ کی ذات مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:-
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ (الرحمٰن ۲۶) ۔ جو بھی اس پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔
تو فرشتوں نے کہا زمین پر رہنے والے ہلاک ہو جائیں گے وہ بقا کا طمع رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا آسمان والے زمین والے تمام فنا ہو جائیں گے۔ فرمان

خداوندی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص) اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے زندہ رہے گا اس پر موت طاری نہ ہوگی اس وقت فرشتوں کو اپنی موت کا یقین ہو گیا یہ باتیں وضاحت کے ساتھ اس لئے ذکر کی گئیں ہیں تاکہ متشابہات اور محکمات میں تطبیق ہو نصوص محکمہ جنت، دوزخ کے بقاء پر دال ہیں اس کا ذکر عنقریب کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ)

امام طحاوی کا قول :-

جنت، دوزخ کو کبھی فنا نہیں | جمہور ائمہ سلف، خلف کا یہی قول ہے لیکن سلف سے ایک جماعت جنت کے بقاء اور دوزخ کے فنا ہونے کی قائل ہے۔

یہ دونوں قول کتب تفسیر وغیرہ کی اکثر کتابوں میں مذکور ہیں۔ جہم بن صفوان معطلہ فرقے کا امام جنت، دوزخ دونوں کے فنا ہونے کا قائل ہے صحابہ کرام، تابعین، ائمہ سلف اہل سنت سے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل سنت نے اس کے مذہب کا انکار کیا اس نظریہ کی وجہ سے اسے کافر قرار دیا ہے نیز اس کے اور اس کے پیروکاروں کے خلاف ہنگامہ آرائی کی ہے اس کا یہ فاسد قول ایک فاسد اصول پر مبنی ہے وہ یہ ہے (ایسی چیز کا وجود ممتنع ہے جس کے حوادثات متناہی نہیں ہیں) یہی اصول قابل مذمت متکلمین کا ہے وہ لوگ اس اصول کی بنا پر حدوث اجسام پر استدلال کرتے ہیں چنانچہ حدوث عالم کے اثبات پر یہی اصول پیش کرتے ہیں چنانچہ جہم کا خیال ہے جو حوادث سے محفوظ ہے ماضی میں اس کی ابتدا نہیں ہے مستقبل میں بھی وہ ممنوع ہے اس کے نزدیک اللہ پر فعل کا دوام مستقبل میں ممتنع ہے جیسا کہ اس کے نزدیک اللہ پر ماضی میں ممتنع ہے اور ابوالہذیل علاف شیخ المعتزلہ نے اس کی اس اصول پر موافقت کی ہے لیکن وہ کہتا ہے یہ اصول حرکات کے فنا کا متقاضی ہے چنانچہ اس نے وضاحت کی ہے کہ جنتیوں دوزخیوں کی حرکات فنا ہو جائیں گی یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ بالکل سکون میں ہوں گے ان میں کوئی بھی حرکت کرنے پر قادر نہیں ہوگا اشارۃً پہلے یہ بحث گذر چکی ہے کہ لوگ ماضی اور مستقبل کے حوادث کے تسلسل میں اختلاف والے ہیں در اصل یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کی دائمی فاعلیت کا نام ہے کہ ہمارا رب ہمیشہ قدرت والا اور جس چیز کا ارادہ کرے اسے کرنے والا ہے وہ ہمیشہ سے زندہ علم اور قدرت والا ہے اور محال ہے کہ کوئی فعل اللہ پر بالذات ممتنع ہو بلکہ ممکن لذاتہ ہے۔ کسی چیز

کے تجدد کے بغیر ایسا ہوتا ہے۔ نیز اول کے لئے کوئی معین حد نہیں کہ فعل اس حد کے وقت اس کے لئے ممکن ہو اور اس سے پہلے ممتنع ہو اس قول کا تصور ہی اس کے فاسد ہونے پر کافی ہے لیکن جنت کی ابدیت اور یہ کہ اسے کبھی فنا نہیں یہ چیز بالضرورۃ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں اطلاع دی ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود ۱۰۸)

ترجمہ:۔ جو نیک بخت ہوں گے وہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور جب تک آسمان اور زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے یہ (خدا کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ۔ مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔ اس کے منافی نہیں سلف کا اس استثناء میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ وہ جس قدر (دوزخ میں) ٹھہرے ہوں گے ظاہر ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو دوزخ میں داخل ہوئے ہوں گے سب مراد نہیں ہیں۔

ایک قول جتنا عرصہ وہ میدان محشر میں رکے ہوں گے ایک قول جس قدر وہ قبروں اور میدان محشر میں ٹھہرے ہوں گے۔ ایک قول کہ یہ رب تعالیٰ کا استثناء ہے جس کو وہ نہیں کرے گا جیسا (کہ) تو کہتا ہے (اللہ کی قسم میں تجھے ماروں گا مگر یہ کہ میں اس کا غیر دیکھوں) ظاہر ہے کہ تو غیر کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تو اس کے مارنے پر جزم رکھتا ہے ایک قول میں لفظ اِلَّا واو کے معنی میں ہے یہ قول بعض نحویوں کا ہے اور کمزور ہے سیبویہ کے ہاں اِلَّا لٰکِنْ کے معنیٰ میں ہے استثناء منقطع ہے ابن جریر نے اسی کو راجح قرار دیا ہے نیز اس نے کہا کہ اللہ نے وعدوں میں تخلف نہیں ہے اور استثناء اللہ کے اس قول کے ساتھ مل کر آیا ہے

عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود ۱۰۸) بخشش جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ تو کہتا ہے کہ میں نے تجھے اپنا گھر سال بھر کے لئے رہنے کے لئے دیا مگر جو میں چاہوں یعنی جس قدر زائد بھی میں چاہوں ایک قول یہ ہے کہ استثناء سے انھیں معلوم کرایا ہے کہ ان کی جنت میں ہمیشگی اللہ کی مشیت کے تابع ہے وہ اللہ کی مشیت سے باہر نہیں ہیں۔ یہ معنی ان کے ہمیشہ رہنے کے جزم کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْھَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِہٖ

عَلَيْنَا وَكِيلًا۔ (الاسراء ۸۶)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم چاہیں تو جو کتاب ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اسے دونوں سے محو کر دیں پھر تم اس کے لئے ہمارے مقابلہ میں کسی کو مددگار نہ پاؤ۔

نیز اللہ کا قول:۔ فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۔ (الشوریٰ ۲۴)

ترجمہ:۔ پس اگر اللہ چاہے تو (اے محمد) تمہارے دل پر مُہر لگا دے۔

نیز اللہ کا قول:۔ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ (یونس ۱۶)

ترجمہ:۔ اے نبی! کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ کتاب تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ ہی تمھیں اس سے واقف کرتا۔

اس قسم کی آیات کثرت کے ساتھ ہیں اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو خبر دیتے ہیں کہ تمام امور اس کی مشیت میں ہیں جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ ہے کہ لفظ ما مَن کے معنیٰ میں ہے یعنی مگر وہ نیک لوگ جن کو اللہ تعالیٰ بوجہ ان کے گناہوں کے دوزخ میں داخل کرنا چاہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں بہر صورت یہ استثنار متشابہ ہے لیکن اللہ کا قول ہے عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ۔ (ھود ۱۰۸) بخشش منقطع ہونے والی نہیں۔ محکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول:۔

إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ (ص ۵۴) بیشک یہ ہمارا عطیہ اس کے لئے ختم ہونا نہیں ہے

اور اللہ تعالیٰ کا قول:۔ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا (الرعد ۳۵) اس کے پھل ہمیشگی والے اور اس کے سائے بھی۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول: وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ (الحجر ۴۸) وہ اس سے ہرگز نکالے نہیں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کا ہمیشہ جنت میں رہنے کا ذکر تاکیدی کلمات کے ساتھ قرآن پاک میں متعدد مقامات میں فرمایا ہے اور آگاہ کیا ہے۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۔ (الدخان ۔ ۵۶)

ترجمہ:۔ وہ اس میں پہلی موت کے سوا دوسری موت سے ہمکنار نہ ہوں گے۔

یہ استثنار منقطع ہے اور جب اس کو اللہ تعالیٰ کے اس قول:۔

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ (ھود ۱۰۸) مگر جو تیرا رب چاہے۔

کے استثنار کے ساتھ ملایا جائے گا تو ظاہر ہو جائے گا کہ دونوں آیتوں سے وقت کا استثنار مراد ہے کہ جس وقت وہ جنت میں نہ تھے اس کا موت خلود سے استثنار ہے جیسا کہ پہلی موت کا جملہ موت سے استثنار ہے یہ موت آنکی ابدی زندگی سے پہلے کی ہے یعنی جنت میں ہمیشہ رہنے سے پہلے کی ہے۔

جنت کی ابدیت اور دوام پر سنت سے کثرت کے ساتھ دلائل موجود ہیں ارشاد نبوی ہے جو شخص جنت میں داخل ہو جائے گا وہ نعمتوں میں رہے گا اسے کچھ غم نہ ہوگا ہمیشہ رہے گا فوت نہیں ہوگا (مسلم) نیز ارشاد نبوی ہے منادی کرنے والا منادی کرے گا اے جنت والو! تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہوگے جوان رہو گے کبھی بڑھاپا نہ آئے گا زندہ رہو گے کبھی موت نہ آئے گی۔ (مسلم عن ابی سعید وابی ہریرۃ) نیز جنت دوزخ کے درمیان موت کے ذبح کرنے کا ذکر پہلے گذر چکا ہے کہا جائے گا اے جنت والو! ہمیشگی ہے موت نہیں ہے اے دوزخ والو! ہمیشگی ہے موت نہیں ہے (بخاری مسلم)

دوزخ ہمیشہ ہے اس کے لئے فنا نہیں لوگوں کے اس میں آٹھ اقوال ہیں پہلا قول: جو شخص دوزخ میں داخل ہوگیا وہ اس سے کبھی نہیں نکلے گا یہ قول خوارج اور معتزلہ کا ہے۔ دوسرا قول دوزخیوں کو دوزخ میں عذاب کیا جائے گا پھر ان کی طبیعت میں انقلاب آجائے گا۔ ان کی طبیعت ناری ہو جائے گی یعنی ان کی طبیعت دوزخ کے موافق ہو جائے گی وہ دوزخ میں لذت حاصل کریں گے یہ قول ابن عربی کا ہے جو وحدۃ الوجود یہ فرقے کا امام ہے۔ تیسرا قول دوزخیوں کو دوزخ میں محدود وقت تک عذاب ہوگا پھر ان کو اس سے نکال لیا جائے گا ان کے بدل دوزخ میں اور لوگوں کو گرایا جائے گا اس قول کو یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا آپ نے انھیں جھٹلایا نیز اللہ نے بھی ان کی تکذیب کی اللہ عزوجل کا قول ہے :-

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. (البقرہ ۸۰ - ۸۱)

ترجمہ :- اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی ان سے پوچھو کیا تم نے خدا سے اقرار لے رکھا ہے کہ خدا اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا (نہیں) بلکہ تم خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمھیں مطلق علم نہیں ہاں جو برے کام کرے اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے ۔

چوتھا قول :- دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا دوزخ اپنے حال پر باقی رہے گی اس میں کوئی دوزخی نہ ہوگا ۔ پانچواں قول : دوزخ بالکل فنا ہو جائے گی اس لئے کہ دوزخ حادث ہے

اور حادث کا بقا محال ہے یہ قول جہم اور اس کے رفقاء کا ہے ان کے ہاں اس میں جنت، دوزخ دونوں برابر ہیں دونوں فنا ہو جائیں گی پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ چھٹا قول:۔ دوزخیوں کی حرکات ختم ہو جائیں گی وہ جمادات ہو جائیں گے کسی تکلیف کو محسوس نہ کریں گے یہ قول ابو الھذیل علاف کا ہے ساتواں قول:۔ اللہ تعالیٰ دوزخ سے جس کو چاہے گا نکال دے گا جیسا کہ حدیث میں ہے پھر دوزخ کو کچھ عرصہ باقی رکھے گا اس کے بعد فناہ کر دے گا۔ دوزخ کی ایک مدت ہے اس مدت کے بعد ختم ہو جائے گی۔ آٹھواں قول:۔ بے شک اللہ تعالیٰ دوزخ سے جس کو چاہے گا نکال دے گا جیسا کہ حدیث میں ہے اور اس میں کافر باقی رہیں گے جو اس سے نہ نکلیں گے جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ نے کہا ان آخری دو اقوال کے علاوہ بقیہ تمام اقوال باطل ہیں یہ دونوں قول اہل سنت کے ہیں ان کے دلائل پر غور کیا جائے۔

پہلے قول کے دلائل | ارشاد خداوندی ہے:۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الانعام ۱۲۹)

ترجمہ:۔ خدا فرمائے گا (اب) تمھارا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو خدا چاہے بے شک رب تیرا حکیم اور علیم ہے

نیز فرمایا فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۰۶ - ۱۰۷)

ترجمہ۔ تو جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں (ڈال دیئے جائیں گے) اس میں ان کا چلانا اور دھاڑنا ہوگا (اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں اسی میں رہیں گے۔ مگر جتنا تمھارا پروردگار چاہے بیشک تمھارا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

ان دونوں استثناء کے بعد وہ الفاظ ذکر نہیں ہوئے جو اہل جنت کے ذکر میں استثنا کے بعد آئے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں قول خداوندی:۔

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود ۱۰۸) بخششیں منقطع نہ ہوں گی۔

نیز اللہ کا یہ قول لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (النبأ ۲۳) اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔

یہ قول کہ دوزخ فنا ہو جائے گی لیکن جنت فنا نہیں ہو گی حضرت عمر، ابن مسعود، ابوہریرہ ابوسعید وغیرہ سے منقول ہے عبد بن حمید نے اپنی مشہور تفسیر میں سند کے ساتھ حضرت عمر

سے بیان کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ اگر دوزخی دوزخ میں عالج وادی کی ریت کے ذرات کے برابر بھی رہیں پھر بھی ان پر ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ دوزخ سے باہر نکل آئیں گے[1] اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول لَا بِثِيْنَ فِيهَا اَحْقَابًا (النبا ۲۳) جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ کی تفسیر کے ضمن میں ہے نیز وہ کہتے ہیں دوزخ اس کے غضب کا تقاضا ہے اور جنت اس کی رحمت کا تقاضا ہے ارشاد نبوی ہے جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو تحریر کیا وہ تحریر اس کے ہاں عرش پر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے (بخاری، مسلم۔)

نیز وہ کہتے ہیں اللہ پاک نے عذاب کے بارے میں بتایا ہے:۔

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ (الانعام ۱۵) بڑے دن کا عذاب۔

نیز عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ۔ (ھود ۲۶) دردناک دن کا عذاب۔

نیز عَذَابَ يَوْمٍ عَقِيْمٍ۔ (الحج ۵۵) نامبارک دن کا عذاب۔

لیکن نعمتوں کے بارے میں کسی مقام پر بھی یہ نہیں کہا کہ وہ ایک دن کی نعمت ہے ارشاد خداوندی ہے

عَذَابِىْ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاءُ وَرَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ۔ (الاعراف ۱۵۶)

ترجمہ:۔ میرا عذاب اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔

نیز فرمایا:۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَىْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا۔ (غافر ۷)

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار تو ہر چیز پر رحمت اور علم کے ساتھ شامل ہے۔

پس ضروری ہے کہ اللہ کی رحمت عذاب میں گرفتار لوگوں کے حق میں وسیع ہو اگر وہ غیر محدود مدت تک عذاب میں مبتلا رہیں تو اللہ کی رحمت ان کے حق میں وسیع نہ ہوتی صحیح حدیث میں ہے قیامت کے دن کی مدت پچاس ہزار سال ہے اس دن میں عذاب میں مبتلا

---

[1] حدیث ضعیف ہے اس روایت میں حسن، عمر سے روایت کرتا ہے حالانکہ حسن نے عمر کو نہیں پایا علامہ ابن قیم حادی الارواح میں (۲۳۸/۲) طبع کردی اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں حسن نے عمر سے سنا نیز ان کا انداز خطابی ہے جو دلیل نہیں ہے نیز عبداللہ بن عمرو سے موقوفاً اسی طرح کی روایت مروی ہے اس کی سند ضعیف ہے نیز ابو امامہ سے مرفوعاً کمزور سند کے ساتھ مروی ہے میں نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ میں اس پر بحث کی ہے۔

لوگ اپنے جرائم کے حساب سے مدت عذاب میں مختلف ہوں گے احکم الحاکمین کی حکمت ارحم الراحمین کی رحمت کا تقاضا ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنی پیدا کردہ مخلوق کو ہمیشہ ہمیشہ غیر متناہی عذاب میں مبتلا رکھے البتہ اپنی پیدا کردہ مخلوق پر ہمیشہ انعامات فرمائے اور ہمیشہ احسانات کرے تو اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور احسان تو بالذات اللہ تعالیٰ کا مراد ہے لیکن انتقام بالعرض مراد ہے نیز وہ کہتے ہیں عذاب کے ہمیشہ ہونے ابدی ہونے عذاب سے نہ نکلنے اور عذاب کے مقیم ہونے کا ذکر نیز یہ کہ عذاب لازم ہوگا سب کچھ درست اور مسلم ہے اس میں کچھ نزاع نہیں ہے یہ تمام الفاظ دار العذاب میں ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہنے کے متقاضی ہیں جب تک کہ دار العذاب باقی ہے دار العذاب کے بقاء کے باوجود اس سے موحدین کو نکالا جائے گا۔

پس اس شخص کے درمیان جس کو جیل سے نکالا جائے اور جیل اپنے حال پر باقی رہے، اور اس شخص کے درمیان جس کو جیل کے خراب ہونے اور ختم ہونے کے بعد رہائی ہو، بڑا فرق ہے۔

اور جو لوگ دوزخ کے بقاء اور عدم فنا کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ. (المائدہ ۳۷) اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

نیز فرمایا لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ (الزخرف ۷۵)

ترجمہ:- کبھی ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی اور وہ اس میں مایوس ہو کر پڑے رہیں گے۔

نیز فرمایا:- فَلَنْ نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا۔ (النباء ۳۰)

ترجمہ:- پس ہم تم کو ہرگز زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب میں۔

نیز فرمایا:- خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا۔ (البینۃ ۸)

ترجمہ:- وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نیز فرمایا:- وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ[1] (الحجر ۴۸)

ترجمہ: اور وہ اس سے ہرگز نہ نکالے جائیں گے۔

نیز فرمایا:- وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ۔ (البقرہ ۱۶۷)

ترجمہ:- اور وہ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے۔

نیز فرمایا:- لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف ۴۰)

ترجمہ:- اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے۔

---

[1] یہ آیت کو جنت والوں کے حق میں ہے۔

نیز فرمایا:۔ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر ۳۶)

ترجمہ:۔ نہ انھیں موت آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ اس کا عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا۔

نیز فرمایا:۔ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۔ (الفرقان ۔ ۶۵)

ترجمہ:۔ بے شک اس کا عذاب لازم رہنے والا ہے۔

غراما سے مراد لازم رہنے والا عذاب ہے ۔ شائد مقصود آیت مائدہ ہے

وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا (مائدہ ۔ ۳۷) اور وہ دوزخ سے نہیں نکلیں گے

سنت متواترہ اس بات پر دال ہے کہ دوزخ سے ان لوگوں کو باہر نکال لیا جائے گا۔ جنھوں نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا ہوگا نیز شفاعت کی حدیثیں اس بات میں صریح ہیں کہ نافرمان موحدین کو دوزخ سے نکالا جائے گا یہ حکم ان کے ساتھ خاص ہے لیکن اگر کافر بھی دوزخ سے باہر نکل آئیں تو وہ بھی ایماندار نافرمان موحدین کے مرتبہ میں ہوئے اس طرح دوزخ سے نکالنا صرف اہل ایمان کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔ خیال رہے جنت، دوزخ کا بقا ان کے ساتھ بالذات خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے کے ساتھ ہے

امام طحاوی کا قول:۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لئے مخلوق پیدا کی ہے

ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ (الاعراف ۷۹)

ترجمہ:۔ اور البتہ ہم نے دوزخ کے لئے کثیر (تعداد میں) جن اور انسان پیدا کئے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچے کے جنازے کے لئے بلایا گیا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس کے لئے مبارک ہو یہ تو جنت کی چڑیا ہے اس نے نہ برا عمل کیا نہ ابھی اس عمر کو پہنچا تھا آپ نے فرمایا تیرا یہ عقیدہ ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کے لئے ایک مخلوق کو پیدا فرمایا اس نے ان کو جنت کے لئے پیدا فرمایا جب وہ اپنے باپ کی پشت میں تھے اور اس نے دوزخ کے لئے ایک مخلوق کو پیدا فرمایا اس نے ان کو دوزخ کے لئے ہی پیدا فرمایا جب کہ وہ اپنے باپ کی پشت میں تھے[1] (مسلم، ابوداؤد، نسائی)

---

[1] حدیث صحیح ہے تخریج السنۃ لابن ابی عاصم (۲۵۱)

ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (الدھر ۲-۳)

ترجمہ :۔ ہم نے انسان کو نطفہ مخلوط سے پیدا کیا ہے تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا (اور) اسے رستہ بھی دکھایا (اب وہ) خواہ شکر گذار ہو خواہ ناشکرا ہو

اس سے مراد عام راہ نمائی ہے لیکن اس سے بھی عام وہ راہ نمائی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

اَلَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ - ۵۰)

ترجمہ :۔ جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی پھر راہ دکھائی۔

پس موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بالطبع مسخر ہیں دوسرے وہ جو متحرک بالارادہ ہیں پہلی قسم کی ہدایت بالطبع مسخر ہونے کے لحاظ سے ہے اور دوسری قسم کی ہدایت ارادی ہے جو بلحاظ نفع، نقصان کے شعور اور علم کے تابع ہے پھر اس نوع کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ جو صرف خیر کا ارادہ کرتی ہے اس کے سوا اس کا کچھ ارادہ نہیں جیسے فرشتے ہیں دوسری قسم وہ جو صرف شر کا ارادہ رکھتی ہے اس کا سوائے اس کے کوئی ارادہ نہیں جیسے شیاطین تیسری قسم وہ ہے جو خیر اور شر دونوں کا ارادہ رکھتی ہے جیسے انسان پھر اس کی تین قسمیں ہیں ایک صنف وہ جس کا ایمان معرفت اور عقل اس کی خواہش پر غالب ہے وہ فرشتوں کے ساتھ مل جاتا ہے دوسری صنف پہلی صنف کے برعکس ہے وہ شیاطین کے ساتھ مل جاتا ہے تیسری صنف وہ جس کی شہوت بہیمیہ اس کی عقل پر غالب ہے وہ چارپایوں کے ساتھ مل جائے گا مقصود یہ کہ اللہ سبحانہ نے دو وجود عطا کئے ہیں ایک وجود عینی ہے دوسرا علمی ہے جس طرح کسی چیز کا موجود ہونا اس کے ایجاد کرنے کے ساتھ ہے اسی طرح اس کی ہدایت اس کی تعلیم کے ساتھ ہے یہ تمام ادلہ اس کی کمال قدرت، وحدانیت، ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں۔

امام طحاوی کا قول :۔

جس شخص کو چاہے گا جنت بھیجے گا یہ اس کا فضل ہے اور جس شخص کو چاہے گا دوزخ بھیجے گا یہ اس کا عدل ہے

یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب کو بند نہیں فرماتا جب تک کہ اس کے سبب کو بند نہ کیا جائے خیال رہے کہ سبب عمل صالح ہے ارشاد خداوندی ہے :۔

مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (طٰہٰ ۱۱۲)

ترجمہ اور جو شخص نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ ہی نقصان کا۔

اسی طرح کوئی شخص اس وقت تک سزا میں مبتلا نہیں کیا جائے گا جب تک کہ سزا کا سبب موجود نہ ہو ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ ۳۰)

ترجمہ :- اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔

خیال رہے کہ اللہ سبحانہ عطا کرنے والا ہے وہی روکنے والا ہے جس کو وہ عطا کرے اس سے کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے وہ روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی انسان پر ایمان اور عمل صالح کا احسان فرماتا ہے تو اس سے اس کے سبب کو نہیں روکتا بلکہ اس کو ثواب اور تقرب کے ایسے عطیات سے نوازتا ہے جن کو کبھی کسی آنکھ نے نہیں دیکھا نہ کسی کان نے سنا ہے نہ کسی کے دل پر اس کا خیال گذرا ہے اور جب اس کو ثواب اور تقرب کی دولت سے نہیں نوازا ہے تو اس لئے کہ سبب موجود نہیں ہے یعنی عمل صالح نہیں ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے لیکن یہ سب کچھ اسکی حکمت اور عدل کی بنا پر ہے پس اسکا اسباب یعنی اعمال صالحہ سے روک دینا اس کی حکمت اور عدل کی بنا پر ہے لیکن اسباب کے وجود کے بعد مسببات کو کسی حال میں نہیں روکتا لیکن جب اسباب ایسے نہ ہوں جن میں صلاحیت مفقود ہو اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو عمل میں فساد ہو یا سبب موجب اور مقتضیٰ کے معارض ہو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں متقاضی ہی موجود نہیں ہے یا پھر مانع موجود ہے اور جب اس کا منع کرنا اور سزا بوجہ ایمان اور عمل صالح کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی وجہ سے حکمت اور عدل کی بنا پر اس کو ایمان اور عمل صالح کا عطیہ نہیں دیا ہے۔ پس دونوں صورتوں میں اللہ کی تعریف کی جائے ہر حال میں اللہ تعالیٰ تعریف کے لائق ہے ہر عطیہ اس کا فضل ہے ہر سزا اس کا عدل ہے بے شک اللہ حکیم ہے وہ چیزوں کو ان کے ایسے مقامات پر رکھتا ہے جن کی وہ صلاحیتیں رکھتی ہیں ارشاد خداوندی ہے:-

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ۔ (الانعام ۱۲۵)

ترجمہ:۔ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جس قسم کی رسالت خدا کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک کہ اسی طرح کی رسالت ہم کو نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کونسا محل ہے اور وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔

نیز فرمایا:۔ وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَہُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ ۔ (الانعام ۵۳)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے کہ جو دولتمند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم میں سے فضل کیا ہے (خدا نے فرمایا) بھلا خدا شکر کرنے والوں سے واقف نہیں۔

مزید وضاحت آگے آئے گی انشاء اللہ۔

(ط) وہ استطاعت جس کے ساتھ فعل واجب ہوتا ہے اس کی توفیق سے ہے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ مخلوق کو موصوف کیا جائے یہ استطاعت فعل کے ساتھ مقارن ہوتی ہے البتہ وہ استطاعت جو صحت، وسعت، قدرت، اعضاء کی سلامتی کے ساتھ ہے وہ فعل سے قبل ہے اس استطاعت کے ساتھ خطاب متعلق ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ:۔ اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

(مش) استطاعت، طاقت، قدرت، وسعت متقارب الفاظ ہیں نیز استطاعت کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ شیخ طحاوی رحمۃ اللہ نے ذکر فرمایا ہے اکثر اہل سنت کا یہی قول ہے۔ یہی قول درست ہے لیکن قدریہ، معتزلہ کہتے ہیں قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے فعل کے ساتھ نہیں ہوتی اہل سنت کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اکثر اہل سنت کا قول یہ ہے کہ بندے کے لئے قدرت ہے جو امر و نہی کا پیش خیمہ ہے یہ قدرت کبھی فعل سے پہلے ہوتی ہے ضروری نہیں کہ فعل کے ساتھ ہو لیکن وہ قدرت جس کے ساتھ فعل ہوتا ہے ضروری ہے کہ وہ فعل کے ساتھ ہو بھلا کیسے ممکن ہے کہ فعل کا وجود ہوا اور قدرت نہ ہو البتہ وہ قدرت جو صحت اور وسعت، طاقت اعضاء کی سلامتی کے ساتھ متعلق ہے وہ افعال سے قبل ہوتی ہے

اس قدرت کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۔ (آل عمران ۹۷)

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج ہے جو رستے کی استطاعت رکھتا ہے ۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حج کو فرض کیا ہے جو استطاعت رکھتا ہو اگر استطاعت اس میں سمجھی جائے جو حج کرتا ہے تو پھر حج صرف اس پر ہی فرض ہو جو حج کرتا ہے اور جو حج کو ترک کرتا ہے وہ قابل مؤاخذہ نہ ہو یہ بات اس چیز کے خلاف ہے جو بالضرورۃ دین اسلام سے معلوم ہو رہی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول :۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ (التغابن ۱۶) تم اللہ سے استطاعت کے مطابق ڈرو ۔

اس میں استطاعت کے لحاظ سے تقویٰ کو واجب قرار دیا ہے اگر کوئی شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا تو یوں سمجھتے کہ اس میں تقویٰ کی استطاعت نہیں ہے اس نے تقویٰ اسی پر واجب قرار دیا ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور جو تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ سزا کا مستحق نہیں اس بات کا فاسد ہونا ظاہر ہے اسی طرح ارشاد خداوندی ہے ۔ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۔ (المجادلہ ۴)

ترجمہ :۔ پس جو شخص اس کی استطاعت نہیں رکھتا اس کے لئے ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے اس سے مراد اسباب اور آلات کی استطاعت ہے اسی طرح اللہ سبحانہ نے منافقین کا قول نقل کیا ہے

لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ (التوبہ ۴۲) اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ نکلتے ۔

ان کو اس قول میں جھوٹا قرار دیا گیا ہے اگر وہ اس استطاعت کا ارادہ کرتے جس پر بقیناً فعل کی قدرت منحصر ہے تو وہ اس کی نفی کی وجہ سے جھوٹے نہ بنائے جاتے اور جب ان کو جھوٹا کہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کا ارادہ بیماری یا مال کا نہ ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۔ (التوبہ ۹۱ - ۹۳)

ترجمہ: نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیمار دل پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود

نہیں ہے (کہ شریک جہاد ہوں یعنی) جب کہ خدا اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو تو تم نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے الزام تو ان لوگوں پر ہے جو (دولت مند ہیں اور پھر تم سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی) وہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہے گھروں میں بیٹھ رہیں خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے پس وہ تو سمجھتے ہی نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء ۲۵)

ترجمہ:۔ اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں ہی سے جو تمہارے قبضہ میں آگئی ہوں (نکاح کرلے)

اس سے مراد آلات اور اسباب کی استطاعت ہے اسی طرح ارشاد نبوی ہے۔ آپؐ نے عمران بن حصین سے کہا کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل[۱] ظاہر ہے کہ اس میں عدم اسباب کی بنا پر فعل کی استطاعت کی نفی کی ہے۔

البتہ وہ استطاعت جو حقیقتاً قدرت ہے اسکے سمجھنے کیلئے ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ۔ (ھود ۲۰)

ترجمہ:۔ نہ تھے وہ طاقت رکھتے سننے کی اور نہ تھے وہ دیکھتے۔

مقصود حقیقی قدرت کی نفی ہے آلات اور اسباب کی نفی نہیں ہے وہ تو موجود ہے اس کی مزید وضاحت ماتن کے اس قول :۔ وہ اتنی ہی طاقت رکھتے جتنے کہ وہ مکلف ہیں) کے ضمن میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔ اسی طرح موسیٰ کے صاحب حضرت خضر علیہ السلام کا قول ہے۔

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف ۔ ۷۵)

---

[۱] بخاری صفۃ الصلوۃ ص ۶۷

ترجمہ :۔ بے شک تو میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھ سکتا۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کا قول :۔ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف ۷۵)

ترجمہ :۔ میں نے تجھ سے کہا نہیں تھا کہ تو میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں پا سکتا۔

مراد صبر کی حقیقی قدرت ہے صبر کے اسباب اور آلات کی نفی نہیں ہے یہ تو موجود تھے کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ حضرت خضرؑ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور وہ شخص کسی کام کے نہ کرنے پر قابل ملامت نہیں ہوتا جس کے پاس صبر کے اسباب اور آلات نہ ہوں قابل ملامت تو وہ ہوتا ہے جو فعل کی قدرت ضائع کر دیتا ہے اور فعل نہیں کرتا اس لئے کہ اس کی مشغولیت ایسے افعال میں ہیں جن کا اسے حکم نہیں دیا گیا تھا یا اس لئے کہ وہ مامور کاموں میں مشغولیت کیوں نہیں رکھتا۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قدرت فعل کے وقت ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ قدرت ضدین کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے کہ وہ قدرت جو فعل کے ساتھ مقارن ہے وہ اسی فعل کی صلاحیت رکھتی ہے وہ اس کے ساتھ مستلزم ہے اس کے علاوہ اس کا وجود نہیں ہے۔

قدریہ کا قول :۔ کہ اللہ نے مومن، کافر، نیکوکار، بدکار سب کو برابر طاقت دی ہے۔ ان کے فاسد اصل پر مبنی ہے چنانچہ وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومن فرمانبردار کو ایسی اعانت کے ساتھ خاص کیا ہے جس سے وہ ایمان لایا بلکہ اس نے بنفسہ اطاعت کو ترجیح دی اور دوسرے نے بنفسہ معصیت کو ترجیح دی جس طرح کہ ایک باپ نے اپنے ہر بیٹے کو تلوار دی ایک نے تلوار کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا۔ دوسرے نے ڈاکہ ڈالا قدریہ کا یہ قول باطل ہے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے جو تقدیر کے اثبات کے قائل ہیں نیز ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار ایمان دار بندے کو دینی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اطاعت کے کاموں پر اس کی اعانت فرماتا ہے کافر کو نہ نوازتا ہے نہ اس کی اعانت کرتا ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔ (الحجرات ۷)

ترجمہ :۔ لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا ہے اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا ہے یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔

لیکن قدریہ کہتے ہیں کہ اللہ کا محبوب بنانا اور مزین کرنا تمام مخلوق میں عام ہے اس کا مطلب بیان کرنا اور حق کے دلائل کا اظہار ہے۔ لیکن ہم کہیں گے کہ مذکورہ آیت ایمانداروں کے ساتھ خاص ہے اسی لئے تو اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات) یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔ کہا ہے ظاہر ہے کہ کفار رشد والے نہیں ہوتے نیز فرمایا:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانعام ۱۲۶)

ترجمہ:۔ جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گو یا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

اس قسم کی آیات قرآن پاک میں کثرت کے ساتھ ہیں جن میں وضاحت ہے کہ اللہ پاک نے فلاں کو ہدایت دی فلاں کو گمراہ کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ○ (الکہف ۱۷)

ترجمہ:۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو تم اس کے لئے کوئی دوست راہ بتلانے والا نہ پاؤ گے۔

اس بات کا بیان کہ قدریہ کے ہاں قدرت فعل سے قبل ہے اور اس کا رد وہ کہتے ہیں طاعات کا فاعل اور تارک دونوں اعانت خداوندی میں مساوی ہیں اگر طاعات کے فاعل کی اعانت ہوتی ہے تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے ان کے ہاں فعل سے قبل قدرت ہوتی ہے لیکن فعل کے ساتھ خاص طور پر قدرت کا ہونا ان کے ہاں ممتنع ہے جس طرح فاعل کا سال فعل سے قبل ہوتا ہے اسی طرح فعل کے وقت ہوتا ہے ہم کہتے ہیں جو قدرت فاعل کو حاصل ہوتی ہے وہ تارک کو حاصل نہیں ہے اور قدرت اللہ کی طرف سے ہے مومن کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ سبب مرجح موجود ہے مومن کا فر دونوں کو مساوی قرار دینا تو مکابرہ ہے اور عقل کے خلاف ہے نیز ان کا یہ کہنا کہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے فعل کے وقت نہیں ہوتی یہ بھی باطل ہے اور عقل کے خلاف ہے ظاہر ہے کہ کسی فعل کا وجود (جب اس کے وجود کی وجودی شرطیں مفقود ہوں) ممتنع ہوتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ جن امور وجودیہ پر فعل کا توقف ہے وہ فعل کے وقت موجود ہوں پس ان کے قول کے خلاف قول

صحیح ہے کہ فعل کے ساتھ قدرت ہوتی ہے۔

لیکن قدرت کا اثبات کرنے والے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں ایک گروہ نے کہا قدرت فعل کے ساتھ ہے ان کا خیال کہ قدرت ایک نوع ہے اس میں ضدین کی صلاحیت نہیں ہے اور دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ قدرت عرض ہے اس کا دو زمانوں میں بقا ممکن نہیں لهٰذا اس کا فعل کے وجود سے قبل ہونا ممتنع ہے۔

راہ صواب یہ ہے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں جیسا کہ پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے قدرت کی ایک قسم فعل کو صحیح کرنے والی ہے اس کے ساتھ فعل، ترک دونوں ممکن ہیں اس قدرت کے ساتھ امر، نہی کا تعلق ہے اور یہ قدرت اطاعت گذار اور نافرمان دونوں کو فعل سے قبل حاصل ہوتی ہے اور فعل تک باقی رہتی ہے یا تو وہ خود قائم رہتی ہے ان کے ہاں جو اعراض کے بقا کے قائل ہیں یا ان کی مثل قدرت کا تجدد ہوتا رہتا ہے ان لوگوں کے ہاں جو اعراض کا بقا دو زمانوں میں تسلیم نہیں کرتے اس صورت میں قدرت ضدین کی کی صلاحیت رکھتی ہے اور اللہ کا حکم اس قدرت کے ساتھ مشروط ہے جس میں یہ طاقت نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا اس کی نقیض عجز ہے نیز شرعی استطاعت اس استطاعت سے خاص ہے جس کے معدوم ہونے کی صورت میں فعل ممتنع ہو بے شک شرعی استطاعت کبھی اس کے نہ ہونے کی صورت میں فعل کا تصور ہوتا ہے اگرچہ عاجز نہیں ہوتا لهٰذا شارع اپنے بندوں پر آسانی کرتا ہے ان کے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے تنگی کا ارادہ نہیں کرتا اس نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی ہے بیمار کبھی کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اگرچہ کھڑے ہونے میں مرض میں اضافہ ہوگا۔ اور صحت میں تاخیر ہوگی یہ شخص بوجہ ضرر کے شرعاً غیر مستطیع ہے اگرچہ بظاہر ہم اس کو مستطیع سمجھتے ہیں تو شارع شرعی استطاعت میں مجرد امکان فعل کو ملحوظ نہیں رکھتا بلکہ اس کی نظر میں لوازم بھی ہوتے ہیں اگر مفسدہ راجحہ کے ساتھ فعل کا امکان ہو تو یہ استطاعت شرعی نہ ہوگی جیسے وہ شخص جو حج پر قادر ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے بدن یا مال میں کسی آفت کا بھی خطرہ ہے یا بصورت قیام نماز ادا کرتا ہے لیکن بیماری کے زیادہ ہونے کا اندیشہ ہے یا دو ماہ کے روزے رکھتا ہے خطرہ ہے کہ اس کی گذر اوقات کے اسباب ختم ہو جائیں گے تو جب شارع نے استطاعت کے ساتھ مفسدہ راجحہ کے عدم کی شرط لگائی ہے تو عاجز انسان کو کیسے مکلف سمجھا جائے گا لیکن یہ استطاعت فعل کے وقت کے بقا تک بھی فعل کے وجود کے لئے کافی نہیں اگر کافی ہوتی تو فعل نہ کرنے والا کرنے والے کی مثل ہوتا بلکہ ایک

دوسری اعانت کا مقارن ہونا ضروری ہے وہ فاعل کا ارادہ ہے اس لئے کہ فعل قدرت اور ارادہ کے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہوتا اس استطاعت میں پختہ ارادے کو دخل ہے لیکن مکلف کے لیئے قدرت کی شرط میں ارادہ کی شرط نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی فعل کا حکم دیتا ہے جو اس کا ارادہ نہیں کرتا لیکن اس کو حکم نہیں دیتا کہ اگر وہ اس کا ارادہ کرے تو اس سے عاجز رہے اسی طرح لوگوں کے آپس میں ایک دوسرے کو حکم دینے کے مسائل ہیں مثلاً ایک انسان اپنے غلام کو ایسا حکم دیتا ہے جس کا غلام ارادہ نہیں کرتا لیکن ایسا حکم نہیں دیتا جس سے غلام عاجز ہو اور جب ارادۂ جازمہ اور قوت تامہ کا اجتماع ہوتا ہے تو فعل کا پایا جانا لازم ہو جاتا ہے اسی پر تکلیف مالایطاق کی بنیاد ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ ہر کافر فاسق کو تکلیف ... دی گئی ہے مالایطاق دو چیزوں کا نام ہے ایک مالایطاق عجز کی وجہ سے ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو تکلیف نہیں دی دوسری مالایطاق بوجہ اس کی ضد کے ساتھ مشغولیت کے ہے پس یہ وہ ہے جس پر تکلیف واقع ہوتی ہے جیسا کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو حکم دیتے ہیں تو اس میں اس کو حکم دینے اور دوسرے کو حکم دینے میں تفارق ہوتا ہے مثلاً آقا اپنے اندھے غلام کو قرآن پاک میں نقطے لگانے کا حکم نہیں دیتا اور جب وہ بیٹھا ہو تو اس کو کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے ان میں بدیہی طور پر فرق معلوم ہے۔

(ط) بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں اور بندوں کا کسب ہیں)

(ش) بندوں کے افعال اختیاریہ میں لوگ مختلف ہیں جبریہ اور ان کا رئیس جہم بن صفوان کا خیال ہے کہ تمام مخلوق کے افعال میں تدبیر اللہ کے لئے ہے تمام افعال اضطراری ہیں جیسے رعشہ مرض والے کی حرکات اور ابھرنے والی رگوں کی حرکات نیز درختوں کی حرکات وغیرہ ان کی حرکات کی اضافت مخلوق کی طرف مجازی ہے یہ حرکات اس لحاظ سے ہیں جس طرح کسی حرکت کرنے والی چیز کی اضافت اس کے محل کی طرف ہوتی ہے اس کے محرک کی طرف نہیں ہوتی ان کے بالمقابل معتزلہ کا خیال ہے کہ تمام حیوانات کے تمام افعال اختیاریہ خود حیوانات کے پیدا کرنے کے ساتھ ہیں اللہ کے خلق کے ساتھ ان کا کچھ تعلق نہیں پھر وہ آپس میں اختلاف رائے والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال پر قادر ہے یا نہیں۔

اہل حق کا قول ہے کہ لوگ اپنے افعال کے ساتھ اطاعت گذار اور نافرمان ہیں تمام افعال اللہ کی مخلوق ہیں نیز اللہ سبحانہ مخلوقات کے خلق میں منفرد اس کے سوا ان کا کوئی خالق

نہیں جبریہ نے تقدیر کے اثبات میں غلو کیا انھوں نے بندے کے عمل کی بالکل نفی کر دی ہے جیسا کہ مشبہ نے اثبات صفات میں غلو کیا اللہ کی صفات کو بندوں کی صفات کے مشابہ قرار دے دیا اور قدریہ نے تقدیر کی نفی کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ بندوں کو بھی خالق قرار دیا اسی لئے انھیں اس امت کے مجوسی قرار دیا گیا بلکہ یہ تو مجوسیوں سے بھی بدتر ہیں جب کہ مجوسیوں نے دو خالق ثابت کئے انھوں نے کئی خالق ثابت کر دیئے اور اللہ نے ایماندار اہل سنت کو مختلف فیہ باتوں میں اپنے حکم کے ساتھ حق کی ہدایت کی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راہ کی ہدایت دیتا ہے پس ہر دلیل صحیح جس کو جبری پیش کرتا ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بندوں کے افعال اس کی مخلوقات میں سے ہیں اور وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا نیز وہ اس پر دال نہیں کہ بندہ فی الحقیقت فاعل نہیں نہ ارادے والا ہے نہ اختیار والا ہے نیز اس بات پر بھی دال نہیں کہ اس کو اختیاری حرکات رعشہ والے کی حرکت، ہواؤں کے چلنے اور درختوں کی حرکت کے مثل ہے اور ہر صحیح دلیل جس کو قدری پیش کرتا ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ بندہ اپنے فعل کا حقیقی فاعل ہے اور وہ حقیقتاً ارادے والا اختیار والا ہے اور اس کی اضافت اور نسبت اس کی طرف درست ہے نیز وہ اس پر دال نہیں کہ وہ فعل اللہ کی قدرت کے تحت نہیں اور وہ اللہ کی مشیت اور قدرت کے بغیر ہونے والا ہے جب ہر گروہ کے صحیح دلائل دوسرے گروہ کے صحیح دلائل سے ملائے جائیں تو ان کی دلالت ان چیزوں پر ہوگی جن پر قرآن اور دیگر منزل من اللہ کتابیں دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کی قدرت عام ہے اور کائنات کی تمام چیزیں خواہ وہ اعیان ہیں یا افعال ہیں تمام اس کی مشیت کے تابع ہیں اور تمام لوگ حقیقتہً اپنے افعال کے فاعل ہیں نیز ان پر ہی وہ تعریف اور مذمت کے حقدار ہوتے ہیں فی نفس الامر یہی چیز موجود ہے کہ دلائل حقہ میں باہم تعارض نہیں ظاہر ہے کہ حق تو حق کی تصدیق کرتا ہے یہ مختصر کتاب فریقین کے دلائل پیش کرنے سے قاصر ہے دراصل وہ تقابلی دلائل ہیں اور تقابل میں آکر ساقط ہو جاتے ہیں ہر فریق کے دلائل دوسرے فریق کے دلائل کو باطل بنا رہے ہیں مختصراً دونوں فریقوں کے کچھ دلائل ذکر کروں گا اس کے بعد واضح کروں گا کہ اس دلیل سے باطل کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جبریہ کے دلائل ارشاد خداوندی ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ (الانفال ۱۷)

ترجمہ:۔ جب تونے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

اللہ سبحانہ نے اپنے پیغمبر سے رمی کی نفی کی ہے اور اس کو اپنے لئے ثابت کیا ہے معلوم ہوا انسان کا کچھ عمل نہیں ہے نیز وہ کہتے ہیں جزا کا ترتب اعمال پر نہیں ہے دلیل میں رسول اکرم کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا صحابہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسولؐ! آپ بھی نہیں آپ نے فرمایا میں بھی نہیں الا یہ کہ مجھ پر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل سایہ افگن ہو[1]۔

قدریہ کے دلائل ارشاد خداوندی ہے: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ (المومنون ۱۴)

ترجمہ: پس خدا جو سب سے بہتر بنانے والا بڑا بابرکت ہے۔

وہ کہتے ہیں جزا کا اعمال پر ترتب بالکل اسی طرح ہے جس طرح عوض کا معوض پر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (الم السجدہ ۱۷)(الاحقاف ۱۴)(الواقعہ ۲۴)

ترجمہ ۔ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

نیز فرمایا:۔ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الاعراف ۴۳)

ترجمہ: اس جنت کے تم وارث بنائے جاتے ہو جو تم عمل کرتے تھے۔

جبریہ کے دلائل کا رد ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول:۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ رَمَىٰ (الانفال ۱۷)

ترجمہ:۔ جب تونے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

یہ آیت تو ان کے خلاف دلیل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قول (اِذْ رَمَيْتَ، جب تونے پھینکا۔ میں رمی کو ثابت کیا ہے معلوم ہوا مثبت اور ہے منفی اور ہے تفصیل یہ ہے کہ رمی کی ابتدا بھی ہے نیز اس کی انتہا بھی ہے رمی کی ابتدا کنکر پھینکنا ہے اس کی انتہا کنکر کو پہنچانا ہے ان میں سے ہر ایک رمی ہے تو معنی یوں ہوا جب تونے مارا تو تونے پہنچایا نہیں لیکن اللہ نے پہنچایا ورنہ یہ جملہ ان کے اس جملہ کے عین مطابق ہے تو نے نماز ادا نہیں کی جب تونے نماز ادا کی لیکن اللہ نے نماز ادا کی۔ تونے روزہ نہیں رکھا جب جب تونے روزہ رکھا، تو نے زنا نہیں کیا جب تونے زنا کیا، تونے چوری نہیں کی جب تونے چوری کی ان جملوں کا فاسد ہونا ظاہر باہر ہے لیکن اعمال پر جزا کا ترتب اس میں جبریہ، قدریہ

---

[1] مسلم من حدیث ابی ہریرۃ، جابر، عائشہ۔

گمراہ ہو گئے لیکن اہل سنت کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے ولہ الحمد والمنۃ۔

خیال رہے منفی جملہ میں بآ کا وہ معنی نہیں ہوتا جو مثبت جملہ میں ہوتا ہے مثلاً ارشاد نبوی:۔

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اَحَدٌ بِعَمَلِهٖ (کوئی شخص اپنے عمل کے عوض جنت میں داخل نہیں ہو گا) میں بآ عوض کے لئے ہے یعنی انسان کو جنت میں داخلہ دلانے کے لئے عمل ثمن کی طرح ہے جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کی وجہ سے اپنے رب کے ہاں جنت میں جانے کا استحقاق رکھتا ہے بلکہ یہ تو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کے ساتھ ہے اور وہ بآ جو اللہ تعالیٰ کے قول:۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الٓمٓ السجدہ ۱۷)

ترجمہ:۔ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

میں ہے بآ سببیہ ہے یعنی تمہارے عمل کے سبب سے اور اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات کا خالق ہے پس تمام کا مرجع اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔

معتزلہ کے دلائل کا رد ارشاد خداوندی:۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المؤمنون ۱۴)

ترجمہ:۔ خدا برکت والا ہے جو بہتر بنانے والا ہے۔

اس کا معنی ہے اللہ تمام مصوروں سے بہتر مصور ہے۔ چنانچہ خلق کا لفظ ذکر کر کے اس سے مراد تقدیر لیا جاتا ہے یہاں یہی معنیٰ مراد ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ (الرعد ۱۶، الزمر ۶۲) اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کا خالق ہے پس کل کے عموم میں انسانوں کے افعال بھی داخل ہیں لیکن ان کا یہ قول کس قدر فاسد ہے کہ کلام اللہ بھی کل کے عموم میں داخل ہے حالانکہ کلام اللہ تو اللہ کا وصف ہے اس کا مخلوق ہونا محال ہے نیز انہوں نے اپنے افعال کو بھی کل کے عموم سے خارج کر دیا جو کہ مخلوق ہیں حالانکہ کل کے عموم میں وہ تمام داخل ہیں جو مخلوق ہیں۔ لیکن اللہ کی ذات مقدس اور اس کے اوصاف اس عموم میں داخل نہیں ہیں جب کہ تمام مخلوقات اس میں داخل ہے اسی طرح اللہ کا یہ قول:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصافات ۹۶) اور خدا تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے۔

ہم نہیں کہتے کہ ما مصدریہ ہے یعنی یہ معنیٰ نہیں کہ اللہ نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا اس لئے کہ آیت کا سیاق و سباق بھی اس کا انکار کر رہا ہے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر ان چیزوں کی عبادت کا انکار کیا ہے جن کو گھڑا گیا تھا گھڑنے کا انکار نہیں کیا نیز آیت اس پر بھی دال ہے

کہ گھڑی گئی چیز اللہ کی مخلوق ہے البتہ فعل ان کا ہے تو ان کے افعال کے آثار اللہ کی مخلوق ہوں گے اگر گھڑنا اللہ کی مخلوق نہیں تو گھڑا گیا بھی اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ وہ تو صرف لکڑی، پتھر ہیں متاخرین معتزلہ کے امام ابوالحسین بصری نے ذکر کیا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے فعل کا محدث ہے امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ فعل محدث ممکن کا احتیاج مرجح کی جانب ہے مرجح کی موجودگی میں اس کا وجود واجب ہوگا عدم موجودگی میں ممتنع ہوگا دونوں کی بات صحیح اور بدیہی ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کا دوسرے کے علم کو باطل قرار دینا غیر مسلم ہے دونوں کی بات درست ہے ظاہر ہے کہ بندے کو اپنے فعل کا محدث قرار دینے نیز اس احداث کے وجود کے واجب ہونے کو اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق کرنے میں منافات نہیں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (الشمس ۷-۸)

ترجمہ:۔ اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا پھر اس کو بدکاری سے بچنے (اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔

پس اللہ کے قول:۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (الشمس - ۸)

ترجمہ:۔ پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔

میں تقدیر کا اثبات ہے نیز بندے کے فعل کا اثبات ہے جب کہ برائی اور تقویٰ کی نسبت اس کے نفس کی طرف ہے معلوم ہوا نفس فجور والا اور تقوای والا ہے اس کے بعد اللہ کے قول:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ (الشمس ۹-۱۰)

ترجمہ:۔ کہ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ خسارے میں رہا۔

میں بھی بندے کے فعل کا اثبات ہے اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ وارد ہیں۔

ایک شبہ: لوگوں کے شبہات میں سے یہ دوسرا شبہ ہے جس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے تفصیل یہ ہے وہ کہتے ہیں تمہارا یہ قول کہ اللہ مکلفین کو ان کے گناہوں کے مطابق عذاب میں مبتلا کرتا ہے جب کہ ان کے گناہوں کا خالق اللہ ہے کیسے درست ہو سکتا ہے؟ ان کو عذاب دینا کہاں کا عدل ہے؟ حالانکہ اللہ ہی خالق اور فاعل ہے علم میں یہی سوال ہمیشہ زبان زد عوام وخواص رہا اور ہر شخص نے اپنے علم وفضل کے مطابق اس کا جواب دیا یہیں سے ان کے راہ مختلف ہوئے ایک گروہ نے انسانوں کے افعال کو اللہ کی قدرت سے نکال دیا دوسرے گروہ نے سوال کا دروازہ

بند کرتے ہوئے حکم اور علت کا انکار کیا تیسرے گروہ نے انسان کے کسب کو ثابت کیا اور ثواب وعقاب کا اس پر انحصار کر دیا چوتھے گروہ نے فعل کے وقوع کو دو قدرت والوں کا مقدور اور دو فاعلوں کا مفعول قرار دیا پانچویں گروہ نے جبر کو لازم قرار دیا نیز وہ جن پر قادر بھی نہیں ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں گرفتار کرے یہ وہ سوال ہے جس نے ان میں افتراق اور اختلاف کی خلیج کو وسیع کر دیا ہے۔

اس کا ازالہ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جن وجودی گناہوں میں بندہ مبتلا ہوتا ہے اگرچہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں لیکن بندے کو اس سے پہلے گناہوں پر سزا دی جاتی ہے ظاہر ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو لاتا ہے برے کام کی سزا دوسرا برا کام ہے گویا کہ گناہ بیماریوں کی مثل ہیں جو یکے بعد دیگرے آتی ہیں اب پہلے گناہ کے بارے میں سوال باقی رہتا ہے جو دیگر گناہوں کو لانے والا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا کیا اس فعل کو سرانجام نہ دینے پر اس کو سزا دی جاتی ہے (سزا کی شکل میں اس سے گناہ صادر ہوتا ہے) ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے بندے کو ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے پیدا فرمایا نیز اس کو اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ محبت الٰہی اور انابت الی اللہ کے ساتھ موصوف ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (الروم ۳۰)

ترجمہ:۔ تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (خدا کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا (اختیار کیے) رہو۔

جب انسان نے وہ کام نہ کیا جس کے لئے اس کی تخلیق کی گئی تھی اس نے اللہ کی محبت اور اس کی عبودیت اور انابت سے منہ پھیرا تو اس پر اس کو سزا دی گئی کہ شیطان نے اس کے لئے شرک اور نافرمانیوں کو مزین کر دیا شیطان نے دیکھا کہ انسان کا دل خیر اور شر دونوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اگر اس میں محض خیر ہوتی تو اسے شر پر قدرت حاصل نہ ہوتی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (یوسف - ۲۴)

ترجمہ:۔ اس لئے (کیا گیا ہے) کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔

نیز ابلیس نے کہا:۔ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (ص ۸۲-۸۳)

ترجمہ:۔ پس تیری عزت کی قسم سوائے تیرے مخلص بندوں کے سب کو گمراہ کر دوں گا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:۔ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (الحجر ۴۱ ، ۴۲)

ترجمہ: (اللہ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکو)

اخلاص یہ ہے کہ انسان کا دل ماسوی اللہ کی عبادت ، ارادہ ، محبت سے خالی ہو صرف اللہ کے لئے خالص ہو کہ شیطان کو اس پر قدرت حاصل نہ ہو لیکن جب شیطان انسان کے دل کو اخلاص سے خالی پاتا ہے تو اس پر مسلط ہونے کی کوشش کرتا ہے تو عدم اخلاص کی بنا پر اس کو سزا دیتے ہوئے اس کو گنہگار بدکردار بنا دیتا ہے یہ اللہ کا محض عدل ہے اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ عدم اخلاص کا خالق کون ہے ہم کہیں گے یہ تو فاسد قسم کا سوال ہے ظاہر ہے کہ لفظ عدم نام سے پتہ دیتا ہے کہ وہ تکوین اور احداث کا محتاج نہیں ہے جب وہ وجودی ہی نہیں ہے تو اس کی فاعل کی جانب نسبت کیسی بلکہ عدم اخلاص تو محض شر ہے اور شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جاتی جیسا کہ نماز کے شروع کرنے میں ارشاد نبوی ہے:۔ میں حاضر ہوں تمام خیر تیرے ہاتھ میں ہیں اور شر کی نسبت تیری طرف نہیں ہے[1]۔ نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ شیطان ان لوگوں پر مسلط ہوتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں۔ اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں پس جب انھوں نے بجائے اللہ کے اس کو دوست بنایا اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو شیطان کے ان پر مسلط ہو جانے کی وجہ سے انھیں سزا دی گئی اور شیطان کے ساتھ یہ دوستی شرک در اصل اس بات کی سزا ہے کہ ان کا دل اخلاص سے خالی ہے۔ بس نیکی اور پرہیزگاری کا الہام اخلاص کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور فسق و فجور کا الہام اخلاص سے خالی ہونے پر ایک سزا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عدم اخلاص کا نام ترک اخلاص ہے اور یہ وجودی ہے تو پہلا اعتراض بحال رہا اور اگر عدمی ہے تو عدم محض پر کیسے سزا دی جا سکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ ترک نفس کو ایسی چیز سے روکنے کا نام نہیں جس کا نفس ارادہ کرتا ہے اس کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ وجودی ہے لیکن یہاں تو اسباب خیر سے خلو ہے یعنی جو چیز نفس کے لئے انفع ہے اس کا عدم ہے اور عدمی چیزوں پر بھی سزا ملتی ہے جس طرح برائیوں کے کرنے سے ملتی ہے۔ نیز صرف وہی سزائیں تو نہیں ہیں جو دلیل قائم ہونے کے بعد دی جاتی ہیں پس دو سزائیں ہیں ایک اسکے گناہ گار خطا کار ہونے

---

[1] حدیث صحیح ہے طویل حدیث کا ایک حصہ ہے صفۃ الصلوٰۃ ص ۸۵ ملاحظہ فرمائیں

کی یعنی عدم اخلاص عدم انابت کی سزا اس سزا کی تکلیف عموماً محسوس نہیں ہوتی یہ سزا شہوت ، ارادہ کے موافق ہے دراصل یہ بہت بڑی سزا ہے دوسری سزا وہ ہے جس کی عام طور پر تکلیف محسوس کی جاتی ہے جو برائیوں کے ارتکاب کے بعد گنہگار کو دی جاتی ہے ان دونوں سزاؤں کو اللہ کے اس قول میں ملا کر ذکر کیا گیا ہے ۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۔ (الانعام ۴۴)

ترجمہ :۔ پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے ۔

یہ پہلی سزا ہے پھر فرمایا ۔ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ۔ (الانعام ۴۴)

ترجمہ :۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئیں تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا ۔

یہ دوسری سزا ہے پس اگر اعتراض کیا جائے کیا ممکن ہے ؟ کہ وہ اخلاص انابت ، محبت صرف ایک اللہ کے لئے کرتے علاوہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اس کو پیدا فرماتا اور ان کو مخلص ، منیب ، محب بناتا یا محض ان کے دلوں میں اس کا القا کرنا تھا ۔

جواب :۔ یہ بات نہیں بلکہ یہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے یہ عظیم خیر ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے اور تمام خیر اس کے ہاتھ میں ہے اور کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں کہ وہ خیر کو حاصل کرے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کا عطیہ فرمائے اور کوئی شخص شر سے نہیں بچ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہ بچائے پس اگر اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اخلاص پیدا نہیں فرمایا نہ وہ اس کی توفیق دیئے گئے ہیں تو از خود وہ اسے کیسے حاصل کر سکتے تھے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ ان سے اخلاص روک لینا ظلم ہوگا نیز تمھیں تسلیم کرنا ہوگا کہ عدل اس بات کا نام ہے کہ مالک اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے جو وہ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو باقی سب سے پوچھا جائے

جواب :۔ اللہ سبحانہ نے اگر ان سے اس چیز کو روک لیا ہے تو اس سے وہ ظالم نہیں بنا کسی چیز کو روکنے والا ظالم تب بنتا ہے جب وہ کسی کے حق کو جو اس پر لازم ہے اس کو روک لے لیکن اس کو تو اللہ نے اپنے نفس پر حرام قرار دے دیا ہے کسی کا اس پر کچھ حق نہیں لیکن جب وہ اپنے غیر سے ایسی چیز کو روک رہا ہے جو اس کا حق نہیں بلکہ وہ اللہ کا محض

فضل اور احسان ہے تو اس کے روکنے سے اللہ تعالیٰ ظالم نہیں بنے گا۔ اس لئے کہ کسی کے حق کو روکنا ظلم ہوتا ہے اور فضل واحسان کو روکنا تو ظلم نہیں اس لئے وہ عین عدل ہے تو اللہ پاک روکنے میں عدل والا ہے جیساکہ وہ عطیہ دینے کے لحاظ سے محسن اور منان ہے اعتراض کیا جاتا ہے جب عطیۂ توفیق اللہ کی طرف سے احسان اور رحمت ہے تو اسے کیوں غالب نہیں کیا گیا جیساکہ مشہور حدیث ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے ہم کہیں گے مقصود یہاں اس سزا کو بیان کرنا ہے جو منع پر مرتب ہے اور وہ منع جو سزا کو مستلزم ہے وہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور یہ سوال اس حکمت کے بارے میں ہے جس نے بعض مقامات میں عدل کو فضل و رحمت پر مقدم کر دیا ہے اور کیوں اللہ نے اپنے فضل و رحمت میں تمام بندوں کو مساوی قرار نہیں دیا خلاصہ یہ کہ فلاں کو فلاں پر کیوں فضیلت عطا کی اس کا جواب خود اللہ پاک نے اس قول میں فرما دیا ہے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (الحدید ۲۱)

ترجمہ:۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

نیز ارشاد خداوندی ہے لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ لَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الحدید ۲۹)

ترجمہ: (یہ باتیں) اس لئے (بیان کی گئیں ہیں) کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ خدا کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے ہیں اور یہ کہ فضل خدا ہی کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

اور جب یہودیوں نے آپ سے سوال کیا کہ امت محمدیہ کو کس لئے دوگنا اور ہمیں کیوں ایک گنا ثواب دیا جائے گا آپ نے اللہ تعالیٰ کا قول پیش فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے تم سے تمہارا حق چھینا ہے انھوں نے نفی میں جواب دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا فضل ہے جس کو چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں نیز ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی عطیہ دینے کسی کو نہ دینے میں جو حکمت پوشیدہ ہے اس سے تمام لوگوں کو مطلع کرے بلکہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بصیرت سے حجاب اتار دیتا ہے وہ مخلوق خدا میں اللہ کی حکمت کے کرشموں کا نظارہ کرلیتے ثواب و عقاب، تخصیص و حرمان کا جائزہ لیتا ہے اور تمام احوال پر غور کرتا ہے تو حقیقت

کھل کر اس کے سامنے آجاتی ہے۔ لیکن حبیب اللہ کے دشمن مشرکین نے اس تخصیص کو مشکل گردانا تو انھوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ہم میں سے صرف یہ لوگ احسان کے لائق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا؛

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ۔ (الانعام ۵۳) کیا اللہ شکرگذار لوگوں کو نہیں جانتا ہے

اس جواب پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سبحانہ خوب علم رکھتے ہیں کہ کونسا مقام نعمت کے درخت لگانے کے قابل ہے کہ وہ شکر یہ سے بارآور ہو اور کونسا مقام ایسا ہے جہاں درخت لگانا بے فائدہ ہے حکمت سے یکسر خالی ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جب تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو وجود میں نہیں لا سکتا تو پھر بندے کا قطعاً کوئی فعل نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ بندہ اپنے فعل کا حقیقی فاعل ہے نیز فعل پر اس کو حقیقتاً قدرت حاصل ہوتی ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (البقرہ ۱۹۷) اور جو بھی نیک دکام تم کروگے اللہ کو اس کا علم ہے۔

نیز فرمایا:۔ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (هود ۳۶)

ترجمہ:۔ تو جو یہ کام کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔

اس وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ بندہ فاعل ہے نیز اس کے افعال دو قسم کے ہیں اس کے افعال کی ایک قسم ایسی ہے جس میں اس کی قدرت اس کا ارادہ فعل کے ساتھ مقارن نہیں ہے اس قسم کو صفت کہا جا سکتا ہے فعل نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ رعشہ کی بیماری والے انسان کی حرکات ہیں افعال کی دوسری قسم ایسی ہے جس میں قدرت اور ارادہ فعل کے ایجاد میں مقارن ہے اس قسم کو صفت اور فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے اختیاری حرکات ہیں اللہ تعالیٰ نے بندے کو فاعل اور مختار بنایا ہے اللہ وحدہٗ لاشریک اس پر قادر ہے اسی لئے سلف نے جبر کا انکار کیا ہے وہ تو عاجز سے ہوتا ہے اور اکراہ کے ساتھ ہوتا ہے کہا جاتا ہے باپ باکرہ صغیرہ کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے لیکن ثیبہ بالغہ کو مجبور نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ اس اعتبار کے ساتھ اجبار کے ساتھ موصوف نہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ اور مراد دونوں کا خالق ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ اس کو اختیار دے اسی لئے شارع کے الفاظ میں رجبل (یعنی فطرت) تو موجود ہے جبر نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشبح عبدالقیس سے فرمایا بے شک تجھ میں دو خصلتیں ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ دو وصف حوصلہ اور بردباری ہیں اس نے دریافت کیا یہ دونوں عادتیں

کسبی ہیں یا جبلی طبعی ہیں آپ نے فرمایا جبلی طبعی ہیں اس نے کہا تمام تعریف اللہ کی ہے جس نے مجھے ان دونوں عادتوں پر پیدا فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں[۱]۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فعل اختیاری پر سزا دیتا ہے اور فعل اختیاری، غیر اختیاری کے درمیان سزا میں جو فرق ہے وہ فطرتی اور عقلی ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ فعل کا خالق تو خدا ہے اس پر سزا دینا ظلم ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ سوال تو اس نوعیت کا ہے کہ زہر کا خالق اللہ ہے جب کوئی شخص زہر کھاتا ہے تو وہ مر جاتا ہے اب اس کا مر جانا یہ خدا کا ظلم نہیں ہے البتہ عقوبت کا سبب ہے دونوں صورتوں میں ظلم نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ بندے کا فعل حقیقتاً بندے کا فعل ہے لیکن وہ اللہ کی مخلوق اور اس کا مفعول ہے صرف اللہ کا فعل نہیں ظاہر ہے کہ فعل، مفعول اور خلق، مخلوق میں فرق ہے اسی ہی بات کی طرف شیخ کا اشارہ ہے کہ انسانوں کے افعال اللہ کا خلق اور انسانوں کا فعل اور کسب ہیں خیال رہے کہ کسب وہ فعل ہے جس کے کرنے سے فاعل کو فائدہ یا نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ:۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا برے کام کرے گا تو اسے ان کا وبال پہنچے گا۔

(ط) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسی قدر مکلف بنایا ہے جس قدر ان میں استطاعت تھی اور ان میں استطاعت نہ تھی مگر اسی قدر جس قدر ان کو تکلیف دی ہے چنانچہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللہِ کی یہی تفسیر ہے یعنی اللہ کی نافرمانی سے رکنے کا سوائے اللہ کی اعانت کے کسی کے پاس کچھ حیلہ نہیں اور نیک کام کرنے اور ان پر استقامت کی طاقت بھی سوائے اللہ کی توفیق کے کسی کے پاس نہیں ہے نیز ہر چیز اللہ کی مشیت، علم، قضا و قدر کے ساتھ ہے اس کی مشیت تمام مشیتوں پر غالب ہے اور اس کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے اس کے فیصلے تمام حیلوں پر غالب ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ قطعاً کسی پر کچھ ظلم کرنے والا نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء ۲۳) جو وہ کرتا ہے اس کا سوال نہیں ہوتا اور ان کا سوال ہوتا ہے۔

(ش) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو استطاعت کے بقدر مکلف بنایا ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

---

[۱] مسلم عن ابن عباس۔ الروض النضیر ۲/۴۰۶۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نیز فرمایا۔ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (الانعام ۱۵۲، الاعراف ۴۲ ۔ المؤمنون ۶۲)

ترجمہ:۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ۔

ابو الحسن اشعری کہتے ہیں کہ عقلاً تکلیف مالا یطاق جائز ہے اس پر ان کے تلامذہ متردد ہیں کہ شریعت میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں جو اس کے قائل ہیں وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ابو لہب کو ایمان لانے کے بارے میں کہا گیا اور ساتھ ہی یہ خبر بھی موجود ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اور شعلہ والی دوزخ میں داخل ہوگا پس جب اس نے ایمان نہیں لانا تھا تو اس کو ایمان لانے کا حکم دینا تکلیف مالا یطاق ہے بلکہ تکلیف دینے کی صورت میں دو مخالف چیزوں کا جمع کرنا ہے اس کا محال ہونا واضح ہے ہم اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اس بات کا پابند نہیں تھا کہ ایمان نہیں لائے گا بلکہ اس کو ایمان پر استطاعت حاصل تھی وہ اس سے عاجز نہ تھا اس کو ہرگز تکلیف مالا یطاق نہیں دی گئی استطاعت کی بحث میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے کہنا۔ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ (البقرہ ۳۱)

ترجمہ:۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھیں تکلیف مالا یطاق دی گئی ہے جب کہ فرشتوں کو اس کا علم نہ تھا اسی طرح قیامت کے دن تصویر کشی کرنے والوں سے یہ کہنا (کہ جن کو تم نے بنایا ہے ان میں روح ڈالو) اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ انھیں تکلیف مالا یطاق دی گئی ہے ان دونوں صورتوں میں ان سے کسی فعل کے طلب کا مطالبہ نہیں ہے جس پر فاعل کو ثواب حاصل ہو یا تارک سزا کے قابل ہو بلکہ یہاں تو خطاب تعجیز ہے یعنی وہ اس کے سرانجام دینے سے عاجز ہیں اسی طرح اللہ کے اس فرمان :۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں ۔

میں ایمانداروں کے دعا کرنے سے یہ لازم نہیں کہ انھیں تکلیف مالا یطاق سے واسطہ پڑا ہے ظاہر ہے کہ تکلیف مالا یطاق تو تکلیف ہی نہیں بلکہ اس پر پہاڑ لاد دیا جائے جس کی اسے طاقت نہیں وہ مر جائے گا ابن الانباری کا قول ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم پر ایسی چیز مسلط نہ کر جس کا ادا کرنا ہمارے لئے بوجھل ہو اگرچہ ہم تکلیف اور مجبوری کے ساتھ

اس کی طاقت رکھتے ہیں یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عرب کو اس انداز سے مخاطب کیا ہے جس سے وہ متعارف تھے چنانچہ ایک شخص دوسرے انسان سے کہتا ہے جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے میں تیری طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا حالانکہ اس میں طاقت ہوتی ہے البتہ وہ اس کو ثقیل گردانتا ہے نیز یہ تو حکمت کے لحاظ سے جائز ہی نہیں کہ کسی کو پہاڑ اٹھانے کی تکلیف دی جائے کہ اگر وہ اٹھائے گا تو اس کو ثواب حاصل ہوگا وگرنہ اس کو سزا سے دوچار ہونا ہوگا جیسا کہ اللہ سبحانہٗ نے نفس کے بارے میں خبر دی ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ممتنع کی تکلیف عادت کے لحاظ سے تو جائز ہے بالذات جائز نہیں ہے جب اس کا تصور ہی ممکن نہیں تو عقلاً اس کا حکم کیسے پایا جا سکتا ہے البتہ عادت کا حکم دیا جا سکتا ہے

بعض لوگ کہتے ہیں جس فعل کے کرنے کی طاقت عجز کی وجہ سے ہے اس کی تکلیف دینا جائز نہیں ہاں اگر اس فعل کے کرنے کی طاقت اس لئے نہیں کہ اس کے مخالف فعل میں وہ مشغول ہے تو اس صورت میں اس فعل کی تکلیف دینا جائز ہے یہ لوگ درحقیقت ائمہ سلف کے موافق ہیں لیکن جس فعل کے چھوڑنے اور اس فعل کے مخالف فعل میں اشتغال کو تکلیف مالایطاق قرار دینا شریعت اور لغت کے لحاظ سے بدعت ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس فعل کو انسان کرتا نہیں ہے کہ اس کی وہ طاقت نہیں رکھتا وہ اسے کرتا ہے اس کا التزام انھوں نے اس لئے کیا ہے کہ ان کا قول ہے کہ قدرت، استطاعت بس فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور جو شخص کسی کام کو نہیں کر رہا ہے گویا کہ اسے اس کی طاقت نہیں ہے یہ وضاحت کتاب و سنت اور اجماع سلف کے خلاف ہے نیز اکثر عقلاء کے بھی خلاف ہے اشارۃً اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور وہ استطاعت جو فعل کے ساتھ مقارن ہوتی ہے وہ مکلف بنانے کے لئے شرط نہیں ہے جب کہ حقیقت میں وہاں فعل کا ارادہ ہوتا ہے وہ اللہ کے اس قول :-

مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ (ھود۔۲۰) وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

نیز اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا (الکہف ۶۷-۷۲-۷۵) بیشک تو میرے ساتھ تو صبر کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔

سے استدلال کرتے ہیں اس میں ارادہ نہیں ہے جس کا نام وہ استطاعت رکھتے ہیں وہ تو فعل کے ساتھ ہی ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو سننے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں اگر اسی استطاعت سے مراد مقارن ہے تو تمام مخلوق سننے سے پہلے سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تو پھر ان کے ساتھ تخصیص کا کچھ معنیٰ نہ ہوگا۔ لیکن یہ لوگ چونکہ حق کے ساتھ دشمنی رکھتے

ہیں اور حق ان پر بوجھل ہے یا حق والے سے حسد کرتے ہوئے یا خواہشات کا اتباع کرتے ہوئے سننے کی استطاعت نہیں رکھتے اور موسیٰ علیہ السلام صبر کی استطاعت نہیں رکھتے جب وہ ظاہری شریعت کی مخالفت دیکھ رہے ہیں نیز اسے اس کا علم بھی نہیں نیز عربی اور دوسری زبانوں میں اس طرح استعمال ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے مخالف سے دشمنی کرتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں اس کے ساتھ احسان کی استطاعت نہیں اور جو شخص اس سے محبت کرتا ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں اس کو سزا دینے کی استطاعت نہیں ہے اس لئے کہ اس کی اس سے شدید محبت ہے وگرنہ وہ اس کو سزا دینے سے عاجز نہیں ہے پس یہ جملہ مبالغۃً کہا جاتا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے کہ میں اس کو پیٹوں گا یہاں تک کہ وہ مر جائے گا اس میں مقصود سخت پیٹنا ہے اور یہ عذر نہیں ہے پس اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو صرف ان افعال کے کرنے کا حکم دے جن کو لوگ چاہتے ہیں تو آسمان، زمین فساد زدہ ہو جائیں گے ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۔ (المومنون ۷۱)

ترجمہ:۔ اور اگر (خدائے) برحق ان کی خواہشوں پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں۔

امام طحاوی کا قول:۔ ان میں استطاعت تکلیف کے بقدر ہے یہ استطاعت توفیق سے ہے اس سے مراد وہ استطاعت نہیں جو صحت، فراخی، قدرت، سلامتی اعضاء کی بنا پر ہے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ تقدیر کے اثبات کی دلیل ہے شیخ نے بھی اس کی تفسیر کی ہے لیکن شیخ کے کلام میں اشکال ہے اس لئے کہ لفظ تکلیف قدرت عطا کرنے کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا یہ تو امر نہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور اس نے خود کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں طاقت کے مطابق تکلیف دیتا ہے اور ان میں استطاعت تکلیف کے بقدر ہے بظاہر ان دونوں جملوں کا ایک ہی معنی ہے لیکن درحقیقت یہ درست نہیں اس لئے کہ جس قدر اللہ نے ان کو تکلیف دی ہے ان میں اس سے زیادہ طاقت موجود ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے ساتھ آسانی اور تخفیف کا ارادہ کرتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ:۔ اللہ تو تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتا ہے۔

نیز فرمایا:۔ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ (النساء ۲۸) خدا چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے۔

نیز فرمایا، وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (۷۸) اس نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں کی۔

تو جس قدر ہمیں تکلیف دی گئی ہے اگر اس سے زیادہ بھی تکلیف دی جاتی تو ہم میں اس کی طاقت موجود تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا تخفیف کی اور دین کے امور میں ہم پر سختی نہ فرمائی اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ طاقت توفیق ہے قدرت سے اعضاء کی سلامتی مراد نہیں ہے خیال رہے عبارت میں کچھ اضطراب ہے اس لئے غور و فکر کی ضرورت ہے

شیخ کا قول:۔ ہر چیز اللہ کی مشیت اور قدرت اور علم اور قضا کے ساتھ ہے قضاء سے مراد قضاء تکوینی ہے شرعی نہیں ہے اس لئے کہ قضا جس طرح تکوینی ہوتی ہے شرعی بھی ہوتی ہے اسی طرح ارادہ، امر، اذن، کتاب، حکم، تحریم، کلمات تکوینی اور شرعی دونوں ہوتے ہیں قضاء تکوینی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ (حم السجدہ ۱۲) پھر دو دن میں سات آسمان بنائے۔

اور قضاء شرعی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (الاسراء ۲۳)

ترجمہ:۔ اور تمھارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اور ارادہ، تکوینی، شرعی کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اور امر تکوینی اللہ کے اس قول میں موجود ہے

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (یٰس ۸۲)

ترجمہ:۔ بے شک اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

نیز اس قول میں وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ (الاسراء ۱۶)

ترجمہ:۔ اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

ایک قول میں وہی اقونی ہے۔ امر شرعی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (النحل ۹۰)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

نیز اس قول میں اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ (النساء ۵۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانت کو اس کے حقداروں کی طرف ادا کرو۔

اذن تکوینی اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ہے:۔

وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (البقرہ ۱۰۲)

ترجمہ:۔ وہ اس جادو کے ساتھ اللہ کے اذن کے بغیر تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔

اذن شرعی اس قول میں ہے:۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ (الحشر ۵)

ترجمہ:۔ (مومنو) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے ہیں یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا ہو خدا کے حکم سے تھا۔

کتاب تکوینی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:۔

وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ (فاطر ۱۱)

ترجمہ:۔ اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بے شک یہ خدا کو آسان ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول میں:۔

وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء ۱۰۵)

ترجمہ:۔ اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔

کتاب شرعی دینی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:۔

وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔ (المائدہ ۴۵)

ترجمہ:۔ اور ہم نے ان لوگوں کے لئے تورات میں بھی یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔

نیز یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ (البقرہ ۱۸۳)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

حکم تکوینی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے جو یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کی طرف سے ہے

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ اَوْ یَحْکُمَ اللّٰہُ لِیْ وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ۔ (یوسف ۸۰)

ترجمہ:۔ جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں گے میں تو اس جگہ سے ہلنے کا نہیں یا خدا میرے لئے کوئی اور تدبیر کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

نیز اللہ تعالےٰ کے اس قول میں :۔

قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (الانبیاء ۱۱۲)

ترجمہ:۔ (پیغمبر نے) کہا کہ اے میرے پروردگار حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے۔

حکم شرعی اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ہے :۔

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۔ (المائدہ - ۱)

ترجمہ:۔ چارپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیئے ہیں بجز ان کے جو تمھیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں مگر احرام (حج) میں شکار کو حلال نہ جاننا خدا جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے

نیز ارشاد خداوندی ہے :۔ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (الممتحنۃ - ۱۰)

ترجمہ:۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمھارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔

تحریم کونی اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ہے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ (المائدہ ۲۶)

ترجمہ:۔ خدا نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لئے حرام کر دیا گیا (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔

نیز وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ (الانبیاء ۹۵)

ترجمہ:۔ اور جس بستی (والوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا محال ہے کہ (رجوع کریں) وہ رجوع نہیں کریں گے۔

تحریم شرعی اللہ تعالےٰ کے اس قول میں ہے :۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ (المائدہ ۳)

ترجمہ:۔ تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے :۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء ۲۳) اور تم پر تمھاری مائیں حرام کر دی گئیں۔

تکوینی کلمات اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہیں :۔

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا (الاعراف ۱۳۷)

ترجمہ:۔ اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک پورا ہوا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں ہے آپ فرماتے ہیں میں اللہ کے کلمات کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں جو مکمل ہیں جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا (حدیث صحیح ہے) اور کلمات شرعیہ دینیہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہیں :۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ (البقرہ ۱۲۴)

ترجمہ:۔ اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔

امام طحاوی کا قول :۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ بالکل ظالم نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا وصف ہے جس پر قرآن پاک دلالت کرتا ہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو لوگوں پر ظلم سے منزہ قرار دیا ہے یہ مسلک اعتدال والا ہے جو قدریہ رجبریہ کے اقوال کے بین بین ہے ہاں ضروری نہیں کہ جس انسان کے جس فعل کو ظلم اور قبیح قرار دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فعل کو بھی ظلم اور قبیح سمجھا جائے جیسا کہ قدریہ اور معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں اس سے اللہ کا مخلوق کے مماثل ہونا لازم آتا ہے اور اس کا مخلوق پر قیاس کرنا پڑتا ہے حالانکہ اللہ پاک رب ہے قدرت والا ہے غنا والا ہے اور لوگ اس کے محتاج اور مغلوب ہیں نیز ظلم ایسی ممتنع چیز کا نام نہیں جو قدرت کے تحت داخل نہیں جیسا کہ یہ بات متکلمین وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ بات ممتنع ہے کہ ممکن مقدور میں ظلم ہو بلکہ جو چیز ممکن ہے وہ اس سے ہے اگر وہ اس کو کرتا ہے تو عدل ہے اس لئے کہ ظلم تو محض اس صورت میں ہے کہ اس کے غیر سے اس کا حکم دیا گیا ہے یا اس کے غیر سے اس کو روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں ہے بیشک اللہ کا قول :۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (طٰہٰ ۱۱۲)

ترجمہ:۔ اور جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول :۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (ق ۲۹)

ترجمہ:۔ ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول :۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ (الزخرف ۷۶)

ترجمہ:۔ اور ہم نے تو ان پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود ظالم تھے

نیز اللہ تعالیٰ کا قول:۔ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (الکہف ۴۹)

ترجمہ:۔ اور جو عمل کئے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا

نیز اللہ تعالیٰ کا قول:۔ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (غافر ۱۷)

ترجمہ:۔ آج ظلم نہیں بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اس قول کے خلاف یہ دال ہے اسی قبیل سے حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم حرام قرار دیا ہے اور تم پر حرام کیا ہے پس تم ظلم نہ کرو (مسلم)

یہ حدیث دو چیزوں پر دال ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر ظلم حرام کر دیا ہے ظاہر ہے کہ ممتنع کو یوں ذکر نہیں کیا جاتا دوسری یہ کہ اس نے بتایا کہ اس نے اس کو اپنے نفس پر حرام کر دیا ہے جیسا کہ اس نے خبر دی کہ اس نے اپنے نفس پر رحمت کو لازم کر لیا ہے اس سے ان کا استدلال باطل ہو جاتا ہے کہ ظلم اس سے ہوتا ہے کہ جس سے روکا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو کون روک سکتا ہے! پس ہم ان سے کہیں گے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے نفس پر رحمت کو ثابت کر لیا ہے نیز اپنے نفس پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس نے اس چیز کو اپنے نفس پر ثابت کیا ہے یا حرام کیا ہے جس پر اس کو قدرت حاصل ہے وہ چیز مراد نہیں جو اس پر ممتنع ہے۔ نیز اللہ تعالےٰ کا یہ قول:۔

فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (طٰہٰ ۱۱۲) تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

ظلم کی تفسیر یہ ہے کہ کسی دوسرے کی غلطیوں کو اس پر رکھ دیا جائے اور ھضم یہ ہے کہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (الاسراء ۱۵) کوئی کسی دوسرے کا بار نہ اٹھا سکے گا۔

نیز انسان اس ممتنع سے خائف نہیں ہوتا جو قدرت کے تحت نہیں کہ اس کو امن حاصل کرنا پڑے۔ البتہ ممکن سے امن میں رہتا ہے پس جب اس کو ظلم سے یہ کہہ کر مامون کر دیا کہ وہ ڈرتا نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ ممکن ہے اور اس پر قدرت ہے اسی طرح اللہ کا قول۔

لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۝ (ق ۲۸)

ترجمہ:۔ ہمارے حضور میں ردوکد نہ کرو ہم تمہارے پاس پہلے ہی (عذاب کی) وعید بھیج چکے تھے ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔

اس سے مراد ایسی چیز کی نفی نہیں جس پر اس کو قدرت حاصل نہیں اور نہ غیر ممکن مراد ہے اور اس چیز کی نفی کی ہے جس پر قدرت حاصل ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ ممکن بھی ہے پس ظلم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے خلاف بدلہ دیا جائے پس ان لوگوں کے قول پر اللہ تعالیٰ افعال سے کسی فعل پر بالکل منزہ نہیں ہے اور نہ وہ اس کے کرنے سے پاک ہے بلکہ ہر قسم کے ممکن سے بچاؤ نہیں ہوگا بلکہ اس کو سرانجام دینا اچھا ہے لیکن بُرے فعل کی کچھ حقیقت نہیں اس لئے کہ وہ ممتنع ہے اور ممتنع کی حقیقت نہیں ہوتی اور قرآن پاک میں اس قول کے خلاف کثیر آیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ایسے فعل سے پاکیزہ رکھا ہے جو اس کے لائق نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برے فعل سے منزہ اور پاک ہے نیز عیب ناک مذموم فعل سے بھی پاک ہے جیسا کہ وہ بُرے اور مذموم وصف سے پاک ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (المومنون ۱۱۵)

ترجمہ:۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو بے فائدہ چیز کے پیدا کرنے سے منزہ قرار دیا ہے اور جو شخص اس خیال کا ہے اس کا بھی انکار کیا ہے۔ نیز اللہ کا قول ہے:۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ (القلم ۳۵)

ترجمہ:۔ کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی مانند کر دیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول:۔ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ (ص ۲۸)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے کیا ہم ان کو ان کی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔

اس میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے قول کا انکار فرما رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے دونوں کو مساوی قرار دیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الجاثیہ ۲۱)

ترجمہ :۔ جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کردیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (اور) ان کی زندگی اور موت یکساں ہوگی یہ جو دعوے کرتے ہیں برے ہیں اس میں ان لوگوں پر انکار ہے جن کا خیال ہے کہ وہ اس طرح کرتا ہے نیز خبر دیتا ہے کہ یہ حکم برا اور قبیح ہے اس قسم کے حکم سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے۔ ابو داؤد، مستدرک میں ابن عباس، عبادہ بن صامت، زید بن ثابت سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں زمین والوں کو عذاب میں گرفتار کرے تو اللہ کا یہ ظلم نہ ہوگا اور اگر سب پر رحم فرمادے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے بہتر ہے اس حدیث سے جبریہ استدلال کرتے ہیں لیکن قدریہ کے فاسد اصولوں کے مطابق نہیں ہے اسی لئے وہ یا تو اس کی تکذیب کرتے ہیں یا تاویل کرتے ہیں البتہ اہل سنت سعید ہیں جو اس حدیث کو سچا گردانتے ہیں نیز اللہ کی عظمت، جلال جیسے اوصاف پر غور کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق پر اللہ کی نعمتوں کا جائزہ لیتے ہیں نیز وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مخلوق ان نعمتوں کے حقوق ادا کرنے سے بوجہ عجز یا بوجہ جہالت یا بوجہ کوتاہی وغیرہ کے قاصر ہیں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق آسمان والوں اور زمین والوں پر یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اسے فراموش نہ کیا جائے اس کا شکریہ ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے نیز اس کی محبت، انابت، توکل، خشیت، مراقبہ خوف، امید تمام اخلاقی قدریں اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور اسی کے ساتھ متعلق ہوں اس طرح کہ دل ہمیشہ اللہ کی محبت سے سرشار رہے اور اس کی الوہیت میں محو رہے زبان پر اس کا ذکر رہے اور اعضا اس کی اطاعت کے لئے وقف ہوں اس میں کچھ شک نہیں کہ فی الجملہ انسان کو اس پر قدرت حاصل ہے لیکن نفوس اس میں بخیل ہیں بخل میں ان کے مختلف مراتب ہیں جن کا شمار اللہ ہی کر سکتا ہے اکثر اطاعت گذار لوگ ایک لحاظ سے تو بخیل ہیں اور ایک لحاظ سے بخیل نہیں ہیں پس ایسا مبارک انسان کون ہے جس کا ارادہ اللہ کے ارادہ سے مزاحم نہیں اور جو خدا کو محبوب ہے وہ اس کو محبوب ہے اور ایسا انسان کون ہے جس سے کبھی ایسا فعل سرزد نہیں ہو جو اس کے پیدا کرنے کے سبب کے خلاف ہو پس اگر اللہ سبحانہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عدل فرماتا ہوا عذاب میں مبتلا کردے تو اس کا عذاب میں مبتلا کرنا اس کا عین عدل ہوگا ظلم نہیں ہوگا ہاں کسی بندے کا گناہ سے تائب ہونا بے شک مستحسن کام ہے لیکن اس کی توبہ کا قبول ہونا محض اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے وگرنہ اگر کسی گناہ پر وہ عذاب میں گرفتار کرتا ہے تو وہ ظالم نہیں ہے اور جو گناہ

سے تائب ہو جاتا ہے اس کو عذاب میں گرفتار نہیں کرتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وسیع فضل و رحمت سے اپنے نفس پر واجب کر لیا ہے کہ وہ توبہ کرنے والے کو عذاب میں گرفتار نہ کرے گا نیز اس نے اپنے نفس پہ رحمت کو واجب کر لیا ہے اس کی رحمت تمام مخلوق پر حاوی ہے جب کہ کسی شخص کا عمل اس لائق نہیں کہ وہ محض عمل کی وجہ سے دوزخ سے نجات حاصل کرے یا اسے جنت میں داخلہ ملے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جو تمام لوگوں سے زیادہ اپنے رب کے اطاعت گذار ہیں اور عمل میں تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں نیز اپنے رب کی تعظیم اور بزرگی میں سب سے آگے ہیں) تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دے سکتا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں آپ نے فرمایا مجھے بھی نہیں ہاں یہ کہ مجھ پر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل سایہ افگن ہو (بخاری مسلم) نیز حضرت صدیق نے آپ سے گذارش کی کہ آپ مجھے ایسی دعا سکھائیں جس کو نماز میں مانگا جائے آپ نے فرمایا: یہ دعا کیجئے۔ اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے گناہوں کو تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا مجھے اپنی جانب سے مغفرت عطا فرما اور مجھ پر رحم کر بے شک تو معاف کرنے والا مہربان ہے[1] پس جب صدیق اکبر کا یہ حال ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہے تو کسی دوسرے کے بارے میں کیا خیال ہے بلکہ ان کا لقب صدیق اسی لئے رکھا گیا کہ انھوں نے مقام صدیقیت کا حق ادا کر دیا خیال رہے کہ مقام صدیقیت معرفت خداوندی، عظمت خداوندی کو شامل ہے نیز اللہ کے حقوق کی ادائیگی ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہے لیکن وہ لوگ برباد ہو گئے رحمت خداوندی سے دور ہو گئے جو سمجھتے ہیں کہ مخلوق کو اپنے رب کی رحمت کی ضرورت نہیں بھلا اس سے بھی بڑی اور کوئی جہالت کی بات ہو سکتی ہے اگر اتنی وضاحت کے باوجود آپ اسکو نہ سمجھ سکے ہوں تو اللہ کی نعمتوں اور ان کے حقوق کا جائزہ لیجئے اور شکر ادا کرنے والوں اور ناشکری کرنے والوں کا موازنہ کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اگر اللہ سبحانہ تمام آسمان و زمین والوں کو عذاب میں گرفتار کرے تو ان کو عذاب میں گرفتار کرنے کی صورت میں وہ ظالم نہیں ہو گا

مردوں کے لئے ایصال ثواب (ط) زندہ لوگوں کی جانب سے مرے ہوئے لوگوں کو دعا اور صدقات پہنچتے ہیں۔

---

[1] بخاری، مسلم من حدیث ابی بکر، مسند ابو بکر الصدیق طبع المکتب الاسلامی ص ۱۲۲)

(ش) اہل سنت اس بات پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ دو صورتوں سے مردے زندہ انسانوں کی کوششوں سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مردہ انسان نے اپنی زندگی میں کوئی سبب قائم کیا تھا۔ دوسری صورت یہ کہ مسلمانوں کا ان کے لئے دعا کرنا۔ استغفار کرنا صدقہ کرنا اور حج کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں محمد بن حسن سے ایک روایت ہے حج میں خرچ کا ثواب میت کو اور حج کا ثواب حج کرنے والے کو ملتا ہے لیکن اکثر علماء کے ہاں حج کا ثواب اس شخص کو ملے گا جس کی طرف سے حج کیا گیا ہو۔۔ صحیح مسلک بھی یہی ہے ہاں عبادات بدنیہ روزہ، نماز، تلاوت قرآن، ذکر میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ، احمد، جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے امام شافعی کا مشہور مذہب اور امام مالک سے مروی ہے کہ نہیں پہنچتا جب کہ بعض بدعتی متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ دعا وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہیں پہنچتا لیکن ان کا قول کتاب و سنت کے مقابلہ میں رد ہوگا یہ لوگ متشابہ آیات سے استدلال کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول:۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔۔ (النجم ۳۹)

ترجمہ:۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول:۔ وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ - (یٰسٓ ۵۴)

ترجمہ:۔ اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق ہی بدلہ ملے گا ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا قول ہے لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ (البقرہ ۲۸۶)

ترجمہ:۔ اسے ان اعمال کا فائدہ پہنچے گا جو اس نے کئے اور اسے ان اعمال کا نقصان پہنچے گا جو اس نے کئے۔

حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ نے فرمایا جب ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو سوائے تین چیزوں کے باقی سے اس کا عمل کٹ جاتا ہے وہ تین چیزیں صدقہ جاریہ ہے نیک اولاد کا دعا کرنا ہے اس کے بعد نفع دینے والا علم ہے[۱] مقصود یہ ہے کہ وہ عمل فائدہ دے گا جس کا سبب اس نے زندگی میں قائم کیا تھا اور جس کا سبب قائم نہیں ہو سکا وہ منقطع ہو جائے گا اور وہ عبادات جن میں دنیا میں بھی نیابت درست نہیں مثلاً اسلام، نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن ان کا ثواب کسی صورت میں بھی نہیں پہنچے گا ان افعال کا ثواب صرف اس شخص کو ملے گا جو ان کو

---

[۱] مسلم وغیرہ من حدیث ابی ہریرۃ (احکام الجنائز ص ۱۷۴)

سرانجام دیتا ہے جیسا کہ زندگی میں بھی ان افعال کو کوئی شخص دوسرے انسان کی طرف سے سرانجام نہیں دے سکتا یعنی نائب نہیں بن سکتا نسائی میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ نماز ادا کرے نہ روزہ رکھے لیکن ایام روزے کے بدل اس کی طرف سے گندم کا ایک مد صدقہ کرے[1] میت جس فعل کا سبب قائم نہیں کرتا اس سے بھی میت کو فائدہ ہوسکتا ہے اس پر کتاب وسنت اجماع، قیاس صحیح سے دلائل موجود ہیں۔

کتاب اللہ میں ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (الحشر ۱۰)

ترجمہ:۔ اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما۔

معلوم ہوا زندوں کی استغفار سے انھیں فائدہ پہنچے گا نیز میت کو زندوں کی دعا سے فائدہ ہوتا ہے اس پر تو امت کا اجماع ہے نماز جنازہ میں میت کے لئے دعا کرنے کا عمل متواتر ہے نیز نماز جنازہ میں جو دعائیں میت کے لئے کی جاتی ہیں وہ سنت مستفیضہ سے ثابت ہیں اسی طرح میت کے دفن کے بعد اس کے حق میں دعا کرنا ثابت ہے سنن ابوداؤد میں عثمان بن عفان سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہوکر فرماتے اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرو[2] اس سے اب سوال ہو رہا ہے اسی طرح قبروں کی زیارت کے وقت بھی دعا کرنا ثابت ہے صحیح مسلم میں ہے بریدہ بن حصیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کہیں:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔[3]

تم پر سلام ہو اے ایمان والو مسلمانو آخرت کے گھر میں رہنے والو بے شک ہم بھی اگر اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں

[1] مرفوع کا اصل تو نہیں ہے نہ نسائی میں. ہے نہ کسی دوسری کتاب میں ہے البتہ نسائی کبریٰ ۴/۲۵۴/۱) میں اور مشکل الآثار طحاوی ۳/۱۴۱) میں ابن عباس سے موقوف حدیث ہے سند صحیح ہے۔ [2] حدیث صحیح ہے (احکام الجنائز ۱۵۵)

[3] صحیح ہے (احکام الجنائز ۱۸۹ - ۱۹۰)

نیز صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے ہے کہ اس نے استفسار کیا کہ جب وہ قبروں والوں کیلئے استغفار کرے تو کیا کلمات کہے آپ نے فرمایا یہ کلمات کہو:۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَمِنْکُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ ۔

ترجمہ:۔ سلامتی ہو تم پر اے ایماندار اسلام والو آخرت کے گھر والو! اللہ ہمارے اور تمہارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں[۱]

صدقات کا ایصال البتہ صدقے کا ثواب پہنچتا ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اس نے کچھ وصیت نہیں کی میرا خیال ہے اگر وہ کلام کرنے کے قابل ہوتی تو صدقہ کرتی کیا اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملے گا آپ نے اثبات میں جواب دیا[۲] نیز صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئی وہ خود اس وقت وہاں موجود نہ تھا چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میری والدہ فوت ہوئیں تو میں وہاں موجود نہ تھا اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کروں تو اس سے اس کو فائدہ ہوگا آپ نے اثبات میں جواب دیا اس نے کہا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مخراف باغیچہ کا اس کی طرف سے صدقہ کر دیا[۳] اس مضمون کی احادیث سنت میں کثرت کے ساتھ ہیں۔

روزے کا ایصال ثواب بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فوت ہوا اور اس کے ذمہ روزے تھے اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے[۴] اس مضمون کی احادیث صحیح کتب حدیث میں موجود ہیں امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزے نہ رکھے جائیں البتہ کھانا کھلایا جائے دلیل ابن عباس کی حدیث سے اخذ کرتے ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مزید وضاحت کتب فروع میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

[۱] صحیح ہے احکام الجنائز ۱۸۱ ـ ۱۸۳ / [۲] صحیح ہے احکام الجنائز ص ۱۷۱ [۳] صحیح ہے راحکام الجنائز ص ۱۷۲) [۴] صحیح ہے احکام الجنائز ص ۱۶۹)

حج کا ایصال ثواب صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جہینہ قبیلہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے دریافت کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مان رکھی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکی اور فوت ہوگئی کیا میں اس کی طرف سے حج کر دوں آپ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کرو نیز فرمایا یہ بتاؤ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تو اس کو ادا کرتی تو اللہ کا حق بھی ادا کرو۔ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ اس مضمون کی احادیث بھی کثرت کے ساتھ ہیں۔

میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی نیز مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میت کی جانب سے قرض کی ادائیگی (اگرچہ اجنبی کی طرف سے ہو اگرچہ اس کے ترکہ سے نہ ہو) ہو جائیگی ابو قتادہ کی حدیث اس پر دال ہے جب کہ ابو قتادہ نے ایک میت کے دو دینار قرض کی ذمہ داری اٹھائی چنانچہ اس کی ادائیگی کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اس کا جسم ٹھنڈا ہوا ہے[1] یہ حکم قواعد شرع کے عین مطابق ہے نیز قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے اور پھر کسی نیک عمل کا ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے جب وہ اپنا حق اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے ہبہ کر دیتا ہے تو اس کو اس سے روکا نہیں جا سکتا جیسا کہ اس کو اس کی زندگی میں اپنے مال کے ہبہ کرنے سے نہیں روکا جا سکتا نیز وفات کے بعد اپنے مال سے بری ہونے سے روکا نہیں جا سکتا نیز شارع نے وضاحت کی ہے کہ جب قرأت وغیرہ عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے تو روزے کا ثواب بھی پہنچنا چاہئے وضاحت یہ ہے کہ روزہ نفس کو ان چیزوں سے روکنے کا نام ہے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس کے ساتھ نیت بھی ملحوظ ہے اس کے ایصال ثواب پر شارع کی جانب سے نص موجود ہے تو قرأت قرآن کا ایصال ثواب کیوں نہیں ہوگا جس میں نیت اور عمل ہے

ایصال ثواب کے منکرین کی دلیل اور اس کے جوابات وہ ارشاد خداوندی پیش کرتے ہیں۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم ۳۹) اور یہ کہ انسان کو ان اعمال کا فائدہ ہوگا جو وہ کرتا رہا۔

علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں، زیادہ صحیح دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ انسان اپنی مساعی اور حسن معاشرت کے ساتھ دوستوں کا حلقہ پیدا کر لیتا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ نکاح

---

[1] صحیح ہے (الارواء ۱۸۷) [2] حدیث حسن ہے (حاکم) (احکام الجنائز ص ۱۶)

کرنا ہے اس سے بھی مودت و محبت کے رشتوں میں اضافہ ہوتا ہے پھر اولاد بھی ہوتی ہے تو یہ لوگ اس کے حق میں دعائیں کرتے ہیں نیک اعمال کے ثواب کا اس کے لئے ابداء کرتے ہیں اس پر شفقت کرتے ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ سب کچھ دراصل اس کی اپنی کوششیں ہیں بلکہ ایک مسلمان اخوت اسلامیہ کے رشتہ میں منسلک ہو کر اپنے مسلمان بھائیوں کو ان کی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی فوائد پہنچاتا ہے دعا کرتا ہے اور مسلمان بھائی کی دعا تو ڈھال بن جاتی ہے اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو آپس میں محبت و غم خواری کا سبب بنایا ہے کہ تمام مومن ایک دوسرے کی معاونت کریں اور ایک دوسرے کے حق میں دعا کریں پس جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے حق میں دعا کرتا ہے تو گویا وہ سبب میں سعی کر رہا ہے جس سے ایصال ثواب ہو رہا ہے دوسرا جواب پہلے جواب سے قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے اس بات کی نفی نہیں کی کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی کوشش سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا البتہ اس بات کی نفی ہے کہ دوسرے کی کوشش کا وہ مالک نہیں بن سکتا ان دونوں باتوں میں واضح فرق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ہر شخص اپنی مساعی کا مالک ہے البتہ دوسرے کی مساعی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جب وہ آپ کے لئے مساعی کو صرف کرتا ہے لیکن اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مساعی کو اپنی ذات کے ساتھ مختص رکھے۔

نیز اللہ پاک کا قول اَنْ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

نیز:- وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۸-۳۹)

ترجمہ:- اور یہ کہ انسان کو ان اعمال کا ثواب حاصل ہوگا جو وہ کرتا رہا۔

یہ دونوں آیات محکم ہیں عدل خداوندی کا پتہ دے رہی ہیں پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کے غیر کے جرم کی وجہ سے سزا میں مبتلا نہیں کرتا اور نہ غیر کے قصور پر اس سے مواخذہ کرتا ہے جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کی کامیابی اس کے اعمال پر ہے وہ ہرگز یہ امید نہ رکھے کہ اپنے آباؤ اجداد کے عمل یا مشائخ کی مساعی سے نجات حاصل کرے گا جس طرح کہ اس قسم کی ناکام امیدیں بعض لوگ اپنے دل میں سمائے رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے یہ نہیں کہا کہ غیر کی مساعی سے فائدہ بھی نہ ہوگا جب وہ اپنی مساعی اس کے لئے صرف کر دے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جب آدم کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ اس سے عدم ایصال ثواب پر استدلال درست نہیں اس حدیث میں اس بات کی

ہرگز نفی نہیں ہے کہ نفع اٹھانا بھی منقطع ہو جاتا ہے صرف عمل کے انقطاع کا ذکر ہے اور اس کے غیر کا عمل تو عمل کرنے والے کے لئے ہے اگر وہ اس کا ثواب اپنے غیر کے لئے کر دیتا ہے تو عامل کے عمل کا ایصال ثواب ہوگا وہ اس کے عمل کا ثواب تو نہیں ہے اس کی مثال قرض کی ہے جس کو انسان اپنے غیر کی طرف سے ادا کرتا ہے اور اس کو بری الذمہ قرار دیتا ہے اگرچہ مال اس کے قبضہ میں نہیں کرتا جس سے وہ خود قرض ادا کرے ۔

عبادات بدنیہ و مالیہ میں فرق؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی جانب سے روزہ رکھنے کو مشروع قرار دیا ہے حالانکہ روزے میں نیابت جائز نہیں حضرت جابر کی وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید الاضحیٰ کی نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس ایک مینڈھا لایا گیا آپ نے اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کے کلمات کہے نیز آپ نے فرمایا یہ قربانی میری طرف سے اور میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے قربانی نہیں کی[1]۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی نیز دو مینڈھوں والی حدیث ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: اے اللہ یہ میری طرف سے اور میری تمام امت کی طرف سے ہے[2]۔ دوسری میں آپ نے فرمایا: اے اللہ یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے[3]۔ احمد ۔

خیال رہے قربانی میں قربۃ" خون گرانا ہے آپ نے اس کا ایصال ثواب اپنے غیر کے لئے کیا ہے اسی طرح حج کی عبادت بدنی ہے مال اس کا رکن نہیں ہے وہ تو وسیلہ ہے کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ مکہ میں رہنے والے پر بھی حج واجب ہے جب وہ عرفات جانے کی قدرت رکھتا ہے مال وغیرہ کی شرط نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ حج کی عبادت مالی، بدنی نہیں بلکہ صرف بدنی ہے جیسا کہ اس کی وضاحت امام ابو حنیفہ کے متاخرین تلامذہ سے ثابت ہے نیز فرض کفایہ امور پر نگاہ ڈالیں کہ چند انسانوں کے ادا کرنے سے دوسروں سے ساقط ہو جاتا ہے نیز اس لئے کہ اس صورت میں تو اصدار ثواب ہے نیابت نہیں ہے جیسا کہ اجیر خاص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو اپنا نائب بنائے البتہ اجرت جس کو چاہے دے سکتا ہے ۔

---

[1] شواہد کے پیش نظر صحیح ہے الجمع (۴/ ۲۲ - ۲۳) دیکھیں [2] حسن ہے المسند (۶/ ۳۹۱ - ۳۹۲) [3] سند ضعیف ہے (ابو صالح خوزی) کے بارے میں صاحب تقریب نے کہا ضعیف حدیث والا ہے البتہ حاکم نے (۴/ ۹۱) میں اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا، ذہبی نے خاموشی اختیار کی، ترمذی نے کہا ہم اس حدیث کو صرف اسی طریق سے جانتے ہیں ۔

اجرت پر پڑھائے ہوئے قرآن کا ایصالِ ثواب | کچھ لوگوں کو اجرت پر قرآن پاک پڑھانا اور میت کے لئے اس کا ایصال ثواب کرنا درست نہیں سلف صالح میں سے کسی ایک سے بھی ایسا کرنا ثابت نہیں نیز کسی امام نے اس کا حکم نہیں دیا نہ ہی اس کی رخصت دی ہے نیز محض تلاوت پر اجرت لینا بھی جائز نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے کے بارے میں اختلاف ہے جس میں دوسرے انسان کو فائدہ حاصل ہو رہا ہے ہاں کسی عمل کا ثواب میّت کو اس وقت ملے گا جب وہ عمل محض اللہ کی رضا کے لئے ہو یہاں تو اس کو خالص عبادت کا نام نہیں دیا جا سکتا تو پھر اس کا ثواب کیا ہوا جس کا ایصال میت کو کیا جا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ نماز، روزہ کے لئے کسی کو کرایہ پر رکھا جائے اور میت کو اس کا ایصال ثواب کیا جائے لیکن جب قرآن کی تعلیم و تعلم والے لوگوں کو ان کی اعانت کرتے ہوئے انھیں مال کا عطیہ دیں گے تو یہ درست ہے اس لئے کہ وہ صدقہ کی شکل اختیار کر گیا لیکن (الاختیار کتاب) میں ہے اگر کوئی شخص وصیت کر جاتا ہے کہ اس کے مال سے کچھ حصہ اس شخص کو دیا جائے جو اسکی قبر پر قرآن کی قرأت کرے گا تو یہ وصیت باطل ہے اس لئے کہ یہ صورت اجرت کی ہے صدقہ کی نہیں ہے نیز زاھدی نے (الغنیۃ) میں ذکر کیا ہے اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے کچھ مال کو ایسے لوگوں کے لئے وقف کرتا ہے جو اس کی قبر پر قرآن کی تلاوت کریں گے تو اس صورت میں مال کی تعیین کرنا غلط ہے۔ البتہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور تطوعاً بلا اجرت اس کے ثواب کا میت کے لئے ایصال کرنا درست ہے جیسا کہ روزہ، حج کے ثواب کا ایصال درست ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ یہ طریق سلف میں موجود نہ تھا نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی راہ نمائی نہیں فرمائی ہم جواب دیں گے اگر معترض حج، روزہ، دعا کے ثواب کے ایصال کا قائل ہے تو ہم کہیں گے ان کے ایصال ثواب اور قرآن کی تلاوت کے ایصال ثواب میں کیا فرق ہے ہاں سلف سے کسی عمل کا ثابت نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ایصال ثواب نہیں ہوگا پھر نفی میں عمومیت نہیں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روزے، حج، صدقہ کے ایصال ثواب کی راہ نمائی تو فرمائی ہے تلاوت قرآن کے ایصال ثواب کی راہ نمائی نہیں فرمائی۔ ہم جواب دیں گے کہ ان کے بارے میں بھی آپ نے از خود کچھ نہیں فرمایا بلکہ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ میت کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے تو آپ نے اس کی اجازت دی نیز جب ایک انسان نے آپ سے روزے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کی بھی اجازت مرحمت فرمائی دیگر چیزوں

سے آپ نے منع نہیں فرمایا اور (آپ بتائیں) روزے کے ایصال ثواب کے درمیان (جو صرف نیت اور روکنے کا نام ہے) اور تلاوت قرآن اور ذکر کے ایصال ثواب کے درمیان کیا فرق ہے؟

اگر دریافت کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعدار ثواب کیا جا سکتا ہے؟

تو ہم کہیں گے کہ متاخرین میں سے بعض نے اس کو مستحب کہا ہے اور بعض نے بدعت کہا ہے اس لئے کہ صحابہ کرام سے یہ فعل ثابت نہیں نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر اس شخص کے ثواب کے برابر ثواب ثابت ہے جو آپ کی امت سے نیک عمل کرتا ہے عمل کرنے والے کے ثواب سے بھی کچھ کم نہیں ہوتا یہ اس لئے کہ آپ نے ہی امت کو تمام نیک کاموں کی راہ نمائی کی ہے لیکن یہ قول کہ میت کے پاس قرآن پڑھا جائے تو میت جب اللہ کا کلام سنتا ہے تو اس سے اس کو فائدہ ہوتا ہے یہ قول کسی مشہور امام سے صحت کے ساتھ مروی نہیں اس لئے کہ قرآن پاک کے سننے کا ثواب زندگی کے ساتھ مشروط ہے جب کہ وہ اختیار والا تھا اور سننا اس کا اختیاری عمل تھا وہ تو موت کے ساتھ منقطع ہو گیا بلکہ بعض اوقات تو اس سے اسے نقصان پہنچتا ہے اور وہ تکلیف محسوس کرتا ہے جب کہ اس نے اللہ کے اوامر اور نواہی کے مطابق زندگی نہیں گذاری تھی یا اس نے نیک کاموں کی طرف زیادہ رغبت نہیں کی تھی۔

قبر پر قرآن پڑھنا اس میں علماء کا اختلاف ہے تین مشہور قول ہیں ایک قول مکروہ ہے دوسرا قول دفن کے وقت کچھ حرج نہیں تیسرا قول دفن کے بعد مکروہ ہے امام ابوحنیفہ، مالک (احمد ایک روایت میں) کہتے ہیں مکروہ ہے اسلئے کہ یہ بدعت ہے سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں نیز قرآن پڑھنا نماز کے مشابہ ہے اور قبر کے نزدیک نماز ادا کرنے سے روکا گیا اسی طرح تلاوت قرآن سے بھی روکا جائے گا امام محمد بن حسن (احمد دوسری روایت میں) کہتے ہیں دفن کے وقت کچھ حرج نہیں عبداللہ بن عمر کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ اس نے وصیت کی کہ اس کی قبر پر دفن کے بعد سورہ بقرہ کا اول اور آخر پڑھا جائے نیز بعض مہاجرین سے سورہ بقرہ کی تلاوت بھی منقول ہے ہاں اس کے بعد جس طرح کہ قبر پر لوگ تلاوت قرآن کے لئے آتے جاتے رہتے ہیں یہ امام احمد کے ہاں مکروہ ہے سنت میں اس کا ذکر نہیں ہے نہ ہی سلف صالحین سے کچھ نقل ہے یہ قول دلیل کے لحاظ سے قوی ہے پھر تطبیق کی ایک صورت بھی ہے۔

(ط) اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتا ہے اور ضرورتیں پوری فرماتا ہے۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے:- وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (غافر ۶۰)

ترجمہ:- اور تمہارے رب نے اعلان کیا کہ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

نیز فرمایا۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرۃ ۲۲)

ترجمہ:۔ اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں دریافت کریں (تو کہہ دو) میں قریب ہوں پکارنے والے کی پکار کو جب وہ پکارتا ہے قبول کرتا ہوں ۔

مسلمانوں کی اکثریت نیز دیگر تمام مذاہب وغیرہ کا قول ہے کہ فوائد کے حصول اور نقصان دہ چیزوں سے بچاؤ کا مضبوط ذریعہ دعا کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں بتایا ہے کہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے جب انھیں خطرہ لاحق ہوتا تو وہ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کو پکارتے تھے نیز انسان کو جب بھی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ پہلو کے بل بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی پکار قبول فرماتا ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے سوال کو پورا فرماتا ہے یہ در اصل اللہ تعالیٰ کی رازقیت ہے اور ان کی معاونت ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہی تقاضا ہے پھر کبھی اس کے حق میں فتنہ اور مضرت بھی ہوتا ہے جب اس کا کفر و فسق اس کا متقاضی ہوتا ہے سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر ناراض ہو جاتا ہے[1]

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔ الرب یغضب ان ترکت سوالہ   وبنو آدم حین یسأل یغضب

ترجمہ:۔ اگر اللہ تعالیٰ سے آپ سوال نہ کریں تو وہ ناراض ہو جاتا ہے جب کہ انسان سے اگر سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے

ابن عقیل کا قول | اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دعوت دی ہے کہ وہ دعا کریں اس کے چند وجوہ ہیں ملاحظہ کریں ایک یہ کہ اس سے ثابت ہوگا کہ اللہ کا وجود ہے اگر یہ وجود ہی نہیں تو دعا کرنے کا کیا مطلب؟ دوسرا یہ کہ وہ ذات غنا والی ہے ظاہر ہے کہ فقیر سے تو کچھ سوال ہی نہیں ہوتا تیسرا یہ کہ وہ سنتا ہے جو سنتا نہیں اسے کون پکارتا ہے چوتھا یہ کہ وہ کرم والا ہے بخیل سے کون مانگتا ہے پانچواں یہ کہ وہ رحیم ہے سخت دل سے کون طلب کرتا ہے چھٹا یہ کہ وہ قدرت والا ہے جس میں قدرت ہی نہ ہو اس سے کون سوال کرتا ہے اور جو لوگ اشیاء میں خصوصیات کے قائل ہیں ان کے ہاں بھی انھیں کچھ اختیار حاصل نہیں ہے اسی لئے دعا مشروع ہے اور جب بارش کی ضرورت ہو تو نماز استسقاء ادا کی جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشیاء میں خصوصیات طبعی لحاظ سے ہیں انتداری لحاظ سے نہیں ہیں اس لئے آگ کو مخاطب کر کے یوں نہیں کہا جاتا کہ اے آگ تو رک جا اور نہ نجومیوں کے زمانہ کے مطابق کسی سیارے کو یوں مخاطب کیا جاتا ہے کہ اے ستارے میرے مزاج کی اصلاح کر۔

بعض فلاسفہ کا ایک شبہ اور اس کا ازالہ | بعض فلاسفہ اور غالی قسم کے صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ دعا میں کچھ فائدہ نہیں اس لئے کہ مشیت الٰہیہ اگر مطلوب کے وجود کا تقاضا کرتی ہے تو دعا کی کیا ضرورت ہے اور اگر مشیت ہی تقاضا نہیں کرتی تو دعا کا کچھ فائدہ نہیں بعض لوگوں نے دعا نہ کرنا خاص قسم کے عارفین کا خاصہ قرار دیا ہے بلکہ دعا

[1] حدیث صحیح ہے مشکوٰۃ (۲۲۳۸)

کو مقام معرفت پر وصول کے درمیان رکاوٹ کہا ہے لیکن بعض شیوخ کی یہ وضاحت غلط ہے جس طرح اس کا نادرست ہونا دین اسلام کی روشنی میں واضح ہے بالکل اسی طرح عقلی تقاضوں کی روشنی میں بھی یہ بات فاسد ہے جب کہ تجربات سے دعا کے فوائد ثابت ہیں بلکہ فلاسفہ جن کا مشرک ہونا واضح ہے ان کا قول ہے عبادت گاہوں اور مندروں میں مختلف زبانوں میں اونچی اونچی آوازوں کے ساتھ دعائیں کرنا زمانہ کی پیدا کردہ مشکلات کو ختم کر سکتی ہیں۔

فلاسفہ اور غالی قسم کے صوفیا کی جانب سے جو شبہ پیش کیا گیا ہے اس کا ازالہ کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آپ کے بیان کردہ دونوں مقدمات غلط ہیں یہاں ایک تیسرا مقدمہ ہے جس سے شبہ کا ازالہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مشیت الٰہیہ مطلوب کے وجود کا ایک شرط کے ساتھ تقاضا کرتی ہے اگر شرط موجود نہ ہو تو مطلوب کا تقاضا نہیں کرتی چنانچہ دعا کرنا بھی اس کی شرط ہے جیسا کہ مشیت الٰہیہ عمل صالح کے ساتھ تو ثواب کا تقاضا کرتی ہے اگر عمل صالح نہ ہو تو پھر مشیت الٰہیہ ثواب کا تقاضا نہیں کرتی۔ جس طرح کہ کھانے پینے سے سیرابی حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ نہیں ہوتی۔ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے بیج ڈالنے سے کھیتی اگتی ہے پس جب تقدیر الٰہی میں ہے کہ دعا کرنے سے وہ کام ہو جائے گا جس کے لئے دعا کی جائے گی تو اس وقت یہ کہنا درست نہیں کہ دعا کرنے میں کچھ فائدہ نہیں جیسا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ کھانے پینے بیج ڈالنے اور دیگر اسباب کے بروئے کار لانے میں کچھ فائدہ نہیں پس ان کا قول شریعت، عقل اور فطرت کے خلاف ہے یہی بات علماء کے ایک گروہ سے بھی منقول ہے کہ اسباب کی طرف التفات کرنا شرک فی التوحید ہے حالانکہ اسباب کو ختم کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً چنانچہ توکل، رجاء کے اوصاف جہاں توحید کو ثابت کرتے ہیں وہاں عقلاً شرعاً بھی ان کی صحت مسلم ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ کسی سبب کی طرف اس طرح التفات کرنا کہ دل اس پر اعتماد کرے اسی سے امید وابستہ رکھے اسی پر بھروسہ کرے یہ درست نہیں مخلوقات میں کوئی چیز بھی اس کا استحقاق نہیں رکھتی اس لئے کہ سبب کو مستقل سمجھنا اللہ کے ساتھ شرک کے مترادف ہے بھلا اگر مسبب الاسباب کسی سبب کو آپ کے تابع نہیں کرتا تو کیا وہ سبب آپ کے تابع ہو جائے گا۔

سابقہ بیان کردہ شبہ کا ازالہ ایک دوسرے انداز سے بھی کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ قول اگر مشیت الٰہیہ مطلوب کا تقاضا کرتی ہے تو دعا کی ضرورت نہیں اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کلیہ غلط ہے بلکہ کبھی دعا کی ضرورت

ہوتی ہے جب اس سے کوئی دوسرا مفاد جلد یا بدیر حاصل ہوتا ہے یا کسی نقصان دہ چیز کو جلد یا بدیر دفع کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح ان کا یہ قول، اگر مشیت الٰہیہ تقاضا نہیں کرتی ہے۔ تو دُعا کا کچھ فائدہ نہیں۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دُعا کے تو بہت فوائد ہیں۔ اس سے فوائد حاصل ہوتے ہیں نقصان دہ چیزیں دفع ہو جاتی ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس پر متنبہ فرمایا کہ دُعا سے اس کے بندے کو جو فائدہ جلد حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ وحدہٗ کا اقرار ہونا ہے۔ اس کا ان صفات کے ساتھ موصوف ہونا ہے کہ وہ سننے والا قریب ہے نیز قدرت والا علم والا رحم کرنے والا ہے اس کا اقرار اس کی طرف احتیاج کے رجحان کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے بالتبع اعلیٰ قسم کے علوم اور پاکیزہ کیفیات کا حصول ہوتا ہے جو کہ ایک مسلمان کے عظیم مقاصد ہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو عطیہ کرنا اس کے فعل کے ساتھ معلل ہے جیسا کہ وہ شخص جس سے سوال کیا جاتا ہے وہ سائل کو عطیہ کرتا ہے تو اس میں اس کا سوال اثر انداز ہے کہ وہ سوال کرنے والے سے متاثر ہو کر اس کا سوال پورا کرتا ہے، ہم جواب میں کہیں گے کہ اللہ سبحانہٗ نے انسان کو دُعا کی طرف متوجہ کیا لہٰذا اس خیر کا آغاز بھی اسی سے ہے اور اتمام بھی اسی سے ہو رہا ہے۔ جب کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا! میں دُعا کی قبولیت کے خیال میں مستغرق نہیں ہوتا مجھے تو بس دُعا کا خیال ہی دامنگیر رہتا ہے اور جب مجھے دُعا کا الہام ہو جاتا ہے تو دُعا قبول بھی ہو جاتی ہے ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (الم السجدہ – ۵) وہی آسمان سے زمین تک کے ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ پھر وہ ایک روز جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی اس کی طرف صعود (اور رجوع کرے گا) اللہ سبحانہٗ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ معاملات کی تدبیر کا آغاز کرنے والا وہی ہے اس کے بعد تدبیر شدہ امور اسی کی جانب صعود فرماتے ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ وہ ذات ہے جو اپنے بندے کے دل میں دُعا کی تحریک پیدا کرتی ہے۔ اور اس کو خیر کا سبب بناتی ہے جیسا کہ اعمال صالحہ اور ان کے ثواب کا مسئلہ ہے۔ بس اللہ ہی بندے کو توفیق عطا کرتا ہے اور وہی اس کو قبول فرماتا ہے وہی اعمال صالحہ کی توفیق عطا کرتا ہے وہی ثواب عطا کرتا ہے۔ وہی دُعا کی توفیق دیتا ہے وہی دُعا قبول کرتا ہے۔ ان تمام چیزوں میں مخلوقات کا کچھ اثر نہیں بلکہ سبب کو سبب بنانے والا بھی وہی ہے مطرف بن عبداللہ بن شخیر تابعی فرماتے ہیں: میں نے تمام امور پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا آغاز اللہ کی جانب سے ہے اور اتمام بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اور انحصار دُعا پر ہے۔

ایک استفسار اور اُس کا جواب یہاں ایک مشہور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں انہیں کچھ نہیں دیا جاتا یا جس چیز کا وہ سوال کرتے ہیں۔ ان کا وہ سوال پورا نہیں ہوتا اس کے تین تحقیقی جواب دئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ مذکورہ آیت قرآنی اس بات کو متضمن نہیں کہ مطلقاً جو

سوال کیا جائے اُس کو اس کا عطیہ دیا جاتا ہے آیت میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ دُعا کرنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے ظاہر ہے کہ دُعا کرنے والا سوال کرنے والے سے عام ہے. نیز دُعا کرنے والے کی دُعا کا قبول ہونا سوال کرنے والے کو عطیہ دینے سے عام ہے. اسی لیے ارشاد نبوی ہے: ہمارا پروردگار ہر رات آسمان دنیا کی طرف اُترتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کون شخص ہے. جو مجھ سے دُعا کرے میں اس کی دُعا قبول کروں. کون شخص ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو عطیہ دوں کون شخص ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کو معاف کروں[1] معلوم ہوا دُعا کرنے والے اور سوال کرنے والے میں فرق ہے. نیز دُعا قبول کرنے اور عطیہ دینے میں فرق ہے اور یہ فرق عموم خصوص کا ہے. حدیث مذکور میں سوال کرنے والے کے بعد استغفار کرنے والے کا ذکر کیا ہے وہ بھی ایک قسم کا سائل ہے لیکن سوال سے اخص ہے اور سوال دُعا سے خاص ہے.

پس جب بندوں کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اللہ قریب ہے وہ دُعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے. تو انہیں یہ علم بھی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قریب ہے. اور وہ اس سے سوال کر سکتے ہیں. نیز اس کے علم. اس کی رحمت اور قدرت معلوم کرتے ہیں. تو کبھی وہ اللہ تعالیٰ سے عبادت کے انداز میں اور کبھی سوال کے انداز میں دُعا کرتے ہیں. اس لیے کہ لفظ دُعا عبادت اور استعانت دونوں کو شامل ہے نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (غافر ۶۰) اور تمہارے پروردگار نے فرمایا تم مجھ سے دُعا کرو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔ دُعا کی تفسیر عبادت اور طلب سے کی گئی ہے نیز اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا قول إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي (غافر ۶۰) بے شک وہ لوگ جو مجھ کو پکارنے سے روگردانی کرتے ہیں پہلے معنیٰ کی تائید کرتا ہے.

دوسرا جواب: اجابتِ دُعا عطا سوال سے عام ہے اس کی تفسیر مسلم کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے شرط یہ ہے کہ دعا گناہ کے کام اور قطع رحمی کی نہ ہو تو اس کو تین عطایا میں سے ایک عطیہ دیا جاتا ہے یا بہت جلد اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے. (۲) نامۂ اعمال میں اس کے مثل خیر کا ذخیرہ ثبت ہو جاتا ہے یا اس سے اس کے مثل شر کو دفع کر دیا جاتا ہے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس وقت ہم زیادہ دعا کریں گے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بہت خیر والے ہیں[2]. پس اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصادق المصدوق نے خبر دی ہے کہ جو دعا زیادتی سے پاک

---

[1] صحیح متواتر بعض طرق ارواء الغلیل (۴۴۹) میں ذکر ہیں اور کبھی دونوں کو جمع کرتے ہیں.

---

[2] حدیث صحیح ہے لیکن مسلم میں نہیں ہے البتہ مسند احمد میں ابو سعید خدری سے مروی ہے نیز حاکم اور ذہبی نے حدیث کو صحیح کہا ہے.

ہے یا تو اس کا سوال بہت جلد پورا ہو جاتا ہے یا اس کے برابر خیر کا اس کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے. یا اس کی مثل اس سے کسی برائی کو روک لیا جاتا ہے.

تیسرا جواب : دُعا تو مطلوب کے حصول کا سبب ہے اُور سبب کے کچھ شروط اُور موانع ہوتے ہیں. جب شروط موجود ہوں اُور موانع منتفی ہوں تو مطلوب حاصل ہو جاتا ہے ورنہ مطلوب حاصل نہیں ہوتا. اس کا غیر تو حاصل ہو سکتا ہے. اسی طرح تمام پاکیزہ کلمات اُور اذکار مسنونہ کا حال ہے جن پر فوائد کا حصول یا نقصان دہ چیزوں کا دفع کرنا معلق ہے اس لیے کہ کلمات کی حیثیت اس آلہ کی حیثیت ہے جو کسی کام کرنے والے کے ہاتھ میں ہے قوت کے اختلاف سے اس میں بھی اختلاف رونما ہو گا. اُور کبھی اسباب کے معارضہ کرنے والے موانع ہوتے ہیں نیز وعدو وعید کے نصوص بھی ظاہر میں متعارض ہیں. چنانچہ اس مسئلہ میں غور و فکر کے بعد اکثر دیکھنے میں آیا کہ کچھ لوگوں نے دُعائیں کیں ان کی دُعائیں قبول ہو گئیں. در اصل دعا میں صاحب دُعا کی ضرورت بھی دیکھی جاتی ہے. نیز وہ کتنی توجہ سے دُعا کرتا ہے ؟ بعض دفعہ اس کی کسی پہلی نیکی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اُور اس کی قدر کرتے ہوئے اس کی دُعا قبول ہو جاتی ہے اُور بعض قبولیت کے وقت دُعا ہوتی ہے اُور بعض اوقات کوئی اُور وجہ بھی ہو سکتی ہے. اس سے دُعا کرنے والا بس یہ سمجھتا ہے کہ اصل راز دُعا ہی ہے. وہ دیگر اسباب اُور مناسبات کی طرف دھیان نہیں کرتا اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص فائدہ دینے والی دوا مناسب وقت میں استعمال کرتا ہے اس کے استعمال سے اس کو فائدہ ہو جاتا ہے. اس سے دوسرا شخص یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ فلاں دوا مفید ہے. وہ اس کا استعمال مناسب وقت میں نہیں کرتا تو اُسے فائدہ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ایک شخص بے چارگی کے عالم میں کسی قبر کے قریب کھڑے ہو کر دُعا کرتا ہے. اس کی دُعا قبول ہو جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ اصل راز قبر کے قریب کھڑے ہو کر دُعا کرنا ہے. حالانکہ اصل راز اس کی بیچارگی اُور صحیح معنیٰ میں اس کا اللہ کی طرف میلان ہے بس جب اس کیفیت کے ساتھ اللہ کے کسی گھر میں دُعا کی جائے گی تو وہ اجابت سے زیادہ قریب اُور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہو گی پس دُعائیں اُور تعوذات والے کلمات نیز دم والی آیات دراصل ہتھیار ہیں ظاہر ہے کہ ہتھیار کا اثر اس کے مارنے والے پر ہے. ہتھیار کی دھار کے ساتھ نہیں ہے. اگر ہتھیار مضبوط ہو اس کے چلانے والے کا بازو بھی مضبوط ہو اُور جہاں اس کو چلایا گیا ہے اس میں اس کے اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو اُور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو تو اس سے دشمن کا سر کچلا جائے گا. اُور اگر تین چیزوں میں سے ایک بھی موجود نہ ہو گی تو ہتھیار اثر نہیں کرے گا لہٰذا جب دُعا ہی جائز نہ ہو یا دُعا کرنے والے کی زبان اُور دل میں ہم آہنگی نہ ہو یا کوئی مانع موجود ہو تو دُعا کا کچھ اثر نہ ہو گا.

(ط) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اس کا کوئی مالک نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے پلک جھپکنے کے برابر بھی

استغنا نہیں ہو سکتا جو شخص آنکھ جھپکنے کے برابر (وقت) اللہ سے مستغنی ہوا وہ کافر اور ہلاکت والوں سے ہو گا۔

(ش) نہایت واضح سچا کلام ہے۔ اس میں کچھ پوشیدگی نہیں ہے۔

(ط) اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن کسی مخلوق کی طرح نہیں ہے۔

(ش) ارشاد خداوندی ہے۔ (رضی اللہ عنہم (المائدہ ۱۲۲، التوبتہ ۱۰۱، المجادلہ ۲۲، البینتہ ۸) اللہ ان پر راضی ہے

نیز فرمایا لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح ۱۸) خدا ان ایماندار مردوں پر خوش ہوا جنہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔

نیز فرمایا۔ (مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ (المائدہ ۶۰) جس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے

نیز فرمایا۔ (وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ (النساء ۹۳) اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے

نیز فرمایا وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرہ ۶۱) وہ خدا کے غضب کے حقدار ہوئے۔

اس قسم کی آیات کثرت کے ساتھ ہیں تمام سلف صالح اور آئمہ کرام کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے اوصاف ناراض ہونا، راضی ہونا، دشمنی، دوستی، محبت، بغض وغیرہ جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔ وہ تمام ثابت ہیں۔

ان اوصاف کی ایسی تاویل کرنا (جو اللہ سبحانہٗ کی ذات کے لائق نہ ہو) ممنوع ہے اسی طرح اللہ کے اوصاف سننا دیکھنا کلام کرنا وغیرہ کی بھی تاویل ایسی نہیں کی جائے گی جو اللہ سبحانہٗ کی شان کے مطابق نہ ہو۔ شیخ امام طحاوی نے بھی اس مسئلہ کی طرف سابقہ اوراق میں اشارہ کیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ رؤیت اور ہر وہ صفت جس کو اللہ کی ربوبیت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ہم اس کی تاویل نہیں کرینگے بلکہ بلاکیفیت اسے تسلیم کریں گے۔ یہی اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ نیز امام مالک کا قول ملاحظہ فرمائیں جب انہوں نے اللہ کے وصف استواء کے بارے میں فرمایا۔ کہ اللہ کا مستوی ہونا معلوم ہے۔ اس کی کیفیت مجہول ہے نیز ام سلمہ سے اسی مضمون کی موقوف نیز مرفوع[1] روایت ہے۔ نیز شیخ امام طحاوی نے بھی سابقہ اوراق میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے اللہ کی صفات میں نفی اور تشبیہ سے پرہیز کیا وہ سیدھے راہ سے دور ہو گیا اور اس نے اللہ کو منزہ قرار دینے میں درست راہ اختیار نہ کیا نیز شیخ امام طحاوی کا قول ہے جس کا ذکر آگے آئے گا کہ اسلام مبالغہ آرائی اور شان کی کوتاہی کے درمیان ہے۔ نیز تشبیہ، تعطیل کے درمیان راہ اعتدال کا نام ہے اسی طرح شیخ کا یہ قول کہ اللہ پاک کسی مخلوق کی مثل نہیں ہے اس سے بھی تشبیہ کی نفی ہوتی ہے۔

ایک غلط تاویل اللہ سبحانہٗ کے وصف رضا کی تاویل احسان کا ارادہ کرنا اور غضب کی تاویل انتقام کا

[1] مرفوع ثابت نہیں

ارادہ کرنا) صحیح نہیں ہے اس سے تو اللہ کے وصف کی نفی ہو رہی ہے جب کہ اہلِ سنت اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ اس چیز کا حکم دیتا ہے جس کو وہ محبوب جانتا ہے اور پسند فرماتا ہے۔ اگرچہ اس کا وہ ارادہ نہ کرے اور نہ چاہے اور اس چیز سے روکتا ہے جو اُسکی ناراضگی کا باعث ہے اور جس کو وہ برا جانتا ہے اور اس کے کرنے والے سے دشمنی رکھتا ہے اور اس پر ناراض ہوتا ہے اگرچہ خدا نے اس فعل کو چاہا اور اس کا ارادہ کیا پس ان کے ہاں اللہ سبحانہٗ ایسی چیزوں کو محبوب جانتا ہے ان سے راضی ہوتا ہے جن کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور ایسی چیزوں کو بُرا جانتا ہے اور ناراض ہوتا ہے جن کا اس نے ارادہ کیا نیز ہم ان لوگوں سے کہیں گے جو غضب اور رضا کی تاویل ارادۂ ناراضگی اور ارادۂ احسان سے کرتے ہیں کہ آپ یہ تاویل کیوں کرتے ہیں۔ غالباً وہ لوگ جواباً کہیں گے کہ غضب دل کے خون کے جوش مارنے کا نام ہے اور رضا میلان اور شہوت کا نام ہے ظاہر ہے کہ اس طرح کی نسبت اللہ کی طرف کرنا درست نہیں، ہم جواباً کہیں گے انسان میں دل کے خون کا جوش مارنا غضب کی صفت کی وجہ سے ہوتا ہے غضب کی وجہ سے نہیں نیز ہم کہیں گے اسی طرح ہم میں ارادہ اور مشیت کسی زندہ کا کسی چیز کی طرف مائل ہونے یا کسی مناسب چیز کی طرف مائل ہونے کا نام ہے اس لیے کہ ہم زندگی میں صرف ایسی چیز کی طرف میلان کرتے ہیں جس سے ہمیں فائدہ حاصل ہو یا نقصان سے بچاؤ ہو تو انسان ایسی چیز کا محتاج ہے جس کا وہ ارادہ کر رہا ہے اس کے وجود کے ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور عدم وجود کے ساتھ کمی ہو رہی ہے۔

وہ معنیٰ جس کی جانب آپ نے لفظ کو تبدیل کیا ہے۔ اس معنی کی طرح ہے جس سے آپ نے اس کو بدلا ہے دونوں برابر ہیں یعنی اگر یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے اور اگر یہ ناجائز ہے تو وہ بھی ناجائز ہے کسی کہنے والے کے اس قول جس ارادہ کے ساتھ اللہ سبحانہٗ موصوف ہے وہ اس ارادہ کے منافی ہے جس کے ساتھ بندہ موصوف ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی حقیقت) کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ناراضگی اور رضامندی جو اللہ کے اوصاف ہیں وہ بندے کے اوصاف کے مخالف ہوں گے اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی حقیقت ہے چنانچہ جب وصف ارادہ وغیرہ میں اس بات کو دہرایا جاتا ہے۔ تو دیگر صفات میں بھی اسی بات کو دہرایا جائے گا۔ اس وضاحت میں تاویل نے کچھ تعین پیدا نہیں کیا ہے اس کا چھوڑنا بہتر ہے تاکہ تناقض سے بچاؤ ہو سکے نیز اللہ سبحانہٗ کے اسماء اور صفات تعطیل سے محفوظ رہ جائیں۔ کون نہیں جانتا کہ قرآن پاک کو بلا کسی مقتضی کے اس کے ظاہر سے پھیرنا حرام ہے۔ اور پھیرنے کا متقاضی عقل کی دلالت نہیں اس لیے کہ عقول میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہر انسان کی عقل دوسرے انسان کی عقل کے خلاف فیصلے کرتی ہے۔

یہ بات ہر ایسے انسان کے سامنے پیش کی جائے گی جو اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کی نفی کرتا ہے اس لیے کہ اس صفت کا مسمیٰ مخلوق میں ممتنع ہے۔ پھر اس انسان کو اللہ کے لیے ایسی وصف ثابت کرنی پڑے گی جو اس کے ہاں عام معلوم وصف کے خلاف ہو۔ یہاں تک کہ وجود کے وصف کے بھی خلاف وصف پیش کرنی ہوگی۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں ظاہر ہے کہ انسان کا وصف وجود اس کے لائق ہے اور اللہ کا وصف وجود اس کی ذات کے لائق ہے اللہ کے وجود پر عدم محال ہے لیکن مخلوق کے وجود پر محال نہیں ہے۔ نیز ایسے اسماء ہیں جن کا اطلاق مخلوقات پر بھی ہوتا ہے اور اللہ پاک پر بھی ہوتا ہے مثلاً حی، علیم، قدیر یا بعض اوصاف جیسے غضب، رضا تو ہم خدا داد بصیرت کے ساتھ اللہ کے بارے میں ان اسماء اور صفات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ہم کہیں گے کہ ان اسماء اور صفات سے مقصود یہ ہے کہ اللہ حق ہے ثابت اور موجود ہے اسی طرح ہم مخلوق کے بارے میں بھی ان کی حقیقت معلوم کریں گے۔ لیکن اتنی بات ضرور کہیں گے کہ دونوں میں قدر مشترک ہے لیکن خارج میں اشتراک نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ مشترک کلی کا وجود ذہن میں ہی ہوتا ہے۔ خارج میں مشخص حیین چیز ہوتی ہے تو ہر ایک کا نام اور وصف اس کی شان کے لائق اور مناسب ہے بلکہ جب ہم یہ کہتے ہیں۔ دوزخ کا دربان مالک فرشتہ ناراض ہوا اور دیگر فرشتے ناراض ہوگئے تو ضروری نہیں کہ ان کی ناراضگی کی کیفیت انسانوں کی ناراضگی کی کیفیت کے مماثل ہو اس لیے کہ فرشتے اخلاط اربعہ سے خالی ہیں ناراضگی کے وقت انسانوں کا خون جوش مارتا ہے۔ ان کا خون جوش نہیں مارتا تو اللہ کی ناراضگی کیسے انسانوں کی ناراضگی کے مماثل ہو سکتی ہے۔

جہم بن صفوان اور اس کے ہم خیال لوگوں نے اللہ سبحانہٗ کے تمام اوصاف۔ کلام، رضا، غضب محبت، عداوت، افسوس کرنا وغیرہ کا انکار کر دیا ہے وہ ان سب اوصاف کو مخلوق اللہ سے الگ سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں اللہ فی نفسہٖ کسی بھی وصف کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔ ان کے مقابلہ میں ابن کلاب اور اس کے ہم خیال لوگ ہیں ان کا خیال ہے کہ اللہ کسی ایسے وصف کے ساتھ موصوف نہیں جس کا تعلق اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ ہو تمام اوصاف اس کی ذات کے ساتھ لازم قدیم اور ازلی ہیں یعنی یہ بات درست نہیں کہ وہ ایک وقت میں ناراض ہوتا ہے۔ دوسرے وقت میں ناراض نہیں ہوتا۔ ایک وقت میں راضی ہوتا ہے۔ دوسرے وقت میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شفاعت کی حدیث میں ہے میرا رب آج اتنا ناراض ہوا ہے کہ اس سے پہلے اتنا کبھی ناراض نہیں ہوا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی اتنا ناراض ہوگا (بخاری، مسلم) نیز بخاری، مسلم میں حضرت ابو سعید خدری سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جنت والوں سے مخاطب ہوگا۔ اے جنت والو! وہ جواب

دیں گے (لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ) اے ہمارے رَبّ ہم حاضر ہیں حاضر ہیں اُور بہتر تیرے ہاتھ میں ہے. اللہ ان سے دریافت فرمائے گا کیا تم خوش ہو؟ وہ جواب دیں گے اے رَبّ ہم خوش کیوں نہ ہوں جب کہ تو نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو تو نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا ہے. پھر اَللہ تعالیٰ فرمائیں گے. کیا میں تمہیں اس سے زائد نہ عطاء کروں؟ وہ دریافت کریں گے. اے پروردگار اس سے زیادہ بہتر کونسی چیز ہے. اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تم پر اپنی رضا کو اتارتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا (صحیح ہے) اس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنی رضا کو ہر وقت نہیں اتارتا بلکہ وقتاً فوقتاً اتارتا ہے یعنی وہ کبھی اپنی رضا اتارتا ہے پھر ناراض ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ کبھی اپنی ناراضگی اتارتا ہے پھر اپنی رضا کو اتارتا ہے لیکن ان پر ایسی رضا کو نازل کیا ہے جس کے بعد ان پر ناراض نہیں ہوگا۔

نیز یہ لوگ کہتے ہیں وہ اپنی مشیت کے مطابق نہ کلام کر سکتا ہے نہ مسکرا سکتا ہے نہ ناراض ہو سکتا ہے نہ راضی ہو سکتا ہے. بلکہ ان کے نزدیک رضا، غضب، حب سے مُراد ارادہ ہے یا ان کو دیگر صفات قرار دیتے ہیں. دونوں صورتوں میں ان صفات میں سے کسی کا تعلق اس کی مشیت اُور قدرت کے ساتھ نہیں ہے اس لیے کہ اگر تعلق ہو تو اللہ محل حوادث ہوگا. یہ لوگ اس قاعدہ کی بنیاد پر ان فعلی ذاتی صفات کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ یہ کہہ کر کہ اللہ اعراض کا محل نہیں ان صفات کی مطلقاً نفی کرتے ہیں کبھی وہ ان کو افعال کا نام دیتے ہیں. حوادث نہیں کہتے جیسا کہ ان کو صفات کہتے ہیں اعراض نہیں کہتے. اشارۃً یہ بات پہلے گزر چکی ہے. لیکن شیخ طحاوی نے اپنے مختصر رسالہ میں صفات کی بحث کو یکجا جمع نہیں کیا یہی حال مسئلہ تقدیر کا ہے. اُور نہ ہی ترتیب کا اہتمام کیا ہے ہاں نہایت عمدہ ترتیب اصول دین کتاب کی ہے. جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جوابات پر مشتمل ہے جو آپؐ نے جبریل علیہ السلام کے سوالات پر دیئے جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا آپؐ نے جواب میں فرمایا ایمان یہ ہے کہ تیرا اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں آخرت کے دن پر اُور تقدیر پر ایمان ہو خواہ وہ بہتر ہے یا غیر بہتر ہے (بخاری، مسلم)

تو وہاں اولاً توحید کی بحث ہے پھر صفات خداوندی اُور ان کی متعلقہ ابحاث ہیں. اس کے بعد بالترتیب فرشتوں وغیرہ کی بحث ہے.

(ط) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام سے ہم محبت رکھتے ہیں. کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے نہ کسی سے تبری کرتے ہیں نیز ہم ان سے دشمنی رکھتے ہیں. جو ان سے دشمنی رکھتے ہیں. اُور انہیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتے نیز ہم ان کا ذکر خیر ہی کرتے ہیں. ان سے محبت کرنا دین، ایمان

احسان ہے اور ان سے دشمنی رکھنا کفر، نفاق، سرکشی ہے)

(ش) شیخ رحمہ اللہ کا مقصود روافض اور نواصب کارد ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کی تعریف کی ہے۔ ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے اور ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ ۱۰۰)

جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہوا اور وہ خدا سے خوش ہوئے اور ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے

نیز فرمایا (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الی آخر السورۃ (الفتح ۲۹) محمد خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحمدل (اسے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں)

نیز فرمایا (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح ۱۸) (اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا)

نیز فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ الی آخر السورۃ ۔ (الانفال ۷۲) جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں)

نیز فرمایا لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (الحدید ۱۰) جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کئے وہ برابر نہیں ان کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور کفار سے) جہاد و قتال کیا اور خدا نے سب سے (ثواب)

نیک (کا) وعدہ تو کیا ہے اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان سے واقف ہے۔

نیز فرمایا لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (الحشر ۸ - ۱۰)

اور ان مفلسان تارک الوطن کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے اور خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور خدا اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں. خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں اور ان کے لیے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

ان آیات میں مہاجرین وانصار کی تعریف کی گئی ہے نیز ان لوگوں کی بھی تعریف کی گئی ہے جو ان کے بعد آئے وہ ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں ان سے حسد وبغض راہ نہ پائے نیز وہ مال فیٔ کے بھی حق دار ہیں لیکن جس شخص کے دل میں ایمان والوں کے بارے میں کینہ موجود ہے اور نہ وہ ان کے لیے استغفار کرتا ہے تو اسے قرآن پاک کی روشنی میں مال فیٔ سے کچھ حصہ نہ ملے گا. نیز بخاری، مسلم میں ابوسعید خدری سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان کسی بات پر جھگڑا تھا. اس بنیاد پر خالد بن ولید نے عبدالرحمٰن بن عوف کو برا بھلا کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے کسی صحابی کو گالی گلوچ نہ دو اگر تم میں

کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کے راہ میں) خرچ کرے تو وہ ان کی ایک مد (پیمانہ ہے) یا نصف مد کو نہیں پہنچ سکتا[۱] یاد رہے۔ بخاری کی روایت میں خالد کا عبدالرحمٰن بن عوف کو بُرا بھلا کہنے کا ذکر نہیں البتہ مسلم کی روایت میں ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن ولید اُور اس جیسے صحابہ کرام کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ تم میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو اس سے مُراد عبدالرحمٰن بن عوف اُور اس کے مرتبہ کے صحابہ مُراد ہیں۔ اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن عوف سابقین اوّلین صحابہ سے شمار ہوتے ہیں جو فتح مکّہ سے قبل مُسلمان ہوئے اُور انہوں نے جہاد کیا یعنی بیعۃ الرضوان والے مُراد ہیں یہ صحابہ کرام خاص طور پر ان سے افضل ہیں جو بیعۃ الرضوان کے بعد مسلمان ہوئے یعنی صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے ان میں خالد بن ولید بھی ہیں اور وہ صحابہ بھی جو فتح مکّہ تک مسلمان ہوتے رہے جو طلقاء کے لقب سے متعارف ہیں۔ ان میں ابو سفیان اور اس کے بیٹے یزید اور معاویہ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں کو منع کیا جنہیں آخر میں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا کہ وہ ان لوگوں کو گالی گلوچ کریں جنہیں آغاز اسلام میں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ ان سے ممتاز ہیں ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی صحابی اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو وہ ان کی ایک مد اور نصف مد کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو جب یہ ان لوگوں کا حال ہے جو حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے اور فتح مکّہ سے قبل مسلمان ہوئے تو ان لوگوں کا صحابہ کے مقابلہ میں کیا حال ہوگا جو صحابہ کی فہرست میں نہیں ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)

سابقون اولون کی فہرست میں وہ مہاجرین اُور انصار داخل ہیں جنہوں نے فتح مکّہ سے قبل اللہ کے راہ میں مال خرچ کیا اُور جہاد کیا بیعۃ الرضوان میں شریک تمام صحابہ ان سے شمار ہوتے ہیں۔ بیعۃ الرضوان والوں کی تعداد چودہ سو سے کچھ زائد ہے بعض کا قول ہے کہ سابقون اولون وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز ادا کی ہے یہ قول کمزور ہے۔ اس لیے کہ صرف قبلہ منسوخہ کی جانب نماز ادا کرنا تو کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے جب کہ نسخ ان کا فعل نہیں ہے مزید براں اس فضیلت پر کوئی شرعی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ جب کہ ان کا آغاز اسلام میں خرچ کرنا۔ جہاد کرنا پھر درخت کے نیچے بیعت کرنا فضیلت والا ہے۔

اس مضمون کی حدیث: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے تم جس کی اقتدار کروگے ہدایت والے ہو جاؤ گے[۲] یہ حدیث ضعیف ہے امام بزار

---

[۱] حدیث صحیح ہے مسلم من حدیث ابی ھریرہ ایضاً

[۲] یہ حدیث بالکل لغو ہے (احادیث موضوعہ۔ ضعیفہ رقم ۵۸)

کا قول ہے: اس حدیث کی صحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے نہ ہی یہ حدیث قابلِ اعتماد حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کچھ لوگ صحابہ کرام کی بے حرمتی کرتے ہیں یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو بھی معاف نہیں کرتے حضرت عائشہؓ نے فرمایا تم اس سے تعجب کر رہے ہو خیال کرو صحابہؓ کرام کی وفات کے بعد ان کا عمل منقطع ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے محبوب جانا کہ صحابہ کا ثواب تو منقطع نہ ہو[1] نیز ابن بطہ صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے بیان کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: تم اصحاب رسول پر دشنام طرازی نہ کیا کرو ان کا ایک ساعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزارنا تمہارے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے (صحیح ہے) اور وکیع کی روایت میں ہے۔ کہ تمہارے عمر بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ نیز بخاری مسلم میں حضرت عمران بن حصین اور دیگر راویوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے زمانہ کے لوگ بہترین ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ عمران کا قول ہے مجھے علم نہیں کہ آپ نے اپنے دور کے بعد دو دور یا تین دور کا ذکر فرمایا (حدیث صحیح ہے) نیز صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا (حدیث صحیح ہے)

نیز ارشاد خداوندی ہے۔ (لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (التوبۃ ۱۱۷) بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے)

نیز عبداللہ بن مسعود نے صحابہ کرام کا جو وصف بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کا جائزہ لیا تو تمام دلوں میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بہتر پایا اس کو اپنے لیے منتخب فرمایا اور اس کو رسول بنا کر بھیجا پھر آپؐ کے بعد دیگر لوگوں کے دلوں کا جائزہ لیا تو تمام لوگوں کے دلوں سے صحابہ کرام کے دلوں کو بہتر پایا تو انہیں اپنے پیغمبر کے

---

[1] یہ حدیث میرے نزدیک غریب ہے۔ مزید تعجب اس بات پر ہے کہ اسے صحیح مسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے میں نے اس کی تلاش میں امکانی وسائل استعمال کیے لیکن مجھے یہ حدیث مسلم میں نہیں مل سکی دیگر کتب حدیث کے مصادر کی مراجعت ابھی تک میسر نہیں آسکی البتہ بندہ مدینہ منورہ کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے چند سال بعد جب میں مسلم کی تلخیص سے فارغ ہوا تو مجھے یقین حاصل ہو گیا کہ یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے ان دنوں صحیح بخاری کے اختصار میں مشغول ہوں۔

معاون بنا دیا وہ دین اسلام پر جہاد کرتے ہیں پس جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُرا ہے[1]۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا جائے نیز عبداللہ بن مسعود کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ (جو شخص تم سے کسی کی اقتداء کرنا چاہتا ہے تو وہ فوت شدہ لوگوں کی اقتداء کرے) شیخ کے اس بیان کے ساتھ کہ (سنت اور جماعت کی اتباع کرتے ہیں۔

پس اس شخص سے زیادہ گمراہ اور کون ہو سکتا ہے جس کے دل میں انبیاء علیہم السلام کے رفقاء اور اولیاء اللہ کے ساتھ بغض موجود ہو یہود و نصاریٰ نے بھی انبیاء کے رفقاء کو فضیلت دی ہے یہودیوں سے پوچھا گیا تمہاری ملت میں کون لوگ سب سے افضل ہیں انہوں نے جواب دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب افضل ہیں یہی سوال عیسائیوں سے ہوا تو انہوں نے جواب دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب افضل ہیں اور روافض سے دریافت کیا گیا ملت اسلامیہ میں سب سے برے کون لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سب سے برے ہیں ان میں سے معدودِ چند افراد کا استثناء کیا حالانکہ جن صحابہ کرام پر وہ سب و شتم کرتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے صحابہ بھی ہیں جو ان صحابہ سے بدرجہا بہتر ہیں جنہیں وہ مستثنیٰ کرتے ہیں۔ نیز شیخ طحاویؒ کا قول ہم ان میں سے کسی کی محبت میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ شیعہ کرتے ہیں کہیں ہم زیادتی کرنے والوں میں داخل نہ ہو جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے یَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ (النساء ۱۷۱) اے اہلِ کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو)

شیخ طحاویؒ کا قول، کہ ہم کسی صحابی سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتے ہیں جیسا کہ شیعہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں بعض صحابہ سے ولاء ضروری ہے دیگر صحابہ سے براءت ضروری ہے یعنی اہلِ بیعت کے ساتھ ان کی صحیح محبت تب سمجھی جائے گی جب وہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے براءت بھی کریں گے لیکن اہلِ سنت تمام صحابہ سے موالات رکھتے ہیں اور عدل و انصاف کی روشنی میں جن مقامات کے وہ مستحق ہیں انہی مقامات پر انہیں اتارتے ہیں نفسانی خواہش اور تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ اس حد سے تجاوز کرنا ہے جو حد متعین ہے ارشاد خداوندی ہے۔ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ (الجاثیۃ ۱۷) تو انھوں نے جو اختلاف کیا تو علم آ چکنے کے

[1] حسن موقوف روایت ہے۔ مسند طیالسی۔ مسند احمد۔ سند حسن ہے حاکم نے صحیح کہا ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

بعد آپس کی ضد سے کیا ، دراصل سلف صالح بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی متعین انسان کے بارے میں اس کے دوزخی ہونے کی گواہی دینا یا اس کو بری قرار دینا ایک نئی چیز ہے یہ قول صحابہ میں سے ابوسعید خدری تابعین میں سے حسن بصری. ابراہیم نخعی. ضحاک وغیرہ سے منقول ہے اس لیے کہ ہمیں کسی کے خاتمہ کا علم نہیں ہے۔

شیخ طحاوی کا قول: ان سے محبت کرنا دین، ایمان، احسان ہے اس لیے کہ نصوص صریحہ کا یہی تقاضا ہے چنانچہ امام ترمذی عبداللہ بن مغفل سے لائے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھتے ہوئے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے گا[1]۔

شیخ طحاوی رحمہ اللہ کے ہاں صحابہ کے ساتھ محبت کرنے کو ایمان سے تعبیر کرنا مشکل ہوگا اس لیے کہ محبت دل کا عمل ہے اور یہ تصدیق نہیں ہے اس لحاظ سے عمل ایمان کے مسمیٰ میں داخل ہو جائے گا. حالانکہ شیخ طحاوی کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان کا نام ہے. اس کے نزدیک عمل ایمان کے مسمیٰ میں داخل نہیں ہے چنانچہ اہل سنت کا معروف مسلک یہی ہے البتہ ہم تاویل کریں گے کہ صحابہ کے ساتھ محبت کو مجازاً ایمان کہیں گے۔

شیخ طحاوی کا قول: ان سے دشمنی رکھنا کفر، نفاق، سرکشی ہے اہل بدعت کو کافر قرار دینے کی بحث پہلے گزر چکی ہے اور یہ کفر اس کفر کی مانند ہے جس کا ذکر اللہ کے اس قول میں ہے ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (المائدہ ۴۴) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو یہ لوگ کافر ہیں) اس پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔

(ط) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم اولاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت تسلیم کرتے ہیں انہیں تمام اُمت پر فضیلت دیتے ہیں اور مقدم سمجھتے ہیں۔

(ش) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نص کی روشنی میں تھی یا انہیں منتخب کر لیا گیا تھا حسن بصری اور کچھ محدثین کی رائے یہ ہے کہ ان کے خلیفہ بنائے جانے کے سلسلہ میں

---

[1] حدیث ضعیف ہے ترمذی نے غریب کہا (احادیث ضعیفہ ۲۹۰۱) دیکھیں۔

نص خفی اور اشارات موجود ہیں جب کہ بعض محدثین نص جلی کے مدعی بھی ہیں لیکن بعض دیگر محدثین معتزلہ اشاعرہ کا خیال ہے کہ انہیں انتخاب کے ذریعہ خلیفہ بنایا گیا۔

ان کی خلافت نص پر مبنی تھی اس پر چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث :- بخاری شریف میں حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپؐ نے اسے حکم دیا کہ وہ پھر آئے اس نے استفسار کیا اگر میں آؤں اور آپؐ سے ملاقات نہ ہو سکے اس کا مقصد تھا کہ آپؐ فوت ہو جائیں (اس پر) آپؐ نے فرمایا اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس جانا[1] یہ حدیث دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس حدیث کا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر دلالت کرنا ظاہر ہے۔

دوسری حدیث :- حذیفہ بن یمان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرو[2] (سنن کی کتابوں میں مروی ہے)

تیسری حدیث :- بخاری، مسلم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جس روز بیماری کا آغاز ہوا آپؐ میرے ہاں تشریف لائے آپؐ نے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ابوبکرؓ کے لیے ایک تحریر لکھواؤں اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابوبکرؓ کے علاوہ سبھی کا انکار کرتے ہیں[3] نیز ایک روایت میں ہے تاکہ خلافت کے بارے میں کوئی دوسرا طمع نہ کرے۔ نیز ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا میرے لیے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو بلاؤ تاکہ میں ابوبکر کے لیے ایک تحریر لکھواؤں جس سے اختلاف ختم ہو جائے پھر آپؐ نے فرمایا اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ ابوبکر کے بارے میں ایمانداروں میں اختلاف رونما ہو نیز ابوبکر صدیقؓ کو نماز کی امامت کرانے کا حکم دیتے والی حدیثیں مشہور و معروف ہیں۔

چوتھی حدیث :- آپؐ نے فرمایا ابوبکر صدیق کو نماز پڑھانے کا حکم دو[4] اس پر کئی بار تکرار ہوا لیکن ابوبکر صدیق آپؐ کی بیماری کے عرصہ میں نماز پڑھاتے رہے۔

پانچویں حدیث :- بخاری، مسلم میں ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نیند میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک پرانے کنوئیں پر ہوں جس پر ڈول رکھا ہے میں نے جس قدر اللہ نے چاہا ڈول سے پانی نکالا اس کے بعد

---

[1] حدیث صحیح ہے۔ [2] حدیث صحیح ہے (احادیث صحیحہ ۱۲۳۳) [3] یہ حدیث صحیح ہے (احادیث صحیحہ ۱۰۹۶) [4] (بخاری، مسلم)

ڈول کو ابن ابی قحافہ نے پکڑا اُس نے دو ڈول یا تین ڈول پانی نکالا لیکن اس کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی (اللہ اس کو معاف فرمائے) اس کے بعد وہ ڈول بڑے ڈول کی شکل اختیار کر گیا پھر اس کو عمر بن خطاب نے پکڑا میں نے کسی قوی مضبوط انسان کو نہیں دیکھا جو اس کی طرح ہمت اور قوت کے ساتھ ڈول نکالتا ہو۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے باڑوں کو پانی سے بھر لیا[1]

چھٹی حدیث:۔ صحیح۔ بخاری میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا اگر میں نے زمین والوں سے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا مسجد کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں (ابوبکر صدیق کی کھڑکی کے علاوہ) بند کر دی جائیں[2]۔

ساتویں حدیث:۔ سنن ابو داؤد وغیرہ میں ابوبکرہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا؛ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے ایک شخص نے کہا میں نے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اُترا ہے اس سے آپؐ کا اور ابوبکرؓ کا وزن میں مقابلہ کیا گیا تو آپؐ بھاری نکلے پھر عمر اور ابوبکرؓ کا وزن کیا گیا تو ابوبکرؓ بھاری نکلے پھر عمرؓ اور عثمان کا وزن کیا گیا تو عمرؓ بھاری نکلے پھر ترازو اُٹھا لیا گیا اس دوران میں نے دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرہ پر ناراضگی کے آثار تھے آپؐ نے فرمایا یہ دورِ نبوت کی خلافت کا ہے پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا[3]۔ اس حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ ان کی حکومت خلافت کے انداز کی ہے۔ اس کے بعد بادشاہت ہوگی لیکن اس حدیث میں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے اس لیے کہ اس پر لوگوں کا اتفاق نہ ہو سکا بدستور اختلاف رہا ان کے دور میں خلافت تو ایک طرف بادشاہت بھی نہ تھی۔

آٹھویں حدیث:۔ ابوداؤد میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات ایک نیک انسان نے خواب میں دیکھا کہ ابوبکر صدیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور عمرؓ ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اور عثمان عمر کے ساتھ ملائے گئے ہیں جابر بیان کرتے ہیں۔ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے باہر نکلے ہم نے کہا نیک آدمی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں وہ اس دین اسلام کے محافظ اور نگہبان ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ

---

[1] حدیث صحیح ہے، [2] بخاری، مسلم [3] حدیث صحیح ہے ابوداؤد ۴۶۳۴۔ ۴۶۳۵) دو طرق سے ہے۔ اس کتاب کے الفاظ اشعث کے طریق میں ہیں لیکن اس میں آخری الفاظ (نبوت کی خلافت اور اس کے بعد) کے نہیں ہیں۔ یہ زائد الفاظ دوسرے طریق سے ہیں۔ اس طریق میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

نے رسول اللہ کو مبعوث فرمایا[1]۔

نویں حدیث :۔ ابو داؤد میں سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول ! میں نے دیکھا کہ ایک ڈول آسمان سے نازل ہوا ہے ابو بکرؓ آئے انہوں نے اس کا کنڈا پکڑا اور اس سے کچھ پانی پیا پھر عمرؓ آئے انہوں نے کنڈا پکڑا اور سیر ہو کر پانی پیا پھر عثمانؓ آئے انہوں نے کنڈا پکڑا اور سیر ہو کر پانی پیا پھر علیؓ آئے انہوں نے بھی اسکا کنڈا پکڑا اس سے مجھے خوشی ہوئی لیکن اس پر اس کے کچھ چھینٹے پڑے[2]

دسویں حدیث :۔ سفینہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سال تک نبوت کی خلافت ہوگی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا[3]۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا وہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اگر میں خلیفہ نامزد کر دوں تو درست ہے اس لیے کہ مجھ سے بہتر ابو بکرؓ نے خلیفہ نامزد کیا اور اگر میں خلیفہ نامزد نہ کروں تو یہ بھی درست ہے۔ اس لیے کہ مجھ سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ نامزد نہیں فرمایا ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کہ انہوں نے خلیفہ نہیں بنایا تھا تو میں سمجھ گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ نیز وہ حضرت عائشہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ بنانا ہوتا تو کس کو خلیفہ بناتے اس سے بھی ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم) کہ آپ نے خلیفہ کے لیے تحریر نہیں لکھوائی اور اگر کسی کے خلیفہ بنانے کے بارے میں تحریر کرواتے تو ابو بکر کو خلیفہ بناتے بلکہ پہلے تو آپ نے لکھوانے کا ارادہ کیا پھر رک گئے اور فرمایا۔ اللہ اور ایماندار لوگ ابو بکر کے علاوہ ۔ ۔ ۔ کا انکار کرتے ہیں[4]۔ لیکن بظاہر آپ کا یہ فرمان خلیفہ نامزد کرنے سے بھی زیادہ مؤثر ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ بنانے کی راہنمائی فرمائی ہے۔ نیز متعدد اقوال افعال کے ساتھ انہیں اس طرف متوجہ کیا ہے۔ نیز ان کے خلیفہ بنائے جانے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اور ابو بکر کے حق میں تعریفی کلمات فرمائے ہیں۔ بلکہ آپ نے اس کی خلافت کے بارے میں عہد نامہ تحریر کرنے پر عزم فرمایا لیکن جب آپ کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ان کی خلافت پر جمع ہو جائیں گے تو آپ نے تحریر نہ لکھوائی پھر آپ نے جمعرات کے روز لکھوانے کا عزم کیا اس سے جب بعض صحابہ کو شک ہوا کہیں بیماری کے غلبہ کی وجہ سے تو آپ نہیں کہہ رہے ہیں یا واقعی

---

[1] حدیث صحیح ہے [2] حدیث ضعیف ہے عبدالرحمان حرمی راوی مجہول ہے اسی طریق سے مسند احمد (۵/۲۱) میں ہے۔ [3] حدیث حسن ہے اس سے قبل والی حدیث اس کی شاہد ہے [4] مسلم۔

آپ کے قول کا اتباع ضروری ہے (انہیں صحیح صورت حال کا پتہ نہ لگ سکا) بہرحال آپ نے کچھ نہ لکھوایا اس لیے کہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والے ابوبکر کو منتخب کریں گے اگر اُمت کو ان کے تعین میں ذرہ برابر بھی شبہ ہوتا تو آپ اس کو واضح طور پر بیان فرماتے تاکہ کسی کو کچھ عذر نہ ہو لیکن جب متعدد قرائن ابوبکرؓ کی خلافت پر دال تھے اور وہ اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ گئے تھے تو مقصود حاصل ہو چکا تھا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے اپنے اس خطبہ میں جو انہوں نے مہاجرین اور انصار کے اجتماع میں دیا۔ اس میں حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ آپ ہم سب سے بہتر ہیں ہمارے آقا ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں جب اُنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں یہ باتیں کہیں تو اجتماع میں موجود کسی فرد نے ان کی باتوں کا انکار نہ کیا۔ اور نہ کسی نے یہ کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے سوا فلاں صحابی خلافت کا زیادہ حقدار ہے نہ کسی نے خلافت کے مسئلہ پر اختلاف کیا البتہ بعض انصار نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا کہ ایک امیر مہاجرین سے بنایا جائے اور ایک انصار سے لیا جائے یہ ایسا خیال تھا جس کا بطلان نصوص متواترہ سے ہو رہا تھا۔ مزید برآں سعد بن عبادہ کے علاوہ تمام انصار نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اس لیے وہ خود خلافت کا خواہشمند تھا جب کہ کسی صحابی سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں کہ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے قول کا ذکر کیا ہو جس میں حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کی خلافت کا نصاً ذکر ہو بلکہ حضرت علیؓ، عباسؓ تک بھی کسی کی خلافت کا ذکر نہیں اگرچہ اہل بدعت حضرت علیؓ کی خلافت کا ذکر کرتے ہیں۔ نیز ابن بطہ نے سند کے ساتھ ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے محمد بن زبیر حنظلی حسن کی طرف بھیجا کہ وہ اس سے دریافت کرے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ عمر بن عبدالعزیز کو اس میں بھی شک ہے؟ اُس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں یہ بات قطعی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خلیفہ نامزد فرمایا ورنہ حضرت ابوبکرؓ تو اللہ کا بہت زیادہ خوف رکھنے والے تھے وہ کیسے خلافت پر از خود متمکن ہو سکتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن سے حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کے خلیفہ بنانے کا ذکر ملتا ہے ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں نہ کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ ابوبکرؓ سے زیادہ فضیلت والا ہے یا خلافت کا زیادہ حقدار ہے یہ سب کچھ قبائلی، قومی محبت کا آئینہ دار ہیں۔ حالانکہ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ تمام صحابہ سے افضل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ چنانچہ بخاری، مسلم میں حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ذات السلاسل جنگ میں لشکر امیر بنا کر بھیجا وہ جب واپس آیا تو اُس نے دریافت کیا آپ کا سب سے زیادہ محبوب کون ہے آپ نے فرمایا

عائشہ اس نے دریافت کیا مردوں میں سے کون آپ نے فرمایا اس کا باپ ابوبکرؓ اس نے کہا پھر کون آپ نے فرمایا عمرؓ نیز چند دیگر صحابہ کا ذکر کیا۔[1] نیز بخاری، مسلم میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے اس نے بیان کیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ اچانک حضرت ابوبکرؓ اپنے کپڑے کے کنارے کو تھامے ہوئے اپنے گھٹنوں سے کپڑا اتارے ہوئے تشریف لائے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا ساتھی ابوبکر کسی کے ساتھ ناراض ہو کر آیا ہے اس نے السلام علیکم کہا اور آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا میں جلد ہی اس پر نادم ہوا میں نے اس سے عرض کیا کہ وہ مجھے معاف کر دے اس نے انکار کیا تو میں آپ کی خدمت میں آ گیا ہوں آپ نے تین بار فرمایا اے ابوبکر اللہ آپ کو معاف فرمائے اس کے بعد عمر نادم ہو کر ابوبکر کے گھر پہنچا اور دریافت کیا ابوبکر یہاں ہیں گھر والوں نے نفی میں جواب دیا پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے السلام علیکم کہا آپ کا چہرہ متغیر ہونا شروع ہو گیا اس سے ابوبکر خوفزدہ ہو گئے وہ آپ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! بخدا میں ظالم ہوں (اس جملہ کو دو بار دہرایا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری جانب بھیجا تم نے مجھے جھوٹا کہا ابوبکر نے مجھے سچا کہا اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ میری معاونت کی کیا تم میری وجہ سے میرے ساتھی کو چھوڑنے والے نہیں ہو (دو بار آپ نے فرمایا) اس کے بعد ابوبکر ایذا سے محفوظ رہے۔[2]

نیز بخاری، مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ابوبکر سنح[3] مقام میں تھے حضرت عائشہ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انصار سقیفۂ بنو ساعدہ میں سعد بن عبادہ کے گرد جمع ہو گئے اور کہا ایک امیر ہم سے لیا جائے اور ایک امیر تم سے لیا جائے چنانچہ ابوبکر صدیق، عمر بن خطابؓ ابوعبیدہ بن جراح ان کی مجلس میں پہنچے حضرت عمر نے کلام کا آغاز کرنا چاہا لیکن ابوبکرؓ نے اس کو خاموش کرا دیا عمر بیان کرتے ہیں بخدا میں نے اس لئے کلام کا آغاز کرنا چاہا کہ میں نے بہترین گفتگو تیار کر لی تھی اور مجھے خطرہ لاحق ہو گیا کہ شائد ابوبکر کچھ بہتر انداز سے گفتگو نہ کر سکیں لیکن جب ابوبکر نے گفتگو فرمائی تو نہایت بلیغ انداز کی تھی انھوں نے زور دے کر کہا امیر کا استحقاق ہم رکھتے ہیں اور تم وزیر کی اہلیت رکھتے ہو اس پر حباب بن منذر نے کہا اللہ کی قسم

---

[1] حدیث صحیح ہے [2] البخاری عن ابی الدرداء مسلم میں یہ حدیث نہیں مل سکی ہے نیز الذخائر میں صاحب کتاب نے مسلم کی طرف منسوب نہیں کیا [3] یہ مقام عوالی مدینہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اور اس کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

میں دفن کرنا اس دوران ام المؤمنین حضرت حفصہ دیگر عورتوں کی معیت میں آئیں جب ہم نے انھیں دیکھا کہ وہ آرہی ہیں تو ہم کھڑے ہوگئے حضرت حفصہ حضرت عمر کے قریب گئیں وہاں کچھ وقت روتی رہیں نیز کچھ لوگوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی وہ اندر داخل ہوئے ہم نے ان کے رونے کی آوازیں سنیں انھوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ وصیت فرمائیں آپ کسی کو خلیفہ نامزد فرمائیں آپ نے فرمایا میں خلافت کا حقدار ان سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ ان سے راضی تھے آپ نے علی ، عثمان زبیر ، طلحہ ، سعد ، عبدالرحمان کا نام لیا نیز فرمایا عبداللہ بن عمر بھی تمہاری مجلس میں حاضر رہے لیکن خلافت میں اس کا کچھ حصہ نہیں دراصل اس کی تسکین ملحوظ خاطر تھی اگر باہمی مشورہ سے سعد کو خلیفہ بنا لیا جائے تو درست ہے وگرنہ جس کو بھی خلیفہ بنایا جائے وہ ان سے اعانت طلب کرے میں نے ان کو نہ عجز کی بنا پر اور نہ کسی قسم کی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا نیز فرمایا میں اپنے بعد خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ مہاجرین اولین کے حقوق پہچانے اور ان کی حرمات کا خیال رکھے نیز انصار کے بارے میں بہتر وصیت کرتا ہوں جنھوں نے اپنے گھروں میں اپنے بھائیوں کو بسایا اور ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے کہ ان کے نیکوکاروں سے ان کی نیکیوں کو قبول کیا جائے اور غلط کاروں کو معاف کیا جائے نیز تمام شہروں کے لوگوں سے بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں وہ لوگ اسلام کے معاون ہیں مال جمع کرنے والے ہیں دشمن کے لئے غیظ و غضب کا باعث ہیں ان سے ان کی رضامندی کے ساتھ ان کے زائد اموال لئے جائیں نیز جنگل میں رہنے والے لوگوں کے ساتھ بھی بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں وہ تو عرب کے اصل ہیں اسلام کی بنیاد ہیں ان سے بھی ان کے زائد اموال لئے جائیں اور ان میں آباد فقیر لوگوں پر صرف کر دیئے جائیں نیز میں خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کا خیال رکھے ان کا ایفا کرے اور ان کا تحفظ کرتا ہوا ان کی طرف سے لڑائی کرے اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے جب ان کا روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا ہم ان کی میت کو دفن کرنے کے لئے لے کر چلے تو عبداللہ بن عمر نے عائشہ ام المومنین رض کو سلام عرض کیا اور درخواست کی کہ عمر بن خطاب اجازت طلب کرتا ہے ام المومنین رض نے اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ انھیں اپنے ساتھیوں کے جوار میں دفن کیا گیا جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تدفین سے فراغت کے بعد شوریٰ کے ارکان جمع ہوگئے عبدالرحمان بن عوف نے کہا اس معاملہ کو تین آدمیوں کے سپرد کر دو چنانچہ زبیر نے

کہا میں حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں طلحہ نے کہا میں عثمانؓ کے حق میں اور سعد نے کہا میں عبدالرحمان کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں عبدالرحمان نے کہا تم میں سے کون اس حق سے دستبردار ہوتا ہے کہ ہم اس کو خلافت سونپ دیں گے ہم اس کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتے ہیں تم میں کون افضل ہے؟ حضرت علیؓ اور عثمانؓ خاموش رہے عبدالرحمان نے کہا معاملہ میرے سپرد کرو میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں تم سے افضل کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا ان کے دونوں ساتھیوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا چنانچہ عبدالرحمان بن عوف نے پہلے حضرت علیؓ کے ہاتھ کو پکڑا اس سے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت حاصل ہے اور تو پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہے آپ ان باتوں کو خوب جانتے ہیں میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اگر ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا تو آپ نے راہ اعتدال اختیار کرنا ہوگا اور اگر عثمان کو خلیفہ بنایا گیا تو پھر تو نے اس کی سمع و اطاعت کرنی ہوگی اس کے بعد حضرت عثمان سے تنہائی میں وہی بات کہی جو حضرت علی سے کہی تھی جب اس نے دونوں سے پختہ عہد لے لیا تو اس نے عثمان کو مخاطب کیا اور کہا آپ اپنا ہاتھ باہر نکالیں چنانچہ عبدالرحمان بن عوف نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد حضرت علی نے بیعت کی پھر تمام گھر میں موجود لوگوں نے بیعت کی۔

نیز حضرت عبید بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ مسور بن مخرمہ نے اسے بتایا کہ جن لوگوں کا حضرت عمر نے خلافت کے بارے میں انتخاب کیا تھا وہ جمع ہوئے انھوں نے مشورہ کیا عبدالرحمان بن عوف نے ان سے کہا میں خلافت کو پسند نہیں کرتا ہاں اگر تم پسند کرتے ہو تو میں تم میں سے کسی ایک کا انتخاب کر دیتا ہوں انھوں نے معاملہ عبدالرحمان بن عوف کے سپرد کر دیا چونکہ خلافت کا معاملہ ان کے سپرد ہو چکا تھا اس بنا پر عبدالرحمان بن عوف کے ہاں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا یہاں تک کہ جو لوگ شوریٰ کے اراکین کے پیچھے پیچھے گھوم رہے تھے وہ عبدالرحمان بن عوف کے گرد جمع ہیں رات دن مشورے ہو رہے ہیں یہاں تک کہ جب وہ رات آئی جس کی صبح حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اس رات کے بارے میں مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ رات گذرنے کے بعد عبدالرحمان بن عوف نے میرے دروازہ پر دستک دی میں بیدار ہوا اس نے کہا آپ نیند میں تھے؟ اللہ کی قسم میں تو تین رات سے کچھ زیادہ نیند نہیں کر سکا آپ جائیں زبیر اور سعد کو بلائیں میں نے ان دونوں سے کہا کہ آپ سے عبدالرحمان بن عوف ملنے کے خواہشمند ہیں اس نے ان دونوں سے مشورہ کیا پھر مجھے بلایا اور کہا علیؓ کو بلاؤ میں نے اس کی بھی ان سے ملاقات کروائی وہ

جاتے ہیں میرے اور ان کے درمیان صرف عبداللہ بن عباس تھے ان کی عادت تھی کہ جب وہ صفوں کو عبور کرتے تو فرماتے صفیں درست کرو جب انھیں یقین ہو جاتا کہ صفیں درست ہیں ان میں کچھ فرق نہیں تو وہ آگے ہوتے اور تکبیر تحریمہ کہتے اکثر اوقات سورۂ یوسف، سورۂ نحل جیسی سورتوں کی پہلی رکعت میں تلاوت فرماتے تاکہ لوگ شامل ہو جائیں ابھی انھوں نے تکبیر تحریمہ ہی کہی ہوگی کہ میرے کانوں میں آواز پہنچی وہ کہہ رہے ہیں مجھے کسی کتے نے قتل کر دیا جب انھیں نیزہ لگا عجمی دو دھاری برچھی کے ساتھ تیزی کے ساتھ پلٹ رہا تھا اپنے سامنے دائیں بائیں والے کو گھائل کرتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اس نے تیرہ انسانوں کو زخمی کر دیا جن میں سے سات جانبر نہ ہو سکے اس المناک واقعہ کو دیکھ کر ایک شخص نے اس پر لمبا کوٹ پھینکا جب عجمی قاتل کو یقین ہو گیا کہ وہ گرفتار کر لیا جائے گا تو اس نے اپنے آپ کو بھی نیزہ مارا اس دوران حضرت عمر نے عبدالرحمان کو آگے کیا میری بھی یہی رائے تھی کہ اس کو حضرت عمر آگے کرینگے مسجد کے اطراف و اکناف میں لوگوں کو کچھ علم نہ تھا البتہ انھیں حضرت عمر کی آواز نہیں آرہی تھی اس لئے وہ سبحان اللہ سبحان اللہ کے کلمات کہہ رہے تھے عبدالرحمان نے نہایت تخفیف کے ساتھ انھیں نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا معلوم کرو میرا قاتل کون ہے وہ ذرا اِدھر اُدھر گھوما اور آکر کہا مغیرہ بن شعبہ کا غلام ہے حضرت عمرؓ نے کہا وہ جو کاریگر ہے اس نے اثبات میں جواب دیا حضرت عمر نے کہا اللہ اس کو تباہ و برباد کرے میں نے تو اس کو اچھی بات کا حکم دیا تھا اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ میری موت کا باعث ایسا شخص نہیں بنا جو اسلام کا دعویدار ہے ابن عباس! تو اور تیرا باپ تم اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اس قسم کے عجمی انسانوں کی مدینہ میں کثرت ہو اس کی وجہ یہ تھی کہ عباس کے ملک میں کثیر غلام تھے ابن عباس نے جواباً کہا اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم انھیں قتل کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا غلط بات کہتے ہو وہ تو اب تمھاری زبان میں گفتگو کرتے ہیں تمھارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تمھارے ساتھ حج کرتے ہیں اس کے بعد انھیں گھرے جایا گیا ہم بھی ساتھ ساتھ تھے لوگوں کا حال یہ تھا کہ شائد اس واقعہ سے قبل انھیں کبھی اس قسم کی مصیبت سے واسطہ نہیں ہوا تھا کچھ لوگ کہہ رہے تھے وہ جانبر ہو جائیں گے اور کچھ لوگ خطرہ محسوس کر رہے تھے پینے کے لئے انھیں نبیذ پیش کی گئی جس کو انھوں نے پی لیا لیکن پیٹ کے زخم سے وہ خارج ہو گئی پھر دودھ پیش کیا گیا اس کو بھی جب انھوں نے نوش فرمایا تو وہ بھی پیٹ کے زخم سے باہر نکل گیا اس سے لوگوں کو ان کی وفات کا یقین ہو گیا ہم بھی گھر میں داخل ہوئے جو لوگ آرہے تھے وہ سب ان کی تعریف کرتے

چنانچہ ایک نوجوان آیا اس نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کو خوش ہونا چاہیئے آپ کے لئے تو اللہ کی جانب سے مسرتیں ہیں آپ کو شرف صحبت حاصل ہے اور آپ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں پھر آپ خلیفہ بنائے گئے اور آپ نے عدل فرمایا پھر آپ شہادت سے سرفراز ہو رہے ہیں حضرت عمر نے جواب دیا میں دوست رکھتا ہوں کہ ان تمام اعمال کے باوجود اگر مجھے نجات مل جائے نہ مجھ پر عذاب ہو اور نہ ہی مجھے کچھ درجات حاصل ہوں معاملہ مساوی ہو جائے جب وہ شخص واپس لوٹا تو اس کا تہبند زمین پر لگ رہا تھا آپ نے فرمایا اس نوجوان کو واپس لاؤ آپ نے اس سے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تہبند اونچا کرو اس سے تمہارا لباس صاف ستھرا رہے گا اور اپنے رب کا ڈر موجود رہے گا پھر اپنے بیٹے عبداللہ سے مخاطب ہوئے اور کہا معلوم کرو مجھ پر قرض کتنا ہے ؟ چنانچہ قرض شمار کیا گیا تو وہ تقریباً چھیاسی ہزار کے قریب تھا اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر آل عمر کے مال سے قرض ادا ہو سکے تو ان کے اموال سے ادا کرنا ورنہ بنو عدی بن کعب سے مطالبہ کرنا اگر ان کے اموال سے بھی ادا نہ ہو سکے تو پھر قریش سے مطالبہ کرنا لیکن ان سے آگے نہ تجاوز کرنا بس ان سے میرا قرض ادا کرنا ہوگا۔ ہاں اب عائشہؓ ام المومنین کے پاس جاؤ انہیں کہنا آپ کو عمر سلام کہتا ہے امیر المؤمنین نہ کہنا اس لئے کہ آج میں امیر المؤمنین نہیں ہوں اور ان کی خدمت میں درخواست کرنا کہ عمر بن خطاب اجازت طلب کرتا ہے کہ اس کو اس کے دونوں رفیقوں کے جوار میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے چنانچہ اس نے جا کر سلام کہا اور اجازت مانگی اندر گئے تو عائشہ ام المؤمنین رو رہی تھی ان سے کہا عمر بن خطاب سلام عرض کرتا ہے اور دونوں رفیقوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے عائشہؓ نے جواب دیا ارادہ تو میرا اپنا تھا کہ میں وہاں دفن ہوتی لیکن آج میں اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں جب عبداللہ بن عمر واپس گھر کے قریب آئے تو عمر بن خطاب سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر واپس آگیا ہے اس پر عمر بن خطاب نے فرمایا مجھے سہارا دے کر اٹھاؤ ایک آدمی نے انہیں سہارا دیا حضرت عمر نے اپنے بیٹے سے دریافت کیا کیا خبر لائے ہو ؟ عبداللہ بن عمر نے جواباً کہا اے امیر المؤمنین آپ کی خواہش پوری ہو گئی حضرت عائشہؓ نے اجازت مرحمت فرما دی ہے اس پر حضرت عمر نے الحمد للہ کے کلمات کہے نیز کہا اس سے زیادہ اہم میرے نزدیک کوئی دوسری بات نہیں جب مجھے دفن کے لئے تیار کر لو تو میری چارپائی اٹھا کر وہاں لے جانا انہیں سلام کہنا نیز ان سے کہنا عمر بن خطاب اجازت چاہتا ہے اگر وہ مجھے اجازت دیتی ہے تو مجھے حجرہ میں داخل کرنا اگر اجازت نہ دے تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان

ہم یہ بات تسلیم نہیں کریں گے (بس یہی درست ہے اگر ایک امیر ہم سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو) اس پر ابو بکر نے کہا ہرگز نہیں ہم میں سے امراء ہوا کریں گے اور تم میں سے وزراء ہوا کریں گے قریش تمام عرب سے زیادہ عزت والے اور خاندانی طور پر فضائل والے ہیں لہٰذا تم عمر بن خطاب یا ابو عبیدہ بن جراح کے ہاتھ پر بیعت کرو اس پر عمر نے کہا ہم تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ کو پکڑا اور بیعت کی اس کے بعد لوگوں نے بھی بیعت کی کسی کہنے والے نے کہا تم نے سعد کو قتل کر دیا ہے اس پر حضرت عمر نے کہا اللہ اس کو قتل کرے[۱] (سنح مدینہ منورہ کی عوالی میں ایک مشہور باغیچہ ہے)

(ط) ہم ابو بکر کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں۔

(ش) ابو بکر صدیق کے بعد خلافت کے حقدار حضرت عمر ہوئے دراصل ابو بکر نے انھیں خلافت سونپ دی تھی اس کے بعد اس پر امت کا بھی اتفاق ہو گیا ان کے فضائل کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں۔ چنانچہ محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا اے ابا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون شخص سب سے بہتر ہے اس نے کہا اے میرے بیٹے تجھے اس کا علم نہیں ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا اس نے کہا ابو بکر ہیں میں نے دریافت کیا پھر کون ہیں آپ نے فرمایا عمر ہیں میں نے عثمان کا نام لینے میں خوف محسوس کیا اس کے بعد میں نے کہا پھر آپ ہیں اس کے جواب میں آپ نے فرمایا میں تو مسلمانوں کا ایک فرد ہوں نیز اس سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول گذر چکا ہے کہ میرے بعد ابو بکر اور عمر کی اقتدا کرو نیز صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جب عمر کی میت کو چارپائی پر رکھا گیا تو لوگ ان کے ارد گرد چارپائی اٹھانے سے قبل ان کے حق میں دعا کر رہے تھے ان کی تعریف کر رہے تھے ان کے لئے مغفرت طلب کر رہے تھے میں بھی وہاں موجود تھا اچانک ایک انسان نے میرے عقب سے میرے کندھے کو پکڑا میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ علی تھے انھوں نے حضرت عمر کے لئے دعا مغفرت کی نیز کہا آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے انسان کو نہیں چھوڑا ہے جو مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہو۔ اور اس کے عمل تیرے جیسے ہوں اور اللہ کی قسم میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے دونوں ساتھیوں کی رفاقت عطا فرمائے گا اس لئے کہ میں نے کثرت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

[۱] بخاری، (مسلم میں نہیں ہے)

آپ فرماتے تھے ۔ میں، ابوبکر اور عمر آئے میں، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے ۔ میں، ابوبکر اور عمر نکلے مجھے امید ہے یا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں کی رفاقت عطا فرمائے گا نیز ابوہریرہ کی حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کنوئیں سے پانی نکال رہے ہیں پھر ابوبکر نے نکالا پھر ڈول عظیم ڈول کی شکل اختیار کر گیا تو اسے عمر بن خطاب نے پکڑا میں نے کسی مضبوط انسان کو نہیں دیکھا جو ان کی طرح ڈول کھینچ رہا ہو یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے باڑے بھر لئے نیز بخاری ، مسلم میں سعد بن ابی وقاص سے ہے کہ عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی آپ کی خدمت میں قریش کی عورتیں تھیں جن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں (حدیث طویل ہے) اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کو مخاطب کر کے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جس راستے پر تو چل رہا ہو اس پر شیطان نہیں چلتا وہ دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے[1] نیز بخاری ، مسلم میں ہے ارشاد نبوی ہے ، تم سے پہلی امتوں میں ملہم انسان ہو گذرے ہیں اگر میری امت میں کوئی شخص اس وصف کا ہوا تو ان میں عمر بن خطاب بھی ہیں[2]۔

(ط) حضرت عمر کے بعد ہم حضرت عثمان کیلئے خلافت ثابت کرتے ہیں ۔

(ش) ہم حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں چنانچہ امام بخاری حضرت عمر کے قتل کا واقعہ ، شوریٰ کا معاملہ ، حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کا واقعہ صحیح بخاری میں لائے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اسی طرح من وعن بیان کروں عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو انکے شہید ہونے سے چند روز پہلے مدینہ میں دیکھا وہ حذیفہ بن یمان ، عثمان بن حنیف سے کہہ رہے تھے تم نے کیا کیا ؟ کیا تم ڈرتے ہو کہ کہیں تم زمین پر اتنا بوجھ نہ رکھ دو جس کو وہ اٹھا نہ سکے ؟ انھوں نے جواب دیا ہم نے اس پر اتنا ہی بوجھ رکھا ہے جس قدر اس میں اٹھانے کی طاقت ہے اس پر کچھ زیادتی نہیں کی ہے پھر کہا سوچ لیجئے کہ تمھیں اس پر اتنا بوجھ نہیں رکھنا جس کے اٹھانے کی اس میں قوت نہیں ہے ۔ انھوں نے بھرپور انداز کے ساتھ نفی میں جواب دیا حضرت عمرؓ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح سلامت رکھا تو عراق کی بیوہ عورتوں کو میرے بعد کبھی بھی کسی کی ضرورت نہ رہے گی اس کے بعد ابھی چار دن ہی گذرے ہوں گے کہ وہ شہید کر دیئے گئے عمرو بن میمون بیان کرتا ہے کہ جس صبح کو وہ شہید کئے

---

[1] بخاری ، مسلم ۔ [2] بخاری ، مسلم ۔

اس سے آدھی رات تک سرگوشی کرتے رہے علیؓ اٹھ کر چلے گئے لیکن وہ پرامید تھے عبدالرحمان بن عوف علی سے کچھ خوف رکھتے تھے پھر اس نے مجھ سے کہا اب عثمان سے ملاقات کراؤ چنانچہ میں نے انھیں بلوایا تو ان سے صبح کی اذان تک سرگوشی ہوتی رہی جب لوگ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو شوریٰ کے ارکان منبر کے قریب جمع ہونے شروع ہوئے جو وہاں مہاجرین، انصار موجود تھے سب کو بلایا گیا لشکروں کے کمانڈروں کی طرف پیغامات بھجوائے گئے انھوں نے اس سال حضرت عمر کے ساتھ حج ادا کی تھی جب تمام اکٹھے ہوگئے تو عبدالرحمان بن عوف نے خطبہ پڑھا اَمّا بعد کے بعد حضرت علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا میں نے خلافت کے بارے میں غور کیا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص عثمان کے برابر ہو دیکھنا کوئی نیا راستہ نہ نکالنا اور عثمان سے کہا میں تیرے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی سنت نیز آپ کے بعد آپ کے دونوں خلیفوں کی سنت کے مطابق بیعت کرتا ہوں عبدالرحمان بن عوف کے بیعت کر لینے کے بعد مہاجرین انصار لشکروں کے امیروں اور عام مسلمانوں نے بیعت کی۔

حضرت عثمان کے فضائل آپ کے خاص فضائل میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بیٹیوں کے لحاظ سے داماد ہیں نیز صحیح مسلم میں ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے آپ کے رانوں یا پنڈلیوں پر کپڑا نہ تھا کہ ابوبکر نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اس کو اجازت دی گئی اسی حال میں ان سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد عمر نے اجازت طلب کی اس کو بھی اجازت دی گئی آپ اسی حال میں باتیں کر رہے تھے اس کے بعد عثمان نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے آپ نے اپنے کپڑے درست فرمائے وہ داخل ہوئے تو آپ ان سے بھی باتیں کرتے رہے جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہ نے دریافت کیا ابوبکر آئے آپ نے اس کی آمد پر کچھ اہتمام نہ کیا اور نہ ہی اس کی کچھ پرواہ کی پھر عمر داخل ہوئے اس کے لئے بھی آپ نے کچھ اہتمام نہ کیا لیکن جب عثمان آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے آپ نے اپنا لباس درست کیا جواب میں آپ نے فرمایا میں اس انسان سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں[1]۔ نیز صحیح حدیث میں ہے جب بیعۃ الرضوان کا دن تھا عثمان کو آپ نے مکہ بھیجا ان کے جانے کے بعد بیعۃ الرضوان ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو اٹھایا اور فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اس کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے[2]

[1] صحیح ہے۔ [2] صحیح بخاری من حدیث ابن عمر۔

(ط) حضرت عثمان کے بعد ہم حضرت علی کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں۔

(ش) حضرت عثمان کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی چنانچہ وہ برحق خلیفہ تھے ان کی اطاعت ضروری تھی ان کی خلافت نبوت کی خلافت تھی جیسا کہ اس پر سفینہ کی حدیث دال ہے جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت کی خلافت تیس سال تک رہے گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بادشاہت عطا کرے گا[۵۵]۔

خیال رہے کہ ابوبکر صدیق کی خلافت کی مدت دو سال تین ماہ ہے اور عمر کی خلافت ساڑھے دس سال ہے اور عثمان کی خلافت بارہ سال ہے اور علی کی خلافت چار سال نو ماہ ہے اور حسن کی خلافت چھ ماہ ہے اور مسلمانوں کا پہلا بادشاہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہے وہ مسلمانوں کے تمام بادشاہوں سے بہتر تھا لیکن بعد ازاں وہ بھی خلیفہ برحق تھے جب حسن بن علی نے انھیں خلافت تفویض کر دی تھی علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے حسن کی عراقیوں نے بیعت کی لیکن چھ ماہ بعد اس نے خلافت معاویہ کو تفویض کر دی اس واقعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو گئی کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا[۵۶] (یہ واقعہ مشہور ہے)

چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی کے لئے خلافت کا استحقاق ہوا صحابہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی البتہ معاویہ اور اہل شام نے بیعت نہ کی جب کہ علی برحق تھے عثمان کی شہادت کے بعد حضرت عثمان نیز دیگر اکابر صحابہ علی، طلحہ، زبیر جو مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے کے خلاف جھوٹے افسانے تراشے گئے اور جو لوگ صحیح صورت حال سے واقف نہ تھے وہ شبہات میں مبتلا ہو گئے۔

خود غرض خواہشات کے غلام لوگ من مانیاں کر رہے تھے خاص طور پر وہ لوگ جو شام سے دور رہتے تھے حضرت عثمان تو ہمیشہ نہایت محتاط رہے انھوں نے کبھی اپنے اکابر کے خلاف لب کشائی نہ کی البتہ ان کے خلاف جھوٹی بے سروپا باتیں بنا کر انھیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی دراصل اس گروپ میں وہ لوگ تھے جو اقتدار کے بھوکے تھے نیز حضرت علی کے گروپ میں ٹیڑھے ذہن والے خارجی بھی تھے جنھوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا کچھ ایسے افراد بھی تھے جن کی پشت پناہی ان کے قبائل کر رہے تھے اور کچھ ایسے بدطینت شرارتی افراد تھے جو گھناؤنی سازشوں میں مصروف تھے لیکن ہوشیار اتنے تھے کہ وہ گرفت سے محفوظ تھے اور ایسے افراد بھی تھے جن کے دلوں میں نفاق تھا لیکن اظہار سے خائف تھے ان حالات میں طلحہ، زبیر نے محسوس کیا کہ اگر مظلوم شہید عثمان کا بدلہ نہ لیا گیا اور فسادیوں کے

---

[۵۵] حدیث حسن ہے [۵۶] بخاری مسلم من حدیث ابی بکرۃ)

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا حرکت سے رک جا تجھ پر نبی، صدیق، شہید کے علاوہ کوئی نہیں ہے[1]۔

ان دس صحابہ کی عظمت شان اور تقدیم پر تمام اہل سنت متفق ہیں اس لئے کہ ان کے فضائل شہرت پذیر ہیں لیکن اس شخص سے زیادہ جاہل کون ہو سکتا ہے جو دس کے لفظ کو زبان پر لانا یا ایسے کام کو کرنا جس میں دس کا عدد ہو مکروہ جانتا ہے اس لئے کہ اس قماش کے لوگ خیار صحابہ سے دشمنی رکھتے ہیں جو دس جنتی صحابہ ہیں اور وہ علی کو ان سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ نو کے عدد سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دس صحابہ میں سے نو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں نیز تمام مہاجرین، انصار سابقین اولین سے بغض رکھتے ہیں جنھوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی تھی ان کی تعداد چودہ صد تھی ارشاد خداوندی ہے

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح ۱۸)

ترجمہ:۔ خدا ایمانداروں پر خوش ہوا جب انھوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔

صحیح مسلم میں جابر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا[2]۔

نیز صحیح مسلم میں جابر سے ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے غلام نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! حاطب دوزخ میں جائے گا آپ نے فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا وہ تو بدر اور حدیبیہ میں حاضر تھا[3]۔

روافض جمہور صحابہ سے براءت کا اظہار کرتے ہیں بلکہ سوائے چند افراد کے جن کی تعداد تیرہ[13] سے زیادہ نہیں سب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ یہ بات سب جانتے ہیں اگر دنیا میں دس انسان عظیم کفر والے فرض کر لئے جائیں تب بھی اس عدد کو نہیں چھوڑا جا سکتا جب کہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں، وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (النمل ۴۸)

ترجمہ:۔ اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کئے کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔

تو کیا اس وجہ سے نو کا عدد متروک الاستعمال ہوگا ہرگز نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ دس کے عدد کے مسمیٰ کی قرآن پاک میں تعریف کی گئی ہے، تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (بقرہ ۱۹۶)

نیز فرمایا وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ (الاعراف ۱۴۲)

ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ لیا اور اس کی تکمیل دس رات کے ساتھ کی۔

---

[1] مسلم، ترمذی، مسند احمد (۲/۴۱۹) حدیث صحیح ہے [2] حدیث صحیح ہے [3] حدیث صحیح ہے

نیز فرمایا وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ (الفجر ۱) قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی۔
نیز ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن اعتکاف بیٹھا کرتے تھے[1] نیز آپ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا کہ اس کو رمضان کے آخری دس دنوں میں تلاش کرو[2]۔ نیز آپ نے فرمایا ذوالحجہ کے دس دنوں سے زیادہ اور دن نہیں ہیں کہ ان میں عمل صالح اللہ کو زیادہ محبوب ہو[3]۔

شیعہ عشرہ مبشرہ کی بجائے بارہ اماموں کو وہی مقام دیتے ہیں ان کے ہاں پہلے امام علی بن ابی طالب ہیں جن کے متعلق وہ مدعی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خلافت کی وصیت کی تھی حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے ان کے ہاں دوسرے امام حسن تیسرے حسین چوتھے علی بن حسین زین العابدین پانچویں محمد بن باقر چھٹے جعفر بن محمد الصادق ساتویں موسیٰ بن جعفر الکاظم آٹھویں علی بن موسیٰ رضا نویں محمد بن علی جواد دسویں علی بن محمد ہادی گیارہویں حسن بن علی عسکری بارہویں محمد بن حسن ہیں یہ لوگ ان کی محبت میں غلو کرتے ہوئے حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتے ہیں حالانکہ بارہ اماموں کا تذکرہ جس انداز سے کیا گیا ہے اس سے ان کا قول باطل قرار پاتا ہے بخاری مسلم میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کی رفاقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے لوگ ہمیشہ پختہ رہیں گے جب تک ان پر بارہ خلیفے رہیں گے پھر آپ نے آہستگی سے بات کی جس کا مجھے پتہ نہ چل سکا تو میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا اس نے کہا آپ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام قریش سے ہوں گے (حدیث صحیح ہے) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بارہ خلیفوں تک دین کا معاملہ غالب رہے گا[4] چنانچہ دین اسلام کا معاملہ آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق غالب رہا بارہ خلیفوں سے مراد چاروں خلفاء راشدین، معاویہ اس کا بیٹا یزید، عبدالملک بن مروان اس کے چار بیٹے ان میں عمر بن عبدالعزیز بھی شمار ہوتے ہیں ان کے بعد دین اسلام کا معاملہ کمزور ہونے لگا لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ ان خلیفوں کے دور میں امت اسلامیہ کا معاملہ کمزور رہا ظالم قسم کے لوگ جو حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنے والے تھے حکمران بنے رہے بلکہ وہ منافق اور کافر تھے ان کے دور میں حق پرست لوگ یہودیوں سے بھی زیادہ ذلیل تھے شیعہ کی یہ بات بالکل غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ بارہ خلیفوں کے دور میں اسلام کو غلبہ ہی حاصل ہوتا رہا۔

---

[1] بخاری مسلم من حدیث ابن عمر [2] البخاری من حدیث ابن عباس نیز اس کو ترمذی نے صحیح کہا ہے [3] مستدرک [4] حدیث صحیح ہے صحیح مسلم۔

راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے لیکن افعال میں اقتدا کا حکم صرف ابوبکر، عمر کے بارے میں دیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ میرے بعد ابوبکر، عمر کی اقتدا کرو[۱] معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع اور ان کی اقتدا میں فرق ہے پس ابوبکر، عمر کا مقام عثمان، علی کے مقام سے بلند ہے۔ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت آئی ہے کہ وہ علی کو عثمان سے مقدم رکھتے تھے لیکن ان کا ظاہری مذہب یہی تھا کہ عثمان، علی سے مقدم ہیں تمام اہل سنت کا یہی خیال ہے نیز عبدالرحمان بن عوف کا قول پہلے گذر چکا ہے کہ انھوں نے علی سے کہا میں نے تمام لوگوں کا جائزہ لیا وہ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے ایوب سختیانی کا قول ہے جس شخص نے عثمان کو علی پر مقدم نہ رکھا اس نے مہاجرین اور انصار کی تحقیر کی نیز بخاری، مسلم میں ابن عمر سے ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات تھے تو ہم کہا کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان ہیں[۲]۔

(ط) جن دس صحابہ کا آپ نے نام لیا اور انھیں جنت کی خوشخبری سنائی ہم بھی ان کے بارے میں جنت کی گواہی دیتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی آپ کا فرمان برحق ہے ان کے نام یہ ہیں:۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمان بن عوف ابوعبیدہ بن جراح (وہ تو اس امت کے امین ہیں) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(ش) چاروں خلفا کے کچھ فضائل پہلے ذکر ہو چکے ہیں دیگر چند صحابہ کے فضائل ذکر کئے جاتے ہیں مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار رہے آپ نے فرمایا کاش میرے صحابہ میں سے کوئی صالح انسان آج رات مجھ پر پہرہ دے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں ہم نے ہتھیاروں کی آوازیں سنیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے رسول سعد بن ابی وقاص ہوں آپ پر پہرہ دینے کے لئے آیا ہوں نیز دوسرے الفاظ یوں ہیں میرے دل میں آپ کے بارے میں خوف پیدا ہوا تو میں آپ پر پہرہ دینے کے لئے حاضر ہو گیا آپ نے اس کے حق میں دعا کی اور محو خواب ہو گئے[۳] نیز بخاری، مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن سعد بن ابی وقاص کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے ہوئے فرمایا اے سعد! تیر اندازی کرو تجھ پر میرا ماں باپ قربان ہو[۴] نیز صحیح مسلم میں قیس بن حازم سے ہے اس نے بیان کیا کہ میں نے طلحہ کا ہاتھ دیکھا وہ شل ہو چکا تھا جس کے ساتھ اس نے احد کی

---

[۱] حدیث صحیح ہے [۲] صحیح ہے ابوداؤد صحیح سند کے ساتھ لائے ہیں بخاری میں بھی اسی طرح ہے البتہ مسلم میں نہیں ہے۔
[۳] مسلم عن سعد بن ابی وقاص رض [۴] حدیث صحیح ہے۔

جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کی تھی[1] نیز صحیح مسلم میں ابو عثمان نہدی سے ہے کہ
بعض جنگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے آپ کے ساتھ صرف طلحہ اور سعد برابر شریک رہے[2]
یعنی انھوں نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ نیز بخاری، مسلم میں ہے (البتہ الفاظ مسلم کے ہیں) جابر بن عبداللہ
بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن لوگوں کو بلایا تو زبیر آگئے دوبارہ بلایا
تو بھی زبیر آئے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے مددگار ہوتے ہیں میرے مددگار زبیر ہیں[3]
نیز بخاری، مسلم میں زبیر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بنو قریظہ کے پاس کون جاکر مجھے
ان کے بارے میں مطلع کرے گا چنانچہ اس کام کے لئے میں گیا جب میں واپس لوٹا تو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے میرے لئے اپنے ماں باپ کو جمع کرتے ہوئے فرمایا تجھ پر میرا ماں باپ قربان ہو[4] نیز صحیح مسلم میں
انس بن مالک سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ہر امت کا امین ہوتا ہے ہماری
اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہیں[5] نیز بخاری، مسلم میں حذیفہ بن یمان سے ہے کہ نجران والے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہماری طرف کسی امین
انسان کو بھیجیں آپ نے فرمایا میں ایسے انسان کو ہی بھیجوں گا جو صحیح معنی میں امین ہوگا (راوی بیان کرتا ہے)
لوگوں نے اس شرف کا حقدار بننے کی آرزو کی آپ نے ابو عبیدہ بن جراح کو بھیج دیا[6] نیز سعید بن زید
بیان کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے
تھے دس انسان جنتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، طلحہ، عمر، عثمان، سعد بن مالک، عبدالرحمان
بن عوف کا نام لیا اور کہا اگر میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں کہ دسواں کون ہے رفقاء نے دریافت
کیا وہ کون ہے جواب دیا سعد بن زید ہے نیز فرمایا، ان میں سے کسی ایک کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ موجود ہونا اور آپ کی رفاقت میں چہرے کا غبار آلود ہونا تم میں سے کسی ایک کے عمل سے
بہتر ہے اگرچہ اسے حضرت نوح کی عمر عطا ہو جائے[7] نیز ترمذی میں عبدالرحمان بن عوف بیان کرتے
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو بکر، عمر، علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمان بن عوف، سعید بن زید
بن عمرو بن نفیل، ابو عبیدہ بن جراح جنتی ہیں[8] نیز اس حدیث کو ابو بکر بن ابی خیثمہ نے بیان کیا اس میں
عثمان کو علی سے مقدم کیا گیا ہے نیز ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء (پہاڑ)
پر تھے آپ کے ساتھ ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر بھی تھے پتھر حرکت کرنے لگا آپ نے اسے

---

[1] حدیث صحیح ہے البتہ مسلم میں نہیں ہے بخاری میں ہے [2] حدیث صحیح ہے بخاری میں بھی ہے [3] صحیح ہے بخاری، مسلم۔
[4] صحیح ہے بخاری، مسلم [5] حدیث صحیح ہے بخاری میں بھی ہے [6] صحیح بخاری، مسلم [7] حدیث صحیح ہے ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا
[8] حدیث صحیح ہے مسند احمد بن حنبل۔

قلع قمع کا کوئی منصوبہ بنایا گیا تو اللہ کے غیظ و غضب سے بچاؤ نہیں ہو سکے گا چنانچہ جنگ جمل اسی کشمکش کا نتیجہ تھی اس میں علی، طلحہ، زبیر بے اختیار آتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر اس میں شریک نظر آتے ہیں اسی طرح دیگر سابقین اولین صحابہ کرام بھی اس فتنہ سے اگرچہ محفوظ نہ رہ سکے تاہم یہ سب کچھ فسادیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا جنگ جمل کے بعد جنگ صفین بھی ایک عظیم شاخسانہ تھا اس خیال نے اس فتنہ کو جنم دیا کہ شامیوں کے ساتھ عدل و انصاف والا معاملہ نہیں ہو رہا ہے جب کہ ان کی عسکری قوت مجتمع تھی البتہ وہ خائف مزید تھے کہ کہیں فوجی بغاوت نہ ہو جائے جس طرح حضرت عثمان مظلومانہ شہید ہوئے اسی طرح ان کے بعد آنے والے صاحب اقتدار ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنتے چلے جائیں دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ برحق خلیفہ تھے وہ سمجھتے تھے کہ ان کی اطاعت ضروری ہے نیز ان کے خلاف بغاوت کو فرو ہونا چاہیئے اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہونا چاہیئے جب وہ انتشار ختم نہ کر سکے تو انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ لڑائی کا اعلان فرمایا جو ان کی اطاعت سے سرتابی کر رہے تھے اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر رہے تھے اب حالات کا رخ دیکھ کر وہ تالیف قلبی کی حکمت کے پیش نظر ایسے لوگوں سے کچھ مروت و ہمدردی کے قائل نہ تھے جس طرح کہ عہد نبوی اور آپ کے بعد آنے والے خلفاء کے عہد خلافت میں تالیف قلبی کا رجحان غالب رہا اور مسلمانوں کی اجتماعیت کے خلاف بپا ہونے والی شورشوں کو نرمی کے ساتھ فرو کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں حضرت علی نے حالات کا گہرے غور و فکر کے ساتھ جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ بغاوت کرنے والوں سے ہرگز نرمی کا برتاؤ نہ کیا جائے ان سے لڑائی کی جائے ان پر اسلامی حدود کا نفاذ کیا جائے لیکن فتنہ کے اس دور میں اکثر صحابہ کرام الگ تھلگ رہے اس لئے کہ ان کے سامنے ایسے نصوص تھے جن کا تقاضا تھا کہ فتنوں کے دور میں گھروں میں بیٹھنا ہی بہتر ہے اس سے کہ ان میں شریک ہوا جائے۔ اور مصلحت بھی اسی کی متقاضی تھی کہ مفسدہ سے بچا جائے۔ لیکن ہم تمام صحابہ کرام کے بارے میں اچھا خیال رکھتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (الحشر ۱۰)

ترجمہ:۔ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے

اے ہمارے پروردگار بے شک تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان فتنوں سے ہمارے ہاتھو کو محفوظ رکھا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان سے ہماری زبانوں کو بھی محفوظ فرمائے۔

حضرت علی کے فضائل بخاری و مسلم میں سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو مخاطب کرکے فرمایا تیرا مقام میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ ہارون کا مقام موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے[1]۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی جنگ میں فرمایا: کل میں ایسے شخص کو جھنڈا عنایت کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں (راوی بیان کرتے ہیں) کہ ہم سب اس کے آرزومند تھے۔ آپ نے فرمایا علی کو بلاؤ ان کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کی آنکھیں درد کر رہی تھیں آپ نے ان کی آنکھوں میں تھوکا اور جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا[2]۔ نیز جب اس آیت کا نزول ہوا:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ (آل عمران ۶۱)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن، حسین کو بلایا اور فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں[3]۔

(ط) یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں اور ہدایت یافتہ ائمہ کرام ہیں۔

(ش) سنن کی مروی حدیث پہلے گذر چکی ہے ترمذی نے اسے صحیح کہا عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پر تاثیر وعظ فرمایا جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں دل خوف زدہ ہو گئے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ تو الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے آپ ہمیں کس بات کی وصیت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تمھیں سمع و اطاعت کی وصیت کرتا ہوں بیشک حال یہ ہے کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا اسے بہت زیادہ اختلافات سے واسطہ پڑے گا پس تم میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو جو ہدایت پر تھے سنت کے ساتھ تمسک اختیار کرو اور سنت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو نیز تم اپنے آپ کو بدعات سے بچاؤ اس لئے کہ بدعات گمراہی ہیں[4] پس خلفاء راشدین فضیلت میں اس ترتیب کے ساتھ ہیں جس ترتیب کے ساتھ وہ خلیفہ بنے البتہ ابوبکر، عمر کو مزید فضیلت بھی حاصل ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خلفاء

---

[1] حدیث صحیح ہے [2] بخاری، مسلم من حدیث سہل بن سعد [3] مسلم ۷/۱۲۰-۱۲۱) ترمذی نے صحیح کہا)

[4] حدیث صحیح ہے۔

(ط) صحابہ کرام، ازواج مطہرات نیز آپ کی پاکیزہ اولاد کے بارے میں جو شخص اچھے کلمات کہے گا وہ نفاق سے بری ہے۔

(ش) فضائل صحابہ کے بارے میں کتاب وسنت سے کچھ بیان ہو چکا ہے نیز صحیح مسلم میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ، مدینہ کے درمیان غم مقام میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اما بعد:۔ اے لوگو! میں انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آجائے اور میں پیغام قبول کر لوں (یعنی فوت ہو جاؤں) پس میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں پہلی کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور روشنی کی باتیں ہیں پس تم نے اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہوگا چنانچہ آپ نے کتاب اللہ کے بارے میں مبالغہ کے ساتھ ترغیب دی اس کے بعد آپ نے فرمایا میں تمھیں اہل بیت کے بارے میں وصیت کرتا ہوں تمھیں اللہ یاد دلاتا ہوں آپ نے یہ کلمات تین بار ارشاد فرمائے (حدیث صحیح ہے) نیز امام بخاری ابوبکر صدیق سے لاتے ہیں انھوں نے کہا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا خیال کرو۔

شیخ طحاوی کا یہ قول کہ صحابہ کرام کی تعریف کرنے والا نفاق سے بری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعیت کا موجد منافق بددین انسان تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ دین اسلام کا استیصال کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا جائے جیسا کہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے جب دین اسلام کا اظہار کیا تو اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ کسی حیلے بہانے سے دین اسلام میں بگاڑ پیدا کیا جائے جیسا کہ بولس نے عیسائیت کے تقدس کو پامال کیا بظاہر تصوف کا لبادہ زیب تن کیا امر بالمعروف نہی عن المنکر کا کام شروع کیا یہاں تک کہ اس کی سیہ کاریوں کے نتیجہ میں عثمان شہید ہوئے اور مسلمانوں میں شدید فتنہ رونما ہوا پھر کوفہ جا کر علی کی محبت کا اظہار کیا اور بظاہر اس کی معاونت کا نعرہ لگایا تاکہ باطن اپنے خبیث پروگراموں کو پورا کر سکے جب علی کو اس کی شرارتیں معلوم ہوئیں تو اس کے قتل کا حکم دیا وہ وہاں سے بھاگ کر قرقیس چلا گیا اس کا واقعہ تاریخ کی مشہور کتابوں میں مرقوم ہے نیز پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص حضرت علی کو حضرت ابوبکر، حضرت عمر پر فضیلت دیتا ہے حضرت علیؓ اس پر حد قذف لگاتے البتہ عبداللہ بن سبا کی باطنی کوششوں سے خوارج اور شیعہ متاثر ہوئے اسی لئے ہم شیعیت کو الحاد اور زندقہ قرار دیتے ہیں اسی طرح اس بات کو قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی ذکر کیا ہے نیز انھوں نے وضاحت کی کہ کس طرح باطنیہ فرقے نے دین اسلام کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے چنانچہ

ان کے ہاں داعی کے لئے اس اصول پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے کہ جب کسی مسلمان کو دعوت دی جائے تو اس کو بتایا جائے کہ شیعیت ہمارا دین اور شعار ہے اثر انداز ہونے کے لئے یہ طریقہ نہایت عمدہ ہے کہ سلف نے علی پر ظلم کیا ہے کہ اس کے بیٹے حسین کو قتل کیا اس لئے قبیلہ تیم عدی، بنو امیہ، بنو عباس سے برات کا اظہار کیا جائے نیز اس بات کا چرچا کیا جائے کہ علی غیب دان تھا تمام عالم کا خلق اس کے سپرد تھا اسی انداز کی اور عجیب و غریب باتیں ہیں جن سے ان کی جہالت عیاں ہوتی ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ شیعہ آپ کی دعوت پر لبیک کہیں تو ان کے سامنے شیعہ مسلک کی عجیب و غریب جہالت والی باتیں کی جائیں ان کے ساتھ علی اور اس کی اولاد کی سیاسی غلطیوں کا ذکر کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص صحابہ کرام کو برا بھلا کہتا ہے وہ اہل بیت پر بھی دشنام طرازی کرتا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص اہل بیت کو گالیاں دیتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔

(ط) سابقین علماء سلف ان کے بعد تابعین نیکو کار علم و فضل والے اور فقیہ تھے ان کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جائے جو شخص انھیں برا بھلا کہتا ہے وہ راہ اعتدال سے برگشتہ ہے

(ی) ارشاد خداوندی ہے :۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء ۱۱۵)

ترجمہ :۔ اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم ادھر ہی اسے چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

پس ہر مسلمان پر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمانداروں سے بھی موالات کرنا فرض ہے جیسا کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے خاص طور پر وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ستارے کہا جن سے بحر و بر میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہر امت کے علماء بد ترین تھے لیکن مسلمانوں کے علماء بہترین ہیں،

اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اور مردہ سنتوں کا احیاء کرنے والے ہیں ان کی وجہ سے اللہ کے کلام پر عمل ہو رہا ہے نیز وہ اللہ کے کلام کے ساتھ وابستگی رکھنے کی وجہ سے اطمینان کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں نیز ان کی وجہ سے کتاب اللہ کا عام پرچا اور کتاب اللہ کی وجہ سے ان کو شہرت حاصل ہے وہ تمام اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے لیکن جب کسی عالم کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اس کو چھوڑنا ضروری ہے ہو سکتا ہے کہ عالم کو کوئی عذر ہو اس لئے اس نے حدیث کا ترک کیا ہو پہلا عذر تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا اعتقاد ہی نہ ہو کہ یہ آپ کا قول ہے دوسرا عذر یہ کہ اس کا اعتقاد ہی نہ ہو کہ اس نے اس قول سے اس مسئلہ کا ارادہ کیا ہے تیسرا عذر یہ ہے کہ اس کا اعتقاد ہو کہ یہ حکم منسوخ ہے پس وہ سبقت لے جانے کی وجہ سے فضیلت والے ہیں اور ان کا ہم پر احسان ہے کہ انھوں نے ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات پہنچائے اور جو چیزیں ہماری نظروں سے اوجھل تھیں ان کو واضح کیا پس اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی فرمائے ارشاد خداوندی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر ۱۰)

ترجمہ:۔ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ و حسد پیدا ہونے نہ دے اے ہمارے پروردگار بیشک تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

(ط) ہم کسی ولی کو کسی پیغمبر پر فضیلت عطا نہیں کرتے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے۔

(ش) شیخ رحمہ اللہ کا مقصد اتحادیہ اور جاہل صوفیاء کا رد ہے اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ اہل استقامت ہمیشہ علم کے تابع رہے اور شریعت کی متابعت سے کبھی روگردانی نہ کی یاد رہے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ رسولوں کا اتباع کرے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

رَّحِيمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ۶۴-۶۵)

ترجمہ :- اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے وہ اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے اگر تمہارے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور رسول خدا بھی ان کے لئے بخشش مانگتے تو خدا کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔ تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

نیز فرمایا :- قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران)

ترجمہ :- کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تم کو محبوب جانے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ابو عثمان نیشاپوری کا قول ہے کہ جو شخص قولاً عملاً سنت کو اپنے نفس پر حکومت عطا کرتا ہے اس کی زبان سے حکمت کی باتیں نکلیں گی اور جو شخص خواہش نفسانی کو اپنے نفس پر غالب کرتا ہے اس کی زبان سے بدعت کی باتیں نکلیں گی۔ نیز بعض علماء کا قول ہے کہ بعض لوگ تکبر کی وجہ سے سنت کا ترک کرتے ہیں یہ بات بالکل درست ہے اس لئے کہ جو شخص اس چیز کا اتباع نہیں کرتا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتے ہیں وہ اپنی خواہش کے مطابق عمل کر رہا ہے ہدایت اور روشنی اس کی نظر سے اوجھل ہے۔ در اصل وہ نفس کے دھوکے میں مبتلا ہے وہ تو ان لوگوں کے قول کے مشابہ ہے جنھوں نے کہا ارشاد خداوندی ہے :-

لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام ۱۲۵)

ترجمہ :- کہ جس طرح کی رسالت خدا کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک ہمیں اسی طرح کی رسالت نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کونسا محل ہے اور (وہ) اپنی پیغمبری کسے عطا فرمائے۔

اس قسم کے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ عبادت میں انہماک اختیار

کر کے اپنی روح کو مصفی کر لیں گے اور وہ اس مقام پر رسائی حاصل کر لیں گے جہاں انبیاء نظر آتے ہیں اگرچہ انبیاء کے طریقہ پر وہ نہ بھی چلیں گے کچھ اس ذہن کے بھی ہیں جو اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام سے افضل سمجھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خاتم الاولیاء سے علم حاصل کرتے ہیں چنانچہ وہ اپنے آپ کو خاتم الاولیاء قرار دیتے ہیں ان کے قول اور فرعون کے قول میں درحقیقت کچھ فرق نہیں ہے فرعون کہتا ہے کہ تمام کائنات جو نظر آرہی ہے یہ واجب بنفسہ ہے اس سے الگ اس کا کوئی صانع نہیں ہے یہ شخص کائنات کو خدا قرار دیتا ہے فرعون نے بظاہر خدا کا بالکلیہ انکار کر دیا ہے لیکن باطن وہ ان سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا تھا جب کہ وہ صانع کا اثبات کرتا ہے لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کا وجود ہی خالق کا وجود ہے ابن عربی اور اس کے رفقا کا یہی خیال تھا ابن عربی نے جب محسوس کیا کہ شریعت کے ظاہر کو بدلنا مشکل ہے تو اس نے نبوت کے ختم ہونے کا نعرہ لگایا لیکن یہ بھی دعوی کیا کہ ولایت ختم نہیں ہوئی اور ولایت کو نبوت سے ارفع و اعلی قرار دیا اور کہا کہ انبیاء تو ولایت سے استفادہ کرتے ہیں اس نے کہا

مقام النبوۃ فی برزخ فویق الرسول ودون الولی ۔

ترجمہ: برزخ میں نبوت کا مقام رسول سے زیادہ ہے اور ولی سے کم ہے ۔

ابن عربی نے اس قسم کی باتیں کہہ کر شریعت میں تحریف کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ شریعت میں ولایت ایماندار پرہیزگار لوگوں کے لئے ثابت ہے ارشاد خداوندی ہے ۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یونس ۶۲ - ۶۳)

ترجمہ: بیشک جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ ان کو غم ہوگا (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ۔

پس نبوت ولایت سے اخص ہے اور رسالت نبوت سے اخص ہے ابن عربی کا قول فصوص الحکم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی تمثیل ایک محل کے ساتھ دی ہے جس کی تکمیل ہو چکی ہے صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی میں نے اس جگہ کو پر کر دیا اور میں اس محل کی آخری اینٹ ہوں ابن عربی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خاتم الاولیاء بھی اس محل کو دیکھ رہا ہے لیکن وہ دیکھتا ہے کہ محل میں دو اینٹیں کم ہیں اس کو اس لئے دونوں

کی خالی جگہ نظر آرہی ہے کہ ایک اینٹ ظاہری ہے جو چاندی کی ہے اس سے مراد ظاہری شریعت ہے جو منزل من اللہ ہے اور دوسری باطنی اینٹ سونے سے ہے اس سے مراد خاتم الاولیاء ہے وہ احکام اس معدن سے اخذ کرتا ہے جہاں سے فرشتے اخذ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کرتے ہیں۔

ابن عربی کی بیان کردہ تشریح کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس شخص سے اور کون زیادہ کفر والا ہے جو اپنے آپ کو سونے کی اینٹ کے ساتھ تمثیل دیتے ہوئے بیان کرتا ہے اور پیغمبروں کی تمثیل چاندی کی اینٹوں کے ساتھ پیش کرتا ہے اپنے آپ کو پیغمبروں سے افضل گردانتا ہے یہ اس کا وہم وخیال ہی ہے حقیقت کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں ارشاد ربانی ہے :۔ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ (غافر ۵۶)

ترجمہ :۔ ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادہ) عظمت ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں ہیں۔

جس شخص کی باتیں اس قسم کی ہیں اس کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہے البتہ بعض اوقات اس کے کلام سے بظاہر کفر نظر نہیں آتا باطن ہوتا ہے لہٰذا اس کے کلام پر خوب غور کیا جائے اور اس پر شدید تنقید کی جائے تاکہ اس کے باطل نظریات سے تمام آگاہ ہوجائیں ابن عربی اور اس کے نظریات کے حامل لوگوں کا کفران لوگوں کے کفر سے بھی زیادہ ہے جنھوں نے کہا ارشاد خداوندی ہے۔

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ۔ (الانعام ۱۲۴)

ترجمہ :۔ جو کچھ اللہ کے پیغمبروں کو عطا ہوا ہے جب تک ہمیں عطا نہ ہوگا ہم ایمان نہیں لائیں گے

یاد رہے ابن عربی اور اس کے ہم خیال لوگ منافق بددین اتحادیہ ہیں یہ لوگ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوں گے ہم انھیں اس لئے منافق کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی ان کی طرح اسلام کا اظہار کرتے ہیں جب کہ دلوں میں کفر پوشیدہ ہے لہٰذا ان کے ساتھ بظاہر مسلمانوں والا معاملہ کیا جائے ہاں اگر ان سے باطنی کفر رونما ہوجائے تو انھیں مرتد کہا جائے اور ان پر مرتدین کے احکامات جاری کئے جائیں - پھر کیا ان کی توبہ قبول ہوگی اس میں اختلاف ہے صحیح مسلک یہی ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی چنانچہ معلیٰ نے امام ابوحنیفہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے واللہ المستعان۔

(ط) ان سے صحیح ثقہ راویوں کی وساطت سے جو کرامات منقول ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے۔

(ش) **معجزہ وکرامت کی بحث** لغۃً معجزہ اور کرامت ہر خرق عادت کا نام ہے متقدمین اہل علم سے کرامت کی تعریف اسی طرح منقول ہے جب کہ اکثر متاخرین معجزہ وکرامت میں فرق بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں نبی سے خرق عادت کا صدور معجزہ کہلاتا ہے اور ولی سے خرق عادت کا صدور کرامت کہلاتی ہے خیال رہے کہ کمال درجہ کے اوصاف علم، قدرت، غنیٰ ہیں یہ تینوں اوصاف کاملاً تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کا خاصہ ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے نیز وہ عالمین سے مستغنی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان تینوں کے دعویٰ سے براءت کا اظہار کیا جائے ارشاد خداوندی ہے:۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ (الانعام ۵۰)

ترجمہ:۔ کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس کے حکم کی اتباع کرتا ہوں جو مجھے خدا کی طرف سے آتا ہے۔

چنانچہ نوح علیہ السلام جو پہلے اولوا العزم پیغمبر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم اولوا العزم من الرسل ہیں نے ان تینوں سے براءت کا اظہار کیا۔

ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا۔ (النازعات ۴۲)

ترجمہ:۔ وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کب اس کا قائم ہونا ہے۔

کبھی ان سے قدرت اور اس کے اثرات کا مطالبہ کیا ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (الاسراء ۹۰)

ترجمہ:۔ انھوں نے کہا ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو زمین سے چشمہ نہ نکالے۔

اور کبھی ان کی انسانی ضرورتوں کی وجہ سے انھیں ہدف تنقید بنایا ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ (الفرقان ۷)

ترجمہ:۔ انھوں نے اعتراض کیا کہ اس رسول کو کیا ہے کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

جواباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ انھیں خبردار کریں کہ یہ کام میرے دائرۂ اختیار میں نہیں ہیں ہاں جس قدر خداوند تعالیٰ عطا فرمائیں اور معلوم کرائیں اسی قدر ہم علم رکھتے ہیں اور جس قدر غنی اس نے عطا کیا ہے اس سے زیادہ کا ادعا نہیں کرسکتے اور جن کاموں پر قدرت دی ہے ان کو ہی سرانجام دے سکتے ہیں اس لحاظ سے تمام معجزات اور کرامات ان تین قسم کے اوصاف سے خارج نہیں ہیں۔

خرق عادت فعل سے اگر دینی فائدہ مطلوب ہے تو اس کو شرعاً اعمال صالحہ سے شمار کیا جائے گا خواہ دین اسلام میں اس کی حیثیت واجب یا مستحب کی ہے اور اگر اس سے مباح فعل مطلوب ہے تو اس صورت میں دنیوی طور پر وہ اللہ کی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے لیکن اگر وہ کسی منہی فعل کو متضمن ہے عام ہے کہ نہی تحریمی یا تنزیہی ہے تو وہ فعل اللہ کے عذاب کا یا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا جیسے وہ شخص جس کو اللہ کی کتاب کا علم دیا گیا تھا اس کا نام بلعام بن باعور ہے لیکن غلط اجتہاد یا تقلید یا کوتاہ علمی یا کم عقلی یا غلبۂ حال یا عجز یا کسی ضرورت کی وجہ سے آیات کا منکر ہوگیا اس تمام وضاحت سے معلوم ہوا کہ خرق عادت کی تین قسمیں ہیں یا تو دین اسلام میں اس کی تعریف کی جاتی ہے یا وہ قابل مذمت ہے یا اس کو جواز کا درجہ دیا جاتا ہے جواز کی حالت میں اگر فائدہ بھی ہو تو وہ اللہ کی نعمت ہے ورنہ وہ دیگر مباحات کی طرح ہے جن کا کچھ فائدہ نہیں ہے ابوعلی جوزجانی کا قول ہے استقامت کی تلاش رکھو کرامت کی تلاش نہ کرو اس لئے کہ تو بذات خویش کرامت کا طالب ہے لیکن تیرا پروردگار تجھ سے استقامت کا مطالبہ کرتا ہے

شیخ سہروردی کا قول | وہ عوارف میں فرماتے ہیں اس باب میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں انہماک اختیار کرنے والے لوگ جب متقدمین سلف صالحین کی کرامات وغیرہ کا ملاحظہ کرتے ہیں تو ان کا کرامات کی طرف شدت سے میلان ہوجاتا ہے ان کی آرزو ہوتی ہے کاش وہ بھی خرق عادت افعال سے نوازے جائیں اور شائد اگر وہ ان سے ہمکنار نہ ہوں تو کبیدہ خاطر رہتے ہیں اور انھیں اپنے اعمال کی صحت پر شک ہونے لگتا ہے کہ ہمیں کیوں کرامات سے نوازا نہیں جارہا لیکن اگر وہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہوجائیں تو ان کی پریشانی کافور ہوجائے دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض عبادت گذار صادق العزم لوگوں پر کرامات کا دروازہ کھول دیتے ہیں ان کا مشاہدہ کرنے سے ان کے یقین میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں پس صادق العزم لوگ تو استقامت کا مطالبہ کرتے ہیں یہی کرامات کا اصل منبع ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اجسام اس قدر اثرات قبول نہیں کرتے جس قدر دلوں پر اثرات ہوتے ہیں لیکن اگر دل نیک ہیں تو ان پر اثرات بھی اچھے ہوتے ہیں اور اگر ان میں فساد ہے تو اثرات بھی فاسد مرتب ہوں گے اس لحاظ سے بعض احوال کے اثرات اللہ کے ہاں محبوب ہیں اور بعض سے مکروہ ہیں۔

صاحب کرامات لوگ اپنے دلوں کو امر تکوینی کے تابع رکھتے ہیں اور خرق عادت فعل کو کرامت سمجھتے ہیں وہ اس سے بے خبر ہیں کہ کرامت دراصل استقامت کا نام ہے نیز اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو اس سے عظیم کرامت کے ساتھ نہیں نوازا کہ وہ تمام امور میں اللہ کی رضا و موافقت کا خیال رکھیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دم بھریں نیز اللہ کے دوستوں کے ساتھ دوستی اور اس کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھیں یہی وہ اولیاء اللہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس ۶۲)

ترجمہ:۔ خبردار بے شک اللہ کے دوست نہ انھیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

البتہ اگر اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش فرماتا ہوا خرقِ عادت حد تک مسرتوں سے نوازتا ہے یا تکالیف میں مبتلا کرتا ہے تو مسرتوں سے ہمکنار کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بندہ لائق اکرام ہے اور نہ ہی تکالیف میں مبتلا کرنا اس وجہ سے ہے کہ اللہ کے ہاں وہ بندہ ذلیل ہے اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے اطاعت گزار بندے سعادتوں سے ہمکنار ہیں اور اس کی نافرمانی کرنے والے بدبختی والے ہیں ارشاد خداوندی ہے:۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ كَلَّا . (الفجر ۱۵-۱۷)

ترجمہ:۔ مگر انسان (عجیب مخلوق ہے) کہ جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اُسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی ہے اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔ نہیں۔

اس لحاظ سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جن کا مقام خرق عادت افعال

کی وجہ سے اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے جیسے وہ شخص جو خرق عادت کے طور پر کسی کو قتل کر دیتا ہے اس صورت میں فقہاء کے ہاں قاتل پر قصاص واجب ہے تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کے خرق عادات افعال مباحات کے قبیل سے ہیں نیز سمجھ لیجئے کہ خرق عادت سے ہی کشف اور تاثیر کو بھی شمار کیا جاتا ہے بظاہر ان کا تعلق اللہ کے کلمات کے ساتھ ہے جن میں اثرات ہوتے ہیں عام ہیں اس سے کہ وہ کلمات تکوینی انداز کے ہوں یا دینی انداز کے ہوں مثلاً تکوینی کلمات وہ ہیں جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استعاذہ کیا کہ میں اللہ کے کلمات کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں جو کامل ہیں جن سے کوئی نیک ، بد تجاوز نہیں کر سکتا ارشاد خداوندی ہے ۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ - (یس ۸۲)

ترجمہ: بے شک اس کا امر جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے ۔

نیز فرمایا:۔ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (الانعام ۱۱۶)

ترجمہ:۔ اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ۔

پس تمام تکوینی امور اور خرق عادات افعال ان کلمات کے تحت داخل ہیں دوسری قسم میں دینی کلمات ہیں ان سے مراد اللہ کا کلام اور وہ شریعت ہے جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا شریعت سے مراد اللہ کے اوامر اور اسکے نواہی ہیں ہر مسلمان کو ان کا علم ہونا چاہیئے اور ان کے مطابق عمل کرنا چاہیئے نیز اللہ کے احکام کے مطابق آگے حکم دینا چاہیئے اسی طرح تکوینی امور کے کلمات اور ان کے اثرات کا بھی علم ہو اس سے حوادث کائنات کا کشف ہوتا ہے بلکہ تاثیر کی قدرت اپنے نفس پر حاصل ہوتی ہے مثلاً پانی پر چلنا، فضا میں اڑنا آگ پر بیٹھنا یا اپنے غیر پر حاصل ہوتی ہے مثلاً کسی کو تندرست کر دینا، کسی کو ہلاک کر دینا، کسی کو مالدار بنانا، کسی کو فقیر بنانا وغیرہ ۔

کلمات شرعیہ کے اثرات شرعیات میں فی نفسہ دکھائی دیتے ہیں مثلاً اللہ اور اس کے رسول کا مطیع ہونا ظاہراً باطناً اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے ساتھ تمسک اختیار کرنا ہے اور غیر میں مثلاً وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم کرے اسی طرح

شرعی اطاعت میں لوگوں کا انسلاک ہو۔

اس تمہید کے معلوم کرنے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خوارق کا عدم علم یا ان پر عدم قدرت کسی مسلمان کو دینی لحاظ سے ذرہ برابر نقصان دینے والی نہیں ہے اگر کسی شخص کو غیب کی چیزوں کا کچھ کشف نہیں ہوتا اور نہ ہی کائنات پر اسے تسخیر حاصل ہے تو اس سے اس کے مرتبہ میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ان چیزوں کا عدم وجود اس کے حق میں زیادہ نفع والا ہوتا ہے اگر صاحب کشف کی وابستگی دین کے ساتھ ہے تو بہتر صورت ہے ورنہ دنیا و آخرت کی بربادی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خوارق کے ساتھ کبھی تدین ہوتا ہے اور کبھی تدین نہیں ہوتا اور کبھی فساد فی الدین یا نقص فی الدین ہوتا ہے پس نفع دینے والے خوارق دین کے تابع اور خادم ہوتے ہیں جیسا کہ صاحب اقتدار انسان جب دین کے تابع ہوتا ہے تو اقتدار افادیت کا حامل ہوتا ہے اسی طرح مال کا حال ہے اگر وہ دین کے تابع ہے تو نفع دینے والا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر اور عمر کے ہاتھ میں اقتدار اور مال دونوں تھے ان کی افادیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے پس جس شخص نے اقتدار اور مال کو اصل قرار دیا اور دین کو اس کے تابع بنایا اور اس کو اصل نہ بنایا بلکہ وسیلہ سمجھا وہ اس شخص کے مشابہ ہے جو دین کے بدلے دنیا حاصل کرتا ہے اس کا حال اس شخص جیسا نہیں ہے جو عذاب کے خوف یا جنت کی امید سے دین اسلام کو اپناتا ہے اس کو اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ دنیا کو دین کے بدل میں حاصل کرے راہ نجات، شریعت حقہ اس کے سامنے تھیں لیکن اس نے روگردانی کی۔

تعجب ہے کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کا مقام دوزخ کے خوف یا جنت کی طلب سے بلند ہے ان کا دین کے ساتھ تعلق ادنیٰ درجہ کا خرق عادت عمل ہے ہاں وہ لوگ جن کا علم و عمل صحیح ہے جب وہ کسی خرق عادت عمل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو لازمی طور پر ان کے ہاتھوں خرق عادت ظہور میں آجاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۲-۳)

ترجمہ:۔ اور جو شخص اللہ کا خوف رکھتا ہے اللہ اس کے لئے ذریعۂ نجات نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جس کے بارے میں اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

نیز فرمایا:۔ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال ۲۹)

ترجمہ :۔ اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تم کو ممتاز کر دے گا۔

نیز فرمایا :۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (النساء ۶۶-۶۸)

ترجمہ : اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جو اُن کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور ہم ان کو اپنے ہاں سے اجر عظیم بھی عطا فرما دیتے اور سیدھے رستے بھی دکھاتے۔

نیز فرمایا :۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ (یونس ۶۲-۶۴)

ترجمہ :۔ سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی (بشارت ہے)

نیز ارشاد نبوی ہے مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے[1] اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی ارشاد خداوندی ہے :۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ (الحجر ۷۵)

ترجمہ :۔ بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لئے نشانی ہے (ترمذی)

نیز حدیث قدسی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس شخص نے میرے دوست کے ساتھ دشمنی کی اس نے میرے ساتھ جنگ کی اور میرا بندہ میرا تقرب فرائض کی ادائیگی سے جس قدر حاصل کرتا ہے اس کی مثال نہیں میرا بندہ ہمیشہ نوافل ادا کر کے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کا سوال پورا کروں گا اگر وہ میرے ساتھ پناہ طلب کرے گا تو میں اس کو پناہ دوں گا مجھے کسی کام میں کبھی تردد نہیں ہوا جس کو میں نے کرنا ہے جس قدر مجھے مومن بندے کی روح کے قبض کرنے میں ہوتا ہے وہ

[1] حدیث ضعیف ہے ترمذی وغیرہ کی سند میں عطیہ عوفی ضعیف مدلس ہے (احادیث ضعیفہ ۱۸۲۱)

موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اس کی تکلیف کو ناپسند سمجھتا ہوں لیکن اس سے کوئی چارہ کار نہیں[1] معلوم ہوا استقامت تو اللہ کا حق ہے اور کرامت نفس کا حصہ ہے وباللہ التوفیق۔

معتزلہ کرامات کے منکر ہیں معتزلہ معجزات اور کرامات دونوں کا انکار کرتے ہیں لیکن ان کا انکار محسوسات کے انکار کے مترادف ہے نیز ان کا یہ قول بھی باطل ہے کہ اگر کرامات صحیح ہوتیں تو معجزات کے مشابہ ہوتیں ان کی اس بات سے تو نبی اور ولی میں التباس پیدا ہوتا ہے جو درست نہیں نیز ان کا یہ دعویٰ تب صحیح ہوگا جب ولی خرق عادت افعال دکھانے کا مدعی ہو وہ تو اس کا مدعی نہیں ہوتا اگر وہ مدعی ہے تو وہ جھوٹا نبی ہے۔ اس پر تفصیلاً بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فراست کے اقسام فراست کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم فراست ایمانیہ ہے اس کا سبب وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈالتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک مضبوط تخیل دل میں پیدا ہوتا ہے وہ دل پر یوں حملہ آور ہوتا ہے جس طرح شیر شکار پر حملہ آور ہوتا ہے اسی معنیٰ سے اشتقاق کر کے اس کا نام فراست رکھا گیا ہے اس میں قوت، ضعف ایمان کی قوت اور ضعف کے لحاظ سے ہے جس قدر کسی کا ایمان زیادہ قوی ہوگا اسی قدر اس کی فراست میں قوت ہوگی ابو سلیمان دارانی کا قول ہے فراست میں نفس کو مکاشفہ اور غیب کا معاینہ ہوتا ہے ایمان کے مدارج میں فراست کا بھی ایک مقام ہے دوسری قسم فراست کی وہ ہے جس میں ریاضت ہوتی ہے اس کے حصول کے لئے بھوکا رہنا، بیدار رہنا، خلوت اختیار کرنا اس لئے کہ جب نفس رکاوٹوں سے الگ ہوتا ہے تو جس قدر وہ رکاوٹوں سے دور ہوتا ہے اسی نسبت سے اس میں فراست اور کشف ہوتے ہیں یہ فراست ایسی ہے جو مومن، کافر دونوں میں مشترک ہے یہ فراست نہ ایمان پر دال ہے نہ ہی ولایت پر دال ہے اور نہ ہی اس سے حق بات کا کشف ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا تعلق صراط مستقیم کے ساتھ ہے اس فراست کا کشف بالکل اسی کشف کی مانند ہے جو حکمرانوں، رؤساء اطباء وغیرہ کو حاصل ہوتا ہے فراست کی تیسری قسم خلقیہ ہے اس کے بارے میں اطباء نے رسائل تالیف کئے ہیں وہ اعضاء کی خلقت سے عادات کا استدلال کرتے ہیں اس لئے کہ ان میں ارتباط موجود ہے حکمت الٰہیہ بھی اس کی متقاضی ہے جس طرح جب کسی انسان کا سر چھوٹا ہوتا ہے تو اس سے اس کی عقل کے کم ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اور اگر سر بڑا ہو تو عقل

[1] حدیث صحیح ہے پہلے گذر چکی ہے۔

کے زیادہ ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح کسی کے سینے کا وسیع ہونا اس کے خوش خلق ہونے پر دال ہے اور سینے کا تنگ ہونا بد خلق ہونے کی علامت ہے اور آنکھوں کی نظر کا کمزور ہونا اور ان کا تھکاوٹ محسوس کرنا عقل کی کمزوری نیز دل کی حرارت کی کمزوری پر دال ہے۔

(ط) علاماتِ قیامت (دجال کا خروج، عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے نزول، سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، دابۃ الارض کا اپنی جگہ سے نکلنا) پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔

(ش) عوف بن مالک اشجعی بیان کرتے ہیں کہ میں جنگ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ چمڑے کے خیمہ میں تھے آپ نے فرمایا قیامت سے پہلے چھ چیزوں کو شمار کر لیجئے میرا فوت ہو جانا، بیت المقدس کا فتح ہونا عام مرنے کی وبا جیسے بکریوں وغیرہ میں وبا پھیلتی ہے، پھر مال و دولت کا عام ہونا یہاں تک کہ ایک شخص کو سو دینار بھی دیئے گئے ہیں تو وہ پھر بھی ناراض رہی ہے، پھر عام فتنہ جس سے عرب کا ہر خاندان متاثر ہوگا، پھر تمہارے اور رومیوں کے درمیان مصالحت ہوگی لیکن رومی غدر کریں گے وہ تمہارے مقابلہ کے لئے اسی جھنڈے لے کر آئیں گے ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی۔[1]

حذیفہ بن اسید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے درآنحالیکہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے آپ نے دریافت کیا تم کس چیز کا ذکر کر رہے تھے صحابہ نے جواب دیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا قیامت ہرگز وقوع پذیر نہ ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ پاؤ آپ نے دخان یعنی دھوئیں کا ذکر فرمایا نیز دجال، دابۃ الارض سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، عیسیٰ بن مریم کا نزول، یاجوج ماجوج تین بار زمین میں دھنسنے کا ذکر فرمایا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرۃ العرب میں ہوگا اس کے آخر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ حشر کی طرف دھکیل کر لے جائے گی[2] (مسلم) نیز بخاری مسلم میں ہے الفاظ بخاری کے ہیں ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دجال کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو تم پر مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کانا نہیں آپ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ آنکھ کی طرف اشارہ کیا لیکن مسیح دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی گویا کہ اس کی آنکھ انگور کی مانند ابھری ہوئی ہوگی۔[3] نیز انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی نے اپنی قوم کو کانے دجال سے ڈرایا ہے خبردار دجال کانا ہے لیکن تمہارا خدا کانا نہیں ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں

---

[1] بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ۔ طبرانی حدیث صحیح ہے (فضائل الشام ص ۲۰ طبع المکتب الاسلامی)۔ [2] حدیث صحیح ہے۔
[3] حدیث صحیح ہے۔

کے درمیان (ک ۔ ف ۔ ر) لکھا ہوگا ایک روایت میں اس کی تفسیر کافر سے کی گئی ہے[1] نیز ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مستقبل قریب میں تم میں عیسیٰ بن مریم کا نزول عادل حکمران کی حیثیت میں ہوگا وہ صلیب توڑ دے گا، خنزیر کو قتل کرے گا، جزیہ معاف کرے گا مال عام ہو جائے گا یہاں تک کہ کوئی شخص مال لینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا[2] اس کے بعد ابوہریرہ نے کہا اگر تم پسند کرو تو اس آیت کی تلاوت کرو ارشاد خداوندی ہے:۔

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ (النساء ۱۵۹)

ترجمہ:۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔

دجال کے خروج اور عیسیٰ بن مریم کے آسمان سے نازل ہونے اور دجال کو قتل کرنے دجال کے قتل کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں یاجوج ماجوج کے نکلنے اور عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ایک ہی رات میں ان کی ہلاکت کی احادیث کثیر تعداد میں ہیں اس مختصر کتاب میں ان کو بالتفصیل ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

دابۃ الارض کے نکلنے اور سورج کا مغرب سے نکلنے کا ذکر قرآن پاک میں ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝ (النمل ۸۲)

---

[1] حدیث صحیح ہے ترمذی ۲/۲۹ (اس نے کہا حدیث حسن صحیح ہے) میں کہتا ہوں حدیث بخاری مسلم کی شرط پر ہے۔

[2] (حدیث صحیح ہے) نیز سمجھ لیجئے کہ دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں احادیث متواترہ ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے ان لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ احادیث آحاد ہیں وہ لوگ جاہل ہیں انھیں اس کا علم نہیں ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو احادیث کے طرق کا تتبع کرتا ہو اگر کوئی شخص ان احادیث کا تتبع کرے گا تو وہ ان کو متواتر پائے گا جیسا کہ اس علم کے ماہر حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس کی گواہی دی ہے اس بات پر سخت افسوس ہے کہ کچھ لوگ دیدہ دلیری کے ساتھ ایسی بات کرتے ہیں جو ان کی شان کے مناسب نہیں خاص طور پر جب دین اور عقیدہ کی بات ہو۔

ترجمہ :۔ اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بیان کر دے گا اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے۔

نیز فرمایا :۔ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝ (الانعام ۱۵۸)

ترجمہ :۔ یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں مگر جس روز تمہارے پروردگار کی نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہوگا۔ اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں۔

امام بخاری اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے قیام سے قبل سورج مغرب سے طلوع ہوگا جب لوگ اس کا مشاہدہ کریں گے تو قیامت پر ایمان لے آئیں گے یہ ایسا وقت ہوگا کہ کسی نفس کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا[1] نیز مسلم میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث محفوظ کی ہے جس کو میں کبھی فراموش نہیں کروں گا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے قیامت کی پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابۃ الارض کا نکلنا ہے ان میں سے جو نشانی پہلے ظاہر ہوئی دوسری نشانی اس کے بعد جلدی رونما ہوگی[2] اس سے مقصود وہ نشانی ہے جو غیر مانوس ہے اس لئے کہ دجال کا خروج اور عیسیٰ بن مریم کا نزول اور یاجوج ماجوج کا خروج اس سے پہلے ہو چکا ہوگا یہ تینوں نشانیاں مانوس ہیں جب کہ وہ مشاہدہ میں بشر ہیں لیکن دابۃ الارض عجیب شکل والا ہوگا اور وہ مانوس بھی نہیں ہے نیز اس کا لوگوں سے مخاطب ہونا اور لوگوں کو ایمان یا کفر کی علامت لگانا مألوف عادت سے

---

[1] حدیث صحیح ہے۔ [2] حدیث صحیح ہے۔

خارج ہے چنانچہ زمینی نشانیوں میں سے پہلی نشانی دابۃ الارض کا نکلنا ہے اور سورج کا اپنی عادت مستمرہ کے خلاف مغرب سے طلوع ہونا پہلی آسمانی نشانی ہے علامات قیامت کے موضوع پر الگ کتابیں تالیف ہو چکی ہیں جن میں تفصیل کے ساتھ ان احادیث کا ذکر ہے یہ مختصر کتاب تفصیل کی حامل نہیں ہو سکتی ۔

(ط) ہم کسی کاہن اور عراف کی تصدیق نہیں کرتے ہیں اور نہ اس شخص کی تصدیق کرتے ہیں جو کتاب وسنت اور اجماع امت کے خلاف کسی بات کا مدعی ہے ۔

(ش) صفیہ بنت ابی علبید ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے روایت کرتی ہیں انھوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عراف کے پاس گیا اس نے غیب کی باتیں دریافت کیں چالیس رات تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی[1] نیز ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس کی باتوں کو سچا جانا اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے بعض علماء کے نزدیک نجومی عراف کے نام میں داخل ہے جب کہ بعض دیگر علماء کے نزدیک دونوں مترادف ہیں جب عراف سے دریافت کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے تو جس سے دریافت کیا گیا وہ کس وعید کا مستحق ہوگا[2] ۔

نیز حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا وہ لاشئ ہیں انھوں نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! کبھی وہ سچی بات کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان سچی بات کو اخذ کرتا ہے اور اپنے دوست کاہن کے کان میں ڈالتا ہے کاہن اس میں جھوٹ موٹ ملاتے ہیں[3] ۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُتّے کی قیمت، طوائف کا مہر، کاہن کی شیرینی سب خبیث ہیں[4] وہ آمدنی بھی اسی میں داخل ہے جو نجومی لیتا ہے یا قسمت آزمائی کرنے والا تیروں والا لیتا ہے (تیروں پر مختلف جملے تحریر کئے ہوتے ہیں) اسی طرح کنکر چلانے والا اور زمین پر لکیریں کھینچنے والا جو کچھ وصول کرتا ہے تمام حرام آمدنی ہے اس کی حرمت پر کثیر علماء کا اجماع ہے ان میں امام بغوی قاضی عیاض بھی ہیں ۔ نیز بخاری مسلم میں زید بن خالد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت بارش کے بعد حدیبیہ میں خطبہ دیا آپ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے آج رات کیا کہا ہے؟

---

[1] صحیح مسلم (مسند احمد، حدیث صحیح ہے، [2] المستدرک ۲، مسند احمد [3] بخاری، مسلم، مسند احمد، حدیث صحیح ہے [4] المستدرک ۲)

ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بعض مجھ پر ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا جس شخص نے کہا اللہ کے فضل و کرم سے ہم پر بارش ہوئی ہے اس کا مجھ پر ایمان ہے اور ستاروں کے ساتھ اس کا کفر ہے اور جس شخص نے کہا فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے بارش ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔[1] نیز ابو مالک اشعری بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جن کو وہ ترک نہیں کریں گے خاندانی فخر، خاندانوں پر طعن و تشنیع ستاروں سے بارش طلب کرنا، نوحہ گری کرنا[2] ان سے روکنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تمام آئمہ سے احادیث اقوال کثرت کے ساتھ موجود ہیں اس کتاب میں ان کا احاطہ ممکن نہیں علم نجوم جس کا موضوع اثرات ڈالنا ہے یعنی احوال خلکی سے احوال ارضی پر استدلال کیا جاتا ہے کتاب و سنت کی روشنی میں اس علم کو پڑھنا معلوم کرنا حرام ہے بلکہ تمام پیغمبروں نے اس کو حرام قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ (طٰہٰ ۹) اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا۔

نیز فرمایا:۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ (النساء، ۵۱)

ترجمہ:۔ بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا ہے جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب نے کہا ہے کہ جبت سے مراد جادو ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ابو بکر کا ایک غلام کمائی کرتا ابو بکر اس کی کمائی کھاتے تھے وہ ایک روز ایک چیز لایا ابو بکر نے اسے تناول کیا غلام نے کہا تجھے معلوم ہے یہ کہاں سے تھی ابو بکر نے دریافت کیا کہاں سے تھی اس نے بیان کیا میں نے جاہلیت میں ایک شخص کے لئے کہانت کی حالانکہ میں علم کہانت سے اچھی طرح واقف نہ تھا دراصل میں نے اس کو فریب دیا تھا آج وہ مجھے ملا تو اس نے مجھے عطیہ دیا آپ نے اس سے کھایا ہے چنانچہ ابو بکر نے اپنا ہاتھ منہ میں ڈالا اور قے کر دی۔[3]

حاکم وقت اور جس شخص کو بھی قدرت حاصل ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نجومیوں اور کاہنوں، عرافین وغیرہ کسی طریق سے مستقبل کی خبریں دینے والوں کا قلع قمع کرے انھیں

---

[1] حدیث صحیح ہے [2] صحیح مسلم، مسند احمد، [3] حدیث صحیح ہے۔

دکانوں عام شاہراہوں اور پارکوں میں نہ بیٹھنے دیا جائے نہ ہی انھیں لوگوں کے گھروں میں عام داخلے کی اجازت دی جائے کمزور عقیدہ لوگوں کو گمراہ کریں گے اور جو شخص ان کاموں کو حرام جانتا ہے اور باوجود قدرت کے ان کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرتا اس کے لئے اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان کافی ہے :-

کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (المائدہ ۷۹)

ترجمہ :- وہ منکر کاموں کے کرنے سے رکتے نہیں تھے ان کے افعال بُرے تھے۔

تمام مسلمان متفق ہیں کہ یہ ملعون لوگ گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں حرام مال کھا رہے ہیں نیز سنن کتابوں میں مذکور ہے ابو بکر صدیق روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ منکر کام دیکھیں اور اس کو تبدیل نہ کریں جلد ہی ان سب پر اللہ کا عذاب آجائے گا۔[1]

اس قماش کے لوگ جن کے افعال کتاب وسنت کے مخالف ہیں کئی قسم کے ہیں کچھ وہ لوگ ہیں جو مکر وفریب کے ذریعہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں عمدًا جھوٹ بولتے ہیں تلبیسات کا جال پھیلا کر لوگوں کو پھاندتے ہیں ظاہر یہ کرتے ہیں کہ کوئی جن ان کے تابع ہے تصنع کے ساتھ فقیروں والی گودڑی زیب تن رکھتے ہیں جذب مستی کی کیفیت ظاہر کرکے غیب کی خبریں دیتے ہیں یہ لوگ اس لائق ہیں کہ انھیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ ان کی قماش کے تمام لوگ دجل وتلبیس سے باز آجائیں ان میں بعض اوقات ایسے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو خوش فہمی میں مبتلا ہو کر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں جھوٹ بولنے سے ذرا شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ شریعت میں تحریف کرنے سے بھی نہیں ڈرتے اس قسم کے لوگ تو یقینًا اس لائق ہیں کہ انھیں قتل کر دیا جائے اور کچھ لوگ علم جادو کے ذریعہ اپنی دکان چمکاتے ہیں باطل تخیلات کو حقیقت کا نام دے کر پیش کرتے ہیں جمہور علماء کے مسلک کے مطابق جادوگروں کو قتل کرنا ضروری ہے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، کا یہی مذہب ہے بعض صحابہ جیسے عمرؓ، ابن عمرؓ، عثمانؓ وغیرہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے پھر اس میں اختلاف ہے کیا اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور کیا وہ جادو کرنے سے کافر ہو جاتا ہے ؟ یا کیا چونکہ وہ فساد فی الارض کا مرتکب ہو رہا ہے اس لئے اس کو قتل کر دیا جائے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اگر اس نے جادو کے ساتھ کسی کو قتل کیا ہے تو اسے بھی قتل کیا جائے وگرنہ قتل سے کم کوئی سزا دی جائے اگر اس کے قول اور عمل میں کفر کی آمیزش نہیں ہے یہ قول امام شافعیؒ

[1] حدیث صحیح ہے مشکوٰۃ ۵۱۴۲)

کا ہے امام ابوحنیفہؒ کا بھی ایک قول یہی ہے

جادو کی حقیقت اور اس کی اقسام | جادو کی حقیقت اور اس کی اقسام میں اختلاف کرتے ہیں اکثر علماء کہتے ہیں جادو سے مسحور کی موت اور بیماری میں اضافہ ہو سکتا ہے جب کہ ظاہر میں کوئی سبب نظر نہیں آتا بعض نے اس کو محض تخیل قرار دیا ہے لیکن اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ وہ جادو جس میں سات ستاروں یا دیگر ستاروں کو پکارا جاتا ہے یا ان سے مخاطب ہوا جاتا ہے یا ان کو مسجود بنایا جاتا ہے ۔ اور ان کی مناسبت کا لباس، انگوٹھی خوشبو وغیرہ استعمال میں لایا جاتا ہے تو اس کے کفر ہونے میں کچھ شک نہیں یہ تو شرک کا باب اعظم ہے جس کو مقفل کرنا بلکہ ختم کرنا ضروری ہے جادوگروں کا یہ فعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے فعل کے مشابہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۔ (الصافات ۸۸ - ۸۹)

ترجمہ تب انھوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں ۔

نیز فرمایا:۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۔ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۔ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۔ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۔ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ (الانعام ۷۸ - ۸۳)

ترجمہ:۔ (یعنی) جب رات نے ان کو (پردہ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارہ نظر پڑا تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے اور جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے مجھے تو غیب ہو جانے والے پسند نہیں پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک

رہا ہے کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو کہنے لگے اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ میرا پروردگار یہ ہے یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں تو ان سے بیزار ہوں میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انھوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو (اس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہوں ہاں میرا پروردگار جو کچھ چاہے میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے کیا تم خیال نہیں کرتے ہو بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیوں کر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے ہو کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اب دونوں فریق میں سے کونسا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر سمجھ رکھتے ہو تو (بتاؤ) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے محفوظ نہیں کیا ان کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

تمام اس پر متفق ہیں کہ ہر دم، تعویذ، قسم وغیرہ جس میں شرک کی آمیزش ہو اس کو زبان پر لانا درست نہیں اگرچہ وہ کلمات اتنے مؤثر کیوں نہ ہوں کہ ان کے پڑھنے سے جن وغیرہ بھی مطیع ہو جاتے ہوں اسی طرح وہ کلمات جن میں کفر ہو وہ بھی زبان پر نہ لائے جائیں اسی طرح وہ کلمات جن کا معنیٰ معلوم نہ ہو ان کو بھی زبان پر نہ لائے ممکن ہے کہ ان میں شرکیہ کلمات ہوں جن کا علم نہ ہو اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلمات کے ساتھ دم کرنے میں کچھ حرج نہیں اگر ان میں شرکیہ کلمات نہ ہوں نیز جنوں کی پناہ لینا بھی جائز نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے اس فعل کی وجہ سے مذموم قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا. (الجن ۶)

ترجمہ:۔ اور کچھ آدمی جنوں کے مردوں سے پناہ لیا کرتے تھے سو انھوں نے ان کی سرکشی بڑھا دی۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ جب کوئی شخص کسی وادی میں اترتا تو وہ کہتا کہ میں اس وادی کے عظیم جن کی پناہ میں آتا ہوں اس طرح وہ صبح تک امن وسکون کے ساتھ رہتا انسانوں کے اس انداز نے جنوں کو مزید مغرور بنادیا ان کی دلیری، سرکشی میں اضافہ ہوگیا اور انھوں نے برملا کہا کہ ہم تمام انسانوں پر غالب ہیں اور ان پر ہماری سرداری ہے انسانوں کی سہل انگاری نے جنوں کو شوریدہ سر بنادیا اور ان کے کفر میں اضافہ ہوگیا ارشاد خداوندی ہے:-

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿سبا - ۴۰ - ۴۱﴾

ترجمہ:- اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ یہ بلکہ یہ جنات کو پوجا کرتے تھے اور اکثر ان ہی کو مانتے تھے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے تھے کہ وہ فرشتوں کو پکارتے ہیں اور وہ ان سے مخاطب ہوتے ہیں حالانکہ ان پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے ان کے گمراہ ہونے میں کچھ شک نہیں ارشاد خداوندی ہے:-

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿الانعام ۱۲۸﴾

ترجمہ:- اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کئے ہیں تو جو انسانوں میں ان کے دوستدار ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا خدا فرمائے گا (اب) تمھارا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے تم ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے مگر جو خدا چاہے بے شک تمھارا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے۔

معلوم ہوا انسان جنوں سے کام لیتے ہیں چنانچہ جن ان کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں ان کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں انھیں غیب کی خبریں بتاتے ہیں اس طرح انسان جنوں کی تعظیم کرتے ہیں ان سے استعانت لیتے ہیں ان سے فریادرسی چاہتے ہیں ان کے سامنے اپنے آپ کو نیچا دکھاتے ہیں۔

رجال غیب | جنوں کی ایک قسم ہے جو اپنے آپ کو اولیاء اللہ سمجھتے ہیں محیر العقول کارناموں کے مدعی ہوتے ہیں لیکن درحقیقت اہل شرک کے ساتھ معاونت رکھتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی مخالفت کر کے اہل شرک کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں بظاہر کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اس لئے رسول (صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ شعبدہ باز بزعم خویش کشف کے مدعی ہیں۔ ان کے بارے میں اہل علم کے تین گروہ ہیں ایک گروہ تو ان کے وجود کا انکار کرتا ہے لیکن چونکہ بعض لوگوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے یا بعض ثقہ قسم کے لوگ بتاتے ہیں کہ رجال غیب کو دیکھا گیا ہے اور جب لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے سامنے خشوع خضوع کرتے ہیں اس بنا پر ان کے وجود کو تسلیم بھی کیا گیا ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ باطن میں انبیاء کے بتاتے ہوئے راستہ کے متبادل بھی ایک راستہ ہے اور یہ راستہ رجال غیب کا ہے تیسرا گروہ کہتا ہے کہ کوئی ولی صاحب طریقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے باہر نہیں ہے ان کے ہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قابل تعظیم ہیں وہاں یہ بھی دین اسلام کے اساطین ہیں دراصل یہ لوگ دین اسلام سے ناواقف ہیں اگرچہ رسول اکرم کی تعظیم کرتے ہیں جب کہ وہ مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں گروہوں کے معاون ہیں دونوں گروہوں سے مراد اہل شریعت اور اہل طریقت ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ شیاطین کے پیروکار ہیں اور رجال غیب سے مراد جن ہیں اور ان کو رجال غیب کے نام کے ساتھ موسوم اس لئے کیا گیا ہے کہ قرآن پاک میں بھی جنوں کو رجال کہا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے :-

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا۝ (الجن ۶)

ترجمہ :- اور یہ کہ بعض بنی آدم بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔

ہم نے ان کو جن اس لئے کہا ہے کہ جن دکھائی نہیں دیتے اور انسان تو دکھائی دیتے ہیں اگرچہ کبھی وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں ان کا ہمیشہ نظروں سے اوجھل رہنا ممکن نہیں اور جن لوگوں نے رجال غیب کو انسانوں سے شمار کیا ہے انھوں نے غلط کیا ہے اس غلط فہمی یا گمراہی اور تین گروہوں میں اہل علم کے منقسم ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اولیاء الرحمان

اور اولیاء الشیطان میں فرق نہیں کر پاتے ہیں ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل طریقت جو کچھ کرتے ہیں انھیں کرنے دیا جائے ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے ان کی یہ بات باطل ہے صحیح بات یہ ہے کہ ان کے اقوال، افعال کو شریعت محمدیہ پر پیش کیا جائے ان کی جو باتیں اور کیفیتیں شریعت محمدیہ کے موافق ہوں انھیں قبول کیا جائے اور جو مخالف ہوں انھیں رد کر دیا جائے ارشاد نبوی ہے ا جو شخص ایسا عمل کرتا ہے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے وہ عمل مردود ہے[1]

دوسری روایت میں ہے جو شخص ہمارے دین اسلام میں ایسی چیز لاتا ہے جو دین اسلام سے نہیں ہے تو اس کو رد کر دیا جائے گا پس سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے کوئی طریقہ نہیں اور آپ کی بیان کردہ حقیقت کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں اور آپ کی شریعت کے علاوہ کوئی شریعت نہیں اور آپ کے عقیدہ کے علاوہ کوئی عقیدہ نہیں آپ کے بعد کوئی شخص اللہ کی رضا، جنت کا استحقاق حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ ظاہری اور باطنی طور پر آپ کی متابعت نہ کرے اور جو شخص آپ کی بیان کردہ احادیث کی تصدیق نہیں کرتا آپ کے بتائے ہوئے احکام خواہ وہ باطنی اعمال ہوں جن کا دل کے ساتھ تعلق ہے یا ظاہری ہوں جن کا بدن کے ساتھ تعلق ہے، کی اطاعت کا التزام نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو ولی اللہ کہا جائے اگر چہ وہ فضاؤں میں اڑ رہا ہے، پانی پر چلتا دکھائی دیتا ہے اور خزانہ غیب سے خرچ کر رہا ہے - اور اگر خالی گریبان سے سونا نکال کر پیش کر رہا ہے اس سے کبھی مستزاد کہ وہ ہر قسم کے خوارق کا اظہار کر رہا ہے جب تک وہ ماموارت پر عمل نہیں کرتا اور محظورات سے رکتا نہیں اس کے ان احوال کو شیطانی کرشموں کا نام دیا جائے گا جن کے ظہور سے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو گا اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا مستحق ہو گا البتہ جو لوگ ابھی مکلف نہیں ہیں بچے ہیں یا پاگل ہیں وہ مرفوع القلم ہیں وہ سزا کے مستحق نہیں ہیں اگر چہ ظاہراً اور باطناً ان میں ایمان باللہ اور اقرار نہیں ہے جس سے وہ مقربین اولیاء اللہ اور فلاح پانے والوں کی فہرست میں شمار کئے جائیں ہاں اس قسم کے لوگ اپنے باپ دادوں کے بالتبع اسلام میں داخل سمجھے جائیں گے ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿الطور ۲۱﴾

---

[1] بخاری، مسلم بروایت حضرت عائشہ رضہ ۔

ترجمہ:۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔

بعض پاگل قسم کے لوگوں کو اولیاء اللہ سمجھنا | جو شخص کسی بدمست پاگل کمزور عقل والے انسان کے بارے میں (جب کہ وہ اقوال۔ افعال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت نہیں کرتا) عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کا ولی ہے اور اس کو ان لوگوں پر تفوق عطا کرے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہیں تو وہ انسان بدعتی ہے گمراہ ہے اس کا عقیدہ خراب ہے اس قسم کا بے وقوف پاگل انسان یا تو شیطان زندیق ہے یا بظاہر متصوف ہے اور بباطن فاسق اور مکار یا وہ دیوانہ ہے اور معذور ہے ایسے شخص کو اولیاء اللہ پر کس طرح برتری دی جا سکتی ہے (جو رسول اکرم کی اتباع کرنے والے ہیں) یا ان کے برابر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ وہ بباطن اتباع کرنے والا ہے اور ظاہراً اتباع ترک کرنے والا ہے جب کہ ظاہراً اور باطناً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔

یونس بن عبد الاعلیٰ صوفی کا قول | بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو بتایا کہ ہمارے استاذ لیث کہتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو پانی پر چلتے ہوئے دیکھو تو دھوکے میں نہ آؤ، بلکہ اس کا معاملہ کتاب وسنت پر پیش کرو اس پر امام شافعی نے فرمایا لیث نے کمزور بات کہی ہے میں کہتا ہوں کہ جب تم کسی شخص کو پانی پر چلتے ہوئے ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھو تو کسی دھوکے میں نہ آؤ بلکہ اس کا معاملہ کتاب اللہ پر پیش کرو۔

البتہ کچھ لوگ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ میں نے جنت میں کمزور عقل والوں کو زیادہ تعداد میں پایا) اس حدیث[1] کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں ہے

---

[1] حدیث ضعیف ہے اس حدیث کو ابوبکر کلاباذی نے مفتاح المعانی ق ۵/۲، ۲/۱ اور ابن عساکر نے ۱۲/۱۴۵/۲ پر ذکر کیا اور بیان کیا کہ ابن شاہین کا قول ہے کہ اس حدیث میں مصعب بن ماھان منفرد ہے میں کہتا ہوں وہ سچا ہے لیکن زیادہ غلطی کرنے والا ہے (کمافی التقریب) میں کہتا ہوں اس تک سند میں احمد بن عیسیٰ خشاب کے بارے میں ابن عدی نے کہا اس نے منکر روایات کی ہیں پھر اس حدیث کو ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ باطل ہے نیز اس حدیث کو ابن عدی ق ۱۶۹/۲ اور اس کے علاوہ نے بھی اس حدیث کو انس بن مالک سے مرفوعاً ذکر کیا اور کہا یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ منکر ہے اس حدیث کو سلامہ بن روح کے علاوہ کسی نے ذکر نہیں کیا
(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

ظاہر ہے کہ جنت عقل والوں کے لئے پیدا کی گئی ہے جن کو ان کی عقلوں نے اللہ فرشتوں پر ایمان نیز منزل من اللہ کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان کی راہ نمائی کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے اوصاف اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں لیکن ان میں اس وصف کا ذکر نہیں کہ اہل جنت کمزور عقل والے ہوں گے البتہ آپ نے فرمایا میں نے جنت میں کثرت کے ساتھ فقراء کو پایا کمزور عقل والوں کا آپ نے ذکر نہیں کیا[1]۔

<u>باطنیہ ملامتیہ فرقے کا ذکر</u> یہ وہ لوگ ہیں جو قابل ملامت کام کرتے ہیں اور مدعی ہیں کہ ہم باطن اتباع کرنے والے ریاکاری سے بچاؤ کے لئے ظاہرًا اتباع سے گریز کرتے ہیں یہ لوگ صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں اس طرح وہ لوگ جو قوالی اور عمدہ گانے سن کر وجد میں آجاتے ہیں ان پر

(بقیہ حاشیہ)
اور وہ ضعیف ہے اس کا حافظہ غلط ہوگیا تھا نیز ابو موسیٰ مدینی کے نزدیک (اللطائف ق ۵،۷/۱) میں اس کی متابعت سفیان بن عیینہ نے کی ہے ساتھ ہی کہا ہے کہ ابن عیینہ کی زہری سے حدیث غریب ہے البتہ سلام بن روح کی روایت معروف ہے نیز یہ حدیث دو طریقے سے مرسل بھی آتی ہے پہلا طریق محمد بن منکدر سے ہے معافی بن عمران (الزھد ق/۴۹۲/۱) پر کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابی حمید مدنی نے محمد بن منکدر سے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا خیال رہے یہ مدنی راوی ضعیف ہے جیسا کہ تقریب میں ہے اور دوسرا طریق عمر بن عبدالعزیز سے مرسل مرفوع ہے اس میں اضافہ ہے کہ (اعلیٰ علیین عقل والوں کے لئے ہے) اس کو عبدالوھاب کلابی نے حدیث ق ۱۴۲/۲) میں سند کے ساتھ عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز عن ابیہ سے روایت کیا ہے عبدالعزیز راوی سچا ہے لیکن خطا کر جاتا ہے کما فی التقریب۔ نیز اس میں ایسے رواۃ بھی ہیں جن کے حالات سے میں باخبر نہیں ہوسکا نیز اس روایت سے اس شخص کا رد ہو رہا ہے جس کا قول ہے کہ اس زیادتی کا اصل موجود نہیں ہے اور یہ زیادتی مدرج ہے احمد بن ابی الحواری نے اس کو مدرج کیا جب کہ احمد کا اس حدیث میں ذکر ہی نہیں ہے میں نے اس حدیث پر بحث کو طویل کر دیا ہے اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا کہ شیخ احمد شاکر نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا کچھ اصل نہیں حالانکہ میں نے کسی عالم کو نہیں پایا کہ جس نے کسی حدیث کے بارے میں یہ کہا ہو البتہ زیادتی کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا ہے لیکن محدثین کی اصطلاح میں یہ [illegible] کہا گیا (کہ جس حدیث کی ایک یا ایک سے زیادہ اسانید ہوں اگرچہ ضعیف ہوں) کہ اس کا اصل نہیں ہے۔

[1] (ماخوذ هذا بنه مسلم من حديث ابن عباس والبخاري عن عمران (الاحاديث الضعيفة ۱۰۰ ۲۸

سے بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے بدعتی اور گمراہ ہیں جب کہ شریعت کا ہرگز یہ مطالبہ نہیں ہے کہ انسان کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے اس کی عقل زائل ہو جائے صحابہ تابعین میں کوئی بھی ایسا نہ تھا اس قسم کے اعمال کا مرتکب ہونے والے خواہ وہ قرآن ہی کیوں نہ سن رہے ہوں اس حال میں بھی ان پر بے ہوشی طاری نہیں ہوتی قرآن پاک سننے سے ان کی جو کیفیت ہوتی تھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔

إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ (الانفال ۲)

ترجمہ:۔ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ ذَٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (الزمر ۲۳)

ترجمہ:۔ خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی ہیں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہو کر) خدا کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں یہی خدا کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

البتہ جن کمزور عقل دیوانوں کا تذکرہ علماء نے خیر کے ساتھ کیا ہے دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو عقل والے تھے اور نیک تھے بعد ازاں ان کی عقل زائل ہو گئی ان کے نیک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جب بھی وہ ہوش میں آئے اور دیوانگی کا غلبہ کم ہوا تو انھوں نے ایمان باللہ کا ذکر کیا اور عقل زائل ہونے کی صورت میں بھی راہ ہدایت کے طالب رہے ان کے خلاف جو لوگ حالت کفر میں عقل سے محروم ہو گئے تو ان کے جنون نے ان کے کفر کو زائل نہیں کیا ہے وہ بحالت ہوش تھا اب بھی ہے لیکن جو شخص ایماندار اور متقی ہے اگر اس پر جنون طاری ہوا ہے تو وہ پہلے کی طرح

ایماندار ہے اور قیامت کے دن ایماندار پرہیزگاروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا مقصود یہ ہے کہ جنون وغیرہ کے طاری ہونے سے عقل کا زائل ہونا اس کے خیر و شر کو تبدیل نہیں کر سکتا بلکہ اگر وہ اس سے قبل نیک ہو تو اس کو نیک سمجھا جائے گا اور اگر برا ہے تو اس کو برا سمجھا جائے گا اس سے ہرگز تبدیلی یا کمی بیشی نہیں ہو گی البتہ جنون طاری ہونے سے نیکی میں مزید اضافہ نہ ہو گا جیسا کہ کسی برے کام پر سزا دینے سے وہ اس سے رکے گا نہیں اور نہ اس سے پہلے کئے ہوئے گناہ محو ہوں گے۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض کمزور عقل والے دیوانے قسم کے لوگ طربیہ گیتوں کو سن کر وجد میں آجاتے ہیں نعرہ بازی شروع کر دیتے ہیں اور اپنی مادری زبان کے علاوہ مختلف زبانوں میں بولنا شروع کر دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی زبان پر شیطان بولتا ہے جیسا کہ وہ شخص جس میں جن داخل ہو جائے وہ بے ہوشی کے عالم میں باتیں کرتا ہے دراصل وہ جن بول رہا ہوتا ہے ان لوگوں کے یہ تمام احوال شیطانی ہیں بھلا یہ کیسے درست ہے کہ عقل کا زائل ہونا اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے یہ نظریہ تو گمراہ لوگوں کا ہے ان کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے

سے هم معشر حلوا النظام وخرقوا السياج فلا فرض لديهم ولا نفل

مجانين الا ان سر جنونهم عزيز على ابوابه ان يسجد العقل

ترجمہ :۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کے نظام کے تار و پود کو بکھیر دیا ہے اور شرعی حدود کو پھاڑ ڈالا ہے فرض نفل کی اصطلاح ان کے ہاں کچھ نہیں یہ تو دیوانے ہیں البتہ ان کی دیوانگی کا راز اتنا بلند ہے کہ عقل اس کے دروازہ پر سجدہ کناں ہے۔

یہ اشعار کسی گمراہ بلکہ کافر انسان کے ہیں جس کا خیال ہے کہ دیوانگی میں ایک ایسا راز مخفی ہے کہ عقل کے لئے بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہے دراصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض دیوانوں میں کشف، خرق عادت، عجیب و غریب تصرف کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں حالانکہ ان واقعات کا سبب ان کے ساتھ شیاطین کا مقارن ہونا ہے جیسا کہ جادوگروں اور کاہنوں کے ساتھ شیاطین مقارن ہوتے ہیں گمراہ قسم کے لوگ ان کے محیر العقول کرشموں کو دیکھ کر انھیں ولی اللہ سمجھنے لگ جاتے ہیں حالانکہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہے وہ کافر ہے ارشاد خداوندی ہے :۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (الشعراء ۲۲۱)

ترجمہ:- (اچھا) میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔

اور جن لوگوں کے پاس شیطان کا آنا جانا ہوتا ہے ان کی باتیں جھوٹی اور ان کے افعال فسق و فجور والے ہوتے ہیں کچھ لوگ جسمانی ریاضتیں اختیار کرتے ہیں جنگلوں میں رہتے ہیں باجماعت نمازیں ادا نہیں کرتے بلکہ جمعہ کی نماز میں بھی شامل نہیں ہوتے اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا تقرب حاصل ہے لوگ بھی ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی کوششیں اکارت گئیں بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ نیک اعمال کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مہر زدہ کر دیا ہے صحیح حدیث میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے بلا عذر سستی دکھاتے ہوئے تین جمعہ ترک کر دیئے اللہ نے اس کے دل پر مہر لگا دی [1]۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا اگر وہ اہل علم سے ہے تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے بصورت دیگر وہ گمراہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ہر نماز میں سیدھے راہ کی ہدایت کی دعا کریں ایسے انسانوں کا راہ جن پر اللہ کے انعامات ہیں جیسے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں ان کی رفاقت بہت بہتر ہے ان پر نہ تو اللہ کی ناراضگی ہے اور نہ ہی یہ لوگ گمراہ ہیں۔

کیا علم لدنی کی موجودگی میں وحی کی ضرورت نہیں؟ بعض لوگ جو توفیق الٰہی سے محروم ہیں وہ برملا اعلان کرتے ہیں کہ علم لدنی کی موجودگی میں ہمیں وحی کی ضرورت نہیں یہ لوگ ملحد بددین ہیں یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مابین ہونے والے واقعات سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی جانب مبعوث نہ تھے اور نہ ہی حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی متابعت کا حکم دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا آپ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث موسیٰ علیہ السلام ہیں تو انھوں نے اثبات میں جواب دیا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام جن و انس کی جانب مبعوث تھے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی پیروی فرماتے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول ہوگا تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[1] حدیث صحیح ہے البتہ بخاری، مسلم میں نہیں ہے ابوداؤد، نسائی، احمد وغیرہ نے روایت کیا حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا لیکن وہم ہے البتہ حدیث کی سند حسن ہے ترغیب وغیرہ میں اس کے شواہد موجود ہیں۔

کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور اگر کسی شخص کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی کیفیت کے ساتھ ہوں گے جس کیفیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام تھے یا امت محمدیہ میں سے کسی کو اسکی اجازت دے تو اسے اپنے اسلام کی تجدید کی ضرورت ہے اور کلمہ حق کی شہادت لوٹائے وہ بالکل دین اسلام سے خارج ہو گیا چہ جائیکہ اسے اولیاء اللہ سے شمار کیا جائے۔ بلکہ وہ تو اولیاء الشیطن سے ہے ضرورت ہے کہ ملحد زندیق قسم کے لوگوں اور اہل استقامت میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ کعبہ مکرمہ بعض لوگوں کا طواف کرتا ہے جہاں بھی وہ ہوتے ہیں ہم ان سے استفسار کرتے ہیں کہ کعبہ مکرمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کیوں نہ کیا جب آپ حدیبیہ مقام پر محصور ہو گئے تھے اور آپ محبت بھری نظروں سے کعبہ کی طرف دیکھ رہے تھے دراصل یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جن کا بیان ذکر کرتے ہوئے فرمایا

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً [1]

(ط) ہم جماعت کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں اور اس سے جدا ہونے کو ٹیڑھا پن اور عذاب گردانتے ہیں (ش) ارشاد خداوندی ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [2]

اور اللہ کی رسی یعنی قرآن کو تمام مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور فرقے فرقے نہ ہو۔ نیز فرمایا

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [3] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور احکام بینہ آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف و) اختلاف کرنے لگے یہ وہ لوگ ہیں جن کو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا

نیز فرمایا

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ [4] بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کوئی کام نہیں ان کا کام خدا کے حوالے۔ پھر جو جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو (سب) بتائے گا۔

[1] المدثر ۵۲ [2] آل عمران ۱۰۳ [3] آل عمران ۱۰۵ [4] الانعام ۱۶۰

نیز فرمایا۔ وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ (ھود ۱۱۸)

ترجمہ:۔ وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر تمھارا پروردگار رحم کرے۔

اس آیت میں اہل رحمت کو اختلاف سے مستثنیٰ قرار دیا ہے نیز فرمایا:۔

ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتَابِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ (البقرہ ۱۷۶)

ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ خدا نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آکر نیکی سے) دور (ہو گئے) ہیں۔

قبل ازیں ارشاد نبوی گذر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی سوائے ایک کے تمام اپنی اپنی خواہشات کا اتباع کرنے والے دوزخ میں ہیں ایک سے مراد الجماعت ہے[1] ایک روایت میں ہے صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں اس حدیث سے وضاحت ہو رہی ہے کہ سوائے اہل سنت والجماعت کے اکثر اختلاف کرنے والے تباہ و برباد ہونے والے ہیں نیز اختلاف کے بغیر چارہ نہیں نیز امام احمد حضرت معاذ بن جبل سے حدیث لاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے وہ دور رہنے والی اور کنارے والی بکری کو پکڑتا ہے پس تم اپنے کو گھاٹیوں سے محفوظ کرو اور جماعت عوام مسجد کو لازم پکڑو[2] نیز بخاری مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا قول

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ (الانعام ۶۵)

ترجمہ:۔ کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تیری ذات کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں فرمایا:۔

اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (الانعام ۶۵)

---

[1] صحیح ہے ابو داؤد وغیرہ قبل ازیں بھی یہ حدیث گذر چکی ہے البتہ بعد میں ذکر ہونے والی حدیث میں ضعف ہے

[2] صحیح الاسناد ہے لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو کیسے صحیح کہہ دیا۔ حالانکہ اس کی سند ضعیف ہے دیکھئے (تخریج المشکوٰۃ ۱۸۴) (احادیث ضعیفہ ۳۰۱۶)

ترجمہ: یا تمہیں فرقہ فرقہ کردے اور ایک کو دوسرے سے لڑا کر آپس کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔

آپ نے فرمایا یہ دونوں عذاب معمولی ہیں۔ معلوم ہوا کہ امت محمدیہ کا فرقوں میں تقسیم ہوجانا اور ایک دوسرے کے مزاحم ہونا ضروری ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت سے برات کا اظہار بھی فرمایا ہے چنانچہ دور جاہلیت میں بھی وہ مختلف فرقوں میں تھے یہی وجہ ہے کہ امام زہری فرماتے ہیں جب امت میں اختلاف رونما ہوا تو صحابہ کرام کثرت کے ساتھ موجود تھے ان سب نے اس بات پر اجماع کیا کہ قرآن پاک کی کسی آیت کی تاویل کرتے ہوئے اختلاف کی وجہ سے جو خون بہایا مال ضائع ہوا یا زخم پہنچا اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا گویا کہ اس اختلاف کو دور جاہلیت کے اختلاف پر محمول کیا جائے۔

نیز امام مالک بالاسناد حضرت عائشہ سے بیان کرتے ہیں وہ کہا کرتی تھیں کہ لوگوں نے اس آیت پر عمل نہ کیا تو فتنہ کھڑا ہوگیا۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات ۹)

ترجمہ: اور اگر مومنوں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع لائے۔

وہ فرماتی ہیں جب مسلمانوں میں جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو ان کے درمیان اصلاح ضروری تھی جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا لیکن جب اس پر عمل نہ کیا گیا تو فتنوں نے سر نکالا اور دور جاہلیت عود کر آیا اور نزاع بڑھتا چلا گیا۔

امت کا اختلاف اور اس کا حل امت کے اصول و فروع دونوں میں اختلاف ہے اگر اختلاف کے حل کے لئے اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رد نہ کیا جائے تو راہ حق کا پتہ نہیں چل سکتا اور اختلاف کرنے والے بھی کسی واضح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے یقیناً صحابہ کرام میں اختلاف برداشت کرتے تھے اپنے مخالفین پر بغاوت کا الزام نہیں لگاتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف موجود تھا لیکن آپس میں شکر رنجی نہ تھی اور نہ ہی ایک دوسرے پر برہم ہو کر طعن و تشنیع کا بازار گرم رکھتے بلکہ باہم مروت اور ہمدردی

لہ حدیث صحیح ہے

سے رہتے اگر ان میں محبت، ہمدردی موجود نہ ہوتی تو ان میں مذموم اختلاف رونما ہو جاتا اور نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے بلکہ باہم دست وگریباں ہوتے قتل وضرب کا بازار گرم رکھتے جیسا کہ مسئلہ خلق قرآن میں اس بدعت کے ایجاد کرنے والے لوگ اس حد تک اختلاف کرتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو کافر کہتے ہیں ان کے حقوق کے پامال کرنے اور انھیں جیل میں ڈالنے اور پابند سلاسل کرنے کے فتوے دیتے ہیں۔

دین اسلام کی کچھ باتیں اگر سمجھ میں نہ آئیں تو جو لوگ غور وفکر کے بعد جس نتیجہ پر پہنچیں اس پر عمل پیرا رہیں اور اپنے مخالفین پر ظلم وتعدی نہ کریں انھیں مورد ملامت نہ بنائیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن میں اعتدال ہے لیکن اپنے مخالفین پر زیادتی کرنے والے ظالم ہیں جب کہ ان میں اکثر ایسے ہوتے ہیں جو جان بوجھ کر ان پر زیادتی کرتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (آل عمران ۱۹)

ترجمہ:۔ اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا ہے تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا۔

وگرنہ اگر وہ راہ اعتدال اختیار کرتے تو اپنے مخالفین پر کفر وفسق کے فتوے نہ لگاتے۔

مقلدین آئمہ علم | جیسا کہ آئمہ علم کی تقلید کرنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ مسائل میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو ان آئمہ کی وساطت کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں وہ آئمہ علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں بس ہمیں تو اسی قدر آگاہی حاصل ہے جس قدر ہمیں آئمہ علم نے آگاہ کیا ہے ان میں راہ اعتدال پر اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنے مخالفین کے خلاف طعن وتشنیع نہیں کرتا اور نہ ہی وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے ہی امام کا قول صحیح ہے اور دیگر آئمہ کے اقوال باطل ہیں۔

اختلاف کے اقسام | اختلاف کی دو قسمیں ہیں ایک قسم اختلاف تنوع ہے اور دوسری قسم اختلاف تضاد ہے اختلاف تنوع کے آگے کچھ اقسام ہیں ایک قسم یہ ہے کہ دونوں اقوال اور افعال میں سے ہر ایک درست ہے جیسا کہ قرآن پاک کی قراءتوں میں صحابہ کرام کا اختلاف تھا آپ نے انھیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تم دونوں کی قرآت صحیح ہے[1] اسی طرح کا جواز کا اختلاف اذان، تکبیر، دعائے استفتاح، سجدہ سہو کے مقام، تشہد، نماز خوف اور تکبیرات عیدین وغیرہ کے مسائل میں ہے اگرچہ بعض صورتیں دیگر صورتوں سے ارجح اور افضل ہیں جبکہ تمام مشروع ہیں لیکن ہم دیکھتے

---

[1] بخاری من حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ہیں کہ امت اسلامیہ میں تکبیر دوہری یا اکہری کہنے پر اختلاف اتنی شدت اختیار کر جاتا ہے کہ دونوں گروہ باہم دست و گریباں دکھائی دیتے ہیں۔

حالانکہ اتنے معمولی مسائل پر لڑائی جھگڑا کرنا شرعاً ناجائز ہے اسی طرح جن لوگوں کے دلوں میں ایک صورت زیادہ محبوب ہوتی ہے وہ دوسری صورت کے پرچار کرنے والوں کی مخالفت کرتے ہیں ان کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے سے روکتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کرنے سے روکا ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ دونوں صورتیں مباح ہیں دونوں قول درست ہیں دونوں کی حقیقت ایک ہے عبارات میں اختلاف ہے جیسا کہ حدود کے الفاظ، دلائل کے صیغوں اور مسمیات کی تعبیر میں اختلاف کثرت کے ساتھ موجود ہے لیکن کسی ایک قول کو مذموم قرار دینا اور اس کے قائل پر زیادتی کرنا عین جہالت ہے اور سراسر ظلم ہے۔

البتہ اختلاف تضاد میں دونوں اقوال ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں اور ان میں منافات ہوتی ہے کبھی یہ منافات اصول میں اور کبھی فروع میں ہوتی ہے جمہور محدثین کے ہاں ایک قول درست ہے دوسرا قول غلط ہے کبھی وہ ہوتا تو غلط ہے لیکن اس میں کچھ صحت کا پہلو بھی ہوتا ہے یا دلیل ہوتی ہے تو غلط کے ساتھ اس کا صحیح پہلو بھی غلط قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ غلط کو غلط قرار دیا جاتا ہے اہل سنت کے مختلف فیہ مسائل میں کثرت کے ساتھ اس کی امثلہ موجود ہیں۔

اہل بدعت کا معاملہ ظاہر ہے جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت سے نوازا ہے وہ کتاب و سنت کی روشنی میں بدعات اور اہل بدعت سے کنارہ کش رہے گا اگرچہ کتاب و سنت کے علم کے بغیر بھی تندرست دلوں والے لوگ بدعات سے دور بھاگتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب انھیں کتاب و سنت کی تائید بھی حاصل ہو جاتی ہے تو معاملہ نور علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

اختلاف تنوع جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اس میں وہ شخص قابل مذمت ہے جو اپنے مخالف رائے رکھنے والے پر کیچڑ اچھالتا ہے جب کہ قرآن پاک نے دونوں فریقوں کی تعریف کی ہے اگر مخالفت میں طعن و تشنیع نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے۔

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ (الحشر ۵)

ترجمہ: مسلمانوں تم نے جو کھجور کا درخت کاٹ ڈالا اور اس کو اس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا۔

درختوں کے کاٹنے پر ان میں اختلاف تھا چنانچہ کچھ لوگوں نے درختوں کو کاٹا اور دوسرے لوگ باز رہے ارشاد خداوندی ہے:۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۔ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا (الانبیاء ۷۸-۷۹)

ترجمہ:۔ اور داؤد اور سلیمان کا حال بھی سن لو کہ جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصل کرنے لگے جس میں لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں (اور اسے روند گئیں) تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے تو ہم نے فیصلہ کرنے کا طریق سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم اور علم بخشا تھا۔

ان دونوں آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو فہم کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جب کہ دونوں کی علم اور حکم کے اوصاف کی وجہ سے تعریف کی گئی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے دن اس شخص کو درست قرار دیا جس نے عصر کی نماز اس کے وقت میں ادا کی اور اس شخص کو بھی درست قرار دیا جس نے عصر کی نماز کو مؤخر کیا اور بنو قریظہ پہنچ کر وہاں نماز ادا کی[1] نیز ارشاد نبوی ہے: جب حاکم اجتہاد کرے اور صواب کو پائے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں اور جب اجتہاد میں خطا کرے تو اس کے لئے ایک ثواب ہے[2]۔ دوسرا اختلاف وہ ہے جس میں ایک جماعت قابل حمد و ستائش ہے اور دوسری جماعت قابل مذمت ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ (البقرہ ۲۵۳)

ترجمہ:۔ اور اگر خدا چاہتا تو ان سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے۔

نیز فرمایا:۔ هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ (الحج ۱۹)

ترجمہ:۔ یہ دو (فریق) ایک دوسرے کے دشمن اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑتے ہیں تو جو کافر ہیں ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے۔

---

[1] بخاری، مسلم عن ابن عمر [2] بخاری، مسلم، احمد وغیرہم من حدیث: ابی ہریرہ و عمرو بن العاص۔

امت مسلمہ میں عام طور پر اختلاف پہلی قسم کا ہے یعنی اس کی بنیاد آراء اور خواہشات ہیں اسی طرح امت مسلمہ میں خون گرانا اموال کا سلب و نہب، بغض و عداوت وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو حق پر نہیں سمجھتا حالانکہ اس کے ساتھ بھی حق ہے انصاف کا یہی تقاضا ہے لیکن اس کو باطل پر سمجھتا ہے اور دوسرا فرقہ پہلے فرقہ کو باطل پر سمجھتا ہے اور اس پر زیادتی کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (البقرہ ۲۱۳)

ترجمہ:۔ اور اس میں اختلاف بھی انھی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے (اور یہ اختلاف انھوں نے صرف آپس کی ضد سے (کیا)۔

اللہ پاک نے اختلاف کا سبب حد سے تجاوز ہونا قرار دیا ہے قرآن پاک کے متعدد مقامات میں اس کا ذکر عبرت کے لئے کیا گیا ہے اسی مضمون کی ایک حدیث بخاری و مسلم میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے چھوڑے رکھو جب تک کہ میں تمھیں چھوڑے رکھوں تم سے پہلے لوگ بوجہ کثرت اموال اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اختلاف کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیئے گئے تو جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کروں تو تم اس سے رک جاؤ اور جب کسی بات کا حکم کروں تو استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو اس حدیث میں انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کاموں سے رک جائیں جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا ہے اس لئے کہ پہلے لوگوں کی تباہی کا سبب کثرت سوال پھر انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے ہوئے ان کی نافرمانی تھی۔

اختلاف فی الکتاب دو قسم کا ہے اختلاف فی التنزیل اور اختلاف فی التاویل دونوں میں ایمان بالبعض ہے ایمان بالکل نہیں ہے اس میں پہلا اختلاف تو یہ ہوا کہ اللہ کا قرآن کے ساتھ کلام کرنا اور اتارنا اس کے غیر میں اس کی قدرت اور مشیت کے ساتھ مخلوق ہے اس کے ساتھ قائم نہیں ہے یہ ایک فرقے کا نظریہ ہے دوسرے فرقے نے کہا قرآن پاک اللہ کی صفت ہے اس کے ساتھ قائم ہے غیر مخلوق ہے اور یہ بھی کوئی بات نہیں کہ وہ اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ متکلم ہے واضح ہے کہ دونوں گروہوں نے حق و باطل کو ملا دیا ہے بعض حق باتوں پر ایمان لائے اور دوسرے فریق کی بعض حق باتوں کی تکذیب کی اشارۃً اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اختلاف فی التاویل بھی ایمان بالبعض کو متضمن ہے یہ بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں تشریف لائے تو وہ مسئلہ تقدیر میں جھگڑا کر رہے تھے ہر ایک آیات پیش کر رہا تھا اس سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا جیسا کہ آپ کے چہرہ میں انار نچوڑا گیا ہے آپ نے فرمایا کیا تمھیں اس کا حکم دیا گیا ہے یا تمھاری یہ ذمہ داری ہے کہ تم کتاب اللہ کے بعض کو بعض کے ساتھ غلط قرار دے دیے ہو خیال کرو جس کام کا تمھیں حکم دیا جائے وہ کام کرو اور جس سے روکا جائے اس سے رک جاؤ ایک روایت میں ہے اے قوم اسی وجہ سے تم سے پہلے ہونے والی اُمتیں گمراہ ہوگئیں کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں سے اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی بعض آیتوں کو دیگر بعض آیتوں کے ساتھ غلط کہا جب کہ قرآن پاک کا نزول اس لئے تو نہیں ہوا تھا قرآن پاک کا نزول تو اس لئے ہوا تھا کہ اس کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تصدیق کرتی ہیں پس جس قدر تمھیں معرفت حاصل ہو جائے اس پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لاؤ ایک روایت میں ہے تم سے پہلے لوگوں پر اس وقت تک لعنت نہ کی گئی جب تک کہ ان میں اختلاف رونما نہ ہوا یاد رکھو قرآن پاک میں جھگڑے کھڑے کرنا کفر ہے (حدیث صحیح ہے)

یہ حدیث مشہور ہے مسند اور سنن کی کتابوں میں مروی ہے اصل حدیث صحیح مسلم میں ہے عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کے وقت گیا آپ نے دو آدمیوں کی آواز سنی وہ ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے آپ تشریف لائے آپ کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار تھے آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ میں اختلاف کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے تمام اہل بدعت تاویل میں مختلف رائے والے ہیں بعض تاویلات پر ایمان رکھتے ہیں بعض پر ایمان نہیں رکھتے جو ان کی رائے کے موافق ہوں انھیں تسلیم کرتے ہیں اور رائے کے مخالف آیات کی تاویل کرتے ہیں بلکہ تحریف کرتے ہیں یا متشابہ کہہ دیتے ہیں جس کے معنیٰ کا کسی کو علم نہیں اس طرح وہ نازل شدہ معانی کا انکار کرتے ہیں یعنی ان کے ساتھ کفر کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایمان باللفظ بلا معنیٰ اہل کتاب کے ایمان جیسا ہے ارشاد خداوندی ہے

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ ۵)

ترجمہ:۔ جن لوگوں کے سر پر تورات لدوا دی گئی پھر انھوں نے اس کے بار (تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔

نیز فرمایا:۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ (البقرۃ ۷۸)

ترجمہ:- اور ان میں کچھ حرف پڑھنا ہی نہیں جانتے ہیں۔

لفظ امانی سے مراد صرف تلاوت ہے یعنی معنیٰ معلوم نہ کرنا واضح رہے کہ یہ شخص اس مومن کی طرح نہیں ہو سکتا جو قرآن کے معانی سمجھتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے جس کا معنی اس پر مشتبہ ہوتا ہے اس کے علم کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:- قرآن پاک کی جن آیات کے معانی کی معرفت حاصل ہو جائے اس پر عمل کرو اور جس کی معرفت معلوم نہ ہو اس کو کسی عالم کے سپرد کرو[۱] پس آپ کے ارشاد گرامی پر عمل کیا جائے۔

(ط) آسمان و زمین میں اللہ کا دین ایک ہے اور وہ دین اسلام ہے ارشاد خداوندی ہے:-

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (المائدہ ۳) بیشک دین اللہ کے ہاں اسلام ہے

نیز فرمایا:- وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا. (المائدہ ۳) اور میں نے تمہارے لئے اسلام دین پسند کر لیا ہے۔

پس دین اسلام افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل، جبر و قدر، بیم و یاس کے درمیان ہے:-

(ش) صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم انبیاء کی جماعت کا دین ایک ہے:-

نیز ارشاد خداوندی:- وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران ۸۵)

ترجمہ:- اور جو شخص اسلام کے علاوہ دین تلاش کرتا ہے اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔

ہر دور میں عمومیت کا حامل ہے البتہ شرائع میں اختلاف ضرور ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:-

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا. (المائدہ ۴۸)

ترجمہ:- تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔

پس دین اسلام وہ ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے بھیجا اس لحاظ سے دین اسلام کے اصول و فروع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہیں ان کی حقیقت اظہر من الشمس ہے ہر چھوٹا بڑا فصیح غیر فصیح ہوشیار کمزور جس میں تمیز کی اہلیت موجود ہے اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ کلمۂ اسلام کا اقرار کر کے آناً فاناً اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور کلمۂ اسلام کا انکار کر کے فوراً خارج ہو سکتا ہے انکار میں تکذیب معارضہ، شک یا منزل من اللہ کا رد کرنا بھی داخل ہے۔

پس کتاب و سنت دین اسلام کے غلبہ اور اس کے حصول کے آسان ہونے پر دلالت کرتی ہے[۲] بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دور دراز سے آنے والا شخص آتا ہے اور اس وقت اسلامی تعلیم سے روشناس ہو کر واپس وطن لوٹ جاتا ہے تعلیم کا اسلوب متعلمین کے مزاج کے مطابق ہے جیسے ضمام بن ثعلبہ نجدی

---

[۱] صحیح ہے مسند احمد ۲/۱۸۱ فی الحدیث ۶۶۳ [۲] بخاری، مسلم

اور عبد القیس کا وفد انھیں آپ ضروری امور کی تعلیم سے بہرہ ور فرماتے ہیں اس لئے کہ آپ کو بخوبی علم تھا کہ دین اسلام اکناف عالم میں پھیلے گا تو ضرورت کے مطابق مبلغین بھیجے جائیں گے جو دور دراز رہنے والے لوگوں کو پیدا ہونے والے مسائل میں راہ نمائی کریں گے البتہ نزدیک رہنے والے لوگوں کے لئے ہر وقت آنا ممکن ہے انھیں تدریجی طور پر مسائل بتائے گئے یا جب کوئی سائل آیا تو اس کے حسب حال اس کے سوالات کے جوابات دیئے جیسا کہ آپ نے ایک سائل سے فرمایا آپ اللہ پر ایمان لائیں پھر اس پر استقامت اختیار کریں۔

لیکن دین اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین نکالنا باطل ہے اللہ تعالیٰ اسے ہرگز پسند نہیں فرماتے جب کہ اس کے اصول نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور نہ ہی دیگر پیغمبروں سے منقول ہیں اس لحاظ سے ان کا باطل ہونا ظاہر ہے جیسا کہ دین اسلام کا حق ہونا ظاہر ہے۔

امام طحاوی کا قول :- دین اسلام افراط و تفریط کے درمیان ہے اس کی وضاحت اللہ پاک کے اس قول سے ہو رہی ہے :- قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (المائدہ ۷۷)

ترجمہ :- کہہ دو اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔

نیز فرمایا :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ (المائدہ ۸۷ - ۸۸)

ترجمہ :- مومنو! جو پاکیزہ چیزیں ہیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے اور جو حلال طیب روزی خدا نے تم کو دی ہے اس سے کھاؤ اور خدا سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو)

نیز بخاری مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ چند صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے آپ کے پوشیدہ عمل کے بارے میں دریافت کیا دریافت کرنے والوں میں سے کسی نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا کسی نے کہا میں عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا کسی نے کہا میں بستر پر نہیں لیٹوں گا ان کی یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچیں آپ نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جنھوں نے یہ باتیں کہی ہیں میرا حال تو یہ ہے کہ میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور رات کا کچھ حصہ آرام بھی کرتا ہوں کچھ حصہ قیام بھی کرتا ہوں اور گوشت کھا لیتا ہوں اور عورتوں سے نکاح

بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے بخاری، مسلم کے علاوہ دیگر کتابوں میں ہے کہ صحابہ نے آپ کی پوشیدہ عبادت کے بارے میں دریافت کیا گویا کہ انھوں نے آپ کی عبادت کو قلیل سمجھا نیز آیت کریمہ کے نزول کے سبب میں عکرمہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون علی بن ابی طالب، ابن مسعود، مقداد بن اسود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ چند دیگر صحابہ نے تبتل اختیار کیا اپنی بیویوں سے الگ تھلگ ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے موٹے جھوٹے کپڑے زیب تن کئے عمدہ قسم کے کھانوں اور لباس کو حرام قرار دیا صرف اسی قدر خوراک کھاتے جس قدر بنو اسرائیل کے متصوفین کھاتے اور ان جیسا لباس پہنتے بلکہ خصی ہونے کا عزم کر لیا اور رات بھر قیام کا فیصلہ کیا اور دن کو روزہ نہ افطار کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (المائدہ ۸۷)

ترجمہ:۔ اے مومنو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمھارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

انھیں حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں والا طریقہ اختیار کریں ان کی مخالفت نہ کریں عورت، خوراک لباس کو حرام نہ کریں اور نہ ہی پوری رات کے قیام اور ہمیشہ روزہ رکھنے کا عزم کریں اور نہ ہی خصی ہونے کا خیال کریں چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب پیغام بھجوایا کہ تمھاری جانوں کا بھی تم پر حق ہے۔ نیز تمھاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے روزہ رکھ بھی لیا کرو چھوڑ بھی دیا کرو رات کا قیام بھی کرو اور سو بھی جایا کرو وہ انسان ہم میں سے نہیں ہے جو ہماری [illegible] چھوڑ دیتا ہے اس پر انھوں نے کہا ہم تسلیم کرتے ہیں اور جو آیات نازل ہوئی ہیں ان کی [illegible] کرتے ہیں۔

امام طحاوی کا قول:۔ دین اسلام تشبیہ، تعطیل کے درمیان ہے سابقہ اوراق میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اللہ سبحانہ پسند فرماتے ہیں کہ اس کا وصف اس طرح بیان کیا جائے جس طرح خود اس نے اپنا وصف بیان کیا ہے یا جس طرح اس کے رسول نے آپ کا وصف بیان کیا ہے تشبیہ سے گریز کیا جائے چنانچہ یوں کہنا درست نہیں کہ اللہ کے کان ہمارے جیسے ہیں اور اس کی آنکھیں ہمارے جیسی ہیں اس کے ساتھ ساتھ نہ ہم اللہ کو معطل کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ نے اپنا وصف

---

[1] اس طریق سے حدیث ضعیف ہے نیز مرسل ہے

بیان کئے ہیں یا جس طرح اللہ کے پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے ہیں ہم ان کی نفی کریں اس جیسا ہی یہ قول ہے کہ جو شخص تشبیہ اور نفی سے دور نہ رہا وہ پھسل گیا اور اس نے ٹھیک طرح سے اللہ کو منزہ نہ کیا یہی معنیٰ اللہ کے اس قول سے نکلتا ہے :-

لیس کمثلہ شئ (الشوریٰ ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ۔

پس لیس کمثلہ شئ آیت میں مشبہہ کا رد ہے اور وہو السمیع البصیر میں معطلہ کا رد ہے

امام طحاوی کا قول :- دین اسلام جبر و قدر کے درمیان ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے کہ بندہ اپنے افعال، اقوال میں مجبور نہیں ہے اور اس کے افعال رعشہ والے کی حرکات کی مثل نہیں ہیں اور نہ ہی ان درختوں کی حرکات کی طرح ہیں جو آندھی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں لیکن ان کو انسانوں کی مخلوق نہیں کہا جا سکتا ہاں افعال کا خالق اللہ ہے البتہ فاعل بندہ ہے ۔

امام طحاوی کا قول :- ایمان بیم ویاس کے درمیان ہے اس کی بھی وضاحت ہو چکی ہے کہ بندہ اپنے رب کے عذاب سے خائف رہے اور اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور خوف امید دونوں انسان کے لئے بمنزلہ دو پروں کے ہیں کہ وہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کی جانب جاتا ہے ۔

(ط) پس ظاہراً باطناً یہ ہمارا دین اور اعتقاد ہے نیز ہم ہر اس شخص سے اللہ کی طرف براءت کا اظہار کرتے ہیں جو اس دین کی مخالفت کرتا ہے جس کو ہم نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے نیز ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پہ ثابت قدم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور ہمیں مختلف خواہشات اور مختلف آراء نیز غلط طریقوں سے محفوظ فرمائے مثلاً مشبہہ، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ، قدریہ وغیرہ سے دور رکھے جو سنت اور جماعت کی مخالفت کرتے ہیں اور گمراہی کے حلیف ہیں ہم ان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں یہ تمام فرقے ہمارے نزدیک گمراہ اور بدترین ہیں ہم [illegible] عصمت اختیار کرتے ہیں اور اسی سے توفیق مانگتے ہیں ۔

(ش) ھذا سے مقصود شروع کتاب سے لے کر اختتام تک تمام مقاصد مراد ہیں اور مشبہہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی صفات کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں ان کا قول عیسائیوں کے قول کے مخالف ہے جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ تشبیہ دی اور اس کو خدا کہا لیکن ان لوگوں نے خالق کو مخلوق کے مشابہ کہا جیسے داؤد جوابی اور اس ہم عقیدہ لوگ ہیں ۔

معتزلہ | عمرو بن عبید، واصل بن عطاء اور ان کے رفقاء معتزلہ ہیں دوسری صدی کے آغاز میں جب

یہ لوگ حسن بصری کی وفات کے بعد اہل سنت والجماعت سے الگ ہو گئے اور الگ ہی انھوں نے اپنا کیمپ لگا لیا تو قتادہ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے ان کا نام معتزلہ رکھ دیا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ واصل بن عطار نے اولاً معتزلہ کے اصول وضع کئے حسن بصریؒ کے شاگرد عمرو بن عبید نے اس کا ساتھ دیا تھا ہارون رشید کے عہد خلافت میں ابو الہذیل نے ان کے عقائد وغیرہ کے بارے میں دو کتابیں تالیف کیں جن میں ان کا مذہب بیان کیا کہ ان کا مذہب پانچ اصولوں پر مبنی ہے عدل، توحید وعید سے محفوظ کرنا، دو منزلوں کے درمیان ایک منزلت کا تعین امر بالمعروف نہی عن المنکر ان پانچ اصولوں میں انھوں نے حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا جیسا کہ بدعات بھی حق و باطل کا مجموعہ ہوتی ہیں معتزلہ کا نام مشبہہ بھی ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا بندوں کے افعال پر قیاس کرتے ہیں یعنی جو افعال بندوں کے مستحسن ہیں وہ اللہ کے بھی مستحسن ہیں اور جو افعال بندوں کے قبیح ہیں وہ اللہ کے بھی قبیح ہیں نیز وہ کہتے ہیں اللہ پر واجب ہے کہ وہ فلاں کام کرے اور فلاں کام اللہ کے لئے جائز نہیں ہے اس فاسد اصول کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ ایک آقا اگر اپنے غلاموں کو دیکھے کہ وہ اس کی لونڈیوں سے زنا کرتے ہیں اور وہ انھیں روکتا نہیں ہے تو سمجھا جائے گا کہ وہ ایک قبیح چیز کو مستحسن گردانتا ہے یا ان کو روکنے سے عاجز ہے اس فاسد اصول اور مثال کی روشنی میں اللہ کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرنا صحیح نہیں تفصیل اسی کتاب میں دیگر مقامات پر ذکر ہو چکی ہے۔

عدل کے ضمن میں معتزلہ تقدیر کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ شر کا خالق نہیں ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر فیصلہ فرماتا ہے اس لئے کہ اگر اللہ نے شر کا خلق کیا ہے نعوذ اللہ کا اس پر عذاب دینا ظلم ہے جب کہ اللہ تعالیٰ عدل والا ہے اس سے ظلم سرزد نہیں ہوتا اس فاسد اصول کی بنیاد پر لازم آتا ہے کہ اللہ کے ملک میں ایسی چیزیں ہیں جن کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور بعض کا ارادہ کرتا ہے لیکن وہ وقوع پذیر نہیں ہوتی اس سے اللہ کا عجز کے ساتھ موصوف ہونا لازم آتا ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ عن ذالک۔

توحید کے ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اس لئے کہ اگر وہ مخلوق نہ ہو تو قدماء کا تعدد لازم آتا ہے اس فاسد قول کے نتیجہ میں لازم آتا ہے کہ اللہ کا علم اس کی قدرت اس کی جملہ صفات مخلوق ہوں یا تناقض لازم آتا ہے۔

وعید کے ضمن میں کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کے حق میں وعید سنائی ہے تو اللہ کے لئے جائز نہیں کہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے اس لئے کہ اللہ تو وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا اس کے نزدیک جس کو معاف کرنا چاہے اس کو معاف نہیں کر سکتا۔

منزلۃ بین المنزلتین کے ضمن میں کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا وہ ایمان سے خارج ہو گیا لیکن کفر میں بھی داخل نہیں ہوا وہ درمیانی مرتبہ ہے۔

امر بالمعروف کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے غیر کو ان باتوں کا حکم دیں جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور جو کام ہمارے لئے لازم ہیں وہ ہمارے غیر کے لئے بھی لازم ہیں اس کے ضمن میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے آئمہ سے لڑائی کرنا فرض ہے معتزلہ کے ان پانچوں شبہات کے جوابات سابقہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں۔

معتزلہ کا غلط نظریہ وہ کہتے ہیں کہ توحید، عدل کا اثبات عقلی اصولوں سے ہوتا ہے ان کے بارے میں سماع کی صحت کا دارومدار بھی عقلی اصولوں پر ہے جب وہ ادلہ سمعیہ کا ذکر کرتے ہیں تو انھیں بطور استدلال کے ذکر نہیں کرتے ہیں بلکہ محض تقویت کے لئے کرتے ہیں وہ کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہم ادلہ سمعیہ کے ساتھ ان کا اثبات نہیں کرتے ادلہ سمعیہ سے قبل ہمیں عقلاً ان کی صحت کا علم ہے چنانچہ بعض معتزلہ تو اصول میں ادلہ سمعیہ کا ذکر نہیں کرتے وہ ان کا ذکر بے فائدہ سمجھتے ہیں اور بعض معتزلہ ادلہ سمعیہ کا اس لئے ذکر کرتے ہیں تاکہ ادلہ سمعیہ اور عقلیہ کی موافقت کا علم ہو جائے اور لوگ اس طرح مانوس ہوں گے وگرنہ ادلہ سمعیہ پر ان کو اعتماد نہیں وہ تو قرآن وحدیث کو نصاب شہادت سے زائد گواہ سمجھتے ہیں اور اس فوجی دستہ کی مانند سمجھتے ہیں جو لشکر سے آکر ملتا ہے جب کہ لشکر کو اس کی ضرورت نہیں ہے نیز اس انسان کے مرتبہ میں جو اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے۔ اتفاق ہے کہ شریعت بھی اس کی خواہش کے مطابق ہے حالانکہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا آپ ان لوگوں کے زمرہ میں نہ داخل ہوں جو اس وقت حق کا اتباع کرتے ہیں اس صورت میں حق کی موافقت کی صورت میں بھی تجھے ثواب نہیں ملے گا اور حق چھوڑنے کی صورت میں آپ اپنی خواہش کا ہی اتباع کر رہے ہیں نیز حدیث میں ہے کہ اعمال کی صحت کا دارومدار نیت پر ہے ہر شخص کے اعمال کا ثمرہ اس کی نیت پر ہے یعنی عمل قصد، ارادہ کے تابع ہے پس منضبوط اعتقاد بھی اس کے علم اور تصدیق کے تابع ہے تو جب اعتقاد ایمان کے تابع ہے تو اعتقاد کو ایمان کہنا درست ہے جیسا کہ نیک عمل جب صالح نیت سے ہو تو صالح عمل کہلاتا ہے ورنہ صالح نہیں ہے اس لحاظ سے اہل ایمان کا قول جو ایمان کے تابع نہ ہو اہل صلاح کے اس عمل کی طرح ہے جو ان کے ارادہ کے تابع نہ ہو۔

خیال رہے کہ معتزلہ میں کثرت کیساتھ زندیق موجود ہیں نیز ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں اکارت گئیں جب کہ وہ اس خیال میں ہیں۔ کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

جہمیہ: یہ لوگ جہم بن صفوان سمرقندی کی طرف منسوب ہیں یہ وہ شخص ہے جس نے صفات خداوندی کی نفی کرکے خدا کو معطل بنا کر رکھ دیا اس کے علم کا منبع دراصل جعد بن درہم ہے جس کو خالد بن عبد اللہ قسری نے واسط شہر میں ذبح کر دیا تھا اس نے عید الاضحیٰ کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگو تم قربانیاں کرو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے میں جعد بن درہم کو ذبح کرتا ہوں اس لئے کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل نہیں بنایا ہے نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا ہے جعد کی ان باتوں سے اللہ تعالیٰ بلند ہے کہا اور جعد کو ذبح کر دیا خیال رہے کہ اس دور کے سلف علماء سے فتوای حاصل کرنے کے بعد انھوں نے جعد کو ذبح کیا تھا اسکے بعد جہم نے خراسان جعد کی موافقت کی کچھ لوگ اس کے تابعدار ہوگئے جب کہ اس نے اپنے رب کے بارے میں شک کرتے ہوئے چالیس دن تک نماز ادا نہ کی وجہ یہ تھی کہ اس کی قوم کے لوگ مشرک تھے وہ ہندوستان کے فلاسفہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے ان کو سمنیہ کہا جاتا تھا وہ حسیات کے علاوہ تمام چیزوں کا انکار کرتے تھے انھوں نے جہم سے کہا اے جہم! تیرا رب جس کی تو عبادت کرتا ہے کیا وہ دیکھا جا سکتا ہے یا اس کو سونگھا جا سکتا ہے یا اس کا ذائقہ چکھا جا سکتا ہے یا اس کو ٹٹولا جا سکتا ہے جہم نے نفی میں جواب دیا انھوں نے کہا تیرا رب تو معدوم ہے اس پر جہم حیران ہوگیا چالیس روز تک اس نے نماز نہ پڑھی اور ہر قسم کی عبادت سے باز رہا جب اس کا دل معبود حقیقی سے خالی ہوگیا تو شیطان نے اس کے دماغ میں ایک نیا فکر ڈالا کہ خدا وجود مطلق کا نام ہے اس طرح اس نے اللہ کی تمام صفات کی نفی کر دی اور جعد کے نظریات کا پرچار کرنے لگا ایک قول یہ ہے کہ جعد نے اہل حران کے فلاسفہ صابئین کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے نیز اس نے بعض ایسے یہودی علماء سے علم حاصل کیا جنھوں نے اپنے دین میں تحریف کی خصوصاً جن کا تعلق لبید بن اعصم کیساتھ تھا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اس کو اس کے برے عقیدہ کی بنا پر مسلم بن احوز نے خراسان میں قتل کر دیا اس کے قتل کے بعد اس کے نظریات لوگوں میں پھیلنے شروع ہوگئے معتزلہ نے خاص طور پر اس کی تقلید کی البتہ جہم مسئلہ تعطیل میں ان سے بہت آگے تھا اس نے اسماء الٰہیہ کی حقیقت کا انکار کیا جب کہ معتزلہ اسماء کا تو انکار نہیں کرتے البتہ صفات کا انکار کرتے ہیں جہمیہ کے بارے میں علماء اختلاف کرتے ہیں کیا وہ بہتر فرقوں میں سے ہیں یا نہیں اس میں دو قول ہیں عبد اللہ بن مبارک، یوسف بن اسباط کا قول ہے کہ وہ بہتر فرقوں میں داخل نہیں ہیں دراصل جہمیہ کے خیالات کو اس وقت شہرت حاصل ہوئی جب امام احمد بن حنبل اور دیگر علماء اہل سنت پر دور ابتلاء تھا مامون عباسی کی امارت میں ان لوگوں کو تقویت حاصل ہوئی اور ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور انھیں

پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا سن دو صد اٹھارہ ۲۱۸ھ میں جس میں مامون فوت ہوا اس نے آئمہ اہل سنت کو ابتلاء کے شکنجے میں کھینچا اور سن دو صد بیس ۲۲۰ھ میں امام احمد کو بغداد میں جیل میں ڈالا یہی وہ دور ہے جب ان کے ساتھ مناظرے ہوتے رہے اور معتصم نے ان پر مظالم کئے اور ان کی کمر پر کوڑے برسائے امام احمد بن حنبل برابر ان سے کہتے رہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ وہ ان کے شبہات کے جواب دیتے رہے اور نعرۂ حق بلند کرتے رہے لیکن حکومت کی مشینری جو جہمیہ عقائد کی علمبردار تھی وہ لوگوں کو بزور اپنے نظریات کے منوانے کی کوشش کرتے رہے اور نہ ماننے والوں کو مارتے پیٹتے رہے امام احمد بن حنبل نے ان کے اس طرز عمل کو ظلم اور جہالت سے تعبیر فرمایا معتصم کا دل کچھ نرم ہوا اس نے امام احمد بن حنبل کو رہا کرنے کا ارادہ کیا لیکن بد دین قسم کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ مصلحت اس میں ہے کہ اس کو رہا نہ کیا جائے اور اس پر کوڑے برسائے جائیں تاکہ حکومت کا احترام ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائے لیکن ان پر ظلم و ستم روا رکھنے سے عوام میں حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی حکومت کو خطرہ لاحق ہوا تو ان کی رہائی کا فیصلہ صادر کیا گیا یہ واقعہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

جہم کے انفرادی نظریات جہم کا نظریہ تھا کہ جنت دوزخ فنا ہو جائیں گی اور ایمان صرف معرفت کا نام ہے اور کفر صرف جہالت کا نام ہے حقیقت میں کسی کا کوئی فعل نہیں سب افعال اللہ کے ہیں لوگوں کی طرف افعال کی نسبت مجازی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے درخت متحرک ہے آسمان گھومتا ہے سورج ڈھل گیا۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

عجبت لشیطان دعا الناس جھرۃ　　الی النار واشتق اسمہ من جھنم

ترجمہ:۔ مجھے شیطان پر تعجب ہے جو لوگوں کو دوزخ کی طرف کھلے بندوں دعوت دیتا ہے اور اس کا نام جہنم سے مشتق ہے۔

منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ سے جب اعراض اور اجسام کے بارے میں دریافت کیا گیا انھوں نے فرمایا عمرو بن عبید پر اللہ کی لعنت ہو اس نے لوگوں پر اس قسم کی گفتگو کا دروازہ کھول دیا ہے۔

خیال رہے کہ جبریہ کا تعلق بھی جہم کے ساتھ ہے اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے نیز بندے کے فعل کا تعلق اس کے ساتھ بالکل اسی طرح کا ہے جس طرح کہ بندے کے طول اور رنگ کا اس کے ساتھ تعلق ہے یہ فرقہ قدریہ کا مخالف ہے جو تقدیر کی نفی کرتے ہیں اور قدریہ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے

کہ وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ مرجئہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ارجاء کی نفی کرتے ہیں یعنی کسی کا معاملہ تاخیر والا نہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب کرے یا ان کی توبہ قبول کرے اور جبریہ کو قدریہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تقدیر کے اثبات میں غلو اختیار کرتے ہیں جیسا کہ ان لوگوں کا بھی نام رکھا جاتا ہے جو وعد و وعید کسی چیز پر یقین نہیں رکھتے بلکہ ہر کام میں تاخیر کے قائل ہیں وہ نہ تائب کے ثواب پر یقین رکھتے ہیں نہ اس کی عقوبت پر یقین رکھتے ہیں جو توبہ نہیں کرتا اسی طرح کسی خاص انسان کے لئے جزم کی بات نہیں کرتے پہلے دور کے مرجئہ نظریات عثمان اور علی کے بارے میں بھی جزم نہیں رکھتے تھے ان کے بارے میں بھی ارجاء کے قائل تھے یعنی ان کے ایمان اور کفر کی گواہی نہیں دیتے تھے۔

قدریہ کی مذمت میں سنن میں کچھ حدیثیں مروی ہیں ایک حدیث سنن ابوداؤد میں ہے ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی بیمار پرسی نہ کرو اگر وہ فوت ہو جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو (حدیث حسن ہے)۔ قدریہ کی مذمت میں کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں البتہ محدثین نے ان کے مرفوع ہونے کی صحت میں گفتگو کی ہے ان کا موقوف ہونا صحیح ہے لیکن وہ حدیث جو خوارج کی مذمت میں ہیں ان میں دس صحیح ہیں تین بخاری شریف میں ہیں اور ان کی مشابہت مجوسیوں کے ساتھ ظاہر باہر ہے بلکہ ان کی باتیں مجوسیوں کی باتوں سے بھی زیادہ بری ہیں جب کہ مجوسی تو دو خالقوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور قدریہ تو کئی خالقوں کے معتقد ہیں اس قسم کی تقابلی بدعات کا سرچشمہ دراصل وہ فتنے ہیں جن کی وجہ سے امت مسلمہ میں افتراق ہوا صحیح بخاری میں ہے سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں پہلا فتنہ شہادت عثمان ہے جب یہ وقوع پذیر ہوا تو اس فتنہ نے اصحاب بدر سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اس کے بعد دوسرا فتنہ واقع ہوا اس نے اصحاب حدیبیہ میں سے کسی کو نہ چھوڑا پھر تیسرا فتنہ واقع ہوا وہ ختم نہ ہوا کہ لوگوں میں کچھ قوت باقی ہو پس یاد رکھیں خوارج اور شیعہ پہلے فتنہ کی پیداوار ہیں اور قدریہ اور مرجئہ دوسرے فتنہ اور جہمیہ وغیرہ تیسرے فتنہ کے بعد پیدا ہوئے یہ ایسے فرقے ہیں جنھوں نے دین اسلام کے ماننے والوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا بدعات کا مقابلہ بدعات سے ہوا شیعہ نے علی کی تعظیم میں غلو اختیار کیا جب کہ خوارج نے ان کو کافر بنا دیا اور بعض نے وعید میں غلو اختیار کیا بعض ایمانداروں کو مخلد فی النار بنا دیا مرجئہ نے اتنا غلو کیا کہ بعض نے وعید کی نفی کر دی اور تنزیہ میں اتنا غلو کیا کہ صفات کی نفی کر دی اور بعض نے صفات میں اتنا غلو کیا کہ تشبیہ کا اثبات کر دیا انھوں نے دین اسلام میں ایسے دلائل اور مسائل ایجاد کئے جن کی مشروعیت کے لئے کچھ سند نہیں اس طرح انھوں نے مشروع چیزوں سے اعراض کیا ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں

جنھوں نے یہود و نصاریٰ مجوس اور صابیئوں کی کتابوں سے بعض چیزوں کا استخراج کیا اس طرح انھوں نے مسائل اور دلائل میں گمراہ کن چیزوں کو داخل کر لیا لیکن لفظی تحریف کے مرتکب ہوئے اور کبھی معنوی تحریف سے لوگوں کو گمراہ کیا اس طرح انھوں نے حق و باطل کو ملتبس کر دیا اور جس حق کو ان کے پیغمبر لے کر تشریف لائے تھے اس کو چھپا لیا تو وہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ان میں اختلاف رونما ہوا چنانچہ انھوں نے جسم، عرض، تجسیم میں نفیاً اثباتاً دلائل فراہم کرنے شروع کر دیئے

ان فرقوں کی گمراہی کا سبب | ان کی گمراہی کا سبب صرف یہ ہے کہ یہ اس سیدھے راہ سے بھٹک گئے جس پر چلنے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ارشاد خداوندی ہے :۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهٖ (الانعام ۱۵۳)

ترجمہ :۔ بے شک یہ میرا رستہ سیدھا ہے اس کی اتباع کرو (دیگر) رستوں کی اتباع نہ کرو کہ تم کو اس کے رستے سے ہٹا دیں گے۔

نیز فرمایا :۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف ۱۰۸)

ترجمہ :۔ کہہ دو یہ میرا رستہ ہے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں میں اور میری تابعداری کرنے والے بصیرت پر ہیں۔

خیال کیجئے کہ لفظ صراط، سبیل واحد ہیں اور مختلف راستوں کے لئے لفظ سبل جمع استعمال ہوا ہے جو صراط مستقیم کے خلاف ہیں چنانچہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سمجھانے کے لئے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ (سبل) یعنی راستے ہیں اور ہر راستے پر شیطان ہے جو اس کی طرف دعوت دیتا ہے پھر آپ نے ذیل کی آیت تلاوت فرمائی

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام ۱۵۳)[۱]

ترجمہ :۔ اور بے شک یہ میرا رستہ سیدھا ہے اس کی اتباع کرو (دیگر) رستوں کی اتباع نہ کرو کہ وہ تم کو اس رستہ سے دور کر دیں گے خدا نے اس کی تم کو وصیت کی ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ

معلوم ہوا کہ صراط مستقیم کی راہ نمائی کی طلب کا انسان دیگر تمام ضرورتوں سے زیادہ محتاج ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت مشروع کی ہے (اگرچہ علماء کا اس کے فرض، واجب ہونے میں اختلاف ہے) کہ انسان عظیم القدر دعا کا محتاج ہے جو بہترین اور عمدہ مقصود

[۱] حدیث صحیح ہے حاکم وغیرہ۔ تخریج السنۃ رقم ۱۷

پر مشتمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کہیں:۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحہ ۵۔۷)

ترجمہ:۔ تو ہمیں سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا ان (لوگوں) کا رستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کا جو گمراہ ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا یہود مغضوب علیہ ہیں اور عیسائی گمراہ ہیں[1] نیز صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں کے راستے پر بالکل ان کی طرح (جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہے) چلوگے یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے صحابہ نے دریافت کیا ان سے مراد یہودی عیسائی ہیں آپ نے جواب دیا اور کون ہیں؟ (یعنی وہی ہیں)[1]

ائمہ سلف کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ دین اسلام میں تحریف کرنے والے علماء یہود کے مشابہ ہیں اور عبادت گذار عیسائیوں کے مشابہ ہیں یہی وجہ ہے کہ متکلمین معتزلہ میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو یہود کے مشابہ ہیں غالباً اسی مناسبت سے یہودی علماء معتزلہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کے طریق کو مستحسن گردانتے ہیں یہی حال معتزلہ کے شیوخ کا ہے وہ یہودیوں کی طرف میلان رکھتے ہیں اور عیسائی علماء انہیں ترجیح دیتے ہیں اور اکثر عبادت گذار اور صوفیا تحریف کرنے والے عیسائیوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ رہبانیت حلول وحدۃ الوجود وغیرہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور ان کے مشائخ علم کلام اور متکلمین کی مذمت کرتے ہیں اور معتزلہ کے مشائخ صوفیا کے طریق کو مذموم سمجھتے ہیں اور سماع، وجد اور صوفیاء کی پیدا کردہ بدعات وغیرہ کی مذمت کرتے ہیں وحی کے بارے میں گمراہ فرقوں کے مختلف طریقے ہیں ایک طریقہ التبدیل ہے دوسرا طریقہ التجہیل ہے اہل تبدیل کی دو قسمیں ہیں اہل الوہم والتخییل اور اہل التحریف والتاویل۔

اہل الوہم والتخییل وہ لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ، آخرت کے دن، جنت دوزخ کے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ نفس حقیقت کے مطابق نہیں ہیں ان کی باتیں تخییل اور وہم سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتیں مثلاً ان کا یہ وہم ہے

[1] حدیث صحیح ہے ترمذی وغیرہ ابن حبان نے (۱۷۱۵) میں صحیح کہا ہے[1] بخاری، مسلم عن ابی سعید خدری

کہ اللہ عظیم چیز ہے اسی طرح اجسام کا اٹھایا جانا اور ان کو نعمتوں سے ہمکنار کرنا یا انھیں عذاب میں مبتلا رکھنا بھی وہم ہے جب کہ یہ باتیں حقیقت کے خلاف ہیں صرف جمہور کی مصلحت کے لئے انھوں نے یہ جھوٹی باتیں کہی ہیں چنانچہ ابن سینا اور اسی قماش کے فلاسفہ نے اس اصل کو گمراہ کن قوانین کی بنیاد بنایا۔

اہل تحریف وتاویل ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا کہنا ہے کہ حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال حقیقت نفس الامری پر مبنی نہیں ہیں حقیقت نفس الامری تو ہمارے ساتھ ہے ہم نے اپنی عقلوں کے ساتھ اس کو پا لیا ہے چنانچہ وہ پیغمبروں کے اقوال کی مختلف تاویلیں کرکے اپنے نظریات کے مطابق بنانے کی سعی لاحاصل کرتے رہتے ہیں پھر چونکہ وہ اپنی تاویلات پر یقین نہیں رکھتے اس لئے کہتے ہیں ممکن ہے اس کا مطلب یہ ہو یا ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو بہر حال امکان اور احتمال کے حدود سے آگے قدم نہیں رکھ پاتے ہیں۔

اہل جہالت وضلالت وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ انبیاء اور ان کے پیروکار سب جاہل گمراہ ہیں جن آیات میں اللہ نے اپنے اوصاف بیان کئے ہیں وہ ان کی حقیقت سے بے خبر ہیں نیز وہ کہتے ہیں کہ بعض نصوص کی تاویل کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا نہ ان کی تاویل سے حضرت جبریل کو واقفیت نہ محمدؐ اور دیگر انبیاء ان کی تاویلات کا علم رکھتے ہیں چہ جائیکہ صحابہ اور تابعین کو ان کا علم ہو چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ ۵)

ترجمہ:- خدا عرش پر مستوی ہوا۔

نیز فرمایا:- اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (فاطر ۱۰)

ترجمہ:- اس کی طرف نیک کلمات چڑھتے ہیں۔

نیز فرمایا:- مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص ۷۵)

ترجمہ:- تجھے کس نے منع کیا کہ تو اس کو سجدہ نہ کرے جس کو میں نے ہاتھ سے پیدا کیا۔

لیکن آپ ان آیات کے معانی کی معرفت نہیں رکھتے تھے ان کے معانی کو صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ سلف علماء کا انداز ہے!

ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان سے مراد ان کا ظاہری مدلول اور مفہوم نہیں ہے ان کے مفہوم کا کسی کو علم نہیں جیسا کہ قیامت کے وقت کا کسی کو علم نہیں۔ بعض کہتے ہیں ان آیات کو ان کے ظواہر پر رکھا جائے گا تاہم یہ سب گروہ اس بات میں مشترک ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نصوص کے معانی بیان نہیں فرمائے جو مشکل یا متشابہ تھیں یہی وجہ ہے کہ ہر گروہ جن نصوص کو مشکل قرار دیتا ہے دوسرا گروہ ان کے علاوہ بعض دیگر نصوص کو مشکل قرار دیتا ہے پھر ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ آپ کو بھی ان کے معانی کا علم نہ تھا۔ بعض کہتے ہیں آپ کو تو علم تھا لیکن آپ نے ان کے معانی بیان نہیں فرمائے ان کے معانی کو ادلہ عقلیہ اور ان مجتہد اہل علم کی سوچ پر چھوڑ دیا جو اپنے فکر سے ان کی تاویل کریں گویا اس نظریہ میں تمام مشترک ہیں کہ آپ کو ان کے معانی کا علم نہ تھا یا آپ کو ان کے معانی بتائے نہیں گئے تھے لیکن ہم نے غور و فکر کر کے ان کے معانی کو معلوم کیا نیز ہماری بھرپور کوشش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی ہماری عقلوں کے موافق بنا دیئے جائیں نیز ان کا نظریہ ہے کہ انبیاء اور ان کے پیروکار نہ عقلیات کا علم رکھتے تھے نہ ہی ادلہ سمعیہ کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ تمام فرقے سیدھے راہ سے گم ہو گئے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان واہیات باتوں سے محفوظ رکھے جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

محمد صادق خلیل

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ